پرویز

پرویز - منشی مرتضیٰ خانصاحب پرویز لکھنوی شاگرد حکیم سید علی ضامن صاحب شوق ابن جناب میر علی اوسط صاحب رشک لکھنوی آپ ۱۸۷۴ء میں حیات تھے اس سے زیادہ حال معلوم نہو سکا۔ یہ چند اشعار آپکے نتائج افکار سے ہیں۔

ترا احسان ہو دورِ فلک میں زندگی بھر کا
ہمیں ساقی جو دے ساغر شراب روح پرور کا

کسی صورت نہیں ملتی نہیں کھلتے رخ و عارض
نقاب یار پردہ کا ہوا سدِ سکندر کا

سرائے دہر حیرت زا مسافر سب ہیں دو دن کے
بنا ہے شکل عبرت دیکھو آئینہ سکندر کا

نہ کیوں عشاق ٹھنڈی سانسیں بھر بھرتے مر جائیں
چراغوں کو بجھا دیتا ہے جھونکا بادِ صرصر کا

وہ ہم تزئین وہ خودبیں دیکھکر صورت کو کہتا ہے
خدا کی شان میرے آگے آئینہ سکندر کا

ترس کھایا تڑپنے پر نہ کچھ پرویز کے اے بت
بتا ہر خدا تیرا کلیجہ کیا ہے پتھر کا

پرویز

پرویز - منشی سید یوسف حسین صاحب شاگرد مولانا بیدل آجکل حیدرآباد دکن میں مقیم ہیں۔ اور وہاں کے نومشق شعرا میں گنے جاتے ہیں یہ کلام کا رنگ ہے۔

ہوتی کیونکر دلنشیں تیری نصیحت ناصحا
دل میں تھے رخنے ہزاروں در سینہ چاک تھا

سوزنِ تدبیر سے کیونکر رفو ہو چارہ گر
دامنِ تقدیر جیب ہاتو نے اُنکے چاک تھا

کوئی واعظ سے پوچھے آپ کو کیا
جسے چاہا اُسے ہمنے دیا دل

پرویں

پرویں - لالہ انگ رائے نائب محافظ دفتر کچہری فرخ آباد - غالباً نواب کلب حسین خاں صاحب نادر سے تلمذ تھا عرصہ ہوا انتقال کیا - کلام حاضر ہے۔

تیرے وصال کی نہ کبھی آرزو کریں
کیوں داغدار دل کو ہم اے لالہ رو کریں

دل کیوں جلائیں جان کو کیوں کھوئیں سبب
تجھ کو کبھی نہ پیار ہم اے لالہ رو کریں

مانگا جو میں نے بوسۂ شیریں تو ناز سے
بولے وہ ہنس کے آپ نہ یہ آرزو کریں

پریشان

پریشان - پنڈت منولال صاحب دہلوی شاہ نصیر کے فیض تلمذ سے بہرہ ور اور اپنے ہمعصروں میں نامور تھے - یہ اُنکے اشعار ہیں۔

خوباں کی ادا کوئی کب ناز سے خالی ہے ہر بات پہ چھیڑ کی سب ہر حرف پہ گالی ہے
ہم آئیں تو اٹھ جاؤ غیر آئے تو آ بیٹھو یہ وضع نئی جاناں کیا تم نے نکالی ہے

پریشان

پریشان۔ مولوی سید محمد واجد خلف شاہ تراب الحق۔ آپ داناپور پٹنہ کے پیرزادوں میں تھے اور مولوی ذاکر علی ذاکر بنارسی کے تلمذ سے بہرہ ور۔ عرصہ ہوا انتقال کیا۔ چند شعر ملے جنکا انتخاب درج ذیل ہے

دل بنا ہے سنگِ مقناطیس مجھ ناشاد کا تا نہ خالی پھر جائے تیر اُس بیداد کا
خوب اے شیخ ریاکار بنا ہی تو ہے دل میں وہ بت ہے زباں پر ہے الٰہی توبہ

پریشان

پریشان۔ شیخ محمد نیاز علی پریشان ابن شیخ رجب علی ساکن قدیم سکندرابہ مقیم اکبرآباد۔ مرزا حاتم علی بیگ مہر کے شاگرد و صاحب تذکرہ شعرا و سخن و مثنوی سرمایۂ عشق ہیں۔ سنہ ۱۲۶۶ھ میں اڑتیس سال کی عمر تھی۔ اور آگرہ میں مشاعرہ کیا کرتے تھے یہ انکا کلام ہے۔

نگاہیں پھیر کر صاحب تو بندے سے خفا ٹھیرے تمہارے تیر کھوکھیں اور نشانے کی خطا ٹھیرے
بہاؤ چار آنسو بھی جو ہم کو قتل کرتے ہو ملالِ خاطرِ نازک ہمارا خوں بہا ٹھیرے
کچھ ایسے پاؤں بہکے رہروانِ دشتِ الفت کے ہٹا کر بتکدہ کی راہ سے کعبہ میں آ ٹھیرے

پنڈت

پنڈت۔ پنڈت دیارام کشمیری خلف پنڈت روپ چند۔ نواب عمادالملک غازی الدین خان وزیر کی رفاقت میں باعزاز و آبرو زندگی بسر کرتے تھے۔ اسی وجہ سے اُنکی جاگیر کی دارالریاست فرخ آباد میں زیادہ تر قیام رہتا تھا۔ فارسی کلام میں حافظ غلام محمد آزاد سے مشورہ لیتے تھے۔ شاہ عالم ثانی کے زمانے میں فروغ پایا۔ آپکے کچھ شعر مولوی قدرت اللہ شوق کے تذکرہ سے انتخاب ہو کر درج کیے گئے

اُس نے ابتک ادھر گذر نہ کیا آہ نے آہ کچھ اثر نہ کیا
کیا تو نے خراب خانۂ دل اپنے صنم کچھ خدا کا ڈر نہ کیا
جان سے ہم گذر گئے لیکن کبھی تو نے ادھر گذر نہ کیا
آیا جو وہ گل تو گل چمن میں پھولے نہ سمائے پیرہن میں
اے جان اگر چلا تو یہ جان تجھ بن نہ رہے گی جان تن میں

پہنچی ہیں جو لب کی تیری باتیں
بیت در عقیق سے ہے یمن میں

لایا جو وہ جوئے شیر تو کیا
استاد تھا تیشہ کے وہ فن میں

آنکھوں سے بہاتا خوں کا دریا
طاقت یہ کہاں تھی کوہکن میں

اب تم بھی تو کچھ سلیقہ پنڈت
پیدا کرو شعر اور سخن میں

کیونکر دل اُسپر شیدا نہ ہووے
جس کا کہ ثانی پیدا نہ ہووے

اک عمر سے ہے زلفوں کا لٹکا
ڈرتا ہوں دل کو سودا نہ ہووے

سن سن کے ہمارے آہ و نالے
نالاں ہیں پاس رہنے والے

دیکھا ہے وہ جب سے لالہ رخسار
جینے کے پڑے ہیں ہمکو لالے

ہوتی ہیں مژہ کی برچھیاں پار
وہ شوخ ادہر جو دیکھے بھالے

بالا ہی بتا دے سرو بالا
ہیں کان میں جسکے بُندے بالے

ہم پر بھی نگاہ ڈالے پنڈت
اُس بُت کے خدا یہ دل میں ڈالے

پورن

پورن - منشی پورن سنگھ کایستھ ساکن شاہجہان آباد۔ نواب سعادت یار خان رنگین کے تلامذہ میں مشہور اور انکے نامور طیاروں میں انکا شمار تھا۔ سنسکرت سے بخوبی ماہر اور بالخصوص فن ویدک (طب) میں اپنے زمانے میں بےمثل تھے۔ گاہے گاہے تفنن طبع کے طور پر شعر بھی کہہ لیا کرتے تھے۔ غدر ۱۸۵۷ء سے دس بارہ برس پیشتر انتقال فرمایا۔ یہ ان کے اشعار ہیں۔

ہم نام رہائی سے بیزار ہیں اے ہمدم
دل چاہ زنخداں میں ہے جب سے اسیر اپنا

شمشیر تو وہ ابرو اس دل پہ چلا بیٹھے
چھوڑا ہے نگہ ظالم تو بھی کبھی تیر اپنا

اُس رہ میں روارو ہی لازم ہے سدا پورن
سامان سفر رکھے طیار فقیر اپنا

پیچ و خم کاکل میں مت جا نہ دل شب کو
اس راہ میں تو چلکر ہووے نہ خجل شب کو

پہنچا

پہنچا - ان بزرگ کا نام معلوم نہیں ہوا۔ مسٹر ایف فیلن اپنے تذکرہ میں ان کے متعلق لکھتے ہیں کہ حضرت فردوس آرامگاہ کے عہد میں دہلی میں رہتے تھے۔ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ ہندو تھے

بعض کہتے ہیں کہ مسلمان تھے۔ یہ تین شعر اُنکے ہیں۔

ہر چند کہا دل کو اُسنے نہ کہا مانا	پھر دیکھا تو عجیب ہے دیوانہ کا سمجھانا
چمن میں نکتہ کہا جب صبا نے تجھ لب کا	وہن جو گل کا کھلا تھا مُندا انہیں تب کا
زلف کو کہنا پریشاں عقل کی دُوری ہے یہ	ہر گرہ میں اُسکے دل ہے گانٹھ کی پوری ہے یہ

پیام

پیام - شرف الدین علیخان پیام سراج الدین علیخان آرزو کے شاگرد اور اکبرآباد کے رہنے والے تھے تذکرہ نویسوں نے انہیں طبقۂ دوم کے شعرا میں مانا ہے۔ محمد شاہ بادشاہ کے زمانے میں فروغ پایا۔ تاباں کے دیوان میں انکی تاریخ وفات موجود ہے۔ فارسی میں بھی صاحبِ دیوان تھے۔ اور ضروریاتِ فن سے باخبر۔ فکر صائب و طبع رسا رکھتے تھے۔

قطعہ

دلی کے کج کلاہ لڑکوں نے	کام عشاق کا تمام کیا
ایک عاشق نظر نہیں آتا	ٹوپی والوں نے قتل عام کیا
تم ہو بوس و کنار کی صورت	ہم ہیں امیدوار کی صورت
بے نوا ہوں زکاۃ حسن کی دے	او میاں مالدار کی صورت
بات منصور کی فضولی ہے	ورنہ عاشق کو آہ سولی ہے

پیام

پیام - مرزا حیدر بیگ مغل پورہ من مضاف دہلی کے باشندے۔ اور اوائل میں وہیں رہتے تھے۔ دہلی میں شادی ہوجانے کے باعث یہاں آرہے تھے۔ غدر سے چند سال پیشتر کے مشاعروں میں شریک ہوتے رہے اوائل مشق کا کلام حاضر ہے۔

اس آہ بے اثر نے کیا کچھ نہ کچھ اثر	کل پوچھتا تھا میری گلی کا نشاں وہ شوخ
دیکھا تو کیا جواب نزاکت کہ کل پیام	بیتاب ہوگیا ترا سنکر فغاں وہ شوخ
مرجائے بھی کوئی تو تاسف ہو اُسے	پالا پڑا ہے آن کے کس سنگدل کے ساتھ
میرے نالوں سے ہوا سینۂ گردوں افگار	کہ پڑا شام و سحر خون شفق ٹپکے ہے

پیر

پیر - منشی مہاراج سنگھ پیا کن متھرا۔ ذات کے چوبے اور جاسے تعجب ہے کہ بہت کم خوراک تھے بخط شکستہ

کی تحریر میں اچھی مہارت حاصل تھی۔ اوائل میں جوان تخلص کرتے تھے۔ پھر پیر تخلص اختیار کیا۔ دہلی قبل از غدر اکثر آیا کرتے تھے۔

رات دن کا ہے ترا مشغلہ آرائش زلف
اس سے کیا تجکو کہ ہے حال پریشاں میرا

میں وہ خاکستر افسردہ ہوں جوں صبح کہ پیر
داغ خورشید ہے اک اخگر سوزاں میرا

قبر پر فریادیوں کے اپنے تو ہرگز نہ جا
تیرا پیچھا کب چھٹا اس خاک دامن گیر سے

پیرجی

پیرجی ۔ پیرجی قمر الدین صاحب دہلوی۔ شاگرد نواب اسد اللہ خان غالب و سالک مرحوم۔ کتب فروشی اور معلمی سے بسر اوقات کرتے تھے ۱۲۹۰ھ میں فوت ہو گئے۔

رہ و رسم و محبت سے خبر تجکو نہیں اصلا
ٹھگانا زاہدوں کیا ہے تمہارے دین و ایماں کا

پیرجی عشق میں گھل گئے ایسے
اڑ گیا گوشت رہ گیا چھلکا

پوچھتا کیا ہے شب مجھکو ہوئی کیونکر بسر
رات بھر چھاتی پہ رکھا ہے تری تصویر کو

وہ کیا غیر سے رشتۂ مہر توڑیں
کہ یہ بھی نزاکت کے شایاں نہیں ہے

مرے دل کو کس طرح سے ہو مسرت
کہ اس بزم میں ہائے رضواں نہیں ہے

ہر اک شعر اس کا ہے گنج معانی
مقرر یہ غالب ہے شاداں نہیں ہے

ت

تاب — **تاب** - پنڈت مہتاب رائے دہلوی - آپ کا اصلی وطن کشمیر تھا مگر کئی پشت سے دہلی میں خاندان کی سکونت تھی - استعداد علمی معقول اور شعر نہایت اچھا کہتے تھے - انیسویں صدی کے شروع میں حیات تھے - انکے یہ دو شعر فرط شہرت سے انکی طباعی اور نکتہ سنجی کے کافی گواہ ہیں -

خو ہوتی ہمیشہ سے تمہاری اگر ایسی	تو کاہکو نبھتی مری اے فتنہ گر ایسی
یا تنگ نکر ناصح ناداں مجھے اتنا	یا چلکے دکھا دے دہن ایسا کمر ایسی

تاب — **تاب** - میر حیدر قوال ولد میر محبت علی ساکن پانی پت - غدر سے دس بارہ برس پیشتر دہلی میں رہتے تھے - فن موسیقی کو عالم شباب میں ایک درویش کامل وہرم داس نامی سے جو اس فن میں عدیم النظیر تھے حاصل کیا تھا - نکات فن سے کامل واقفیت کے علاوہ نہایت خوش گلو اور خوش لہجہ تھے - آواز میں غضب کا درد تھا - شعر گوئی کیطرف بھی کبھی توجہ ہو جاتی تھی - یہ دو شعر مرزا صابر کے تذکرے سے منتخب ہو کر درج ہوئے -

میں تو تھا عاقل زمانے کا پہ الفت کے طفیل	کوئی سودائی کہے ہے کوئی دیوانہ مجھے
کثرت دل ہر شکن میں دیکھ غیرت سے موا	آفت جاں ہو گیا زلفوں کا سلجھانا مجھے

تاب — **تاب** - مرزا الطاف حسین عرف تاب گورگانی - خلف مرزا امداد اشرف - غدر کے چھ مہینے بعد انھوں نے ظاہر ہو کر حکام سرکار انگریزی سے مدد معاش چاہی بعد تحقیقات پچاس روپیہ ماہوار پنشن مقرر ہوئی اور اور جزیرۂ موردی سوگن کو بھیجے گئے - یہ ایک شعر انکا ہے -

دیا ہے ہمنے دل اے تاب کس بے مہر کو دیکھو	کہ پروا ہو نہ اُسکو اور اُسپہ اپنا دم نکلے

تاباں — **تاباں** - میر عبد الحی دہلوی، سلسلۂ نسب انکا حضرت علی موسیٰ رضا علیہ السلام تک پہنچتا ہے - یہ دلی میں پیدا ہوئے - ایسے حسین و جمیل تھے کہ لوگ انکو یوسف ثانی کہتے تھے - دلی میں ان کی خوبصورتی کی یہ شہرت ہوئی کہ ایک بار خود شاہ عالم بادشاہ انکے دیکھنے کے مشتاق ہوئے - حبش خاں

کے پھاٹک کے پاس مکان تھا اور وہ بڑا دروازہ جو کوچۂ مذکور سے لاہوری دروازے کے بازار میں نکلتا ہے اُس کے بالاخانے پر انکی نشست تھی (یہ مکان ابتک موجود ہے)۔ ایک روز بادشاہ سوار ہوکر اس راہ سے نکلے۔ انہیں بھی اسکی پہلے سے اطلاع مل چکی تھی۔ بازار کی طرف مونڈھا بچھا کر آبیٹھے۔ بادشاہ جب اس مقام پر پہنچے تو اسلئے کہ سواری ٹھیرانے کو ایک بہانہ ہو آبِ خاصہ مانگا اور اُسے نوش فرما کر دیکھتے ہوئے چلے گئے۔ میر تاباں حسن یوسفی کے ساتھ عاشق مزاج بھی تھے۔ قائم نے انہیں تیسرے طبقے کے شعرا میں لکھا ہے۔ یہ اپنے زمانے میں ہردلعزیزی کے باعث امرا اور رؤسا کے جلسوں کی جان سمجھے جاتے تھے۔ اور معمولی حیثیت میں بھی امیرانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ رنگین مزاج ایسے تھے کہ کوئی میلا تماشا بغیر جائے نہ رہتا تھا۔ شوق بھی اپنے تذکرے میں انکی حسن وخوبی اور خندہ جبینی کی تعریف کرتے ہیں۔ مشہور ہے کہ ابتدائے جوانی میں انکو اسقدر میگساری کا شوق ہوا کہ شب و روز مست و مخمور رہنے لگے۔ اس وجہ سے سخت بیمار ہوئے اور افسوس کہ عرصے قلیل میں وہ آفتاب تاباں افق ظلمت سے ہمکنار ہوا اور اپنی رحلت سے جہان کو تیرہ و تار کردیا۔ میر تاباں حضرت میرزا مظہر جانجاناں علیہ الرحمۃ کے مرید تھے۔ فن سخن میں کئی استادوں سے فیض پایا تھا۔ شاہ حاتم نے اپنے دیوان کے دیباچے میں جہاں اپنے تلامذہ کا ذکر کیا ہے اس زمرے میں انکا نام بھی لکھا ہے اور خود انکے کلام سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے میر محمد علی حشمت سے بھی اصلاح لی تھی۔ شیفتہ کا قول ہے کہ تاباں مرزا رفیع سودا کو اپنا کلام دکھاتے اور اُنکی شاگردی پر فخر کیا کرتے تھے۔ انکا لباس اکثر سیاہ رنگ کا ہوتا تھا۔ جو اُنکی دلکش شکل اور جامہ زیب بدن پر نہایت بھلا معلوم ہوتا تھا۔ قدیم تذکروں میں انکے حسن وجمال اور طرزِ معاشرت کی خوب خوب حالات لکھے ہیں۔ فیلن صاحب کہتے ہیں کہ میر تاباں سنہ ۱۷۹۰ء میں بقید حیات تھے۔ بہرحال انہوں نے عالم شباب میں دہلی میں انتقال کیا۔ فن سخن میں بھی نامور ہوئے۔ صاحبِ دیوان تھے۔ اور زبان خوب کہتے تھے۔ خصوصاً معاملے کے اشعار نہایت صاف ہوتے تھے۔ دیوان انکا میرے کتب خانے میں موجود ہے۔ اسمیں سے اشعار ذیل منتخب ہوئے۔

اے مردِ خدا ہو تو پرستار بتاں کا
مذہب ہی میں میرے کفر ہے انکار بتاں کا

مجھے آتا ہے رونا ایسی تنہائی پہ اے تاباں
نہ یار اپنا نہ دل اپنا نہ تن اپنا نہ جان اپنا

آشنا ہو چکا ہوں میں سب کا
جسکو دیکھا سو اپنے مطلب کا

بلبلو کیا کروگے اب چھٹ کر
گلستاں تو اُجڑ چکا کب کا

یاں پلک بھی نہ ہم سکیں جھپکا
ایسا قاصد تو جائیو لپ کا

جفا پہ اپنی پشیماں نہ ہو ہوا سو ہوا
تری بلا سے مری جی پہ جو ہوا سو ہوا

بنائی خاک بھی تاباں کی جسنے پھر ظالم
وہ ایک دم ہے ترے روبرو ہوا سو ہوا

رخسار و زلف میں ہے اُس گلبدن کے مجھکو
مانند شمع و شبنم لیل و نہار رونا

تبسم دیکھ اُس غنچہ دہن کا
جگر ٹکڑے ہوا ہے ہر کلی کا

تاباں تو رشتۂ غم و اندوہ توڑ اب
تارِ نگہ میں اشک کے موتی پرو چکا

میں خواب میں دیکھا ہے اُسے منہدی لگائے
کیا جانئے کس کس کا لہو آج بہے گا

تاباں فلک سے کیونکہ بھرے ساغرِ مراد
رہتا ہے واژگوں یہ پیالہ حباب کا

کس کس طرح کی دلمیں گذرتی ہیں حسرتیں
ہے وصل سے زیادہ مزا انتظار کا

اُڑا دے صبا خاک میری اگر تو
تو کوچہ میں اُس بیوفا کے ہی لیجا

حرم کو چھوڑ رہوں کیوں نہ بتکدہ میں شیخ
کہ یاں ہر ایک کو ہے مرتبہ خدائی کا

اخگر کو تہِ خاک چھپا رکھیں ہیں دیکھو سمجھا
تاباں تو تہِ خاک بھی جلتا ہی رہیگا

خزاں تک تو رہنے دے صیاد ہمکو
کہاں یہ چمن پھر کہاں آشیانا

ترے غم سے نسیاں ہے یاں تک کہ مجکو
ادھر بات کہنی اُدھر بھول جانا

کمی کیا مے کی ہو جاویگی میخانہ میں اے ساقی
اگر ہمکو پلا دے گا کبھی اک جام کیا ہوگا

اسباب جہاں کی تو دلا فکر نہ کر تو
حاصل نہیں کچھ اسمیں بجز رنج و مشقت

یہ وہ بت ہیں جنہوں نے رام عالم کو کیا اپنا
کوئی اسنے لگا کر دل چھڑا سکتا ہے کیا قدرت

ہنستا ہے گل چمن میں تو نالاں ہے عندلیب
دو دل خوشی نہ دیکھے کبھی اس جہاں کے بیچ

دیکھا اسکو خواب میں جب آنکھ کھل جاتی ہے صبح
کیا کہوں میں کیا قیامت مجھپہ تب لاتی ہے صبح

آگے تو اپنے حسن پہ مغرور تھا ہی تو
اب چاہنے سے میرے ہے دونا ترا گھمنڈ

ہجر میں ساقی سکے یار جب کبھی آتا ہے ابر
تب ہمارے سر پہ کیا روز سیہ لاتا ہے ابر

جو عاشق مرے عشق کی راہ میں
کرو کوچۂ یار میں اسکی قبر

لے میری خبر چشم مرے یار کی کیونکر
بیمار عیادت کرے بیمار کی کیونکر

منصور کو ہوتی نہ اگر دار سے سیڑھی
تو راہ وہ پاتا ترے دیدار کی کیونکر

گل زمیں سے جو نکلتے ہیں برنگ شعلہ
کوئی جاں سوختہ جلتا ہے تہ خاک ہنوز

دیکھ قاصد کو مرے یار نے پوچھا تاباں
کیا مرے ہجر میں جیتا ہے وہ غمناک ہنوز

دل مرا بسکہ ہے لبیک حرم سے بیزار
جاکے بتخانہ میں سنتا ہے صدائے ناقوس

پالکی بھی سب مجھے جنت اسنے دی
تو بھی تاباں رہا میں جانا بدوش

کسی سے اسلیے کرتے نہیں ہیں ہم اخلاص
کہ سب ہے نفاق زمانہ میں اب ہے کم اخلاص

ان بتوں کو تو مرے ساتھ محبت ہوتی
کاش بنتا میں برہمن ہی مسلماں کے عوض

ماہ پہونچے ہے کہاں منہ کی جھلک کو تیرے
وہ بھی ہر چند کہ روشن ہے پہ یہ نور نہیں

کوئی دن دیکھنے وسے موسم گل
ارے صبا وہ پھر بہار کہاں

گلشن میں بیٹھنے کو تمہارے دہن کے ساتھ
کھولا تھا منہ کو کلیوں نے پہ کچھ نہ بولیاں

سووے میں گذرتی ہے کیا خوب طرح تاباں
دو چار گھڑی رونا دو چار گھڑی باتیں

سن فصل گل خوشی ہو گلشن میں آئیاں ہیں
کیا بلبلوں نے دیکھو دھومیں مچائیاں ہیں

انجان ہو تو اس سے کوئی درد دل کہے
جو جانتا ہو میں اسے آگاہ کیا کروں

ذرا اے گل نہ آیا رحم اس صیاد کو دلمیں
رہی حسرت چمن کی بلبل ناشاد کے دلمیں

اسی کا کام تھا جو بات کہکر جی دیا اپنا
نہ آیا کچھ بھی دعوی کا بیان فرہاد کے دلمیں

مرے نزدیک شادی اور غم دونو برابر ہیں
کہ اصلا غم نہیں ہوتا کبھی آزاد کے دلمیں

کوئی عاشق ہوا اسپر تو اسکو قتل کرتا ہے
ترحم کچھ نہیں تاباں مرے جلاد کے دلمیں

یہانتک تپش ہے عشق کی مجھ میں کہ بعد مرگ
گل بھی مرے مزار پہ گل کر گلاب ہو

مرتے ہیں آرزو میں اس وقت آن پہونچو
ٹک تمکو دیکھ لیں ہم جلدی سے جان پہونچو

تیرے کمند زلف کے ملک بہ ملک ہیں اسیر
بسمل خنجر نگاہ خانہ بخانہ کو بکو

گر آ پڑے شعلۂ سوز جگر پروانہ
آپ سے آپ جلیں بال و پر پروانہ

جو پختہ مغز ہیں سو سوز دل نہیں رکھتے
کسی نے شمع سے جلتے ہیں کچھ سنا بھی ہے

عاشق کے واقعہ کو کہا سنکے یار نے
مرنے نہ دیتا اسکو جو ہوتی خبر مجھے

اے باغباں ابتو جاتے ہیں ہم قفس میں
چھوٹے تو پھر ملیں گے گر بال و پر رہینگے

جاتی ہے عمر ہر دم ہمسکو خبر نہیں ہے
کیا جانیے کہ کبتک ہم بے خبر رہینگے

نہ تجھے شرم بے وفائی ہے
نہ مجھے طاقت جدائی ہے

ظالم میری وفا کا جو لیتا ہے تو حساب
اپنی جفا و ظلم کا بھی کچھ شمار ہے

بیاں کیا کروں ناتوانی میں اپنی
مجھے بات کرنے کی طاقت کہاں ہے

کروں دعوے خوں میں قاتل سے اپنے
کب آئیگی یارب قیامت کہاں ہے

میں شکوہ کروں جور ظالم کا لیکن
مجھے آہ و نالے سے فرصت کہاں ہے

اسیری سے یانتک ہوئی ابتو الفت
کہ شام قفس ہمکو صبح چمن ہے

مقرر نہیں کوئی تاباں کا مذہب
کہیں ہے مسلماں کہیں برہمن ہے

علاج دلفگاراں ہے تری آنکھوں کی مخموری
کہ حد نافع ہے زخمی کے تئیں صہبائے انگوری

تجھے اے ماہرو میں شمع سے تشبیہ دوں کیونکر
کہ کچھ نسبت نہیں ہے اسکو وہ ناری ہے تو نوری

کس سے فریاد کروں میں کہ وہ ہرجائی ہے
آہ اس بات میں میری بھی تو رسوائی ہے

تحمل کیجیے سنکے مرے سوز دل کا حال
بے اختیار شمع کے آنسو ڈھلک پڑے

کاٹیں ہیں بتاں تاباں جوں شمع زباں میری
یاں بات کے کہنے کی ہوتی ہے گنہگاری

تو مے پی اسقدر ظالم کہ تجکو کیف کم ہووے
ترا بیہوش ہوجانا ہمارا ہوش کھوتا ہے

قیامت مجھپہ کل کی رات اسکے ہجر میں لائی
نہ آیا یار میرا آج بھی وہ رات پھر آئی

رباعی

ہوتا ہوں ترا جو اشتیاقی ساقی
بیخود ہو پکارتا ہوں ساقی ساقی
ہے مجکو خمار شب کا - لا صبح ہوئی
شیشہ میں جو کچھ کہ مے ہے باقی ساقی

آتش عشق کی کب ہے دل بیتاب کو تاب
قایم النار بھی سیماب کہیں ہوتا ہے

سبھی فعلوں سے کیا تاباں کئے ناصح
وہ جانے اور اسکا کام جانے

تضمین

میں تیرے عشق سے ازبسکہ کفر میں آیا
طریق مسجد و بتخانہ ایک سا سوجھا

تمام خلق نے مشہور ملحد و بنیں کیا
دیا ہے قتل کا قاضی نے بھی مرے فتویٰ

بجرم عشق توام میکشند غوغائیست
تو نیز برسر بام آکہ خوش تماشائیست

مری حیرت کی صورت دیکھ آئینہ ہوا حیراں
مری فریاد سن سنکر جرس بھی ہے سدا نالاں

مرے افسردہ دلکو دیکھکر کمھلا گئیں کلیاں
مری واسوختگی کو سن کے ہر شب شمع ہے گریاں

مری بیتابیوں کو دیکھکر جلتا ہے پروانہ

تاباں - مرزا شجاع الدین احمد خاں تاباں خلف الرشید نواب شہاب الدین احمد خاں ثاقب مرحوم خلف اکبر نواب ضیاء الدین احمد خاں بہادر مغفور رئیس لوہارو سنہ ۱۸۶۰ء میں پیدا ہوئے۔ علوم مشرقی میں معقول دستگاہ رکھتے ہیں۔ فن سخن میں پہلے نواب حسین علیخان شاداں مرحوم سے تلمذ اختیار کیا پھر حضرت داغ سے مستفید ہوئے۔ آپکے دو دیوان مرتب ہوچکے ہیں۔ کچھ عرصے سے بہار حیدرآباد میں بھی وظیفہ خوار رہے۔ اب دہلی میں خانہ نشین ہیں۔ میرزا باقر علیخان کامل خلف متبنیٰ حضرت غالب کی بیٹی انکے نکاح میں ہیں۔ آپ کا منتخب کلام اچھا ہوتا ہے۔ مشاق اور

تاباں

زود گو ہیں اور کم و بیش جملہ اصناف سخن میں دخل رکھتے ہیں۔ شطرنج کا شوق ہے اور اچھا کھیلتے ہیں راقم تذکرہ کے ولی عنایت فرما ہیں زبان صاف بندش درست ہے۔ طبیعت میں آمد غضب کی ہے۔ اور کیوں نہو شبانہ روز یہی مشغلہ ہے۔ اپنی نازک خیالی اور شاعری پر فریفتہ ہیں۔ کلام کا جو انہیں کا عطیہ ہے انتخاب درج ذیل ہے۔

لیا ہے پہلے دل اب جان لیلے
کریگا اور الفت آزما کیا

ہوا تاباں کو جینا مرنے سے بدتر جو یاد آیا
طلب کا جاں بحق ہونا وہ مغفور مائل کا

ارمان رہے نکل کے شب وصل یار میں
نکلے نہ رہ سکے دل امیدوار میں

آئینے سے بھی رشک رقابت ہے کس لئے
وہ بھی تو دیکھتا ہے بناؤ سنگار میں

تا استواریاں تیرے وعدہ کی بیوفا
ہیں استوار وعدۂ نا استوار میں

پریشاں کر چکی ہیں میری آہیں
یہ ممکن ہے کہ وہ غیروں کو چاہیں

تلون انکا شیوہ ہو گیا ہے
محبت ایک سے کیونکر نباہیں

کیا زخمی میرے دل کو جگر کو
چلیں ہیں تیر بن بنکر نگاہیں

نہ آیا راہ پر وہ شوخ ہم سے
نکالیں سینکڑوں ملنے کی راہیں

دھرا کیا ہے بجز اسکے تن زار محبت میں
کہ ہے تار نفس الجھا ہوا تار محبت میں

کسی پر مر مٹے ناصح تو اسکو حال کھل جائے
کہ کیونکر رات دن کٹتی ہے افکار محبت میں

ہوا ہے سب سے بیگانہ زمانہ میں یگانہ ہے
عجب وارفتگی پاتا ہوں سرشار محبت میں

کہتے ہو تم کہ مجھسا جہاں میں حسیں نہیں
آئینہ دیکھکر بھی کہو گے کہیں نہیں

تری شوخیاں اور میری حسرتیں
سر بزم سب کچھ بیاں کر چکیں

نگاہیں تری اسپہ پڑنے لگیں
نگہبانیاں پاسباں کر چکیں

وعدہ وہ وعدہ ہے جو وقت پہ ایفا ہو جائے
یوں تو ہر ایک سے وہ وعدہ کیا کرتے ہیں

نظر آگیا جو وہ جلوہ نہیں ہے
اسے دیکھنا کچھ تماشا نہیں ہے

جو اُس بت کی چوکھٹ کو چوما تو بولا / یہ کعبہ نہیں ہے کلیسا نہیں ہے
ہاتھ سے وضع دیدیے ہی بنی / غیر سے آشتی کیے ہی بنی
وہ جو روٹھے شراب بھی چھوٹی / من گئے جب کبھی پیے ہی بنی
دل کے لیتے ہی دین بھی مانگا / جو کہا اُس نے وہ کیے ہی بنی
آج تاباں سے متقی کو بھی / دُرد آلودہ مے پیے ہی بنی
ابرو کی تیغ سے سرِ مقتل لٹا مجھے / مرجاؤں نہیں تو بن کے مسیحا جلا مجھے
خیالات زاہد کو ہیں دور کے / مزے چل کے جنت میں لو حور کے
یہ ہوتا ہے اکدن کہ تجھے چھوڑ کے بیٹھیں / کب تک ترا کہنا دلِ ناشاد کرینگے
یہ دعائیں مانگتا ہوں کہ مرے دل میں آ بھی / آپ کا تیرِ نظر خنجر بنے اور ٹوٹ جائے
جفا پر دغا مجھ وفادار کی / زبانوں پہ بن کر کہانی رہے
تو ہی بتا دے ناصحِ ناداں میں کیا کروں / دل اختیار میں ہے نہ وہ اختیار کے

تاباں

تاباں - منشی احمد خاں خلف منشی عباد اللہ خاں متوطن خورجہ ضلع بلند شہر۔ آغا شاعر دہلوی سے اپنے کلام میں مشورہ کرتے ہیں۔ طرزِ جدید میں بھی فکر کرتے ہیں۔ اگرچہ ابھی نومشقی کا عالم ہے مگر طبیعت تیز اور ذہین ہے اگر کہے گئے تو اچھی ترقی کرجائیں گے۔ زبان کی صفائی کی طرف توجہ زیادہ ہے۔ صاف شعر کہتے ہیں۔ ۱۸ برس کی عمر سے فکر کرتے ہیں ۲۶ برس کی (۱۹۰۸ء) عمر ہے اور گوالیار امپیریل سروس انفنٹری میں کپتان ہیں۔ یہ آپ کا کلام ہے۔

گھر کر گئی ہے دل میں یہ چھیڑ اے ستم / ڈرتا ہوں ہو نہ جائے وہ بت مہرباں کہیں
یہ مقتضائے طرزِ تمدن ہے ورنہ شیخ / دوزخ کہیں ہے اور نہ باغِ جناں کہیں
یاروں کی ایک چال تھی یہ بھی ڈرو نہیں / دنیا میں حشر کرتی ہیں آہ و فغاں کہیں
کیا پوچھتے ہو جیتے ہیں مرنے کی آس پر / وہ دن خدا دکھائے کہ آئے قضا کبھی
جب سے ہم آپ شوق سے سر کاٹتے ہیں / پھیر لیا گئے منہ تیغ سے اہلِ وفا کبھی

آج وہ برگشتہ مژگاں غیر کی محفل میں ہے — ہائے کیا چبھتا ہوا کانٹا ہمارے دل میں ہے
سنا منصور کا قصہ تو مجھ سے ہنس کے فرمایا — گنہ گارِ محبت کے لئے یہ بھی سزا کم تھی

تابش — **تابش**۔ محمد جعفر نام۔ اِنکا اصلی وطن الہ آباد تھا مگر غدر سے بیس پچیس برس پیشتر دہلی میں آن رہے تھے جوانی میں معقول عہدوں پر ممتاز رہے۔ موزوں طبع تھے اور اصلاح کرتے تھے۔

کبھی بن بادہ رہ نہیں سکتے — تو بہ کچھ ہمکو سازگار نہیں
دل میں خوش ہیں عدو پرائے تابش — وہ ستمگر کسی کا یار نہیں

تابش — **تابش**۔ محمد عبد الباری نام، خلف منشی سید محمد قاسم مرحوم، مولد و مسکن صاحب گنج گیا ہے۔ عمر ۱۹ سال کی ہے۔ فارسی بقدر مناسب جانتے ہیں اور ہنوز زیر تعلیم ہیں۔ حافظ محمد عبد الرحمٰن بسمل شہناروی کے حلقۂ درس میں داخل ہیں۔ منشی سید مہدی حسن سازش جونپوری خلف اوسط مولوی حکیم سید اولاد علی کاہش جونپوری کے نواسے ہیں۔ اِنکے والد بھی شاعر تھے اور قمر تخلص کرتے تھے۔ وہ مولوی فصیح احمد حشر بیتھوی سے اصلاح لیتے تھے۔ تابش کو عرصۂ قلیل سے شعر گوئی کا شوق ہوا ہے۔ خواجہ محمد عبد الرؤف عشرت لکھنوی شاگرد شیخ محمد جان شاد پیرو میر سے تلمذ ہے۔ ایک غزل اُنکی ہمیں ملی، اُسمیں سے یہ شعر منتخب ہوئے۔

صاف انکار سے وعدہ تو نہ ٹالا ہوتا — معذرت کا کوئی پہلو بھی نکالا ہوتا
اور کیا تھا جو میں دیتا عوض اک بوسے کے — نقدِ دل پیشکش خدمت والا ہوتا
عشق کرنا تھا حسینوں سے اگر اے تابش — پہلے اپنے دلِ نالاں کو سنبھالا ہوتا

تاثیر — **تاثیر**۔ خواجہ محمد جان صاحب لکھنوی شاگرد نسیم دہلوی۔ عرصہ ہوا انتقال کیا۔ کچھ غزلیں نظر سے گزریں اُنکا انتخاب حاضر ہے۔

بال کھولے ہوئے زلفوں کی پریزاد آیا — دام بردوش چمن میں مرا صیاد آیا
بتکدے سے طرفِ کعبہ چلے ہم آخر — ایسا اُس بت نے ستایا کہ خدا یاد آیا
ہے وہ تیزی کہ تصور نے بنایا بسمل — آپ کا خنجر ابرو جو مجھے یاد آیا

خوب ہشیار کیا اُسکے تغافل نے مجھے
بھولا وہ بت مجھے ایسا کہ خدا یاد آیا

ستاتے ہیں لحد میں مٹی مری برباد کرتے ہیں
ستم ایجاد ابتک یہ ستم ایجاد کرتے ہیں

وہ بلبل ہیں ہمیں صیاد جب آزاد کرتے ہیں
عوض شورِ مبارکباد کے فریاد کرتے ہیں

نشانِ جسم تک باقی نہیں ہے ناتوانی سے
عبث تدبیرِ محبوسی مرے صیاد کرتے ہیں

واقفِ ہے درد دل سے مگر خوب وہ حسیں
کیوں پوچھتا ہے پھر سبب انتشار دل

تاثیر

تاثیر۔ لالہ کنھیا لال ولد لالہ کیول کشن باشندہ فرخ آباد۔ منشی سید اسمٰعیل حسین صاحب منیر کے تلامذہ خوش فکر سے تھے۔ ایام غدر میں حیات تھے۔ زیادہ حال معلوم نہو سکا۔ یہ اِنکے اشعار ہیں۔

خنجر سے دل کے سینکڑوں ٹکڑے جو کر دیئے
میرا کلیجہ بڑھ گیا اے گل ہزار ہاتھ

ہاتھوں کو ناچ میں جو کمر پر اُٹھا دیئے
دریائے حسن آپ کا بڑھ گیا ہے چار ہاتھ

تاثیر کو سوئے دامنِ قاتل نہ چھو سکا
دوڑائے بسملوں نے عبث بار بار ہاتھ

تاثیر

تاثیر۔ حافظ محمد حسین دہلوی۔ غدر سے پیشتر دہلی میں موجود اور خدا بخش خاں تنویر کے شاگرد تھے۔ زیادہ حال معلوم نہیں۔ یہ کلام ہے۔

وہ ہوا پاس تو قابو میں دل اپنا نہوا
ہائے مطلب تو ہوا حسب تمنا نہوا

بیمار کیا اور بھی اِس کم نظری سے
ظالم ہمیں مار اتری بیدادگری نے

بتخانے کے خیال نے کعبہ جھکا دیا
الفت بتوں کی لائی کہانسے کہاں مجھے

تاثیر

تاثیر۔ حکیم محمد حسن خاں سنام ریاست پٹیالے کے رہنے والے اور موجودہ کے شعرا میں ہیں۔ آپکو غالباً مولانا شوکت سے تلمذ رہا ہے۔ کلام ملاحظہ ہو۔

وصالِ یار سے بڑھکر ہے لذت سوزِ فرقت میں
مزہ پاتا ہوں دوزخ میں مرا جاتا ہوں جنت میں

چراغ مہر لیکر ڈھونڈھنے کو مہر نکلا ہے
مری گم گشتہ قسمت کو غبارِ شامِ غربت میں

آبلہ پا ہوں مجھے چھوڑا ہے کیوں گلزار میں
لیچلو مسکن ہے میرا وادیِ پرخار میں

کیوں نہ آجائے قیامت کھیلتی بازار میں
خود اُلجھتے آرہے ہیں اپنی ہی رفتار میں

تاج

تاج - منشی محمد تاج مقیم انبالہ۔ آپ کو مولانا شوکت میرٹھی سے تلمذ ہے - زیادہ حال معلوم نہو سکا۔ اب کلام ملاحظہ ہو۔

پہلو میں رشک ماہ تھا دورِ شراب تھا
اک برج میں قران مہ و آفتاب تھا

پل پل جب انگلیوں پہ گنے ہم نے روزِ ہجر
اپنے حساب تو وہی روزِ حساب تھا

سینے پہ بحرِ حسن کے ابھرا ہوا تھا کچھ
یہ قلزمِ شباب کا شاید حباب تھا

آئینے یہاں کر کرتے ہو ایجان جاں نہیں
ای میری جان جانیں اب میری جاں نہیں

کیوں پست حوصلہ ہوں مقدر کے سامنے
ہے یہ تو شکوہ عدل کا داور کے سامنے

خورشید یوں ہے عارضِ انور کے سامنے
جیسے چراغ مہرِ منور کے سامنے

اس چاہ نے خدا سے مجھے سرنگوں کیا
کرتا ہوں سجدہ اک بتِ کافر کے سامنے

آنکھوں میں کس غضب کی ہے تسخیر سامری
افسوں سے چلے نہ چشمِ فسوں گر کے سامنے

تاج

تاج - سید عظمت شاہ صاحب رامپوری شاگرد منشی عابد حسین اوج رامپوری زمانۂ حال کے خوشگو لوگوں میں ہیں - یہ کلام کا انتخاب ہے -

میکشی سے خاک اب توبہ کریں
ایک دو دم زندگانی اور ہے

توبہ بھی کر لینگے ناصح پی تو لیں
کوئی دن کی یہ جوانی اور ہے

کیا ہوا گر حشر تک زندہ رہے
خضرِ عمرِ جاودانی اور ہے

فائدہ کیا جبہ و دستار سے
دین کی زاہد نشانی اور ہے

تاسف

تاسف - سید محمد حسن صاحب حضرت پوری تلمیذ حضرت عشق لکھنوی آپکا مطبوعہ دیوان موجود ہے۔ جسکا انتخاب حاضر کیا جاتا ہے۔ باوجود تلاش حالات دستیاب نہو سکے۔ کلام سے یہ بات ظاہر ہے کہ شعر گوئی میں خاصی قدرت رکھتے تھے۔ مضمون کی طرف بھی طبیعت دوڑتی ہے نشست الفاظ اور اندازِ بیان بھی خاصہ ہے۔ اب کلام ملاحظہ ہو۔

کیا ترحم آگیا کچھ دل کو تیرے وقتِ ذبح
ہاتھ کیوں پلٹا ہے قاتل حلق پر رکتا ہوا

شعلۂ عشق سربلند رہا
اُس پہ دل صورتِ سپند رہا

سوختہ قسمت ہوں ایسا مزرعِ اُمید پر
برق گرتی ہیں اگر بارانِ رحمت مانگتا

آبِ رحمت سے بجھاتا گر نہ خالق روزِ حشر
شعلۂ دل سے امان مہرِ قیامت مانگتا

وہ آگ دلمیں لگی تھی تمہاری فرقت سے
کہ ابرِ دیدۂ گریاں جسے بجھا نہ سکا

رخِ محبوب جب پیشِ نظر تھا
چراغِ طور گویا جلوہ گر تھا

پسِ مرگ بھی حشر برپا رہا
ہماری محبت کا چرچا رہا

مسیحا کی صورت نہ آئی نظر
مریضِ غمِ ہجر مرتا رہا

ہم تھے قریبِ مرگ کہ وہ مہرباں ہوا
پیری جب آئی بخت ہمارا جواں ہوا

ہوا ممنون میں تیرِ نظر کا
نشاں بھی اب نہیں دردِ جگر کا

شہرہ ہمارے قتل سے اُنکا سوا ہوا
ناحق کا خون غازۂ تیغِ جفا ہوا

ہوا سے اُڑ گئیں زلفیں جو اُنکے روئے روشن پر
ہوا مستو نمیں غل کالی گھٹا چھائی ہے گلشن پر

اے فلک جاؤں کدہر میں کوئے جاناں چھوڑکر
بلبلِ نالاں کہاں جائے گلستاں چھوڑکر

رخسار سے بہم ہیں جو گیسو الگ الگ
بل کھا رہے ہیں کیا یہ سیہ رو الگ الگ

باندھا گلا کسی نے تو کاٹا کسی نے سر
کرتے ہیں ظلم گیسو و ابرو الگ الگ

ہو کے ابرو و نگہ سے تری بسمل قاتل
لذتِ قندِ مکرر ہوئی حاصل قاتل

تیز بھوے سے بھی خنجر کو نہیں کرتا ہے
حق نے پتھر کا بنایا ہے ترا دل قاتل

ہزاروں عاشقوں کا خون ہوگا وہ نکھرتے ہیں
دھرا ہے سامنے آئینہ کو گیسو سنورتے ہیں

ہر جا ہے اُسکا جلوۂ رخ وہ کدھر نہیں
پر جس سے دیکھ لیں وہ ہماری نظر نہیں

مضمونِ درد قابلِ شرح و بیاں نہیں
تم جسکو سن سکو وہ مری داستاں نہیں

چرخ کو چکر زمیں کو زلزلہ لرزاں ہے کوہ
خوف میری آہِ سوزاں سے تمہیں لیکن نہیں

کیونکر نہ زندگی ہو بسر اضطراب میں
دل پھنس گیا ہے کاکلِ پُر پیچ و تاب میں

تمہارے گیسو و خالِ جبیں کا وصف ہو کیونکر	نہ ایسا دام دیکھا ہے نہ اس انداز کا دانہ
محب اندوہ سے بہتر نپایا کوئی دنیا میں	بچھوڑا ساتھ مرنے پر اسے کہتے ہیں یارانہ
زلفِ سنبل اور ہے گیسوئے جاناں اور ہے	زلفِ پیچاں اور ہے زلفِ پریشاں اور ہے
بجائے اشک اب خونِ جگر آنکھوں سے بہتا ہے	الٰہی کس طرح کا درد ہے جو دل میں رہتا ہے
خار ہے کنج باغ ہے فصلِ بہار ہے	ساقی شتاب آ کہ ترا انتظار ہے
یاد تیرے زلف و ابرو کی ہیں بھولوں کس طرح	پاؤں میں زنجیر ہے اور حلق پر شمشیر ہے
گلے سے لگا سینکے قابل نہیں ہے	دلا مارو تو تیغ قاتل نہیں ہے
تاسف وہ گلہ کیا ترے بس میں ہو گا	کہ قابو میں تیرے ترا دل نہیں ہے
کہتے ہیں وہ نظر مری تجھ پر رہا تو کی	لایق اگر وفا کے نہ تھا تو جفا تو کی
شکوہ کیا نہ آنے کا اُس نے تو یہ کہا	دل میں ہمارے یاد ہماری رہا تو کی
آہ اب تک کوئی نکلی نہ شرر سے خالی	اشک ٹپکا نہ کوئی لختِ جگر سے خالی
جدا ہی کر دیا تیغِ جفا سے	بہت اچھی دوا سے دردِ سر کی
تعلق دستِ وحشت کو ہوا اپنے گریباں سے	بہار آتے ہی جنگل کو چلے اُٹھ کر گلستاں سے

تاسف

تاسف۔ جناب ناصر الدین حیدر صاحب خورجوی ضلع بلند شہر۔

ناکام آرزوئے محبت کا کام کر	ابرو سے کام لے کوئی خنجر اگر نہ ہو
ہم اور ترکِ عشقِ بتاں واہ ناصحا	یہ تو کبھی نہ ہم سے ہوا عمر بھر نہ ہو

تائب

تائب۔ مولوی محمد حسین تائب برادر زادہ حقیقی مولانا شاہ عبد العزیز عشرت دہلوی۔ فخر الشعرا میر نظام الدین ممنون کے تلمذ سے فیضیاب تھے۔ شعر بہت کم کہتے تھے مگر سخن فہم اعلےٰ درجے کے تھے۔ دورِ موجودہ کے مشہور شاعر قاضی غیاث الدین خورشید آپ ہی کے شاگرد ہیں دس بارہ سال ہوئے انتقال فرمایا۔ یہ آپکا کلام ہے۔

مجھے جب عہدِ وفا یاد آیا	اُسکو بھی شغلِ جفا یاد آیا

سکے اُس بت کو مشایہ کس کے
دیکھکر جس کو خدا یاد آیا

عہد پیری میں جوانی کی اُمنگ
آہ کس وقت میں کیا یاد آیا

پھر کتاں وار جگر چاک ہوا
پھر کوئی ماہ لقا یاد آیا

تاب — تاب۔ اِن کا اور حال معلوم نہوا۔ صرف اِسقدر واقفیت ہے کہ سنہ ۱۲۶۷ھ کے گلدستۂ شعرا میں اِن کی غزلیں وکیھی گئیں انہیں کا انتخاب درج تذکرہ ہے۔ کلام کے ملاحظہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی مشاق اور طبیعت وا تھے۔

غضب ہے یار ترے پھول سے بدن کی بہار
بتائے گی ہمیں دیوانہ اس چمن کی بہار

جو دیکھ پائیں عنادل ترے بدن کی بہار
نظر میں اُنکے ابھی خار ہو چمن کی بہار

دکھا رہا ہے عجب رنگ کوہ پر لالہ
بس فنا ہے عیاں خون کوہکن کی بہار

ضرور عارضِ گلرنگ تیرے دیکھے ہیں
نہیں سفید ہے بوجہ نسترن کی بہار

کسی روش نہ ریاضِ جہاں پہ ہو راغب
کہ پنج روزہ ہے تاب بس اس چمن کی بہار

وہ لڑکپن کی چال چلتے ہیں
بوسہ دینے پہ بھی مچلتے ہیں

ہم ادھر ہو رہے ہیں سینہ سپر
تیر مژگاں اُدھر سے چلتے ہیں

باغ دنیا میں وہ شجر ہیں ہم
پھولتے ہیں کبھی نہ پھلتے ہیں

ٹکڑے ہیں دامن و گریباں کے
خوب وحشت کے ہاتھ چلتے ہیں

ڈھونڈھتا ہوں اُنھیں جو اے تاب
خانۂ دل میں وہ نکلتے ہیں

تاب — تاب۔ مولانا حافظ نثار احمد خان شاہجہانپوری عرف بدھن خاں خلف رن باز خاں عربی فارسی کے جید عالم اور سن رسیدہ آدمی ہیں۔ شاہجہانپور روہیلکھنڈ کے متوطن اور قوم کے پٹھان ہیں۔ سنہ ۱۲۵۳ھ سال پیدایش ہے اس حساب سے اب ۵۵ سال کی عمر ہے۔ بچپنے ہی میں عارضہ چیچک کی بدولت آنکھوں سے معذور ہو گئے۔ لیکن چونکہ حافظہ بہت درست پایا تھا اُستاد کی اندک توجہ سے حافظ قرآن ہو گئے۔ اِسی طرح کتب درسیہ اکثر حفظ کر لیں۔ نواب غلام [illegible]

رئیس سے فارسی پڑھی اور انھیں کے فیضان صحبت سے شاعری کیطرف توجہ ہوئی بعد فراغ تحصیل علوم درس دینا شروع کیا۔ اکثر منتہی طالب علم اُنسے درس پا چکے ہیں۔ ۱۳۰۸ھ میں مدرسہ اسلامی بمبئی کے مدرسی کے واسطے طلب ہوئے مگر چند ماہ بعد ملازمت ترک کرکے اپنے ہموطن دوست معشوق علیخان صاحب جوہر کے پاس بھوپال چلے گئے۔ اُنکی وساطت سے نواب عالمگیر محمد خاں کی سرکار سے تیس ۳۰ روپیہ ماہوار اور خاصہ مقرر ہوگیا۔ ۶ ماہ وہاں قیام کیا اور طلبار کو درس دیتے رہے۔ ریاست میں باضابطہ ملازمت کا سلسلہ درپیش تھا کہ ناموافقت آب وہوا کے باعث علیل ہوکر وطن چلے آئے۔ اور پھر ۱۶ برس تک مدرسہ عربی کے ہیڈ مولوی رہے۔ اب بطور خود منتہی طلبار کو گھر پر درس دیتے ہیں۔ شعر کا بہت شوق ہے۔ شاہجہانپور کے شاعروں کی رکن رکین سمجھے جاتے ہیں۔ تصانیف میں دیوان اُردو کے علاوہ انشا مشہد عشرت نام بڑی ضخیم کتاب ہے جسمیں متعدد اقسام نثر کے نمونے دکھائے ہیں۔ آپ کے شاگرد بکثرت ہیں جن میں تحمل جلالپوری صاحب دیوان ہیں۔ انتخاب کلام ملاحظہ ہو۔

داغ بیچارہ کے دلمیں نہو کیونکر ساقی　　ساغرِ مے نہوا لالۂ گلشن اُن کا

نہیں چلتا کوئی فقرہ نہیں بنتا کوئی حیلہ　　بسانِ کوششِ بیجا بہ رنگِ سعیِ باطل ہوں

تنگِ وجود مجھسا جہاں میں کہیں نہیں　　آنسو کے پونچھنے کیلئے آستیں نہیں

کھینچے ہوئے ہیں چلہ گماں کی کمان کا　　چٹکی سے چھوٹنے کا خدنگِ یقیں نہیں

سر پر نہیں یہ چرخ ہے اُڑتا ہوا وبال　　چھالا پڑا ہے پاؤں کے نیچے زمیں نہیں

بلبل کے سوزِ دل نے بھڑک کر جلا دیا　　کلیاں قبای گل میں نہیں آستیں نہیں

بدتر کسیکی موت سے یوں زندگی نہو　　جیسا میں بدنصیب ہوں یارب کسی کو نہو

بربیں ہو میں سکتے نکلتی نہیں ہے جان　　مرجانا عاشقوں کا ترے دل لگی نہو

دفتر حسرت کے جو سرِ کرنگ گئے　　تیوری جو منغرت نے چڑھائی ٹھٹک گئے

غم نہیں تلخیِ دشنام نے گر زہر دیا　　لبِ قاتل میں ہے اعجازِ مسیحائی بھی

شہید ناز کا مٹھی میں کسدن خوں بہا لائی
شہادت کا تمسک شوخی رنگ حنا لائی

گلا ہم سخت جانوں کا اجل سے کٹ نہیں سکتا
چڑھا کر سان پر سو بار شمشیر قضا لائی

خدا کے سامنے ہوگا مرا ہاتھ اور ترا دامن
جو اُس کوچے سے میری خاک بادِ صبا لائی

مے کدہ سے مری آنکھوں سے گذرنے والے
شیشۂ دل میں پری بن کے اُترنے والے

دے اگر اللہ دل انسان کو رکھدے اُسمیں داغ
عشق کا سودا عطا کر دے جو سر پیدا کرے

واہ ری قسمت کہ ہم پیدا ہوئے اُس عہد میں
عیب سے بدتر ہے گر کوئی ہنر پیدا کرے

رند کہتے ہیں خدا انساں سے پوشیدہ نہیں
دیکھنے کے واسطے زاہد نظر پیدا کرے

بے خبر ہیں نہیں کچھ ہمکو خبر ہوتی ہے
صبح ہوتی ہے کہاں شام کدھر ہوتی ہے

ضعف کا بعدِ فنا بھی یہ اثر ہے باقی
میرے مرنیکی جو برسوں میں خبر ہوتی ہے

بیقراری سے دلِ مضطر کی کیا حاصل مجھے
کر چکا تیرِ نگاہِ جانستاں بسمل مجھے

کچھ نہیں معلوم کس آفت کی ہے تاثیرِ حسن
بھول جاتا ہے تجھے پاتے ہی میرا دل مجھے

ابر کے پردہ سے باہر آفتاب آنے کو ہے
توڑ کر جوبن کی دیواریں شباب آنیکو ہے

رخصت اے وسوسۂ توبہ کہ ہے فصلِ بہار
خیر مقدم ہوسِ بادہ کہ بادل آئے

شمع فانوس ہوئے بزم میں اندھیر ہوا
تم جو آنکھوں میں لگائے ہوئے کاجل آئے

خودرو یونہیں جلا کرتا ہوں تائب مثلِ شمع
ہیں پری پیکر سمجھتے مشعلِ محفل مجھے

تائب

تائب۔ مولوی عبد القادر۔ مولانا شوکت میرٹھی کے شاگرد ہیں۔ قصبہ بوڑیہ ضلع انبالہ انکا وطن تھا اور ۱۸۸۴ء میں شملے میں آرمی پریس کے مالک تھے۔ یہ چند شعر انکے نتائجِ افکار سے ہیں۔

کیا فائدہ سر لاکھ زمیں پر کوئی رگڑے
پیشانی کا لکھا کبھی زائل نہیں ہوتا

طے ہو نہیں سکتے کبھی عرفاں کی منازل
رہبر جو کوئی مرشدِ کامل نہیں ہوتا

تیغ ابرو سے شہادت ہے مری قسمت میں کیا
مجکو دم دیتا ہے ہر دم دمِ شمشیر عبث

کب کسی کے یہ ہوئے ہیں بتِ بے پیر کہو
جان پر کھیلتے ہیں عاشقِ دلگیر عبث

سیم و زر خاک کا ہے ڈھیر جو قسمت میں نہ ہو — سنگِ پارس ہے عبث نسخۂ اکسیر عبث

تائب

تائب - منشی کھنولال صاحب خلف منشی جھاؤلال صاحب تلمیذ و نبیرہ جناب واجب لکھنوی ملازم کوٹھی خزانہ میرٹھ بینک۔ آپ قوم کے کایستھ ہیں اور ریاست حیدرآباد بھی کچھ وظیفہ پاتے ہیں۔ عرصہ تک وہاں رہے بھی ہیں۔ دو تین چھوٹے چھوٹے رسالے جنمیں گانے کی چیزیں جمع کی ہیں تالیف کرکے شائع کرا چکے ہیں۔

اب کس طرح سے کہیے جیے گا وہ غمزدہ — تائب کو تم نے دل سے بھلایا یہ کیا کیا

کھول کر بال جو وہ گیسوؤں والا نکلا — کوئی مجنوں کوئی مفتوں کوئی شیدا نکلا
قیس نے دشت میں دیکھا جو بگولہ اُٹھتے — دوڑ کر کہنے لگا ناقۂ لیلیٰ نکلا

چاہت میں جوانی ہوئی برباد ہماری — سُنتا نہیں اب بھی دلِ ناشاد ہماری
بیکار چبھوتا ہے مرے جسم میں نشتر — خالی ہیں رگیں خون سے فصاد ہماری
صحرا میں مجھے دیکھ کے مجنوں یہ پکارا — اس وقت مدد کیجیے اُستاد ہماری
دیکھیے کس کس کے ہاتھے جائے کس کس کا ہو خوں — نیمچہ زیب کمر ہے ہاتھ میں شمشیر ہے
دل کھنچا آتا ہے میرا خود بخود آنکھوں کی راہ — ہائے کس کافر کی یہ جادو بھری تصویر ہے
کہتے ہیں جسکو تیرگیِ شامِ ہجر لوگ — سائے ہیں وہ فقط مرے بختِ سیاہ کے
مرے آپکے حُسن و الفت کا قصہ — جہاں دیکھیے اب وہاں ہو رہا ہے

کیونکر عاشق جانباز تیرا دل سے بندہ ہو — عجب اللہ نے اے بت تری صورت بنائی ہے
نہیں طاقت ہے مجھ میں دو قدم بھی راہ چلنے کی — کشش تیری محبت کی یہانتک کھینچ لائی ہے

تبارک

تبارک - ابوالبرکات سید محمد تبارک حسین صاحب سہسرامی مقیم شہر کلکتہ تلمیذ حضرت داغ دہلوی۔ زیادہ حال معلوم نہیں یہ چند شعر انکے ہیں۔

اثر تجھ میں بھی گر اے نالہ ہائے بے اثر ہوتے — وہ مجھ پر نام ہی کو مہرباں ہوتے مگر ہوتے
زمیں پاؤں کے نیچے سے سرک جاتی شبِ ہجراں میں — کسیکو بھی نہ دیکھا ہمنے حامی وقت پر ہوتے

فلک کو درد کیوں ہوا ہے دلِ درد آشنا میرا
کسی کے دلمیں کیوں پیدا ہو یہ میرا جگر ہوتے

تبسم۔ شیخ آلہی بخش لکھنوی ملازم حضرت واجد علیشاہ بخشی گری کی خدمت پر ممتاز اور منشی مظفر علی ہنر کے شاگرد تھے۔ عرصہ دراز تک مٹیابرج کلکتے میں رہے ۱۸۹۴ء میں زندہ وسلامت موجود تھے یہ ان کا کلام ہے ؎

جس کا دل ہو نہ گرفتار اسے قید کرو
مجکو دکھلاتے ہو تم زلف گرہ گیر عبث

باغباں انکے لئے پھولوں کا زیور لیچلا
غنچہ مٹھی میں چھپا رکھے لئے زر لیچلا

رل چکے مٹی میں بھی ہم ہو چکے برباد بھی
اب کہاں یہ خاک اے چرخ ستمگر لیچلا

بیکار نہیں ناخن تدبیر کسی وقت
کھلتا نہیں پر عقدۂ تقدیر کسی وقت

اسقدر ہے اُسکے بسمل کو تڑپنے کی ہوس
خود بخود جھکتا ہے قاتل کے نمکداں کیطرف

انقلابات زمانے کے یہ دیکھے ہمنے
کل جو آباد تھی ہے آج وہ صحبت برباد

عشق کے ہاتوں سے گھر در یہ لٹے بیٹھے ہیں
کر چکے صبر و شکیبائی و طاقت برباد

آرزو یہ ہے کہ وہ خوش رہیں آباد رہیں
اے تبسم ہوئے ہم حسن کی بدولت برباد

قانع وہ ہوں کہ میری قناعت یہ کہتی ہے
دستِ طلب ہو قطع بریدہ ہو پائے حرص

درد کیوں رکھے نہ حسن و عشق کا افسانہ شمع
شمع کا پروانہ کشتہ یار کی پروانہ شمع

رخ سے اُٹھا دیا ہے جو اُس نے نقاب کو
دن کر دیا ہے آج شبِ ماہتاب کو

لازم ہے راہ عشق میں ثابت قدم رہے
رحمت خدا کی سمجھے بتوں کے عتاب کو

تبسم۔ نواب سید علی محمد تبسم رئیس تحصیل مرادآباد۔ فن شعر کا بھی شوق ہے یہ چند اشعار لکے ہیں۔

کب تک رکھوگے مُنہ کو چھپائے نقاب میں
کبتک رہے گا چاند سا مکھڑا حجاب میں

کہتے ہو پھر کہ ہمسے تعلق کسیکو کیا
لیتے ہو چٹکیاں دلِ خانہ خراب میں

کہتے تھے ہم بتوں سے لگاؤ نہ اپنا دل
آخر کو پھنس گئے نہ تبسم عذاب میں

تبسم۔ خواجہ مرتضیٰ حسین شاگرد حضرت داغ۔ پیام یار سے کلام نقل ہوا۔

تبسم

تبسم

ہجرِ صنم میں مجکو عجیب اضطرار ہے
عاشق کی زندگی ہو کہ معشوق کی وفا

کچھ یاس ہے کچھ اُمید ہے کچھ انتظار ہے
دنیا میں کب کسیکو ثبات و قرار ہے

تپاں

تپاں - منشی سید ابرار حسین تپاں شاگرد منشی بشیر حسین نسیم بھرتپوری - طبیعت شوخ پائی ہے شعر مزیکا کہتے ہیں اور زبان اور بندش کا بھی خیال رکھتے ہیں فتحپور سیکری ضلع آگرہ کے رہنے والے ہیں - ان کے اشعار آمد سے خالی نہیں ہیں - ولی کا رنگ ان کے کلام میں پایا جاتا ہے - ترتیب تذکرہ کے وقت کچھ کلام موصول ہوا اُسمیں سے کچھ اشعار منتخب ہوکر درج ہوئے -

غرضِ مطلب پہ وہ کہتے ہیں ابھی صبر کرو
چرخ سے ہے ہمیں شکوہ نہ رقیبوں سے گلا
ایک تم ہو کہ وفا پر بھی جفا کرتے ہو
بھولے بھالے ہیں حسیں جور و جفا کیا جانیں

ہائے کیا سہل سی تدبیر بتا دیتے ہیں
ہم تو بیٹھے ہوئے قسمت کو دعا دیتے ہیں
ایک ہم ہیں کہ ستم سہکے دعا دیتے ہیں
چاہنے والے ہی کمبخت سکھا دیتے ہیں

خلوت گزیں وہ رات سے دشمن کے گھر میں ہے
آساں نہیں ہے اُس بتِ بدخو کا سامنا
دونوں کی فکر رہتی ہے ہر حال میں مجھے
داغوں کی سیر دیکھئے پہلو میں بیٹھکر
سر مارتا ہے بادہ پرستوں سے رات دن
کہتا نہ تھا کہ غیر کی میت پہ یوں نہ رو
اسی سے کرتے ہو اقرار وصل کا مجھ سے
تم اپنے وصل کے ارماں بھی ساتھ لیجاؤ
ترے خیال سے واعظ یہاں تو پی نہ سکے
رنگے ہیں میرے لہو میں کسی نے اپنے ہات
دلمیں دل دشمن کے ڈالا دوستی کے واسطے

بیتاب میری آہ تلاشِ اثر میں ہے
قاصد کا سر ہتیلی پہ ہے خط کمر میں ہے
تم ہو جو میرے دلمیں تو دشمن نظر میں ہے
اک باغ سا کھلا ہوا میرے جگر میں ہے
شوریدگی کمال کی واعظ کے سر میں ہے
اب درد میرے سر میں ہے یا تیرے سر میں ہے
یہی زبان عدو کے دہن میں دی ہوگی
پرائے مال کی ہمسے نہ چوکسی ہوگی
خدا نے چاہا تو کوثر پہ ڈٹ کے پی ہوگی
حنا بھی دیکھ کے دل میں بہت پسی ہوگی
جو نہ کرنا تھا کیا اُن کی خوشی کے واسطے

کاہشیں سی کاہشیں ہیں حسرتیں سی حسرتیں
لوگ کیوں مرتے ہیں ایسی زندگی کیواسطے

ہم سے اچھا ہے عدو؟ دیکھو خدالگتی کہو
اپنا کیوں ایمان کھوتے ہو کسی کے واسطے

گواہِ خونِ عاشق اور کوئی تھا تمہیں کہدو
تمہاری آستیں محشر میں یارِ آستیں نکلی

شبِ غم تو بھی گھر جاتے ہوئے غیروں کے ڈرتی ہے
تجھے کمبخت ہمنے جب کبھی دیکھا یہیں نکلی

تپاں آنے میں آنا کیا جو وہ آئے دمِ آخر
تمنا میں تمنا کیا جو وقتِ واپسیں نکلی

تپش - مرزا محمد اسمٰعیل معروف بہ مرزا جان - ان کے والد مرزا یوسف بیگ دراصل بخارا کے رہنے والے تھے - مگر تپش کی ولادت خاص شاہجہاں آباد دہلی میں ہوئی - نسبی سلسلہ سید جلال الدین جلال بخاری سے ملتا ہے - آپ طبقۂ دوم کے مشاہیر شعرا میں گذرے ہیں - بقول فیلن ۱۱۶۵ھ آپ کا سال ولادت ہے - آپ کو فن سخن میں خواجہ میر درد سے تلمذ حاصل تھا - اور زبان سنسکرت میں بھی فی الجملہ مہارت حاصل تھی - ایک کتاب شمس البیان - مثنوی بہار دانش اور ہندی میں ضرب الامثال کی کتاب ان کی تصنیف سے مشہور ہیں - سپاہی پیشہ مرد اور مرزا جہاندار شاہ جواں بخت ولیعہد کی سرکار میں افسر ہوکر اُنکے ہمراہ بنارس بھی گئے تھے - شعر سے دلی عشق تھا - چنانچہ زبان میں صفائی - فصاحت اور مضمون کی تازگی کلام کا لطف بڑھاتی ہیں ۱۸۱۲ء میں کلکتہ میں موجود تھے - اِنکی مثنوی بہار دانش کا انگریزی میں ترجمہ ہوا ہے - کلام میں درد ہے اور چونکہ

اٹھ گیا پہلو سے پہلو نشین دکھتا رہا
رہ گیا وہ کہنے سے جب پہلو تو دل دکھتا رہا

ہماری شمع نے دیکھی جو اشکباری رات
کٹی بچاری کی روتے ہی ساری رات

مرگ سے کے پنگھٹ پر چل مچل جانا
یہی ادا تو ہمیں بھا گئی تمہاری رات

ترا وہ نامہ جو تھا جسنے کر رکھا تعویذ
سو بعد مرگ ہوا وہ ہی قبر کا تعویذ

نہ تیغ چل سکی مجھپر تو منفعل ہوکر
لگا یہ کہنے کوئی اسکے ہے بندھا تعویذ

آئے تو ہو کہیں سے آخر ملنے والے تم
کیا ہو جو پھر مرے بھی لگجاؤ اب گلے تم

آواز میری سنکر خوف سے جھجک کے بولا
کس واسطے کھڑے ہو دیوار کے تلے تم

تپش

جیوں کہا میں دیکھ میرا تجھ سوا کوئی نہیں
سُنتے ہی بولا کہ ہاں سچ ہے ترا کوئی نہیں

تم تو کہتے ہو کہ دم کے بعد آجاتا ہوں میں
پر خدا جانے ہمیں دم کا بھروسا کچھ نہیں

دشنام کا نہیں کبھی انعام کا نہیں
خود کام وہ ہُوا تو کسی کام کا نہیں

ساقی سے ہے دورِ مے ہے شبِ ماہتاب ہے
لیکن یہی غضب ہے کہ تُو مستِ خواب ہے

رشک سے تیرے لعل گلگوں کے
غنچے پیاسے ہیں اپنے ہی خوں کے

کِسکی طرف سے آج تپش تجکو یاس ہے
سچ کہہ ہمارے سر کی قسم کیوں اُداس ہے

سُننے کہا کہ رکھتا ہوں کچھ تم سے التماس
کہنے لگا کہ سمجھے ہیں جو التماس ہے

[illegible]

ناز ہے انداز ہے ہر دم نئی اِک آن ہے
دلربائی کا غرض تیار سب سامان ہے

شاعر اکثر آئینہ رو کہتے ہیں معشوق کو
لیکن آئینہ کو بھی دیکھا تو یاں حیران ہے

کبھی تو پانوں کی ٹھوکر سے تیرے آشنا ہوتے
اگر خوابیدہ کوچے میں ترے جیوں نقش پا ہوتے

ہمیں تو اشک کے قطرے کا بھی ہے تھامنا مشکل
بھلے وہ لوگ ہیں جنکے تئیں دل تھام آتا ہے

قطعہ

ہر طرف آج ہے بسنت کی دھوم
سیر میں ہے ہر اک تماشائی

کتنے گل رو جو ہیں بسنتی پوش
جی میں کھٹکے ہے جنکی رعنائی

کہتے ہیں آن کے مجھے ہنس ہنس
دیکھکر میری ناشکیبائی

ہو مبارک تمہیں جنون تپش
پھر نئی رُت نئی بہار آئی

تپش — تپش۔ دہلوی۔ منشی یوسف علی تپش دہلوی۔ شاگرد مرزا قادر بخش صابر۔ خوش مزاج خندہ پیشانی شخص تھے۔ مرزا صابر کے تذکرے کی ترتیب کیوقت (۱۸۵۲ء) دہلی میں موجود تھے یہ انکا کلام ہے

غصہ اُٹھا اٹھا کے یوں ہی بار بار کا
اے دل مزاج تو نے بگاڑا ہے یار کا

اک روز اے تپش کوئی آفت اُٹھائیگا
حسرت سے دیکھنا یہ اُدھر بار بار کا

اضطراب دل سے کہتے ہیں تپش زچا ہی
روز کے جھگڑوں سے چھوٹا مر گیا اچھا ہوا

بے طرح پھنس گیا ہے مصیبت میں ہمدمو
آتا ہے رحم اس دلِ ناکردہ کار پر

دل کھینچتی ہیں اور کسی کو خبر نہیں — کرتی ہیں کام تیری نگاہیں نقاب میں

کوئی مر جائے یا کوئی تڑپے — وہ تو خنجر کو آزما بیٹھے

تپش

تپش - منشی غلام محمد خاں تپش سابق اڈیٹر اودھ اخبار و مالک مشیر قیصر کئی برس تک نواب اکبر علی خان - والیِ پاٹودی کی مصاحبت میں رہے - پھر پندرہ بیس برس تک مختلف مقامات میں اقامت گزیں رہے - اُردو فارسی میں ملکۂ راسخہ حاصل تھا - اخبار نویسی میں اچھا نام پایا تھا - شعر بھی خاصہ کہتے تھے - زبان شستہ بندش درست ہے - لکھنؤ میں عرصے تک اودھ اخبار اور مشیر قیصر کے اڈیٹر رہے - دہلی کی زبان کی حمایت میں اکثر مضامین لکھا کرتے تھے سنہ ۱۸۹۰ء کے قریب انتقال کیا - یہ چند شعر اُنکے نتایجِ افکار سے ہیں -

زاہد و ذکرِ خدا ہم کیا کریں — ہے بتوں کی یاد ہر دم کیا کریں

اپنے غم میں مر رہے ہیں آپ ہم — غیر کے مرنے کا ماتم کیا کریں

میرے مرنے کی خبر سنکر تپش — بولے وہ بیساختہ ہم کیا کریں

شکوۂ جور و ستم سنکے زباں سے میری — بولے وہ عشق میں جتنی ہو مصیبت اچھی

بھولکر مجلسِ رنداں میں نہ جانا واعظ — صحبتِ بد نہیں اکدم کی بھی حضرت اچھی

ہمیں آبِ خنجر سے دیں گے وہ تسکین — اگر شکوۂ تشنہ کامی کریں گے

ہوئے ایک جلوہ میں بیہوش موسےٰ — تو کیا دعوئے ہمکلامی کریں گے

تپش

تپش - مولوی سید مدد علی خلف مولوی میر نجف علی جعفری سبزواری - سنہ ۱۸۱۹ء سال ولادت تھا اور سنہ ۱۸۶۹ء میں آگرہ میں بود و باش تھی - فن شعر میں پہلے حضرت نظیر کے صاحبزادے خلیفہ گلزار علی کو چند غزلیں دکھائیں پھر مرزا غالب کی خدمت میں حاضر ہوئے - فارسی اور اُردو دونو میں فکر کرتے تھے - شعر گوئی کا ملکہ اچھا تھا - اور صاحبِ استعداد تھے - خزینۃ القواعد - مجاربات ہند - جغرافیہ منظوم - کئی رسالے ان سے یادگار ہیں - سنہ ۱۸۶۹ء کے مشاعرے کی غزل کے چند شعر حاضر ہیں -

کبھی ناداں سے بنے ہم گاہ فرزانا ذکیا ٹھیرے
گدا آپکے کرم سے غیر حاجت روا ٹھیرے
بسانِ دانۂ تسبیح جس کو ہو سدا گردش
غم و درد و الم رنج و مصیبت ساتھ ہیں پھیرے
رہوں چپکا تو کہتے ہیں زباں کیا گنگ ہی تیری

کبھی رندِ مشرب زبی اور کبھی ہم پارسا ٹھیرے
تری دیوار کے سایہ تلے اگر ہم سا ٹھیرے
قضا کے ہاتھ پھر کیونکر روا اُسکا نہ ٹھیرے
خدا جانے یہ کس منزل پہ جاکر قافلہ ٹھیرے
کبھی چھیڑ بولتا ہوں تو وہ شکوہ اور گلا ٹھیرے

تجلی - دہلوی - میر حسین عرف میر حاجی دہلوی - پسر میر حسن کلیم - شاگرد و خواہر زادۂ حقیقی ملک الشعرا میر تقی مرحوم - لیلی مجنوں کا قصہ اردو میں نظم کیا تھا - طبیعت ظریف اور نکتہ سنجی کیطرف مائل تھی اپنے زمانہ کے مشہور شعرا میں سے تھے زبان بھی شیریں ہے اور کلام میں مزا ہے اور کہیں کہیں حضرت میر کا پرتو آشکارا ہے - دہلی میں بیگم کے باغ واقعہ چاندنی چوک میں رہتے تھے - یہ انکا کلام ہے

مری وفا پہ تجھے روز شک تھا اے ظالم
یہ شوق دیکھو پسِ مرگ بھی تجلی نے
حال ہووے گا بھلا یا کہ بُرا ہووے گا
کر گلہ شکوہ کو موقوف میاں بس چپ رہ
عشق میں تیرے تجلی نے کیا ترک لباس
آنکھیں خدا نے دیکھنے کو دی ہیں میر جاں
عشق میں کرتے ہیں بدنام تجلی کو عبث

یہ سر پہ تیغ ہے لے اب تو اعتبار آیا
کفن میں کھولدیں آنکھیں سُنا جو یار آیا
دل تو ہم دے چکے اب دیکھئے کیا ہوویگا
میں بھی بولونگا تو ناحق تو خفا ہوویگا
بے نوا وار سرِ راہ کھڑا ہووے گا
دیکھا تری طرف کو کسی نے تو کیا ہوا
وہ بیچارا کبھی اس کوچے میں آیا نہ گیا

یہاں تک گریہ میں روئے کہ تک
تر دامن آگیا جو ہیں روزِ حساب میں
جب رات تھی دراز ملاقات کم ہوئی
ہم زیرِ خاک لیکے جو یہ چشم تر گئے
لوگ اُسکی تو جفاؤں کی خبر رکھتے نہیں

گلی کوچے میں پانی ہے کمر تک
کہنے لگے بٹھاؤ اِسے آفتاب میں
ملنے کے دن جو آئے تو اب رات کم ہوئی
اندھے کنوئیں بھی جتنے تھے پانی سے بھر گئے
بیوفا مجکو ہی کم ملنے سے ٹھیرانے لگے

حال تیرا اُن سے کیا کہتا تجلی میں بھلا / وہ تو تیرے نام ہی کو سنکے شرمانے لگے
وہ اب تو ہمیں بھول گئے ہیں یہ تجلی / جب ہم نہیں ہونگے بہت یاد کرینگے

تجلی

تجلی - تجلی علی شاہ ساکن حیدرآباد، نہایت نیک خصلت پاک طینت درویش مشرب تھے ؎

دامن کا کس کے عکس پڑا آکے آج تک / پھیلا رہے ہیں سرو لب جوئبار ہات

تجلی

تجلی - منشی محمد افضل خلف مولوی زینب علی - قوم کے شیخ صدیقی اور سندیلہ ضلع ہردوئی کے قدیم متوطن تھے - لیکن اِنکے دادا مولوی محمد مکین ۱۸۵۰ء میں بہ تقریب ملازمت آگرہ آئے اور پھر یہیں سکونت اختیار کر لی - ان کے بھائی ڈپٹی مولوی سید محمد احسن فیروزآباد کے تحصیلدار تھے - فن شعر میں مرزا عنایت علی بیگ ماہ سے استفادہ کرتے تھے آپ خود ۱۸۶۹ء میں آگرہ کی منصفی میں سررشتہ دار تھے ۱۸۴۵ء سال ولادت اور یہ کلام کا انتخاب ہے -

مریجاں آپ رہتے ہیں مسیحا سے سوا ٹھیرے / تن بیجاں میں جان آئی سر بالیں جو آ ٹھیرے
خریدے نقد جاں دیکر زلیخا حسن کا سودا / جو شہر مصر میں جا کر مرا یوسف لقا ٹھیرے
پری تمثال ہو خورشید وش ہو ماہِ کامل ہو / میں کیا تمکو بتاؤں تم مری نظروں میں کیا ٹھیرے

تجلی

تجلی - لالہ جی متخلص تجلی شاگرد منشی بینڈولال زار لکھنوی - واجد علیشاہ کے زمانہ کے شعرائے لکھنؤ میں سے تھے - ۱۸۷۴ء تک حیات تھے - یہ انکا کلام ہے ؎

مختار ہے چاہے وہ مجھے دیکھے نہ دیکھے / آنکھ اپنی تو اُس رونقِ محفل سے لگی ہے
مر جائیے کچھ کھا کے یہی دل سے لگی ہے / کیوں آنکھ مری اُس بتِ غافل سے لگی ہے
صورت اُسے دکھلا دے ذرا سُنتی ہے لیلیٰ / مجنوں کی نظر پردۂ محمل سے لگی ہے
لے آئے گی اک روز اُسے میری طرف کو / شمشیرِ قضا قبضۂ قاتل سے لگی ہے
موسیٰ کو نظر آیا تھا جس دشت میں جلوہ / لو اپنی تجلی اُسی منزل سے لگی ہے

تجلی

تجلی - کنور شنکر دت صاحب دوبے بہادر تجلی - برادر راجہ جونپور - و تسلیم خیرآبادی سے اصلاح سخن لیتے ہیں - ۲۶-۲۷ برس کی عمر اور یہ کلام ہے -

مصحفِ رخ پہ لٹکتا ہے وہ گیسوئے سیاہ
یوست قرآن کے لیتا ہے یہ ہندو ہو کر

کھیلتی ہیں تری آنکھیں دلِ عاشق کا شکار
صیدِ شیر انکو یہ کرلیتی ہیں آہو ہو کر

لبِ ہر زخم سے نکلی یہ صدا بسم اللہ
دل میں بیٹھا جو ترا تیر ترازو ہو کر

کبھی آتا تو ہے تو اُسکی عیادت کیلئے
یہ بُرا بھی ترے بیمار کا حال اچھا ہے

تصویر ہے گھٹا مری چشمِ پر آب کی
تجلی ہے ایک موج مرے اضطراب کی

وہ مستِ ناز ہاتھ سے اپنے جو مے پلائے
پھر کس کو سوجھتی ہے عذاب و ثواب کی

تجلّی - منشی سید منتخب الدین - شاگرد مرزا ضیا گورگانی و حضرتِ داغ پہلے خمار تخلص کرتے تھے ۲۴
۲۵ برس کی عمر ہے - اور کلام صاف ہے - زبان اور بندش بھی قابلِ ستایش ہے - معاملہ گوئی کا شوق
ہے - طبیعت اس فن سے مناسبت رکھتی ہے - مشق جاری رہی تو اُمید ہے کہ اچھا کہنے لگیں گے
کلام ملاحظہ ہو -

سُرخ ہو جائیں دشت کے کانٹے
جب مزا ہے برہنہ پائی کا

دیر سے زاہد میں کیوں جاتا وہاں
کیا حرم میں ہی خدا کا نور تھا

تارِ نظر سے دل کا ہوا ہے چارہ گر رفو
ہے زخم میرے دل پہ کسی کی نگاہ کا

خواہاں ہیں آپ دل کے تو حاضر ہے لیجئے
اس شرط پر کہ قول ہو پہلے نباہ کا

کیا بدحواس آئے ہو تم دل کو تھام کر
دیکھا اثر ستائے ہوئے دل کی آہ کا

شیخ کل میکدہ میں بیٹھا تھا
آدمی کیا تھا اک تماشا تھا

جو تمہاری جفائیں سہتا تھا
وہ مرا دل مرا کلیجا تھا

دیکھ کر اسکو کیوں تڑپتا تھا
اے دلِ مبتلا بتا کیا تھا

میں تو دل اپنا مُفت دیتا تھا
کیوں نہ تم نے لیا بُرا کیا تھا

[illegible]

دشمن بنا ہے جان کا میری وہ ہائے ہائے
اپنوں کو جس کے واسطے بیگانہ کر دیا

حضرتِ دل زلف میں پھنسکر نکلنے کا خیال
تو بہ توبہ ہے بہت مشکل رہائی آپ کی

شوخی غضب ہے قہر ہیں انداز یار کے
خواہاں کبھی ہیں دل کے کبھی جانِ زار کے

تجمل

تجمل - محمد عظیم بیگ۔ لکھنؤ میں رہتے تھے یہ حضرتِ جراءت کے شاگردی سے نامور تھے۔ ظریف اور شوخ طبع شخص تھے۔ یہ شعر انکے ہیں۔

سمجھنا سخت مشکل ہے مری شیریں مقالی کا
کوئی خسرو سے پوچھے لطف اِس مضمون عالی کا

مزے کہاں سے اُٹھیں عیشِ زندگانی کے
وہ ولولے نہ رہے عہدِ نوجوانی کے

کتابِ قصۂ فرہاد و دفترِ مجنوں
یہ دو ورق ہیں مری عشق کی کہانی کے

تجمل

تجمل - کسی لکھنؤ کے خوش فکر کا تخلص ہے جو قدرت اللہ شوق کے تذکرہ کی تیاری کیوقت وہاں بہ اطمینان زندگی بسر کرتے تھے۔ کلام سے زبان کی صفائی اور خوش گوئی ظاہر ہے کیا خوب کہتے ہیں

چلے سیرِ باغ کو وہ کوئی جسے رنج و غم سے فراغ ہو
اُسے لالہ زار سے کام کیا جسے سینہ اپنا ہی باغ ہو

شبِ ماہتاب میں ساقیا لبِ جو پہ روان کل
عجب اک بہار ہو گر تجھے سرِ ذوقِ شرب ایاغ ہو

گل داغ داغ سے ہجر کے مرا سینہ رشکِ بہار ہے
ذرا تو بھی آن کے سیر کر جو ہوائے گلشن و باغ ہو

یہ وہ عشق خانہ خراب ہے کہ زمیں پہ اہلِ غرور کو
کوئی دن میں خاک نشیں کرے اگر آسمان پہ دماغ ہو

نکرا ے تجمل خوش سخن کسی بدزباں سے برابری
نہیں خوب بلبلِ خوش نوا جو چمن میں ہمسرِ زاغ ہو

تجمل

تجمل - حکیم تجمل رسول خاں تجمل۔ خلف ممتاز الدولہ نواب غلام رسول خاں دہلوی شاگرد آغا جان عیش۔ ایک دیوان اور قصہ طوطا مینا اور چند رسائل اِن سے یادگار ہیں مہاراجہ ہندو راؤ رئیس گوالیار مقیم دہلی کی سرکار میں بزمرۂ اطبا ملازم تھے۔ اکثر خطوط بہت عمدہ لکھتے تھے۔ اِس فن کو خاص محمد امیر پنجہ کش سے حاصل کیا تھا سنہ ١٢٩٢ھ میں بعمر پچاس سال انتقال کیا۔ یہ کلام کا نمونہ ہے۔

رکھتا رہے گا طاق پہ اعجازِ عیسوی
کشتہ ترے ستم کا جلایا نجائے گا

منظور ناصحا تری ساری نصیحتیں
پر اسکا دھیان دل سے بھلایا نجائیگا

مطلب ہزار دل میں ہیں پر اُسکے روبرو
سچ تو یہ ہے کہ لب بھی ہلایا نجائیگا

قطعہ

حسرت بلکہ نعش کو کیا کوس میں چھوڑی اسنے
وہ نزاکت بھرے انسان وہ اہلِ تسکین

قطعہ — از فغان دہلی

خون رُلایا انہیں جلّادِ فلک نے کیا کیا — وہم سے کرتے نہ جو ہاتھ حنا سے رنگین
سو سوا ٹھکیلی سے چلتی تھی جہاں بادِ نسیم — بادِ صرصر کا بھی دیکھا تو نہ تھا نام کہیں
آشیانے ہیں وہاں زاغ و زغن کے صدہا — تھے جہاں سینکڑوں طاؤس ہزاروں شاہین
ہفت اقلیم میں اس شہر کی تھی دھاک بڑی — کوئی دنیا میں تھا شہر بسان دہلی
ہر گلی کوچہ تھا اس شہر کا صد رشکِ ارم — غیرتِ خلد تھا ہر ایک مکان دہلی
ہائے رے حبِ وطن صدمے اٹھائے کیا کیا — آ بسے بھی آن بسے لوگ میان دہلی
چشم نمناک دل افسردہ و صد پارہ جگر — بیٹھے اسطرح سے ہیں غمزدگان دہلی
اور مت آگ لگا شمع خیالِ جاناں — خود جلے بیٹھے ہیں دل سوختگان دہلی
ڈھونڈتی پھرتی ہیں آنکھیں ہر جا — کیا ہوئے اہلِ کمال دہلی

تجمل — حکیم تجمل حسین خاں ابن عبد العلی عظیم آبادی محکمہ ڈاکٹری کے ہاسپٹل اسسٹنٹ ہیں دو دیوان ان کے آگرہ میں چھپے ہیں وہ نظر سے گذرے۔ طبیعت تشبیہ و استعارہ کی طرف مائل ہے اور اس رنگ میں خاصہ کہتے ہیں۔ چند شعر انتخاب ہوکر درج تذکرہ ہوئے۔

بیاں مخلوق سے کب ہوسکے خالق کی قدرت کا — جو خود مصنوع ہو وہ کہہ سکے کیا راز صنعت کا
ہوئے کونین اک کن سے تماشا ہے یہ قدرت کا — خدائی میں تری خالق کسے ہے دخل حجت کا
جدا کب کل سے ہے جز جز ہے کب کل ہے جدا یارو — عجب بیفائدہ جھگڑا ہے بندہ و خدا کا
یارب نہ ہم سے پوچھ تو اپنے کرم کو دیکھ — غیرا زسکوت کیا ہے گنہ گار کا جواب
گردن تسلیم رکھ دی جھک کے مقتل میں دلا — یار کی تیغ نگہ کا امتحاں ہونے کو ہے

تجمل — ڈپٹی سید تجمل حسین خاں صاحب بنیں نیض آباد و گونڈہ۔ آپ حضرت میر ناصری کے بڑے صاحبزادے جناب سید غضنفر علیخان بہادر نصرت جنگ متخلص بہ حکیم سے تلمذ رہا۔ موزوں طبع شاعر اور اچھے مشاق ہیں۔ زبان اردو ہندوستان بھی صاف ہے مگر درد ذرا کم ہے آپ کا مطبوعہ دیوان نظر سے گذرا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کم و بیش جملہ اصناف سخن

میں آپ کو دسترس حاصل ہے۔ آپ عرصہ تک نواب گنج میں ڈپٹی کلکٹر رہے ہیں اب پنشن لیلی ہے۔ مطبوعہ کلام کا انتخاب ملاحظہ ہو۔

خلیل اللہ کو نمرود نے چاہا جلا ڈالے
گلستان بنگئی آتش ہوئے گل نار سے پیدا

وہ آدم ہی ہے بعد مرگ بھی جو عشق رکھتا ہو
نہیں جلتا ہے شمع مردہ پر محفل میں پروانہ

دیکھکر سینۂ صد چاک کو ظالم رویا
داغ جب عشق کا اُسکے مرے دل پر نکلا

دولت دنیا کی جسے ہے ہوس
قبر میں جب ہاتھ خالی جائیگا

نہیں علم و ہنر جسمیں بہائم سے وہ بدتر ہے
وہی انساں ہے دنیا میں جسے کچھ بھی کمال آیا

کہے گا مسیحا نہ کوئی جہاں میں
نہ بیمار کی گر دوا کیجئے گا

ہوگیا آرام ہمکو رنج رخصت ہوگیا
موت کا آنا شب فرقت غنیمت ہوگیا

جو نکلے در پہ سے گئے سجدے سارے عالم نے
صنم کدہ تھا مگر کعبے کا جواب رہا

آنکھ کھلتے ہی ملا کنج قفس اے صیاد
پوچھتا کیا ہے کہ کب تجھسے گلستاں چھوٹا

دامن دشت سے منہ ڈھانپکے کانٹے روئے
مرکے مجھ آبلہ پا سے جو بیاباں چھوٹا

دل دیچکے تھے جان بھی اب نذر یار کی
کہنے سے فائدہ نہیں جو کچھ دیا دیا

اے دل بیقرار کیا کہنا تجھ
برق سے ہے شرمسار کیا کہنا

بشر اسکو کہنا مناسب نہیں
نہو جس سے دنیا میں کار ثواب

زباں ایک احسان لاکھوں ترے
کروں شکر یا رب ادا کس طرح

ہیں رن میں قاتل کے اور ہو ستیاں ہے سینے میں قلب مضطر
مہم ہو کس طرح دیکھئے سر جُدا کا ہے قاتل کھنچا ہے خنجر

مفلسی اپنے کو بیگانہ بنا دیتی ہے
پوچھتا کون ہے ان کو جو ہیں نادار عزیز

ملا ہے خون عاشق کا جو اپنے دست رنگیں میں
ذرا کہئے قصاص اسکا نہیں کیا آپکے دیں میں

کہتا ہے وہ مسیح ہے عالم مرا ہوا
میں ایک جا کے مردے جلاؤں کہاں کہاں

نغاں سے عرشِ معلیٰ ہلا دیا کس نے | یہ نعرہ کس کا ہے اول بتا دو تو نہیں
حیراں ہیں سب کہ بول رہا ہے بدن میں کون | کھلتا نہیں کسی پہ یہ راز اس پیرہن میں کون
یہ کیوں آپ تیغ و سپر باندھتے ہیں | یہ کس بیگنہ پر کمر باندھتے ہیں
یونہیں وعدہ کیا کرتی ہیں آتی ہیں نہ جاتی ہیں | نہ میرے گھر وہ آتے ہیں نہ اپنے گھر بلاتے ہیں
غضب کی بیقراری ہے کہ اس پر بھی نہیں تھمتا | دلِ بیتاب ساکو ہم دونو ہاتھوں سے دباتے ہیں
پڑتا اگر نہ عکس رُخِ یار رات دن | ہوتی نہ روشنی کبھی خورشید و ماہ میں

اللہ ہو گئی ہے جوانی کی شام صبح | لیکن شبِ فراق کی پیدا سحر نہیں

شوق کے معنی یہ ہیں کو وہ نہیں لکھتا جواب | خط ہزاروں جا چکے پھر نامہ بر جانیکو ہے
ہوں قائل ظاہری اسلام کے کیا اہلِ بتخانہ | خدا کے گھر میں رہکر شیخ محوِ بت پرستی ہے
تری فرقت میں ایسی نیند عاشق کی اچٹتی ہے | نہیں کاٹے کسی صورت سے کالی رات کٹتی ہے
مرقد پہ کیوں نہ پاؤں سے ٹھوکر لگا گئے | تم کھلکے کیوں نہ مجھکو مسیحا جلا گئے
کیا بیکسی کا وقت ہے اللہ کی پناہ | مُردے کو زندے لاکے لحد میں لٹا گئے

گلے سے اپنے اسے مہرو لگا کر | یہ سارے داغ سینے کے مٹا دے
کس لیے ہو گئے خفا مجھ سے | بوسے لیتے کیوں نہیں بھلا مجھ سے

ہمارے دل میں ایسی اندنوں وحشت سمائی ہے | کہ چھینیں نجد مجنوں ذہن میں یہ بات آئی ہے
آئی ہے پھر بہار چمن سب ہرے ہوئے | ہر شاخِ گل سے پھولوں سے دامن بھرے ہوئے
چلیں گے کوچۂ جاناں میں شام ہونے دو | ابھی سے حسرتِ دل بیقرار ہونے لگے
عشق میں نیند سے جھو مرتے ہیں کو | تجملؔ اسکی خبر نہیں نہ سہی

تجمل

تجملؔ۔ سید تجمل حسین صاحب بریلوی شاگرد میر سعادت علی صاحب عیش۔ کہنہ مشق شاعر تھے بندش اور زبان اچھی ہے۔ عرصہ ہوا انتقال کیا۔ بریلی کے مشاعرے کی غزل کے چند شعر درج ذیل ہیں ؎

زندگانی ہو گئی دشوار ہجرِ یار میں
روتے روتے پڑ گئے ناسور چشمِ زار میں
شاخِ گل کی ہوئیں تختے دامنِ گل کا کفن
دفن بلبل اُس روش سے چاہئے گلزار میں
یہ مہینہ بھی نہ جائے یار خالی قتل سے
ماہِ نو تم دیکھکر منھ دیکھ لو تلوار میں
کس سہی قد کی ہے آمد باغ میں جو بلبلیں
شاخِ گل پر چہچہے ہیں پھول سے منقار میں
عشق نے خود رفتہ اُسکو رفتہ رفتہ کر دیا
جو کہ تھا پردہ نشیں پھرتا ہے وہ بازار میں

تجمل

تجمل - منشی میر تجمل حسین تجمل - اُستاد اور بڑے قابل - ذکی اور طبیعت دار آدمی ہیں - ۳۰-۳۵ برس سے آپ محمود آباد میں ریاست کے وظیفہ خوار ہیں - آنریبل راجہ سر امیر حسن خانصاحب مرحوم رئیس محمود آباد اپنے کلام میں آپ سے مشورہ بھی کیا کرتے تھے - اکثر شعرائے گرامی کے روشناس ہیں اور خود بھی اچھے مشاق ہیں - سن شریف اب ۶۲-۶۳ برس سے زائد ہے - اور یہ کلام کا انتخاب ہے - اوائل مشق سخن میں آپ نے خواجہ آتش کے شاگرد محمد عباس سلیم کو چند غزلیں دکھائیں اُنکے انتقال کے بعد نواب محمد حسین خاں

آئینہ روبرو ترے آٹھوں پہر نہ تھا
خود بینی کا رواج کبھی پیشتر نہ تھا
صبحِ شبِ وصال قیامت کی صبح تھی
کم صور سے وہ نالۂ مرغِ سحر نہ تھا

قتل بے تیغ ہوئے دیکھی جو ابرو کی طرح
چبھ گئی دلمیں مژہ تیر پہ پہلو کی طرح
پہلوئے یار سے اُٹھنے کو تو اُٹھے لیکن
درد کیطرح اُٹھے - گر پڑے آنسو کی طرح

لحاظ شرط ہے پست و بلند عالم کا
زمیں پہ رہ کے اُٹھا سر نہ آسماں کیطرح

مقرِ گناہ کے اے کردگار ہم بھی ہیں
غفور تو ہے تو امیدوار ہم بھی ہیں
جو آج جائزہ لیتا ہے جاں نثاروں کا
ہمارا نام بھی لے کرگار ہم بھی ہیں
فلک پہ برق کو تنہا نہیں ہے بیتابی
زمیں پہ ہجر میں اک بیقرار ہم بھی ہیں

سوئے رقیب کرم کی نظر نہیں چھپتی
میں دیکھتا ہوں چھپاتے ہو پر نہیں چھپتی
کلام شاعرِ بے علم چھپ نہیں سکتا
صفیرِ بلبلِ بے بال و پر نہیں چھپتی
رقیب سے نہ ملے تھے تو کل یہ [illegible] تھی
ہزار آج چھپاؤ مگر نہیں چھپتی

ہزار اپنی خطا کو چھپائے بندہ پر
جز آب ہو کے عرق میں لب ابھر نکلتا ہے
مری تقدیر کی ذلت بھلا وہ کیا مٹائیں گے
ترے چہرے کی رنگت رنگ گل سے کچھ فزوں ہو گی
خدا اچھوں کے باعث کار مشکل سہل کرتا ہے
جگہ دینے پہ ہے پہلو میں اپنے عشقِ خوباں کو
مصیبت حد سے جب گذری تو ظاہر ہو نہیں سکتا
تجمل تیرے دل نے کچھ کہیں صدمہ اٹھایا ہے
سمجھے تھے مسیحا اُسے بیمارِ تپ ہجر
غمخانے کی راحت کو لحد والوں سے پوچھو

خدا سے اسے مت بیداد گر نہیں چھپتی
نہ تن سے جان نکلتی ہے نہ دل سے تو نکلتا ہے
جو دل سے تم بھی کہتے تھے زباں سے تو نکلتا ہے
ذرا شمشاد سے کچھ قامت دلجو نکلتا ہے
محبت میں گلوں کے دم برنگِ بو نکلتا ہے
ہمارے دل کی باتوں نے بڑا پہلو نکلتا ہے
بہت غم میں - بہت کم آنکھ سے آنسو نکلتا ہے
ترے ہر شعر سے اک درد کا پہلو نکلتا ہے
واں فضل الٰہی سے دوا بھی نہیں آتی
اُس گھر میں ہیں جس گھر میں ہوا بھی نہیں آتی

تجمل حاجی تجمل حسین جلال پوری آپ کو حافظ نثار احمد صاحب تابؔ شاہجہانپوری سے تلمذ ہے - عرصہ دراز سے بمبئی میں سکونت پذیر اور مطبع کریمی میں ملازم ہیں - بیحد پرگو ہیں بمبئی میں آپ کے شاگرد بھی بکثرت ہیں دو دیوان شایع کر چکے ہیں - راقم تذکرہ سے بمبئی میں ملاقات ہوئی تھی - منکسر المزاج اور خلیق شخص ہیں - ۴۲-۴۳ برس کی عمر اور یہ کلام کا نمونہ ہے

شادمانی یہ مرے دل کو خبر دیتی ہے
بیتابی سے کیا کیا دلِ مضطر یہ ہمارے

نامہ بر آتا ہے پیغام خوشی کا لے کر
جاتے ہیں کبھی وہ جو برابر سے نکل کر

اُس مستِ ناز کو جو کہیں دیکھ پائے دل
اٹھ کے اب گھر سے روانہ ہوں سوئے منزل قبر
جمع اغیار بہت رہتے ہیں اُس کوچے میں
رہ گئے حشر کے دن اہلِ عبادت محروم
گھر میں چھپ چھپ کے تجمل وہ پیا کرتے ہیں

محشر میں ایک اور نہ محشر اٹھائے دل
طاقت اتنی بھی نہیں اب ترے بیمار میں
چن دیئے جائیں کہیں روزنِ دیواروں میں
خوانِ رحمت ہے کہ تقسیم گنہگاروں میں
زہد کی لیتے ہیں جو بیٹھ کے میخواروں میں -

کسکا جادو چل گیا کس پر بتاؤ تو سہی
پہنچے کعبہ میں کبھی تو کبھی بتخانہ میں
صورتِ حرفِ غلط مٹ چکے اے بخت مگر
نہ ساقی رکے گردشِ جام سے
داورِ محشر نے بھی مجرم ٹھیرایا اسے
تمکو دل سبے آزمائے بندہ پرور دیدیا
ہائے کیا فتنۂ محشر کو کریں گے بیدار
اپنا عالم ہی جدا ہے عشق میں
سارے جہانسے اسے بت کا زجھگڑا دیا

تم فسوں گر ہو زیادہ یا فسوں گر آئینہ
تیرے ملنے کیلئے ہمنے کیا کیا کیا کچھ
نہیں معلوم کہ ہے اور لکھا کیا کیا کچھ
کٹے عمر پیتے پلاتے ہوئے
ہائے یاں بھی بات اس ظالم کی من مانی ہوئی
ہاں ہمیں چوکے ہمیں سے سخت نادانی ہوئی
اپنی سوتی ہوئی قسمت تو جگائی نہ گئی
اپنی حوریں اپنی جنت اور ہے
ملکر تری نگاہ سے میری نگاہ سے

دل صدپارہ کیوں پھوٹی ہوئی قسمت اٹھالائی
نہ اٹھتے کشتۂ تیغِ تغافل خوابِ مرقد سے
جمال اُس برق وش کا اے نظر تو دیکھ سکتی تھی
نہ پوچھو میرے آئینکا سبب کچھ اپنی محفل ہیں
عجب عالم میں ہیں ہم کس سے پوچھیں کون تبلائے

بھلا کس کام کی ہے یہ نگمی جنبر کیا لائی
نہ آتے سوئے محشر تیرے گھونگرو کی صدا لائی
دکھا لائے تجھے ہم پاکہ تو ہمکو دکھا لائی
جو خوش ہو آپ آئے ہم جو ناخوش ہو قضا لائی
کہاں آئے کہاں ہمکو تلاشِ دلربا لائی

تحسین

تحسین ۔ علی مولا خاں باشندہ شاہجہانپور ۱۸۵۲ء میں ان کا عنوانِ شباب تھا۔ وجیہ اور خوبرو جوان تھے۔ اور دہلی میں رہتے تھے۔ مزاج میں ظرافت اور طبیعت میں بیحد شوخی تھی صرف ایک شعر ملا نا حسن بدل معلوم ہوا اسلئے درج کیا گیا ۔

کیا لکھیں اور ذرا غور کریں آپ اسے
ڈرتے ڈرتے یہ لکھا ہے کہ پڑھیں آپ لبسے

تحسین

تحسین ۔ منشی محمد حسین خان تحسین مالک مطبع مصطفائی۔ دہلی غدر سے پہلے انکا چھاپہ خانہ دہلی میں بہت مشہور تھا۔ غدر کے بعد میرٹھ میں مطبع احمدی جاری کیا۔ فن سخن میں حضرت ذوق سے فیض پایا تھا۔ نہایت خلیق۔ با مروت اور کارگذار شخص تھے۔ انکے مطبع کی چھپی ہوئی کتابیں نہایت شوق

سے خریدی جاتی تھیں۔ گاہ گاہ شعر بھی کہہ لیتے تھے۔ چنانچہ اشعارِ ذیل انہیں کے نتائجِ افکار سے ہیں ؎

آزار ہوا اسکو مگر عشقِ بتاں کا
بے طور سے ہے نقشۂ دلِ بیتاب تواں کا

جب بت سے نہ راضی ہوں تو تجھ کو نہیں کیا کام
تحسین چلو کعبہ کو جھگڑا ہے کہاں کا

اے دل تو عشق کیجو مگر دیکھ بھال کے
غافل کو چاہیے کہ کرے فکر دور کا

کوئی کیوں کر بچائے جاں ہمدم
ایک خنجر گذار ہیں آنکھیں

لب کی خوبی میں کیا سخن ہے پر
فتنۂ روزگار ہیں آنکھیں

صیاد اس طرح جو نہ گرمِ عتاب ہو
کیوں آشیاں چمن میں ہمارا خراب ہو

تحسین ان کو دیکھنے جاتے تو ہو مگر
ایسا نہو کہ جاں کو وہی پھر عذاب ہو

خیالِ بتاں دل میں رکھتے ہو تحسیں
مگر تم بھی رسوا ہوا چاہتے ہو

ہوئے ذلیل تو عزت کی جستجو کیا ہے
کیا جو عشق تو پھر پاسِ آبرو کیا ہے

یار کہوے کہ اٹھ مرے در سے
دل یہ کہوے یہیں رہا کیجے

تحصیل

تحصیل۔ منشی محمد کبیر صاحب تحصیل ساکن ترڈگڑہ ریاست میسور شاگرد حضرتِ داغ۔ موجودہ زمانہ کے موزوں طبع شعرا میں ہیں۔ اور خاصہ کہہ لیتے ہیں۔ اکثر رسالوں اور اخباروں میں انکا کلام شایع ہوتا رہتا ہے۔ ۴۰ برس کے قریب عمر ہے۔ کلام بہم رسیدہ کا انتخاب حاضر ہے ؎

کیا لڑکپن کہوں میں قاتل کا
کھیل سمجھا تڑپنا بسمل کا

آزادی ہو نصیب کہاں اہلِ طمع کو
چھوٹے کبھی نہ قیدیِ دامِ بلائے حرص

ہے چراغِ حسن پر کس ماہ کے پروانہ شمع
رات بھر جلتی ہے اور گلتی ہے چیابانہ شمع

کہو تحسیں کونسی وہ بات ایسی ہو
نہ نکلی منہ سے جو آکر زباں تک

مریضِ عشق کو مرنا شفا ہے
ملا دو زہر مجھے میری دوا ہے

مریضِ عشق کو آرام کب ہو ان طبیبوں سے
کہ اسکا تو مرض تم ہو دوا تم ہو شفا تم ہو

لالے کی طرح دل نہ کوئی داغدار ہو　　یارب یہ گل کسی کے گلے کا نہ ہار ہو

تحیرؔ

تحیرؔ - مرزا محمد بیگ ولد مرزا رستم بیگ خراسانی مقیم لکھنؤ - آپ کو میر امداد علی بحرؔ سے تلمذ تھا - کلکتے بھی بطریق سیر گئے تھے - یہ انکا کلام ہے ؎

شکار مرگ ہوئی ہے فراقِ یار میں روح　　پھڑک رہی ہے بہت دامِ انتظار میں روح
لگا کے تیر مجھے بوئے گل نے صید کیا　　رہی خزاں میں سلامت گئی بہار میں روح
کیا ہے عشق نے مجبور سر بسر مجھکو　　نہ اختیار میں دل ہے نہ اختیار میں روح
میں تڑپتا ہوں ادہر اسکو خبر کچھ بھی نہیں　　بدنصیبوں کی محبت میں اثر کچھ بھی نہیں
سینکڑوں ذبح ہوئے سینکڑوں مرکر چھوٹے　　ہم اسیروں کی رہائی کی خبر کچھ بھی نہیں
مجھ خستہ اندیدہ کے بیگانہ مزاجی دیکھو　　کب بہار آئی گئی مجھکو خبر کچھ بھی نہیں
نیست نابود تحیرؔ نظر آیا عالم　　ہم ادہر سیر کو نکلے کہ جدہر کچھ بھی نہیں

تحیرؔ

تحیرؔ - غلام مصطفےٰ خلفِ مولانا شاہ رفیع الدین دہلوی - ان کے خاندان کی بزرگی اور سبب شہرت محتاج بیان نہیں - جناب تحیرؔ مولینا شاہ عبدالعزیز صاحب تحفۂ اثنا عشریہ کے بھتیجے اور حکیم ثناراللہ خاں فراقؔ کے شاگرد تھے - مگر اپنے خاندانی ورثہ یعنی علم و فضل سے محروم رہے - اوصاف حمیدہ اور اخلاق پسندیدہ رکھتے تھے - موزونی طبع کی مدد سے کبھی کبھی فکرِ سخن کیا کرتے تھے چنانچہ یہ شعر اُن کے ہیں -

عید کے دن مجھے کہنے یہ ہر اک یار لگا　　ہو مبارک تری چھاتی سے وہ دلدار لگا
جدا مجھسے جب وہ دل آرام ہوگا　　اجل کا اُسی وقت پیغام ہوگا
فکر اطفال کو ہے سنگ اُٹھا لانیکی　　آمد آمد ہوئی شاید ترے دیوانہ کی

تدبیر

تدبیر - شیخ محب اللہ ساکن دیوبند مرد خلیق و خوش مزاج تھے - غدر سے پیشتر کسی تقریب سے دہلی آئے اور یہیں کے ہو رہے زیادہ حال معلوم نہیں -

اور ہی کچھ ڈھنگ ہے اپنی گرفتاری کا ہائے　　یوں تو زلفوں میں تری کس کسکا دل اُلجھا نہیں

تدبیر

تدبیر۔ دہلوی۔ مرزا محمد سکندر قدر ابن میرزا خورشید قدر قیصر گورگانی نبیرۂ شاہ عالم ثانی لکھنؤ میں مقیم تھے۔ یہ انکے اشعار ہیں۔

دل ہو تو کچھ بیان کریں ماجرائے دل	معلوم ہی نہیں کہ کہاں بھول آئے دل
دل بت کو بھی خدا نے دیا ہے بتو ڈرو	بے دردیو لئے تم نہ دکھاؤ پرائے دل
دل سوز جانتا ہے اُسی شمع رُو کو ہے	پروانہ وار جس نے ہزاروں جلائے دل
راحت سے کام کچھ نہیں میں رنج دوست ہوں	پہلو میں رکھ دو سنگِ جراحت بجائے دل
شکوہ جفا کا کس سے کے یہ کہتے ہیں ناز سے	کچھ دل لگی نہیں جو کسی سے لگائے دل

تراب

تراب۔ نواب حشمت الدولہ افتخار الملک مرزا ابو تراب خاں متخلص بہ تراب۔ آپ نواب مرزا ابو طالب خاں کے صاحبزادے اور حضرت محمد علی شاہ اودھ کے داماد تھے۔ فکر رسا کی امداد سے صاحب دیوان تھے۔ مگر ہمیں صرف دو شعر دستیاب ہوئے۔

اُڑا کے لیگئی اکبار کوئے قاتل میں	ہماری جان کی دشمن ہوئی ہوا دل کی
ہیں لوگ قصۂ فرہاد و قیس بھول گئے	کہانی ہوتی ہے اب میری جابجا دل کی

تراب

تراب۔ شاہ تراب علی مرحوم مولد شاہ کاظم مغفور سجادہ نشین درگاہ قصبہ کاکوری۔ بڑے خدا پرست درویش حق آگاہ تھے۔ اِن کا کلیات چھپ گیا ہے ایک مثنوی مسمی عاشق و صنم بھی انکی تصنیف سے یادگار ہے۔ تراب مرحوم کا کلام معرفت سے پُر اور نہایت دردانگیز ہے انکی اکثر ٹھمریاں مشہور ہیں۔ کہنہ مشق شاعر تھے۔ کلام میں سنجیدگی اور متانت بہت ہے اکثر اخلاقی مضامین نہایت نفاست سے باندھتے تھے ۱۲۷۵ھ میں انتقال کیا۔

کاکل کہ چند موئے پریشاں کا نام ہے	دل کے لئے خدا نے اُسے دام کر دیا
کوئی اِس نا آشنا سے آشنائی کیا کرے	آشنا سے اپنے جو نا آشنائی کر گیا
ہم نہیں کرنے کے اسکی خیر خواہی میں قصور	کیا ہوا گر ہم سے وہ ظالم بُرائی کر گیا
وصف اُسکا میں کیا کہوں ناصح	وہ تو کچھ ہے بیان سے باہر

چمن میں جب گیا میں اس گلفام کے ساتھ
کہا بلبل نے مجھے تیری ہی بدولت
یار و صورت میں نظر باز حقیقت کم ہیں
یہ کہتا ہے جرس اپنی زباں میں
ہمارے یار کے وہی پتے ہیں
مجھے یار سے اب یہی گفتگو ہے
اسے کیا درد ہے گر صید بسمل آہ کرتا ہے
بہت امید جنت پر بہت دوزخ کی وحشت ہے

قطعہ

گیا جوں باد صرصر بے تکلف
ہوئی جنت میسر بے تکلف
آنکھ والے ہیں بہت اہل بصیرت کم ہیں
مسافر ہیں سبھی اس کارواں میں
کمر پتلی صراحی دار گردن
جو تو ہے سو میں ہوں جو میں ہوں سو تو ہے
جو بیدردی سے وقت ذبح بسم اللہ کرتا ہے
کوئی کمتر عبادت خالصاً للہ کرتا ہے

جی کسی پر کوئی فدا نہ کرے
عشق کا امتحان ہو کیونکر
محمود ایاز ہو گیا ہے تو
بت ظالم نہیں سنتا کسی کی
دلیل کارواں بانگ جرس ہے
عبث ہے آرزو دنیا و دیں کی
دیدار کی نہ آئی سبھی چل بسے تمام
وحدت کا پیا جام دوئی سے نہ رہا کام

دل کسو سے لگے خدا نہ کرے
گر کسی پر کوئی جفا نہ کرے
کیا ناز نیاز ہو گیا ہے
غریبوں کا خدا فریاد رس ہے
گواہ درد دل اک نالہ بس ہے
تراب اللہ بس باقی ہوس ہے
پروانے جا کے شمع سے جب متصل ہوئے
ہے ترک خودی نسبت فقر یہ ہماری

تیرے لطف و کرم سے اک جہاں معمور ہے پیارے
موت سے یارو وہی سب ڈر رہے
ہم سے کہتا ہے عشق خوبرویاں چھوڑ دو
نیکی کرو کام آئے گی آخر کو نکوئی
کعبہ و مسجد میں جاتے ہو بھلا جی کس لیے

تجھ سے رہ گئے تیرے کرم سے ایک ہم خالی
زندگی میں آپ سے جو مر رہے
شیخ تو ہی آرزو سے حور و غلماں چھوڑ دے
ساتھ اپنے عمل ہوں گے وہاں اور نہ کوئی
وہ تو ہے دل میں تمہارے ڈھونڈتے پھرتے ہو تم جس کے لیے

ترحم [?]

ترحم ۔ مرزا اکرم بخت گورگانی میرزا قیصر بخت فروغ خلف الرشید میرزا قادر بخش صابر گورگانی کے خلف اصغر اور جناب آثم کے برادر خورد ہیں ۔ آپ کی ولادت شہر بنارس میں جہاں آپ کی ننھیال ہے واقع ہوئی اور وہیں ہوش سنبھالا ۔ فارسی اردو کے علاوہ زبان انگریزی میں بھی معقول دخل حاصل ہے ۔ الغرض تعلیم یافتہ اور مہذب نوجوان ہیں شاعری اور زباندانی آپ کی میراث سمجھنا چاہیے ۔ چند غزلیں اپنے والد نامدار کو دکھائی تھیں پھر اُن کے انتقال کے بعد سے بطور خود کہتے ہیں ۔ ہنگام ترتیب تذکرہ کچھ کلام عنایت فرمایا اُس کا انتخاب ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے اب (۱۹۰۸ء) میں آپ کی عمر ۳۴ و ۳۵ برس کے قریب ہے ۔ اور بنارس محلہ شوالہ میں قیام ہے ۔

[illegible]

تمہیں سے ہے منور گھر نشاط و کامرانی کا
دہن ہے چشمۂ حیواں اور اسمیں میرا نام آیا
دُرِ خوش آب مضموں کیوں نہ ہاتھ آئیں ترحم کو
سوزِ شب فرقت کا مداوا ہو ترحم

تمہارا حسن ہے شعلہ چراغ زندگانی کا
دیا خلعت مجھے تمنے حیات جاودانی کا
کہ اُسکی فکر میں عالم ہے دریا کی روانی کا
ملجائے جو تھوڑا سا بھی کافور سحر آج

حسن میں حسن گر ہوا نہ کرے
مجھ سے سیکھو اگر نظر بازی
حبب کہا پینے مٹتا مرتا ہوں
ہوس و عشق میں تمیز نہو
اے ترحم تجھے یہ وحشت ہے

جان اپنی کوئی فدا نہ کرے
کبھی یہ تیر پر خطا نہ کرے
ہنس کے کہنے لگے خدا نہ کرے
وہ جو عشاق پر جفا نہ کرے
کہیں دشمن اُنھیں خفا نہ کرے

نکلی فلک نے شام کو اُگلی سحر کے وقت
یہ کان بھرنے کی عادت بری ہے غیروں کو
کسی سے کچھ نہیں سہنے کہا قسم لے لو
تمہیں کو خوف ہے اعدا کی بدمزاجی کا

یہ پچتی نہیں ہے نان تنقیل آفتاب کی
شکایت اُن کو جو کرنی بھی بر ملا کرتے
زبان کٹتی اگر آپ کا گلہ کرتے
اگر وہ صحبت سے بگڑتے تو میرا کیا کرتے

ترساں

ترساں - میاں بہادر علی - لکھنؤ کے ایک موزوں طبع سخنور تھے - ایک قدیم قلمی بیاض میں جو سوا سو برس کی لکھی ہوئی ہے کچھ کلام نظر سے گذرا - اُن کا انتخاب ضبط تحریر میں آیا - آصف الدولہ اور نواب سعادت علی خاں کا زمانہ پایا تھا اس لحاظ سے کہا جا سکتا ہے کہ میر و میرزا کے ہم عصر ہوئے - سیدھی سادی زبان میں اچھے مضامین نظم کئے ہیں - اب کلام ملاحظہ ہو -

تاب و تواں و ہوش و خرد سارے چل بسے
تیرے ہی بیٹھنے سے ہماری ہے زندگی
آج مجلس میں بہت ترساں کو دیکھا مضطرب
رات کس کا ذکر تھا تنہا کہ سُن سُن کر جیے
کس نے ترساں کو تری بزم میں روتے دیکھا
کیا کرے کوئی گلہ اُسکی ستمگاری کا
دیکھ کر آج مسیحا نے دیا مجھکو جواب
گھر میں جو بیٹھ گیا دیکھ کے تو ترساں کو
اُسی کی سب نے خاطر کی ہیں وکھ رو دیا جہاں جاکر
مرا دل اُس کی زلفوں میں ہوا گم آج اے ترساں

جس وقت میرے پاس سے وہ دلستاں اُٹھا
اُٹھ جائینگے جہان سے ہم تو جہاں اُٹھا
اُس فلک ہاریکا شاید دل کہیں جاتا رہا
اشک سرخ آنکھوں تریا تو ہر آن بہہ اتارا
اُس پہ ناحق تجھے طوفان اُٹھانا کیا تھا
جس کا شیوہ ہو پرا اوس کی دل آزاری کا
اب معالج ہو خدا اس تری بیماری کا
اُس سے تھا کونسا موجب تجھے بیزاری کا
کوئی سر پٹکے اپنا اے یار داب کہاں ناز
اندھیری رات ہے دونو طرف ڈھونڈا تا وائے کدھر جاکر

ہم دردِ عظیم ہم دوا ہوں
وہ جانے ہمارے غم کو ترساں

تم حضرتِ عشق یہ بلا ہو
جس کا کہ کسی سے دل لگا ہو

دیا تھا آگے کبھی دل لیکن آہ چھوٹ گئی
میں کہا کیا ہو جو گھر تک تو اسکے یہ ہوش چلے
ہمنشیں اُسکو مرے ساتھ بہانا تک ہے ضد

عناں ہمرہ ہے اختیار سے مرا اب کے
سُن کے بولا کہ ترے گھر ہی پاپوش جلے
راہ میں دیکھے کبھی مجھکو تو روپوش جیے

؎ عنبروں کی -

درد کہنے کو تو ہم آئے تھے ترساں لیکن
دیکھ کر چین جبیں یار کو خاموش چلے

چاک گل کا پیرہن گلشن میں تھا کس کے لئے
صبح تک شبنم بھی روتی تھی صبا کس کے لئے

مر گیا ترسا تری دیوار کے سایہ تلے
تو نے کچھ جانا کہ اس نے جی دیا کس کے لئے

ترقی

ترقی - نواب اسد الدولہ رستم الملک مرزا محمد تقی خان بہادر مرحوم خلف سید محمد امین خاں باشندۂ نیشاپور مقیم فیض آباد، نواب شجاع الدولہ بہادر صوبہ اودھ کے خاندان سے تھے اور میر محمدی سوز کے شاگرد تھے آپ نے محفل مشاعرہ بھی قایم کی تھی - نہایت خوش کلام اور رنگین طبع امیر تھے - آپ کا اساتذۂ قدیم میں شمار ہے - متانت اور سنجیدگی کے پہلو بہ پہلو لطف زبان اور معاملہ بندی اپنا مزا دکھاتے ہیں - کلام میں درد اور دلکشی بھی موجود ہے - زبان صاف اور شیریں اور لطف محاورہ بھی اُس میں موجود ہے - استعارات و تشبیہات سے کلام پاک ہے - آپ کا خاندان اب تک لکھنؤ میں موقر و معزز خیال کیا جاتا ہے - آغا ابو صاحب رئیس اعظم لکھنؤ آپ ہی کے خاندان میں ہیں -

گر ایک شب بھی وصل کی لذت نہ پائے دل
پھرتے کس اُمید پہ کوئی لگائے دل

بھولا تمہارے عشق میں دنیا و دین کو
جو چاہو اب کرو کہ یہی ہے سزائے دل

پہلو کل اُس نے چیرا جو دل کے لئے مرا
جز داغ حسرت اور نہ کچھ تھا بجائے دل

ترغیب دی ہے کس نے کعبے کی تو ہمیں
زاہد خدا کا گھر نہیں کوئی سوائے دل

اُس کی گلی میں کون یہ بیدل ہوا ہے دفن
آواز متصل یہی آتی ہے ہائے دل

اک دل تجھے مدام ستانے کو چاہیے
تیرے لئے کہاں سے کوئی روز لائے دل

اُس کوئیں جب سے بیٹھے ہیں مانندِ نقش پا
رکھتا ہے تب سے خاک میں ہمکو ملائے دل

لکھ دیویں ہم تو خطِ غلامی اُسے بجا
جو عشق کی بلا سے ہمارا چھڑائے دل

اُترا نہ آ کے یہاں کوئی جز کاروانِ غم
ماتم سرا سے کم نہیں یارو سرائے دل

دن بھر تو اک نحیف سی آواز سنتے تھے
آتی نہیں ہے رات سے لیکن صدائے دل

کہتے ہیں درد مند ترقی کا حال دیکھ
یارب کبھو کسی پہ کسی کا نہ آئے دل

یوں پیچ زلف غمزدار وہ مرخ ہوتا ہے
ابر سے آئے نظر جیسے قمر کا پہلو

کارگر دل میں کسی کے جو نہیں ہوتی ہے
چھٹ گیا آہ سے شاید کہ اثر کا پہلو

لا دوا زخم سمجھ پہلو تہی کرتا ہے
دیکھتا ہے مرا جراح جگر کا پہلو

کیا شعاع حسن اس خورشید رو کے تن پہ ہے پرتو سا نور کا جو سایہ پیراہن پہ ہے کو داغ دل روشن رہے ہے رات دن مثل چراغ یہ روشنی کی احتیاج اب کیا ہے روشن (?) پہ ہے

[illegible]

دل کو وہی بیکلی ہے تجھ بن
قبلہ ہو نہ کیجیے منہ ادھر کو
دشمن پہ کرے نہ کوئی یہ ظلم
شرم آتی ہے کیا بیان کیجے
افسوس کہ خاک بھی ہماری
اب رو نہ زیادہ اے ترقی
اے ترقی بات جی کی جی ہیں رکھ
ساکنانِ کعبہ نے کی بت پرستی اختیار
جرم کچھ ٹھہرا لے قاتل پھر مجھے تو قتل کر
دیکھیے اب کس مسلماں کو کریگا قتل تو
آتش دل اشک سے سینہ میں بھڑکی اور بھی
دست گلچیں عندلیبو کیجیے کیونکر قلم
ہے ترقی میرے اس سینہ میں آتش نہاں

مر کر بھی چھٹے نہ تیرے غم سے
دل ٹوٹ گیا ہو جس صنم سے
مارا مجھے تو نے جس ستم سے
جو تو نے کیا سلوک ہم سے
محروم رہی ترے قدم سے
طوفاں اٹھے نہ چشم نم سے
منہ سے نکلی اور پرائی ہو چکی
وہ صنم نام خدا کیا ان دنوں جوبن پہ ہے
بیگناہی میری ثابت دوست اور دشمن پہ ہے
آج غصہ بے طرح کافر تری چتون پہ ہے
ابتو آب چشم کو میری شرف روغن پہ ہے
آفت تو جسکے ہاتھوں سدا گلشن پہ ہے
طعنہ زن جسکا شرر ہر شعلہ گلخن پہ ہے

ہم قتل کی لذت کا کس منہ سے ادا شکر ہو حشر تک احسان قاتل کا مری گردن پہ ہے ہو جا تماشہ تو قابل نظر [illegible] چشم [illegible] شعلہ [illegible] گلخن پہ ہے

تو نے عاشق کی کبھی کچھ بھی خبر پائی ہے
جان دیتا ہے وہ اور خلق تماشائی ہے

اسنے تو وہ کہ یہ دکھایا ہے کہ جی جانے ہے
پر مزا اسنے یہ پایا ہے کہ جی جانے ہے

لیجائے ہے وہ روز نیا صید مار کے
لائق نہیں ہیں آہ مگر ہم شکار کے

اک عمر بعد آئی ہے اب زیر خاک نیند
تربت پہ میری رو نہ یارو پکار کے

ویرانہ اب کے دیکھئے ہوتا ہے کون کون
آتے ہیں زور شور سے پھر دن بہار کے

دیکھا جو چشم مست کو اُسکی چمن کے بیچ
نرگس کی آنکھ جھک گئی مارے خمار کے

روزن نہ کیجو بہر خدا در کا اپنے بند
دیوار سے میں پھوڑونگا سر اپنا مار کے

باشندے ہم سے شہر کے کس طرح سے ملیں
اُجڑے ہوئے ہیں ہائے ہم اپنے دیار کے

اے گل سُنا نہ تو نے مرا حال اور میں
سُنتا ہوں تیرے واسطے طعنے ہزار کے

قطعہ

مدت کے بعد ہمکو جو لایا فلک وہاں
طفلی سے رہنے والے تھے ہم جس دیار کے

دیکھا عجب ہے رنگ کہ بس ہوش اُڑ گئے
کیونکر بھلا نہ روئیے پھر ڈاڑھیں مار کے

جو گل زمیں تھی آہ وہ رشک خرابہ ہے
ہیں جاے لالہ زار پڑے ڈھیر خاک کے

کیجے جدھر نگاہ وہ ہُو کا مقام ہے
خالی مکاں پڑے ہیں ہر اک دوستدار کے

وہ یار جن سے رہتی تھیں دن رات صحبتیں
ملتے نہیں نشاں کہیں اُنکے مزار کے

منع فغاں نکر تو ترقیؔ کو ناصحا
واقف نہیں ہے غم سے تو اُس سوگوار کے

ترکی

ترکی۔ ترک علی شاہ۔ اصل وطن لاہور ہے مگر اب عرصہ سے بہ سلسلہ روزگار حیدرآباد دکن میں مقیم ہیں دربار دکن کے فارسی شعرا کے زمرہ میں ملازم ہیں۔ اور کہتے بھی نہایت صاف اور عمدہ ہیں۔ اب ۵۰ برس کے قریب عمر ہے۔ کلام میں جتنی شوخی و طراری ہے اُسی قدر جدت بھی موجود ہے۔ مزاج میں ظرافت ہے۔ مہاراجہ مدار المہام کے خاص مصاحبوں میں ہیں۔ چند سال سے کبھی کبھی اُردو بھی کہہ لیتے ہیں۔ چنانچہ اشعار ذیل آپ ہی کے طبعزاد ہیں۔

وہ بوئے مُشک ہے اے شوخ تیرے بالوں میں
کہ دھوم جسکی ہے تاتار کے غزالوں میں

مرا کمال تو دیکھو کہ ہو کے لاہوری
غزل میں بیٹھ کے پڑھتا ہوں دہلی والوں میں

یہ کی تلاش کہ گم ہوگیا میں خود لیکن
نہ مسجدوں میں ملا اور نہ وہ شوالوں میں

تسخیر

تسخیر۔ مرزا محمد سلیماں قدر بہادر تسخیر نبیرہ مرزا آسماں قدر ممدو گورگانی مقیم لکھنؤ شاگرد

بہرادی تجوید غدر کے بعد والد بزرگوار کے ہمراہ بنارس چلے گئے۔ وہاں مرزا صابر کی تحریک سے شاعری کی ابتدا ہوئی۔ ان کی وفات کے بعد ۱۳۰۵ھ میں پھر لکھنؤ میں رہائش اختیار کی اور مشاعرے کی بنا ڈالی۔ ان کے بیٹے مرزا حیدر رقد رماہ نے اس کا دیوان چھپوا دیا ہے جس کا انتخاب درج ذیل ہے۔

کرونگا حشر میں نالش تیونکی پیش خدا	اُسی کچہری میں اب ہوگا فیصلہ دل کا
بڑا دھوکا دیا او تیغ قاتل	سے گلے مل کر مرا کاٹا گلو آج بز
ہمیں دکھا دے اسیر ہیں کچھ چمن کی بہار	قفس میں پھول کی رکھدے پیالیاں صیاد
بیگانہ وار سب سے ہے تسخیر اسی لئے	با خلق آشنا نشود آشنائے دل
کچھ تن بدن کا ہوش نہیں ہے تمہیں ذرا	تسخیر بیخودی سے ہے یہ کس کے خیال میں
شکوۂ جور جو کرتا ہوں تو وہ کہتے ہیں	میں نے کچھ مانگا تھا کیوں تم نے دیا دل مجھکو
مژدہ اے موت کہ خوں ہوتے ہیں ترا جہاں بت	لیچلا ہے اُسی کوچے میں مرا دل مجھکو
آپ کو قدر نہیں دل کی ہمارے تو نہو	اسکو وہ لے گا جو رکھتا ہے خریدار نگاہ
ڈر نہیں یار کو گر پاک نظر سے دیکھا	نہ گنہ گار ہیں کچھ ہم نہ گنہگار نگاہ
بتوں میں ہے نہاں قدرت خدا کی	طلسم حسن ہے یہ برج خاکی
کنج قفس میں منت و زاری ہزار کی	صیاد نے پر ایک نہ مانی ہزار کی
اثر نالۂ جانکاہ جو دلپسند ہو جائے	بیقراری میں وہ بت میرے برابر ہو جائے
زہر کھاتے ہیں جو عشق لب جاں بخش میں ہم	کیا مزہ ہے اثر آب بقا ہوتا ہے
بولے دیکھا جو مجمع عشاق	میری صورت کوئی تماشا ہے

رباعی

فرزند و عزیز میں نہ الفت پائی	احباب و رفیق میں نہ شفقت پائی
تسخیر کے مرقد پہ یہ کندہ کرنا	جو کچھ پائی وہ زر سے راحت پائی

تسخیر

تسخیر۔ جناب داروغہ سید واجد علی صاحب تسخیر رئیس شہر لکھنؤ ارشد تلامذہ حضرت امیر مدظلہ۔ آپ حضرت واجد علی شاہ کی بیگم سلطان محل کے داروغہ تھے اور محلات شاہی میں اور بھی خدمتیں ان سے متعلق تھیں۔ ایام غدر میں جب مرزا برجیس قدر کا دور دورہ ہوا تب آپ حضرت محل کے صلاحکاروں میں رہے مگر جب آپ کو یہ معلوم ہوا کہ اس بد نظمی کا انجام اچھا نہیں تو از راہ دور اندیشی آپ سرکار انگلشیہ کے ہوا خواہ ہوگئے اور خدمات شایستہ اُس سرکار کی ادا کیں۔ چنانچہ بجلدوئے خیرخواہی بعد فرو ہنگامہ چند مواضع بطور انعام پائے اور زمرۂ تعلقہ داران میں محسوب کئے گئے۔ تمام عمر باعزاز و آبرو بسر کی۔ آپ کے بڑے صاحبزادے آنجہانی تعلقہ دار ہوئے۔ چھوٹے ایڈیشنل فرسٹ حیدرآباد میں وکالت کرتے ہیں شعر و سخن کا بھی ذوق تھا اور مذاق سلیم سے کافی بہرہ حاصل تھا۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل اشعار کے ملاحظہ سے ظاہر ہوگا۔

نہ آیا فاتحہ پڑھنے وہ مہر و مہرباں ہو کر
زمین قبر کیوں پھٹتی نہ مجھکو آسماں ہو کر

نکل سکتا ہے وحشی کس طرح زلفوں کے پھندوں سے
پڑا ہے پاؤں میں انکا تصور بیڑیاں ہو کر

لحد میں یاد جب آئی کشاکش زلف پیچاں کی
کفن کے بند جتنے تھے وہ لپٹے رسیاں ہو کر

نہ کھینچ اب تیغ ابرو دل نشانہ ہو چکا ظالم
در آئی ہر مژہ کی نوک سینہ میں سناں ہو کر

تلاش ناقۂ لیلیٰ میں دی مجنوں نے جاں اپنی
اسی کی خاک پھرتی ہے غبار کارواں ہو کر

ازل سے دل مرا مشتاق ہے ابرو کی پیکاں کا
نہ نا راستے اک تیر نگہ ابرو کماں ہو کر

جفا تیری وفا میری الم نشرح ہے اب گھر گھر
یہی قصہ بیاں ہوتا ہے ہر جا داستاں ہو کر

تمھیں پر ہمنے گل کھائے تمھیں نے قتل کر ڈالا
اجاڑا تم نے خود گلزار اپنا باغباں ہو کر

نہ حرف تلخ لب پر لائیے شیریں زباں ہو کر
سخن میں رنگ و بو کھلائیے غنچہ دہاں ہو کر

اِسے ذرات پامالی اُسے چکر میں جا لی
نہ یاں راحت زمیں ہو کر نہ آرام آسماں ہو کر

عدم کے جانیوالے منزل آخر پہ جا پہنچے
میں تنہا رہ گیا پیچھے غبار کارواں ہو کر

نزاکت کس قدر ہے پھول سے گجرے پہنتے ہیں
جھکے جاتے ہیں وہ تو ہاتھ گل کی ڈالیاں ہو کر

دلا گر چاہتا ہے دلربا تنہا ملے تجھ کو
چھپا دیں راستے سیدھا تو جا واں لامکاں ہو کر

تلوّن ہے طبیعت میں تمھاری کسقدر توبہ
نہیں پھر ہو گئی تو وصل کے وعدہ پہ ہاں کہہ کر

محبت کی راہ تو تسکین پھرتے ہو کہاں در در
لگا دو بستر اپنا اُس کے در پہ پاسباں ہو کر

تسکین

تسکین ـ پنڈت گنگا داس ـ زیادہ حال ان کا معلوم نہیں ـ مسٹر فیلن نے اپنے تذکرے میں ان کا حال اس طرح لکھا ہے " ایک جوان تھا نیک عقیدہ کشادہ رو مہذب و خوش خو ـ گاہے گاہے رخشِ ہمت کو میدان ریختہ گوئی میں پوئیوں دوڑاتا تھا " یہ ان کا کلام ہے ـ

ناصح یہ نصیحت اب تم کرتے ہو کیا بیٹھے
جو ہو وے سو ہو ہم تو دل اُس سے لگا بیٹھے

عقل و خرد و طاقت اور صبر و شکیبائی
جب سامنے وہ آیا ہم سب یہ لٹا بیٹھے

کیا غم ہے ہمیں تسکیں آفات زمانہ سے
اب ہم شہِ مرداں کے داماں تلے آ بیٹھے

تسکین

تسکین ـ میر سعادت علی دہلوی خلف میر علی عابد برادرزادہ و شاگرد ملک الشعرا میر قمر الدین منت ـ عنفوانِ شباب میں دہلی چھوڑ کر لکھنؤ جا رہے تھے باوضع اور خوش فکر شخص تھے سنہ ۱۲۴۸ھ میں ۵۰ برس کا سن تھا یہ آپ کا کلام ہے ـ

سودا میں میرے بھر ہی سے ازل سے ہوائے عشق
مجھ سا جہاں میں کوئی ہے کم مبتلائے عشق

یک لخت عقل و صبر سے بیگانہ ہو گئے
یہ جانتے تو ہوتے نہ ہم آشنائے عشق

نالاں ہے ابتدا ہی میں بلبل کو کیا خبر
پروانہ جانتا ہے جو ہے انتہائے عشق

شیریں سا گلعذار تو کوئی ہو وے آج بھی
بہتیرے کوہکن سے ہیں زور آزمائے عشق

تسکیں جو قیس عشق میں مجنوں ہو گیا
عیب اسکا کچھ نہیں کہ یہ ہے مقتضائے عشق

سکتا نہیں ہے جنس دو عالم پسند دل
خواہاں متاع درد کا ہے دردمند دل

بس ہم پھر نہ لینگے کبھی دوستی کا نام
جانا نہیں ہوا جو آپکے اٹھا کر گزند دل

آشفتگی کا اپنی سبب تجھ سے کیا کہوں
بکتا ہے ایک نگاہ پہ لیجے مفت ہے
ہر دم کرے ستم یہ دل کارستاں بغل میں
بسکہ ہم دل میں تپ عشق تپاں رکھتے ہیں
نوبت ضعف یہ پہونچی کہ ہم اب اے ہمدم
خشک لب دیدہ تر حال پریشاں رخ زرد
ساغر مے سے ہمیں پیر سمجھکر ساقی
اللہ رے نزاکت اُس نازنیں صنم کی
آوے جو بعد ہر دن خط کا جواب اُن سے
کوچے کا گلرخوں کے عالم اگر کہوں میں
کون کہتا ہے یہاں آپ گذارا نہ کریں
غم پریشانیِ عاشق کا کرے اون کی بلا
ہووے کیا آپ کے تصویر صنم ہم آغوش
دلِ بیتاب کو میرے نہ کبھی ہو تسکین
کیا خاک ہو شناسائی بھلا ہم میں یار میں
حالِ دل گفتہ تو ہے وہ صنم رکتا ہے
کس کا کوچہ ہے یہ یارب نہیں معلوم ہمیں

مدت ہوئی کہ زلف میں تیری ہے مبتدل
تسکین کا گر آپ کو آیا پسند دل
سچ ہے وہ مثل مطابق دشمن کہاں بغل میں
آتش اک سینہ میں جوں سنگ نہاں رکھتے ہیں
طاقتِ ضبط نہ یارائے فغاں رکھتے ہیں
عاشقی سے کبھی عشاق نشاں رکھتے ہیں
ہاتھ مت کھینچ کہ ہم طبع جواں رکھتے ہیں
پڑتے ہیں اک نگاہ سے سو آبلے بدن میں
جانے جواب رکھیو نامہ مرے کفن میں
تسکیں سے لگے نہ دم بھر بلبل کا جی چمن میں
مدعا یہ ہے کہ آتے ہی سدھارا نہ کریں
ہو یہ کیونکر کہ وہ زلف اپنی سنوارا نہ کریں
کوہکن تونے کہا ہم تو گوارا نہ کریں
مر کے تسکیں جو مجھے آپ پکارا نہ کریں
خط بھی لکھا جو ہمکو تو خط غبار میں
اور چپ رہیے تو مشکل ہے کہ دم رکتا ہے
خود بخود یاں کے پہنچتے ہی قدم رکتا ہے

تسکین ۔ میاں تسکین نام، نواب آصف الدولہ کی سرکار میں خواجہ سرا تھے ۔ ذہن رسا اور طبع نکتہ سنج پائی تھی ۔ الفاظ رنگین اور خیالات تازہ کی تلاش میں سرگرم رہتے ہیں ۔ زبان اگرچہ پرانی ہے تاہم کلام پر لطف اور شیریں ہے ۔ ایک پرانے تذکرے میں کچھ ان کے اشعار نظر سے گذرے انکا انتخاب درج ذیل ہے ۔ تسکین

انداز فغاں کا مری بلبل سے نے اوڑا یا
بس شور نکر اس قدر اب اے دلِ ناداں
سمجھا نہ گیا ہے کچھ اُسکا غضب و لطف
کیا گذری جو اس طرح سے ہے سوچ میں آج
تھی اتنی دل آویز کب آشفتگی اُسمیں
دیکھی جو سحر اشک فشانی مری تسکیں
کیا خاک ہو صفائی بھلا ہم میں یار میں[۵۱]
یوں مجھ میں اُسمیں بگڑی سدا اور سدا بنی

نقشہ کو نزاکت کے تری گل نے اُڑا یا
اک خلق کا تو مغز تری غل نے اُڑا یا
اک عمر ہمیں اُسکے تغافل نے اُڑا یا
ہوش اپنا تو قاصد کے تامل نے اُڑا یا
یہ طور انھی زلف کا سنبل نے اُڑا یا
شبنم کے تئیں چٹکیوں میں گل نے اُڑا یا
خط بھی لکھا جو اُسنے تو خطِ غبار میں
کچھ اب کے ایسی بگڑی کہ بس جی پہ آ بنی

تسکین

تسکین دہلوی۔ شاعر نکتہ سنج و متین میر حسین صاحب تسکین شاہجہان آبادی خلف میر حسن عرف میرن صاحب۔ انکا نسبی سلسلہ فرخ سیر بادشاہ کے وزیر حسین علی کے قاتل میر حیدر سے ملتا ہے۔ ان کی ولادت ۱۲۱۸ھ میں دہلی میں ہوئی۔ فارسی کی تکمیل مولوی امام بخش صہبائی سے کی۔ طبیعت نہایت ذہین اور موزوں واقع ہوئی تھی۔ شعر گوئی اور سخن سنجی کا مذاق نہایت صحیح و شستہ تھا۔ عنفوان شباب میں جو کچھ کہا اُسمیں شاہ نصیر مرحوم سے مشورہ کیا۔ اُن کی وفات کے بعد حکیم مومن خانصاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر حلقہ تلامذہ میں داخل ہوئے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں حکیم صاحب کی توجہ سے اس فن میں درجۂ کمال حاصل کر لیا۔ مولوی محمد حسین آزاد لکھتے ہیں کہ شاہ نصیر مرحوم کا دیوان انھوں نے مرتب کیا تھا مگر اُسی زمانے کے ایک قلمی نسخہ سے یہ معلوم ہوا کہ منشی مہاراج سنگھ (جو شاہ نصیر مرحوم کے تلامذہ میں سے تھے) اس خدمت کو انجام دیا تھا۔ تلاش معاش کی فکر میں حضرت تسکین لکھنؤ بھی گئے مگر ناکام واپس آئے۔ کئی برس میرٹھ میں قیام کے بعد رامپور پہونچے اور وہاں کسی معقول خدمت پر مقرر ہو گئے۔ بہرحال تسکین اپنے وقت

[۵۱] شیفتہ نے اسی شعر کو سعادت علی تسکین کے نام سے لکھا ہے ۔

شورِ یہ برپا کیا اُس کے خرامِ ناز نے
گیا مجنوں نکل صحرا کو یہ دیوانگی دیکھو

غیروں کو اشارا ہے مرے قتل پہ ناحق
تمکو بھی تو غیروں سے یہ اخلاص نہیں ہے

چُپ لگی مجکو تو چرچا بھی پھر وہاں ہو گا

دیکھیو خانہ خرابی غیر وہاں قابض ہوا
ہمکو اپنی خبر نہیں ہمدم

اُس کو میں مجکو جانے سے کرتا ہے منع ہائے
اُس گلی میں اژدحام اغیار کا یاد آگیا

دیکھنا شوخی یہ کہتے ہیں مرے دشمن سے وہ
گر مرے چھٹے دل کی طپش سے تو عزیز و

اے چشمِ سرمگیں تری گردش نے کیا کیا
رو رہے ہیں مجکو ڈبو کر چشمِ تر کو کیا کہوں

ایسی ہے غیر کی خاطر کہ مرے حال کو سُن

زلفِ پُرپیچ کو کھولا ہے یہ کس نے یا رب
کبھی کہتا ہوں وصل اشکل ہے

یاں انتظار میں ہے کٹی مجکو ساری رات
دیکھوں تو لے ہے جان ملک الموت کس طرح

تسکیں نے لے کے نام ترا وقتِ مرگ آہ
عیار ہی دیکھنا جو گلے ملنے کو کہو

اشک سرخ آنکھوں میں آ کے روتے رو دیکھنا

داورِ محشر کا سارا کھیل ابتر ہو گیا
خدائی کوچۂ لیلیٰ کو اُس نے تنگ ٹھہرایا

یہ جنبشِ ابرو ہے تو سر کاٹے کو ہو گا
جو ربط کہ اُس دست و گریباں میں دیکھا

راز اپنا نہ خموشی سے بھی پنہاں ہو گا
جسکے گھر کو ہم یہ سمجھے تھے کہ اپنا ہو چکا

دیکھ تو آکے مر گئے شاید
ناصح کو کوئی جا کے کرے پاسبانِ غیر

دلمیں جوشِ حسرت و یاس و تمنا دیکھ کر
کیا ہنسی آئی مجھے تسکیں کو روتا دیکھکر

تا حشر نہ نکلیں گے کبھی گور سے باہر
راحت پذیر تھے ستمِ آسماں سے ہم

وہ ہی آتا تھا پسند اپنی نظر کو کیا کہوں
دل میں روتے ہیں بظاہر یہ ہنسے دیتے ہیں

کہ مرے پاؤں کی زنجیر کیے دیتے ہیں
کبھی کہتا ہوں کچھ محال نہیں

واں وعدہ کیا کیا تھا انھیں یاد بھی نہیں
تم وقتِ مرگ پاس سے اٹھنا ذرا نہیں

کیا جانے کیا کہا تھا کسی نے سُنا نہیں
کہتا ہے میں تو تسے ہوا کچھ خفا نہیں

لعل کی ابتک سُنی تھی کیسے معدن آب میں

باتوں ہی کے مشفق ہیں مرے حضرت ناصح
چھیڑوں ہزار طرح سے تمکو خفا کروں
یہ تو سچ ہے کہ جو تم چاہو گے کر گزروگے
مجھ بیگنہ کے قتل پہ گر ہے خوشی غیر
آرام سے وہ پہلو میں بیٹھے کوئی گھڑی

دو دن تو رہیں پاس مرے رنج و محن میں
قابو میں مرے دل ہو تو کیا جانئے کیا کروں
پر یہ ممکن نہیں ہمپر کبھی بیداد نہو
ظالم تو میرے واسطے اندوگہیں نہو
تسکیں جو اضطراب سے تجھے اسقدر نہو

سینے رکھا جو پاؤں پر سر کو
بولے وہ ناز سے کہ بس سر کو

وہم آتا ہے مٹا کر خطِ پیشانی ہائے
آتے ہی اُنکے جان گئی واہ رے نصیب
سے تھے جنسے گمان دوستی کے
دل دینے کی قتل ہی سزا ہو
کیا تجھسا دکھا دیا ہے بد خو
وہ اپنے وعدہ پہ محشر میں جلوہ فرما ہیں
شبِ وصال میں سُننا پڑا فسانۂ غیر
ہزار طرح سے کرنی پڑی تسلّی دِل
مزے یہ دیکھے ہیں آغازِ عشق میں تسکیں
مرے قصور سے دیدار میں ہوئی تاخیر
جان ٹھیری نہ اُس ابروے خمدار کے آگے
میں تیرے لئے ناصح مشفق سے لڑوں گا
تیغ نگاہ یار اُپچٹتے لگی تھی پر
اُس چشم پہ مرتا ہوں پہ وسواس ہے کیونکر
ناز و ادا و غمزہ دیئے یوں دل لیا مرا

اسمیں لکھا نہو اُس در کی جبیں سائی کو
نکلے جو آرزو تو دم واپسیں کے ساتھ
دشمن وہ ہو لئے ہمارے جی کے
قائل ہیں تمہاری منصفی کے
کیوں ٹکڑے کئے ہیں آرسی کے
نہیں ہے ضعف سے انبوہ میں گذار مجھے
سمجھے کاش وہ اپنا نہ رازدار مجھے
کسی کے جانے سے گو خود نہیں قرار مجھے
کہ سوجھتا نہیں اپنا مآلِ کار مجھے
ندکھینا تھا تماشائے روزگار مجھے
سچ ہے نہیں تھمتا کوئی تلوار کے آگے
تو کہے بُرا یوں مجھے اغیار کے آگے
برسوں گذر گئے مجھے آزار کھینچتے
میں ذکر کروں مرنیکا بیمار کے آگے
لیجائیں جیسے مست کو ہشیار کھینچتے

یہ کہہ کے شبِ ہجر میں کرتا ہوں تسلّی
جو رنج و مصیبت ہے سو انسان کیلئے ہے

دیکھتے ہی شوق نے ایسا کیا بے اختیار
حالِ دل کہنے لگے ہم یار کی تصویر سے

وہ مسیحا لب اگر آئے تو بھی اُٹھوں ابھی
ہاتھ اُٹھایا چارہ سازو تم نے کیوں تدبیر سے

چین سے بیٹھے رہے محفل میں تسکین رات بھر
اُسنے پہچانا ہمکو رنگ کی تغییر سے

کر سکے دفن نہ اُس کوئے میں جو احباب مجھے
خاک میں دل کی کدورت نے دیا داب مجھے

ہجر میں پاس نہ ہے زہر نہ خنجر افسوس
نہ دیئے موت کے بھی چرخ نے اسباب مجھے

قاصد آیا ہے وہاں سے تو ذرا تھم تو سہی
بات تو کرنے دے اِس دلِ بیتاب مجھے

نام تسکین اور یہ مضمون تپش نا زیبا
تھا تخلص جو سزاوار تو بیتاب مجھے

اب یہ حالت ہے کہ اک نا سبلے درد
میرے بچنے کی دعا مانگے ہے

بنا تسکین نہ وہ بُت دوست اپنا
بگاڑی کس نے سارے جہاں سے

بیتابیوں کی اور ہوس ہو تو آن کے
سیماب ہے کھو دلِ مضطر میں گھر کرے

اے دل یہ تیرا خاک میں ملنا ہے بے اثر
وہ کر جو اسکی طبع مکدر میں گھر کرے

کسکو جی جانے سے ناصح تو ڈرا جاتا ہے
یہی جاتا ہے محبت میں تو کیا جاتا ہے

دل کے لیتے ہی چلی جان یہ جلدی کہ نہ پوچھ
صبر بھی چند قدم پیچھے رہا جاتا ہے

عشق اور حسن میں ہے ربط ستم پیچھے ہے
جوں جوں میں اُسکو چھپاؤں وہ نہاں ہوتا ہے

[illegible]

تسکین

تسکین ۔ مرزا مظفر علی بیگ تسکین دہلوی ۔ ایک تذکرے میں آپ کو مومن خاں کا شاگرد لکھا ہے مگر راقم کے خیال میں ان کے نام میں غلط فہمی ہوئی ہے اور میر حسین مذکورہ سابق در اصل ایک ہی ہیں ۔ بہرحال یہ انکا کلام ہے ؎

سر پہ چڑھ جائے یا کہ رکھے ہمکو مار کے
بندے ہیں بال باندھے ہوئے زلفِ یار کے

افسوس پر نکلتے ہی کنجِ قفس ملا
دیکھے نہ دن خزاں کے نہ ہم نے بہار کے

بیخود شبِ وصال تو گریاں ہو روزِ ہجر
یکساں ہیں دن خزاں کے ہمیں اور بہار کے

اتنا تو اٹھیو مرا بادِ صبا کہ
خاک کے اوڑا ئیو نہ ہمارے غبار کے

بربادیاں نہ اپنی اپس مرگ بھی گئیں
بن بن بگولے پھرتے ہیں میرے غبار کے

تسلی - رائے ٹیکا رام تسلی خلف بخشی گوپال رائے برادر خورد رائے بھولا ناتھ دیوان کچہری بخشی گری نواب شجاع الدولہ صوبہ اودھ پرگنہ کریل ضلع اٹاوہ وطن تھا مگر یہ لکھنؤ میں پیدا ہوئے اور وہیں تربیت پائی۔ ریختہ میں مصحفی اور فارسی میں مرزا فاخر مکین کے شاگرد تھے امیرانہ بسر کرتے تھے ۱۸۴۸ء میں حیات تھے۔ نہایت مہذب خلیق قدردان اہل ہنر و کمال اور شعر و سخن کے دلدادہ تھے کتاب سے عشق تھا چنانچہ ہزار ہا روپیہ کے صرف سے نادر الوجود دیوانوں کے نسخے کتب خانے میں جمع کئے تھے۔

دیکھے سماں جو اس مژۂ اشکبار کا
ہو جائے شق جگر رگِ ابر بہار کا

آنکھیں سحر تلک مری در سے لگی رہیں
کیا پوچھتے ہو حال شبِ انتظار کا

جسکے قدم تلے دلِ خوباں ملے گئے
مذکور کیا ہے اپنے دلِ خاکسار کا

فہمیدہ والے کرتے ہیں دولت پہ کب گھمنڈ
کیا اعتماد زندگیِ مستعار کا

بھاگتا ہے مرے تصور سے
کس قدر بدگمان ہے کافر

دن پھرے پھر مگر تسلی کے
اندنوں مہربان ہے کافر

کیا مونھ جو کوئی آوے ترے تیر کے مونھ پر
یہ ہم ہیں کہ مونھ رکھدیا شمشیر کے مونھ پر

جیسی تری تصویر لکھی کلکِ قضا نے
وہ حسن نہ دیکھا کسی تصویر کے مونھ پر

گر دل میں ہے خفا تو پھر اس بات کو ناداں
کہہ بیٹھو ست عاشقِ دلگیر کے مونھ پر

جانے دے تسلی تو فکرِ سخن کا
پھبتا ہے سخن مصحفی و میر کے مونھ پہ

کب میں نے کہا پیارے تم مجھ سے جدا بیٹھو
پہلو سے مرے تکیہ پہلو کو لگا بیٹھو تو

اٹھتے ہی کہا تم نے بس گھر کو میں جاؤنگا
آخر کو تو جاؤ گے یکدم تو بھلا بیٹھو تو

کیا جانے تمھیں کس نے یہ بات سکھائی ہے
جب پاس مرے آؤ تب مُنہ کو بنا بیٹھو تو

مانگا جو تسلّی نے اک بوسہ تو وہ پیار سے	موںھ پھیر کے ظالم نے یوں ہنس کے کہا بیٹھو
جو چاہے ہے سلطنت اُسے ظلِّ ہما سے لے	مجھکو یہی ہوس ہے کہ وہ مجھ سے آ ملے
دیتے نہیں تسلّی کو ہوا اور کچھ تو تم	بوسہ ہر ایک شعر کا اُسکے صلہ سے لے
اب بھی اِس نیمجان میں کچھ ہے	فائدہ امتحان میں کچھ ہے
کیوں ستاتا ہے دیکھ تو پیارے	اِس دلِ ناتوان میں کچھ ہے

تسلّی

تسلّی - منشی میر شجاعت علی دہلوی شاگرد عزیز شاہ نصیر مرحوم مُناجاتیں خوب کہتے تھے جن میں سے بعض ابتک مجالس صوفیہ میں پڑھی جاتی اور سامعین کے دلوں کو گرماتی ہیں - ایک پرانی بیاض میں چند غزلیں نظر سے گذریں اُنکا انتخاب پیش کیا جاتا ہے - مضامین عاشقانہ اور معاملہ بندی کیطرف زیادہ توجہ مبذول رہتی تھی - طرز شعر خوانی ایسا مرغوب و پسندیدہ تھا کہ اُسکے انداز سے ظاہر ہوتا تھا کہ خود اپنا افسانہ بیان ہو رہا ہے - شاہ نصیر کے تلامذہ میں اپنے وقت کے جرأت سمجھے جاتے تھے آخر میں تعلقات دنیوی سے کنارہ کشی اختیار کرکے درگاہ قدم شریف میں سکونت اختیار کرلی تھی - اور وہیں غدر سے چند سال پیشتر انتقال کیا - کلام ملاحظہ ہو -

مجھ سے بدنام عبث لوگ اُسے کرتے ہیں		ہم نشیں وہ تو مرے پاس نہ آیا نہ گیا
سینے ہاتھ اُسکے جو ابرو کو لگایا تو کہا		ہے سزا تیری کہ کاٹوں ترے شمشیر سے ہاتھ
اِس طرح میلے کچیلے تو یہ آفت ہو تم		گر تکلف کرو کچھ پھر تو غضب لاؤ اجی
کیسی ٹھوکر جڑی ہے حضرتِ دل		پاؤں پڑ اُسکے سر و ہر و تو سہی
مار ڈالا ہمیں کہتے ہی تمنے		کہ سحر ہوگئی اُٹھو تو سہی
جب کہا مینے تپ سے مرتا ہوں	قطعہ	تم گلے سے مرے لگو تو سہی
بولے وہ کیا مزے میں آئے ہیں		خیر ہے کچھ پرے ہٹو تو سہی
غیر کے کل وہ لگ کے چھاتی سے	قطعہ	مجھ سے کہنے لگے سنو تو سہی

اسلیے اُسکے ہم گلے سے لگے ... کہ ذرا جی میں تم جلو تو سہی

میاں جو کچھ تری سج دھج میں مرزائی نکلتی ہے ... کہاں مرزا مزاجوں میں وہ رعنائی نکلتی ہے
صبا ذکر جب کچھ لیتی ہے تیری زلفوں کا ... چمن سے بوئے سنبل ہو کے رُسوائی نکلتی ہے
خدا سے ڈر برابر کر نہ اوروں سے تسلی کو ... کہ تیرے عاشقوں میں اُنکی یکتائی نکلتی ہے

تسلی

تسلی ۔ ابوالخیر قطب الدین علی تسلی تلمیذ جناب علوی ۔ حیدرآباد دکن محلہ شیدی عنبر میں اقامت گزیں ہیں ۔ ۲۴ ۔ ۲۳ برس کے نوجوان روزگار پیشہ ہیں ۔ طبیعت ذہین اور مذاق ستھرا ہے یہ اُنکا کلام ہے ۔

اچھی لڑائیاں ہیں یہ اچھا ملاپ ہے ... ٹھہرا ہے عین صلح لڑانا نگاہ کا
بخت سیہ پہ لپٹے ہیں کیسے نہ جان و دل ... پورا جواب ہے تری زلفِ سیاہ کا
عاشق کو کس سہارے سے اُمیدِ زیست ہو ... ملنا بھی اُس نے چھوڑ دیا گاہ گاہ کا
کس طرح دل چرانے کا پھر گماں نہ ہو ... چوری کا ہے ثبوت چُرانا نگاہ کا
خدا سمجھے خدا سمجھے بتوں سے ... میرا دل اور میرا ہی عدو ہو
بیوفائی تیری کیا خاک ہمیں یاد رہے ... یاد آتا ہے جو تو خود کو مٹا دیتے ہیں
مسیحا ہو مری جاں یہ مسیحائی کی باتیں ہیں ... نہ پوچھا بھول کر بھی حالتِ بیمار کیسی ہے
الٰہی دونوں آنکھوں سے نظر تو ایک آتا ہے ... لڑائی پھر میانِ کافر و دیندار کیسی ہے
وہ غمخواری کے پردے میں ستانا چاہتے ہیں مجھکو ... پھر رسمِ پرسشِ حالِ دلِ بیمار کیسی ہے

تسلیم

تسلیم ۔ منشی محمد کبیر خاں خلف امیر الدین نبیرۂ بدو خاں سرغنۂ افاغنۂ رامپور جوان وجیہ بردبار ۔ متحمل مزاج اور خوش خلق تھے ۔ نظم و نثر انشا پردازی میں طاق ۔ شعر فہمی اور سخن سنجی میں اپنے معصروں میں ممتاز تھے ۔ علوم و فنون سے بقدر ضرورت ماہر تھے فکر رسا و فہم ذکا کی امداد سے کبھی کبھی شعر گوئی کی طرف بھی متوجہ ہو جاتے تھے ۔ سو برس سے اوپر ہو لئے جب قدرت اللہ شوق نے اپنا تذکرہ مرتب کیا تو آپ کا عالم

شباب تھا۔ کلام اُس تذکرہ سے منتخب کر کے درج کیا جاتا ہے۔ انتخاب سے ارباب فہم پر ظاہر ہو جائے گا کہ شعر بھی بُرا نہیں کہتے تھے۔ ملاحظہ ہو۔

اگر مدعا ہے مرا خوں بہانا
تو پھر کس لئے ڈھونڈتے ہو بہانا

ہوا سب کا تسلیم دشمن نہ تو بھی
کبھو دوست جانے نجانا نجانا

وائے اے بختِ سیہ پھر یہ ستم کیا ہو گیا
وہ جو سوتا تھا بغل میں رات میری سو گیا

مصروف ہے از بس کہ تری وصفِ دہاں کا
ہے فکر عدم کام دلِ ہیچمدان کا

وہاں آنے ادا کی یہاں ہم ہو گئے تمام
سچ ہے کہ مرد مرتے ہیں تسلیم آن پر

رکھے ہے بسکہ وہ دلدار مجھ سے دل میں غبار
بجا ہے نامہ گر اسکو لکھوں بخطِ غبار

مہرِ سکوت لب پر مثلِ نگیں ہے میرے
اب قدر دانِ سخن کے تسلیم کم رہے ہیں

ہمیں کیا واعظا اندیشے سے محشر کے ڈراتا ہے
گلی میں اُسکی ہو رہتے ہیں ایسے شور و شر لاکھوں

غیروں کے گھر جا جا تم باتیں بناتے ہو
پھر یہاں بھی جو آتے ہو کچھ اور بن آتے ہو

منظور اُٹھانا ہے میرا ہی مگر صاحب
غیروں کو جو تم ہر دم پاس اپنے بلاتے ہو

قطعہ

انصاف بھلا کیجے کس طرح سے بنتی ہے
اس طور سے ہر اک پر غصہ میں جو آتے ہو

گر بات کہی سیدھی تو ہوتے ہو ٹیڑھے تم
اور کاشکے ٹیڑھا ہو تو سیدھی سُناتے ہو

بھلا یہ کس نبی کا معجزہ تھا منصفو دیکھو
کہ دروازہ پہ جسکے ہوں کھڑے پیغمبر لاکھوں

ہم نشیں مت تنگ کر مجھکو عبث
بات ہے کچھ اُس دہاں کی گو مگو

اب تو اپنی جان سے تسلیم ہم
دل اُٹھا بیٹھے ہیں ہونا ہو سو ہو

آب و توان و صبرِ دلِ زار چل بسے
تھے اس جہاں میں اپنے جو غمخوار چل بسے

لختِ جگر جو پلکوں پہ رہتے تھے ہر گھڑی
ان پلٹنوں کے ہائے وہ سالار چل بسے

وہ جو قصہ نہیں سُنا کرتے تھے ہم طوفانِ نوح
سو وہ اک پل میں دکھایا دیدۂ غمناک نے

پھر تو اُس آشنا کش کی ولا باتوں پہ جاتا ہے
مجھے اِس سادگی پر تیری ناداں رحم آتا ہے

اسی منہ سے مسیحا اُسکا روکش ہوگا منہ دیکھو
وہ اک ٹھوکر سے سو مردوں کو دم میں جلاتا ہے

آفت جاں کچھ نہ اک ابرو کی وہ شمشیر ہے
کج نگاہی بھی تو جیسے بازگشتی تیر ہے

ہاتھ سے ان سیم بدنوں کے دلا سیماب وار
کشتہ ہو جانا ہی حق میں تیرے اب اکسیر ہے

کھڑا ہو بات تو سن لی مری ٹک اے میاں بانکے
پڑا لیجئے کہاں تک پاؤں کہ ابھی تیر و کماں رکھ کے

کیا ہے دیکھنے کو دل نے اس محبوب کے روزن
ندیکھو زخم کو سینہ کے اے جراح تو ٹانکے

حال اپنا کیا کہوں ہمدم کہ اُسکے ہجر میں
خون دل پیتے رہے اور درد و غم کھاتے رہے

ملگیا تھا رات تو خلوت میں وہ تنہا پر آہ
کچھ تو شرمایا وہ اور کچھ ہم بھی شرماتے رہے

کچھ تو اُس شوخ نے دلمیں لیا ہی جان مجھے
اسقدر جان سے ہوتا ہے جو انجان مجھے

اگر وہ وحشی رم خوردہ میرا رام ہو جاوے
تو پھر کیا اس دل بیتاب کو آرام ہو جاوے

جو وقت نزع ہی وہ تسلیم وہ خود کام آجاوے
تو اس ناکام کا پھر اک نگہ میں کام ہو جاوے

تسلیم

تسلیم۔ حاتم خاں قوم سے افغان اور رامپور رہیل کھنڈ کے روسا میں سے تھے علی بخش خاں کی شاگردی کا دم بھرتے تھے اور خوش کلام سخن ور تھے قبل از غدر حیات تھے۔ یہ چند شعر ان کے ہیں۔

شباب گیسوئے مشکیں کے عشق میں گذرا
پھرا کیا میں خطا میں تمام شب بھٹکا

کچھ اِسکے حق میں بھلے ہونگے وہ لب میگوں
یہ بات کیا ہے کہ تسلیم بے سبب بہکا

پہلے اسے غنچۂ گل منہ تو ذرا بنوا لے
کھینچیو پھر دہن یار سے نسبت پیدا

کہربا کا ہے کو اس طرح سے تنکے چنتا
تیرے دیوانے کی کرتا جو نہ رنگت پیدا

تسلیم

تسلیم۔ مولانا ابوالبیان محمد سلیم الدین احمد نارنولی مصنف حدیقۃ المذہب جو مطبع یوسفی الور میں ۱۳۰۵ھ ہجری میں چھپی ہے۔ بہت طباع اور ذہین شخص تھے۔ استعداد علمی عالمانہ تھی۔ مسدس حالی کے جواب میں ایک مسدس بھی لکھا ہے۔ ریاست ہائے الور اور بھرتپور میں تمام عمر عہدہ ہائے جلیلہ پر ممتاز رہے۔ ورنیا حیات ہے۔ سب سے فاضل عصر
۱۳۱۰ ۱۸۸۴ع

یہ دونوں تاریخیں آپکی وفات کی ہیں۔ ۹۰ برس کی عمر میں بمقام نارنول انتقال کیا۔

مرا ایمان اے کافر تری نازک ادائی پر		کہ تقویٰ کھو دیا تسلیم سے مردِ مسلماں کا
دیکھا ہو جسنے وصل وہی جانے ہجر کو		اپنی تو ساری عمر کٹی انتظار میں
انھیں سرگراں مجکو شاکی رکھا		بُرا ہو تمنائے دشوار کا
اجابت کو پہنچیں یہ دونوں دعائیں	از	ہوئیں گرچہ اور ہو رہی ہیں خطائیں
بلائیں یہ امت پہ آئیں نہ آئیں	مسدس	نہ بدلیں نہ بدلیں گی شرعی بنائیں
	قیامت کے ڈھب میں غضب کے فسوں ہیں مگر اہلِ امت وہی جوں کے توں ہیں	
اگر ایسا ہوتا ازل میں مقدر		کہ ڈوبے گی امت گناہوں میں اکثر
تو ہرگز دعا یوں نہ کرتے پیمبر		ہر اک بات کا اک محل ہے مقرر
	اسی کے لئے عافیت کی دعا ہے جسے کوئی بیماریٔ جانگزا ہے	
سو یہ حالت اب اہلِ اسلام کی ہے		مسلمانی ان میں فقط نام کی ہے
نہ رغبت شریعت کے احکام کی ہے		نہ کچھ فکر آغاز و انجام کی ہے
	نہ شرمِ نبی ہے نہ خوفِ خدا ہے غمِ نفس ہے اتباعِ ہوا ہے	

تسلیم

تسلیم۔ سخنور ذکی فہیم منشی انوار حسین تسلیمؔ سہسوانی خلف منشی اتشام الدین مدت مدید تک منشی نول کشور کے مطبع سے متوسل رہے۔ شیخ علی بخش بیمار کے شاگرد رشید تھے۔ آپ فن سخن میں مشاہیر سے تھے۔ تاریخ گوئی میں ایسا ملکہ رکھتے تھے کہ اُن کی مثال کم نظر آتی ہے۔ چنانچہ انواع و اقسام کی صنائع و بدائع سے آپکی تاریخیں مملو ہوتی تھیں۔ ان کے شاگردوں میں راجہ کشن کمار وقار رئیس سہسپور بلاری بڑے خوش کلام ہیں۔

حضرت تسلیم کی عزیز زندگی کا بڑا حصہ انھیں کی سرکار میں گذرا۔ انکی تصنیف سے ذیل تاریخ مثنوی سعدین بلحنفص تسلیم۔ چھپکر شایع ہو چکی ہیں اور راقم کے کتب خانہ میں موجود ہیں مگر ابھی دیوان شایع نہیں ہوا ہے۔ شعر اچھا کہتے تھے۔ عاشقانہ اور تشبیہ دو نو طرزیں ملی جلی ہیں سادگی اور صفائی بھی موجود ہے۔ ان کے پختہ مشق اور مشاق سخنور ہونے میں کسکو کلام ہو سکتا ہے۔ فارسی بھی کہتے تھے۔ تاج المدایح فن صنائع و بدایع میں فارسی زبان میں مدح نواب کلب علیخاں بہادر والئے رامپور میں اور مثنوی تاج الکلام مدح نواب شاہجہاں بیگم والیہ بھوپال میں لکھی ہیں۔ ۹۰ سال ہوئے عالم ضعیفی میں انتقال کیا۔ ۲۱۔ رجب ۱۲۳۴ھ ہجری کو پیدا ہوئے اور ۱۲ شوال ۱۳۲۹ھ ہجری روز دوشنبہ کو وفات پائی خورشید علی انکا تاریخی نام ہے۔ افسوس باوجود انتہا درجہ کی کوشش کے صرف اسی قدر کلام ملا ملاحظہ ہو۔

ہے مومیا شکستہ دلوں کو شکستِ زلف
مشکل کشائے جوشِ جنوں بند و بستِ زلف

ایک ایک حلقہ بنتا ہے حلقہ کمند کا
ہے فتح کا نشان سراسر شکستِ زلف

تسلیم سے کئے یار سے اندھیر ہے یہ کیا
عشقت سپرد کیسرہ مارا بدستِ زلف

نکتہ داں ہوں کیوں کہوں اسکا دہاں ملتا نہیں
نقطۂ نونِ دہن سے کیا نشاں ملتا نہیں

آفتاب اوجِ شہرت میں نہیں سکتا ہے حسن
جب تک اسکو کوئی رسوائے جہاں ملتا نہیں

گھل گیا اپنا بدن غم میں ترے اے شعلہ رو
مثل شمع سوختہ اک استخواں ملتا نہیں

پھیر دی جھاڑو یہ کیسی ہائے میرے باغ میں
آنکھ پر رکھنے کو تنکا اے خزاں ملتا نہیں

میرا فریادی سوال اور اُنکا شاکی ہے جواب
بے دہن دلبر سا مجھ سا بے زباں ملتا نہیں

رنگ جمنے کا نہیں تسلیم اس گلزار میں
ہمصفیروں سے میرا طرزِ بیاں ملتا نہیں

مانند ابر اشک سے دامن بھگوئیں کیوں
اک بوند آبرو ہے اسے ہم ڈبوئیں کیوں

یہ عشق نے کمر کے کیا ناتواں مجھے
ہے رشتۂ حیات بھی بارِ گراں مجھے

بوسے کا نام سنکے چباتا ہے اپنے ہونٹ
میرا یہ منہ کہ وصل کی دے وہ زباں مجھے

دیکھا جو اُس نے تختۂ نرگس میں آئینہ
لاکر آنکھوں نہیں دکھائی دیں دو پتلیاں مجھے

یہ پھبتی غیر سے نہ کرو اٹھو چلو بیٹھو
اپنی سلامتی ہے تو سو دوستاں سے مجھے

داغِ فراقِ یار کے سر پر سے قدم
مدت کے بعد ایک ملا میہماں مجھے

میرے وضو کو لاؤ شرابِ دو آتشہ
کرنی ہے آج بیعتِ پیرِ مغاں مجھے

سچ ہے مثل بھلائیگا بدلہ برائی سے
میں دوں دعائیں دیتے ہو تم گالیاں مجھے

کرتے ہیں یاد وہ کہ اجل نے کیا ہے یاد
آتی ہے آج ہچکیوں پر ہچکیاں مجھے

ہر معرکہ میں کھلتے ہیں جوہر کمال کے
مانندِ تیغ تیز ملی ہے زباں مجھے

حال یہ اُن کی انجمن میں ہے
ہر سخن معترض سخن میں ہے

درد نئی تازہ اور یہ وہ مری فریاد کی ہے
باغباں لوٹتا ہے حالت بری صیاد کی ہے

شانِ محبوبی کی دشمن سے رکھائی آپکی
دیکھو دیکھو چھوٹی ہوتی ہے بڑائی آپکی

باج سے لے تارِ نظر سے اور رگِ جاں سے خراج
آپ کی پتلی کمر نازک کلائی آپ کی

ننگے ہو جاتے ہو بزمِ غیر میں پی کر شراب
خوب کھل کھیلی ہے اب تو پارسائی آپ کی

یاد رکھو میں بھی اپنے نام کا تسلیم ہوں
گڑگڑا کر ہو گی منت کش رکھائی آپکی

تسلیم

تسلیم۔ لالہ دیبی پرشاد تسلیم فرخ آبادی ابن لالہ مادھو رام جوہر شاگرد سید اسمعیل حسین منیر شکوہ آبادی۔ قوم کے ویش اور بڑے نامی گرامی ساہوکار تھے۔ غدر کے بعد تک حیات تھے۔ یہ کلام کا خلاصہ ہے۔

بیمارِ محبت کو شفا ہو نہیں سکتی
اچھا یہ مرض ہے کہ دوا ہو نہیں سکتی

فریاد سے کیا فائدہ ہنگامِ مصیبت
کچھ آہ ضعیفی میں عصا ہو نہیں سکتی

تیرِ نگہ یار سے کیوں دل کو بچائے
تسلیم سے ہرگز یہ خطا ہو نہیں سکتی

تسلیم

تسلیم۔ سخنور ہمپایہ قدسی و کلیم۔ منشی امیر اللہ صاحب تسلیم خلف مولوی عبد الصمد مرحوم

اصل وطن فیض آباد ہے۔ پہلے مدتوں لکھنؤ رہے اب عرصہ دراز سے متوسل سرکار رام پور ہیں مرزا اصغر علی خاں مرحوم نسیم دہلوی کے شاگرد رشید بلکہ فدائی ہیں۔ مدت ہوئی کہ آپ کا پہلا دیوان موسوم بہ نظم ارجمند چھپا تھا اس کے بعد دو دیوان اور مرتب کئے ہیں۔ مثنوی نالۂ تسلیم و دل و جان و صبح خنداں ان کی تصانیف سے مشتہر ہو چکی ہیں اس وقت نوے برس کے قریب عمر ہے۔ متاخرین شعرا میں آپ ہی جیسے دو ایک دم باقی رہ گئے ہیں سن ولادت کے بارہ میں آپ ارقام فرماتے ہیں کہ جس سال غازی الدین حیدر مسند نشین ہوئے ہیں پیدا ہوا اس حساب سے سنہ ۱۸۲۰ء سال ولادت سمجھنا چاہئے۔ نواب کلب علیخاں بہادر کی زندگی تک بہ آسایش بسر کی اس وقت تمام مشاہیر شعرائے ہند کا مجمع رام پور میں تھا اور باہم ایک دوسرے کو خوش نوایانِ سخن کے ساتھ زمزمہ سنجی کا لطف آتا تھا۔ آپ کے مسلم الثبوت اُستاد اور موجودہ شعرا میں نہایت بلند پایہ اور عالی رتبہ ہونے میں کس کو کلام ہو سکتا ہے۔

راقم تذکرہ پر کمال عنایت فرماتے ہیں۔ اپنا دوسرا دیوان بھی عنایت کیا تھا۔ آپ کے شاگرد رامپور اور لکھنؤ میں بکثرت موجود ہیں جنمیں فی زماننا فضل الحسن حسرت موہانی و عرش مشہور ہیں۔ کلام کے متعلق خود دیوان کے دیباچہ میں تحریر فرماتے ہیں "ہنوز نظر ثانی کی نوبت نہ آئی تھی اطمینانِ خاطر نے صورت نہ دکھائی تھی۔ دیوان مجزا تھا مجلد نہوا تھا کہ احباب دیکھنے کے واسطے لے جانے لگے۔ ہر نظم کا اُٹھانے لگے جب مجکو واپس دیئے گئے تو میں نے صندوق میں رکھدیا۔ پھر مدت تک نہ دیکھا جب صاحبانِ طبع نے واسطے طبع کے طلب فرمایا تب خیال آیا کہ ایک نظر دیکھ کر اطمینانِ دل حاصل کروں نقصانات کو نکالکر کامل کروں۔ دیکھا تو جابجا سے ابتر پایا اکثر کمتر پایا نہ معلوم یاروں کی بے پروائی سے تلف ہوا یا اپنا دیوان ناقص کامل کرنے کی غرض سے کلام چُرا لینا۔

ناچار پھر باقی ماندہ کو ردیف وار لکھا از سرِ نو رطب و یابس پھر ایک جگہ جمع کیا" اس

دوسرے دیوان کا نام آپنے نظم دل افروز رکھا ہے۔ کلام میں فصاحت بلاغت۔ متانت شوخی۔ کمال کے درجے تک پہنچی ہوئی ہے۔ قوت متخیلہ و قوت ممیزہ دونو اعلیٰ درجہ کی زبردست عطا ہوئی ہیں۔ سروقت طلب مضمون کو اس سادگی اور صفائی سے قلم بند فرماتے ہیں کہ اس کی تعریف نہیں ہو سکتی۔

نہایت منکسر المزاج اور باوضع بزرگ ہیں۔ خوش نویسی میں بھی ید طولیٰ حاصل ہے ابتدائے زمانہ میں یہی شغل رہتا تھا۔ اب بھی کبھی کبھی اسکی مشق جاری رہتی ہے۔ واقعی اس وقت آپکا دم مغتنمات روزگار ہے۔ اللہ تعالیٰ آپکے انفاس میں برکت دے۔ آپکا اصل وطن گو قصبۂ بدیع الشرا عرف بدوسرائے مضافات دریاآباد میں ہے اور عمر شریف کا بہت سا حصہ بھی لکھنؤ ہی میں بسر ہوا ہے مگر آپ کو اپنے استاد والا نژاد حضرت نسیم دہلوی سے اسقدر عقیدت و ارادت ہے کہ ہمیشہ سے آپکی وضع بھی قدیم دہلی کے درباری لوگوں کی سی رہی اور دلی کی تعریف بھی آپ ہمیشہ فرماتے رہتے ہیں چنانچہ آپکا قول ہے کہ "میں ہوں تسلیم شاگرد نسیم دہلوی + مجکو طرز شاعران لکھنؤ سے کیا غرض" + آپکے کلام کا رنگ بھی وہی ہے اور اکثر اوقات آپنے بالخصوص دلی کے رنگ میں غزلیں کہی ہیں استاد کو بھی آپکی شاگردی پر فخر تھا اور واجبی فخر تھا آپکے کلیات میں حضرت نسیم کی ایک تاریخ ہے جس سے استاد کا وہ اعلیٰ خیال صاف مترشح ہوتا ہے جو اپنے شاگرد کے متعلق انکے دلمیں تھا تاریخ از نسیم دہلوی

چون نظم نمود این فسانہ	تازہ گلبن زباغ تعلیم		گفتم نسیم سال تصنیف	قربان بجمال فکر تسلیم

کعبہ سے بتکدہ کو گیا بھی تو کیا ہوا	میں دیکھتا وہاں بھی تری شان ہی رہا
شان خدا جو دیکھ لی حسن بتاں میں شیخ	اتنی سی بات میں ہی گنہ گار کیا ہوا
دم دیا ہے حرم و دیر میں کس کافر نے	کلمہ پڑھتے ہیں یہ سب گبر و مسلماں کس کا
جلوہ گر ہے کون کسکا کرتی ہے حسرت طواف	کعبۂ دل پر مرے عالم ہے بیت اللہ کا
شبنم گری تو سمجھے دیا آسماں نے غسل	خاک اڑ کے آ پڑی تو ہمارا کفن ہوا
پھول سے رخ کا نظارا ہمیں کرنے نہ دیا	دامن دل گل امید سے بھرنے نہ دیا

ہٹ اُسکی رہ گئی یہ بڑی بات ہے مجھے
دل چیز کیا تھا ہاتھ سے اپنے گیا گیا

اب ہاتھ کیوں اُٹھاتے ہو تم سوئے آسماں
بالیں پہ موت آگئی وقتِ دعا گیا

مایوس دادخواہِ ستم کیوں ہیں حشر میں
اللہ بھی بتوں کا طرفدار ہو گیا

کل کہہ گئے ہیں آج وہ آئینگے لیکن کیا کہوں
وہی دن ہیں دلکو میں دل مجھکو دوبھر ہوگیا

کیونکر کہوں وہ فتنۂ محشر نہیں ملتا
ملتا ہے مگر دل سے ستمگر نہیں ملتا

گیسو کی محبت میں سنبھلا ہی نہیں جاتا
اس پیچ سے کیا نکلوں نکلا ہی نہیں جاتا

دریائے محبت میں ڈوبا ہوں کچھ ایسا میں
ہر چند ابھرتا ہوں ابھرا ہی نہیں جاتا

دل ہوا زخمی جگر محروم پیکاں رہ گیا
ایک کا ارمان نکلا اک کا ارماں رہ گیا

پارسائی کیسی اے زاہد بتوں کے عشق میں
میں اسی کا شکر کرتا ہوں کہ ایماں رہ گیا

محتسب لذتِ مے سے نہیں واقف ورنہ
سر بازار لئے شیشہ و ساغر پھرتا

گلفشانی گر یہی ہے شمع تربت کی مری
دیکھ لینا قبر پر پھولوں کا بستر ہو گیا

ہائے کیونکر نہ کروں میں گلہ محرومی کا
لاکھ ارمان تھے اور ایک بھی پورا نہوا

عمر بھر رشکِ عدو ساتھ تھا کہتا کیا حال
وہ ملا بھی کبھی تنہا تو میں تنہا نہوا

پردۂ محمل تو اُٹھے دید لیلیٰ کے لئے
ذرہ ذرہ چشمِ قیسِ ناتواں ہو جائیگا

شکر کر سر حلقۂ رنداں بادہ نوش ہے
اور کیا اے شیخ تو پیرِ مغاں ہو جائیگا

روز جانے سے یار بدظن تھا
شوقِ دل دوستی کا دشمن تھا

شکر کرکے رہ گئے زخمِ جگر
کہہ گئی قاتل زبانِ تیر کیا

قطرۂ خوں بھی نہیں دل میں مرے
ہائے تر ہو گی زبانِ تیر کیا

کچھ کہہ دو جھوٹ سچ کہ توقع بندھی رہے
توڑو نہ آسرا دلِ امیدوار کا

قرباں ہوگا اور کی بانکی ادا پہ کیا
دل ہی نہیں رہا وہ ترے جاں نثار کا

تسلیم کس کے واسطے بیٹھے ہو گھر چلو
کیا اعتبار وعدۂ بے اعتبار کا

ایسے خوش خوش چلے آتے ہیں حرم سے تسلیم
خاک ہونے سے خاک ہاتھ آیا
ہمنے کعبہ میں بھی نہ سجدہ کیا
ق برسوں لبیک خواں رہا تسلیمؔ
پر خدا جانے بت پرستی میں
عیش و غم داد ہی غربت میں خدایا کیسا
مرنے سے کیا ہمارے تمکو ملال ہوگا
میں کیا کہوں بتو تمکو پیاسے ہیں کیوں لہو کے
دل مرا تھا گر گیا گم ہو گیا جاتا رہا
ڈھونڈھتا ہے روز و شب لیکر چراغ مہر و ماہ
وعدہ جو کیا شام کو وقت سحر آئے
کیا خاک رکھا تھا دل پر شور نے باقی
اللہ رے ہمدردی یاران خرابات
جیتا ہوں نہیں جینے کی جبتک ہے مجھے امید
آرام نہیں گردش پیمانے سے کسیکو
اے واعظ مسجد رہ بتخانہ بتا دے
وہ دلمیں جگہ صورت آئینہ ہمیشہ
تسلیم بیاباں سے سوئے خانہ پھروں کیا
خوب ہوتی ہے بسر بتخانہ میں لیل و نہار
مرقد میں سفیدی جو کفن کی نظر آئی
ہر آنکھ رہا ذرہ ہے چشم قیس لیلی

جیسے بت خانہ گئے نور خدا کا دیکھا
جب میں تیرا ہی نقش پا نہ ہوا
جس جگہ تیرا نقش پا نہ ہوا
حج کعبہ کبھی قضا نہ ہوا
کیا مزا تھا کہ پارسا نہ ہوا
دھوپ کیسی سر پر شور پہ سایہ کیسا
وہ ہم نہیں پیارے جس کا ملال ہوگا
مذہب میں کافروں کے یہ بھی حلال ہوگا
غم تمھیں کا ہے کا ہے جاتا رہا جاتا رہا
کیا ترا اے آسمان پر جیتا جاتا رہا
اس ماہ میں خورشید کا عالم نظر آیا
جو اور جلانے مجھے داغ جگر آیا
خالی جو ہوا شیشہ دل جام بھر آیا
مرجاؤں گا بالیں پہ مسیحا اگر آیا
عالم مجھے فانوس خیالی نظر آیا
مستی میں نہیں ہوش کدھر تھا کدھر آیا
حیرت کدہ دہر میں جو کچھ نظر آیا
آیا دل عاشق کیطرح میں جب بھر آیا
رات بھر کرتے ہیں توبہ پیتے ہیں دن بھر شراب
سمجھا میں نہیں مرگ مرے ساتھ آئی دیکھو
اٹھانا پردہ محمل سمجھ کر

سزاوار ادب ہے کوئے قاتل	اوڑانا خاک او بسمل سمجھ کر
وقت پیری لے اُڑی آخر ہوائے میکشی	شیخ بتخانہ میں جا بیٹھا مصلے چھوڑ کر
غنچہ بھی خاموش گل خنداں عنادل نعرہ زن	اُڑ گئی باد صبا اچھا شگوفہ چھوڑ کر
بُوند بھر پانی کی بھی اُمید اپنے سے نہیں	دیکھ دریا چلدیا ساحل کو پیاسا چھوڑ کر
یہ قسمت اپنی اپنی تن پڑا ہے بے کفن ابتک	ہنگہ دی آسماں نے خون کو قاتل کے دامن پر
میں عاشق ہوں یہ تو نکالا ہوا لب شیخ کعبے سے	کہ بیعت کر چکا ہوں دیر میں دست برہمن پر
کون آیا تھا نہانے کو کہ جسکے ہجر میں	موج دریا سر ٹپکتی ہے لب ساحل کے پاس
جلاتی ہے خموشی صورت شمع	کبھی دل کی نہیں آتی زباں تک
کیا خبر مجکو خزاں کیا چیز ہے کیسی بہار	آنکھیں کھولیں ہیں اگر خانۂ صیاد میں
اور ہیں جنکو ہے شاگردی پہ آتش کی ناز	ہیں تسلیم دہلوی کے کفش بردار میں ہوں
تھک گئے ہم حسرت شوق شہادت کم نہیں	مجھ سے وہم لیا وہ اگر تیغ ستم میں دم نہیں
وائے غفلت اب بھی بیدار نشہ بادہ نکو ہے	وہم وعدہ ہائے کرم سے ہیں اور مجھ میں دم نہیں
بیخودی کا ہو برا کیسے پشیماں آج ہیں	آپ آئے آپ میں بدقسمتی سے ہم نہیں
سرسبز باغ دہر میں اہل قلم نہیں	دیکھی ہری بھری کبھی شاخ قلم نہیں
کیونکر کہوں کہ لطف بھی انکا ستم نہیں	کب آئے دیکھنے کو کہ جب مجھ میں دم نہیں
اُسکی سحر اسکی زمانے میں شام ہے	فرقت کی شب بھی روز قیامت سے کم نہیں
کھنچتے ہیں آنکھ ملتے ہی دلہائے خلق کیوں	جادو اگر نہیں ہے تمہاری نگاہ میں کیا
واعظ خدا شناس نہ ہوگا تمام عمر	ابتک پڑا ہوا ہے حرام و حلال میں
وہ برق میں شوخی وہ لگاوٹ تھی ہوا میں	دی رخصت نے خود مجھے تو بے رنگ تھا میں
چپ تھا ستم چرخ سے منہ اُف سے نکرنا	یہ بات مرے دل میں ہے یا رگ جاں میں
پھیروں ہی سے ہر دم تو لڑایا کرو آنکھیں	حضرت سے مرا بھی نگہ ہوش ربا میں

اللہ سے کہتا کہ حسینوں کو وفا دے
گھنگھر کر شکر کہ میخانہ میں اے پیرِ مغاں

کون آنکھوں میں سمایا ہے کہ ہم کو ہر دم
صفتِ مردمکِ چشم ہیں گوشہ نشیں

افسوس پڑ گئے ہیں کفِ پا میں آبلے
بھلائی کی آنکھوں سے جیب دیکھے

قیامت کی ہے بیتابی سرشکِ چشمِ گریاں میں
دمِ طفلی سے میں ہوں آشنائے مرگِ دورانیں

بنی ہے یہ مرے دم پر کہیں پھیلے پھر آخر
نظر کرلے ستمگر ربط باہم اسکو کہتے ہیں

بھڑک اٹھی لگی دل کی ہجومِ اشکِ گریہ سے
شہیدانِ محبت کا نرالا سب سے کعبہ ہے

ہوا میں زندۂ جاوید ہو کر قتل اے قاتل
جھکا و شرم سے عالم دکھا کر قدِ موزوں کا

چلو گھر خاک بھی ڈالو حنا کا خون ہوتا ہے
حسینوں سے بگڑنا اور دلکو داغ دیتا ہے

شہیدِ تیرِ قاتل ہوں مجھے کیوں غسل دیتے ہیں
بہت دیکھا سنا ہے ایک ہو تم دونوں عالم میں

نکل جاؤنگا مثلِ نالۂ زنجیرِ زنداں سے
تہِ مدفن کھلی آنکھیں تو اس دنیا کو یہ سمجھے

ڈراتا کیوں ہے اے تسلیم واعظ مجکو دوزخ سے
تسلیم جو پاتا میں اثر اپنی دعا میں

ایک عالم کو ترا دستِ نگر دیکھتے ہیں
وہی صورت نظر آتی ہے جدھر دیکھتے ہیں

گھر میں بیٹھے ہوئے عالم کو مگر دیکھتے ہیں
آیا ہے بے وفا کبھی مجھ تک جو خواب میں

سوا اپنے کوئی برا ہی نہیں
کبھی پہلوئے فرگانمیں کبھی آغوشِ داماں میں

فلک نے مجکو پالا دامنِ شمشیرِ عریاں میں
اجل کو ڈھونڈنے نکلا شبِ تاریکِ ہجرانمیں

کہ پیکاں دلمیں ہے دل نازبردارِ پیکانمیں
تماشا ہے مرا گھر جل رہا ہے مینِ بارانمیں

جھکائے سر ہیں محرابِ خمِ شمشیرِ عریانمیں
بجھی تھی کیا تری شمشیر موجِ آبِ حیوانمیں

اٹھایا ہے بہت سروِ سہی نے سر گلستانمیں
کفِ افسوس ملتے ہو کھڑے گنجِ شہیداں میں

بہت روئی زلیخا بھیجکر یوسف کو زنداں میں
کہ میری جان نکلی ہے نہا کر آبِ پیکانمیں

نہ پریاں قاف میں ایسی نہ حوریں باغِ رضوانمیں
مرے بدلے مرا ہوگا تصور چشمِ دربانمیں

نظر آتی تھیں کچھ شکلیں ہمیں خوابِ پریشانمیں
مرا حصہ نہیں ہے کیا خدا کے فضل و احسانمیں

لے چلے ہیں دشت سے کیوں اقربا سوئے وطن
ابتو مجکو وادیِ غربت بھی گھر سے کم نہیں

خاک عزت نہیں نوکر ہیں کریں کیا تسلیم
آٹھویں ساتویں دربار چلے جاتے ہیں

ہجومِ مستی ہی بیخودی ہے خمارِ جوشِ شباب میں ہوں
یہ دیکھنے کو کھلی ہیں آنکھیں وگرنہ بیہوش خواب میں ہوں
تماشئے بحرِ جہاں کے دیکھوں فنا سے اتنی کہاں ہے فرصت
ہوا کی مانند کوئی دم گو اسیرِ قیدِ حباب میں ہوں

اتنی مدت گذری غربت میں کہ دل تک بجھ گیا
ابتو یارانِ وطن کی یاد بھی آتی نہیں

بادہ کش میں نہ کہونگا کبھی واعظ کو غلط
مے کا شیشہ وہ دھرا ہے سرِ منبر دیکھو

گردشِ بخت بہت دیکھ چکے اے تسلیم
چلکے میخانہ میں اب گردشِ ساغر دیکھو

وہ پھول سکے لئے بھی ترسنا پڑے ہمیں
شمعِ سرِ مزار اگر گلفشاں نہ ہو

کرتے ہیں سجدے اس لئے دیر و حرم میں ہم
کیا جانئے وہ شوخ کہاں ہو کہاں نہ ہو

بلا سے وہ نہیں آتے ہیں یاد انکی تو آتی ہے
غنیمت جانتا ہوں میں شبِ تاریکِ ہجراں کو

نکالی سینے یوں تسلیم حسرت وصلِ قاتل کی
لگایا ہے گلے سے تیغ کو سینے سے پیکاں کو

امانت جانکر اے داورِ محشر کلیجے سے
لگا رکھا ہے مینے آج تک قاتل کے پیکانکو

ملیں صبحِ وطن کی آرزوئیں خاک میں آکر
مبارکباد دے اے بیکسی شامِ غریباں کو

کعبے کا ارادہ کئے نکلے تو ہیں گھر سے
آجائے وہ بت سامنے اسدم تو مزا ہو

طفلی سے جو بت شوخ ہو آفت کا بنا ہو
وہ فتنہ جوانی میں قیامت نہو کیا ہو

اب تمھیں کام مرے حالِ زبوں سے کیا ہے
جسطرح ہوتی ہے اوقات بسر ہونے دو

مرے ہر اشک سے عالم میں اک طوفان برپا ہے
طلسم تازہ ہے آغوش میں قطرہ کے دریا ہے

نہ پوچھو ماجرا داغِ جگر کا ہمنشیں مجھسے
چراغِ طور ہے بے روغن و آتش کے جلتا ہے

نہ پوچھو کس پہ مرتا ہوں یہ منہ پھیرے جو بیٹھے ہیں
انھیں پر جان جاتی ہے انہیں پر دم نکلتا ہے

وہ مجنوں ہوں کہ لطفِ وصل حاصل ہے جدائی میں
شان اللہ کی تسلیم بھی بت خانے سے
جی گیا ہجر میں اے مرگ ترے آنے سے
نہ آئے تم ٹھہری اُمید مجھ سے
میں شرم خاک کروں خرقۂ ریائی کی
ہزار بار ریائی ہے اور نہیں ہے شیخ
بخت برگشتہ ہے اچھی بھی بُری ہو جائیگی
دیر کیا آنے میں ہے اے شورِ محشر آ کہیں
دل ہے داغستاں ہزاروں داغ زیرِ آئے چارہ گر
کیا جمالِ یار دیکھیں گے کہ موسیٰ کی طرح
کہیں کیا دین و ایماں کیا ہے تسلیم سیہ رو کا
اے جاں شبِ فراق کے صدمے نہ پوچھئے
دل چُرا کر لے چلے ہو دیکھو یہ اچھا نہیں
اب آؤ یا نہ آؤ موت سے فقرہ نہیں چلتا
لبوں تک آ کے پھر جاتی ہے جانِ منتظر میری
بُرا ہو سوزشِ دل کا کہ تنگ آیا جو سینے میں
یہ تڑپتے ترے ناوک کا جب آتا ہے او قاتل
بدل جاتی ہے دو ساغر میں کیفیت طبیعت کی
یارب نہ پڑے دل بُتِ بدکیش سے پالے
آرام ہے معشوق کے ہاتوں سے اذیت
سچا ہے اگر دعویِ دل اے بُتِ کافر

ہر اک تارِ نفس سے آتی بوئے زلفِ لیلےٰ ہے
آج کعبے کو چلے شیخ کے بہکانے سے
زندگانی نظر آئی ہے مجھے مر جانے سے
سحر تک سلتے وستے کے لڑائی ہم
کہ چھینٹ بھی نہیں زاہد میں پارسائی کی
حرم میں مطلب کے لیتا ہے پارسائی کی
دوستی جس سے کرونگا دشمنی ہو جائے گی
وہ گھڑی یارو نکی تجھ سے دل لگی ہو جائیگی
ایک دو مٹنے سے ظالم کیا کمی ہو جائیگی
دشمنِ نظارہ اپنی بیخودی ہو جائے گی
وہ اک مردِ خراباتی ہے رندِ لا ابالی ہے
یہ حال تھا کہ موت بھی بالیں سے ٹل گئی
منہ چھپاؤ لاکھ تم صورت سے پہچانی ہوئی
کہیں اے یار وقت آیا ہوا وعدوں سے ٹلتا ہے
نہ وہ بیرحم آتا ہے نہ میرا دم نکلتا ہے
دھواں بنکر خیالِ کاکلِ پرخم نکلتا ہے
پئے تعظیم درد اُٹھتا ہے تن سے دم نکلتا ہے
فقیر آتا ہے میخانے سے بنکر جم نکلتا ہے
یہ دوست نہ ہو دشمن کافر کے حوالے
گر داغ بھی دیکھا ہے چھاتی سے لگا لے
رکھدیں اسے مسجد میں قسم کھا کے اُٹھالے

عزت یہ ملی برہنہ پائی سے جنوں میں
سر پہ لئے پھرتے ہیں سب مجھے پاؤں کے چھالے

بے گور و کفن لاش غریبوں کی پڑی ہے
اے دامن صحرائے جنوں تو ہی چھپا لے

اُٹھ کر مری بالیں سے وہ جاتے ہیں دم نزع
یا تو نہیں گھڑی بھر کوئی للہ لگا لے

کیا رشک ہے کہتا نہیں اس دم رخصت
اللہ نگہبان ہو خالق کے حوالے

تسلیم کہیں وحشت نوردی کے شرف کیا
ہیں تاج سر خار جنوں پاؤں کے چھالے

انتخاب قصیدہ در مدح نواب حامد علیخان صاحب والی رامپور

فریدوں مرتبہ حامد علیخاں صاحب شوکت
کہ جس کا نقش پا ہے تاج فرق سنجر و قیصر

مجھے حیرت ہے دوں تشبیہ کس سے شان شوکت کی
نہ دارا شہ کا ہمرتبہ نہ ہمپایہ ہے اسکندر

بلندی پر جو آئے خاک اس کے آستاں کی
بنا لے آسمان پیر کحل دیدۂ اختر

نہیں ہیں نام کے بدکار بھی تقدیر سے بے غم
چھپا مستی میں معشوقوں کی ہے دزد حنا جا کر

مقابل اس شجاع دہر سے کیا فوج اعدا ہو
نکلتی ہے اجل بھی سایۂ شمشیر سے بچ کر

برش دکھلائے دشمن کو اگر تیغ دو پیکر کی
نظر آئے نہ سر تن پر نہ سر پر آہنی مغفر

وہم بخشش جو دیکھے زرفشانی دست ہمت کی
خجالت سے مٹا پھر جائے پانی ابر نیساں پر

گرا لے اپنی نظروں سے جو اسکی ہمت والا
بہ رنگ قطرۂ شبنم بنے بے آبرو گوہر

یہاں تک عہد میں اسکے ستمگر مہر پیشہ ہیں
کہ شیر گرسنہ چاٹتا ہے زخم روباہ کا آ کر

چمن میں بھی پڑھا جاتا ہے خطبہ اسکی عظمت کا
خطیب خوش بیاں بلبل ہے شاخ نخل گل منبر

تسلیم

تسلیم۔ جناب منشی رام سہائے صاحب تسلیم سابق ڈپٹی کلکٹر ضلع علی گڑھ ارشد تلامذہ مرزا حاتم علی بیگ مہر مغفور شاگرد رشید شیخ ناسخ مرحوم ان کے دو دیوان مسمی غنچۂ مہر اور نغمۂ آرزو نظر سے گذرے شعر اچھا کہتے تھے۔ زبان میں صفائی۔ بیان میں رنگینی اور طبیعت میں مشاقی پائی جاتی تھی۔ ۵۶ برس کے قریب اب آپ کا سن ہے

انتخاب درج کیا جاتا ہے۔

آپس میں جھگڑتے ہیں عبث شیخ و برہمن
ڈھونڈے انسان تو وہی خانۂ دل میں موجود
وہ عندلیب ہوں گلشن سے جب بہار گئی
جوشِ وحشت میں بہت خاک اڑائی تسلیم
غم میں نہیں کھاتا ہوں تو خوشدل نہیں رہتا
کیوں نہ وحشت ہو مجھے کیونکہ ہرے داغِ جگر
ہر روز تو میں یہ نہیں کہتا کہ آئیے
کسی نے سرو قدوں سے کہیں بھی پھل پایا
طالبِ حق نہیں پابند کبھی مذہب کے
رہیگی حضرتِ واعظ کی آبرو کب تک
ہاتھ رکھکر مرے سینہ پہ وہ فرماتے ہیں
گریۂ عاشقِ ناشاد پہ ہنس دیتے ہو
یکساں ہوا نہیں چمنِ دہر کی کبھی
کیا کریں تم سے شکوۂ بیداد
طورِ موسیٰ کی حقیقت نہیں کس پر روشن
کوچہ تمہارا گنجِ شہیداں سے بڑھ گیا
بیدادگر سے دل طلبِ داد کیا کرے
اس آسماں نے خاک میں ہمکو ملا دیا
کب نظر آئیگا شوخِ ماہ سیما دیکھئے
نہ تو آئی خبر نہ یار آئے

کعبہ نہ کسی کا ہے نہ بتخانہ کسی کا
کعبہ کیسا مرے نزدیک کلیسا کیسا
زمانہ آیا قفس سے مری رہائی کا
بادِ صرصر کے سرِ دوش پہ صحرا دیکھا
سیرِ رخ ہزا عیش کا حاصل نہیں ہوتا
موسمِ گل آگیا سرسبز گلشن ہو گیا
فرصت نہیں ہے انکی بھی گاہ گاہ کیا
لگا کے دل کوئی تم سے نہال کیا ہوگا
شیخ سمجھے جسے تسلیم برہمن نکلا
چھپے رہیں گے بغل میں خم و سبو کب تک
سچ بتا دے ہمیں اب دردِ جگر ہے کہ نہیں
اے بتو کچھ تمہیں اللہ کا ڈر ہے کہ نہیں
کچھ دن بہار کے ہیں تو کچھ دن خزاں کے ہیں
اپنا یہ شیوہ یہ شعار نہیں
جلوۂ یار سے رہتے ہیں بجا ہوش کہیں
بسمل تڑپ رہے ہیں کہیں نیم جاں کہیں
حاکم نہ داد رس ہو تو فریاد کیا کرے
اب اور دیکھئے ستم ایجاد کیا کرے
کب جبر سے طالع کا چمکتا ستارا دیکھئے
کس طرح دل کو پھر قرار آئے

جوشِ گریہ نہیں ممکن دلِ مضطر روکے
برق کیا بارشِ باران کو تڑپ کر روکے

کیوں عبث گریہ و زاری میں ہے مصروف ایدل
کون وہ ہوسکتا ہے بحرِ پُر شور روکے

بحث اے ابر نکر ہے اگر ہم چاہیں
تو بہا دیں ابھی آنکھوں سے سمندر روکے

اٹھتے ہیں غضب شعلے مرے داغِ جگر سے
کیا کیجیے تدبیر لگی آگ جو گھر سے

گورِ تیرہ میں رہا تنہا نہ میں مرنے کے بعد
دفن میرے ساتھ میری دل کی حسرت ہو گئی

ایسے ہم عشق میں ہیں محو خبر بھی نہیں
طیش کہتے ہیں کسے اور مصیبت کیا ہے

یہ وہ دولت ہے گدا کو بھی شہنشاہ کر دے
ہم سے پوچھے کوئی تسلیم قناعت کیا ہے

حالِ دل سن کے برا کہتے ہیں کس ناز سے وہ
اپنی عادت ہے کہ جو ذکر سنا بھول گئے

تسلیم ـ جناب منشی بالگوبند صاحب تسلیم ـ ممبر میونسپل بورڈ و ڈسٹرکٹ بورڈ آگرہ زیادہ حال معلوم نہیں ہوا۔ گاہ گاہ شعر بھی کہہ لیا کرتے تھے چند اشعار پیش کش ناظرین ہیں

خطا میری سراسر ہے نہیں تیری خطا مطلق
نہ دیتا دل اگر تجھ کو تو تو برباد کیا کرتا

محبت میں تری اُس نے نہ کیا کیا سختیاں جھیلیں
نہ دیتا جان اسے شیریں تو پھر فرہاد کیا کرتا

مثالِ نقشِ پا بیچیں تھا فرطِ ناتوانی سے
مرے پاؤں میں بیڑی ڈال کر جلاد کیا کرتا

تسلیم ـ منشی تسلیم حسین کیرت پور کے رہنے والے مرزا داغ دہلوی مرحوم کے شاگرد اور موزوں طبع شاعر ہیں کلام سے ظاہر ہے کہ ابھی شاعری کی ابتدا ہے اگر مشق جاری رہی تو خاصا کہنے لگیں گے کچھ اشعار انتخابا درج ذیل ہیں۔

لاکھ تدبیر کرے کوئی تو کیا ہوتا ہے
غیر ممکن ہے ترا وصل میسر ہونا

گردشِ چرخِ ستمگر کا عبث ہے شکوہ
تیری قسمت میں دلِ زار ہے مضطر ہونا

ہائے کہنا وہ کسی کا دمِ رخصت مجھ سے
کہے دیتا ہوں جدائی میں ہے مضطر ہونا

رنج و غم سہتے ہیں سہنے دے ستم
ہو گیا دل ہمارا تختۂ مشقِ ستم کا تو

رہے آباد میکدہ واعظ کو
ذکر کر تو نہ حوضِ کوثر کا تو تو

دکھاؤں کیا تجھے کیا فائدہ کچھ ہو نہیں سکتا
نہیں ہے چارہ گر زخم جگر تدبیر کے قابل

نہ وہ آنا نہ وہ جانا نہ وہ رسم الفت
نہ تمھاری وہ محبت کی نظر دیکھتے ہیں

نہ وہ شوخی نہ شرارت نہ ادائیں پہلی
کچھ عجیب طور نئی شام و سحر دیکھتے ہیں

تسنیم

تسنیم منشی محی الدین حسین خاں تسنیم۔ نواب سپہ دار جنگ بہادر رئیس مدراس کے خویش نواب کرناٹک سے قرابت دار اور مولانا گوہر خیر آبادی کے شاگرد رشید ہیں۔ ان کے بزرگ مدراس کے قدیم شرفا میں تھے اب یہ عرصے سے دکن میں سکونت پذیر اور وہاں کے کالج میں پروفیسری کے عہدے پر ممتاز ہیں شعر اچھا کہتے ہیں۔ مذاق صحیح اور عمدہ ہے مضمون کی طرف خیال کی رسائی ہے کلام میں بات پیدا ہوتی ہے زبان صاف اور بندش چست ہے سنا ہے کہ جناب فصاحت سے بھی مشورہ لیا ہے سن شریف ۴۵ برس کے قریب ہے سرکار نظام سے کچھ منصب بھی پاتے ہیں مشاق اور زود گو ہیں۔ زندہ دل خوش مزاج ۔خوش خلق آدمی ہیں۔ ترتیب تذکرہ جلد دوم کے زمانہ میں جو کلام انھوں نے ارسال کیا اسکا انتخاب پیش کیا جاتا ہے۔

دیدۂ اشکبار کیا کہنا
ابر ہے شرمسار کیا کہنا

تیر تیز نگاہ اے ظالم
ہو گیا دل کے پار کیا کہنا

گھٹ گھٹ کے اسیران قفس کیوں نہ فنا ہوں
رستہ نہیں رکھتا قفس تنگ ہوا کا

یوں موسم شباب ہمارا گذر گیا
گویا چڑھا ہوا کوئی دریا اتر گیا

ہمسر تھے رخ سے پھول کیا ذبح انکو کیوں
گلشن میں بلبلوں کا بھلا کیا قصور تھا

وہ آئینہ رو چپکے سے کہتا ہے کہ کچھ سر
ایسا مجھے سکتا ہے کہ کچھ کہہ نہیں سکتا

اس آنکھ نے کیا عجب اعجاز بزم میں
ہر ایک جانتا ہے اشارہ ادھر ہوا

تیر نگہ پہ چپکا استاد کا تگن دیں سے ہوا
زخم سوزاں قلب کے ٹھنڈے تو ہو جائیں گے کیا

دو دن میں پہنچ دل سے کسب نعمت کی امید
غم نہ کھائیں گے اگر اب ہم تو پھر کھائیں گے کیا

پہلو میں میرے دل کا ٹھہرنا محال ہے
میدانِ حشر ہوگی کسی کے خون کی پرسش
چاند سی صورت کا دلبر پہلو میں [illegible]
شکایت روح یوں کرتی ہے ہو کر غرق عصیاں
ملا کیا خوب ثمرہ گلشن جنت بنانے کا
چھپائے ہوئے لے مینا نے سے جاتی ہیں وہ شیخ
پکار کر یہ تجلی کسی سے کہتی ہے
میں نے لیلیٰ کو بے وفا جو کہا
زعفراں زار ہے یا آنکھوں میں سرسوں پھولی
بعد مرنے کے بھی جیتا وہ کا یہ خوف رہا
دونوں کو چھپاتا ہوں ترے تیر نظر سے
بہت مواج ہے دریائے الفت
شب وصلت حجاب و شوق کا جھگڑا اٹھا ہوتا
گرچہ روشن ہیں ہزاروں قبر منعم پہ چراغ
شیشہ و ایک بوند لہو کی نہ آبلہ کو
طلب کرتے ہی فوراً دے دیا دل
پھرایا کس نے کس کا نام لوں میں
گناہگار ہوں عاصی ہوں شرمسار ہوں میں
مجھے رسوا کریں گے گرد کیوں غمخوار بیٹھے ہیں
اٹھیں گے تو وسوال بنکر اٹھیں گے خاک سے اپنی
دو نور خسار ماہ پارے ہیں

حالت یہ ہے کہ آج گیا اور کل گیا
ذرا سا ہو گیا چہرہ مرے ستمگر کا
پوچھئے اُن خوش نصیبوں سے مزا برسات کا
مجھے اے قالبِ خاکی نہ یوں برباد کرنا تھا
مجھے دعویٰ خدائی کا نہ اے شداد کرنا تھا
میکشو ہیں یہ بڑے مرشد کامل لینا
جلا کے سرمہ بنائے کوہ طور ہم نے کیا
آپ کیوں ہو گئے خفا صاحب
[illegible] ہے دیوانہ ترا آپ ہی آپ
روح گلزار میں بلبل کی چھپی بو ہو کر
اک ہاتھ مراد لپیٹے اک ہاتھ جگر پہ
الٰہی اس سے ہونٹوں میں پار کیونکر
نکری فیصلہ گر خسر رند درمیاں ہو کر
فائدہ کیا گھر تو ہے تاریک ہیں باہر چراغ
میں کیا بتاؤں تمکو مری جان کیا ہے دل
میرا جو مطلب ہے یہ مرا دل
میرے پہلو میں پاتے آپ یا دل
ترے کرم کا الٰہی امیدوار ہوں میں
ادھر دو چار بیٹھے ہیں ادھر دو چار بیٹھے ہیں
کہ ہم وصلی رہا کے تیرے دربار بیٹھے ہیں
گورے گورے ہیں پیارے پیارے ہیں

جنوں کا ایسا ابکے جوش ہے فصلِ بہار میں
کہ پرزے پرزے خود جیب و گریباں ہوتے جاتے ہیں

ہوائے آہِ بلبل کسقدر ہے تند و تیز اے دل
سب اوراقِ گلِ گلشن پریشاں ہوتے جاتے ہیں

قیامت میں جو لپٹی شوق ہیں دامن سے قاتل کے
اُسے یہ بدگمانی ہے کہ ہم فریاد کرتے ہیں

ہر جگہ عشق دکھاتا ہے نیا رنگ اپنا
سر میں سودا آنکھ میں آنسو ہے تمنا دل میں

نچوڑوں میں تو اِک عالم ہو سیراب
لڑا لے ابرِ تر دامن سے دامن

ترے تیرِ نگہ کو اے ستمگر
کلیجے سے لگایا چاہتا ہوں

بہت پُر درد ہے میری کہانی
تجھے ظالم سنایا چاہتا ہوں

تمنا اپنے ملنے کی تم انکے دل میں رہنے دو
یونہی غیروں کو برسوں سعی لاحاصل میں کرنے دو

نہ یہ کچھ سننے والی ہے نہ یہ کچھ کہنے والی ہے
کروں تصویر سے باتیں تو کوئی بدگماں کیوں ہو

وہ ہنس ہنس کر مجھی سے پوچھتے ہیں
ہمارے چاہنے والے تمہیں ہو

گر کرے حاصل ضیا روئے دلبر آئینہ
حُسن کی اقلیم کو کر لے مسخر آئینہ

ہاتھ سے رکھتا نہیں وہ شوخ دم بھر آئینہ
مجھ میں اس میں بن گیا سدِ سکندر آئینہ

کب چھپائے سے بھلا چھپتی ہے بیتابی عشق کی
دیدۂ تر آئینہ ہے دامنِ تر آئینہ

سحر حیرت چل گیا دونو پہ یکساں حُسن کا
وہ ہیں آئینہ سے ششدر اُن سے ششدر آئینہ

جنابِ شیخ ہیں یا حضرتِ زاہد ہیں کہ رندو
چھپائے منہ چلا آتا ہے کوئی سوئے میخانہ

پرستش گاہ دونوں ہیں نہیں کچھ فرق دونوں میں
جو بتخانہ ہے وہ کعبہ جو کعبہ ہے وہ بتخانہ

دلِ مضطرب جگر کے جگر دل کے سامنے
بسمل تڑپ رہا ہے یہ بسمل کے سامنے

بیٹھایا وہیں دردِ دل سنے ہمیں تو
جو ہم تیرے محفل سے اُٹھکر چلے

میں سخت جاں ہوں وہ سنگ دل ہے کسی طرف کمی نہ ہوگی
چھری سے رگڑے وہ لاکھ دیگا پہ قطع شہرگ مری نہ ہوگی

شبِ وصل اُنکی شرم اور میری حیرت اک تماشہ
ادھر تھا بے خبر میں بھی اُدھر تھے سرنگوں وہ بھی

رلاتا ہے دل گر میری طرح وقت جنوں تو بھی
رلاتا ہے سر کو سنگِ ستم سے غرق خوں وہ بھی

ہجر کی شب خوف ہے ایسا نکلنے کے لئے
جان میرے جسم میں پھرتی ہے گھبرائی ہوئی

تو کہا کرتا تھا اکثر ایک بھی مرتا نہیں ہو
تیرے در پر دیکھ یہ کس کی ہے لاش آئی ہوئی

مئے گلفام میں ہم تو سمجھے کیا زاہد
ہمنے مانا کہ گنہ گار ہیں کس سے کہے اُسکے

وہم یہ ہے کہ نہ ٹھوکر سے کہیں جی اُٹھے
لاش کرتا نہیں پامال ستمگار مری

ہے خوشی کی طرح غم بھی بے ثبات
کر لیے یوں دل شاد کیوں کیسی کہی ہو

عالمِ وحدت میں ہم گمنام تھے
باعثِ شہرت یہ کثرت ہو گئی ہو

خلوتِ یار میں بیگانے کا آنا کیسا
سر دُھنا شمع نے جس وقت ہوا بھی آئی

کیا قتل اور چھپے میرے ہی دل میں
غضب کا ڈر قیامت کے نڈر بھی

ہیں کیسے سمجھتا ہوں تحمل انجمد
کبھی یارب یہ ہوگا بار ور بھی ہو

وہ میری سخت جانی ذبح کے وقت
کسی کا ٹھنک سکے یہ کہنا کہ مر بھی

ساتھ پردے میں وہ رہتے ہیں مگر واہ رے شوق
بند آنکھوں سے کیا اُنکا نظارا میں نے

خون سے میرے سرخ ہے دامن
جلد دُھلوائیے خدا کے لئے

زلف اُلجھی تو آپ بھی اُلجھے ہو
بال سُلجھائیے خدا کے لئے

قتل کرکے مجھے قاتل ہی کے ٹپکے نہیں اشک
چشم جو ہر کے لہو رونے لگا خنجر بھی

عاصیوں کو دیکھ کے کہتے ہیں زاہد حشر میں
جوش پر ہے ابرِ رحمت دیکھئے کیسی بنے

تشفی

تشفی - منشی محمد چاند صاحب حیدرآبادی شاگرد سید منتخب الدین تجلی زمانۂ حال کے نومشق کہنے والوں میں ہیں - یہ کلام کا رنگ ہے -

منتظر ہے دخترِ رز بادہ کش بےچین ہیں
شیخ جی چلئے درِ میخانہ کب سے باز ہے

مجھسے کہتے ہیں اشارہ کرکے دشمن کی طرف
میرا عاشق گر کوئی ہے تو یہی جانباز ہے

کہتے ہیں وہ سچ کہو تمکو مرے سر کی قسم
ہمسے جو پوشیدہ ہوا ایسا بھی کوئی راز ہے

تشنہ

تشنہ - منشی محمد علی نام باشندہ دہلی - پہلے اُستاد ذوق کے شاگرد تھے اِن کی وفات کے بعد حکیم آغا جان عیش سے مشورہ لیتے رہے - بڑے خوش فکر وارفتہ مزاج درویش وضع شخص تھے - کبھی لباس زیبِ بدن کرتے کبھی عریانی کو اپنا لباس سے بے تکلف قرار دیتے انکا ذہن بہت رسا تھا اور حافظہ اِس بلا کا تھا کہ صدہا غزلیں نوکِ زبان تھیں گویا آپ مجسم اپنا دیوان تھے - اپنے سوا اور لوگوں کا کلام بھی بہت یاد تھا شراب بکثرت پیتے تھے اور اکثر اُسکے نشہ میں بدمست و مخمور رہا کرتے تھے ۱۲۸۲ھ سے دو سال تک میرٹھ - سہارنپور پٹیالہ - امرتسر - لاہور - ملتان کی سیر کی - پھر ۱۲۸۴ھ میں دلّی چلے آئے - دیوان ذوق کے بارے میں انکا بیان تھا کہ متفرق مطلعوں میں کئی مطلع شاہ نصیر اور کئی مطلع معروف اور تجنیز وغیرہ کے لکھے گئے ہیں ۱۲۸۶ھ میں وفات پائی - اِن کی تاریخ وفات اِس جملہ سے "وا تشنہ شرابِ ابد کا" نکلتی ہے - بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ پورب میں انتقال کیا - مگر حضرت ظہیر مدظلہ العالی کا بیان ہے کہ الور میں وفات پائی - سنا ہے کہ اِن میں یہ بڑا عیب تھا کہ اپنے ہمعصروں کا کلام بے تکلف اپنے نام سے پڑھ دیتے تھے چنانچہ اپنے اُستاد بھائی حضرت داغ کے کلام پر بہت ہاتھ صاف کیا جیسا کہ اِن کے مندرجہ کلام سے معلوم ہوگا - بہرحال اِن کے مشاق سخن سنج ہونے میں کسی کو کلام نہیں شعر بہت اچھا کہتے تھے - روزمرہ زبان پر اچھا عبور تھا - اِن کی غزلیں اِن کی حیات میں بھی رائج ہوگئی تھیں اور اکثر اربابِ طرب کی زبانوں پر چڑھکر مجالس کی رونق دوبالا کرتی تھیں اِن کے کلام میں اکثر ایسے بلند پایہ اور عدیم النظیر اشعار پائے جاتے ہیں جس سے انکا رتبۂ اُستادی مسلّم ہوتا ہے - آپ حضرت داغ انور ظہیر وغیرہ کے ہم مشق و ہم صحبت تھے انتخاب کلام ملاحظہ ہو -

ٹھنڈا چراغ ہوگیا پیری میں عمر کا	تھا رات بھر دیئے کا اُجالا سحر نہ تھا
جبتک کہ اسکی زلفِ مسلسل کا تھا نہ دور	اندھیر تھا جہاں میں مگر اسقدر نہ تھا

نزع کے وقت جو وہ حور شمائل آیا
ملک الموت کو بھی عشق مرے شامل آیا

کہدو پروانہ سے اب نالۂ بلبل سیکھے
شمع گل ہوگی جو وہ رونق محفل آیا

حوصلہ دیکھا ہمارے زخم دامن دار کا
لال منہ کر کر دیا قاتل تری تلوار کا

وہ تشنہ دہن ہوں کہ دم ذبح بھی میرا
آب دم خنجر سے گلو تر نہیں ہوتا

پھانسی گلے میں دی ہے تو دے تار زلف کی
میرے لئے نکر تو ستمگر رسن خراب

گر تشنہ چھوٹتا نہ ہمارا وطن تو پھر
اس طرح پھرتے کاہیکو ہم بے وطن خراب

کہا ہے میں نے کہ اے جان جہاں ہم تجھ پہ مرتے ہیں
تو فرمایا کہ مجھ پر آپ کچھ احسان کرتے ہیں

کبھی یہ دل تماشا گاہ صد عیش و مسرت تھا
اب اسمیں حسرت و یاس و تمنا سیر کرتے ہیں

الٰہی خیر کچھ بد خبر سننے میں آتی ہے
جو آتا ہے وہ کہتا ہے تمہارا ذکر کرتے ہیں

جہاں میں ایک تو ہم ہیں کہ تنگ آئے ہیں جینے سے
اور ایک خضر و مسیحا ہیں کہ اس جینے پہ مرتے ہیں

الٰہی دیدہ و دل تو نہ ٹھہرے رہگذر ٹھہرے
کبھی حسرت گذرتی ہے کبھی ارماں گذرتے ہیں

طبیعت کی روانی ایک سی رہتی ہے یاں تشنہ
وہ دریا ہیں کہ جو چڑھتے ہیں پھر دم میں اترتے ہیں

کیا کہا پھر بھی کہو دل کی خبر کچھ بھی نہیں
پھر یہ کیا ہے خم گیسو میں اگر کچھ بھی نہیں

جذبۂ دل نے کیا ہائے اثر کچھ بھی نہیں
ہم یہاں مرتے ہیں اور انکو خبر کچھ بھی نہیں

اک جفا تیری نہیں کچھ بھی مگر ہے سب کچھ
اک وفا میری کہ سب کچھ ہے مگر کچھ بھی نہیں

آنکھ پڑتی ہے کہیں پاؤں کہیں پڑتا ہے
سب کی ہے تمکو خبر اپنی خبر کچھ بھی نہیں

شمع بھی گل بھی ہے بلبل بھی ہے پروانہ بھی
رات کی رات یہ سب کچھ ہیں سحر کچھ بھی نہیں

حشر کی دھوم ہے سب کہتے ہیں یوں ہے یوں ہے
فتنہ ہے اک تری ٹھوکر کا مگر کچھ بھی نہیں

شمع مغرور نہو بزم فروزی پہ بہت
رات بھر کی یہ تجلّی ہے سحر کچھ بھی نہیں

نیستی کی ہے مجھے کوچۂ ہستی میں تلاش
سیر کرتا ہوں اُدھر کی کہ جدھر کچھ بھی نہیں

لامکاں میں بھی تو کچھ جلوہ نظر آتا ہے
بیکسی میں تو اُدھر ہوں کہ جدھر کچھ بھی نہیں

ایک آنسو بھی اثر جب نکرے اے تشنہ
فائدہ رونے سے اے دیدۂ تر کچھ بھی نہیں

کان سے پردے لگا دیجے ترے والان میں
گھر میں اپنے رہئے اور سنئے تری آواز کو

نہ دل زلفوں سے چھوٹا اور نہ تم زلفیں بنانے سے
یہ وہ جنجال ہے جس سے نہ تم نکلے نہ ہم نکلے

نہ اُترا مفلسی میں بھی نشہ دولت کا اے تشنہ
گدائی کو بھی ہم نکلے تو لیکر جام جم نکلے

تمھاری ہمکو خبر کیا کہ ایک مدت سے
یہ بے خبر ہیں کہ اپنی خبر نہیں رکھتے

نہوں وہ لب جو کھلیں شکوۂ جفا کے لئے
وہ ٹوٹیں ہاتھ جو اُٹھیں کبھی دعا کے لئے

ہوئی تھی ایسی کہاں کی صفائی اُس بت سے
کہ آسماں نے عوض خاک میں ملا کے لئے

وُہ رہی گوٹ ہے رضائی کی
طرز ٹپکے ہے آشنائی کی

میری گردن بھی ہے اور تیغ بھی جلاد کی ہے
موت کی دیر ہے یا آپکے ارشاد کی ہے

سب میں ایک ایک صفت گلشنِ ایجاد کی ہے
قد بڑا سرو کا چوٹی بڑی شمشاد کی ہے

کون فریاد کرے کون دم الفت کا بھرے
آہ تاثیر سے خالی دلِ ناشاد کی ہے

آبرو رکھ لے خدا وقتِ شہادت اپنی
نیتِ قتل بری طرح سے جلاد کی ہے

وبدِ گل ہوگی اسیری میں نصیبِ بلبل
منتظر فصلِ بہار آمدِ صیاد کی ہے

شعلہ رخسار کوئی اور ہے وہ جلوۂ نور
حور کے سامنے کیا اصل پریزاد کی ہے

شعر برجستہ ہو سکے کس میں تو پھر اے تشنہ
طرح کیا خوب نکالی کسی اُستاد کی ہے

انتخاب از شہر آشوب

عجیب کوچۂ رشکِ جنان تھا دھلی کا
خطاب خطۂ ہندوستاں تھا دہلی کا

دماغ برسر ہفت آسماں تھا دھلی کا
بہشت کہتے ہیں جسکو مکاں تھا دہلی کا

غضب ہے اُسکو کوئی شادماں نہ دیکھ سکا

زمیں نہ دیکھ سکی آسماں نہ دیکھ سکا

یہاں کی خاک میں کیفیت ابر باراں کی
یہاں کی بادِ بہاری ہوائے مستاں کی
یہاں کے آب میں تاثیر آبِ حیواں کی
یہاں کی آگ میں گرمی تھی شعلہ رویاں کی

ہر ایک شخص کے حق میں یہ شہر اچھا تھا
مریض عشق کے بھی واسطے مسیحا تھا

یہ لوگ کہنے لگے آگ اِس وطن کو لگے
سُنائے اہلِ سخن صاحبِ سخن کو لگے
نظر نہ ایسی الٰہی کسی چمن کو لگے
جو ایک تار بھی باقی ہو تو کفن کو لگے

تمام شہر تلنگوں نے آکے لوٹ لیا
مثل ہے بھوکوں کو ننگوں نے آکے لوٹ لیا

رہی نہ جنس محبت کی اب خریداری
اٹھائے کون حسینوں کی ناز برداری
جو یوسف آئیں تو تو بھی گرم بازار رہی
لگائے دِل کوئی جان کسکو ہے بھاری

بقول شخص عجب مُلکِ حُسن بستی ہے
کہ دِل سی چیز یہاں کوڑیوں کو سستی ہے

کوئی کہے کہ تپِ غم کی بسکہ شدت ہے
تو یوں کہیں کہ ہمیں آپ ہی حرارت ہے
چڑھا ہوا ہے بخار آجکل یہ نوبت ہے
تم اپنا کام کرو جاؤ تم کو صحت ہے

مریض جا کے کرے کیا کہ طعن کرتے ہیں
طبیب اپنا مرض خود بیان کرتے ہیں

تشنہ

تشنہ - حافظ محمد یوسف خاں - بلند شہر کے رہنے والے اور نواب فصیح الملک مرزا داغ دہلوی کے قدیم شاگردوں میں سے تھے - ان کی ولادت ایک پٹھان سپاہی پیشہ گھرانے میں بمقام مالاگڈھ ہوئی تھی - کچھ عرصہ سوداگری کرتے رہے پھر ایک برس کے قریب حضرت داغ کے پاس دکن میں قیام رہا - دیوان کئی برس ہوئے چھپا تھا - علم سے گو

کافی بہرہ نہ تھا مگر مشاق اچھے تھے اور شعر خاصا کہتے تھے۔ آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔ ان کے بیٹے ضمیر الدین ضمیر استاد ظہیر کے شاگرد ہیں سنہ ۱۹ء میں بعالم ضعیفی انتقال کیا۔ یہ آپکا کلام ہے۔

دلیں سہے یہ پوچھوں اُس سے جا کر ۔ کیا تجھکو ملا اب مجھے ستا کر
اتنا نہ ستا کہ پھر دلِ زار ۔ فریاد کرے کسی سے جا کر
کہتے ہیں چل کہ تو ہی تو اک جاں نثار ہے ۔ تیرا ہی دل جہاں سے سوا بیقرار ہے
مصیبت میں دل ہی ہوا جب نہ اپنا ۔ کسی اور کا کیا بھروسہ کریں گے
ہاں تو صورتِ آئینہ صاف ہو کے ملو ۔ مزہ نہیں ہے دلوں میں اگر غبار رہے
ہر چیز کو ہے نشو و نما تیرے کرم سے ۔ خالق ترے انعام بیاں ہونگے نہ ہم سے
دنیا میں مزہ زیست کا ہے یادِ صنم سے ۔ اے ناصحِ ناداں نہ الجھا اسمیں تو ہم سے
اسپر بھی تو تقدیر کا لکھا نہیں مٹتا ۔ رگڑی ہے جبیں ہمنے ترے نقشِ قدم سے
وعدہ پہ قسم سو چکے کھاؤ مرے آگے ۔ جھوٹے نہ ٹھہر جاؤ کہیں جھوٹی قسم سے
اے تشنہ کہاں ذوق کہاں مومن و غالب ۔ اِس فن کا فقط نام ہے اب داغ کے دم سے

تشنہ

تشنہ۔ سید الطاف حسین تشنہ فریدآبادی۔ پہلے الطاف تخلص کرتے تھے۔ اب تشنہ تخلص کرتے ہیں۔

مرگِ تشنہ پہ اِک جہاں رویا ۔ اُسی ظالم کی چشم تر نہ ہوئی
عاشقوں کے جان و دل پر پھر قیامت آگئی ۔ پھر تمھاری چال سے فتنے بپا ہونے لگے
کیوں کسیکو منہ لگایا تھا مری جاں آپنے ۔ بوسہ لینے پر جو آپ اُسے خفا ہونے لگے
تشنۂ ناشاد پھرتے ہو جگر تھامے ہوئے ۔ پھر نہ کہنا ہم کسی پر کیوں فدا ہونے لگے

تشہیر

تشہیر۔ مرزا اسمٰعیل بیگ ساکن شاہجہان آباد۔ جوان نیک نہاد و شریف نژاد تھے حضرتِ مومن خاں کے شاگرد رشید غلام مولیٰ قلق سے مشورہ سخن کیا کرتے تھے عرصہ

ہوا انتقال کیا یہ چند شعر ان سے یادگار ہیں۔

میرے سینے کی آہِ آتشیں بھی برق ہے گویا ۔۔۔ کہ اک دم میں یہاں پھونکا تو اک پل میں وہاں پھونکا
کیا خاک نشیمن کوئی گلشن میں بنائے ۔۔۔ گل خوش ہیں اگر ہم سے تو صیاد غضب ہے
خوبانِ جہاں یاد رہے تمکو بھی یہ بات ۔۔۔ تشبیہ بھی کمبخت اک آزار غضب ہے

تصدق

تصدق۔ منشی تصدق حسین خاں ولد قاسم علیخاں باشندۂ لکھنؤ مولوی محمد بخش شہید کے شاگرد تھے۔

گویا ڈھلی ہیں نور کے سانچے میں اے قمر ۔۔۔ ہیں شمع طور یا ہیں تمھاری کلائیاں
کہتے ہیں ناز سے یہ تصدق سے اپنے وہ ۔۔۔ نازک ہیں شاخ گل سے ہماری کلائیاں

تصور

تصور۔ میر تفضل علی صاحب غالباً نواح لکھنؤ کے باشندے تلمذ کی کیفیت معلوم نہیں کہ کس سے تھا۔ ایک غزل کے چند شعر حاضر ہیں۔

کھلا جوڑا مہک پھیلی وہ زلفِ عنبریں نکلی ۔۔۔ ہوئی خون ناف آہو میں بنے بو مشک چیں نکلی
اجل عاشق کے دم کیواسطے صورت بدلتی ہے ۔۔۔ کہیں شیریں کسی جا لیلیٰ پردہ نشیں نکلی
نمک پاش جراحت ہیں سخن شیریں ادا تیرے ۔۔۔ جو پوچھا پھر بھی آؤ گے بہم ہاں کے نہیں نکلی
گراں سر تن کو تھا کاٹا گلا احسان ہے قاتل ۔۔۔ دہانِ زخم خنداں سے صدا آفریں نکلی

تصور

تصور۔ منشی سید احسان تصور۔ سادات ربدیہ مقیم بکوڑا کے ایک شریف خاندان کی یادگار حیدر حسین خاں کے بیٹے اور حضرت جرات کے تلامذہ میں مشہور تھے۔ جناب شیفتہ نے انکا نام حیدر حسین لکھا ہے۔ قدرت اللہ شوق کے تذکرہ کی ترتیب کے وقت زندہ وسلامت موجود تھے سنہ ۱۲۴۸ھ تک زندہ تھے۔ فیلن صاحب نے اپنے تذکرہ میں انکا نام حیدر علی لکھا ہے معاملہ خوب کہتے تھے مہذب متین باعلم نوجوان تھے ایک قلمی بیاض میں آپکا کچھ کلام نظر سے گذرا اسکا انتخاب درج ذیل ہے۔

ناصح تو کیسی بت سے تو جا آنکھ لڑا دیکھ ۔۔۔ سن میری نصیحت یہ ٹک اسکا بھی مزا دیکھ

کیا اسکے تصور میں تری بن گئی صورت
دیکھے جو تری چشم سیہ مست کو اک بار
لے گئے یوں تیرے کوچے سے تصور کو لوگ
شب ہم جو ذکر ہجراں وصل میں ہونے لگے
مجھے بیتاب آتے دیکھکر کوچے میں یوں بولا
تصور گرم جوشی یار کی مجکو رُلا دے گی
رونا کوئی موقوف کریں ہیں مری آنکھیں
صدمۂ غم متصل جب تیرے مائل پر رہے
لگ جائے تصور کے گلے آکے وہ بت آج

لے آئینہ شکل اپنی تصور تو ذرا دیکھ
پھر حشر تلک وہ کبھی ہشیار نہووے
جیوں اٹھاویں کسی بدمست کو میخانے سے
وہ ادھر رونے لگے اور ہم ادھر رونے لگے
بھلا کیوں دوڑ دوڑا آتا ہے یہ کیا اسکی شامت ہے
بہت گرمی کا ہونا مینھ برسنے کی علامت ہے
جب تک نہ تسلی کو دل آئے جگر آئے
ہاتھ اس مضطر کا ہر دم کیوں نہ پھر دل پر رہے
اللہ کرے اسکی یہ امید بر آئے

تصور

تصور - منشی نبی بخش تصور خلف میر تاج الدین - شاہ نصیر مرحوم کے تولے سے تھے ۱۲۶۶ھ میں عین عالم شباب میں درد گردہ میں مبتلا ہوکر انتقال کیا حالت نزع میں اپنا دیوان چاک کر ڈالا تھا۔ سید حسن رسول نما کے احاطہ میں دفن ہوئے۔ نہایت ستودہ خصال پاک طینت خوش وضع نوجوان تھے کچھ اشعار منتخب درج ذیل ہیں۔

ہم بھی مثال آئینہ ہیں تجھ سے سینہ صاف
کیا کیا خیال دلمیں گذرنے لگے جو آج
اسکے خیال زلف میں کچھ سوجھتا نہیں
کس نے کہا تھا تجھ سے تصور کہ اس سے مل
عشق بازی اے تصور کھیل لڑکوں کا نہیں
خواب کا کیا بس چلے اس دیدۂ بیدار پر
اسکی باتوں نے زباں کے کر دیئے ٹکڑے ہر
آبلوں نے پاؤں کے پانی چھڑایا اسقدر

دل سے ترے غبار اگر دور ہو گیا
دروازہ اسکا شام سے معمور ہو گیا
آنکھوں میں اپنے دن شب دیجور ہو گیا
دل اپنا دیکے آپ تو مجبور ہو گیا
جان کا اسمیں بچانا کام ہے ہشیار کا
چور کو تے نہیں دیکھا کبھی ہشیار پر
لے گئی سبقت زبان یار بھی تلوار پر
تشنگی سے پڑگئے کانٹے زبان خار پر

تصور

تصور - عالیجناب کنور فتح بہادر مرحوم مغفور رئیس و تعلقہ دار کوڑا جہان آباد ضلع فتحپور ہسنوا - عالی جناب راے لال بہادر مرحوم کے پوتے اور جانشین تھے جن کے مورث اعلیٰ شاہانِ اودھ کے ہاں مناصب جلیلہ پر ممتاز اور معتمد رامیہ تھے یہ نوجوان امیرزادہ حسن صورت میں بے مثل حسن سیرت میں فرد - خوش خلق - خوش رو، طباع اور ہونہار تھا خالقِ حقیقی نے جملہ صفات حسنہ اسکی ذات میں کوٹ کوٹ کر بھردی تھیں - سیر چشم مسافر نواز با مروت اور خندہ پیشانی رئیس زادہ تھا - افسوس کہ عین عنفوان شباب میں بعمر ۲۰ سال چمنِ ہستی سے دیکھتے دیکھتے بوئے گل کی طرح ہوا ہوگئے طبیعت میں موزونی اور مضمون آفرینی خداداد تھی - افسوس ہے کہ اس نونہال گلزار معانی کو قضا نے اس سن تک پہنچنے نہ دیا کہ یہ اپنے اعجاز کلام سے چار دانگ ہند میں غلغلہ ڈالدیتا اس عمر میں یہ کلام گویا ماں کے پیٹ سے شاعری کی بے بہا قابلیت ساتھ لیکر نکلے تھے - نغز گوئی اور معانی میں نئے نئے پہلو نکالنا انکا حصہ تھا - آغا ظفر علی بیگ شاعر دہلوی سے جو اس زمانے میں انہیں کی سرکار کے دعا گو تھے کلام میں مشورہ کیا کرتے تھے - نثر بھی شگفتہ لکھتے تھے نظم کا انداز دلفریب محاورات کا اسلوب جانفزا ہے - فی الجملہ انکا کلام ایک تصویر دلربا ہے - دیکھئے اور حسن صورت و معانی کی داد دیجئے - وہ ہائے جان نثار آہ کنور بہادر تصور ۱۹۵۴ سمت تاریخ وفات ہے - اب کلام ملاحظہ ہو -

ہمسے نازک حباب کیا ہوگا	دیکھتے دیکھتے نذار و ہیں
گھٹا بنکر چلا ہے ابر رحمت پھر گلستاں پر	فدا ہونے لگی تو یہ ہر اک میکش کے ارماں پر
تاسف کرنے یوں آتے ہیں وہ گور غریباں پر	بجھائی شمع اُف اُف کرکے اور چلتے ہوئے سیدھے
لیٹ جب کھل کر آپڑتی ہیں اسکا غرکی افشاں پر	نظر میں پھرنے لگتی ہیں مری تاردل بھری ہیں
قسم ہے بدگماں ہوتے ہیں ہم اس سازو ساماں پر	کہیں پھر بن سنور کے جاؤ گے معلوم ہوتا ہے
تری آنکھوں نے جادو کردیا چشم غزالاں پر	رسیلے پن کہاں سرشار ہیں بیخود ہے وحشی ہے

بھلا ہو ناتوانی کا اسی سے نے کچھ رہائی کی	کہ آخر سایہ بنکر چڑھ گیا دیوار زنداں پر
کن انکھیوں سے ادہر وہ دیکھکر ہنستا قیامت تھا	گری ہیں چپکے چپکے بجلیاں کیا کیا دل و جاں پر
قضا آئی اور پھر گئی ہاتھ مل کر	سنبھالا مجھے دردِ دل نے سنبھل کر
نہ پوچھے کوئی خیر قسمت ہماری	ہمیں خاک ہونا ہے اک روز جل کر
نہ پوچھو کہ کیوں آئے ہیں دل بلا ہے	ہمیں کھینچ لایا یہ ظالم مچل کر
میں صورت کو دیکھا کیا دل ندارد	ستم ڈھا گیا مجھپہ وہ چال چل کر

تصویر

تصویر ۔ صاحب طرز دلپذیر میاں غلام احمد تصویر عرف میاں ہتن دہلوی علمی استعداد کچھ نہ تھی بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ محض اُمّی تھے مگر طبیعت کی موزونی خداداد بات ہے ع
پروردگار جسکو یہ نعمت عطا کرے

فکر کی بلندی اور براقی طبع نے اس فطری موزونی کو اور بھی چار چاند لگا دیئے۔ تصویر اور میاں توقیر دونو میاں تنویر کے شاگرد تھے مگر کثرت مشق نے تھوڑے ہی عرصہ میں اُستاد اور شاگرد کے کلام میں اندھیرے اُجالے کا فرق دکھا دیا۔ بعض غزلوں کی اصلاح پر اُستاد سے شکر رنجی ہو گئی اور پھر حضرت ذوق کی خدمت میں حاضر ہو کر شرف تلمذ حاصل کیا اور آخر تک اُنہیں کی شاگردی کا دم بھرتے رہے۔ دہلی میں زمانہ ناساعد کی مجبوریوں سے غدر سے پہلے پنجہ بندی کرکے گذر اوقات کرتے تھے۔ اس کے بعد مہاراجہ شیودان سنگھ کے وقت میں الور چلے گئے وہاں ایک روپیہ روز اور دو پیٹے ان کے مقرر ہو گئے۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ حضرت ظہیر۔ مجروح۔ تشنہ بھی مہاراجہ صاحب ممدوح کی قدر دانی سے الور میں ملازم ہیں۔ کلام کا شہرت نہ پانا اور چیز ہے مگر جیسا ملکہ راسخہ اور مذاق سلیم ان کے اشعار سے ظاہر ہے یہ بات بڑے بڑے چیدہ عالموں کے کلام میں بھی نہیں پائی جاتی۔ ہر شعر میں کوئی نہ کوئی بات ایسی نکلتی ہے کہ بے ساختہ دل میں کھٹکی سے لیتی ہے تخیل کی پرواز اور معاملہ بندی کی پُرلطف چاشنی اور جا بجا

یاس و حسرت کی دلگداز تصویریں ایسے دلچسپ اور موثر پیرایہ میں کھینچی ہیں کہ باید و شاید۔ مضامین کی ندرت اور بندش کی چستی اُن کی قادرالکلامی کا بین ثبوت ہے سُنا ہے کہ جب مشاعروں میں غزل پڑھتے تھے تو اکثر اچھے اچھے مشّاق شاعروں کے ہوش اُڑ جاتے تھے۔ ابتدا کے چند غزلوں میں رونق وہبن بھی تخلص کیا تھا حق یہ ہے کہ اُنکا کلام بڑے بڑے اُستادوں کے کلام سے ٹکّر کھاتا ہے روزمرہ کی صفائی اور لطافت اور مضامین کی شوخی اور برجستگی قابلِ داد ہے۔ دیکھئے اور لطف اٹھایئے ؎

مزاج اُس سنگ در کا شانِ محبوبی سے برہم ہے۔
کبھی کیا میں نے بوسہ لے لیا تھا حجر اسود کا

کچھ نہ بن آیا تو شب کو آپ لیکر اپنے ظلم
ہو چکا ٹھنڈا کبھی کا زخمی تیغ ستم
بات بھی پوچھنے کی تو ذکر دشمن کا کیا
فدا نا آشنائی پر تو ہیں لاکھوں دل و جاں
صبر اسکی جانب سے حسرت دیدار کا
دل پہ بیٹھا تھا جو پھر دیکھا جگر کے پار تھا
کہتے ہو فرصت ہوئی ہمکو تو آئینگے ضرور
یہ نہیں بند قبا تیری کہ ہر اک کھول لے
بوسۂ لب میں جو ہے قندِ مکرر کا مزا
اسکی اک ٹھوکر پہ سو ہنگامۂ محشر نثار
کہاں میں اور کہاں تیرا دامِ عیاری
جو لب پہ آہ و فغاں ہو تو کچھ اثر بھی ہو

سب بے مزہ رکھنے کو وہ میرے پشیماں ہی رہا
اے ستمگر ڈھونڈتا پر تو نمکداں ہی رہا
وائے قسمت وہ کھلا بھی ہم سے تو کیونکر کھلا
اگر وہ بت کسی کا آشنا ہوتا تو کیا ہوتا
بند جب نے کر دیا روزن تری دیوار کا
دیکھنا کیا تو ٹے تیر نگاہ یار کا
میری جاں یہ بھی کوئی انداز ہے اقرار کا
کھولنا مشکل ہے میرے عقدۂ دشوار کا
غور سے دیکھا تو سارا لطف ہے تکرار کا
پیچ بہت تصویر عالم یار کی رفتار کا
یہ اتفاق ہے صبا و آب و دانے کا
دگر نہ لطف نہیں شورِ عندلیب چہچہانے کا

ہزار طرح سے تڑپے بوقتِ ذبح مگر
جو دل بھی دونگا تو دینے کی طرح سے ظالم
بچا بچا کے جو رکھا تو دل کو کیا رکھا
خدا دکھائے نہ دشمن کو انتظار کی رات
وہ نیچی نیچی نگاہیں وہ بھولی بھولی شکل
تمہاری شکل سے نفرت ہے یا حیا تصویر
سوئے وہ شبِ وصل عدو کیوں نہ سحر تک
دے بازوئے نازک کو ذرا اور بھی تکلیف
کس ناز سے کہتے ہیں وہ اکثر شبِ وعدہ
اے دیدۂ خونبار ذرا اور بھی ہمت
ایسا ترے فراق میں بیمار ہو گیا
وہ اگر کھنچنے لگا مجھ سے تو وہ معشوق ہے
جب کہا میں نے کہ کب تک دور سے دیکھا کروں
زلف کو چھیڑا تو اک انداز سے بولا وہ شوخ
صرفہ نہیں نمک کا تو پھر سوچتے ہو کیا
بیٹھے وہیں سے کہتے ہیں بچ جائے یہ مریض
بوسہ تو اسکا حضرتِ دل تم نے لے لیا
وہ تو لحد بھی میری پامال کر گئے تھے
تصویر عاشقوں کا کیا پوچھتا ہے مسکن
تمنا تھی کہ وہ خود سے پلائے بادۂ گلگوں
وہ غش اچھا تھا جسمیں سر تو تھا اس گل کی زانو پر

نبایا ڈھب ترے پاؤں پہ لوٹ جانے کا
میں دل سی شے کو نہیں خاک میں ملانے کا
مزا ہے جاں پہ الفت میں کھیل جانے کا
قضا سے ہمکو تو شکوہ ہے بھول جانے کا
جو سر پہ دیکھو تو ہے خون اک زمانے کا
کھلا نہ بھید ہمیں ان کے منہ چھپانے کا
جھونکا ہے مری آہ بھی اک بادِ سحر کا
قاتل ترا بسمل ہے ادھر کا نہ ادھر کا
ہم آئے کہاں اور ارادہ تھا کدھر کا
کچھ رنگ تو بدلا ہے مرے خون جگر کا
میں چارہ گر کی جان کو آزار ہو گیا
تو تو اے تصویر عاشق ہے تجھے کیا ہو گیا
اک ادا سے ہنس کے فرمایا کہ دیکھا جائیگا
پاس جب بیٹھو گے تم نچلا نہ بیٹھا جائیگا
بسمل ابھی تو آپ کا ٹھنڈا نہیں ہوا
آکر خبر تو پوچھتے اتنا نہیں ہوا
لیکن تمہارے حق میں یہ اچھا نہیں ہوا
پر نقشِ پا نے اُنکے کچھ کچھ نشاں بنایا
روزِ ازل سے ہمکو بے خانماں بنایا
فقط دعویٰ کیا تھا اسلئے پرہیزگاری کا
ہوا میری ہی اوپر وار میری ہوشیاری کا

دیکھکر قاتل کو آتے جان تن میں آگئی
کوئی تجھسا نظر نہیں آتا
میکشوں کے مزار پر رونے
ہر دلمیں ہے غبار بنا بنکے واسطے
کہتا ہے مجھسے نزع میں کہہ اپنا حال دل
تونے جس جا پہ قدم رکھکے اٹھایا ظالم
جاں بلب تھا تو عیادت کو بھی آجاتے تھے
نہ لگا ہاتھ پہ ٹھوکر تو لگا جا ظالم
اسکو کہتے ہیں وفادار کہ دیکھا تونے
خواب گہ سے اٹھتے ہی آیا جو یاں وہ مست ناز
سر جھکاتے ہیں پھونکو تان کر
سر اٹھاؤ ہو چکی بس سرکشی
اس کے عارض ہیں وہ گل رنگین
آزاد ہو کے عشق میں اک نازنیں کے ہم
اے آسمان تو بھی ستم میں کمی نہ کر
سوئیں گے جا کے چین سے زیر زمیں بھی ہم
یہ جنازہ ترے تصویر دل افگار کا ہے
اللہ رے ربط غیر سے تیرا کہو مصر
وہ کونسی جفا ہے کہ جو سہنے کی نہیں
اک اک کو جانتا ہے وہ عیار بزم میں
جلوہ کو اسکے دیکھ کے کچھ غش سا آگیا

قتل ہونیکی خوشی میں خون اپنا بڑھ گیا
دل کہیں اور پر نہیں آتا
کوئی جز ابر تر نہیں آتا
ہے ہے وہ میری خاک سے دامن کشاں ہوا ایک
جانا کہ لب ہلانیکی طاقت کہاں ہے اب
رہ گیا نقش قدم چشم تمنا ہو کر
میں تو لو اور بُرا ہو گیا اچھا ہو کر
کاش اٹھ جائے جنازہ مرا ہلکا ہو کر
مٹ گیا در پہ ترے نقش کف پا ہو کر
دلمیں کیا کیا شک گئے زلف پریشاں دیکھکر
یہ اشارہ ہے کہ قرباں جان کر
اب تو من جاؤ خدا کو مان کر
منفعل حسن سے ہوں گلاب کے پھول
قصہ سے خوب پاک ہوئے کفر و دیں کے ہم
یاں بھی یہی ہے جیسیں کہ اب تو نہیں کہ ہم
آرام پائیں گے دل مضطر کہیں بھی ہم
ساتھ جانا تو تجھے چاہئے دو چار قدم
دل میں ترا خیال بھی تنہا رہا نہیں
وہ کونسا ستم ہے جو ہمنے سہا نہیں
پر جانتا نہیں تو ہمیں جانتا نہیں
اسکا پتہ ملا تو پھر اپنا پتا نہیں

کس کا رقیب کیسی وفا اے دل حزیں
دل لیکے پھر کسی کا بھی وہ آشنا نہیں

وے سرو قد نہ اُٹھکے تو تعظیم غیر کی
بیٹھے بٹھائے دیکھ یہ فتنہ اُٹھا نہیں

کہیں نہ اُسنے چرائی پڑیں ہیں مجھے آنکھیں
خدا کے واسطے اے چشم اشکبار نہیں

حریص لذت آزار میں ہی ہوں سچ ہے
خدانخواستہ تم تو ستم شعار نہیں

ایسا بھی تفرقہ نہ پڑے اے خدا کہیں ہو
مدت سے ہم کہیں ہیں دل مبتلا کہیں

اک برق تھی کہ کوند گئی ہائے شوخیاں
وہ خود کہیں ہیں اور ہے آواز پا کہیں

کعبہ تو کعبہ دیر میں سجدے کروں ہزار
پر آشنا ہو وہ بت نا آشنا کہیں

تصویر میں تو خوش ہوں ثقاہت پہ آپکی
ہو رند بادہ خوار کہیں پارسا کہیں

خدا ہی جانے بتوں کی نگہ میں سحر ہے کیا
قیامت ہوتی ہے برپا جدھر کو دیکھتے ہیں

یہ ہے وہ دشت محبت کہ اے دل ناداں
یہیں تو ٹھوکریں کھاتے خضر کو دیکھتے ہیں

بگڑ جاتا ہے ازبس تند خو وہ باتوں باتوں میں
ہم اسکے دلکو رکھتے ہیں دم تقریر یا تو نہیں

قفس میں رشک سے صیاد میں کیا تڑپتا ہوں
کوئی دم توڑتا ہے جیتے ترے نخچیر یا تو نہیں

جو اس حسرت سے ہر دم تو کف افسوس ملتا ہے
وہ دامن آگیا تھا کیا تری تصویر یا تو نہیں

رکھتا ہے اس روش سے وہ اندر چمن کے پاؤں
گل چومتے ہیں اُس بت غنچہ دہن کے پاؤں

کوچہ میں لیکے جاتے ہیں اس تیغ زن کی پاؤں
دشمن بنے ہیں ہائے یہ سارے بدن کے پاؤں

آنکھیں ہزاروں پھوٹتے ہیں ہو کے آبلے
سر اس گلی میں ٹھوکریں کھاتے ہیں بنکے پاؤں

راہ طلب میں اسکے یہ کہتا ہے دل مرا
اے کاش ہوتے بدلے ہر اک عضو تن کے پاؤں

بے اختیار ہو کے لئے چوم دوڑ کے
مجنوں نے دیکھکر مرے باہر کفن کے پاؤں

قطع و برید دامن صحرا کا شغل ہے
کرتے ہیں کام ہاتھ کا مجھ بیوطن کے پاؤں

عصمت کی معنی یہ ہیں جبلی سر سے پا تلک
لیکن نہ تھا شمع سے باہر لگن کے پاؤں

سوزش دل سنائی کیوں داغ جگر دکھائی کیوں
دعوٰے عشق ہو چکے مفت سے دم چرائے کیوں

عاشق زار میں نہیں ہے تپہ نثار بھی نہیں تو
جو ہرِ عشق سے بہی ٹکڑے ہو جیب و آستین
مل چکی ہم ظلم کے ماروں کی داد
کرتے ہو باتیں در و دیوار سے
ہوا خوش چھیڑ کر سب سے نہ کوئی رند مشرب کو
تجھسا ہمیں جہاں میں جو پیدا ہسیں نہو
وسے جیتے بیٹھے ہائے تجھ سے بہت بدگماں کیوں
تصویر پہ جاں بھی دیدے گا ایکٹ ن

مجھکو یہ انفعال سہے میں نے ستم اٹھائے کیوں
جسکو جنوں سے ننگ ہو شکل کی خاک اڑائے کیوں
گر وہ آئے حشر کے میداں میں
آج ہو تصویر کس کے دھیاں میں
پڑھی ہے ہمنے نمازیں محتسب کی بے وضو برسوں
پھر کیونکہ ہم پہ نازِ جہاں آفریں نہو
ہمسا بھی کوئی دشمنِ ایمان و دیں نہ ہو
ہمکو تو اعتبار ہے تمکو نہیں نہ ہو

کہو کیا تھیں تم میں یہ شوخیاں کہو کب تھیں تم میں یہ گرمیاں۔
کبھی آئینے سے بھی تھی حیا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
کبھی آکے مجھسے چمٹ گئے کبھی پاس سے میرے ہٹ گئے
وہ وفورِ رات کے نشہ کا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
میں اٹھا جو جانے کو پاس سے مجھے دیکھ دیکھ کے یاس سے
وہ ادا سے کہنا نجب نجب تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

شمع بزمِ غیر وہ تھا روئے روشن رات کو
قیس نے جنگل کیا آہوں سے روشن رات کو
رات کو جاتا ہوں تو کہتا ہے دن کو آئیو
سب بے وفاؤں سے بھی وفا تصویر
ایسی وفا بھی ظلم ہے مجھ خستہ تن کے ساتھ
بوسہ اگر دیا بھی تو دیں گالیاں ہزار
جیتے پھرے تو آئینگے کعبہ کو زاہدا

دن بنا دیتی تھی آہِ شعلہ افگن رات کو
وادیِ ایمن بنایا نجد کا بن رات کو
دنکو جاتا ہوں تو کہتا ہے وہ پرفن رات کو
یہ نہ خوش آئی تیری خو مجکو
جانِ حزیں گئی نہ دلِ پر محن کے ساتھ
آکے وہ راستی پہ بھی اک بانکپن کے ساتھ
اینٹو چلے ہیں دیر کو اک برہمن کے ساتھ

عاشق زمانہ ہوتا ہے لیکن نہ اس طرح
کرتی ہیں ہمکو ذبح تری کم نگاہیاں
دشمن ہی کو پئے طلب جو مرے پاس سے اُٹھے
تم وہ ہو سنگدل کہ تمھیں نے خبر نہ لی
عاشق کے ذبح کرنے میں ایسا ہے اضطراب
برچھی تری نگاہ کی پہلو میں کیا لگی
دامن پہ وہ رسکے نہ رکھے دلربا لگی
سنتے کہا عدو پہ تو عاشق ہی ہو گیا
بس بس خرامِ ناز کہ محشر ہوا بپا
ہر رات ہمکو رہتی ہیں اختر شماریاں
مقرر آج کچھ دشمن سے اسمیں ساز ٹھیرا ہے
کیا ہے ظلم جتنے کوئی الفت کے پردہ میں
عداوت تو نہیں خلق خدا سے اس ستمگر کو
الٰہی عشق بھی آ رہے کیا انساں بنانے کا
تم آئے تو غنیمت ہے نہ آئے تو شکایت کیا
مقرر غیر کے زانو میں لی اس شوخ نے چٹکی
جلانا تھا جسے اسکو جلایا ایک ٹھوکر میں
محتسب آتا ہے تو آئے وہ ہم مستونکے پاس
پہ نہ کہئے ہم کسی کے آشنا ہرگز نہیں
نہ آئے گرچہ نہیں جان جا کر آنے کی
یہاں تلک میں بنا پارسا کہ اس بت نے

اے دل کبھی تو جانب سود و ضرر تو دیکھ
گر دیکھتا ہے یار تو بھر کر نظر تو دیکھ
اس سے تو نہیں کوئی ستم اور زیادہ
جبتک کہ میرے سر پہ قیامت گذر نہ لی
ظالم ذرا بھی تو نے چھری تیز کر نہ لی
پہلو سے ولیں دل سے کلیجہ میں جا لگی
لیکن ہماری خاک ٹھکانے سے آ لگی
ہنسکر کہا کہ آپ ہی کی بد دعا لگی
سینے تمھاری چال سے خلق خدا لگی
ہر روز اپنے حق میں تو روزِ حساب ہے
جو دم بھر بھی مرے پہلو میں وہ دم باز ٹھیرا ہے
کبھی وہ ناز ٹھیرا ہے کبھی انداز ٹھیرا ہے
تڑپنے میں ذرا بسمل کے اسکا دل بہلتا ہے
کوئی عاشق ہو یا مجنون یاں سب پر ٹوٹ جلتا ہے
محبت میں کسیکا کب کسی پر زور چلتا ہے
ہمارے دلکو کوئی آج چٹکی میں مسلتا ہے
خرامِ ناز کے پردہ میں ظالم چال چلتا ہے
شیشہ و ساغر کو کیوں ہو کر ہراساں توڑیئے
یوں نہ امیدیں ہماری آہ یکبارگی توڑیئے
قضا بھی پھر نہیں اک بار آ کے آنے کی
عدو بھی شرط پہ مے سے پلا کے آنے کی

کیے ہی ڈالتی ہے قتل تو تیغ سے پہلے
یہ جی میں ہے کہ کروں بند و بست وہ شبِ وصل
گلہ نہ کر سکے تا کشتۂ جفا کوئی

کسے ہو غم دوری اگر فرقت میں دم نکلے
عبث ہے دم خفا ہیں ہم کہاں ہے دم کہ دم نکلے
وفا کی ہم نے تم سے اور تم نے غیر سے اب تک

کس خوشی سے مرے آقا نے لٹائے رنگترے
کل سے کچھ گرمی سی تھی ساقی شرابِ ناب سے
حور و غلماں جا بجا کہتی تھی مہرویوں کو خلق
دور کیں جس وقت پیمانیں سبک کے جام شراب

اگر اک لے لیا بوسہ خفا اسکو نہیں کہتے

تمنا جو رکھتا ہو چھپائے وہ نظر کس سے
تمہیں سے ہے دوستی امیر بچائیں نظر کس سے

کہا دشمن سے کچھ ہنس ہنس کے اور مجھ سے لگا کہنے

ہمیں تو شامِ عیش و صبحِ غم یکساں نظر آئی
ہمیں تو آزمائش ہی بس اے چرخ پیر اتنی تھی

کیا مری حسرتِ محبت بھی نہ
میرے ہر کام میں ہے ناکامی

عدم کی راہ تو نزدیک ہے گلی سے تری
تجھکو تو قبر کی تاریکی سے نا دیدہ ڈرا
مجھکو وہاں بلا لیجیے یا آپ آ جائے

ادا وہ ناز سے خنجر اٹھا کے آنے کی
رہے نہ راہ کہیں سے حیا کے آنے کی
یہ طرز خوب ہے سرمہ لگا کے آنے کی

دم ہی تک سب بکھیڑا ہے جو دم نکلے تو غم نکلے
جسے سمجھا ہے غم ارمان ہے غم ہو تو غم نکلے
طریقِ عشق سے باہر نہ تم نکلے نہ ہم نکلے

باغ موتی ڈونگری میں رنگ لائی رنگترے
ہو گئی فرصت ابھی اک دو جو کھائے رنگترے
لوٹنے کیا باغِ جنت سے یہ آئے رنگترے
باغ میں کل اسکے پری رو کام آئے رنگترے

محبت سے کہتے ہیں ترکِ حیا اسکو نہیں کہتے

اسے شادی و غم کیا اسے سود و ضرر کس سے
اشارے ہوتے ہیں ہر دم ادھر کس سے ادھر کس سے
ہمیں کرتی تھی کس سے بات اور کی بھولکر کس سے
خدا جانے ترا وعدہ تھا شب کا کس سے سحر کس سے

کر تو جلاد آشنا تھا تری شمشیر اتنی تھی

بات کرتے ہی آنکھ بھر آئی
آہ بھی لب پہ بے اثر آئی

پوچھتا ہے جو تاب و تواں جانِ زار ہیں آئے
ہجر کی شب سے وہ یا وہ ہے بلا اور کوئی
اپنی تو ہے وصال تمنا کہیں سہی کہ

مقرر ہیں اس ظالم کی کچھ پوشیدہ الفت ہے | لبوں پر اسکے دشمن کی شکایت آ ہی جاتی ہے
ہجر کی شب تو سحر ہو یارب | وہ نہ آیا تو قیامت ہی سہی ہو
جان بیکار تو اپنی نہ گئی | اے ستمگر تری شہرت ہی سہی
مجھ سے اتنا بھی نہ پوچھئے صاحب | آپ پر میری طبیعت ہی سہی
جذبۂ دل نہیں لایا تم کو | آپ کی خیر عنایت ہی سہی
کفن کی سفیدی سے ثابت ہوا | شبِ ہجر اپنی سحر ہو گئی
عجب سحر دیکھا تری آنکھ میں | کہ ملتے ہی تاب و تواں لے گئی
کیا خبر تھی جب طبیعت مبتلا ہو جائے گی | اُن کی آنکھوں میں جو ہے شوخی حیا ہو جائیگی
حالِ دل بھی کہونگا چارہ گرو | ہوئی فرصت جو دید کا ترے سے ہو
اُٹھتے ہیں تعظیم کو فتنے در و دیوار سے | آپ کیا آئے مرے گھر میں قیامت آئی ہے
کچھ مزہ شورِ تبسم نے تمھارے ہی دیا | یوں تو زخموں پہ بہت ہم نے نمکداں لٹے
یہ بھی کوئی ہنسی ہے کہ رخصت کا لیکے نام | سو بار بیٹھے بیٹھے ہمیں تم رُلا چکے ہو
کیا پوچھتے ہو خاک میں کس نے ملا دیا | جو کچھ کیا سو آپ کے دل کے غبار نے
آج کی شب نہ خفا ہو ترے قرباں ہم سے | کل تو لیوے ہی گی بدلا شبِ ہجراں ہم سے
کون موسیٰ تھا کہاں طور کسے غش آیا | ایک یہ بھی تھی مری جان شرارت تیری
عالم کی اک اُمید پہ گذرے ہے جہانیں | رکھتا ہے کوئی رات کے ارماں کوئی دن کے
تصویر تو اتنا غمِ الفت سے نہ گھبرا | یہ رنج بھی دنیا میں ہیں ناداں کوئی دن کے

تعشق

تعشق ـ ادیب نامور حکیم سید محمد دہلوی تعشق ـ پرانے دہلی کالج میں سو روپیہ ماہوار کے مشاہرہ پر فارسی و عربی کے مدرس تھے۔ آخر عمر میں شعر گوئی ترک کر دی تھی پھر بھی شوق کا یہ عالم تھا کہ اچھا شعر سنکر بیتاب ہو جاتے تھے۔ حکیم عزت اللہ عشق کے داماد اور شاگرد تھے۔ ۵۰ برس کی عمر پاکر ۱۸۵۴ء میں انتقال کیا۔ جمیع علوم مشرقی میں

معلومات تام حاصل تھیں - اور فن طب میں مولوی رشید الدین خاں اور حکیم قدرت اللہ خاں قاسم کے شاگرد رشید تھے - اور معالجات میں خوب دخل تھا تھا - طبیعت میں انحصار غضب کا تھا - ان کو ہمہ دانی کا دعوی تھا اور فی الحقیقت جامع الکمالات انسان تھے - کلام کا انتخاب درج ذیل ہے -

تجکو اس میری آہ و زاری پر
رحم اے فتنہ گر نہیں آتا

وعدۂ شام تو کیا ہے ولے
کچھ وہ آتا نظر نہیں آتا

تیرے بیمار کا ہے یہ عالم
ہوش دو دو پہر نہیں آتا

تو اے پیماں شکن وعدہ پہ کس دن مرے گھر آیا
سدا سنتے رہے یونہی کہ شام آیا سحر آیا

کہوں کیا حال اے گلرو تری فرقت میں آنکھوں سے
کبھی خوناب دل ٹپکا کبھی لخت جگر آیا

سامنے دیکھو آتا ہے تعشق وہ کون
بارے کہ ایتو ہوا خوش دل محزوں تیرا

سنتا ہی نہیں بلبل بیدل کی جو گل آہ
کیا تو نے شگوفہ یہ صبا کان میں چھوڑا

حضرت دل اسکے کوچہ میں نہ جایا کیجے
کھپ چکے اپنی طرف سے آگے ہیں مختار آپ

کہتے نہ تھے تعشق جاؤ نہ اس گلی میں
آئے نہ واں سے دیکھا خوار و تباہ ہوکر

رویا کیا سحر تک میں رشک سے عزیزو
ہنستے سنا جو اسکو غیروں سے انجمن میں

ہوتے ہیں دل کے ٹکڑے آتا ہے یاد جسدم
کچھ چپکے چپکے کہنا اسکا لب و دہن میں

کس پری سے ہے تعشق گرمجوشی ان دنوں
پھر فزوں ہمکو نظر آتی ہے وحشت آپکی

تجکو لیجائے وہاں یا اسکو لے آئے یہاں
میں تو حیراں ہوں دلا تو ہی بتا کیا کیجے

خواب میں تجکو دیکھئے کیونکر
تیرے بن نیند کس کو آتی ہے

تعشق

تعشق - سخنور نازک خیال ناظم خوش مقال سرمایۂ ناز و موجب افتخار لکھنؤ جناب سید مرزا صاحب لکھنوی خلف الرشید محمد مرزا انس و برادر حقیقی سید حسین مرزا عشق شیخ ناسخ کے ارشد تلامذہ میں تھے - نہایت قابل اور نازک خیال سخنور اور مرثیہ گوئی میں خصوصاً شہرۂ آفاق تھے - نازک خیالی

کے ساتھ زبان کی لطافت اور مضمون کی نفاست قابلِ داد تھی آپ کا کلام بہت پرتاثیر اور درد سے لبریز ہے مرثیہ گوئی میں آپ کا ایک خاص رنگ تھا سوز و گداز جس قدر ان کے کلام میں ہے لکھنؤ کے کسی استاد کو یہ بات نصیب نہیں ہوئی مضمون آفرینی کے ساتھ ساتھ پختہ کلامی اور متانت غضب کی تھی۔ مشاہدات دنیوی و جذبات حسن و عشق سے اسقدر واقفیت تھی کہ مضامین کے ذریعہ واقعات کی تصویر کھینچ دیتے تھے اور ایسے دلفریب پیرایہ میں مضمون باندھتے تھے کہ بیساختہ داد دینے کو جی چاہتا تھا۔ لیکن آپ کے کلام نے جیسی چاہیئے شہرت نہ پائی۔ غالباً اسکا باعث یہ ہے کہ خود جناب نعشق مرثیہ گوئی کے مقابلہ میں غزل گوئی کو ہیچ سمجھتے رہے۔ اور کبھی اسکے ذریعہ سے عزت و ناموری میں قدم رکھنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ راقم تذکرہ نے جس محنت و جانفشانی سے یہ مختصر مجموعۂ کلام مرتب کیا ہے اس سے کچھ دل ہی خوب واقف ہے جس حالت میں کہ مرحوم کے قریبی اعزا اور شاگرد باوجود بار بار تقاضوں کے اُن کے کلام کی اشاعت نہ چاہیں تو غیروں کے تغافل اور تساہل کا کیا گلہ ہو سکتا ہے لکھنؤ کے قابلِ قدر رسالہ معیار میں جو عالمِ خواب کے مشاعروں کی دلچسپ کیفیت لکھی ہے اسکے معاینہ سے پایا جاتا ہے کہ جناب نعشق کس پایہ کے شاعر تھے۔ مورخ مذکور کا دعویٰ ہے کہ اکیلے نعشق کے بھروسے پر حضرات لکھنؤ جملہ شعرائے ماضی و حال و اساتذۂ دہلی کے کلام کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ بہرحال اسمیں شک نہیں کہ جسقدر درد و اثر سید صاحب مرحوم کے کلام میں پایا جاتا ہے وہ ہمنے لکھنؤ کے کسی استاد کے کلام میں نہیں دیکھا۔ آپ ایک عرصہ دراز تک کربلا میں مقیم رہے پھر ہندوستان چلے آئے اور یہیں لکھنؤ میں ۱۵ برس ہوئے انتقال کیا۔ مراثی کے دو مجلد آپ کی تصنیف سے مشتہر ہو چکے ہیں۔

آپ کا حال اور کلام کاتب کو نقل کیلئے دیا جا چکا تھا کہ رسالۂ معیار اگست سنہ ۱۹۰۹ء میں موصول ہوا اور اسمیں آپ کا مجموعۂ کلام (۴۰ صفحہ) جو اڈیٹر معیار نے بڑی کوشش سے دستیاب کرکے شایع کیا ہے نظر پڑا چونکہ ہمیں ان کے کلام سے خاص رغبت تھی بڑے شوق سے اُس مجموعہ کا مطالعہ کیا اور اپنے مذاق کے موافق کچھ اشعار اور منتخب کرکے داخل انتخاب کئے

کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ جدت خیال اور تازگیٔ مضامین کی طرف آپ کی طبیعت کا خاص رجحان تھا۔ چنانچہ جہاں کہیں کوئی نیا مضمون صاف زبان میں نکل آیا ہے وہ فی الواقع قابلِ داد ہے۔ لیکن باوجود کہنہ مشقی کے ۵۵ غزلیات کے مختصر مجموعے میں بھی ایسے اشعار کی تعداد بمقابلہ دیگر مستند اساتذۂ دہلی بہت کم ہے۔ حیرت ہے کہ اہالیانِ معیار نے کس بنا پر ایسے پُر زور الفاظ میں جناب تعشق کے متعلق بحث چھیڑ کر اہلِ دہلی کی دل آزاری پر کمر باندھی۔ ہمارا منشا ہرگز اس مضمون پر قلم اُٹھانے کا نہ تھا مگر چونکہ معیار میں مکرر سہ کرر یہ چیلنج دیا گیا لہٰذا مجبوراً اسکی تردید کی زحمت اُٹھانی پڑی۔ افسوس ہے کہ اڈیٹر صاحب معیار خود اپنے مشہور اصول کی پابندی سے انحراف فرماتے ہیں اور کلمۂ حق کے اعلان میں بے باکی کو معیوب سمجھتے ہیں۔ اگر بہ نظرِ انصاف دیکھا جائے تو اکثر موزوں طبع نوجوانوں کے کلام میں بھی ایک دو شعر ہر غزل میں اچھے نکل آتے ہیں۔ اندریں صورت اگر جناب تعشق جیسے مستند کہنہ مشق اُستاد کے ہاں اگر ہر غزل میں چار پانچ شعر نفاست خیال و لطافت زبان کے لحاظ سے ممتاز نکل آئے تو کچھ جائے عجب نہیں۔ البتہ حیرت ہے تو یہ کہ کیوں پوری غزل مرصع نہیں ہوئی جیسا کہ اُن کے طرفداروں کی پرجوش تحریروں سے ہمیں یقین ہوتا چلا تھا۔ ہم نے ارادتاً سست اشعار کا انتخاب درج تذکرہ نہیں کیا اور صرف اپنے مذاق کے بموجب جن اشعار کو اچھا سمجھا ہے انھیں کو لیا ہے۔ بہرحال اس امر میں ہمیں ضرور اڈیٹر صاحب معیار سے اتفاق ہے کہ جناب تعشق خوش گویانِ لکھنؤ میں ممتاز کامل تھے۔ اور وہاں کے کسی اُستاد کے کلام میں پختگی و آورد کی کمی نہیں پائی جاتی چنانچہ ذیل کلام کا خاص حصہ ہے

وہ چھپ کے تھا سنتا جو میں کہہ رہا تھا　　خدا جانے ہنستا تھا یا رو رہا تھا

شبِ ہجر تھی اور میں رو رہا تھا　　کوئی جاگتا تھا کوئی سو رہا تھا

وہ سنتے ہی پاؤں آ گئی گر صبح محشر　　کہا آ گیا شبِ ہجر کا سو رہا تھا

یہاں دل وہاں تو [illegible]　　شبِ وصل آخر تھی میں رو رہا تھا

شہیدوں کے لاشے تھے بے غسلِ میت — مگر اپنے خنجر کو وہ دھو رہا تھا ؎
بدلتا تھا میں دردِ دل سے جو پہلو — زمانہ اُدھر کا اُدھر ہو رہا تھا ؎

میں باغ میں ہوں طالبِ دیدار کسی کا — گُل پر ہے نظر دھیان میں رخسار کسی کا
گھبراتے ہیں وہ مُنہ جب آجاتی ہے آندھی — دیتا ہے ہوا زخمِ دلِ زار کسی کا ؎
دیکھو آ کہ بیمار تمہارا تو نہیں ہے — رکھا ہے جنازہ سرِ بازار کسی کا
شبِ وصل تھی خواب اے صبحِ فرقت — ابھی میرے زانو پہ تھا سر کسی کا

اُنس ہے خانۂ صیاد سے گلشن کیسا — ناز پروردِ قفس ہوں میں نشیمن کیسا
اپنی آزردہ دلی بعدِ فنا کام آئی — ڈھیریاں گردِ کدورت کی ہیں مدفن کیسا
کہہ دیا بس کہ تری آہ میں تاثیر نہیں — یہ نہ دیکھا کہ یہ سینے میں ہے روزن کیسا
جل گئے صورتِ پروانہ تپِ عشق سے ہم — پھینک دے لاش اُٹھا کر کوئی مدفن کیسا

کچھ نہ کچھ گورِ غریباں پر بھی ساماں ہو گیا — چار تارے چرخ سے ٹوٹے چراغاں ہو گیا
کیا معاذاللہ مری وحشت نے پھیلائے ہیں پاؤں — راہ برسوں کی مرا چاکِ گریباں ہو گیا

دل ہے مُردہ خلد میں جا کے کیا ہو جائیگا — ہم جہاں ہونگے وہ گھر ماتم کدہ ہو جائیگا
ناز پرور ہے ذرا بھی دل سے بگڑینگے جو آپ — یہ بھی اپنی زندگانی سے خفا ہو جائیگا
جمع ہیں محفل میں سب مجھ سے خفا ہوتے ہو کیوں — بھڑکے چھوٹونگا اگر میں بھی تو کیا ہو جائیگا

عشق کی وہ شورشیں اور وہ ولولہ جاتا رہا — اک جوانی کیا گئی سب حوصلہ جاتا رہا
گاہ وحشت میں ہنساتا تھا رُلاتا تھا کبھی — دل نہیں جاتا رہا اِک مشغلہ جاتا رہا
اے جنوں بیڑی بنا ست تھے ہم اُنکو ہر برس — نیستی منت بڑھ گئی وہ سلسلہ جاتا رہا
جو ہے وہ مُردہ نظر آتا ہے اُسکے عشق میں — ہستی بلکہ عدم کا فاصلہ جاتا رہا

نہ چونکے حضور آپ سوتے تھے غافل — پکارا کیا رات بھر دل کسی کا ؎
جنازے کے ہمراہ آتا ہے قاتل — جھکائے ہوئے سر کو قاتل کسی کا

یوں تو حرفِ خطِ تقدیر نہیں مٹنے کا ؎ — آپ کے در پہ ارادہ ہے جبیں سائی کا
دل جو مر جانے ارا تو کرے کون آہیں — سو گیا جاگنے والا شبِ تنہائی کا

[illegible]

تھا کبھی وذرا سیرانِ قفس ہائے صیاد
تلاش یار کا تھا دھیان کل تک
ہوا ترکِ محبت پر نہ راضی ہو
کشاں کشاں مری لاشہ تو لے گئے احباب
کیا تصور ہے کہ ہوں ہر وقت ہم پہلوئے دوست
وائے حسرت کسطرح وہ قتل کرتے ہیں مجھے
ظلم اٹھاتا ہوں مگر شکوہ میں کر سکتا نہیں
خونِ ناحق کا عوض آخر ہوا کس حسن سے
قتل گہ میں اپنی اپنے کام میں تھے حسن و عشق
دل کے معاملہ میں نہ ہو دخل غیر کو
خبر کسی کو ضعیفوں کے قتل کی نہ ہوئی
ترے مریضِ محبت نے قبر کی آباد
ہاتھ اٹھا کر مرِ تو تمکو یہ دیتا ہے دعا
کل نہ ہم ہونگے مسیحا نہ یہ بیماریِ دل
بال بال آپکی زلفوں کی بنے گا جو زبان
غربت میں پسند آتی ہے واماندگی اپنی
پڑ گئی کیا نگہِ مست ترے ساقی کی
یا کہیں نشہ میں ڈوبی ہوئی آنکھیں کسکی
ہر طرف حشر میں جھنکار ہے زنجیروں کی
کبھی تو شہیدوں کی قبروں پہ آؤ
گریگا زمیں پر نہ خونِ شہیداں
جو ہے گھر کے اندر وہی گھر کے باہر
وہ کھڑے کہتے ہیں میری لاش پر

اب تو اک پھول کو محتاج ہیں گلشن کیا
ہمیں ہے اپنے دلکی جستجو آج
رہی تا دیر دل سے گفتگو آج
نکل کے رہ گئی قالب سے کوئی یا رہی روح
ہر گلِ داغ جگر سے آرہی ہے بوئے دوست
غیر چہرے سے ہٹاتے جاتی ہیں گیسوئے دوست
جسقدر دل سخت ہے اتنی ہی نازک ہے خوئے دوست
نام ہے تعویذ کے باندھے گئے ہیں بازوئے دوست
اسکی آنکھیں تیغ پر تھیں میری آنکھیں سوئے دوست
لینا جو ہو تو لیجئے اپنی نگاہ پر
ہم ایک قطرۂ خوں تھے زبانِ خنجر پر
عجب طرح کی اداسی ہے آج بستر پر
عمر بھر حسن رہے زیبِ کنارِ عارض
آج بس اور ہے تکلیف پرستاریِ دل
نہ گنے جائیں گے ایّام گرفتاریِ دل
ہم آپ چھو لیتے ہیں کانٹے کفِ پا میں
لڑکھڑاتے ہوئے میخوار چلے آتے ہیں
عشق سمجھے اے دلِ بیمار چلے آتے ہیں
اُن کی زلفوں کے گرفتار چلے آتے ہیں
یہ سب گھر تمھارے بسائے ہوئے ہیں
عبث آپ دامن اٹھائے ہوئے ہیں
وہ آنکھوں میں دلمیں سمائے ہوئے ہیں
ہم تو سنتے تھے کہ نیند آتی نہیں

لاش پر بھی آئے منہ ڈھانکے ہوئے
بدگمانی آپ کی جاتی نہیں

تلاش شبِ وصل میں پھر رہا ہوں
مرا آپ دیوانہ پن دیکھتے ہیں

دور سے دیکھ کے تم کو کوئی جی بھرتا ہے
کر رہی ہیں فقط ایام گذاری آنکھیں

لطف دیکھا نہ کسی چیز کا اشکوں کے سوا
آئیں تھیں رونے کو دنیا میں ہماری آنکھیں

کور ہو جاؤں اگر عشق میں رونے کو نہ روک
ناصحا دل سے زیادہ نہیں پیاری آنکھیں

سینکڑوں شیشۂ دل بادہ کشوں کے ٹوٹے
محتسب سے ہیں زیادہ وہ خماری آنکھیں

قدم اہل زمیں آنکھوں سے رو رو کر لگاتے ہیں
نکل آتا ہے پانی جس جگہ ٹھوکر لگاتی ہیں

نہیں تسکین ہوتی ایک جا پر کوئی جاناں میں
گدائے حسن موقع دیکھ کر بستر لگاتے ہیں

چھڑا لینے کی ہاتھوں پوچھتے پھرتے ہیں تدبیریں
کبھی یہ فکر تھی ہم کو کہ دل کیونکر لگاتے ہیں

جگر جل جل کے دیتے ہیں دعائیں شعلہ رویوں کو
رہیں ٹھنڈے دل ان کے آگ جو گھر گھر لگاتی ہیں

دوہرے پردے ہوں چھپاؤں تمہیں ایسا دل میں
دل یہ کلیجے میں سما جائے کلیجہ دل میں

شام کو تم جو لیا تھا کہ بتاتے ہیں وہ بال
رات بھر آج خیال آئے ہیں کیا کیا دل میں

کہہ دے قاتل کو نئی طرز جفا پیدا کروں
خود قضا کی جان جائے وہ ادا پیدا کروں

مجھ سے لاکھوں خاک کے پتلے بنا سکتا ہے تو
میں کہاں سے ایک تیرا سا خدا پیدا کروں

کہتے ہو زلف میں دل اُدھر گئیں نہیں
پس جب یہاں نہیں تو یہ جانو کہیں نہیں

آہو نہیں اور آنسوؤں میں ہے مقابلہ
اب آج آسمان نہیں یا یہ زمیں نہیں

بجلی گرائی آہ کی یا ذبح ہو گئے
صیاد آج سال نہیں یا ہمیں نہیں

چلا گھر سے وہ جوشن اللہ رے کشش دل کی
عجب قطرہ ہے جو کھینچے لئے جاتا ہے دریا کو

دل [illegible] کا ہے [illegible]
قتل [illegible] دیوانے لئے پھرتے ہیں [illegible] کو

[illegible] بنا جسم لاغر کو
[illegible] ہو [illegible] بستر کو

[illegible] گلے ملیں [illegible]
جو تم [illegible] کا لباس [illegible] ہو

[illegible] ہوا
[illegible] نفس بیماری کی آس [illegible]

[illegible] سوتا ہے
[illegible] ہے مرا دل [illegible]

عنبر پھر غنیمہ ہیں آخر ہیں پھر اپنے اپنے
یاد کرتا ہے ترے پاس مرا دل مجھکو

سرشت میں ہے نزاکت حیا ہے خو تیری
نکل سکی نہ کبھی پیراہن سے بو تیری

عدم سے دہر میں آنا کسے گوارا تھا
کشاں کشاں مجھے لائی ہے آرزو تیری

مرا پیام صبا میرے گل سے کہدینا
چلی گئی ہے مجھے بیہوش کر کے بو تیری

ہوا ہے چھوٹ کے تجھسے ولا یہ حال اپنا
جگر یہ ہاتھ ہے ہر سمت جستجو تیری

تمام رات رہا دل سے ذکر خیر ترا
گلہ کیا ہو تو شاہد ہے آرزو تیری

صبح کے پہچاننے والو میں رسوائی ہوئی
شب کی خبریں دے رہی ہے آنکھ شرمائی ہوئی

بڑھ گیا شاید اسیران قفس کا اختلاج
باغ میں باد صبا پھرتی ہے گھبرائی ہوئی

قبر میں تو کوئی دم آرام لینے دے مجھے
بس دل مضطر اڑی جاتی ہے نیند آئی ہوئی

کان میں شاید صدائے آہ مجنوں آگئی
نجد کو لیلی چلی جاتی ہے گھبرائی ہوئی

اٹھتے جاتے ہیں بزم عالم سے
آنے والے تمھاری محفل کے

داغ دل گھٹ رہے ہیں پیری میں
بجھ رہے ہیں چراغ محفل کے

دعوئے صبر ہو گیا باطل
دیر دیتے ہوش کھو دئے دل کے

نجد کے جانب سے لیلی جو ہوا آتی ہے
دل مجنوں کے دھڑکنے کی صدا آتی ہے

مر کے بدنام کیا نام محبت میں نے
منہ پہ کچھ ڈالدو کوئی کہ حیا آتی ہے

بھول جاتی ہے اپنے دل زخمی کی خبر
ٹوٹتا ہے کوئی ٹانکا تو صدا آتی ہے

آ رہے ہیں کون سے عاشق کے گلے ملنے کو
آپ سے آج مجھے بوئے وفا آتی ہے

وصل میں شام سے منہ ڈھانپ کے سوتا کیا
نیند بنکر تری آنکھوں میں حیا آتی ہے

کہتے ہو کیوں ہے عشق ترے منہ پر زردی
ہجر میں نیند کم اے ماہ لقا آتی ہے

چھوٹ جائیں ہم عذاب ہجر سے
ابتو ایسی کوئی صورت کیجئے

اسقدر نایاب دنیا میں محبت ہو گئی
چشمۂ آب بقا چشم مروت ہو گئی

ابتو یہ طول شب فرقت سے حالت ہو گئی
دل سے رو رو کر امید وصل رخصت ہو گئی

عمر بھر چھانی جو خاک اس در کی یہ حاصل ہوا
ایک تربت کی جگہ ہمکو عنایت ہو گئی

آنسو بھر آئے دیکھ کے بادل بھرے ہوئے
خالی ہوئے جو آنکھوں کے بادل بھرے ہوئے
چمکی جو جوش میں ترے وحشی کی برقِ آہ
کھینچو نہ میرے سینے سے اے قاتل ہمیاں
وحشت سرا سے دہر میں آیا نہ پھر کوئی
دلِ مجنوں میں کیا برائی تھی تو
رات بھر مطلق نہ آئی نیند ایسا جی لگا
موسم گل ہو گیا آتا وہ جانے کے لئے
بجھ رہے ہیں داغ دل تربت میں جانے کیلئے
ہوں وہ بلبل جب گرا صیاد میرا آشیاں
قدردانی آپ کی ہم ناتواں کیا روئیں گے
رنج غیروں کو ہوا ایسے ہوئے برباد ہم
حشر کو کہتے اٹھے خوابیدہ کان کوئے دوست
دیکھ لوں میں آخری دیدار آنکھیں کھول کر
دل جگر میں ہو گئے ناسور کیا جی خوش ہوا
باغباں کیا کیا مرے دیکھے ہیں جلوے باغ میں
تھا وہ پروانہ کہ روئی شمع محفل رات بھر
دستِ رنگیں سے گرا ہے دل مرا جیسے مثلِ گل
ہم بہل جاتے ذرا زندہ جو ہوتا آج قیس
یوں نہ آئے ایکدن لاشے پہ آج آئے حضور
زخم اسے جرأت ہے یہ اس شرمگیں کی تیغ کے
باغ میں پھولا نکو دو نہ آئی سواری آپ کی
بیوفائی آپ کی غفلت شعاری آپ کی

صحرا کے ساتھ زخم جگر کے ہرے ہوئے
گلزار و کوہ و شہر و بیاباں بھرے ہوئے
بیٹھے ہیں آشیانوں میں طائر ڈرے ہوئے
تم کیا کروگے تیر لہو میں بھرے ہوئے
ایسے گئے یہاں سے مسافر اڑے ہوئے
تجھکو لیلیٰ جو فکر محمل ہے بڑ
صبح تک باتیں سنیں ہمنے دل ناشاد کی
اور جگہ ڈھونڈا کئے ہم آشیانے کیلئے
روشنی کم ہو رہی ہے نیند آنے کے لئے
برق دوڑی ہاتھ پھیلا کر اٹھانے کے لئے
دل میں طاقت چاہئے آنسو بہانے کیلئے
قبر پر آئے بگولے خاک اڑانے کیلئے
کیا مزے کی نیند میں آئے جگانے کیلئے
آپ اترے ہیں قبر میں شانہ ہلانے کے لئے
اور دو آنکھیں ملیں آنسو بہانے کے لئے
برق جگنو بن گئی ہے آشیانے کے لئے
صبح کو آئی صبا لاشہ اٹھانے کے لئے
فصلِ گل دوڑی ہے آنکھوں سے اٹھانے کیلئے
دو گھڑی مل بیٹھتے رونے رلانے کے لئے
کچھ بہانہ ڈھونڈتے تھے آپ آنے کے لئے
آئینہ منہ پھیر کر ٹانکے لگانے کے لئے
کس قدر ممنون ہے بادِ بہاری آپ کی
ہم سے دل نے عادتیں سیکھی ہیں ساری آپ کی

ہے یقیں باہم گلے ملنے کو اٹھیں دست شوق
میکدہ و مینا ٹوٹے جاتے ہیں ہم لڑا کے جام
آج کس پر رحم آیا کس کو روتے ہیں حضور
جفا وہ کرتے ہیں اے دل وفا کئے جا تو
چراغ داغ میں دن سے جلائے بیٹھا ہوں
گیا شباب پھر اتنا رہا تعلق عشق
فراق یار میں پھرتے ہیں پوچھتے ہوئے ہم
نسیم کوچۂ جاناں میں جلد پہنچا دے
تمام رات وہ کہتے ہیں کروٹیں لے کر
یاد ایام کہ ہم رتبۂ رضواں ہم تھے
دھجیاں جیب کی ہاتھوں میں ہیں آج اے وحشت
جان لی گیسوؤں نے الفت رخ میں آخر
قفس تنگ میں گھٹ گھٹ کے نہ مرتے کیونکر
دل کے دینے میں تامل ہمیں ہوتا کیونکر
شعلۂ حسن سے تھا دود دل اپنا اول
دیتے پھرتے تھے حسینوں کی گلی میں آواز
طوق منت کے گلے میں تھے وہ دن یاد کرو
ڈوبتے جاتے تھے رہ رہ کے تعشق تارے
دور سے جو آج مدت بعد چار آنکھیں ہوئیں
جنکے افشاں بام پر آئے جو اے رشک ماہ
شب وصال وہ سر رکھ کے جبیں پہ سوگئے تھے
جھنجلا کے مجکو ذبح تو صیاد نے کیا
وہاں کٹتے نہیں پردے ہوا ہوں قفس میں جب سے

ہو اگر تصویر بھی یکجا ہماری آپ کی
مفسدہ پرواز ہے چشم خماری آپ کی
ہے نصیب دشمناں آواز بھاری آپ کی
نہ مضطرب ہو یونہی رسم و راہ ہوتی ہے
سنا ہے جو شب فرقت سیاہ ہوتی ہے
دل و جگر میں تپک گاہ گاہ ہوتی ہے
اثر جو رکھتی ہے کیسی وہ آہ ہوتی ہے
کہ مشت خاک ہماری تباہ ہوتی ہے
جگر کے پار تعشق کی آہ ہوتی ہے
باغبان چمن محفل جاناں ہم تھے
جامہ زیبوں سے کبھی دست و گریباں ہم تھے
کافروں نے ہمیں مارا کہ مسلماں ہم تھے
ناز پروردۂ آغوش گلستاں ہم تھے
یہ حسینوں کی امانت تھی نگہباں ہم تھے
آگ دنیا میں نہ آئی تھی کہ سوزاں ہم تھے
کبھی آئینہ فروش دل حیراں ہم تھے
میر اس عہد میں بھی چاک گریباں ہم تھے
مثل ابر آخر شب وصل میں گریاں ہم تھے
آبدیدہ ہو کے کچھ باہم اشارے ہو گئے
چاندنی میلی ہوئی بے نور تارے ہو گئے
تڑپ رہا ہوں وہ تکیہ گلے لگائے ہوئے
اب رو رہا ہے منہ کو قفس پر دہر ہوئے
یہی ضد ہے کہ گھر میں اٹھ کے خاک آئے نہ باہر کی

یہاں اترتا ہے داغ سے پھالا
جل رہے ہیں تمام جسم و بدن

تھر تھری جسم آشنا ہیں سے
کسقدر رنج سے دل ہے

تیرے در کی زمین کیا کہنا ہے
ہجر میں رونے کو بیٹھے تھے اب اٹھ سکتے نہیں
تنقا ہو جو تمہاری گلی میں دفن ہوئے
درد چھپتا نہیں انساں سے کہیں یا نہ کہے
ہے دفن ہونے کو لاشہ تمہارے گریاں کا
بھری ہیں نشے سے ایسی وہ نرگسی آنکھیں
ایسی دلدوز حسینوں کی پلک ہوتی ہے
برگِ گل میں کوئی کانٹا نہ چبھا ہو صیاد
دل سے منہ پھیرتی ہیں تاب و توانائی جو ہیں
یاد آتے ہیں جو گیسو تو چپک جاتے ہیں داغ
اے مسیحا تو نے جسدن سے توجہ چھوڑ دی
پونچھ کر دانتوں کی مستی ہنسکے فرمانے لگے
آخر ان جادو بھری آنکھوں نے میری جان لی
دل سوختہ تھے چاہنے والو نہیں تمہارے
ملتے ہی لبِ یار سے لب دل نکل آیا
نہ اُٹھے پھر کبھی راتوں کے بیدار اس طرح سوئے
نہ چھٹنے پائے پھاہا قبر میں بھی داغِ سوزاں سے
کسی دل کو غم و اندوہ سے فرصت نہیں دیتا
ہیں یہ سرشار قناعت رفتگاں آنکھیں ہیں مند
ہیں وہی ناز جو تھے عاشق رفتار کے ساتھ
مجھ سے کیا پوچھتے ہو داغ ہیں دل میں کتنے
جھک جائے تو ذرا تو گلے سے لگائیں ہم
ہم وحشت ... آمد بہار چلیں
نقش پا تو دید تربت سے کیجئے تو

یہ جگہ تو لحد کے قابل ہے
کیسے آنسو تھے کہ ساری دل کی طاقت لے گئے
ہزار بار سب آئے ہم ایک بار آئے
کب برے دہن زخم زباں لازم ہے
مگر زمین کی مٹی خراب ہوتی ہے
کہ جیسے جام میں ملو شراب ہوتی ہے
سانس لینے سے کلیجے میں کھٹک ہوتی ہے
ہم اسیروں کے کلیجے میں کھٹک ہوتی ہے
حسن کی نازکے جانبے کمک ہوتی ہے
شبِ یلدا میں ستاروں کی جھلک ہوتی ہے
تیرے بیماروں کو امید شفا جاتی رہی
سینے تارے نکل آئے گھٹا جاتی رہی
بات تیری اے لبِ معجز نما جاتی رہی
لیکن سببِ گرمیِ بازار ہمیں سے تھے
مارا جسے عیسیٰ نے وہ بیمار ہمیں سے تھے
مگر کروٹ بدلوانے کو آئی صبحِ محشر کی
کہ رنگت سانولی ہو جائیگی خورشیدِ محشر کی
قسم کھائی ہے گردوں نے زمینِ کوئے دلبر کی
دیکھئے جسکو وہ ایک دو گز کفن میں مر گئے
میرے تابوت کے ہمراہ سوار آتا ہے
تمکو ایامِ جدائی کا شمار آتا ہے
پیدا ہوئے ہیں ہاتھ ہمارے مزار سے
اٹھا گیا نہ ایک دن اپنے غبار سے
جاں نثاروں پر عنایت کیجئے

تعشق

تعشق - راجہ تعشق حسین خاں تعشق ساکن مانک پور ضلع الہ آباد شاگرد نواب احمد حسین خاں جوش - خوش فکر ہونے کے علاوہ زبان بھی صاف تھی - مذاق ستھرا اور کلام عیوب سے پاک ہے - سیدھا سیدھا صاف صاف خوب کہتے ہیں - دیوان مطبوعہ کا انتخاب درج ذیل ہے -

گرایا چاہ میں یوسف کو بھائیوں نے تو کیا
غلام ہو کے اُسے بادشاہ ہونا تھا

آیا نہ کبھی فاتحہ خوانی کو وہ گلرو
سبزہ نہ لحد کا ہوا پامال ہمارا

جب سے اس عالمِ فانی میں ہوئے ہم پیدا
کشورِ دل میں اُسی دن سے ہوا غم پیدا

مَے الفت سے رہتی ہے یہانتک بیخودی ساقی
نظر آتا نہیں کچھ فرق ہمکو دوست دشمن میں

نقدِ دل لوگ لئے پھرتے ہیں بازاروں میں
اک جہاں ہے مرے یوسف کے خریداروں میں

جس گھڑی نظروں سے وہ مستور آنکھیں ہو گئیں
عاشقِ ناشاد کی بے نور آنکھیں ہو گئیں

میں نے کہا اگر رخِ انور دکھائیے
بولا وہ شوخ طاقتِ دیدار بھی تو ہو

رازقِ ما رزق بے منت دہد
کوشش اے پائے ہوس بے سود ہے

تشنہ لب ہیں آپ سفّاک ہم
سیر کر آبِ دمِ شمشیر سے

بھولے سے بھی گر آپ ہمیں یاد کرینگے
قدموں پہ تصدق دلِ ناشاد کریں گے

جب سے نہیں ہے تو بُتِ بے پیر سامنے
رہتی ہے رات دن تری تصویر سامنے

تفتہ - سخنورِ ہمپایۂ طالب و کلیم - منشی ہرگوپال صاحب تفتہ الملقب بہ میرزا تفتہ حضرتِ غالب مرحوم کے عزیز ترین اور ارشد ترین شاگرد تھے۔ فارسی کلام آپکا اس پایہ کا ہوتا تھا کہ جسے سُنکر اہلِ زبان ستائش کرتے تھے۔ ہمیشہ فارسی کہتے رہے اردو کی طرف کبھی توجہ نہ ہوئی سنہ ۱۲۱۴ھ میں پیدا ہوئے اور زیادہ حصہ عمر کا اپنے وطن سکندرآباد نواحِ دہلی میں گذار دیا۔ ۹ مجلد کلام فارسی ہیں جسمیں ہزاروں غزلیں۔ ظہوری۔ نظیری صائب۔ حافظ۔ عرفی۔ خسرو۔ جامی کی ہم طرح زمینوں میں ہیں۔ ان سے یادگار ہیں۔

مرزا غالب کو اِن سے ولی اُنس ہی نہ تھا بلکہ اُنھیں اپنا سرمایہ نازش سمجھتے تھے اور ہمیشہ عزیز داری کا سا برتاؤ کرتے تھے۔ مرزا تفتہ کا لقب انھیں نے عنایت کیا تھا۔ اُردوے معلی میں اکثر خطوط اُنکے نام کے موجود ہیں۔ عالم ضعیفی میں مرزا کی وفات کے دس برس بعد انتقال کیا۔ اِن کے اُردو کلام میں صرف حضرت غالب کی تاریخ وفات دستیاب ہوئی ہے جسے ہم تبرکاً درج ذیل کرتے ہیں۔

غالب وہ شخص تھا ہمہ داں جسکے فیض سے	ہمسے ہزار ہیچمداں نامور ہوئے
تفتہ و کمال صدق و صفا اور حسن و عشق ۶	چھ لفظ اسکے مرتے ہی سب بے پا و سر ہوئے

تفتہ۔ قاضی محمد شمس الضحیٰ تفتہ۔ قاضی پوری حضرت داغ کے شاگرد ہیں۔ اب اخگر تخلص کرتے ہیں۔ زیادہ حالات معلوم نہ ہوئے۔ یہ چند شعر اُنکے ہیں۔

ہے درد ہمارے دلمیں یا دُکھ	صدقہ سب کچھ ہے آپ ہی کا
جادو آنکھوں کا کہہ رہا ہے	کیا چیز ہے سحر سامری کا
کچھ نہ سوجھا اُس بُتِ نازک ادا کو دیکھکر	رہ گئے رکتے ہیں ہم شانِ خدا کو دیکھکر
مجھ سا زمانے میں کوئی پامالِ غم نہیں	مجھ پر ہوا نہ ہو کوئی ایسا ستم نہیں
جینے کی کیوں دعائیں وہ کرتے ہیں نزع میں	اللہ میرے آپ سے مجھے تابِ ستم نہیں
مزہ مل گیا آپ کو اس میں کیا	کہ اب سے ہی میں تیغ جی سوجھتی ہے
نازک مزاج آپسا دیکھا نہیں کہیں	بیٹھے بٹھائے روٹھ گئے بات کیا ہوئی

تفتہ۔ مولوی بدر الدین خاں مفتی سابق مدار المہام ریاست بھوپال۔ آپ مفتی سلطان حسن صاحب سب جج مرحوم رئیس بانس بریلی کے خلف الرشید ہیں۔ تحصیل علمی کے بعد آپنے بھوپال میں ملازمت اختیار کی اور درجہ بدرجہ ترقی کر کے صدرالمہام کے جلیل القدر عہدہ پر ممتاز ہوئے۔ نواب شاہجہاں بیگم کے انتقال کے بعد آپنے ملازمت ترک کر دی اب اپنے وطن میں قیام پذیر ہیں۔ چند غزلیں نظر سے گذریں۔ اُن کا انتخاب

حاضر ہے۔

لذت ہے غم عشق کی بیداد و جفا میں
صحت ہے مری درد میں ہے درد شفا میں

اس کوچے سے کیا پاؤں اٹھانے کی ہو ہمت
دلبر ہیں مرے آبلہ چھالے کف پا میں

ان شوخ نگاہوں کا تو گھر ہے دل بیتاب
بیٹھے ہیں کہاں جا کے وہ آغوش حیا میں

الٰہی سوز پنہاں کو لگے آگ
جلایا دل کو آہوں کے شرر سے

لگے کیا خاک حوروں میں طبیعت
بشر کا دل بہلتا ہے بشر سے

نہ دیکھا آتے جاتے تیر کوئی
دل تفتہ ہوا زخمی کدھر سے

تفضل

تفضل ۔ سید تفضل حسین صاحب تفضل مقیم قصبہ برست ضلع پانی پت کرنال شاگرد مرزا صابر صاحب بہادر زیادہ حال معلوم نہیں کلام کا نمونہ ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے۔

ہوں اپنے شیشۂ دل میں اتاروں تصویر
تمہیں ذرا بھی تصور میں گرفتار رہے

خمیدگی کبھی لازم نہیں تواضع میں
کہ موج صورت سیماب بیقرار رہے

پڑا یہ صبر مرے اضطراب کا ان پر
کہ وہ بھی طبع کی شوخی سے بیقرار رہے

تفضل اپنی نظر مرہم جگر ہو جائے
گر اپنی آنکھ کی پتلی بشکل یار رہے

تفکر

تفکر ۔ منشی میاں خاں محرر منصفی باشندۂ سنبھل مرادآباد حضرت آغا شاغل دہلوی کہیں برادر داغ سے فن سخن میں استفادہ حاصل کیا

جو بلائیں تری اے زلف دوتا لیتی ہیں
ان کو سودا ہے کہ سر آپ بلا لیتے ہیں

دست نازک میں وہ کیوں تیغ جفا لیتی ہیں
ہم تو خود مول جو بکتی ہو قضا لیتے ہیں

اور کیا ہم سے ہو مہمان کی خاطر داری
تیر آتا ہے تو پہلو میں بٹھا لیتے ہیں

کچھ مروت بھی ہے عادت سے بھی کچھ ہیں مجبور
وعدہ بھی کرتے ہیں مہندی بھی لگا لیتی ہیں

لاکھ بن بن کے دکھائے یہ عروس دنیا
کب یہ مفت بھی مردان خدا لیتے ہیں

تقی

تقی ۔ منشی محمد تقی خاں لکھنوی ۔ خلف بہادر خاں آپ کو خواجہ وزیر سے تلمذ تھا اور

تفکر

قبل از غدر کانپور میں سکونت پذیر تھے کلام بہم رسیدہ کا انتخاب درج ذیل ہے۔

مست دلِ پرخوں مری آنکھوں سے بہیں گے
اب پتلیاں دیکھیں گی تماشہ مرے دل کا

خون رونے سے سب رازِ نہاں ہو گیا ظاہر
فاش آنکھوں نے آخر کیا پردہ مرے دل کا

فریاد کروں آہ تقی کس سے میں جا کر
پُر درد پر افسوس ہے قصہ مرے دل کا

شیشہ ٹوٹا تو برابر ہی مرا دل ٹوٹا
ٹھیس ساغر کو لگی درد ہوا آنکھو نمیں

ندکھا روزِ سیہ مجکو خدارا اے حور
مان کہنا مرا سرمہ نہ لگا آنکھو نمیں

تقی

تقی۔ ابو الکلام مولوی محمد تقی صاحب تقی۔ شعلہ مرحوم کے شاگرد، حیدرآباد کے رہنے والے اور کتب خانۂ آصفیہ کے مہتمم ہیں۔

جھلکی دکھائی سامنے آئے سرک گئے
عاشق کو ہر طرح سے وہ ترسائے جاتے ہیں

وعدہ تو روز ہوتا ہے آتے نہیں کبھی
عاشق کو انتظار میں تڑپائے جاتے ہیں

آپ کے کہنے سے آجاتا ہے مجکو تو یقیں
بات لیکن آپ کی سچی کوئی ہوتی نہیں

غم مری قسمت کا ہے اغیار کو کیونکر ملے
ان کو غم ہوتا نہیں مجکو خوشی ہوتی نہیں

واعظا تیری نصیحت کا ہوا کچھ بھی اثر
بات کوئی کبھی رندوں نے تری مانی ہے

تقی

تقی۔ نواب سبنے صاحب لکھنوی۔ آجکل کے شعرا میں ہیں۔ جو چند شعر نظر سے گذرے ان سے پایا جاتا ہے کہ آپ کا مذاق پاکیزہ ہے اور مضمون نکالنے کی طرف توجہ زیادہ ہے۔ جناب نشتر سے تلمذ ہے اور رسالہ معیار کی کمیٹی کے ممبر ہیں آپکے کلام کا انتخاب حاضر کیا جاتا ہے ملاحظہ ہو۔

خوں بہاتا ہے جو وعدے کسی دلگیر کا
وہ اُٹھے ہیں آج قبضہ چوم کر شمشیر کا

مشق نظارہ نے اتنا جذب تو پیدا کیا
صفحۂ دل پر ہے نقشہ آپ کی تصویر کا

دیکھنے والوں کی نظروں کو کیا ہے مضطرب
رنگ اتنا شوخ ہے ظالم تری تصویر کا

شام ہونا غمِ فرقت میں سحر ہو جانا
یوں مری عمرِ دو روزہ کا بسر ہو جانا

روح کر دیتا ہے تحلیل یہ وہ صدمہ ہے	دلِ ناشاد کا ناکام اثر ہو جانا
آج بیمارِ محبت کی بُری حالت ہے	ہو مناسب تو کسی وقت اِدھر ہو جانا
تیرا آنا ہے مرے واسطے اُمیدِ حیات	تیرا جانا مرے مرنے کی خبر ہو جانا
ناتوانی شبِ فرقت میں بڑھی ہے اتنی	میری کروٹ کا بدلنا ہے سحر ہو جانا
آنے والی ہے قیامت یہ خبر دیتا ہے	آپ کا گورِ غریباں سے گذر ہو جانا

تکلف

تکلف ۔ مرزا اکبر علی بیگ شاگرد مولوی سید محمد جعفر صاحب آسان کانپوری کانپور کے ضلع میں کسی تھانہ میں محکمہ پولیس میں محرر تھے۔ اور اس طرح سخن طرازی کرتے ہیں۔

کس جا پہ ترا ڈھونڈنے والا نہیں جاتا	کعبے نہیں جاتا کہ کلیسا نہیں جاتا
گانے سے اُسکے آتشِ الفت بھڑک اُٹھی	جل جل گئے ہیں شعلۂ حسنِ صدا سے ہم
خفا ہو جو کیا میں نے ظلم کا شکوہ	چلو وہ یونہی سہی تم کو جفا نہیں آتی
کیا جو بوسہ طلب اُس نے سر جھکا کے کہا	تمہیں یہ کہتے ہوئے کچھ حیا نہیں آتی

تلسی

تلسی ۔ بابا تلسی داس گسائیں سرجو پاری برہمن تھے۔ اُن کی ماں کا نام ہُلسی اور باپ کا نام آتما رام تھا۔ اُن کے والدین نے روزِ پیدایش ہی سے اِن کو علیحدہ چھوڑ دیا تھا بعض مورخوں کا قول ہے انکی پیدایش سمت ۱۵۸۳ میں ہوئی بعض کا خیال ہے کہ سمت ۱۵۸۹ بکرمی کا جنم ہے ان کی تعلیم و تربیت و تحصیل علم کی بابتہ بھی اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں ان کے گرو نرسنگھ داس تھے بعض کا بیان ہے جگناتھ داس سے انھوں نے تعلیم حاصل کی تھی۔ اول انکی شادی دین بندھو پاٹھک کی لڑکی رتناولی سے ہوئی تھی جس کے بطن سے تارک نام ایک لڑکا بھی پیدا ہوا تھا جو بچپن ہی میں فوت ہو گیا۔

مشہور روایت ہے کہ تلسی داس جی جوانی کی عمر میں نہایت اوباش اور بدچلن تھے

چنانچہ ایک عورت راما نامی سے آشنائی تھی جو سرجو پار رہتی تھی۔ تلسی داس کا دستور تھا کہ ہر روز رات کو اپنی معشوقہ کے گھر جایا کرتے تھے۔ ایکدفعہ دریا بہت چڑھا ہوا تھا اور کشتی بھی موجود نہ تھی اتفاقاً ایک مردہ لاش بہی ہوئی جارہی تھی۔ تلسی داس نشۂ عشق میں سرشار تھے بیتابانہ اسی پر بیٹھ گئے اور دریا سے پار ہو گئے جب اپنی آشنا کے مکان پر پہنچے تو دروازہ بند تھا اور ایک سانپ لٹک رہا تھا تلسی داس نے خیال کیا کہ رسہ ہے اسکو پکڑ کر بالاخانہ پر چڑھ گئے اور اس عورت سے ملاقات کی۔ معشوقۂ طناز نے دریافت کیا کہ تلسی آج تم کیونکر یہاں آئے۔ تلسی داس بولے کہ تم نے جو کمند میرے لئے لٹکا رکھی تھی اُسکو پکڑ کر آگیا جب اس عورت نے جاکر دیکھا تو معلوم ہوا کہ سانپ تھا۔ چنانچہ تلسی داس کی سچی محبت کو دیکھکر اس عورت نے ذیل کا دوہا پڑھا۔

دوہا

دھکٹ دھکٹ تو ہے پران پیارے
ایسو من جو لاگت رامئی
چام۔ ہاڑ۔ ای۔ نرس۔ ہمارے
تو سدھرت تیرے سب کا مئی

یہ سُنکر تلسی داس مہاراج کے دلمیں گیان کی چوٹ لگی اور اس روز سے عشق حقیقی کی طرف رجوع ہوئے ہر چند اِن کی آشنا نے ٹالنا چاہا مگر آپ یہ کہکر چلے آئے۔

دوہا

تلسی داس کہے مان گلانی
ہوئے ترت موکھ کی نائیں
ہے ست سبے ست پتیہ سب بانی
گئے کاش بیچ بھون گشائیں
کہیں ایک رگھناتھ سنگ باندھ جٹا سر کیس
ہم تو چاکھا پریم رس پتنی کے اپدیش

جب سے تلسی داس زاہد و خدا پرست لوگوں کی صحبت میں رہا کرتے تھے اور اکثر آزادانہ پھرا کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ چترکوٹ میں تلسی داس نے ہنومان جی مہاراج سے ملاقات کی اور انھوں نے ان کو شاعری کی قدرت عطا کی سمت ۱۶۳۱ بکرمی میں آپ نے رامائن کی تصنیف

شروع کی جو مہاراجہ رامچندر جی کے تاریخی واقعات کی مستند کتاب ہونے کے علاوہ اپنی شیریں زبانی اور موزونی میں ایک خاص ماہیت اور دلکشی رکھتی ہے۔ علمی۔ اخلاقی سوحدایہ مضامین مصرعہ مصرعہ میں کوٹ کوٹ کر بھرے ہیں۔ انکا لطف کچھ وہی زباندان جانتی رہیں جو بھاشا کی چاٹ سے آشنا ہیں۔ الغرض تلسی داس اپنے زمانہ کے متقی پرہیزگار خداشناس۔ نیک مرد۔ صاحب کشف و کرامات گذرے ہیں۔ جہانگیر کے زمانے میں جس وقت وبائے طاعون پھیلی تھی اگرہ میں کسی عورت کا خاوند مر گیا۔ چنانچہ وہ اس وقت کے دستور کے موافق ستی ہونے کے لئے جاتی تھی۔ اتفاقاً راستہ میں مہاراج تلسی داس مل گئے اس عورت نے ان کو دیکھکر ڈنڈوت کی مہاراج تلسی داس نے دعا دی کہ تیرا سہاگ بنا رہے۔ اس پر اس عورت نے رو کر کہا کہ مہاراج یہ کیونکر ہو سکتا ہے میرا خاوند تو فوت ہو گیا۔ اور میں ستی ہونے کو جاتی ہوں یہ سنکر مہاراج تلسی داس اسکے ہمراہ گئے اور اسکے خاوند کو دوبارہ زندہ کر دیا۔ جب اس واقعہ کی شہرت ہوئی تو بادشاہ وقت نے ان کے مذہبی عقائد سے ناراض ہو کر قید کر دیا۔ کہتے ہیں کہ ہزاروں بندر قید خانہ توڑنے کو آموجود ہوئے اور بادشاہ نے متعجب ہو کر ان کو رہا کر دیا اور مزید عنایت کا اقرار کیا۔

ان کی سکونت کی بابت بھی مورخوں نے مختلف خیال ظاہر کئے ہیں۔ لیکن ان کا خاص وطن راجاپور ضلع باندا تھا۔ جو خود ان کے ہی دوہے سے ثابت ہے۔

دوہا

	راجاپور جمنا کے تیرہ		تلسی جہاں سے من ہیرہ	

تلسی داس کا زمانہ اکبر و جہانگیر کے عہد حکومت میں تھا چنانچہ آپ کی اکبر کے وزیر خانخاناں سے بہت دوستی تھی اور خانخاناں بھی ان کی بہت قدر و منزلت کرتا تھا۔ چنانچہ ایکدفعہ ایک برہمن جسکی لڑکی کنواری تھی اور شادی کے اخراجات کی استطاعت نرکھتا تھا۔ مہاراجہ

تلسی داس سے سفارش کا خواہاں ہوا چنانچہ آپ نے دوہے کا ایک مصرعہ لکھکر اُسے وزیر موصوف کی خدمت میں بھیجدیا۔ مصرعہ یہ تھا ع

سُر تیہ نر تیہ ناگ یہ سب چاہت اس ہوے

خانخاناں نے اس غریب برہمن کی امداد کی اور دوسری مصرعہ حسب ذیل لکھدیا جس سے خانخاناں کی طبیعت کا مذاق ظاہر ہوتا ہے۔

گود لئے ہلسی[۵] پھرین تلسی سون سُت ہوے

مہاراج تلسی داس کو رامچندر جی مہاراج کا عشق تھا اور ہمیشہ اِن کی ہی پوجا سیوا کیا کرتے تھے دوسرے دیوتاؤں کے سامنے سجدہ کرنا کفر خیال کرتے تھے چنانچہ جب آپ متھرا جی گئے تو ہر طرف رادھا کرشن رادھا کرشن لوگوں کو رٹتے سُنا تو آپ نے بیساختہ فرمایا۔

دوہا

رادھے رادھے رٹت ہیں آک ڈھاک اور کیر	تلسی یا برج بھوم میں کہا رام سے بیر

برج کے لوگوں نے کہا مہاراج آپ کیسے مہاتما ہیں کہ بہاری جی کے درشن تک نہیں کرتے یہ بھی تو پرماتما کا اوتار ہیں۔ چنانچہ جب آپ بندرابن گئے تو فی البدیہ یہ دوہا کہا۔

دوہا

کیا کہوں چھب آپ کی بھلے بنے ہو ناتھ	تلسی مستک جب نوا لے دھرو دھنش شر ہاتھ

کہتے ہیں سری کرشن جی مہاراج نے اِنکے تصور کے مطابق اِن کو رامچندر جی کے روپ میں درشن دیئے جیسا اِس دوہے سے ثابت ہوتا ہے۔

دوہا

مُرلی مُکٹ دورا کے دھرو دھنش شر ہاتھ	تلسی لکھ رچ واش کی کرشن بھئے رگھناتھ

آپ کی وفات سمت ۱۶۸۰ بکرمی میں واقعہ ہوئی۔ تاریخ وفات کسی بھاشا کے شاعر نے اسطرح کہی ہے۔

۵؎ مہاراج تلسی، ۱۰، ۳ ر، ۴، ۹، لکھا ہوتا۔

سمت سولہ سو اسی (سمت ۱۶۸۰) اسی برن کے تیر	ساون سکلا ستمی تلسی تجے سریر

تلسی داس اکثر متھرا بندرابن۔ کورکشیتر۔ پریاگ۔ چترکوٹ جگناتھ کی جاترا میں مصروف رہتے تھے۔ بندرابن میں سبناجی سے جو اس وقت میں سنسکرت زبان کے فاضل تھے ملاقات کی۔ ان کی تصنیفات رامائن کے علاوہ ونے پترکا اور گیتابلی ہے۔ آپ کے اکثر دوہے اور چوپائیاں زباں زد خلائق ہیں جن میں مضمون کی بلندی۔ تشبیہات و استعارہ کی خوبی کے علاوہ بے ساختہ پن بھی پایا جاتا ہے۔ آپ کے اشعار تصوف و پند و نصائح سے مملو ہیں شعرائے ہند میں اکثر ان کو فردوسی اور میر تقی کے برابر بلکہ ان سے بھی افضل سمجھا جاتا ہے کلام کا انتخاب درج ذیل ہے۔

دوہے

تلسی اس سنسار میں بہتے سبھی بلائے — ملا سنگھو بارے نہیں انل مارے گائے
تلسی میٹھے بچن سے سکھ اپجت چہوں اور — بسی کرن یہ منتر ہے تجئے بچن کٹھور
کاگا کا سا لیت ہے کوئل کا کو دیت — میٹھا بچن سنائے کے جگ اپنا کر لیت
تلسی اس سنسار میں وہی سبھو سمرتھ — اک کنچن دو کچن پر جو نہ پسارے ہتھ
تلسی سیدھی چال سے پیادہ ہوئے وزیر — فرضی شاہ نہ ہو سکے گت ٹیڑھی تاثیر
تلسی آہ غریب کی کبھی نہ خالی جائے — مرے چام کے سانس سے لوہا بھسم ہو جائے
کرم کنڈل کر گئے تلسی جہاں جہاں جائے — سرتیا ساگر کوپ جل بوند ہ اوک سمائے
دو دو کوس ہزار پہ لے لکشمی پاس — بے کرپا رگھناتھ کے ملے نہ تلسی داس
تلسی اپنے رام کو ریجھ بھجو کہ کھیج — کھیت پڑے سے جم جائیگا الٹا سیدھا بیج
پریت سکھ لو پکھ سے جو ہے رسکی کان — جہاں گانٹھ تاں رس نہیں یہی پریت کی بان
تا سات سورگ اپ برگ سکھ دھریہ تلا اک انگ — تلے تا ہے سکل مل جو سکھ لو ست سنگ
ایک گھڑی آدھی گھڑی اور آدھی کی آدھ — تلسی سنگت سادھ کی ہرے کوٹ اپرادھ

دیکھو پیت کی ریت بھل جل پہ سرس بکاٹے
سیوک کر پد نین سے سکھ سوں صاحب ہو

کام کرودھ لوبھ اُودھ مدھ پربل موہ کی دھار
سپچو ویہ - گرو جو پر یہ بولیں بسے آس

تلسی ریکھا کرم کی میٹ سکت نہیں رام
جو منیا میں لکھے بیٹھی سنکر کھائے

ایک بھروسے رام سے گئے پاپ بھر پوٹ
اوست سہے ہر کی نہیں بن نہیں سینہ

ہرک آسے اَور کرے چلبت تو ائی سیں
مایا سے مایا ملے کہے کے سبلیے ات

تلسی اپنے رام کو کیوں نہ بھجے نیشنکھ
کپٹ کھٹائی پریت سے بکٹ ہو آس جائے

تلسی پریت کی ریت لکھ سو کوئی سرائیں سوئے
تن من ائی وارن دکھ دایا روپی نار

راج دھرم تو یتن کر ہو ابیگ ہی ناس
سیئے تو اچھے ہنس پر سمجھ کرے ہنس کام

چو بگری ہیں ہیں کرے سہج ہی ماری جائے
جیسے نارکنار کو [illegible] اپنے کی اوسٹ

تلسی تھال نہ جائیے کنچن برسے مینہ
تلسی لیے متر نسے مٹے لبوسے بیں

تلسی داس غریب کی کوئی نہ پوچھے بات
اودھ اشت میں ایک ہے جیسے لوکا آنکھ

اس دوہے میں نازک خیالی - بلند پروازی کا پورا ثبوت دیا ہے خدا کی ذات کو کثرت سے وحدت میں دکھاتے ہیں - یعنی جس طرح نو کے عدد کو چاہے جس قدر پھیلا کر جمع کیا جائے تو نو ہی نو رہتے ہیں - اسی طرح قادر مطلق کی ذات باوجود ہزار رنگ میں ہے جلوہ گر ہو کر بھی ایک ہی ہے -

چوپائی

اُماشنت کی بھی بڑائی شیام گور کم کرن دیکھائی	سُند کرست جو کریں بھلائی گرا انین نین بن بانی

فرماتے ہیں رامچندر جی کے سروپ کو ہم کیونکر بیان کر سکتے ہیں جن آنکھوں سے دیکھا ہے اُنکے زباں نہیں ہے - اور زبان کے آنکھیں نہیں ہیں جو دیکھ کر بیان کر سکیں -

لوہدا لگھا سہس گریے تو	کہل [illegible] سوت [illegible] جیسے

تمکیں

تمکین - میاں صلاح الدین دہلوی - شاہ حاتم کے ہمعصر اور شعرائے قدیم میں سے تھے طبیعت تعلقات دنیوی سے آزاد تھی اور فقیرانہ وضع رکھتے تھے ایک قلمی تذکرے سے انکا کلام منتخب ہوکر درج ذیل ہے -

عشق اور حسن کو جس روز کہ پیدا کیا
مجھ کو دیوانہ کیا تجھ کو پریزاد کیا

نامہ کا میرے لیک اس سے جواب پھرنا
پر واسطے خدا کے قاصد شتاب پھرنا

کہے کیا درد دل بلبل گلوں سے
اڑا دیتے ہیں اسکی بات ہنس کر

تمکیں

تمکین - میر ہدایت علی متوطن قصبہ کندرکی مضافات مراد آباد تھے نہایت ذہین اور طباع اور علوم و فنون عربی و فارسی میں دستگاہ کامل رکھتے تھے خوشنویسی میں بھی ید طولے حاصل تھا چنانچہ اکثر خطوط متداولہ نہایت عمدگی سے لکھتے تھے - تمام عمر درس و تدریس میں بسر کی - فارسی شعر اکثر اور ریختہ بہت کم کہتے تھے - متقی پرہیزگار و ادیب کامل تھے - قدرت اللہ شوق کے تذکرہ کی ترتیب کے وقت یعنی بارہویں صدی کے آخر تک زندہ تھے - چند شعر انہیں کے تذکرے سے انتخاب کرکے درج کئے جاتے ہیں جن سے تلاش الفاظ و مضامین اور رنگین بیانی کا پتہ چلتا ہے - ملاحظہ ہوں -

وہ مہ جبین یوسف کنعاں ہے دوسرا
اسکے مقابلہ کوئی انساں ہے دوسرا؟

پھر شورش جنوں سے بھلا چاک کیا کروں
داماں ہے دوسرا نہ گریباں ہے دوسرا

مشہد ہے دوسرا کربلا کوچۂ صنم
تڑپی ہے ایک واں پہ تو بیجاں ہے دوسرا

ہر چند شب کے رہنے کی ہے گھر جگہ ولے
تمکیں کو کوئے یار شبستاں ہے دوسرا

اس عرصۂ جہاں میں ترے عشق کے میاں
خنداں اگر ہے ایک تو گریاں ہے دوسرا

دل حزیں مرا مثل غنچۂ شگفتہ ہو چکا ایکدم میں
گر اسکے کوچے میں کاش لیجائے اے صبا تو غبار میرا

لیا نہیں گر اس پری نے پیا تو تمکیں کدھر گیا ہے
وہ صبر میرا شکیب میرا قرار اور اختیار میرا

اب نہ وہ بلبل ہے نہ گلزار کیا تھا کیا ہوا
کچھ نہیں آتا نظر جز خار کیا تھا کیا ہوا

کیا کہوں شب ہمنشیں جاتا رہا سامانِ عیش
گردشِ افلاک سے اکبار کیا مفت کیا ہوا

نہ وہ ساقی ہی نہ مینا ہے نہ ساغر ہے نہ مُل
مے نے بغل میں یار گل رخسار کیا تھا کیا ہوا

پیش ازیں رکھتے تھے تمکین ہم اُسے آغوش میں
اب میسر بھی نہیں دیدار کیا تھا کیا ہوا

بیداد و جفا و ستم و جور و عداوت
کیجے گا کہاں تلک بھلا دیکھیں تو ہم اچھا

کیا ہے سبب جو اُسکے ہے کوچہ کی لال خاک
کی اُسنے عاشقوں کی مگر پائمال خاک

میں وہ شہید تیغ نگہ ہوں کہ ہے میاں
مجھ مشت استخواں کی ہے رنگِ گلال خاک

ہووے رسائی اس لبِ نازک تلک مجھے
لیجاوے لے خدا کوئی میری کلال خاک

آج تو کچھ سلام بھی لیتے نہیں ہو خیر ہے
جاتے ہو اسطرح چلے جیسے کہ آشنا نہیں

چین جبیں ہو آج آپ اُٹھ کھڑے ایسے جلد کیوں
واسطہ وجہ کیا سبب سینے تو کچھ کہا نہیں

لوگے کیا اب تو نہ دل ہے نہ جگر رکھتے ہیں
قصد اُسنے کا تو اب بارِ دگر رکھتے ہیں

افعی ہے شب ہے مشک ہے یا تو کیا ہے یہ
زلفِ سیہ ہے یا کوئی کالی بلا ہے یہ

مصحف ہے گل ہے صبح ہے یا ہے یہ رُو ترا
شمس الضحیٰ ہے یا کہیں بدر دجیٰ ہے یہ

تمکیں غزل کا کہنا ترا ایسی طرز سے
ظاہر ہے یہ کہ خوبیِ ذہنِ رسا ہے یہ

دین و دل و شکیب گئے اک نگاہ میں
ہے ہم سے سلوک واہ یہ کیا یار کر چلے

جب سے صورت تری آنکھوں میں مری پھرتی ہے
سارے عالم سے مجھے بیخبری رہتی ہے

دور میں تیرے زبس خون کا بازار ہے گرم
اک نہ اک نقش ترے گھر میں بھری رہتی ہے

کسطرح بھولے نہ تمکین بھلا دنیا و دین
اسکو ہر وقت میاں یاد تری رہتی ہے

جو تاب عارض سے تیرے شرماکے قرص مہر اب سحاب میں ہے
قیاس کرنا اسی کے اوپر کہ ماہ پیکر کس حساب میں ہے

زباں سے بولا ہوں تو قسم لو نہ آنکھ اُٹھا کر میں اس کو دیکھا
نہیں یہ معلوم کیا سبب ہے جو آپ ہی آپ ہی عتاب میں ہے

نقاب اُٹھاؤ نہ رو دکھاؤ نہ حال پوچھو نہ پاس آؤ
تمھارے ہاتوں سے اندنوں تو بچارا تمکیں عذاب میں ہے

غیر سے یہ اختلاط اور ہم سے خالی پیار واہ
بس ہوئی معلوم ہمکو قدر دانی آپکی

تمکین

تمکین ۔ میر سعادت علی تمکین ۔ انکا اصلی وطن پٹنہ تھا مگر یہ خود غدر سے کئی سال پیشتر دہلی آ رہے تھے اس وقت آپ کی عمر پچاس برس سے اوپر تھی طبیعت میں ظرافت اور کلام میں شوخی پائی جاتی ہے۔ زبان بھی صاف ہے یہ انکا کلام ہے۔

درد و غم رنج و اضطراب و قلق
حال کیجے بیان تو کس کس کا

کان دکھ کر بات غیر کی سنا کرتے ہو تم
کاش کہ ہم بھی نہوتے تمسے صورت آشنا

گر نشہ ہے یہی نگہ میں تری
مے کی پینے کی احتیاج نہیں

نام تمکیں ہوا تو کیا ہمدم
راتدن بیقرار رہتا ہوں

مہر و الفت کا ثمر ہے مہر و الفت دہر میں
پر محبت سے مری تم اور دشمن ہو گئے

تمکین

پنڈت بخت مل خلف الصدق پنڈت لچھمی رام صاحب فدا ۔ دہلی کے رہنے والے تھے جو کچھ کہتے تھے اپنے والد بزرگوار کو دکھا لیتے تھے ۱۸۴۸ء میں زندہ تھے یہ چند اشعار انکے ہیں۔

مشتاق قدم بوسی ہے ہر خار بیاباں
لائی ہے ولا یہ تری شوریدہ سری رنگ

نہو سخت جگر گر سد راہ اشک آنکھ نہیں
تو ڈوبیں طائران سدرہ تا منقار پانی میں

ہے جب سے کافر وہ کٹیلی نظر آئیں آنکھیں
ہم نے ہرگز نہ کسی بت سے لڑائیں آنکھیں

تمکین

تمکین ۔ محمد یوسف تمکین دہلوی ۔ دہلی کے سرکاری مدرسہ میں تعلیم پائی تھی صاحب طبع مستقیم و ذہن سلیم شوخ مزاج ظریف تھے ۱۲۶۳ھ میں مدرسہ کی تحصیل سے فارغ ہو کر سند تکمیل فارسی و خوش اطواری حاصل کی ۔ مذاق سخن اچھا تھا ۔ انتخاباً چند شعر درج ذیل ہیں۔

تھا وہم لبو پہ اور کبھی لب پہ آہ تھی
فرقت کی رات کیا مری حالت تباہ تھی

دوزخ بھی جس سے مانگتا ہر دم پناہ تھا
ہوتے ہی شام دام الم میں میں پھنس گیا
خانہ خراب ہو جو ترا عشق بے حیا
تو نے جو میرے دلکو صنم خانہ کر دیا
محشر میں کیونکہ جلوۂ دیدار دیکھتا
تمکین کو ایک نگاہ میں دیوانہ کرلیا

قطعہ

کس دل جلے کی بارِ خدایا یہ آہ تھی
تھی شام یا خدا کہ وہ زلفِ سیاہ تھی
آئین کونسا تھا یہ کیا رسم و راہ تھی
رہتا خدا تھا جس میں یہ وہ بارگاہ تھی
آنکھوں کے سامنے تری زلفِ سیاہ تھی
جادو فریب آہ یہ کس کی نگاہ تھی

تمکیں

تمکین۔ مولوی غلام بتول خاں صدر امین ضلع بیربھوم خلف مولوی غلام رسول خاں بہادر متخلص بہ تحسین صدر الصدور ڈھاکہ۔ ضلع میدنی پور کے رہنے والے بڑے ظریف شخص تھے۔ پیشتر ریختی کہتے تھے۔ مولانا ناسخ صاحب سخن شعرا کے دوستوں میں تھے۔ اور خاصہ کہہ لیتے تھے۔ سنہ ۱۲۸۸ھ میں انتقال کیا۔ یہ اشعار اُن کے ہیں۔

لن ترانی کے سوا اسکی زباں پر کچھ نہیں
کوے جاناں کم نہیں کعبے سے عاشق کیلئے
لاف کرتی ہے اب اُس چشم سے بیجا نرگس
مہرباں ہم پہ بھی ہے اور جفا کار بھی ہے

اس ستمگر نے سُنا ہے جب سے قصہ طور کا
دیدِ حق سے کم نہیں دیدِ رخِ نیکو سے دوست
کہئے اُن آنکھوں کے آگے ہے بھلا کیا نرگس
لطف اور پیار بھی ہے قصہ و تکرار بھی ہے

تمکین

تمکین۔ محمد حسن نام تمکین تخلص ولد حکیم مولوی عظیم اللہ صاحب رئیس۔ مولد و مسکن قصبہ بچھراؤں ضلع مراد آباد۔ بڑے خوش مزاج اور لطیفہ سنج آدمی ہیں عمر ۴۰ سال سے کم ہے۔ مولوی نجم الدین صاحب برق مراد آبادی سے تلمذ ہے۔ ایک زمانے میں ان کو شاعری کا بہت شوق تھا ہر وقت شعر و سخن کے جلسے رہتے تھے۔ اب صدمات و علایق دنیوی کے سبب سے اس طرف توجہ کم ہو گئی ہے۔ اور شعر کہنا بھی چھوڑ دیا ہے۔ دو تین سال ہوئے ریاست رام پور میں ملازم تھے۔ مگر نوکری چھوڑ کر وطن چلے آئے اور زمینداری کا شغل رکھتے ہیں۔ آپ کے کلام میں سے چند اشعار بطور نمونہ پیشکش ہیں۔

تمھارا ذکر کیا تھا تم جو بگڑے / کہیں کی بات تھی قصہ کہیں کا

دوستی میں تری دشمن ہے زمانہ اپنا / آفتِ جان ہوا دل کا لگانا اپنا

اپنی قسمت سے بدلاؤں میں قسمت کس کی / چھین کر دوں دلِ مضطر تجھے راحت کس کی

آپ بھی جلتے ہیں اور جان بھی جاتی ہے ابھی / سخت مشکل میں ہوں پہلے کروں رخصت کس کی

یہی اندازِ ستم اس نے نیا رکھا ہے / غیر کو میرے جلانے کو بٹھا رکھا ہے

تمکین

تمکین ۔ منشی فضل حق تمکین دہلوی باشندۂ چتلی قبر دہلی۔ کاپی نویسی کرتے تھے اور ۱۸۷۴ء میں حیات تھے زیادہ حال معلوم نہ ہو سکا۔ یہ آپ کا کلام ہے۔

بامِ پر شب جلوہ گر وہ غیرتِ مہتاب تھا / دیکھ کر اسکو قمر مثلِ کتاں بیتاب تھا

جب تصور میں ترے رویا میں آیا وقت لب / اشک جو آنکھوں سے ٹپکا گوہرِ نایاب تھا

ہستی ہے اپنی تو تیرا وصل سے دریائے حسن / دل تڑپتا ہجر میں جوں ماہیِ بے آب تھا

میرا تیرا یاد ہے اے جانِ من ربطِ قدیم / تجکو لیلیٰ کہتے تھے مجنوں مرا القاب تھا

دین و ایماں صبر و طاقت کھو دیا سب عشق میں / کلبۂ تمکین میں یارو بس یہی اسباب تھا

جو صحرا کو ہم نکلے جوشِ جنوں میں / تو کانٹوں کو لیتے قدم دیکھتے ہیں

کہا میں نے یہ اس سے کہ ماہ لقا سنا تو نے عدو کا تو دے گلہ

دے میرے فسانۂ غم کو ذرا کبھی کان لگا کے سنا ہی نہیں

تمنّا

تمنّا ۔ محمد اسحاق خاں مرحوم تمنّا۔ متوطن گجرات۔ احسن اللہ خاں بیان مختار کار سرکار مرزا شگفتہ بخت مقیم بنارس کے ہم زلف تھے۔ بڑے عاشق مزاج اور آزاد منش آدمی تھے ہمیشہ نازنینانِ پری چہرہ کی صحبت میں رہتے تھے۔ عالمِ شباب میں انتقال کیا۔ یہ کلام کا خلاصہ ہے۔

جس کے غم میں ہم کبھی آرام سے واقف نہیں / کیا غضب ہے وہ ہمارے نام سے واقف نہیں

شبِ فراق کی سختی تمام کٹ جاوے / جو صبح تو مرے آ کر گلے لپٹ جاوے

اپنی تو یہ صورت ہے کہ جوں بلبل تصویر تڑپ رہا ہے کوئی خستہ جاں زمیں کے تلے	پرواز کی طاقت نہیں اور پاس چمن[۱] ہے اُسکے ہے زلزلہ جو سر زماں زمیں کے تلے

تمنّا

تمنّا - جمیل الدین تمنّا متوطن شیخ پورہ من محالات ضلع فرخ آباد از شاگردان رشید نظام الدین ممنون - جوان وجیہہ - جمیل نجیب - خوش اخلاق یہ آپکا کلام ہے -

محو صید مرغ دل از بس وہ صید انداز ہے پابگل حیرت سے ہے سرو گلستاں راست کہ	پنجہ مژگاں جسکا چنگل شہباز ہے - کس قیامت قد کا یاں قمری خرام ناز ہے
نہ اٹھا - گو چڑھا آیا منہ میں پانی اُسکے شبنم سے	ہوا بیہوش بیاں تک دیکھکر غنچہ دہن تیرا

تمنّا

تمنّا - امیر الاشان نواب سید علی حسین خاں تمنّا عرف نواب دولہ بہادر خلف میر حسین علی رضوی - نسب میں عالیقدر اور نواب معتمد الدولہ بہادر وزیر اودھ کے حقیقی خواہرزادہ اور داماد تھے اونہیں کے ہمراہ لکھنؤ سے کانپور تشریف لائے اور پھر یہیں بود و باش اختیار کی شیخ امام بخش ناسخ سے تلمذ تھا - اِنکے پوتے کا بیان ہے کہ صاحب دیوان تھے - اور قصیدوں میں ذوق اور سودا کا انداز ہے - ۷ صفر ۱۳۰۶ سنہ پچھتر برس کی عمر میں انتقال فرمایا - راقم کی نظر سے چند غزلیں گذریں انکا انتخاب درج تذکرہ کیا جاتا ہے -

ساتھ دیتا ہے کون پیری میں یارب بُرا ہو میرے خانہ خراب کا تا حشر اب نہوگی ملاقات آپ سے	گوشت نے استخواں کو چھوڑ دیا محتاج بال بال ہوا ہے خضاب کا رخصت ہوا یہ کہہ کے زمانہ شباب کا
کیا اثر تھا جذبۂ دل میں کہ بعد قتل بھی تمنّا ہے یہی سو تمنّا جسکے وہ ذبح کرتے ہیں حشر تک روئیں گے احباب تمنّا مجکو	تیر سینے سے اگر نکلا تو پیکاں چھوڑ کر بڑھا کر ہاتھ وہ تول ڈالدے قاتل کی گردنیں یاد آئے گی جو آشفتہ بیانی میری

[۱] یہ شعر حالت نزع میں کہا تھا ۱۲

حضرت نوح بھی گھبرا کے دعائیں کرتے	دیکھ لیتے جو کبھی اشک فشانی میری
آیا جو وہ مسیح نفس پھر فائدہ	قالب میں جان پڑ گئی وحشت مزاج کے

تمنا

تمنا۔ منشی مسیح الدین باشندۂ کلکتہ۔ منشی امیر مرحوم کے نواسے اور حضرت بادِ وحشت کے شاگردوں میں سے تھے ۱۳۴۰ ہجری میں نواح کلکتے میں مختاری کرتے تھے۔ یہ اُنکے اشعار ہیں۔

گر لپٹتا تو کبھی خواب میں آ مصحف رو	تن عریاں پہ مرے جامۂ قرآں ہوتا
جب وہ مہتابی پہ رخسار دکھا دیتے ہیں	چرخ پر ماہ کو خورشید بنا دیتے ہیں
دھوئے مہندی لب دریا تو اگر ہاتوں سے	جائے ماہی ہو سمندر کا مکان پانی میں
حکم قانون شفائے مرض غم ہے یہی	بوسۂ لب دل بیمار کا درماں ہو وے

تمنا

تمنا۔ کسی خوش فکر باشندۂ لکھنؤ کا تخلص ہے۔ جب ترتیب تذکرہ سخن شعرا کے وقت مٹیا برج کلکتہ میں واجد علی شاہ کی سرکار میں بسر اوقات کرتے تھے۔ یہ کلام کا نمونہ ہے۔

جو اس طرف سے گذر ہوا ہے تو قبر عاشق بھی آ کے دیکھو
نگاہ حسرت سے گر نہ دیکھو بلا سے تیوری چڑھا کے دیکھو
صبا یہ کہنا خدا بچائے فقط ہیں اب آخری سنبھالے
گذرتے ہیں ناز اٹھانے والے جو دیکھنا ہے تو آ کے دیکھو

غنودگی بھی ہے کچھ ہچکیاں بھی آتی ہیں	یقین ہے اجل آئیگی آج خواب کے ساتھ

سفر بہ سرعت ہوا اس جہاں سے کوئی کہے بڑھ کے کارواں سے
قدم اُٹھائے چلو یہاں سے کہ یہ جگہ ہے روا روی کی
کھلے ہیں سب زخم خوں چکیدہ برنگ گلہائے نو رسیدہ
تمام اعضا ہیں گو بریدہ مگر نہ عادت گئی ہنسی کی

تمنا

تمنا۔ صاحب عالم میرزا غیاث الدین تمنا گورگانی۔ خلف شاہزادہ مرزا شمس الدین ابن

حضرت فردوس منزل عالی گوہر محمد جلال الدین شاہ عالم بادشاہ ۔ حافظ قطب الدین صاحب مشیر کے شاگرد رشید تھے ۔ لارڈ لیک نے جو شاہ عالم بادشاہ کی اولاد کیواسطے ساتھ ہزار آٹھ سو روپیہ ماہوار تنخواہ شاہی تنخواہ سے علیحدہ مقرر فرمائی تھی ۔ وہ انگریزی خزانہ سے وصول ہو کر آپکے والد صاحب کے مکان پر تقسیم ہوا کرتی تھی بعد ۱۸۵۷ء کے بعد مرزا صاحب موصوف نے سات ہزار آٹھ سو روپیہ ماہوار سابقہ تنخواہ جاری ہونے کے واسطے بہت کوشش کی لیکن ناکامیاب رہے پھر مجبور ہو کر حج کے لئے تشریف لیگئے ۱۲۳۲ھ میں قلعہ معلی کے اندر پیدا ہوئے اور تہتر برس زندہ رہکر ۱۳۰۵ھ میں حج سے واپسی کے ۱۲ روز دہلی میں انتقال فرمایا حضرت سلطان جی میں باولی کے اوپر اپنے والد بزرگوار کے پہلو میں دفن ہوئے ۱۲۸۱ھ میں انہوں نے ایک منظوم تاریخ لکھی جس کا تاریخی نام نوزانتخاب ہے اور اس میں کل شاہان خاندان مغلیہ کا حال درج ہے چند اشعار ذیل میں درج کئے جاتے ہیں ۔ انکی اولاد دہلی میں موجود ہے ۔

جو آنکھ بچا کے لگے کرنے اشارے	ہو گئی ابھی آہ کی تاثیر ہوئی کیا
تھامے ہوئے دل بیٹھے ہو کیوں آج تمنا	کل دل پہ جو رکھتے تھے وہ تصویر ہوئی کیا
نہیں درد دل کے سنانے کی طاقت	لبوں کو نہیں ہے بلانے کی طاقت
بیتابیوں کا حال تمنا نہ پوچھئے	دل لے گیا ہے ایک طرحدار کیا کہیں
قتل منظور ہے تو بسم اللہ	آؤ اُمیدوار میں بھی ہوں
یار کی تصویر سے غم مٹ رہا ہے ہجر کا	راتدن چھٹتی نہیں تصویر اپنے ہاتھ سے

تمنا ۔ مرزا مغل جان خوشباش اگرہ ۔ راجہ بلوان سنگھ معزول راجہ کاشی مقیم اگرہ کے مصاحب تھے ۔ وہاں شاعری کا راتدن چرچا رہتا تھا ۔ شدہ شدہ یہ بھی شعر کہنے لگے ۔ مرزا حاتم علی بیگ مہر اکبرآبادی سے اصلاح لیا کرتے تھے ۔ یہ انکا کلام ہے ۔ تمنا

بغل میں میکشوں کی ہیں شراب ناب کے شیشے	لئے بیٹھے ہیں پریوں کو یہاں میخوار پہلو میں

جامِ سفال پر تو مے سے دمک گئے		پرتو سے آفتاب کے ذرے چمک گئے

تمنا ۔ منشی رام سہائے تمنا لکھنوی ۔ فارسی اردو بھاکھا ہر سہ زبانوں کی تحصیل عالمانہ درجہ کی تھی اور تینوں زبانوں میں طبع آزمائی کرتے تھے طبیعت میں موزونی خداداد ہے ۔ منشی تمنا کے بھائی دوارکا پرشاد افق اور منشی راتا پرشاد نیاں بھی بڑے صاحب استعداد سخنور اور طبیعت دار آدمی ہیں ۱۵ ۔ ۱۶ کتابیں ان کی تصنیف سے ہیں ابتدائے ملازمت سے سررشتہ تعلیم میں منسلک ہیں ۔ مدتوں اودھ میں ڈسٹرکٹ انسپکٹر مدارس رہے اکثر اطراف ہند کی سیر کی ہے ۔ ریاستوں میں بہت پھرے ہیں ۔ ان کی تصانیف سے افضل التواریخ شاہانِ اودھ کے حالات میں قابلِ ذکر ہے ۔ ایک غزل ملی اس میں سے چند شعر حاضر ہیں ۔

بتوں سے ہم دل لگا چکے ہیں سب ان کی سختی اٹھا چکے ہیں
ہم آپ خود کو مٹا چکے ہیں کہ سل پہ شیشہ گرا چکے ہیں

خمارِ دیرینہ جوش پر ہے پلا دے مے ساقیا کدھر ہے
ہماری بھی کچھ تجھے خبر ہے کہ ہم بھی محفل میں آ چکے ہیں

وہ جانِ جاں ہیں تو ہم ہیں بیجاں وہ شاہِ خوباں ہم اُن پہ قرباں
اگر لئے ہیں وہ تیغ براں تو ہم بھی گردن جھکا چکے ہیں

عجیب دنیا کا حال دیکھا کمال ہی کو زوال دیکھا
انھیں کو اب پُر ملال دیکھا جو لطف و راحت اٹھا چکے ہیں

جو عشق بازی میں ہم ہیں یکتا وہ حسن میں فرد ہیں تمنا
انھوں نے ہمکو بھی آزمایا ہم ان کو بھی آزما چکے ہیں

تمنا ۔ مولوی محمد حسین تمنا باشندۂ مرادآباد ۱۸۹۷ء میں دیوان شایع کیا تھا ۔ معمولی شاعر ہیں ۔ یہ کلام کا لبِ لباب ہے ۔

بتنگرِ وحدتِ حق تو نہوا اے کافر کیش
نقشِ توحید ہے عالم تری یکتائی کا

جوشِ الفت نے بڑے دھوکے میں رکھا ہم کو
ہم یگانہ جانتے تھے جسکو وہ بیگانہ تھا

پھنسا قیدِ عشق میں جب سے دل مجھے ہر بلا سے چھٹا دیا
نہیں بھاتی اب مجھے کچھ غذا ترے غم نے ایسا مزا دیا

قدرِ الفت کی نہ کچھ دلبرِ پُرفن سمجھا
سینے کی دوستی اور وہ مجھے دشمن سمجھا

یہ مرض تھا عین صحت جو طبیب یار ہوتا
مجھے غم ہی خوش ہی تھا جو وہ غمگسار ہوتا

ہوئے ہیں آپ جو بیگانہ آشنا ہوکر
بتائیے کہ سینے درد کیوں دوا ہوکر

شغل ہوگا دلِ پُرشور کے بہلانے کو
پا بزنجیر کرو زلف کے دیوانے کو

گو سو طرح کے رنج و بلا میں پھنسا ہے
دل کا یہی مزا ہے کہیں مبتلا رہے

تمنا

تمنا۔ مولوی سید احمد حسین صاحب تمنا۔ شاگرد حضرت داغ دہلوی۔ باوجود کوشش حالات دستیاب نہیں ہوئے۔ اب کلام ملاحظہ ہو۔

یارب شبِ فراق کے تیغِ ناز سے
قسمت میں اُسکے لکھے گلا بیگناہ کا

سرگرم چشمِ ناز نہیں چشمِ سرمہ گیں
جادو جگا رہی ہے فسونِ نگاہ کا

کیجا زسیے فلک کا تماشا دکھائیگا
گھونگھٹ میں بانکپن تری ترچھی نگاہ کا

دارِ جزا میں بھی وہ طلب ہو بروزِ حشر
جس زندگی نے ساتھ دیا ہے نگاہ کا

کشتِ امید غیر ہے پژمردہ دیکھ لے
لطفِ لم یزل اثر ہے تمنا کی آہ کا

تمنا

تمنا۔ منشی جیبدی لال صاحب کاکوروی تلمذ جناب مولانا سید طاہر علی فرخ آبادی سررشتہ تعلیم میں عرصہ سے ملازم ہیں۔ طبیعت شوخ اور اس فن کے مناسب پائی ہے علمی استعداد بھی خاصی ہے۔ ۲۲-۲۳ برس کی عمر سے اپنے اُستاد کے باعقیدت تلامذہ میں ہیں یہ کلام کا نمونہ ہے۔

کٹ گیا سروِ چمن جب تیرا جاناں دیکھا
جل گیا مہرِ فلک جب رخِ تاباں دیکھا

پھنس گیا دامِ مصیبت میں شدا نا کہنا
اپنی تلوار کے صدقے میں دیا خلعتِ سرخ
بول اٹھی قبر کہ کس طرح سمائی ہوگی
مٹے ہو نکو مٹاتا رہا تو اے گردوں
لکھی اگر تھی نصیبوں میں میرے پامالی
یہ سرکشی کا نتیجہ تھا باغِ عالم میں
شب فراق میں کہتا ہے درد اٹھ اٹھ کر
چھپے کوئی کب تک یہ بھلا غمِ شبِ فرقت
مونس یہ ہمیشہ کی ہے وہ چار پہر کی
سن سن کے جو گھبرائے محبت کا فسانہ
روٹھا ہے مرے دل سے تصور بھی تمہارا
یہی حسرت ہے دمِ نزع کہ آئے کوئی
سوزشِ دل نہ ہوئی کم تو کہا اشکوں نے
وہ باتیں کب سنیں گے واعظوں کی
چھٹائے گا زمینِ کوئے جاناں
یہ کیا ستم ہے کہ آتا نہیں تمہیں کو رحم
چھپاؤں کیا جگر و دل کو تیرِ قاتل سے
جو دل جلاتے ہیں کہتے نہیں ہیں دکھا جا
لگا کر سینہ و دل پر خدنگِ ناز وہ بولے
کہاں سے آئی ہے اشکوں میں خون کی سرخی
چھپا کے ہم سے یہ باتیں الگ کرنا

عشقِ گیسو کا ثمر اے دلِ ناداں دیکھا
مجھکو جلا دے نے مقتل میں جو عریاں دیکھا
ساتھ میرے جو ہجومِ غم و حرماں دیکھا
ستم نیا کوئی دشمن کی جان پر نہ کیا
خدا نے کس لئے اس بت کا سنگِ دل نہ کیا
خدا نے سرو کو دنیا میں با ثمر نہ کیا
یہی ثمر ہے حسینوں کی آشنائی کا
سے ہو یہ بکھیڑا جو چھٹے دم شبِ فرقت
بہتر ہے شبِ وصل سے تا ہم شبِ فرقت
کیوں اس سے کہیں قصۂ غم ہم شبِ فرقت
سینے میں ہے کیونکر ہو خفا دم شبِ فرقت
آخری وقت ہے دیدار دکھائے کوئی
آگ بھڑکی ہوئی کس طرح بجھائے کوئی
جو بیت رکھتے ہیں پیغمبروں کی
نہ تھی امید ایسی آسماں سے
اجل بھی روتی ہے بیمارِ خستہ جاں کیلئے
کہ جان تک مری حاضر ہے میہماں کیلئے
مثالِ شمع کے کافی ہے رہرواں کیلئے
تمھاری حسرتوں کی اب صفائی ہوتی جاتی ہے
ہوئی نہیں جو تمنائے دل اپنی میری
ملیں کلیم تو ان سے ہو گفتگو میری

بتوں کا ظلم یہاں تک ہیں ہم اٹھائے ہوئے
کہ دل تو دل ہے جگر بھی ہے چوٹ کھائے ہوئے

سمجھ لیا ہے جو ترچھی نگاہ کا بسمل
ادا سے اور وہ بیٹھے ہیں سر جھکائے ہوئے

وفا جو آج ہی وعدہ کرو تو کیا ہو جائے
یہ کوئی فرض ہے محشر ہی جب بپا ہو جائے

وہ کہتے ہیں کہ ہمیں دل کوئی سے ایسا
کہ جسکو پیسیں تو پستے ہی وہ حنا ہو جائے

تمنّا۔ شیخ محمود تمنّا باشندہ سورت بمبئی حضرت داغ دہلوی کے تلامذہ میں سے تھے شعر اچھا کہتے تھے طبیعت میں شوخی خداداد ہے۔ بندش وزبان بھی خاصی ہے سنا ہے کہ سنہ ۱۹۰۴ء میں انتقال کر گئے۔ تمنّا

عبث کہتے ہیں کہ ہم آپ پہ دم دیتے ہیں
ہیں یہ سب کہنے کی باتیں تمہیں ہم دیتے ہیں

دام گیسو میں نہ ہمکو قید کر
ہم تو بندے ہیں ترے بے دام کے

آہ میں اسواسطے کرتا نہیں
رہ نہ جاؤ تم کلیجہ تھام کے

جناب شیخ رندوں سے عبث ہر دم الجھتے ہیں
وہ کس واسطے صاف ہوتے نہ مجھ سے

کسی دن دیکھنا ان کی بڑی گت ہونیوالی ہے
رقیبوں کا حال آئینہ ہو رہا ہے

بیمروت بے وفا بیداد گر
نام کیا کیا آپ نے پیدا کئے

تمنّا۔ منشی محمد سعید الدین صدیقی پیشکار صدر نظامت ٹونک مولانا ظہیر کے تلامذہ سے ہیں۔ روہتک کے رہنے والے ہیں۔ علمی استعداد اوسط درجے کی ہے۔ یہ چند شعر ان کے ہیں۔ تمنّا

مہرباں جس پہ ہو لے دشنام سے کھولی زباں
یہ اداؤں میں ادا تم نے نئی ایجاد کی

لوٹنے والے بہت ہیں نوجوانی کی بہار
بات کیوں پوچھو گے اب اس عاشق ناشاد کی

برچھیاں پڑتی ہیں پیہم متصل پڑتے ہیں تیر
خوب دعوت ہو رہی ہے اس دل ناشاد کی

تمنّا۔ سیدہ نور الدین حسین خلیفہ سید شاہ ظہور الدین حسین مرحوم۔ سید شاہ عطا حسین فانی مرحوم ان کے نانا تھے۔ وطن اصلی عظیم آباد پٹنہ ہے۔ اب گیا میں سکونت ہے سنہ ۱۲۸۱ تمنّا

میں پیدا ہوئے اور اپنی ننہال میں تعلیم و تربیت پائی، انگریزی اُردو فارسی جانتے ہیں۔ چند سال سرکار انگریزی کی ملازمت بھی کی ہے۔ حضرت اکبر ابو العلائی دانا پوری آپ کے پیر ہیں اور اُنہیں سے مشورہ سخن بھی ہے۔ یہ کلام ہے۔

ہو گئی ضعف سے اِن روزوں وہ حالت میری	ناتوانی بھی کھڑی تکتی ہے صورت میری
آ گئے نظر جمالِ حقیقت مجاز میں	اُٹھیں جو اپنی آنکھوں سے پردے حجاب کے
وہ شہسوار معرکۂ عاشقی ہیں ہم	لیتے ہیں کام ابلق لیل و نہار سے

تمیز

تمیز۔ منشی کالی رائے تمیز۔ ابن لالہ دیبی پرشاد عزیز متوطن فتح گڈھ۔

آمد یہ صحنِ باغ میں کس گلبدن کی ہے	جو رُوح باغ باغ نسیمِ چمن کی ہے
اپنے وہ ہیں جو مر کے تیری خاکِ راہ ہوں	مٹی خراب طالبِ گور و کفن کی ہے

تمیز

تمیز۔ سید اکبر علی صاحب تمیز۔ بریلوی شاگرد نواب عاشور علی خانصاحب بہادر مرحوم لکھنوی۔ سنہ ۱۲۷۰ ہجری کے گلدستہ شعرائے لکھنو اور بریلی کے رسالوں میں اِن کی غزلیں نظر سے گذریں۔ کلام بامزہ اور دلنشیں ہے۔ مضمون آفرینی کے ساتھ ساتھ بندش اور زبان لائق تعریف ہیں۔ مشاق بھی معلوم ہوتے ہیں۔ کیوں نہو۔ آخر ایک مشہور سخن سنج اور سخن فہم سے فیض پایا تھا۔ یہ اُن کے کلام بہم رسیدہ کا انتخاب ہے۔ ۲۰ برس کے قریب گذرے انتقال فرمایا۔

آفتابِ حشر کی گرمی سے اُسکو خوف کیا	ہو گیا جو دفن اُنکے سایۂ دیوار میں
دم نہیں باقی ہے چشمِ طالبِ دیدار میں	ہے تجلیٔ طور کس کے شعلۂ رخسار میں
دیکھا انصاف سے دیکھے اگر اوجِ زمیں	خاک ہو کر آسماں رہ جائے کوئے یار میں
ناتواں ہوں زلف چھو لینے کی یہ تعزیر ہو	سایۂ گیسو کی میرے پاؤں میں زنجیر ہو
جان دیکر مول لیں ایسی اگر تصویر ہو	میری گردن خم ہو اُن کے ہاتھ میں شمشیر ہو
یا خدا اُسکو بدل دینا تو ظلم و جور سے	رحم جو قاتل کے دل میں کچھ دمِ تکبیر ہو

منہ میں لیتا ہے زبانِ شمع کو ہر سانس
کیوں نہ عیاشوں کی صورت عادتِ گلگیر ہو

جتنی گردن کی رگیں ہیں جان بنجائیں اگر
یوں تو شاید قید مرغِ جوہرِ شمشیر ہو

ملے بتوں سے مگر خوفِ کردگار رہے
وہ آدمی ہے جو غفلت میں ہوشیار رہے

ہوں دل میں زخم جگر میرا داغدار رہے
اسی روش سے شگفتہ یہ لالہ زار رہے

فراقِ یار میں ایسا نحیف و زار رہے
کہ نوکِ خار کے دل میں بھی ایک خار رہے

کمر کے عشق نے ایسا کیا تھا کاہیدہ
کہ بعدِ مرگ نہ ہم قابلِ مزار رہے

نہ میری لاش کو عریاں کبھی فلک دیکھے
اسی طرح سے پڑی چادرِ غبار رہے

چمن میں کھیلیگا ہولی کل آکے وہ قاتل
صراحیوں میں گلوں کی مئے بہار رہے

ہوا کے دیکھنے کا اب فقط بہانا ہے
ہمیشہ میرا اڑاتے یوں ہی غبار رہے

جنابِ دل بھی عجب چیز ہے تعال اللہ
ہمیشہ حسرتِ مردہ کا یہ مزار رہے

بتوں کے حکم کی تعمیل کب ہوئی ہمسے
ستم یہ ہے کہ خدا سے بھی شرمسار رہے

ہماری کیا ہے حقیقت کہ ہیں ذلیل و حقیر
رگڑتے سر تری چوکھٹ پہ تاجدار رہے

وہ بیوفا ہیں یہ کل عمر بھر نہ پوچھیں بات
کروڑ جان سے صدقے اگر ہزار رہے

نصیب وصل رہا ایک حور کا جب تک
تیز ہا تو نمیں و خلد کے انار رہے

بڑھ کے سے ہے جرم گنہگار سے حجت کس کی
حشر میں صاف نہ کہدونگا خدا سے پہلے

تیز - منشی غلام احمد تیز - نواب مرزا خانصاحب داغ دہلوی کے شاگرد اور رامپور کے رہنے والے تھے - مدت سے ریاستِ حیدرآباد میں کسی محکمہ میں ملازم تھے - طبیعت کو شاعری سے ایک خاص لگاؤ ہے - چلبلی طبیعت اور شوخ زبان پائی ہے - مذاق شستہ ہے - اُستاد کے رنگ کا تتبع کرتے ہیں - زیادہ حال معلوم نہو سکا - صرف اتنا معلوم ہے کہ سنہ ۱۲۹۰ ہجری میں ۴۳ برس کی عمر تھی - یہ اُنکا کلام ہے -

لوٹو بتو تیز ہے بیچارہ سنے وطن
اللہ کے سوا نہیں کوئی غریب کا

گالیاں کھانے کا لپکا بھی بُرا ہوتا ہے
لوگ کس طرح سے کرتے ہیں خدا کو راضی

کوئی آئے کوئی جائے کچھ کسی سے غرض نہیں
اے قیامت تو تو ہے فتنے اُٹھانے کیلئے

نذر دینے جو گیا میں دلِ شیدا لے کر
رہ گیا تھام کے ہاتھوں سے کلیجا اپنا

شکوۂ جور و جفا پر سبب مجھے فرماتے ہیں
اُن کے آنے کی خوشی میں مرا ہوا شادی مرگ

اچھے منصف ہو کے لے خواب میں بوسہ کوئی
تم پہ قربان یہی لفظ ہیں قیمت دل کی

شرم آتی ہے مجھے اسلئے مرنے سے تمیز
مقتل میں بعد قتل بھی ہے قتل کی ہوس

سامنے اُس نے بلایا مجھے بہر تعذیر
وصل میں ہجر کا غم ہجر میں ملنے کی اُمید

سنکے اوصاف بتاں طنز سے فرماتے ہیں
ہجر کی رات بُری روز وصال اچھا ہے

کھول کر گور میں منہ کو مرے فرماتے ہیں
ہمنے کل آپ سے چھیڑا جو خفا یار نہ تھا

مجھ سے تو اک بُت کافر بھی منایا نہ گیا
سبب فقط میرا ہی دشمن پاسبانِ کوئی دوست

تجھے اُٹھنے کے نہیں اُفتادگان کوئے دوست
بولے بس جاؤ بھی تم آئے ہو یہ کیا لیکر

جس حسیں نے تری تصویر کو دیکھا لے کر
جاؤ بھی آئے ہو کیا مفت کا جھگڑا لے کر

آئے تھے موت کو ہمراہ مسیحا لے کر
اور بدنام کرو نام ہمارا لے کر

پھر اُسی ناز سے کہ ذکر کریں کیا لے کر
جاؤں کیا پیش خدا بُت کی تمنا لے کر

پھرتی ہے روح یار کے خنجر کے آس پاس
کام آئیں تو کچھ آخر کو خطائیں آئیں

کون کہتا ہے جدائی سے وصال اچھا ہے
آپ جائیں وہیں جو رونق جمال اچھا ہے

بلکہ جس سال میں یہ دن ہے وہ سال اچھا ہے
اب تو آرام سے تو سو ترا حال اچھا ہے

تمیز - نواب احمد علی خاں مغفور - بہادرگڈھ کی ریاست جو دہلی سے بارہ کوس جانب شمال واقع ہے - اِن کے خاندان میں چلی آتی تھی - غدر ۵۷ سے چند سال پیشتر نواب امیر علیخاں کی حرکات ناشائستہ کے باعث وہ علاقہ نواب بہادر جنگ خاں کے تحت حکومت میں آ گیا اور کسی قدر پنشن بطور مدد معاش اہالیان خاندان معزول کی مقرر ہو گئی - چنانچہ اِن کو بھی وظیفہ

[illegible]

تمیز

ملتا تھا۔ اُنھوں نے دہلی میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ خلیق اور نیک نہاد شریف زادہ تھے۔ بہ نسبت غزل مرثیہ و سلام کا زیادہ شوق تھا۔ یہ اُن کے کلام کا انتخاب ہے۔

اتنو زمیں یہ بگڑی ہے محشر ہی کیوں نہ ہو
جنبش کرینگے اُن کے نہ پر آستان سے ہم

کس کے رخشِ گرم سے پامال میری خاک ہے
آجتک روئیدگی جو قبر پر ہوتی نہیں

جذبِ دل سے لائیے کسطرح اسکو کھینچکر
آہ میں تاثیر اپنے اسقدر ہوتی نہیں

تمیز

تمیز۔ منشی تاج الدین حسین تمیز۔ باشندۂ کانپور شاگرد مولانا انعام کانپوری موزوں طبع اور خوش فکر آدمی ہیں۔ کچھ کلام نظر سے گذرا اُسکا انتخاب پیش کش ہے۔

نالِ ہجر سے آگاہ کردیا تمکو تو
اب آنے اور نہ آنے کا اختیار رہا

جفا نہ ترک کرو تم وفا نہ چھوڑیں ہم
چلو یہ ہی سہی اب سے یہی قرار رہا

لکھا ہے نُور کے خط سے نقابِ روئے تاباں پر
چمکتی ہے تو گرتی ہے یہ بجلی خرمنِ جاں پر

تمیز اچھا اثر ہے عشق میں اُس ماہ پیکر کے
کہ ہر جامہ کتاں بنتا ہے اپنے جسمِ عریاں پر

اے دل نظر کو دیکھ کہا لینے کہاں گئی
ہمت کو سوجھتی ہے کچھ اس سے بھی دور کی

یہ کہکے اُن کے سامنے دل میں نے رکھدیا
دیکھو تو اسمیں شکل ہے کس رشکِ حور کی

تنویر

تنویر۔ میر کاظم حسین ابن میر اکبر علی مقبل مرثیہ گو۔ فیض آباد کے رہنے والے اور آصف الدولہ بہادر کی سرکار میں وارد غہ تھے۔ جناب رشک لکھنوی کے شاگرد اور صاحبِ دیوان گذرے ہیں یہ اُن کے اشعار ہیں۔

بوسے لوں بلائیں لوں گلے لپٹوں کہ دیکھوں
کل چار پہر رات ہے ارمان ہزاروں

جل جل کے مرا خرمنِ ہستی نہ کیوں ہو خاک
بجلی گرائی تو نے شرارت کی آنکھ سے

تنویر

تنویر دہلوی۔ سخنور خوش تقریر منشی نوازش حسین خاں تنویر۔ دہلوی خواص حضرت ابو ظفر بہادر شاہ ثانی۔ شعر گوئی میں کہنہ مشاق تھے۔ غدر کے بعد مہاراجہ الور کی ملازمت اختیار کر لی تھی۔ بڑے پُرگو تھے۔ ان کے چار دیوان ان کے بیٹے عشرت خاں نیر

نے چھپوا دیے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ حضرت بہادر شاہ ذوق کی وفات کے بعد ان کو اپنی غزل دکھاتے تھے۔ مگر راقم کے زعم میں یہ دعویٰ پایۂ اعتبار سے ساقط ہے۔ اس بیان کے برعکس تذکرہ گلستانِ سخن سے پایا جاتا ہے کہ خود اپنے کلام میں بادشاہ سے اصلاح لیا کرتے تھے۔ اور یہ امر قرین قیاس بھی ہے۔ تنویر مرحوم کے شاگردوں میں مہاراجہ تہور متخلص بہ تصویر اور پنڈت امرناتھ آشفتہ مشہور ہوئے۔ ۱۲۸۹ھ میں بعمر ساٹھ سال بمقام نیپال انتقال کیا۔ آخر عمر میں دہلی چھوڑ کر وہیں جا بسے تھے۔ یہ ان کے کلام کا نمونہ ہے۔

ہے مسیحائی کرتی جنبشِ ناز
ان لبوں سے نہیں جواب ملا

الٰہی دل کو دیا تھا جو سونے عشقِ صنم
تو دل پہ مجھ کو دیا اختیار بھی ہوتا

بہلاتی نزاکت نہ اسے گردمِ رفتار
پامال یہ دل زیرِ قدم ہو ہی چکا تھا

یہ بخانا تھا ہمیں کو آئے گا آزار یہ
سنتے تھے ہم عشق بھی ہے نام اک آزار کا

ق

جان کر دلبر سبھی اپنا مریضِ تپِ غم
کہتا لوگوں سے بظاہر بتِ عیار ہے کیا

رنگِ رخ زرد ہے تر چشم ہے لب پر دمِ سرد
پوچھتا اس سے کہ اس شخص کو آزار ہے کیا

توڑیے گا سمجھ کے شیشۂ دل
یہ کوئی ساغر و سبو تھا

سے لیکے توڑتے ہیں یہ یارب پرائے دل
کیوں ایسے نازنینوں کے پتھر بنائے دل

قاصد میرے خط کو جو کرنے دیا نہ چاک
بولے وہ آج تیرے ہی پرزے اڑائیں ہم

تیغِ نگہ سے وہ لبِ جاں بخش کہتے ہیں
جس کو کرے تو قتل اسی کو جلائیں ہم

دل کو کیا یار کے پیکان سے لیے بیٹھے ہیں
صاحبِ خانہ کو مہمان سے لیے بیٹھے ہیں

حسن بھی اے رے کیا چیز ہے اللہ اللہ
دل کو پریوں کے یہ انسان لیے بیٹھے ہیں

خاک ناصح کی سنوں جان تو قابو میں نہیں
دل وہ غارت گرِ ایمان لیے بیٹھے ہیں

یہ تم ہی ہو کہ خواہشِ بوسہ پہ ہاں نہ کی
ہم جان تک بھی مانگو تو ہم سے نہیں نہ ہو

سی لیتے ہیں لب نہ ضعف سے اُٹھ سکتے ہاتھ ہیں ۔ کیا کیا شکایتیں ہیں اثر کو دعا کے ساتھ

جو کہا اُسنے وہ کیے ہی بنی ۔ صوفیوں کو بھی مے پیے ہی بنی

نہیں جل کے مرنا مزے سے ہے خالی ۔ کہ پروانہ اُسکا مزہ جانتا ہے

کچھ بھی الفت کی جس میں بُو ہو گی ۔ درد آمیز گفتگو ہو گی

کن کا بیمارِ محبت کیا جن کو اللہ ۔ بدشگونی ہے خبر پوچھنی بیماروں کی

عشق بازی سے یہ ہرگز نہ پھرا پر نہ پھرا ۔ آخرش اس دلِ بیتاب کو ہم رو بیٹھے

دل سے بھی مجھسے کھٹکتے رہے ہر بار پہ وہ ۔ خار نکلا خلشِ خار ابھی باقی ہے

ہیں نیمجاں ہزاروں ہزاروں ہی مر گئے ۔ وہ نیمچہ کا کام نگاہوں سے کر گئے

لیجاؤ تم اسی کو نہ مجھپر کرو ستم ۔ آیا تو تم پہ یہ دلِ خانہ خراب ہے

داغ دل کو لگا دیا کس نے ۔ یہ شگوفہ کھلا دیا کس نے

آج وہ کچھ رُکے رُکے سے ہیں ۔ عشق میرا اچٹا دیا کس نے

زخم بھرتا ہی نہیں جس کا کبھو ۔ وہ نگاہِ یار کی تلوار ہے

رنگت یہ شوخ شوخ ترے ہاتھ کیا لگی ۔ لاکھوں دلوں کو پیس دیا جب حنا لگی

بے خبر جان سے ہے لب پہ ترے شیدائی کی ۔ او مسیحا ہے قسم تجھکو مسیحائی کی

تنویر

تنویر ـ حاجی سید نظیر حسین تعلقدار اسہامؤ خلفِ اکبر وارث میر واجد علی تسخیر مرحوم۔ فنِ سخن میں حضرت حکیم لکھنوی سے استفادہ کیا تھا۔ لکھنؤ کے عائدین شہر میں شمار ہوتے تھے۔ چند سال ہوئے ۵۰ سال کی عمر میں لکھنؤ میں انتقال کیا۔ شعر گوئی کی طرف رغبت کم تھی۔ دو تین غزلیں بہم پہونچیں ان کا انتخاب درج ہے۔

بوسے کے مانگنے پہ نہ مجرم بنائیے ۔ کیا بات ہے بتائیے اسمیں گناہ کی

سچ تو یہ ہے کچھ نہیں صاحب مرے دل کا قصور ۔ کہہ رہی تھی خود طبیعت تم پہ آنیکے لئے

آتشِ فرقت سے جل اُٹھا جو سینے میں جگر ۔ اشک نکلے آنکھ سے اُسکے بجھانیکے لئے

گنہگارانِ عشقِ و الفت کی کیوں نہ ہر دم فزوں ہو وحشت
نہیں ہے زلفِ سیاہ اسکی یہ ایک پھانسی لٹک رہی ہے

تنہا

تنہا - شیخ محمد علی تنہا دہلوی شاگرد رشید شیخ غلام ہمدانی مصحفی - اصل اُن کی شرفائے دہلی سے تھی اور وہیں پیدا ہوئے - اپنے وقت کے دیگر باکمالوں کیطرح دہلی کو خیرباد کہکر لکھنؤ میں سکونت اختیار کی اور مصحفی کے ممتاز شاگردوں میں شمار ہوئے - خوش خلقی - سلیم الطبعی اور رنگین مزاجی کے اوصاف کے علاوہ قدامت پرستی اِن کا خاص شیوہ تھا - چنانچہ تمام عمر لکھنؤ میں رہے پھر بھی دہلی کی زبان اور قدیم رنگ نہ چھوڑا - بعض تذکرہ نویسوں کا قول ہے کہ شیخ امام بخش ناسخ لکھنوی اوائل عمر میں اِن سے مشورہ سخن کرتے تھے ۱۲۲۲ ہجری میں لکھنؤ جاتے تھے کہ راہ میں ڈاکوؤں نے قتل کر ڈالا - ناسخ نے اُن کی وفات کی تاریخ کہی ع

آج تنہا گیا دنیا سے عدم کو تنہا

مصحفی کو اپنے عزیز شاگرد کی وفات کا سخت رنج ہوا - صاحبِ دیوان گذرے ہیں - اسمیں اکثر مقامات پر قدیم زبان کا تتبع کیا ہے - اور فارسی ترکیبوں کے ترجمے بہت استعمال کئے ہیں - اگرچہ دلدادگان طرز ناسخ و آتش نے انہیں بالکل فراموش کر دیا - مگر اس سے اِن کی مشاقی و استادی میں کوئی نقص پیدا نہیں ہوتا - مصحفی کے شاگردوں میں آتش کے بعد ان کا نمبر سمجھنا چاہیئے - دیوان فارسی کے علاوہ آپ کا کلیات ۱۲۳۲ ہجری کا لکھا ہوا جس میں ۸۰ صفحہ پر غزلیات کے علاوہ ایک مثنوی - چند مخمس - اور ۲۵ رباعیاں درج ہیں - راقم کے کتب خانے میں موجود ہے کلام کا انتخاب ملاحظہ ہو -

ہو کر جُدا وہ سب سے جب ہم سے آ ملیگا تو	البتہ اپنے دل کو تب کچھ مزا ملے گا
گو قافلے سے یار و تنہا رہا ہے پیچھے	دن تو ابھی بہت ہے کیا ڈر ہے جا ملیگا

نذکورے چلا تھا شب ہمنشیں کسیکا
جی میں خیال گذرا میرے وہیں کسیکا

تنہا کہیں توقع کس بات کی کسی سے
ہاں سچ تو یہ ہے بھائی کوئی نہیں کسیکا

ناامیدانہ قفس میں کہہ رہی تھی عندلیب
پھر بھی آوے گی مری دیوارِ گلشن زیرپا

زنجیر کی حاجت نہ اُنھیں قید کی حاجت
الفت تری جن لوگوں کو ہے سلسلۂ پا

ہووے گا کوئی لطف و عنایت کا دوانا
تنہا ہے فقط آپ کی صورت کا دوانا

لے ہاتھ میں ٹک دامن کو اُٹھا ہے یہ بھی کوئی چلنے کی ادا
خاک اسکی تو یوں برباد نہ دے جو راہ میں تیری خاک ہوا

وہ میرا شعلہ خو آتش کا پرکالہ بھبوکا ہے
کہ جسکو دیکھکر ہوتا ہے دل بیتاب آتش کا

لگادی آگ ساقی نے لنڈھا کر شیشۂ مے کو
بہایا اُسنے شب محفل میں کیا سیلاب آتش کا

پاتا نہیں اُسکے تئیں اب آپ میں کوئی
کیا جانئے تنہا نے کدھر دھیان لگایا

تنہا کہوں کیا کیوں مرے اِس دلکو لگی چپ
خاموش مری جان کہ ہے سب سے بھلی چپ

کرنے لگی بلبل کہیں کل گل کا جو شکوہ
ہو غنچہ وہیں بادِ صبا بول اُٹھی چپ

کِسکا ہے سفر باغ سے گریاں ہے جو شبنم
حیران ہر اِک نخل ہے ہر ایک کلی چپ

اِن روزوں میں صدمہ ہے یہ کچھ دلکو کہ ہمدم
روتا ہوں میں پہروں جو ہوا ایک گھڑی چپ

سہمے کرتے ہوئیاں غیروں کی یاری آن کر
رہ گئی ہے آپ کی یہ دوستداری آن کر

غیرت سے دکھا منہ کو چھپا لیتے ہیں جو لوگ
قربان میں اُن لوگوں کے کیا لوگ ہیں وہ لوگ

یہ جی میں ہے کہ لوں تجھ سے اُٹھا دل
نہیں سکتے ہیں میرے پر مرا دل

ہجوم عاشقاں تھا اُس گلی میں
یہ کہتا تھا ہر اِک سے ہے مرا دل

کدھر کو جاؤں اور کس سے کہوں ہائے
ابھی اس پاس ہی تھا میرے مرا دل

خفا رہنے سے کیا حاصل ہے تنہا
نہیں سکتے ہیں گو تیرے ترا دل

ادھر بھی کبھی دیکھ تو اے جانِ تغافل
گھٹ جائیگی اسمیں نہ تری شانِ تغافل

کیا اُس سے کہے شاک کوئی حالِ دل اپنا
رہتا ہو جو مست سرِ گریبانِ تغافل

کر اپنے کرم پر تو نگہ اے ہمہ التفات
ہر چند گنہگار ہے شایانِ تغافل

ہے یہی جی میں کہ لیجے لب دلدار سے کام
کام سے کام ہے ہمکو نہیں تکرار سے کام

یہ تو فرمائیے ہم آپ کا کیا لیتے ہیں
آپ بے وجہ جو منہ ہم سے چھپا لیتے ہیں

دل بھی کیا جنسِ زبوں ہے کہ خریدار اسکے
لیتے ہیں پر اسے سو جا سے دکھا لیتے ہیں

بازارِ دہر میں ہوں میں وہ جنسِ ناقبول
جسکو کبھی نہ لیوے خریدار ہاتھ میں

افسوس کی جگہ ہے یہ تنہا کہ چھٹ گیا
ہاتھ اُسکا آکے میرے کئی بار ہاتھ میں

اندنوں چاک ہے پیراہنِ گل اے تنہا
ہم کوئی اپنے گریبان کو سلا سکتے ہیں

بدنام تا نہ ہو تو لے ہمنے تیری خاطر
بدنامیاں سبھوں کی سر پر اٹھائیاں ہیں

تم تو فرماتے ہو کہ گھر جاویں
ہمکو کہدو کہ ہم کدھر جاویں

خانہ آباد چھوڑ تیری گلی
ہم کس اُجڑے ہوئے نگر جاویں

چشمِ تر گورِ غریباں پہ نہ کی
ابرِ رحمت اسے کیا کہتے ہیں۔

باز کب آتی ہے غارت پہ جو چھوٹی وہ آنکھ
شہر کے شہر ہی جبتک کہ نہ لوٹے وہ آنکھ

یاد آتے ہیں پھر ہمکو ایامِ گرفتاری
پھر جوشِ جنوں لایا پیغامِ گرفتاری

ساقی نے دیا تھا جو معلوم نہیں مجھکو
جامِ مئے گلگوں تھا یا جامِ گرفتاری

کیوں دام و قفس لاوے صیاد اگر سمجھے
صیاد کی الفت ہے خود دامِ گرفتاری

نے رنجِ قفس دیکھا نہ دام کا غم نے
کہئے تو ہمیں کیسے ناکامِ گرفتاری

جو ہیں ترے زندانی بہتر وہ سمجھتے ہیں
آرامِ رہائی سے آلامِ گرفتاری

زلفوں سے تری جوں توں باندھا ہی گیا آخر
ہر چند یہ دل تڑپا ہنگامِ گرفتاری

گھبراؤں جو اے تنہا تقدیر یہ کہتی ہے
بے صبر نہو اتنا اے خامِ گرفتاری

دیکھ اُسکو جو اُڑ جاتے ہیں اوسان ہمارے
نکلیں کہو کس طرح پھر ارمان ہمارے

کیا تجھ سے کہوں جی میں یہ حسرت رہی تنہا
میں جو روٹھا تو منا کر مجھے وہ یوں بولا
حشر میں کس لئے ہمراہ بھٹکتے پھرتے
غیر سے شکوہ مرا بس دیکھی دانائی تری
گر چاک عالم پہ ہے بیداد تیرے ہاتھ سے
پھر ہمیں سوئے چمن شوقِ اسیری لے گیا
نہ حور میں وہ لطافت ہے نہ پری میں ہے
کہا جو ہمنے کب ہے کیا جواب نہیں آتے
نہ غافل اب ہو بارشاد مصحفی تنہا
ہے جی میں اسکی کاکل پر ستم کو دیکھئے
پلکوں کا ہے ارادہ کہ ان کو مار ڈال
لیکے سو دم آہ دل سے لب تلک آنے لگی
کچھ شعر پہ موقوف نہیں سنتے ہو تنہا
اب پشیماں ہوں کہ یہ کیا بات مجھ سے ہو گئی

شب آ کے وہ پلٹے بھی نہ اک آن ہمارے
کہئے کیا کرتے جو تمکو نہ مناتا کوئی
اپنا مٹنا ہے یہاں گر نہ چھپاتا کوئی
میں ہوا رسوا تو کیا ہو گی نہ رسوائی تری
وہ نکر جو میں کروں فریاد تیرے ہاتھ سے
حبیب ہوئے صیاد و ہم آزاد تیرے ہاتھ سے
عجیب طرح کی بہار اندنوں کسی پر ہے
تو بولا وہ کہ یہ موقوف اپنے جی پر ہے
یہ ہوش باش کہ عالم روا روی پر ہے
اس آرزو کو دیکھئے اور ہم کو دیکھئے
اور وہ نگاہ کہتی ہے رستم کو دیکھئے
ناتوانی بھی ہمیں زور اپنا دکھلانے لگی
گر بات بھی کہئے تو بس انسان کے آگے
رو برو غیروں کے کیوں مینے قسم کھائی تری

تنہا

تنہا - سعد اللہ خاں نام حکیم میر قدرت اللہ خاں کی صحبت میں شوق شعر گوئی کا پیدا ہوا اور کبھی قاسم اور کبھی ثناء اللہ فراق سے اصلاح سخن لی - افسوس عالم جوانی میں اس دار فانی سے رحلت کی یہ دو شعر ان کے یادگار ہیں -

دم بدم پیارے ترے عاشق کا عالم اور ہے
مت کوئی ہووے گریباں گیر قاتل کا مرے

دیکھ لے دیکھے تو اسکو وہ کوئی دم اور ہے
قتل کا اپنے نہیں ہرگز مجھے غم اور ہے

تنہا

تنہا - شیخ عوض علی تنہا - سپاہی منش اور آزاد آدمی تھے - طبیعت ظریفت پائی تھی - زیادہ حال معلوم نہیں - یہ ان کا کلام ہے -

تنہا

کیا بلا پھونکی ہے سوزِ عشق سینے میں مرے — آہ کا شعلہ جو نکلے ہے سو آتش بار ہے
ان بتوں کو کیا ادا تو نے عنایت کی خدا — جو نگہ ترچھی پڑی برچھی سی دل کے پار ہے
تھا یہی پیغام وقتِ نزع تنہا یار سے — اب قیامت پر ہمارا وعدۂ دیدار ہے

تنہا

تنہا۔ منشی سید کفایت علی خلف میر الٰہی بخش صاحب باشندہ میرٹھ۔ لیاقت خداداد میں یگانہ و ہنر و فرید عصر تھے۔ فارسی سے خوب ماہر تھے۔ عربی سے بھی ناواقف نہ تھے یہ اشعار آنجناب کی انتہائی لیاقت کا نمونہ ہیں۔ ابتدائی عمر سے نوکری کے سلسلہ میں ڈگری اول محکمہ انسداد ٹھگی و ڈکیتی یعنی گیرائی کے محافظ دفتر و میر منشی بارہ برس تک رہے۔ بعد میں پنجاب میں ضلع کے سررشتہ دار رہے پھر دہلی میں سنہ ۱۸۶۲ء سے سنہ ۱۸۶۹ء تک میر منشی و سپرنٹنڈنٹ کمشنری رہے۔ ۳۲ سال کی ملازمت کے بعد سنہ ۱۸۶۹ء میں پنشن لی یکم اکتوبر سنہ ۱۸۶۹ء کو انتقال فرمایا۔ مرزا حاتم علی بیگ مہر سے اصلاح لیا کرتے تھے ان کے بڑے صاحبزادے منشی احمد حسین فرقانی فارسی کے زبردست ادیب گذرے ہیں۔ منشی کرار حسین روحانی ان کے پوتے فی الحال کمشنری الہ آباد میں سررشتہ دار ہیں۔ جناب تنہا کے کلام میں پختگی و متانت غضب کی ہے۔ اور تلاش مضمون بھی اچھی ہے۔ اور شوخی بقدر اعتدال کلام سے ٹپکتی ہے۔ کلام کا نمونہ ملاحظہ ہو۔

غم نہیں اپنے دم نکلنے کا — خوف ہے اُن کے جی دہلنے کا
دونو مانوس ہیں یہ آپس میں — دل سے پیکاں نہیں نکلنے کا

خدنگِ نازِ ستمگر جو میہماں ہوتا — ہر ایک عضوِ بدن اپنا میزباں ہوتا
بہار میں جو خیالِ غمِ خزاں ہوتا — تو شاخِ گل پہ نہ بلبل کا آشیاں ہوتا
سبک روانِ عدم کتنا جلد چلتے ہیں — زمیں پہ نقشِ قدم کا نہیں نشاں ہوتا
بہشت و حور کو بھولے سے بھی نکتا یاد — جو کوئے یار میں زاہد ترا مکاں ہوتا
کعبہ کی راہ چھوڑ کے بیڑا کدھر گیا — نیت کہاں کی باندھی تھی تنہا کہاں گیا

کہتے ہیں تیرا قامتِ پُر نور دیکھکر
اسکو بھی کیا تمھاری کمر کی تلاش ہے

مدت ہوئی کہ تاب و تواں کوچ کر گئے
دولت شبِ وصال کی سب خاک ہوگئی

قربان ایسی مرگ پہ کیجے حیات کو
تنہا پہ بعد مرگ برستی ہے بیکسی

کرتے شکر جور و ظلم کا غمزہ کی تاب لا
شب محتسب نشہ میں ہر رندِ میکدہ

یاراں سے جوشِ رحمتِ حق آشکار ہے
کثرت گنہ کی روزِ جزا کام آگئی

وا انفعالِ شرمِ گنہ سے ہمکو حاصل ہی ثواب
مستی میں سرِ سجدۂ شکرانہ ہے کیسا

مینائے مئے سُرخ میں جلوہ ہے پری کا
عاقبت بگڑی تنہا کو حضورِ جاناں

دشتِ غربت میں جو تھا بے سروساماں کل تک
گھر میں تنہا کے وہ آئے تو یہ کہتے آئے

ہوا ہے مژدۂ پیغامِ وصل شادیِ مرگ
قد وہ کہ جس کے آگے ہو سروِ چمن خراب

قامت و رُخ یاد آئیگا کسی کا اس گھڑی
رات ساقی نے دکھایا میکشوں کو معجزہ

چشم طوفاں بار کرتی ہے یہ شور

طوبےٰ نے تو ہے یہ سایۂ طوبیٰ کدھر گیا
مدت سے کچھ خبر نہیں عنقا کدھر گیا

باقی ہے دم وہ شام گیا یا سحر گیا
وقتِ سحر جو پاس سے وہ سیمبر گیا

نعشِ شہیدِ ناز پہ وہ نوحہ گر گیا
گریاں کب اسکی قبر پہ بھی ابرِ تر گیا

شکوہ نہ لب پہ اے دلِ خانہ خراب لا
بولا شراب لا کوئی بولا کباب لا

سب میکدہ میں شور ہے ساقی شراب لا
بولا نہ کوئی محتسب کہ اپنا حساب لا

اس بُرا کہنے سے تیرا کیا بھلا ہو جائیگا
بدمست ہیں ہشیار یہ میخانہ ہے کیسا

میخانہ میں ساقی یہ ترے خانہ ہے کیسا
ہمنے یہ معجزہ کثرتِ عصیاں دیکھا

آج مہمان ہے وہ اے گورِ غریباں تیرا
اب تو آباد ہوا خانۂ ویراں تیرا

شبِ وصال سے پہلے مرا وصال ہوا
کاکل وہ جسکی بو سے ہو مشکِ ختن خراب

جب سوا نیزہ پہ ہوگا روزِ محشر آفتاب
کر دیا پرتو سے رُخ کے اپنے ساغر آفتاب

دیکھنا اے جوشِ دریا میں بھی ہوں

بڑھ چلا تشبیہ قدِ یار سے ہو
سرو کہتا ہے کہ طوبیٰ میں بھی ہوں

سادہ لوحوں کا نہ کیجے سامنا
کہہ دے آئینہ تجھسا میں بھی ہوں

آپ ہیں گر بے مثال و بے نظیر
بیکس و بے یار تنہا میں بھی ہوں

وہ بات بات میں کرتے ہیں بار بار نہیں
یہ لطف ہے مجھے اس کا بھی اعتبار نہیں

کب وہ الطاف و کرم کرتے ہیں
جور کرتے ہیں ستم کرتے ہیں

تو وہ ساقی ہے کہ شیشے سے کے
گردن آگے ترے خم کرتے ہیں

موئے پر بھی نہ سمجھے حیف صد حیف
کدھر آئے تھے جاتے ہیں کہاں کو

دل نکل جائے نہ کیوں خانۂ تن سے سرِ شام
عاشق زلف ہے کرتا ہے سفر راتوں کو

ہوں وہ افسردہ کہ گلزارِ خلیل ہو
جانتا ہوں میں عذاب النار کو

کفر سے اسلام اتنا ہے قریب
شیخ سے رشتہ ہے جوں زنار کو

بے خودی مسجد میں ہمکو لے گئی
ورنہ جاتے خانۂ خمار کو

کب تک دکھائیگا مجھے تیغِ جفا کے ہاتھ
قصہ تمام کر کہیں قاتل لگا کے ہاتھ

ہے دل میں لکھ کے برگِ گل تر پہ حالِ دل
اس نازنیں کو بھیجئے بادِ صبا کے ہاتھ

گم ہو گیا ہے ہاتھوں ہی ہاتھوں میں دل مرا
دیکھو خدا کے واسطے دزدِ حنا کے ہاتھ

فائدہ کس لئے کیوں اسکی دوا ہوتی ہے
کہیں بیمارِ محبت کو شفا ہوتی ہے

دیکھو خمخانہ پہ کیا ابر گھر آتا ہے
شکر ہے مستوں کی مقبول دعا ہوتی ہے

کم نصیبی کا بیاں کیا کروں اللہ اللہ
حسرتِ دیدِ صنم روز سوا ہوتی ہے

ہے غبار انکے بھی دل میں تو صفائی ہو گی
خاک سے آئینہ کو دم بھر میں جلا ہوتی ہے

جانتا بھی نہیں ابتک تو وہ شوخِ کمسن
کس کو کہتے ہیں جفا کیسی وفا ہوتی ہے

رخنۂ در کے قریب وہ شوخ پُرفن چاہئے
دیدۂ بیدار اپنا جائے روزن چاہئے

فصل گل ہے اے جنوں عریانیِ تن چاہئے
نے گریباں چاہئے مجھکو نہ دامن چاہئے

توڑتا پھرتا ہے شیشے مے کشوں سے چھیڑ ہے
میرا مطلب اور ہے کہتا ہے تو کچھ اور ہی
خوبیِ قسمت یہی ہے اب کسکا شکوہ کیجیے
وعدہ تمھارا وعدۂ فردا سے جا ملا
کھانے کو غم ہے پیتے ہیں یہ خونِ دل مدام
عشق بازی نے عجب لطف دکھایا ہمکو
کمظرف ہیں جو بہکتے ہیں مے پی کے ساقیا
خط سے لفافہ کھل گیا واں حسنِ یار کا
جس نے دیکھا بت وہ بیدم ہے
دستِ گستاخ کا نہ پوچھو حال
آتی ہے راہِ کعبہ میں ہر گام پر صدا
تنہا کو بھولئے نہ کبھی وقتِ مے کشی
بجائے سیب تو سیبِ ذقن کو دیکھ لیا
یہی ہے مشقِ جفا و ستم تو سن لینا
دل میں ہے ذکرِ قیامت کیجیے
ہے وفا یہ کہ تو جفا نہ کرے
غمزہ کیا ناز کس کو کہتے ہیں ہو
کیا ظلم ہے کہ کہتے ہیں وہ مجھکو دیکھکر
خوب ہم سرگرانیاں کرتے ہو
یاں وارے عیسیٰ کو بلا تیشہ لی
کہتا ہے وہ بت پان کو دانتوں سے دبا کر

محتسب اس ریش پر تجکو لڑکپن چاہیے
میرے سمجھانے کو ناصح تجھ سا کودن چاہیے
دوست سمجھیں کسکو کہنا کس کو دشمن چاہیے
پیغام آیا ہے اجل کے پیام سے
کیا غم ہے فاقہ مستوں کو ماہِ صیام سے
دین و دل ہار چکے نوبتِ جاں بازی ہے
منہ بند اپنا رکھتے ہیں شیشے شراب کے
مشتاق ہم رہے یہاں خط کے جواب کے
چشمِ بد دور اب تو عالم ہے
کچھ یہ واقف ہے کچھ یہ محرم ہے
اول طوافِ کوچۂ جاناں ضرور ہے
بزمِ طرب میں یادِ محبتاں ضرور ہے
دکھاؤ کچھ مجھے جاناں انار کے بدلے
وفا و مہر کے انداز یار کے بدلے
یعنی وصفِ قد و قامت کیجیے
ہے جفا یہ کہ تو وفا نہ کرے
ہے ادا یہ کہ تو ادا نہ کرے
تقصیر ہو نہ ہو اسے تعزیر چاہیے
نظر آتی اگر کمر کوئی ہو
کیونکر نہ عدو پست ہوں قسمت کے دھنی ہے
یوں لعل کٹا کرتے ہیں ہیرے کی کنی سے

تھا بیاضِ گردنِ لیلےٰ سے درسِ حسن و عشق
قیس کو طفلی میں کچھ مطلب نہ تھا اُستاد سے

محتسب کیسا مچلتا ہے تو میخانے میں
جاکے مسجد میں تو یوں پاؤں پسارے ہوتے

لائی اُڑا کے نکہتِ گیسوئے عنبریں
ابتو دماغ عرش پہ بادِ صبا کا ہے

تنہا

تنہا – نواب محمد شیر علی خاں بہادر تنہا رئیس مرادآباد مہدی علی خاں ذکی مرحوم مرادآبادی کے شاگرد تھے – معمر و سن رسیدہ بزرگ تھے – ستر سال سے زیادہ عمر پاکر حال ہی میں انتقال کیا – زبان – بندش – فصاحت – روزمرہ – غرض ہر طرح انکا کلام اچھا ہے پرانے مشاق تھے – اکثر نعتیہ غزلیں کہا کرتے تھے – دیوان بھی مرتب ہوگیا ہے – عاشقانہ کلام کا انتخاب درج ذیل ہے –

چھٹیں نبضیں یاد آگیا جب چھڑانا
جھٹک کر وہ شوخی سے دامن کسیکا

بہت پاؤں پھیلائے اے اشک تونے
مگر ہاتھ آیا نہ دامن کسیکا

کھینچ گیا یار تک نگاہ کے ساتھ
ناتوانی ترا گلہ نہ ہوا

نالہ نغمہ ہے اُسکی محفل کا
رقص ہے بیقرارئ دل کا

اُٹھا ہے تصور پردہ اور حیرت گرانی ہے
جو محوِ یار ہو جائے کشاکش درمیاں کیوں ہو

رہے چھیڑا اس مژہ کی نیشتر سے
لہو بہتا رہے زخمِ جگر سے

تنہا

تنہا – میر لطف علی باشندۂ مدراس – فن شاعری میں حضرتِ فصیح الملک داغ دہلوی کی شاگردی کا فخر حاصل ہے – موجودہ زمانہ کے معمولی موزوں طبع شاعروں میں ہیں –

تیر کیا کھینچا کہ تن سے رُوح اپنی کھنچ گئی
اے ستمگر زیست ہی کا سب مزا جاتا رہا

وصل کی شب پوچھتے ہیں مسکرا کر ناز سے
وہ تڑپنا لوٹنا کیوں آپ کا جاتا رہا

جب کہا میں نے کہ میں ہجر میں مرجاؤنگا
ہنسکے بولے کہ بلا سے مجھے پروا کیا ہے

توانا

توانا – منشی سید اکرام علی خلف سید سبحان علی – باشندہ فتحپور ہسوا – آپ کو پہلے تونگر سنگھ عاشق سے تلمذ رہا جو مرزا قتیل کے نامور شاگردوں میں تھے – اس زمانہ میں

آپ ناتواں تخلص کرتے تھے۔ جب حضرت ناسخ الہ آباد گئے تو آپ اُن کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور غزل اصلاح کے لئے پیش کی اُنہوں نے ناتواں کی جگہ توانا تخلص عنایت کیا۔ کلام ملاحظہ ہو۔

روندیو آکر ہماری خاک مدفن زیر پا
چل سکی کانٹوں سے کچھ مطلق نہ قینزا کی
قرب اعلے سے حصول رفعتِ اسفل نہو
نازکی دیکھو کہ رکھتا ہے قدم جب خاک پر
جس کی تنگی سے توانا دم خفا ہوتا رہا

ہاتھ اُٹھا کر ہم دعا دیں گے کہ دشمن زیر پا
لاکھ صحرا نے بچھایا اپنا دامن زیر پا
گل کو سب رکھتے ہیں سر پر کاہ گلشن زیر پا
تارِ بخیہ کو سمجھتا ہے وہ سوزن زیر پا
لاغری سے گر پڑا وہ طوقِ گردن زیر پا

توفیق

توفیق - صدر نشین وسادۂ عز و تمکین - شاہزادہ سلطان محمد بشیر الدین خلف الصدق سلطان شکر اللہ فرزند خاص حضرت ٹیپو سلطان والی میسور و سرنگاپٹن ۱۷۹۹ء میں جب ٹیپو سلطان جنگ میسور میں بمقابلہ افواج فرنگ دادِ شجاعت و مردانگی دیکر شہید ہوئے اور انکا ملک قبضہ سرکار کمپنی میں آیا تو شاہزادہ شکر اللہ معہ دیگر برادران و عزیزان چندے قلعہ دیلور میں زیر حفاظت سرکار انگلشیہ نظر بند رہے۔ اتفاق سے چند سال بعد فتنہ و فساد کی آگ وہاں بھڑک اٹھی اور باغیوں نے شہزادہ شکر اللہ کو اپنا سردار مقرر کرکے چند انگریزی افسروں کو تہ تیغ کر ڈالا حکام انگریزی نے بکمال حکمت عملی اس فساد کی آگ کو ٹھنڈا کیا اور ٹیپو سلطان مرحوم کے لواحقین کا اس ملک میں قیام خلاف مصلحت تصور کرکے سب کو کلکتہ بھیجدیا اور ٹالی گنج کو انکا جائے سکونت قرار دیا۔ خدا کے فضل سے حضرت توفیق اپنے والد ماجد کی مانند علم و فضل و اخلاق حمیدہ اور صفات برگزیدہ رکھتے تھے اور نکتہ سنجی اور موزونی طبع میں فخر خاندان تھے۔ تاریخ خوب کہتے تھے۔ انکے نام متعدد رقعے اسداللہ خان غالب کی اُردوئے معلےٰ میں موجود ہیں۔ غالب کے دوستانہ تعلقات ان کے ساتھ مربوط تھے۔ نظم و نثر فارسی اُردو دونوں میں دستگاہ تھی چنانچہ دیوان آخر کی

تقریظ و تاریخ خوب کہی ہے۔ ایک مہربان نے کلام بھیجنے کا پختہ وعدہ کیا تھا۔ مگر باوجود تقاضا ارسال نہ کیا۔ بدرجہ مجبوری صرف اندراج حال پر قناعت کی۔ سلطان بشیرالدین کی زندگی کا بڑا حصہ کلکتہ میں بسر ہوا۔ اور وہیں ۱۸۷۵ء کے قریب انتقال کیا۔

توفیق

توفیق ۔ امیرالملک والاجاہ نواب صدیق حسن خاں بہادر توفیق مرحوم شوہر نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ والیہ بھوپال۔ ان کے والد سید اولاد حسن قنوج کے معمولی لوگوں میں تھے ۱۲۴۸ھ ہجری سالِ ولادت تھا۔ صغر سنی میں دہلی جاکر تعلیم پائی۔ اور علامۂ دہر مفتی محمد صدرالدین خاں آزردہ کے شاگرد ہوئے۔ مفتی صاحب نے معقول و منقول فقہ و اصول بکمال توجہ پڑھائی۔ ۱۲۷۰ھ ہجری میں دہلی سے بھوپال گئے اور نواب سکندر بیگم صاحبہ کی سرکار میں منشی گری پر مامور ہوئے۔ پھر بعض وجوہ سے انکا تعلق ریاست بھوپال سے قطع ہو گیا۔ چند سال بعد بخت نے یاوری کی اور جمال الدین خان مدارالمہام بھوپال کی لڑکی سے انکا نکاح ہو گیا۔ اسکے بعد مہتمم مدارس ریاست و افسر مدرسۂ سلیمانیہ ہوئے۔ جب نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ مسند نشین ہوئیں ان کو خدمت میر منشی گری پر ممتاز فرمایا۔ اور یہانتک انکا عروج جاہ و اعزاز مدِ نظر ہوا کہ ۱۲۸۸ھ ہجری ہی میں بحالت بیوگی بیگم صاحبہ نے ان سے نکاح کر لیا۔ دربار قیصری منعقدہ ۱۸۷۷ء میں سرکار انگلشیہ سے خطاب امیرالملک والاجاہ ملا اور سترہ ضرب توپ کی سلامی مقرر ہوئی۔ بجائے رئیسہ منتظم ریاست ہوئے۔ ان کی قدر دانی اور ہنر پروری سے علوم و فنون مشرقی کے اکثر باکمال بھوپال میں جمع ہوئے۔ نواب صاحب مرحوم نہایت زبردست محدثوں اور عالموں میں شمار ہوتے تھے۔ ڈیڑھ سو کے قریب مختلف علوم و فنون میں کتابیں تصنیف اور تالیف فرمائی تھیں۔ ان کتابوں کی ہزارہا جلدیں مفت تقسیم ہوئیں۔ عربی فارسی میں نواب اور اردو میں توفیق تخلص کرتے تھے۔ فارسی میں اکثر اور اردو میں کمتر فکر سخن فرماتے تھے۔ تذکرہ شمع انجمن شعرائے فارسی کے حال میں ان سے یادگار ہے۔ آخر عمر میں بسبب لعض

ایجنٹ گورنر جنرل متعینہ سیہور سے ناچاقی ہوجانے کے باعث نواب موصوف انتظام معاملات ریاست سے دستکشی پر مجبور ہوئے۔ اور بحکم گورنمنٹ سلامی اتواپ اور خطابات سے محروم کئے گئے۔ بیگم صاحبہ ان کی اولاد سے بہت مانوس تھیں بیش قرار مواجب کے علاوہ اور لکھو کھا روپیہ کا سلوک انکے ساتھ کیا۔ ان کے دونو صاحبزادے نورالحسن خاں اور علی حسین خاں جو جمال الدین خاں صاحب وزیر بھوپال کی لڑکی کے بطن سے ہیں۔ بعد وفات نواب شاہجہاں بیگم لکھنو چلے آئے ہیں ۱۸۹۵ء میں نواب صاحب نے عالم بقا کی راہ لی۔ اردو کے چند شعر حاضر کئے جاتے ہیں۔

باتوں باتوں میں کچھ ایسی بات اُسنے چھیڑ دی
کہتے کہتے دل سے حرفِ مدعا جاتا رہا

ڈر و خدا سے کوئی اور کھیل کھیلو تم
بہت برا ہے مریجان مشغلہ دل کا

بلاتے ہیں تو مبارک تمھیں پراے توفیق
زیادہ حد سے نہ بڑھ جائے حوصلہ دل کا

الله ہی طبیب ہے مجھ دردمند کا
عاشق ہوا ہے دو مرے بند بند کا

توفیق کس خوشی سے جلاتے ہیں مریجان
وہ جو نہ دیکھ سکتے تھے جلنا سپند کا

برپا کریں نہ فتنہ کوئی دیکھے آس پاس
بیٹھے ہیں یاس و حسرت و غم ملکے آس پاس

دیکھ بدمست ہے مجھے مارکے ٹھوکر بولے
ہم تو مستوں کو بھی ہشیار بنا لیتے ہیں

حضرت ناصح دل اُس بیدرد کو دوں یا نہ دوں
آپ تو کہئے کہ اسمیں آپ کی کیا رائے ہے

عبث رقیب کی تعریف مجھسے کرتے ہو
یہی نہ کہدو کہ اُٹھ جاؤ میری محفل سے

جب کہتے ہیں ہم حشر میں فریاد کرینگے
ہنستا ہے کہ ہم بھی تری امداد کریں گے

توفیق۔ جناب مولوی سید جلال الدین صاحب اہلکار دفتر صدر مجلسی سرکار عالی حیدرآباد کے رہنے والے اور دور موجودہ کے شعرا میں ہیں۔ رسالونمیں آپ کی چند غزلیں نظر سے گذریں کچھ شعر منتخب ہوکر درج ہوئے۔ شگفتہ طبیعت پائی ہے۔ مذاق شستہ ہے

لاکھ محبوس قفس کر تو مجھے اے صیاد
میں نکل جاؤنگا فریادِ عنادل کی طرح

توفیق

حسرت لے جذب کہ لیلیٰ ہو سوار محمل — قیس ہو ساتھ غبارِ پسِ محمل کی طرح
اشک رہتے ہیں رواں نالہ ادا ہو کہ نہ ہو — قافلہ راہیٔ منزل ہے ذرا ہو کہ نہ ہو
تپشِ قلب کو تحریک نفس سے مطلب — شعلہ زن رہتی ہے یہ آگ ہوا ہو کہ نہ ہو
چونک اٹھیں یا نہ اٹھیں خوابِ عدم سے مُردے — یوں چلو تم ۔ تو کہو حشر بپا ہو کہ نہ ہو
بے سبب چارہ گرو تمکو نہیں تشویشِ علاج — دل کا ارماں ہی نکل جائے شفا ہو کہ نہ ہو
ایذائے قید سہہ نہیں سکتے سبک خرام — مٹھی میں بند ہو نہیں سکتی ہوا کبھی

توقیر

توقیر ۔ مولوی عبد القادر توقیر متوطن پنجاب مقیم دہلی ۔ استعداد علمی اگرچہ کم تھی مگر شاعری سے طبیعت کو بیحد لگاؤ تھا ۔ بڑے وجیہ خوش مزاج شکیل طبیعت دار ذکی نوجوان تھے ۔ حضرت داغ ظہیر انور کے ہم مشق و ہم صحبت تھے ۔ اکثر فکر رسا کی اعانت سے مضامین نازک اور عالی کی تلاش میں سرگرم رہتے تھے ۔ اوائل مشق میں چند غزلیں میاں تنویر کو دکھائیں ۔ پھر حضرت ذوق کی خدمت میں آئے اور انکی وفات کے دو تین مہینے بعد ۱۲۷۱ھ ہجری میں ناشاد و نامراد جہان فانی سے عالم بقا کی طرف سفر کیا ۲۵۔۲۶ سال کی عمر پائی ۔

توقیر دل رمیدہ پھر آوارہ ہو گیا — کس نے سنا دیا اُسے مژدہ بہار کا
واں نمک کا بھی صرفہ ہے توقیر — زخم کھانے کا کچھ مزا دیکھا
گر آئے جوش پر دریا مرے اشکِ ندامت کا — تو کیونکر پانی پانی دل نہ ہو پھر ابرِ رحمت کا
مجکو کیوں دیکھا بتِ ناآشنا کو دیکھکر — ناصحو دیکھو کہ کچھ کہنا خدا کو دیکھکر
انتظارِ نامہ بر میں اسقدر بے ہوش ہوں — جان تن میں آگئی پیکِ قضا کو دیکھکر
جو یار محبت سے پوچھتا ہے ماجرائے دل — سینے پہ ہاتھ دھر کے یہ کہتا ہوں ہائے دل
زخمی تری نگاہ کے آخر کو مر گئے — کہہ کہہ کے ہائے ہائے جگر ہائے ہائے دل
ہم تو خاطر سے تری غیر کو بھی تعظیم دیں — رشک پھر کہتا ہے بیٹھو اپنی یہ عادت نہیں
بتوں کو چاہنا اور حضرت توقیر یہ صورت — بظاہر تو نظر آتے ہو تم غیرِ مسلماں سے

توقیر

توقیر۔ لالہ نرائن داس خلف لالہ پھول چند باشندہ فرخ آباد۔ منشی سید اسمٰعیل حسین منیر کے فیضِ تلمذ سے بہرہ ور اور ۱۲۷۴ھ میں حیات تھے۔ طبیعت کا رنگ مفصلہ ذیل اشعار سے آشکارا ہے۔

آئینے سے بھی ہے وہ چند صفا ہاتھوں میں	منہ نظر آتا ہے اسے ماہ لقا ہاتھوں میں
سلطنت ملتی ہے چھوتا ہے جسے وہ محسن	طائر رنگ حنا ہے کہ ہما ہاتھوں میں
سونا چھلّوں کا گلا جاتا ہے اے شعلہ مزاج	گرمیاں اور دکھاتی ہے حنا ہاتھوں میں
عرقِ چہرۂ دلدار کو پونچھا توقیر	ہے عطرِ گل فردوس ملا ہاتھوں میں

توقیر

توقیر۔ میر عبدالعلی نام۔ قنوج کے رہنے والے اور رشک لکھنوی کے شاگرد تھے غدر سے پیشتر پٹنے میں بود و باش اختیار کر لی تھی۔ مرثیہ تحت لفظ خوب پڑھتے تھے۔ آدمی بامذاق و صاحب دل تھے۔ عطر سازی کا پیشہ کیا کرتے تھے ۱۳۰۲ھ میں ساٹھ باسٹھ (۶۲) برس کی عمر تھی یہ ان کے اشعار ہیں۔

جب سے طوفاں خیز میرا دیدۂ تر ہو گیا	مردم آبی کے رہنے کیلئے گھر ہو گیا
آج روشن اُس قمر سے کیا مرا گھر ہو گیا	نور چشم مہر و مہ ہر روزن در ہو گیا
رہ گئی جو میت پروانہ بے غسل و کفن	شمع کا منہ آنسوؤں سے بزم میں تر ہو گیا
شک نہیں اسمیں اشد الموت ہے ہی انتظار	آج اُنکے وعدۂ فردا سے محشر ہو گیا
مژدہ باد اے مرگ ناکامی ہوا قصہ تمام	جسکے ہم عاشق تھے وہ عاشق کسی پر ہو گیا
ناتوانی سے نکلنا جان کا مشکل ہوا	کشتئ عمر رواں کا ضعف لنگر ہو گیا

توقیر

توقیر۔ شیخ ارادت اللہ صاحب رئیس قنوج فرخ آباد کے ضلع میں ترروا ایک چھوٹی سی جاگیر اُنکے سالہا سال منتظم رہے۔ شعر و سخن سے بھی اُنس تھا چنانچہ یہ اُن کے نتائج افکار کا خلاصہ ہے۔

ہے سامنا اجل کا قیامت ہے قہر ہے	کچھ دل لگی نہیں ہے جو تم سے لگائے دل

کرنا نہیں بھولے سے کبھی یاد ہماری — کیا شاد ہو پھر خاطرِ ناشاد ہماری
مرقد کی مِرے آکے اُڑاؤ نہ تم اب خاک — ہستی نہ کرو مفت میں برباد ہماری

صنم جو رام ہوا ہے خدا خدا کرکے — دل و جگر کروں صدقے جدا جدا کرکے

تمھارے ہی سبب بے نقابی سے قمر نے داغ کھایا ہے — رخِ انور سے کیوں اے مہر وش پردہ اٹھایا ہے
دکھائے گی اسے نیچا کبھی آہِ دلِ عاشق — کہ اس پیرِ فلک نے اب بہت کچھ سر اٹھایا ہے
ازل ہی میں ستم پیشہ تمھارے ہاتھ لکھا تھا — کسی سے خامۂ قدرت کا لکھا بھی مٹایا ہے
غم و رنج و الم درد و تمنا یاس و حسرت کو — شبِ تنہائی میں اپنا انہیں مونس بنایا ہے

توقیر

توقیر ۔ جناب سید باقر حسین توقیر دہلوی ۔ شاگرد حضرتِ داغ دہلوی مرحوم ۔ کلام خاص ہے رسمی شاعر ہیں ۔ کوئی خاص بات قابلِ تشریح ان کے کلام میں نہیں ہے ۔ یہ ان کے اشعار ہیں ۔

ہمکو دنیا سے ترے لطف و کرم نے کھویا — گھر کہاں اُن کا جو دل میں ترے گھر کرتے ہیں
گالیوں پر اسے کھولیں کہ باندھیں پٹے قتل — یہ وہن رکھتے ہیں دلبر نہ کمر رکھتے ہیں
آپ کے پاس نزاکت نے کیا ہے خاموش — ورنہ نالے مِرے آفت کا اثر رکھتے ہیں
چاہنے والوں سے غافل نہیں رہتے معشوق — بے خبر بن کے یہ عاشق کی خبر رکھتے ہیں

توقیر

توقیر ۔ نواب احمد مرزا خانصاحب خلف نواب مرزا محمد جعفر خانصاحب مرحوم نبیرہ نواب حیدر بیگ خانصاحب مغفور عرف چھٹن صاحب المتخلص بہ توقیر لکھنوی از تلامذہ حکیم سید علی ضامن صاحب متخلص بہ شوق خلف جناب رشک شاگرد شیخ ناسخ مرحوم ۔ آپ دورِ موجودہ کے شاعر ہیں اور یہ آپ کے کلام کا انتخاب ہے ۔

تارے گن گن کے وہ آنکھوں میں سحر ہو جانا — کیا کہیں ہجر کی راتوں کا بسر ہو جانا
مجھ سے کرتی ہے اشارہ وہ لگاوٹ کی نظر — کہ دکھا دوں میں ترے دل کا اِدھر ہو جانا
حشر لانے کو ہے توقیر تِری میت پر — بے خبر کو ترے مرنے کی خبر ہو جانا

کیوں فلک دور میں تیرے کبھی ایسا بھی ہوا
کہ شب ہجر کی ممکن ہو سحر ہو جاتا

دل سے راضی ہوں فلک پیس کے سرمہ کر دے
شرط ہے آپ کے منظورِ نظر ہو جاتا

سیر کو آتے ہیں بیمارِ محبت کی وہ روز
ہے بُرا اب تو مرے واسطے اچھا ہونا

داغِ دل بعد فنا سینہ میں روشن ہوکر
ضَو دکھاتا ہے چراغِ تہِ دامن ہوکر

وصل کی آس ہیں یا یاس میں دم نکلا ہے
شمع تربت مری بجھ جائیگی روشن ہوکر

باغ میں غیر سے پھر سینکے رلاتے ہو مجھے
خار دیتے ہو گلو غیرتِ گلشن ہوکر

خوف ہے مجھ کو قیامت نہ کہیں آجائے
کعبۂ دل میں بُت آتے ہیں برہمن ہوکر

سوزِ دل کی یہ مرے ہوتی ہے دیکھو توقیر
شمع کا نام ہوا بزم میں روشن ہوکر

قلم سے شیخ کے نکلے کہ مے حرام نہیں
یہ دستخط نہ کرالوں تو رند نام نہیں

پری جمال کو نظروں میں شیخ پی پی کر
یہ کہہ رہا ہے کہ بنتِ عنب حرام نہیں

قتل میں میرے نہ ہو کچھ شرکتِ خونِ رقیب
دوسرا خنجر منگالیں آپ تو احساں کریں

دل کے ٹکڑے کر دیئے حاضر ہی عشقِ حبیب
ہم غریب دیتے ہوا کیا خاطرِ مہماں کریں

بلا سے مانگے گو رزق آسیا کو
مگر اسپر بھی گردش میں لبِ سم کی

توانگر — **توانگر**۔ منشی عبد العلی مرحوم خلف میاں مسکین۔ علمی استعداد معقول تھی۔ نواب سکندر بیگم صاحبہ کے عہد دولت میں ترقی پاکر میر منشی ریاست کے عہدہ گرامی پر ممتاز ہوئے۔ نواب شاہجہاں بیگم کے دوران حکومت میں بھی مورد عنایات رہے اور مشاہرہ میں بھی ترقی ہوئی مگر شومئی طالع سے بسبب کبر سنی دماغ میں ضعف آگیا اور عملیات سفلی و فسوں خوانی کی طرف توجہ مائل ہوگئی۔ انجام کار سرکار کے حکم سے خارج از ریاست کئے گئے۔ تذکرہ فرح بخش سے کلام انتخاب ہوکر درج کیا گیا۔

دیکھئے ہر دم نہ اپنا روئے روشن آب میں
ہو بجھے ہر دم نہ صاحب آتش افگن آب میں

کیوں نہ کر سکے تھے شب اُس مہ لقا کے ہاتھ
قابو چلا تو باندھونگا میں بھی حنا کے ہاتھ

ہالے کی شکل گرد رخِ ماہوش ہوئی — انگڑائی کی جو یار نے دو تو ملا کے ہاتھ

تھانیسری

تھانیسری - شاہ امام بخش نام - یہ بزرگ درویش صفت اور نیک نہاد تھے شبانہ روز اپنی اوقات اوراد و یادِ حق میں گذارتے تھے سلسلۂ قادریہ میں کسی بزرگ سے بیعت تھے - مسٹر الیف فیلن صاحب نے ان کا تخلص تھانیسری لکھا ہے اور کہتے ہیں کہ گاہ گاہ بطور خود شعر موحدانہ اسکی طبع سے ٹپک پڑتا تھا سنہ ۱۲۴۸ ہجری میں موجود تھے - یہ انکے اشعار ہیں -

اِس جہاں میں اُس جہاں میں کون ہے — ہر نہاں میں ہر عیاں میں کون ہے
ہے جو دکھلاتا تجلی دم بدم — ہر جمالِ دلبراں میں کون ہے
تو کہے میں گفتگو سے پاک ہوں — پس یہ گویا ہر زباں میں کون ہے
لوگ کہتے ہیں خدا ہے لامکاں — پھر زمین و آسماں میں کون ہے

تہور

تہور - میرزا غلام فخر الدین تہور برادر حقیقی مرزا قادر بخش صابر - اصلاح سخن حضرت احسان اور حکیم مومن خاں سے لیتے تھے - عنوانِ شباب میں غدر سے آٹھ دس سال پیشتر قضا کی یہ ان کے اشعار ہیں -

ناصحا پند و نصیحت تو نہ کر محفل میں — یہاں مرے ساتھ کوئی اور بھی رسوا ہو گا
اب ہے کیا باقی جو ہے کاوش تری در جستجو — چاک دامن ہو گیا ٹکڑے گریباں ہو گیا
پھر خدا لائے اُسے یادش بخیر — کیا تہور بے تکلف یار رہتا تھا
رشکِ دشمن کا سبب عشق میں کیا ہی ناصح — امتحاں کیجئے مشفق کہیں شیدا ہو کر
لے آئے ذرا خط کا جواب اُس سے کسی ڈھب — افسوس کہ قاصد سے اب اتنا نہیں ہوتا

تہور

تہور - منشی تہور علی خاں - عدالت فوجداری کانپور میں مختاری کرتے ہیں - اور شاگرد جناب آساں سے تلمذ ہے - دو تین غزلیں نظر سے گذریں اُنکا انتخاب حاضر ہے

اپنے نالوں سے کل گئے دل میرا — کہتے ہیں کیا پائمال ہوا

شبِ فراق کی حالت نہ پوچھئے مجھسے
میں کیا بتاؤں کس درجہ بیقرار رہا

اور بھڑکے گی تہور ہو نہ گریاں اسقدر
آتشِ دل کو کبھی آنسو بجھا سکے نہیں

تیمور

تیمور ۔ مرزا سعادت سلطان تیمور گورگانی خلقت مرزا قادر بخش موزوں برادر نسبتی مرزا قادر بخش صابر اوائل میں حضرت احسان کے شاگرد تھے ۔ بعد میں مرزا صابر سے مستفید ہوئے عرصہ ہوا کہ انتقال کر گئے ۔

اس سادہ مزاجی پہ بھی مرتے ہیں ہزاروں
اللہ رے عالم ترے بے ساختہ پن کا

رہتا ہوں اپنی بے پروائی پہ باغباں
فصلِ خزاں میں بلبل بے پر کو دیکھکر

ضبط نالہ کیا تو جان گئی
اپنا گویا میں آپ قاتل ہوں

ث

ثابت

ثابت ۔ اجابت خاں یا اصالت خاں ان کا نام تھا۔ عظیم آباد کے رہنے والے اور مرزا بچھو فدوی کے شاگردوں میں تھے۔ اپنے زمانہ میں علم استادی بلند کرتے تھے طبقۂ دوم کے آخر شعرا میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ یہ اشعار اُن کے درج کئے جاتے ہیں

وقت مرنے کے مرے پاس وہ موجود ہوا
اپنے ہی جی کا زیاں اپنے لئے سود ہوا

مجمر سینہ میں دن رات پڑا جلتا ہے
آہ ثابت یہ ترا دل ہوا عود ہوا

مصرع کبھو جو آہ کا موزوں کروں ہوں میں
مُشکانِ نو سپہر کا دل خوں کروں ہوں میں

ثابت

ثابت ۔ منشی مہر علی۔ اصلی وطن بڑہانہ ضلع مظفر نگر تھا مگر یہ خود قبل از غدر دہلی میں بود و باش رکھتے تھے۔ حافظہ اچھا تھا۔ اور اساتذہ قدیم مثل سودا اور میر درد کے ہزارہا شعر ازبر تھے۔ دہلی میں رہ کر استعداد علمی کے علاوہ فکر سخن میں بھی سلیقہ معقول پیدا کیا کلام ملاحظہ ہو۔

دیکھا جب مجھے تو ہو کے خفا غیر سے کہا
اس بزم میں ہر ایک کو آنا نہ چاہیئے

کھل جائیگا دہاں کس و ناکس پہ رازِ عشق
اے دل اس اضطراب سے جانا نہ چاہیئے

ثابت

ثابت ۔ ثابت شیخ ثابت علی ولد شیخ محمد علی سنہ ۱۲۷۱ ہجری مطابق سنہ ۱۸۵۴ء میں راجہ بھرت پور کی سرکار میں معتمد اور بہ تقریب سرانجام کار اپنے ولی نعمت کے دہلی میں وارد تھے۔ گاہ گاہ شعر بھی کہہ لیتے تھے۔ اور خاصہ کہتے تھے۔ یہ چند شعر اُنکے ہیں۔

آنے کی کسی کے کیا سُنی ہے
جاں لب پہ ٹھہر گئی ہے آکر

کہتے ہیں وہ بیوفا اب آیا
کہنے ہی کی بات ہے سُناکر

ثابت کا ہے حال غیر کل سے
تم بھی اُسے دیکھ آؤ جاکر

ثابت

ثابت۔ شاہزادہ میرزا معزالدین ثابت مرحوم خلف الصدق حضرت شاہ عالم بادشاہ و برادر حقیقی مرزا احسن بخت احسن۔ حافظ عبدالرحمن خاں احسان کے شاگرد رشید تھے۔ قلعہ معلیٰ میں اکثر شاہزادے انکے شاگردی سے ممتاز تھے آپنے۔ اپنے اُستاد کا دیوان مُرتب کیا تھا جو راقم تذکرہ کے پاس موجود ہے۔ خود بھی موزوں طبع شاعر اور صاحب دیوان تھے جسکا ایک قلمی نسخہ میرے پاس موجود ہے۔ اچھا کہنے والوں میں تھے۔ زبان صاف پاکیزہ اور معاملہ کے شعر خوب کہتے تھے۔ اوائل عہد بہادر شاہ میں انتقال فرمایا۔ یہ ان کا کلام ہے۔

آفریں دلکو ترے ثابت وگرنہ بار عشق
سے نہ زمیں سے اُٹھ سکا نہ آسماں سے اُٹھ سکا

شبنم کی طرح اس چمن دہر میں ثابت
جز گریہ ہمیں اور تو کچھ کام نہ آیا

ق

زیور گل کو لگا آگ یہ مالن سے کہا
میرا طُرہ میرا گہنا میرا گجرا نہ بنا

پھول عاشق کے ہوں اور پھولوں کا گہنا پہنو
دست دیا پھول گئے پھولوں کا گہنا نہ بنا

خوبرو تیری نہیں ہے کچھ فقط گفتار خوب
سج پری کا کل دھواں بالا بلا رفتار خوب

تھا قلق اور بے قراری رات
مجکو روتے کٹی ہے ساری رات

مینے کل اُس سے کہا دلمیں مرے درد ہے آج
ہاتھ سینے پہ مرے رکھکے کہا کیا بات

یوں کہا اُسنے کہ ثابت سے مجھے پیغام نہ بھیج
مجھکو بدنام نہ کر نامہ مرے نام نہ بھیج

لگایا تیر جو تُنے فقط کلیجے میں ٹر ٹر
ہر ایک عضو ہے میرا جُدا جُدا لگیہ

چکور آسا قد اسکے کیوں تو رہئے درخشانِ مہوشاں پر
قدم رکھیں ہیں وہ کب زمیں پر دماغ اُنکا ہے آسماں پر

یہ سمجھتے نہیں اس تیغ سے ہے زیست مری
لوگ کہتے ہیں نکالو کسی تدبیر سے تیر

ہاتھ زنجیر طلائی میں جو اُٹھا بوسے لے
کیا بلا ہے تجھے ثابت مری زنجیر نہ توڑ

انصاف ہے کہ منتخب اس ابرو ہوائیں
کس طرح سے ہو ساقی گلفام فراموش

دست جنوں کو یوں ہے گریباں سے اختلاط — دامن کو جیسے خار بیاباں سے اختلاط

پھر دلستاں نے دل کا ستانا کیا شروع — پھر آہ بزم غیر میں جانا کیا شروع

آہ گر پردہ نشیں وہ بت گلفام نہو — دیر میں کفر نہو کعبے میں اسلام نہو

رقص میں وہ نازنیں جسوقت گرم ناز ہو — ناز خوباں چاہیے پھر فرش پا انداز ہو

اسقدر او بے مروت مجھسے استغنا تجھے — جان دینی تھی مجھے پر دل نہ دینا تھا تجھے

تجھکو شاباش تصور کے مصور دل پر — لکھدے اُس عالم تصویر کی تصویر مجھے

کیا جو دوستی میں تو نے ہمپر مکر سے فن سے — کوئی ایسی نہیں کرتا مریجاں اپنے دشمن سے

کہدو اُس چشم سے پرہیز کرے اُس سے مدام — تیرے بیمار کی جاں باعث پرہیز چلی

اودہر ہے بادہ پیما بزم میں باہمدگر کوئی — ادہر پیتا ہے اپنا دمبدم خون جگر کوئی

برہمن کافر و دیندار سبکو بھا گیا ایسا — خدائی میں اُسی بت کا جپے ہے نام ہر کوئی

جی ہی جاتا جو ترے لب پہ مسیحا میرے — مرتے مرتے نگہ عاشق بسمل پڑتی

مت دکھا اے برق خرمن سوز طراری مجھے — آتش الفت کی ہے ورکار چنگاری مجھے

کیا دن پھریں ہمارے گروہ پھر کے سفر سے — لیں وہ تمہارے چنگلے ہم دیکھنے کو ترسے

زلفوں کا جبکہ سودا دل کو ہوا وہ بولے — اپنا تو رونگٹا بھی خالی نہیں بہر سے

دل پر داغ کو پٹک کے کہا — چھیڑیاں داغ دار کیوں آوے

اکیلا دیکھکر کل مینے اُسکو جان کر پوچھا — ق — ہمارا جانا بوجھا یا کوئی انجان جاتا ہے

ٹھٹک کر مسکرا کر یوں کہا ہٹ جا ارے ظالم — ترے سرکی قسم کوئی ابھی یہاں جان جاتا ہے

ثابت

ثابت ۔ منشی سید مفضل حسین لکھنوی ابن سید مہدی حسین ابن میر زین العابدین عرف میر منگل (رسالدار عہد امجد علیشاہ بادشاہ اودھ) آپ کے حقیقی نانا سید محمد رضا ظہیر مرحوم شاعر مرثیہ گو ارشد تلامذہ مرزا دبیر مغفور سے تھے ۔ آپ کی ولادت ۱۵ رجب ۱۲۸۰ھ ہجری یوم جمعہ کو ہوئی (نظیر حسن تاریخی نام ہے) اردو ۔ فارسی ۔ عربی ۔ انگریزی وناگری کی

زبانوں سے واقفیت رکھتے ہیں ۱۸۸۳ء میں ریاست کوٹہ میں اولاً محرری جیل پر ملازم رہے ۔ پھر ناظر عدالت صدر دیوانی کوٹہ مقرر ہوئے ۔ اب سررشتہ دار عدالت سیشن جج ہیں ۔ غزل گوئی میں منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی مرحوم سے اور مرثیہ گوئی میں مرزا محمد جعفر صاحب اوج لکھنوی سے تلمذ رکھتے ہیں ۱۳۱۱ ہجری میں زیارت کربلا و نجف اشرف وغیرہ سے بھی مشرف ہو چکے ہیں ۔ آپ کا سفرنامہ منظوم موسوم بہ ریاض فکر چھپ کر شائع ہو چکا ہے ۔ ایک میلاد منظوم اور بہت سے سلام و مرثیے و رباعیات موجود ہیں ۔ باقی عاشقانہ کلام اکثر گلدستہ جات و اخبارات وغیرہ میں چھپتا رہتا ہے ۔ دیوان چھپوانے کا کبھی خیال نہیں کیا ۔ ورنہ کافی مصالحہ موجود ہے ۔ ۶۰ سال کے قریب سن ہے ۔ شعر بہت اچھا کہتے ہیں ۔ طبیعت میں شوخی بھی ہے ۔ جو کلام آپ نے عنایت کیا مع کلام بہم رسیدہ سابق کا چیدہ انتخاب حاضر کیا جاتا ہے ۔

شبِ فرقت میں نیند آئے بھلا کیا　　گذرتے ہیں تصور دل میں کیا کیا
تمھارے نازِ بیجا کیا ہیں اے جان　　اُٹھا لیں ہم تو سر پر آسماں تک
منا نہ فرض زاہد نے قضا کی　　عجب شوخی ہے کافر کی ادا میں
حسرتیں جب یاس سے دست و گریباں ہو گئیں　　مشکلیں جتنی پڑی تھیں سب وہ آساں ہو گئیں
ایک عالم ہے بپا ویرانۂ دل عمر بھر　　بستیاں کتنی بسیں اور کتنی ویراں ہو گئیں
خاک پا تھی عطرِ اُتّل جنکی ۔ عرق جنکا گلاب　　کیوں فلک وہ صورتیں مٹی میں پنہاں ہو گئیں
ہر خوشی کا باغ عالم میں تباہی ہے مآل　　کھلکھلا کر جب ہنسیں کلیاں پریشاں ہو گئیں
صورتیں آنکھوں میں پھرتی ہیں وہ نقشے یاد ہیں　　کیسی کیسی صحبتیں خواب پریشاں ہو گئیں
زندگانی سے کہیں بہتر ہے اُس عاشق کو موت　　تیری زلفیں جسکے ماتم میں پریشاں ہو گئیں
کرکے محو دل سوزِ الفت جدا ہونے لگے　　آگ بھڑکا کے جگر کی تم ہوا ہونے لگے
یارب یہ کون چٹکیاں لیتا ہے بار بار　　پہلو میں یار ہے کہ دلِ بیقرار ہے

مجھے دل لینے دے اُس جانِ جان سے ۔۔۔ جیا دم بھر کو اُٹھ جا درمیاں سے

عمر بھر کاتبِ اعمال رہے ہیں ہمدم ۔۔۔ دیکھئے حشر میں دیتے ہیں گواہی کیسی

جدا جانے کوئی ارمان ہے یا تیر کا پیکاں ۔۔۔ یہ حالت ہے کہ جیسے دل کوئی سینہ میں ملتا ہو

پھیلا پھرے ہے چونک تغافل کے خواب سے ۔۔۔ پہرہ بدل رہا ہے بڑھاپا شباب سے

دلِ ثابت تھا جب ثابت نہ آتا تھا نظر کچھ بھی ۔۔۔ جو ٹوٹا شیشۂ دل سینکڑوں ہی جامِ جم نکلے

غرور و کبر سے نفرت ہے ضد خوشامد سے ۔۔۔ پسند آئی سلامت روی کی چال مجھے

کسی ہنر کا تو کیا ذکر فن کرے ثابت ۔۔۔ کہ نقص میں بھی نہ حاصل ہوا کمال مجھے

دل سوا تجکو سب مجھے تیرے سوا کیا چاہئے ۔۔۔ تجھکو آئینہ ۔ مجھے آئینہ سیما چاہئے

رباعی

احباب کے جلسوں کا جو سودائی ہے ۔۔۔ کچھ یاد ہے تجھے قبر کی تنہائی ہے

ثابت ۔ یہ موت کا تعجب کیسا ۔۔۔ مرنا جینے کی علتِ غائی ہے۔

〃

پھل پائیں گے جو تخمِ کرم بو دیں گے ۔۔۔ مرقد میں یہ پھول بن کے خوشبو دیں گے

جنکے لئے چھوڑتا ہے مال او منعم ۔۔۔ مرنے پہ وہ مٹی بھی نہ تجکو دیں گے

ثاقب

ثاقب ۔ منشی شہاب الدین خاں ساکن قصبہ سیوہارہ ۔ درویش توکل پیشہ شاعر پُر گو اور خوش تقریر اور استاد نامور شاہ مبارک آبرو کے عقیدتمند و شاگرد تھے کبھی کبھی سراج الدین علیخان آرزو سے بھی مشورہ کر لیتے تھے ۔ احمد شاہ ابدالی اور عالمگیر ثانی کے عہد میں زندہ تھے ایک پُرانے تذکرہ میں لکھا ہے کہ جس وقت افاغنہ دُرّانی نے مرہٹوں سے شکست پائی اسی زمانے میں ان کا انتقال ہوا ۔ پُرگوئی کے باعث ایک ضخیم دیوان مرتب ہوگیا تھا ۔ مگر ترتیب تذکرہ کے وقت صرف چند شعر دستیاب ہوئے جنکا انتخاب درج ذیل ہے فیلن صاحب نے اپنے تذکرہ میں ان کا ذکر بھی لکھا ہے ۔ صرف نام میں غلطی کی ہے یعنی شمس الدین لکھا ہے ۔ ورنہ بقیہ حالات وہی ہیں جو یہاں درج ہیں۔

مر گئے تو بھی کچھ نہ پوچھی بات ۔۔۔ لتس پہ ثاقب کا یار کہتے ہیں ؟

ثاقب کی نعش اور قاتل سے نے آ پکارا	یہ کون مر گیا ہے کس کا ہے یہ جنازہ
مجھسے بیدل کی اگر تصویر کھینچا چاہیئے	اے مصور اسکے تئیں دل گیر کھینچا چاہیے
اک نگہ ترچھی ہی سے ہوتا ہے بس عالم کا کام	تجکو کاہیکو میاں شمشیر کھینچا چاہیے

ثاقب ثاقب - مرزا مہدی ولد مرزا انور علی بیگ - اُستاد نواب محسن الدولہ - باشندہ لکھنؤ - شیخ ناسخ مغفور کے شاگرد تھے - صاحبِ دیوان گذرے ہیں - ان کے شاگردوں میں آغا علی شمس نامور ہوئے - یہ اُن کا کلام ہے -

ذکر بوسے کا جو آیا تو پڑا گال پہ نیل	مانگنا ظلم ہوا تاب نہ لایا عارض
کس نے بوسے لئے کیوں آج ہو مرجھائے ہوئے	گُل افسردہ کی صورت ہے تمھارا عارض
ہو گیا بار نگہ سے ترا نیلا عارض	کس نے دیکھا ہے بتا دے کوئی ایسا عارض
شجرِ طور جو قامت ہے تو رُخ شعلۂ طور	اے بتو نور خدا کا ہے تمھارا عارض
مدح تیرے حُسن کی کرتی زبانِ حال سے	رکھتی گویائی اگر تصویر پشتِ آئینہ
نہ کیونکر صاف ہوں بعد شہادت میں ستمگر سے	غبارِ دل مرا قاتل نے دھویا آبِ خنجر سے
ہوا محبوس میں جسدم جنوں نے پانوں پھیلائے	روانہ کشتیٔ وحشت ہوئی بیڑی کے لنگر سے
قیامت قامتِ دلدار کے مضمون کہتے ہیں	نہیں کم آفتابی داغ سے خورشید محشر سے
نہیں چشم توقع عمدگانِ عہد سے ثاقب	کسی نے پیاس اپنی کب بجھائی آبِ گوہر سے

ثاقب ثاقب - نواب شہاب الدین احمد خان ثاقب مرحوم مہین پور عالی جناب نواب ضیاء الدین احمد خانصاحب والی لوہارو رئیس اعظم دہلی - مرزا نوشہ غالب مرحوم کے سسرال کے رشتے سے بھتیجے اور فن شعر میں شاگرد رشید تھے - چھوٹی سی عمر میں اپنی ذاتی علم و فضل اور خوش اخلاقی کی وجہ سے اچھا نام پایا تھا اور حکام وقت کی طرف سے آنریری مجسٹریٹی دہلی کے جلیل القدر عہدہ پر ممتاز تھے - صاف صاف عاشقانہ رنگ میں جس میں کچھ تصوف اور اخلاق کی بھی چاشنی ہوتی تھی اچھا کہتے تھے - کلام میں درد اور مزا ہے - مرزا غالب نہیں

بہت عزیز رکھتے تھے۔ استعداد علمی بھی معقول تھی۔ افسوس کہ عین عالم شباب میں ۹۔اپریل ۱۸۶۹ء مطابق ششم محرم الحرام ۱۲۸۶ھ ہجری یوم دوشنبہ بعارضۂ تپ واسہال ہنگام سپہر انتقال کیا اور حسب وصیت درگاہ قدم شریف میں اپنے عم مرحوم نواب شمس الدین احمد خاں کے پہلو میں دفن ہوئے ۲۹ سال کی عمر پائی مرزا باقربان علی بیگ سالک نے تاریخ کہی ؎

از صدمۂ مرگ ثاقب والا جاہ
ہر سو ست صدائے نالہائے جاں کاہ

تاریخ وفات او چنیں سالک گفت
روز ششم محرم صد آہ
۱۲۸۶ھ

آپ نے چار صاحبزادے اور ایک لڑکی یادگار چھوڑی۔ صاحبزادوں کو میراث پدری کے علاوہ شاعری بھی ارث میں ملی ہے۔

کیوں وعدہ کرو بے خبر آجاؤ کسی وقت
ہوں وصل کا خواہاں نہیں مشتاق خبر کا

اُس عصر میں کہتے تھے اسے پیار سے طوفان
بچپن کا ہے یہ نام مرے دیدۂ تر کا

ہر شخص کا دل شہر میں کھینچتا ہے اُدھر کو
پوچھے کوئی کیوں اور ہے رستہ ترے گھر کا

گھر بیاباں میں بنایا نہیں ہمنے لیکن
جسکو گھر سمجھے ہوئے تھے وہ بیاباں نکلا

وہی جگہ دیر میں ثاقب کو سمجھ کر مسکن ہو
وہ عدوئے بت و بتخانہ مسلماں نکلا

لاتے زباں کو کام میں کرتے وہ ہم سے بات
مجبور رہگئے کہ سر سے وہاں نہ تھا

سمجھے ہوئے تھے قبر کو ہم کنج عافیت
دیکھا تو یاں بھی امن و اماں کا مکان نہ تھا

گرمی میں دل کو کھول کے بند قبا کہا
شکر خدا کہ ثاقب آشفتہ یاں نہ تھا

جو اس سے پہلے تھا یہ وہی خاکداں ہے اب
یارب وہ خاکیوں کی کرامت کہاں ہے اب

اسفندیار نامور اژدہا سپ کیا ہوئے
سننے کو ایک تذکرۂ ہفت خواں ہے اب

دیکھا ہے کسنے موسیٰ و فرعون کو یہاں
ہاں رود نیل روئے زمیں پر رواں ہے اب

نے بت گری نہ بت شکنی قصہ مختصر
صرف آذر و خلیل کا مذکور یاں ہے اب

نفی وجود غیر ہے ثابت طریق حق
آثار کی نمود بھی وہم و گماں ہے اب

کیوں ویسے آدمی نہیں آتے ہیں بروئے کار — آخر وہی زمیں ہے وہی آسماں ہے اب
ہیں ظلم و معدلت کی حکایات اور بس — محتاج ہے جہاں میں نہ نوشیرواں ہے اب
ضرب المثل ہے لیلی و مجنوں کا حسن و عشق — اسکا نہ کچھ پتا ہے نہ اسکا نشاں ہے اب
کیا کہہ رہا ہوں میں کہ یہ ہے اور وہ نہیں — توحید کے خلاف ہے جو کچھ بیاں ہے اب
ہم قوتِ جذبِ دل دکھائیں — اور پھر وہ ہمارے گھر نہ آئیں
آتے نہیں یاں اگر نہ آئیں — اے کاش مجھے وہاں بلائیں
کیا چیر کے سینہ دل دکھائیں — کچھ حال سنو تو ہم سنائیں
ہم سینہ سپر کئے کھڑے ہیں — وہ شوق سے خنجر آزمائیں
جو کام میں غیر کے ہوئیں صرف — افسوس وہ دلربا ادائیں ؎
اے بخت کہاں تلک بُرائی — اے چرخ کہاں تلک جفائیں
ق
کل ہم نے کہا کہ بندہ پرور ؎ — چہرے سے نقاب آپ اٹھائیں
کہتے ہیں ادا شناس باہم — اچھا ہو جو رخ تو کیوں چھپائیں
بولے رو داد و موسئے طور — سن لی ہو تو دیکھنے کو آئیں ؎
بسم اللہ ہم اٹھائیں پردہ — پر اُن سے کہو کہ تاب لائیں ؎
شاید کہ ہے گرم نالہ ثاقب — چلتی ہیں شرر فشاں ہوائیں
خبر کس کو گرچہ گھائل ہوئے ہیں — محبت میں ہم جملہ تن دل ہوئے ہیں
نہیں عقل سے عشق خالی کہ اسمیں — بڑے تجربے ہمکو حاصل ہوئے ہیں
تمنا نہیں ہمکو پروانگی کی — وہ اب غیر کی شمع محفل ہوئے ہیں
غلط فہم ہیں عاشقانِ مجازی — کہ محو تماشائے محمل ہوئے ہیں
رہیں گے گرفتارِ صورت پرستی — اگر حسن معنی سے غافل ہوئے ہیں
بلبلیں ہوں قتل انصاف یہ ہے — کہ ہم خود بد آموز قاتل ہوئے ہیں

ہمیں ذوقِ صحرا نوردی ہے ثاقب
نہ سمجھو کہ جویائے منزل ہوئے ہیں

دل کا سودا ہے خفا ہونیکی کچھ بات نہیں
گفتگو رہتی ہے بایع کو خریدار کے ساتھ

دانہ پانی کی خبر لینے کی توفیق نہیں
کھیلنا جانتے ہیں مرغِ گرفتار کے ساتھ

چھپ کے سینے کو دل دیکھتے ہیں قتل کے بعد
اک چھری تیز لگی رہتی ہے تلوار کے ساتھ

خواہش وصل میں ثاقب کی کوئی دیکھے سیر
کچھ دعائیں بھی پڑھی جاتی ہیں اشعار کے ساتھ

رنجش سے گر کہا ہو تو یاں ہو نصیب
کافروں کو کہتے ہیں عشاق پیارے

ڈرتے ہیں وہ جہاں نظر آتا ہے گرد باد
سہمے ہوئے ہیں کیا مرے مشتِ غبار سے

فکر وصال و ہجر کا صدمہ اُٹھائیے
اِس چند روزہ زیست میں کیا کیا اُٹھائیے

بے لطف زندگی سے تو مرنا ہی خوب ہے
کیا فائدہ کہ نازِ مسیحا اُٹھائیے

آو نہ آؤ ہم بھی ہیں خوگر شکیب کے
جی چاہتا ہے ذوقِ تمنا اُٹھائیے

رکتے ہیں لوگ خلوتِ دشمن کا اہتمام
بے پردگی میں پردہ ہے پردہ اُٹھائیے

یہاں بھی مژہ کو حضرتِ طوفانِ نوح ہے
ہاں بزم سے اُٹھائیے اچھا اُٹھائیے

بیٹھے ہیں ہم تو اب دلِ بے آرزو لئے
وہ دن اُگے کہ داغِ تمنا اُٹھائیے

ثاقب وہ ضبطِ عشق کو سمجھے ہیں بے غمی
یہ روئیے کہ شورشِ دریا اُٹھائیے

اے کہن سال فلک دشمنِ جانِ دہلی
کیا ترے ہاتھ لگا کھو کے نشانِ دہلی

حیف صد حیف کہ دی شاہجہانی تعمیر
وائے صد وائے مٹی شوکت و شانِ دہلی

چاندنی چوک دریبہ نہ قلعہ چھپر کیونکر
دلی والوں کو ہو جنت پہ گمانِ دہلی

اہلِ دلی نہ کریں بخت کا شکوہ کیونکر
بخت خاں جی ہوئے جب باج ستانِ دہلی

چاندنی چوک بگڑ کر وہ بنا از سرِ نو
کہ کہیں گے ہم اُسے بختِ جوانِ دہلی

چوک کے باغ میں وہ رنگ ہے آرایش کا
کہ قسم کھائے ہے فردوس بجانِ دہلی

اہلِ ایراں یہ غزل سنکے کہیں گے بیشک
بو وہ ثاقب مگر از اہلِ زبانِ دہلی

اک بوند اشک ناک نہ اے چشم تر آئی
سینہ تو مرا چاک کیا اور ہوئے برہم
ہے بند در حجرہ مگر یار کے گھر کا
دم باقی ہے تدبیر کریں لانے کی اُسکے
چپ بیٹھے ہیں کچھ کرتے نہیں بات کسی سے

ہرگز نہ مری تجھ سے کچھ امید بر آئی
جب نوبت نظارۂ درد جگر آئی
جز زلف کی بو تجھ میں نہ بادِ سحر آئی
احباب ابھی سے نہ کریں نوحہ سرائی
ثاقب کے مگر مرنے کی اُن کو خبر آئی

ثاقب

ثاقب - عالیجناب شیوپرشاد مہاراجہ جے گوپال سنگھ ثاقب رئیس سندیلہ مصاحب خاص حضرت سلطان عالم واجد علی شاہ و داروغہ سرکار صاحب عالم جنرل مرزا فریدوں قدر خلف رشید شاہ اودہ - راجہ درگا پرشاد تعلقہ دار سندیلہ کے نزدیکی قرابت دار اور زبان فارسی سے بخوبی ماہر تھے - نظم و نثر دونوں میں مہارت تامہ حاصل تھی - حضرت سلطان عالم کی ان پر خاص نظر عنایت تھی - آپ سندیلہ کے معزز کایستھ خاندان کے رکن تھے شاہان اودہ کی سرکار میں انکے بزرگ مراتب جلیلہ پر سرفراز تھے - چنانچہ یہ خود بھی بپاس حقوق خدمتگزاری بعد انتزاع سلطنت بادشاہ کے ہمراہ ہوئے اور برسوں وطن سے دور مٹیابرج میں قیام پذیر رہے اگرچہ آپ کو مشاہرہ قلیل ملتا تھا مگر صرف یہی ایک امر کہ آپ کو حضرت جہاں پناہ سے مہاراجگی کا خطاب عنایت کیا اس بات کا کامل ثبوت ہے کہ ان کی کسقدر وقعت مرکوز خاطر اقدس تھی - ریختہ کم کہتے تھے جس زمانے میں داغ صاحب کلکتے گئے آپ بھی مشاعروں میں شریک رہے - چند شعر حاضر ہیں -

عشق میں جز بیخودی عاشق کو حاصل کیا ہوا
کاہش بیجا اُٹھاتے کھو کے نقد عقل و ہوش
حق تو یہ ہے دین و دنیا کی نہیں تہ واہ کچھ

پوچھتا ہے اُنسے رہ رہکے مرا دل کیا ہوا
عشقبازی کرکے اے دل اور حاصل کیا ہوا
ان بتوں کے عشق میں دل اپنا مائل کیا ہوا

ثاقب

ثاقب - جناب مولوی نجم الدین صاحب سیوہاری مولف سیرۃ الشافعی و رسوم جاہلیت آپکے والد کا نام محمد ثابت تھا جو سیوہارہ ضلع بجنور کے باشندہ تھے ۱۲۶۶ھ آپ کا سال

ولادت ہے۔ عربی فارسی کی استعداد اچھی ہے مدرسہ دیوبند کے سند یافتہ ہیں۔ ایک کئی برس سے مطبع رفاہ عام لاہور میں ملازم ہیں۔ فن سخن میں کبھی کسی سے مشورہ نہیں لیا۔ موزونی طبع ہی مصلح ہو جاتی ہے۔ زبان کی تحقیق کا بھی شوق ہے۔ یہ کلام کا نمونہ ہے

تو مہِ آسمان ہے گویا	تجھ سے روشن جہان ہے گویا
جس زمیں پر ہے نقش پا تیرا	وہ زمیں آسمان ہے گویا
یوں تو دنیا میں اور بھی ہیں حسیں	تو حسینوں کی جان ہے گویا
روٹھنا بات بات پر ہر دم	دلربائی کی شان ہے گویا
دل تم نے لیا بہت اچھا کیا مگر	دل لیکے میری جان۔ دل آزار کیوں ہوئے

ثاقب

ثاقب ۔ منشی محمد نواز ثاقب ۔ آپ کو حضرت احسان شاہجہانپوری سے تلمذ رہا ہے ۔ ۱۸۹۳ء میں رسالہ گلچین گورکھپور کے دفتر میں ملازم تھے ۔ خوش گو ہیں اور راجہ صاحب محمود آباد کے سرکار میں ملازم ہیں ۔ یہ چند شعر اُن کے طبعزاد ہیں ۔

لذتِ دردِ محبت نہ طبیبو پوچھو	کیوں دوا کرتے ہو تم دردِ جگر ہونے دو
جہاں کہے جسے اچھا وہی بشر اچھا	بُرا وہی ہے زمانہ جسے بُرا سمجھے ہو
عجیب بے سر و پا ہے کلام واعظ کا	نہ ابتدا کوئی سمجھے نہ انتہا سمجھے

ثاقب

ثاقب ۔ مولانا نجم الدین احمد ثاقب بدایونی المخاطب بہ پہلوانِ سخن ۔ آپ مولوی جمیل الدین احمد وکیل بدایونی کے صاحبزادہ ہیں ۱۲۸۵ھ ہجری میں بدایوں میں آپ کی ولادت ہوئی ۔ عربی فارسی کی متعدد کتب اور فقہ ۔ تفسیر ۔ معقول منقول میں بھی آپ کی کافی استعداد ہے ۔ سن شعور ہی سے شعر گوئی کا مذاق آپ کی طبیعت میں ہو گیا ۔ ۱۸۸۹ء میں آپ گوالیار گئے ۔ وہاں آپ کے ماموں مولوی غلام غوث وحید سررشتہ تعلیم میں ملازم تھے اور چونکہ آپ کو فن سخن سے ایک خاص رغبت تھی ان کے فیضانِ صحبت سے یہ بھی شعر کہنے لگے اور رفتہ رفتہ مشق کے ساتھ طبیعت کی اُمنگیں ترقی کرنے لگیں ۔

آخر انہی کے اشارے سے دو ایک غزلیں حضرت داغ کی خدمت میں بھیجیں اور شاگرد ہو گئے۔ گوالیار میں کچھ عرصے قیام کے بعد اٹہ میں جہاں آپ کے والد وکالت کرتے تھے چلے گئے وہاں سے تلاش معاش میں رامپور۔ دہلی۔ ریاست ہائے راجپوتانہ میں چکر لگا کر آخر کار بڑودہ پہنچے۔ اور میر احتشام علی خاں جاگیردار رئیس بڑودہ کے مصاحب ہو گئے۔ انہی کے کسی کام کے انجام دہی کے لئے ٹونک گئے اور وہاں پہنچکر حضرت ظہیر دہلوی کے فیضِ تلمذ سے بہرہ ور ہو کر زیادہ نام پایا حتیٰ کہ اب خود اُستاد مانے جاتے ہیں۔ راقم کی پہلے سنہ ۱۹۰۱ء میں بمقام دہلی ملاقات ہوئی پھر سنہ ۱۹۰۶ء ماہ جولائی اگست میں دورانِ قیام بمبئی اکثر ملاقات کے لئے تشریف لاتے رہتے تھے۔ پستہ قامت۔ زندہ دل حد درجے خلیق پابند وضع اور ملنسار شخص ہیں۔ آپ کی طبیعت ہمہ گیر واقع ہوئی ہے اکثر اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کرتے ہیں۔ اچھے مضامین کی تلاش الفاظ کا مناسب اور برمحل استعمال آپکے کلام کا خاص جوہر ہے۔ زبان پر آپ کو حیرت انگیز قدرت حاصل ہے۔ طبیعت میں روانی اور خیالات کی تازگی قابل تعریف ہے۔ نہایت زود گو اور خوش کلام شاعر ہیں۔ تذکرہ خمخانۂ جاوید کی جو تقریظ آپنے ارقام فرمائی ہے وہ آپکی حیرت انگیز قدرت و مشاقی فن کا قابلِ قدر نمونہ ہے۔ کوئی خاص وقت فکر سخن کا معین نہیں ہر وقت طبیعت حاضر رہتی ہے۔ اُستاد ظہیر انہیں بہت چاہتے ہیں۔ اور ان پر ناز کرتے ہیں۔ بارہا ایک ایک دن میں ڈیڑھ ڈیڑھ سو شعر کہنے کی نوبت آچکی ہے ایک دفعہ ٹونک میں کئی ماہ سے علیل اور صاحبِ فراش تھے آپکے کسی تیماردار نے چند شعر محسنِ کاکوروی کے قصیدۂ نعتیہ کے پڑھے۔ اسی حالت میں آپنے دو دن کے اندر تین سو شعر کا قصیدہ اُسی زمین میں کہہ ڈالا حضرت ظہیر نے بھی سُنا تو بحد متعجب ہوئے۔ اور سخت ممانعت کی۔ کیونکہ آپکی حالت واقعی خراب تھی۔ پہلوانِ سخن کا خطاب بھی انہیں کا دیا ہوا ہے جسکی وقعت اس لحاظ سے کہ اقلیمِ سخن کے سچے فرمانروا حضرت ظہیر کا عطیہ ہے۔ اور بھی گراں قدر ہے

مولانا ثاقب اب پندرہ برس سے زیادہ تر بمبئی اور بڑودہ میں رہتے ہیں۔ ٹونک۔ احمد آباد۔ بڑودہ بمبئی میں اکثر موزوں طبع آپ کے شاگرد ہیں جنہیں حضرت جادو۔ ناصر قابل ذکر ہیں۔ اب کلام ملاحظہ ہو۔

میں وہ سالک ہوں کہ مسجودِ ملائک ٹھیرا
بن گیا نورِ ازل داغ جبیں سائی کا

مدام دستِ بکار اور دل بیار رہا
وہ مست ہوں کہ جو غفلت میں ہوشیار رہا

ملا نہ دل سے رہیگا وہ فتنۂ دوراں
ہُوا نہ ہوسکے کسیکا یہ روزگار رہا

شہیدِ ناز کے دل کی رہی سہی حسرت
مٹاتے جاؤ یہ کیا دو قدم مزار رہا

تری وہ آنکھ کہ چوری نہ چھپ سکی اپنی
مرا یہ دل کہ خدائی کا رازدار رہا

تمام عمر رہی اسپہ آسماں کی نظر
جو دو گھڑی بھی کوئی آپ سے دوچار رہا

جان و دل پہلو بہ پہلو اُن کا پیکاں لیچلا
میزباں کے گھر کی رونق ایک مہماں لیچلا

دل کو فترولنیں نگاہِ ناز کے آنا نہ تھا
چلتے چلتے سر پہ کن اوچھوں کا احساں لیچلا

میں چراغِ صبح تھا ظالم کہ تیری بزم سے
چشمِ گریاں سینۂ بریاں دمِ پریشاں لیچلا

پھر خبر لینا کنکھیوں سے ذرا اے مستِ ناز
پھر چرا کر زخمِ دل سے کوئی پیکاں لیچلا

غنچۂ غنچہ سے بلانے کے لئے وحشی ترا
چاکِ دل چاکِ جگر چاکِ گریباں لیچلا

غلط الزام ہے جرمِ شکایت ہائے دشمن کا
کہ فرطِ لاغری سے ہے خموشی نامۂ شیون کا

تصور رخنہ پیدا سازِ خلوت گاہ دشمن ہے
کہ چشمِ دوربیں سے ہے تماشا چشمِ روزن کا

رفتہ رفتہ گوشۂ دامن بنا دامانِ چشم
خوابِ مرگِ طفلِ اشک آخر یقینی ہو گیا

وہ سینۂ طور بنے گا وہ چشمِ شوق کلیم
کہ جسکے سامنے تو بے نقاب آئے گا

یہ کہہ رہی ہے تری چشمِ شوخ کی گردش
کہ اب کوئی نہ کوئی انقلاب لائے گا

غربت پسند وہ ہوں کہ مضطر وطن میں تھا
آوارہ شکلِ بوئے گلِ تر وطن میں تھا

قسمت پھری نہ گردشِ پا سے جنوں کیساتھ
گویا سفر میں ہم تھے مقدر وطن میں تھا

سخت جاں ہو کے آبرو کھوئی
آبِ خنجر میں ڈوب مرنا تھا ہو

دور سے آئے تھے جنابِ کلیم
بے خودی کچھ تو پاس کرنا تھا ہو

شانِ رحمت حساب سے پہلے
تجھکو عصیاں سے درگذرنا تھا ہو

امیں ہیں دستبردِ خزاں سے سخن کے پھول
مہماں ہیں کوئی دن کے چمن میں چمن کے پھول

محوِ بہارِ حُسنِ دل آرا ہوں اسقدر
ہر خارِ دشت سامنے آتا ہے بن کے پھول

اے شبِ ہجر جا نہیں ہو تری عمر دراز
رہ نہ جائے کوئی دُکھ درد کا پہلو دل میں

رکھیو آہستہ قدم اے فتنۂ پُر شورِ حشر
سو رہے ہیں کُشتۂ نازِ بتاں زیرِ زمیں

جانفزا کس درجہ ہے سیرِ عدم آباد بھی
جا رہا ہے جان دے دے کر جہانِ زیرِ زمیں

نگاہیں اُنکا بیعانہ ادائیں جان کا ہدیہ
جو کچھ لیتے ہیں وہ قیمت چکا کر مول لیتے ہیں

ٹھکانا ایسی قسمت کا کہ تکیے میں فقیروں کے
زمیں دو گز بھی مر مر کر تونگر مول لیتے ہیں

بنا رندوں کو بہکا نیکی واعظ آج ڈالیں گے
کہ خشتِ خم پہ تعمیرِ معمل لیتے ہیں

کوئی گاہک ملے تو بیچتے ہیں جوہرِ ذاتی
کوئی بیچے تو ہم اے دل مقدر مول لیتے ہیں

غلط ہے مفت کی پیتے ہیں کسدن حضرتِ واعظ
مگر ہاں عیش کے وعدہ پر اکثر مول لیتے ہیں

تری تصویر کا اُترا ہوا آئینہ ہے شاید
جسے ہم جام تختِ سکندر مول لیتے ہیں

متاعِ جانِ عاشق کی ہے قیمت اسقدر ہلکی
نگاہوں کے اشاروں میں ستمگر مول لیتے ہیں

ہمارے دام تو کھوٹے نہیں اے کاسہ گر پھر کیوں
وہی پھوٹا نکلتا ہے جو ساغر مول لیتے ہیں

عزیزوں سے زیادہ سنگدل ہے کون دنیا میں
کہ ہم تو جان دیتے ہیں وہ پتھر مول لیتے ہیں

ہوا ہے کس کا پردہ فاش یارب آج غربت میں
کہ تارِ دامنِ یوسف رفوگر مول لیتے ہیں

ایسی باتیں بہت ساقی کی ہیں جنکی چھیڑ ہی
شیخ و واعظ کے بھی ایمان پھسل جاتے ہیں

بھولی باتوں میں ہے ان شعلہ رخوں کی وہ اثر
دل تو کیا ہے کہ پتھر بھی پگھل جاتے ہیں

توبہ تو یہ ہے نہ مستوں کی نہ پیماں پیماں
بدلیاں دیکھ کے سب عہد بدل جاتے ہیں

مجھ سے جہاں میں کوئی خطا رہ گئی نہو
اے رحمتِ خدا مرے حق میں کمی نہو

بیٹھکر سینے میں او پردہ نشیں یہ چھیڑ چھاڑ
دلکا چاہا کیوں ہوا آنکھوں کا چاہا کیوں نہو

آپ میں جب میں نہیں تو مجھ سے پردہ کیا ضرور
تم بھری محفل میں اپنے آپ رسوا کیوں نہو

دل لیا تھا مجھ سے کن شرطوں پہ اے بندہ نواز
اب خدا لگتی کہو آخر تقاضا کیوں نہو

اور ہی عالم نظر آیا جہاں جھپکی پلک
عاقبت بیں آنکھ میں دنیا تماشا کیوں نہو

چار دن جینے کی خاطر کون لے احسانِ غیر
تو یہ تو یہ وہ لبِ جاں بخشِ عیسیٰ کیوں نہو

نام لیوا تو ظہیر و داغ کا ثاقب بھی ہے
وہ برا ہو یا بھلا ہو جا ہے جیسا کیوں نہو

مکافاتِ ستم کا یہ تماشہ بختِ نارسا تم ہو
دلِ نادیدہ شکلِ مدعا کے مدعا تم ہو

ہجومِ ناامیدی سے نہ وہ ڈالی پردۂ غفلت
سمجھتا ہوں اسے بھی خواب۔ گر جلوہ نما تم ہو

ہوں تیری خو سے تلون کہ کسی کل نہیں چین
جان دو بھر بھی سہے مرنا بھی ہے مشکل مجھکو

شکوۂ ہجر نہ تھا تذکرۂ وصلِ عدو
گالیاں دینے لگے کیوں سرِ محفل مجھکو

سخت جاں میں نہیں تم خنجرِ بے آب نہیں
منہ عبث موڑ لیا دیکھ کے بسمل مجھکو

میں غیر ہوں غیر کو نہ چاہو
جو عہد کیا ہے وہ نباہو

تم دل میں ہو دل مری بغل میں
کس طرح کہوں کہ بیوفا ہو

جب جان کہا تو ہنس کے بولے
ہاں صاف نہ کہدو بیوفا ہو

کہتے ہیں تمہاری جان میں ہوں
کیوں جان سے اسقدر خفا ہو

ثاقب یہی حسن شاعری ہے
مضمون زبان میں ادا ہو

شبِ غم کیا کہوں یادِ خرام ناز کیا لائی
مری تقدیر کے سوتے ہوئے فتنے جگا لائی

کھلے گی ان کے فتنوں کی دکاں بازارِ محشر میں
خدا ہے گر کہیں سے کچھ رقم ملجائے بالائی

یونہی کیا کم تھی میری آہِ سوزاں جی جلانے کو
وہاں جا کر لگی ہیں اور یہ ظالم لگا لائی

اکہ خاک میری بھی پڑی تھی کوئے قاتل میں
ادھر لا ہاتھ مٹھی کھول دیکھوں کیا اڑا لائی

قیامت پہ یقیں ہے کچھ اجل سی کچھ سحر تھا
وہ آئیگی تو کیا لائے گی یہ آئی تو کیا لائی

وہ خود پردے میں کب بیٹھے وہ خود پردے سے کب نکلے
نظر تک شوخیاں لائیں مرے دل تک صبا لائی

جسکے دل میں ایک تیری یاد ہے
دونوں عالم سے وہی آزاد ہے

قید سے ظالم بھی کب آزاد ہے
دامِ فکرِ صید میں صیاد ہے

خود مسیحا بر سرِ بیداد ہے
اے اجل فریاد ہے فریاد ہے

صلح کل ایسی کسی کی یاد ہے
دوست دشمن سب کا دل آباد ہے

اپنے منہ سے آپ کہدیں نامراد
یہ مرادِ عاشقِ ناشاد ہے

مانا کہ آپ ہیں ستم ایجادیوں میں فرد
اچھا جو کوئی چال نئی آسماں چلے

پھونکوں میں آہِ سرد کے دم ہوگیا فنا
دوشِ نسیم صبح پہ ہم ناتواں چلے

خود نمائی بھی قیامت ہے خود آرائی بھی
تم بھی حیرت میں ہو سکتے ہیں تماشائی بھی

وصل میں چھیڑ دیا قصۂ دشمن ہمنے
اب جماہی بھی انھیں آئیگی انگڑائی بھی

مذہب عشق میں کہتے ہیں جسے مجبوری
دوسرا نام اسی کا ہے شکیبائی بھی

تیری آنکھوں میں وہ مستی ہے کہ ملتے ہی نظر
بن گئی ساغرِ مے چشمِ تماشائی بھی

وہ نیچی نیچی نگاہوں میں کیا نہیں کرتے
حیا کے پتلے ہیں لیکن حیا نہیں کرتے

برائی پر تو زمانے کو کرلیا اپنا
بھلے کو آپ کسیکا بھلا نہیں کرتے

طریق عشق سے واقف نہ تھا مگر منصور
سمجھنے والے تو منہ سے کہا نہیں کرتے

عدو کے دل میں کہاں ہیں تمھارے تیر ادا
خطا معاف یہ ناوک خطا نہیں کرتے

امید رحمت و شرم گناہ و خوف خدا
جو رند کرتے ہیں وہ پارسا نہیں کرتے

ہم اور کچھ نہیں کرتے قصور کرتے ہیں
رقیب کرتے ہیں کیا کچھ خطا نہیں کرتے

یہ حال اپنا ہوا غیر عہد میں ثاقب
کہ عذر مرنے کی میرے دعا نہیں

بوالہوس کی رسم الفت اور ہے
بندہ ۔۔۔

جگ ہنسائی کی محبت اور ہے ؎ عاشقی حضرت سلامت اور ہے
مٹ چکے سب فتنے تیری راہ میں ؎ اک ٹھکی باندھی قیامت اور ہے

ثاقب

ثاقب ـ مرزا ذاکر حسین صاحب قزلباش لکھنوی ـ دور موجودہ کے ایک طبیعتدار خوش فکر شاعر ہیں ـ باوجود تلاش مزید حالات دستیاب نہیں ہوئے ـ معائنہ کلام سے پایا جاتا ہے کہ فکر رسا ہے ـ زبان صاف ستھری اور بندش چست ہے ـ ہر شعر میں بات پیدا کرنیکی کوشش کرتے ہیں ـ کلام بہم رسیدہ کا انتخاب حاضر ہے

گل و بلبل کی تباہی پہ خدا رحم کرے ؎ دو گھڑی مل کے نہ بیٹھے تھے کہ صیاد آیا
درازی دامن محشر کی بھی معلوم ہو جاتی ؎ اگر کچھ اور بڑھتا حوصلہ چاک گریباں کا
محبت کا سبق پڑھکر ہوئی دیوانگی حاصل ؎ کتاب عشق تھی یا حاشیہ چاک گریباں کا
الفت کی آگ جب سے ہوئی ہمکنار دل ؎ ہنستے ہیں برق طور پہ کیا کیا شرار دل
کیوں رو کے بیخودی پہ برسنے لگا ہے نور ؎ کس کی تجلیاں ہوئیں آئینہ دار دل
کرتا ہے ضبط آہ کو رخصت جگر کا درد ؎ آخر ہے آج صحبت صبر و قرار دل
مرنا ترے فراق میں سہل اے صنم نہیں ؎ یہ شکل انتظار ہے آنکھوں میں دم نہیں
اس یاوری بخت کے قربان اے کریم ؎ وہ میری نبض دیکھتے ہیں مجھ میں دم نہیں
کہاں کہاں سے ترا عشق رنگ لائے ہوئے ؎ شفق کے خون میں ہے شام غم نہائے ہوئے
ہوائے عشق تھی یا صرصر فنا یا رب ؎ چراغ کس نے بجھائے ترے جلائے ہوئے
جگر کے زخم کا اور داغ دل کا حال نہ پوچھ ؎ یہی ہیں عشق و محبت کے گل کھلائے ہوئے
سینہ میں اب مٹے ہوئے دل کا پتہ کہاں ؎ اک داغ ہے کہ نقش تمنا کہیں جسے
کیا ہست و بود قطرہ و موج و حباب بحر ؎ مجموعۂ خیال ہے دریا کہیں جسے
سینے میں نیش غم کے مزے لے رہا ہے دل ؎ رگ رگ میں وہ خلش ہے کہ کانٹا کہیں جسے
اب علاج زخم دامندار رہنے دیجئے ؎ تیر کو سینے میں تا سوفار رہنے دیجئے
وصل کی دے کر زباں اتنی پشیمانی ہے کیوں ؎ اب تو جو کچھ ہو چکا اقرار رہنے دیجئے

یک زباں ہیں سب علاجِ دردِ دل کے باب میں — جو یہ کہتا ہے اسے بیمار رہنے دیجئے
وحدت و کثرت کا میں قائل نہیں اے اہلِ دیں — بندۂ عشقِ بتِ پندار رہنے دیجئے
یادگارِ عشق ہے یہ صحبتِ تیغ و جگر — اور دم بھر حلق پر تلوار رہنے دیجئے
روئیے جب تک نہ لوائے ثاقبِ دردِ دل — آنکھ کو جب تک رہے خونبار رہنے دیجئے

ثاقب

ثاقب ۔ مولانا مولوی محمد نواب خاں ۔ نواب احمد علی خانصاحب رئیس مالیر کوٹلہ والئے حال کو زمانۂ نابالغی میں آپ فارسی اُردو پڑھایا کرتے تھے ۔ اب بھی اُسی ریاست کے دُعاگو ہیں ۔ گاہ گاہ اپنے آقا کی فرمایش سے فکرِ سخن بھی کرلیتے ہیں ۔ مالیر کوٹلہ کے مشاعروں میں چند غزلیں پڑھی تھیں اُنکا انتخاب درج ذیل ہے ۔

رباعی

عاشق تو ہیں لیکن نہیں ہرجائی ہم — ہیں جنسِ غم و درد کے سودائی ہم
سنتے ہیں بگوشِ دل فغانِ بلبل — ہیں درد بھرے دل کے شیدائی ہم

کسیکو جان بھی دیدیجئے یہ خواہشِ دل ہے — ہم آمادہ ہیں مرنے پر اجل کہتی ہے مشکل ہے
اشاروں سے ہوئے طالب جب وہ دل کے کہا میں نے — یہی لے لیجئے لے دیکے اپنے پاس اک دل ہے
ابھی بیٹھا ہی تھا محفل میں یہاں آکر کہ بول اُٹھے — اُٹھا دو اس کو بارِ خاطرِ اربابِ محفل ہے
بھلا مرہم سے کیا اے چارہ گر ہو زخمِ دل اچھا — یہ دل اپنا نگاہِ یار کے پیکاں سے بسمل ہے
بندھا ہے تارِ گیسو میں پھنسا ہے پیچِ کاکل میں — بلائیں دل کی گردیدہ بلاؤں پر یہ مائل ہے

ثاقب

ثاقب ۔ شیخ غلام محمد شہاب الدین نام خلفِ شیخ حافظ سلام الدین اور نبیرہ نواب حاجی محمد خاں مرحوم مدار المہام مارواڑ آپ کا خاندان اجمیر میں معزز و موقر مانا جاتا ہے ۔ ابھی عنفوانِ شباب ہے اور تحصیلِ علم میں مشغول ہیں حضرت فصیح الملک داغ دہلوی کے رشید شاگرد نواب حمید اللہ خاں مطلب مرحوم آپکے حقیقی ماموں تھے ۔ شعر و سخن سے ذوق ہے ۔ مگر غزل گوئی کی طرف اسقدر رجحان نہیں جس قدر اخلاقی نظموں سے دلچسپی ہے ۔ ہنگام ترتیبِ تذکرہ کچھ کلام خود ارسال کیا ان میں سے چند شعر حاضر

کئے جاتے ہیں۔

میکدہ میں دیکھ کر شغل حریفانہ مرا ‏ خم سے کچھ سرگوشیاں کرتا تھا پیمانہ مرا
شیشہ میں خیالی صورتیں ہیں جلوہ گر ‏ رکشک بزم سلیماں ہے پری خانہ مرا
روکتا دربان مگر سمجھ کے بحسنِ اتفاق ‏ بھیس از راہِ تفنن تھا فقیرانہ مرا
دل نے الفت میں نہ کی اپنی خرابی پہ نظر ‏ حسرتِ تعمیر کے ہے پاک کاشانہ مرا
سب کو نخلِ وادیٔ ایمن کا دیتا ہے نشاں ‏ پتا پتا ڈالی ڈالی ہر شجر انجمن کا
نہیں ہے دعویٔ الفت مگر میں کہتا ہوں ‏ زباں پہ نام ترا بار بار آتا ہے

ثاقب

ثاقب ۔ مولانا سید محمود حسن دہلوی خلف سید محمد یحییٰ خاں خلف نواب سید محمود خاں۔ آپ ساداتِ کرام اور شرفائے دہلی میں سے ہیں۔ آپ کے حقیقی چچا سید محمد ذکریا خاں صاحب ذکی غالب مرحوم کے رشید شاگرد اور صوبہ شمال مغرب میں ڈسٹرکٹ انسپکٹر مدارس تھے۔ آپ کے بزرگوں کا وطن نیشاپور ہے۔ وہاں سے شاہجہاں کے وقت میں کشمیر آئے اور کچھ عرصے کے بعد دہلی آکر دربار میں خدمات شایستہ پر مقرر ہوئے۔ آپ کے نانا میر سید علی ساداتِ عربلہ دہلی میں موقر و ممتاز بزرگ تھے۔ سید محمود حسن صاحب دہلی میں پیدا ہوئے۔ ۱۸۸۱ء تک ۶ برس اپنے چچا کے زیرِ سایہ الٰہ آباد میں تعلیم پائی۔ جب انکی تبدیلی کے باعث دہلی واپس آئے تو اگرچہ عمر ۱۲ برس سے زائد نہ تھی مگر ذہن میں لیاقت اور معلومات کا اچھا ذخیرہ جمع کر لیا تھا۔ یہاں ایک ایکسال عربی سکول میں تعلیم پانے کے بعد انگریزی تعلیم سے بد دلی پیدا ہو گئی اور سیاحت کا شوق دامنگیر ہوا۔ راجپوتانہ کی مختلف ریاستوں میں دو تین سال پھرتے رہے اور سنہ ۱۸۹۰ء میں کوٹہ کی ریاست میں ملازمت اختیار کر لی۔ چند ہی روز بعد قانونی دستگاہ بہم پہونچا کر منظوری ریاست وہاں وکالت شروع کر دی۔ چونکہ زبان میں طلاقت اور ذہن میں رسائی اور جودت خوب نمایاں تھی وکالت میں اچھی کامیابی حاصل کی۔ معاش کی طرف سے اطمینان ہو جانے پر شاعری کی طرف توجہ کی۔ ابتدا میں مولوی سید افضل حسین صاحب ثابت لکھنوی سے اصلاحِ سخن لیتے رہے پھر بذریعہ مکاتبت اپنے چچا جناب ذکی سے مشورہ کرتے رہے اور

اُن کی وفات تک یہ مشغلہ زوروں پر رہا۔ کچھ کلام نقل تذکرہ کے ہنگام میں ارسال کیا اُسکا انتخاب درج کیا جاتا ہے۔ زبان صاف شستہ اور اُسمیں جابجا استعارات وندرت بندش واسلوب بیان سے تکلفات پیدا کرتے ہیں۔ شعر میں بات پیدا کرتے ہیں۔ اخلاقی مضامین لکھنے کا بھی شوق ہے۔ آدمی لئیق اور شریف اور باوضع ہیں۔ فن سخن سے اچھی دل بستگی ہے۔ اکثر احباب صحبت میں بھی چرچا رہتا ہے اب کلام ملاحظہ ہو۔

میں قیدی ہوں ازل سے عشق و نازِ حسنِ خوباں کا	لگا رہتا ہے پہرہ یاس و درد و رنج و ارماں کا
مجھے شیدا سمجھتے ہیں وہ اپنے روئے تاباں کا	تماشا دیکھتا ہوں خود میں اپنی چشم حیراں کا
ادھر بھی ہو نگاہ لطف ساقی ہو	دلِ ناشاد کو بھی شاد کرنا ہو
کہیں اہل وفا کا ذکر تو ہو	میں دیکھوں نگاہ مجھکو یاد کرنا
ہمیں کیا خبر تھی کہ کیا کیجیے گا	وفا کیجیے گا جفا کیجیے گا
دم قتل یہ تو ذرا کیجیے گا	نکل جائے دم وہ ادا کیجیے گا
وفا اُٹھ گئی اب زمانہ سے ثاقب	جو دل دیجیے گا خطا کیجیے گا
ثاقب بس اب تو گوشۂ عزلت میں بیٹھ رہ	مطلب کا اس زمانہ میں یارانہ رہ گیا
بقا میری اُسے منظور کب تھی قتل کیوں کرتا	لکھی تھی میری عمر جا وہاں شمشیر قاتل پر
کام بن بن کے بگڑ جاتے ہیں یوں سب اپنے	بحر تدبیر میں گویا یہ حباب آتے ہیں
عالم زیست میں ملتی ہی نہیں غم سے نجات	کیا عدم سے ہم اُٹھانے کو عذاب آتے ہیں
کب نہیں آتے ہیں وہ جذبۂ دل سے کھنچ کر	جب تڑپتا ہے دلِ خانہ خراب آتے ہیں
خوف کرتے ہیں کسی کا نہ حذر کرتے ہیں	اہل دل عشق میں مردانہ بسر کرتے ہیں
تھے کبھی گلشن ہستی کے بھی گل لالہ ہو	جنکو پنہاں تہ خاک آج بشر کرتے ہیں
طعنۂ غیر نہیں ہیں کہ جنہیں سن نہ سکو	ہم فقط تذکرۂ دردِ جگر کرتے ہیں
دل میں ہے آئینہ رویوں کا تصور ہر دم	عمر ہم عالم حیرت میں بسر کرتے ہیں

آہ و زاری کیا کروں میں دادخواہی کیا کروں
کون سنتا ہے بیان اپنی تباہی کیا کروں

کس بنا پر میں کروں شکوہ الٰہی کیا کروں
دل ہی میرا کچھ نہیں دیتا گواہی کیا کروں

جب فقیری میں ہی قابو سے نکل جاتا ہو دل
میری شامت آئی ہے میں لیکے شاہی کیا کروں

دل کمربستہ وفا پر وہ جفا پر مستعد
جان پر ہے سخت آفت یا الٰہی کیا کروں

بے سر و ساماں ہوں ثاقب اور مجکو ایک دن
جانب ملک عدم ہونا ہے راہی کیا کروں

نیم جاں کرکے تم عاشق کو کدہر جاتے ہو
رقص بسمل کا ذرا ٹھیرو تماشا دیکھو

بزم اعدا میں بھی جا بناز نظر آئیں گے
تم اٹھا کر تو نقاب رخ زیبا دیکھو

کیا غضب تم نے کیا حضرت دل چھیڑ دیا
بے طرح بکھری ہے وہ زلف چلیپا دیکھو

شکر کے بعد شکایت ہے زباں پر ثاقب
یہ طریقہ نہیں تسلیم و رضا کا دیکھو

ہوا انجم و مہر و مہ انور سے زیادہ
دو چار سے کیا تم تو ہو اکثر سے زیادہ

حسرت مری نکلی مگر ایسی کہ نہ نکلی
وہ آئے بھی تو ٹھیرے نہ دم بھر سے زیادہ

زنجیر زلف سے جو رہا ہیں وہ اور ہیں
عاشق کہیں نکلتے ہیں اس پیچ و تاب سے

اللہ رے جذبۂ کشش عشق و شوق حسن
منصور ایک بات میں نکلا حجاب سے

گر سوز دل نہو تو مزا کیا ہے عشق کا
لذت پھلوں میں ہے تپش آفتاب سے

رکھا ہے کیا تاسف و افسوس کے سوا
دنیا بھی کم نہیں ہے وجود سراب سے

کونسا دل ہے نہ جس میں تری الفت ہوگی
کونسا گل ہے نہ جس میں تری نکہت ہوگی

بیچار ہوتے ہی گئے نذر دل و جاں ہم نے
شاید اس شوخ کی آنکھوں میں کرامت ہوگی

حاصل جور و جفا لطف بقائے ابدی
تیرے شیدا کو نہ کیوں مرنے کی حسرت ہوگی

ذات مطلق کے فدائی سے سروکار ہی کیا
ہوگی جنکے لئے اے یار قیامت ہوگی

رات دن فکر حسینان جہاں رہتی ہے
تمکو ثاقب کبھی ان جھگڑوں سے فرصت ہوگی

واقعی قہر خدا عشق بتاں ہوتا ہے
درد دل دشمن دیں۔ آفت جاں ہوتا ہے

واے رے وارفتگیِ دل کہ تصور میں بھی
وہ یہاں ہوتے ہیں۔ لیکن یہ وہاں ہوتا ہے
چشمِ گریاں دلِ بریاں متحیر بے خود
اہلِ باطن کا یہ تغمہ یہ نشاں ہوتا ہے

چشمِ حیرت چاہیئے ذوقِ تماشا چاہیئے
اُسکا شیدا ہر نفس محوِ تجلے چاہیئے
سر میں سودا چاہیئے۔ دل میں تمنا چاہیئے
عشق کو کچھ آسرا۔ کوئی سہارا چاہیئے
درد و رنج و یاس و ہجر و داغ و سودا چاہیئے
ایک الفت کے لئے سامان کیا کیا چاہیئے
کشتۂ نازِ تغافل ہوں جنازے کو مرے
آرزوؤں کا کفن حسرت کا کاندھا چاہیئے
چشمِ عالم ہے طلسمِ نقشِ حیرت لاکلام
ہر دم اس میں پیکرِ آئینہ سا چاہیئے
ہم بھی ہیں قدرت سے تیرے لطف کے اُمیدوار
ساقیِ فیاض ادہر بھی جامِ صہبا چاہیئے
اللہ اللہ سازگاری سوزِ حسن و عشق کی
ورنہ پروانہ کو کیوں الٹی تمنا چاہیئے
امتحانِ عاشق و اغیار کیا دشوار ہے
پردہ سے باہر ذرا وہ روے زیبا چاہیئے
اُن کی شرمِ بے محل نے کر دیا خونِ سوال
کاش اتنا ہی وہ ظالم پوچھتا کیا چاہیئے
کب تلک آخر یہ جوانی ثاقبِ عشرت گزیں
ابتواے مردِ خدا کچھ فکرِ عقبیٰ چاہیئے

ثروت

ثروت ۔ نواب بخش اللہ خاں مرحوم خلف الرشید وزیر صاحب تدبیر نواب عماد الملک غازی الدین خاں وزیر احمد شاہ عالمگیر ثانی ۔ خود جوان قابل ۔ صاحب اخلاق و مروت اور رسائی ذہن اور عالی ہمتی کے باعث اقران و اماثل میں ممتاز تھے کبھی کبھی باقتضاے موزونی طبع زبان اُردو میں شعر بھی کہا کرتے تھے قدرت اللہ شوق کا بیان ہے کہ صاحب دیوان تھے جو کچھ کلام نظر سے گذرا اس میں سے تبرکاً چند شعر یہاں انتخاب کرکے لکھے جاتے ہیں۔

ادا و ناز شوخی میں ہے وہ آتش کا پرکالا
نگہ برقِ درخشاں اور رو آتش کا پرکالہ
ترا چلنا ٹھہرنا دیکھنا مُڑ مُڑ کے اے ظالم
جسے دیکھو سو ہے سب مُو بمُو آتش کا پرکالہ

ہو اس شمع رو سے ہر گھڑی ثروت تو ہم محفل
غضب ہے وہ ستمگر شعلہ خو آتش برستے ہیں
صنم کی بزم میں جو مے کا جام چلتا ہے
تو یہاں بھی خونِ جگر پی بسر کرتے ہیں

ثروت

ثروت ۔ جناب نواب احمد علیخاں صاحب عرف پتن صاحب رئیس لکھنؤ توپ دروازہ شاگرد جناب نواب بندہ علی خاں زیبا مرحوم لکھنوی موزوں طبع سخن اور لکھنؤ کے ایک قدیم معزز خاندان کے رکن ہیں انجمن معیار میں یہ بھی شریک ہیں ۔ مذاق سلیم اور طبیعت شگفتہ پائی ہے ۔ حالات باوجود تلاش دستیاب نہیں ہوئے ۔ مجبوراً اندراج انتخاب کلام پر اکتفا کی گئی ۔

سوز پنہاں سے مرے سینے میں دل کیا جل گیا
خانۂ حسرت پھنکا قصر تمنا جل گیا

تیری کاکل یاد آئی پڑ گیا اک دل میں داغ
رات ہوتے ہی چراغ اے ماہ سیما جل گیا

کس جنوں دوست کا دم اے شب ہجراں نکلا
شب کے پردے سے جو دن چاک گریباں نکلا

وجہ تسکیں کی ترے تیر کا پیکاں نکلا
ہم جسے درد سمجھتے تھے وہ درماں نکلا

سننے والے رو رہے تھے دل بھر اک غمخانہ تھا
اک مرقع رنج و ماتم کا مرا افسانہ تھا

کھو نگا روز محشر کس لئے قاتل سے پرسش ہو
جفا دل کو پسند آئی جفا کو دل پسند آیا

کچھ ایسے اسکے سامنے جاتے رہے حواس
جو خاص مدعا تھا وہی دل میں رہ گیا

آنے دیا نہ لب پہ ترے رعب حسن نے
جو کچھ سوال تھا دل سائل میں رہ گیا

لیلی وہ خاک وحشت تھی ہے یہ غبار قیس
جو کچھ لپٹ کے پردۂ محمل میں رہ گیا

درد اظہار بھی کرنے سے ہوئی کچھ نہ کمی
آہ کرنا شب غم وجہ تسلی نہ ہوا

زندہ کرتا تو کسی اور ادا پر مرتا
فکر کیا گر لب قاتل لب عیسی نہ ہوا

لاکھ چاہا نہ کیا اس نے مرض کا درماں
اور مری جان بھی دینے پہ وہ راضی نہ ہوا

سینہ کو خانۂ ماتم تھا ازل سے بننا
تھا مرے دل کو تمناؤں کا گھر ہو جانا

فاتحہ پڑھتے نہیں گر قبر کو ٹھکرا ہی دو
پاس کچھ تو چاہئے وارفتۂ رفتار کا

غم ہو عریانی کا کیا قاتل شہید و نکو تھے
ہے بہت بہر کفن دامن تری تلوار کا

[illegible] جاتا ہوں پس دیوار قصر اے یار اگر
ضد سے ہٹ جاتا ہے سایہ بھی تری دیوار کا

[illegible] قاتل سے کیا جائے کوئی مشتاق دید
تشنۂ خوں ہے وہ اپنے تشنۂ دیدار کا

وعدہ بے درد کو آنے کا اگر یاد آیا
درد بن کر مرے دل میں ستم ایجاد آیا

آنکھیں خود بند ہوئیں سو گئے غافل ہو کر
اس قدر چین تہِ خنجرِ جلاد آیا

گلو سے غیرتِ خورشید میرے ماہِ تاباں کا
سحر ہو شب کو کھل جائے اگر تکمہ گریباں کا

دلِ پرخوں کی جانب ہے اشارہ چشمِ جاناں کا
قبائے سرخ میں یہ خوب سا ہے تکمہ گریباں کا

جنوں میں چاک ہونا تو گریباں کا کہاں ممکن
نہ ٹوٹا ناتوانی سے کبھی تکمہ گریباں کا

لئے جاتا ہے مجھ دیوانہ کا تو خط جو اے قاصد
گریباں پھاڑ دے یا کھول دے تکمہ گریباں کا

گریباں کھلتے ہی رازِ جنوں سب ہو گئے افشا
کلیدِ قفلِ وحشت تھا مگر تکمہ گریباں کا

یہ شوقِ ذبح ہے اللہ اکبر دیکھ او قاتل
کہ بیٹھا ہوں میں خود کھولے ہوئے تکمہ گریباں کا

جس طرح قبر میں جی چاہے لٹا دیں احباب
رُخ رہے گا طرفِ کوچۂ دلبر اپنا

ہو بُرا ایسے خودیٔ الفت کا
دل کا جو راز تھا زباں پہ تھا

نالہ کش تھا درِ جاناں پہ ہوا دل خاموش
لو جرس ہو گیا جا کر سرِ منزل خاموش

سب کو پروانہ بنایا ہے بنے ہیں خود شمع
کیا تماشا ہے کہ محفل کی ہے محفل خاموش

حال ایذائے جراحت ہے تڑپنے سے عیاں
گو مثالِ دہنِ زخم ہے بسمل خاموش

پوچھنے بیٹھے ہیں تصویر سے حالِ عاشقاں
آج ضد ہے مجھ سے باتیں پیکرِ بے جاں کریں

آئینہ سے ہاتھ میں حالت تغیر کی یہ ہے
جو نظر میں تھی ابھی دیکھا تو وہ صورت نہیں

زخم وہ رکھتے ہیں گل ہو گا نہ گلزاروں میں
سیر کو آ کر کسی روز دل افگاروں میں

ہے اسی چرخ و زمیں میں دلِ پر داغ اپنا
ڈھونڈھوں ذروں میں الٰہی کہ اُسے تاروں میں

اس آئینہ میں مجھ کو عکس ہی بنکر نظر آ جا
کہ رکھ کر سامنے دل طالبِ دیدار بیٹھے ہیں

ابھی دل سامنے آ نکلے نہ لیجانا کہیں ثروت
ابھی اُلجھی ہے زلف آئینہ سے بیزار بیٹھے ہیں

سہتا ہوں جور کشورِ الفت میں بس نہیں
عہد انکا ہے کہ جن میں کوئی دادرس نہیں

ٹکرا کے سر کو مر گئے یا توڑیں تیلیاں
صیاد یا ہم آج نہیں یا قفس نہیں

غنچہ تو میرے حال پہ روتا ہے اشک خوں
لازم ہے اس طرح سے مجھے صبا و قید رکھ
نگاہوں کا وفادار و نکی وقتِ واپسیں عالم
جو کچھ ہے دعویٰ سنگیں دلی اپنا اچھا اوں میں

اللہ رے سنگ دل تجھے آتا ترس نہیں
سمجھوں میں آشیانہ ہے میرا قفس نہیں
ٹھہر کر تم مری بالیں پہ دم بھر دیکھتے جاؤ
جگر کا زخم اگر تم ہو ستمگر دیکھتے جاؤ

کیونکر محبت انکی مرے دلکو بار ہو
کس طرح گل کو رنگ بھلا ناگوار ہو
عرض اپنا حال آہ میں نالے میں کر چکا
اب کس طرح کہوں جو تمہیں اعتبار ہو

گونگی ہو کیوں زباں مری ایسی دعا کرو
ستم وہ کونسا ہے یاد جو تجکو نہیں ظالم
دیکھیں سنگے دستِ نازک گر رہے بانکے ستمگر کے
ہوئے پژمردہ یہ کس نے نگاہِ گرم سے دیکھا
کسی صورت سے میری مشکل آساں ہو نہیں سکتی
یہ کس پر غیظ آیا تھا جو سرخ آنکھوں کے ڈورے ہیں
نگاہِ شوق تو بیتاب شامِ وصل ہے ثروت
کہتے ہیں وہ ہماری طرف کیوں نگاہ کی کر
عادتِ رحم بھی دکھلائیے ستم کی خو بھی
بیٹھکر وصفِ نقابِ رخ روشن چھیڑا
اٹھ بھی گئے پہلو سے وہ یاں ہوش نہیں ہے
عشاق کو تھا ناز بہت صبر پر اپنے
دوائے زخم دل کیوں چارہ گر کی

ناآشنائے حرفِ شکایت ہی کیوں نہو
جہاں ہو تو کہیں پھر اس زمیں پر آسماں کیوں ہو
ندامت ہو گی لے شوقِ شہادت پھر مجھے مرکے
ابھی تو پھول تازہ تھے مری تربت کی چادر کے
کہ میں ہوں سخت جاں اور ہاتھ نازک ہیں ستمگر کے
نگہ کی تیغ سے آئے ہو کس کے دل کا خوں کر کے
حیا کا حکم ہے آنچل نہ سینے سے ذرا سرکے
لو بس ہم اس خطا پہ گنہگار ہو گئے
ہنسکے پاس اپنے بٹھایا تھا رلا کے اٹھے
حالِ دل ہم ابھی کہتے ہی نہ پائے تھے کہ اٹھے
دکھانا کہیں کا مجھے اس بے خبری نے
چھڑا دیا ظالم تری بیدادگری نے
نشانی مٹ گئی تیرِ نظر کی

چلے کیونکر کوئی تدبیر میری
مزاج یار ہے تقدیر میری

لا چکے جواب نامہ قاصد کہ جا چکیں ہم
پیغام آرہے ہیں اب وصل ہم اجل کے

مجھ تک آتے آتے دیکھوں نیتِ ساقی ہو کیا
نہ ہو رستہ تو پھر کیونکر مکینِ قصرِ غم نکلے
رگیں لپٹی ہیں اے قاتل نشانی جانکر تیری
فلک سے خاک برسی ہو گیا عالم میں سناٹا
خشک ہو گا پھول بُو رہ جائے گی
ہم جو پہلے قتل اے قاتل ہوئے
سینہ پر زانوئے قاتل ہے گلے پر تیغِ تیز
آستانِ پیرِ دیدہ پاک سے جبیں سائی کا حکم

میکشو ابتک تو رنگِ دورِ محفل ایک ہے
کوئی دلکا ہمارے پھوڑ دے چھالا تو دم نکلے
نکل آئے مرا دل بھی اگر تیرِ ستم نکلے
خدا جانے جنوں کے جوش میں کسطرح ہم نکلے
دل مرے گا آرزو رہ جائے گی
حسرتِ مرگِ عدو رہ جائے گی
دل کو جو اسوقت راحت ہے کبھی ایسی نہ تھی
مہر کی اللہ نے قسمت کبھی ایسی نہ تھی

ثروت - حکیم سید محمد اطہر الدین حسن خلف مولوی امیر الدین متوطن تالگرام ضلع فرخ آباد - عربی وفارسی میں دستگاہ کامل رکھتے ہیں - اور مدرسہ آرہ سے علم حدیث کی تکمیل کی سند حاصل کر چکے ہیں - فن طب میں آپ فرخ آباد کے نامور طبیب حکیم اصغر حسین صاحب کے شاگرد ہیں - کئی سال تک کانپور - اجمیر میں مطب کرنے کے بعد اب آپ اندور میں قیام فرما ہیں - ابتدائے سن شعور سے آپ کو شعر گوئی کا شوق ہے - ذہن میں رسائی اور تخیل میں بلند پروازی پائی جاتی ہے - دس بارہ غزلیں نظر سے گذریں اُنکا انتخاب حاضر کیا جاتا ہے - چستیِ بندش - صفائی زبان - اور اُسکے ساتھ تلاش مضمون سب خوبیاں ان کے کلام میں بدرجہ مناسب موجود ہیں - ثروت

بٹھالو بزم میں ہم کو بھی صدقہ اُٹھتے جوبن کا
تم اپنی دوستی اور دشمنی کی جانچ خود کر لو
پتہ ہماری آنکھ کہیں ٹھیرتی نہیں
باتوں میں ہم اشاروں میں کہتے ہیں وہ ملیح
فراقِ یار میں رحمت خدا کی چشمِ گریاں پر
بجا ہے گر کہیں جمشیدِ تخت سرخوشی تجھکو

تمہارے دوست ہیں ہم واسطہ دیتے ہیں دشمن کا
کہ میرے دوست بنکر تذکرہ کرتے ہو دشمن کا
دیکھو تو ایک کھیل ہے یہ بھی نگاہ کا
جادو یہاں زباں کا وہاں ہے نگاہ کا
ترشح اشکِ باراں ریز کا طوفاں ہے طوفاں پر
جھکی ہیں گردنیں شیشوں کی ساقی تیرے فرماں پر

ہوا ہے کون دیوانوں میں آرائش پسند ایسا
کرا تو کر رہے ہیں خضر دامانِ بیاباں پر

بڑی مشکل سے یہ نعمت ملی ہے دستِ دلبر سے
گلے ملتا ہے میرا خونِ ناحق آبِ خنجر سے

علاجِ زخمِ بسمل میں بھی سفاکی رہی شامل
جراحت پر مرے مرہم لگایا آبِ خنجر سے

کسے تشبیہ دوں یا رب دو ابرِ دیدۂ تر سے
نہ ساون اسقدر برسے نہ بھادوں اسقدر برسے

پریشاں دل ہوں ایسا گردشِ چرخِ ستمگر سے
مجھے دورانِ سر ہوتا ہے ساقی دورِ ساغر سے

اگر شوقِ شہادت میں کوئی بیہوش ہوتا ہے
اٹھا لیتے ہیں وہ دیدیکے چھینٹے آبِ خنجر سے

بتوں کی یاد جسنے پائی اپنے گوشۂ دل میں
یہ سمجھو اُس نے سب کچھ پا لیا اللہ کے گھر سے

کیا ہے مفلسوں کے منہ نے شرمندہ ایسا
نہ ہرگز دور ہوگی منعموں زردیِ رخ زر سے

کھلی وصفِ دہانِ تنگِ جاناں میں زباں میری
طبیعت نکتہ داں ہو کر ہوئی ہے غیب داں میری

ہوا جو غرقِ بحرِ عشق میں وہ کب نکلتا ہے
کہیں دریائے بے پایاں کا ڈوبا بھی اچھلتا ہے

دلِ عشاق کی کیا اصل ہے او فتنۂ دوراں
قیامت جس سے پس جاتی ہے تو وہ چال چلتا ہے

نہالِ قدِ جاناں میں ثمر نامِ خدا نکلے
ذرا دیکھے کوئی آ کر تماشا سرو پھلتا ہے

سر لئے بیٹھے ہیں زانو پر سرِ جانباز مقتل میں ٭ لہو کچھ ڈرتے ڈرتے دھو رہے ہیں آبِ خنجر سے

غیر اپنی ہی جب جما بیٹھے
میری الفت کا نقش کیا بیٹھے

وہ جو اٹھے تو درد بھی اٹھا
درد بیٹھا جو وہ ذرا بیٹھے

مرنے والے کو دیکھ تو آؤ
تم یہاں کر رہے ہو کیا بیٹھے

لگا تیغِ انداز کیا دیکھتا ہے
مری بے گناہی خدا دیکھتا ہے

ہماری محبت تمہاری عداوت
خدا جانتا ہے خدا دیکھتا ہے

خدا جانے میں اُس میں کیا دیکھتا ہوں
خدا جانے وہ مجھ میں کیا دیکھتا ہے

جدائی میں اے موت آجا کہ دوست
بہت دیر سے راستہ دیکھتا ہے

پڑ گئی کس درجہ حیرانی مری
شکل ظالم نے نہ پہچانی مری

سیکھی آئینے نے حیرانی مری
لے اڑی کاکل پریشانی مری

ثریا

ثریا۔ منشی سید امیر علی متوطن قصبہ گوپامئو من مضافات اودھ۔ ۱۲۷۱ھ میں شباب کا عالم اور تحصیل و تکمیل علم طب کی طرف متوجہ تھے۔ گاہے گاہے شعر کہنے کا بھی اتفاق ہو جاتا تھا یہ ان کے اشعار ہیں۔

جھوٹے وعدے بھی یاں غنیمت ہیں
اسمیں تسکین کچھ تو ہوتی ہے

مرتا ہوا لہوس پہ دھیان نکر
جھوٹے موتی سدا پروتی ہے

ثریا

ثریا۔ والاجاہ آسمان قدر سید اسد علی مرزا بہادر ثریا خلف الرشید امیر الامرا نواب منصور علی خاں بہادر نواب ناظم بنگال و نواب زادہ خورد نواب ناظم مرشدآباد مرحوم۔ آپ کی تعلیم اپنے برادر والاقدر نواب میر حسین علیخاں نواب بہادر مرشدآباد کے ساتھ انگلستان میں ہوئی۔ وہاں سے فارغ التحصیل ہو کر ہندوستان آئے تو زیادہ تر کلکتہ اور مرشدآباد میں قیام رہا۔ ہزار روپیہ ماہوار کا وثیقہ آپ کو سرکار سے ملتا تھا۔ شعر گوئی کا بھی شوق تھا یہ کلام کا انتخاب ہے۔

میری وفا اور آپکی جفا ہے عجیب راز
ہے دادرس کوئی نہ کوئی دادخواہ ہے

ہونٹوں پہ جان آئی ہے ہجر حبیب میں
اب حال انتہا سے زیادہ تباہ ہے

ٹھوکر لگا کے تم کہے گر قم بتِ مسیح
لبیک کہہ کے آؤں میں باہر مزار سے

ہزاروں آندھیاں آئیں پس مرگ
نہ اٹھی خاک پر مجھ ناتواں کی

مٹایا اس طرح آخر فلک نے
نہ رکھی خاک تک مجھ بے نشاں کی

یہاں رہتا ہے جلوہ نور حق کا
جگہ دلمیں نہیں عشق بتاں کی

ثریا

ثریا۔ عالی جناب شاہزادہ ثریا قدر مرزا محمد تقی علی بہادر المتخلص بہ ثریا ابن عالی جناب مستطاب معلی القاب ہز ہائینس شاہزادہ عالم و عالیان یادگار اودھ پرنس سلیمان قدر مرزا محمد حسن علی بہادر دام اقبالہٗ برادر زادہ و خویش سلطان عالم حضرت محمد واجد علی شاہ جنت آرامگاہ۔ دسمبر ۱۹۰۳ء میں راقم تذکرہ سے بمقام لکھنؤ ملاقات ہوئی تھی۔ ۲۸۔۲۹ سال کی عمر ہے دربار گورنری میں آپکا چھٹا نمبر ہے آپ کو سن طفولیت سے ہی ہر علم و ہنر کا شوق رہا کئی زبانیں جانتے ہیں اور صنعت و حرفت میں بھی

مہارت ہے ہر فن میں دستگاہ ہے۔ مصوری نقاشی خوش نویسی فن سپہ گری اور نظم و نثر میں اچھا ملکہ ہے۔ مرثیہ۔ واسوخت۔ قصائد۔ غزل وغیرہ جملہ اصناف سخن پر قادر ہیں علاوہ ازیں علم ہیئت و ہندسہ۔ نصائح و فلاسفی وغیرہ سے بخوبی واقف ہیں۔ آپ کا ذہن رسا و جودت طبع خداداد ہے۔ فن شعر کا مذاق وراثتاً ملا ہے۔ اکثر مشاعرے بھی کرتے رہتے ہیں۔ زبان صاف روزمرہ سلیس نشست الفاظ مرغوب ہے۔ اکثر دشوار و سنگلاخ زمینوں میں بھی طبع آزمائی کی ہے جس سے ان کی مشاقی ظاہر ہے۔ ایک رسالہ آپ کے کلام کا شایع ہو چکا ہے۔ اسمیں سے چند شعر اپنے مذاق کے بموجب انتخاب کرکے پیش کرتے ہیں۔

کیا لطف روئے یار پہ ہے زلف یار کا	صبح حلب میں عکس ہے شام تتار کا
ترے زانو پہ سر ہے اب یہ دشوار	مری جاں ہوش میں آنا کسیکا
جو منظور جانا ہی تھا غیر کے گھر	عبث پھر ہمیں تھا بلانا کسیکا
مانگا ابرو کا جو بوسہ تو کہا کھینچ کے تیغ	پھر تو فرمایئے کیا آپ نے ارشاد کیا؟
آشیاں کس جا بنائے اپنا بلبل شاخ پر	جا نہیں ملتی لدے ہیں اسقدر گل شاخ پر
صحن گلشن سے نکل جائے تو وہ صیاد کو	عندلیب پھر چہکنا ہے تامل شاخ پر
اے ثریا مجھ سے نظارہ گل میں ہزار	ہاتھ سے صیاد کے جو کھا گئی چل شاخ پر
ضیائے حسن کے تھے پہلے تو حجاب میں تیر	اٹھی نقاب گرے قلب آفتاب میں تیر
سوال بوسہ پر مژگاں پہ وہ کمان ابرو	لگا ہی بیٹھا نظر کا مجھے جواب میں تیر
ترا جو مصحف رخ چوما اے کمان ابرو	گناہ اڑ گئے ہیں بن کے اس ثواب میں تیر
نہ ہے نصیب کہ وہ قتل کرکے ہاتھوں میں	عوض حنا کے مرا خوں لگائے بیٹھے ہیں
پھر بعد میرے دیکھنا پچھتاؤ گے ضرور	عاشق ملیگا مجھسا کوئی عمر بھر نہیں
جو وہ شاہ خوبی ہمارا نہیں ہے	اگر سلطنت ہو گوارا نہیں ہے
ادھر صبر کا مجھکو یارا نہیں ہے	ادھر وصل ان کو گوارا نہیں ہے

چمکتا ہے افشاں کا تیری جو ذرہ
فلک پر کوئی ایسا تارا نہیں ہے

بجز وعدۂ وصل جاناں ہمارا
کوئی زندگی کا سہارا نہیں ہے

جو دی چھیڑ کیا اوسکا دعویٰ وہ بولے
ہمارا ہے اب دل تمہارا نہیں ہے

میں اوروں کو چاہوں یہ سب ہے بدگمانی
جہاں میں کوئی تم سے پیارا نہیں ہے

کہا میں نے غیروں سے ملئے نہ صاحب
تو بولے تمہارا اجارا نہیں ہے

آپ جو چاہے کہ لیجئے اپنی جا پر
پر نہ غیروں میں کیا یہ کیجئے بدنام مجھے

یاد ہے عارض و گیسو کی ترے آٹھ پہر
کیا کہوں کٹتے ہیں کیونکر سحر و شام مجھے

غضب کی وہ بلا پر پیچ زلف عنبریں نکلی
پھنسا جو دل تو پھر صورت رہائی کی نہیں نکلی

گدا کے پاؤں کی کھا کھا کے ٹھوکر فرق شاہاں سے
بھری تھی زیست میں جو نخوت تاج و نگیں نکلی

نہیں تن پر کسی جا زخم گوشتہ سراپا ہوں
وہ پر جوہر تری تیغ نگاہ سرمگیں نکلی

اٹھا بار امانت لے ثریا جز بشر کس سے
یہ مشت خاک راہ حق تعالیٰ کی امیں نکلی

نہیں ہے یہ گرد باد صحرا زبسکہ تھا زندگی میں شیدا
تلاش لیلیٰ میں بعد مردن بھی روح مجنوں بھٹک رہی ہے

خزاں گئی پھر بہار آئی وسے اب تو صبا واسے رہائی
کہ بہر نظارۂ گلستاں قفس میں بلبل بلک رہی ہے

ثمر - مرزا علی خلف مرزا جعفر علی لکھنوی - آپ کو شیخ غلام ہمدانی مصحفی سے تلمذ تھا - غدر تک حیات تھے - زیادہ حال معلوم نہ ہو سکا - اردو فارسی دونوں زبانوں میں بقول صاحب تذکرہ سراپا سخن صاحب دیوان تھے - طبیعت کی مشاقی مندرجہ ذیل اشعار سے ظاہر ہے - مشکل زمینوں میں بھی صاف اشعار نکال کر اپنا زور طبع دکھایا ہے - ثمر

سب پڑھتے ہیں تربت پہ ترے کشتہ کی الحمد
رکھتے نہیں تم قبر وفا کش پہ انگشت

آنکھوں سے ملتے ملتے جو اس سیمتن کے پاؤں
آتے جو ہاتھ چومتے اس گلبدن کے پاؤں

کوئے صنم سے جانا نہ ہووے کبھی نصیب
ہو جائیں یا الٰہی مرے لاکھ من کے پاؤں

حد سے ہیں گذری یار کی وعدہ خلافیاں
پوجیں گے آج اس بت پیماں شکن کے پاؤں

غمزے سے تڑپے ہے کوئی عشوہ سے مر گیا	چلتے ہیں کس طرح ترے ناز و ادا کے ہاتھ
رخسار یار پر ہے وہ سہرا آج دست غیر	کیا گنج شایگاں ہے لگا اک گدا کے ہاتھ

ثمر

ثمر - منشی احمد سعید خاں ثمر خلف سعد اللہ خاں - غدر سے پیشتر شاہجہان آباد میں رہتے تھے - اور حال معلوم نہو سکا - یہ اُنکے شعر ہیں -

نگاہ مست سے ساقی کی یہ سرور ہوا	کہ دل سے حسرت مے کا خمار دور ہوا
مثال آئینہ ہے کھلی حقیقت حسن	کہ ہمکو دیکھ کے اپنا بھی تجھے غرور ہوا
دیکھتا تھا حسن اپنا مجھکو آئینہ سمجھ	اور میں خوش تھا کہ بارے مہرباں مجھ پر ہوا
تھا امتحان عشق کے قابل ہے کون	بل بے ہمت اس ضعیفی میں گماں مجھ پر ہوا
نگاہ گرم کا تیرے ہے کچھ اثر الٹا	کہ غیر پر پڑی اور دل جلا دیا میرا
خلش مژہ کی نہ تھی کم کہ میرے زخموں پر	تبسم لب دلبر نمک فشاں ہوتا

ثمر

ثمر - نواب مرزا مہدی علیخاں صاحب - منصور نگر لکھنؤ کے ایک شریف خاندان کے ممبر ہیں - تلمذ کا حال معلوم نہیں ہوا کہ کس سے ہے - اب کلام ملاحظہ ہو -

ہمیں سودا نہیں جو اُسکے کوچے سے کہیں جائیں	مبارک قیس کو یہ رات دن پھرنا بیاباں کا
حشر میں عاشق مظلوم کا خون ناحق	ہاتھ میں تھامے ہوئے دامن جلاد آیا
مر کے یہ جانا عناصر کا جدا ہو جانا	زندگی ہے جسے کہتے ہیں فنا ہو جانا
قاتل نے کی نہ میرے تڑپنے کی سیر ہائے	یہ درد مرتے دم دل بسمل میں رہ گیا
حال مسافران عدم کچھ نہ پوچھئے	لٹ کر متاع پہلی ہی منزل میں رہ گیا
کہتی ہے شمع بزم جلوں یا کہ خاک ہوں	وہ نامراد ہوں کہ کسیکو الم نہیں
ستمگر جب کوئی تازہ ستم ایجاد کرتے ہیں	تو پہر امتحاں پہلے ہمیں کو یاد کرتے ہیں
ہم خوشی سے جان دیدیں آبرو قرباں کریں	دل وہی کچھ بھی جو یہ غارت گر ایماں کریں
ابروئے پرخم کی جنبش کا فقط ہے انتظار	آپ اشارہ کیجئے ہم جان کو قرباں کریں

دم پر بنی ہے اور کچھ آزار بھی نہیں
بیمار عشق سا کوئی بیمار بھی نہیں

ملتے ہی نظر رنگ بدل جاتا ہے دل کا
اس آنکھ کے پردے میں کوئی شعبدہ گر ہے

ثمر **ثمر** - منشی اودھ بہاری لال صاحب ثمر - لکھنؤ کے رہنے والے اور قوم کے کایستھ ہیں - کسی سرکاری مدرسہ میں معلم ہیں - ۴۰ برس کے قریب سن اور یہ کلام کا رنگ ہے -

کیوں نہ مجھ کو جستجو تیری ہی
دل میں رہتی ہے آرزو تیری

رہ رہ کے دیکھتا ہے ترچھی نظر سے مجھ کو
خنجر لگا رہا ہے قاتل سنبھل سنبھل کر

وہ شۂ حسن ہیں عشاق ہیں ناچیز فقیر
اس سبب سے انہیں بھاتی نہیں سنگت اُن کی

ثمر **ثمر** - جناب خواجہ فقیر محمد صاحب رئیس ڈھاکہ نوشہ کے رہنے والے ہیں - اور حضرت داغ دہلوی کے شاگرد جناب نسیم ملسوی سے اصلاح لیتے ہیں -

جس سے جی چاہے دل لگائیں آپ
دوست دشمن کو آزمائیں آپ

ہو چکی دید حضرت موسیٰ سے
ہوش میں لے جناب آئیں آپ

حال روشن ہو لن ترانی کا
رُخ سے پردہ اگر اٹھائیں آپ

ثنا **ثنا** - میر شمس الدین ثنا - اصل وطن کشمیر تھا مگر یہ عظیم آباد میں رہا کرتے تھے - اور حضرت مشتاق کے شاگرد تھے - زیادہ حال معلوم نہ ہو سکا - آخر اٹھارویں صدی میں زندہ و سلامت موجود تھے -

شب فرقت میں تیری نالہ و زاری ہے اور میں ہوں -
جھپکتی پل نہیں آنکھیں ہیں بیداری ہے اور میں ہوں

چمن ہے خندۂ گل ہے مے و مینا ہے اور تو ہے
فغاں ہے نالہ ہے فریاد ہے زاری ہے اور میں ہوں

ثنا **ثنا** - منشی ثنار اللہ خان فرخ آبادی - بڑے طباع اور ذہین شخص تھے - مرزا غالب ذوق و مومن کے روشناس اور شیخ ناسخ لکھنوی کے شاگردوں میں سے تھے - آپ عرصے تک مرزا

سخاوت علی بیگ ضیا خلف مرزا حاتم علی بیگ مہر کی تحصیلداری ایٹہ کے زمانہ میں اُن کے پاس ایٹہ میں رہے۔ یہ ۱۸۵۳ء کا ذکر ہے۔ کچھ اشعار اُن کے لکھے جاتے ہیں۔

یہ توڑ وقت گریہ کیا سیل اشک نے
دیوار قہقہہ کو جو دیکھا تو ڈر چلا

رہائی پا کے اُڑے ہم صفیر سوئے چمن
ہم ایک رہ گئے تکتے قفس تہ و بالا

بن گئی میری شب ہجر تری زلف دراز
وصل کی رات سمٹ کر ہوئی جوڑا سر پہ

جلنا ہو ایک دم کا تو میں صبر بھی کروں
آٹھوں پہر سلگتا ہے چولھے میں جائے دل

دل عشق میں گیا دل شیدا کو کیا کریں
ہم ہو چکے تمام تمنا کو کیا کریں

اوڑھیں بچھائیں پھونکیں جلائیں بتا جنوں
صحرا میں ایک دامن صحرا کو کیا کریں

سناں پکڑی جگر نے اور چٹایا دل نے پیکاں کو
غرض دونوں نے رکھا اپنے گھر میں میہماں کو

جب تپ دوری جلا کر خاک کر دے گی ہمیں
آہ پھر چولھے میں ڈالیں گے تری تاثیر کو

کھاتا ہے چرخیاں مرے نالوں کے سامنے
پیل فلک کو رکھ لیا بھالوں کے سامنے

ثواب

ثواب ۔ میر سعادت علی مرحوم خلف میر شہاب الدین دہلوی اصلی وطن شاہجہان آباد تھا۔ مگر ان کے بڑے بھائی بہ تقریب ملازمت لکھنؤ میں مقیم تھے۔ اسلئے ان کی تعلیم و تربیت بھی وہیں ہوئی۔ احباب خوش مذاق کے فیض صحبت سے شعر کا بھی شوق ہو گیا۔ ابھی زیادہ مشق کی نوبت نہ آئی تھی کہ بھائی کا سایہ سر سے اُٹھ گیا اور فکر معاش نے فارغ البالی کا مزہ کھو دیا۔ کچھ عرصہ اطراف و جوانب میں سفر کا اتفاق ہوا پھر چند سال دکن میں ایام گذاری کی سنہ ۱۲۶۰ھ کے قریب جمعیت خاطر بہم پہونچا کر کرنال میں مستقلاً سکونت اختیار کی۔ اس سے زیادہ حال معلوم نہ ہو سکا یہ اُن کے کلام کا انتخاب ہے۔

کبھی سہتے مردگانِ غم پہ احسان مسیحِ قم کا
کبھی حق نمک ہے زخم دل پر اُس تبسم کا

ترے غم کی بدولت آگ یہ دل میں بھڑکتی ہے
کہ گر اک آہ کھینچوں آب ہو زہرہ جہنم کا

تپ دوری سے شعلے استخواں سے یوں نکلتے ہیں
چٹکے جیسے ثواب آتش سے پارہ پارہ ہیزم کا

ج

جادو۔نواب میر احتشام علی خاں صاحب بہادر خلف اکبر و جانشین نواب میر ابراہیم علیخاں صاحب بہادر قوام مرحوم ریاست بڑودہ گائکواڑ کے درجہ اول کے سردار ہیں۔آپ نقوی سوووی سادات میں ہیں۔آپکے اجداد کا وطن قصبہ سہسوان ضلع بدایوں قسمت روہیلکھنڈ متعلقہ ممالک متحدہ ہے۔مگر اب عرصہ سے بڑودہ ہی میں قیام ہے۔آپکے والد مہاراجہ بڑودہ کے مصاحب اعلے تھے۔اُن کے اسلاف کو سرکار بڑودہ سے ایک معقول جاگیر عطا ہوئی تھی۔جسپر آجتک جناب جادو متصرف ہیں۔حضرت جادو ۵ ربیع الثانی ۱۳۰۵ھ کو بڑودہ میں پیدا ہوئے۔ابتداءً کچھ کلام اپنے والد کو دکھایا بعد ازاں سال ہا سال ثاقب بدایونی سے اصلاح لیتے رہے۔پھر تیمناً و تبرکاً چند غزلیں حضرت ظہیر دہلوی کی خدمت میں پیش کیں صاحب دیوان ہیں۔مگر ہنوز دیوان طبع نہیں ہوا ہے۔آپکے مورث میر سرفراز علی خانصاحب بہادر سہسوان سے اول بڑودہ میں آئے اور درجہ اول کی سرداری پر بہ جلد وبڑے بڑے اہم کارہاے ریاست کی انجام دہی کے فائز ہوئے۔اُس وقت سے ابتک برابر ریاست میں سے وہی اعزاز و مراعات حاصل ہیں اور برٹش گورنمنٹ میں بھی ریاست کی مثل اعزاز ہے۔ ان کی عمر اس وقت ۴۰-۴۲ سال کے قریب ہے۔مہاراجہ صاحب بڑودہ کی مصاحبت میں یہ بھی رہ چکے ہیں۔کلام نہایت پاکیزہ۔خیال بلند۔تلاش اعلے۔بندش چست۔زبان صاف اور ستھری ہے۔طبیعت میں شوخی بھی بقدر ضرورت و مناسب ہے۔اپنے اُستاد کے رنگ میں کہتے ہیں اور ایک حد تک اُس میں کامیابی حاصل کی ہے۔یہ اُنکے اشعار ہیں۔

کوئی دیکھے تو عالم میرے جذب شوق پنہاں کا قیامت جوشش وحشت کی ہے ہنگامہ آرائی	ہوا ہے روکنا دشوار اب ناوک کے پیکاں کا کہ صبح روز محشر چاک ہے میرے گریباں کا

رتن عریاں کو خارِ وحشت سے پیوند ہی کر دے
رتن مجروح بسمل کی وہ دعوت کرنیوالے ہیں
ہ کوئی پوچھنے والا نہ کوئی سننے والا ہے
اوڑے پھرتے ہیں ہم دوشِ صبا پر چارسو جادو
تو ہی مرگِ ناگہاں مشکل مری آسان کر
منہ مرا حیرت سے تکتے ہیں سرِ بزم عدو
وصل میں بھی لی نہ کروٹ میرے بختِ خفتہ نے
کوئے جاناں پاس ہے واماندہ ہیں ہوئے اصبا
رتے مرتے میرے سر پہ بارِ احساں دھر دیا
آئے ہیں ہنگامہ ہائے کوئے دلبر دیکھکر
ہے مزارِ کشتۂ نازِ بتِ محشر خرام
حسرتِ دیدار پوری سخت جانی سے ہوئی
ہوگئے بیتاب تم تو سنتے ہی ذکرِ عدو
کھل نہ جائے پردۂ عشقِ بتِ پردہ نشیں
ہو نہ ہو آہِ رسا نے کچھ اثر پیدا کیا
ہے یہ مشکل کہ وفا دار و نکا دستور نہیں
عشقِ پنہانِ عدو باعثِ رسوائی ہے
لیگئی لوٹ کے رونق مرے گھر کی شبِ وصل
دل سے آجائے زباں تک نہیں ممکن واعظ
وہ سنیں کان لگا کر یہ کہاں ممکن ہے
میں وہ ہوں مورد کششِ بادہ حرماں ساقی

ٹھکانے ہی لگا دے اے جنوں ٹکڑا گریباں کا
مزہ جب ہے کہ زخموں سے ہو منہ پھیکا نمکداں کا
ہماری بیکسی ہے آئینہ گورِ غریباں کا
ہماری لاغری میں ہے اثر تختِ سلیماں کا
چین سے سو جائیں ہم تربت میں چادر تان کر
دیکھنا انجان وہ بنتے ہیں کیسے جان کر
سونے والے سو رہے منہ پر دوپٹہ تان کر
ابتو مشتِ خاک پر تو ہی ذرا احسان کر
آئے بالیں پہ گھڑی ساعت کا مہمان جان کر
خاک جی بہلیگا سیرِ روزِ محشر دیکھکر
پاؤں رکھتا اس طرف اے شورِ محشر دیکھکر
دیر تک تڑپا کئے سو سو لئے ستمگر دیکھکر
ورنہ دل دیتے ہیں سب آ بندہ پرور دیکھکر
اشک ریزی ہجر میں اے دیدۂ تر دیکھکر
ورنہ کیوں مضطر ہیں وہ جادو کو مضطر دیکھکر
ورنہ میں ہجر میں مرنے سے بھی مجبور نہیں
وجہ شہرت ہے وہی بات جو مشہور نہیں
کہ رخِ صبحِ جدائی پہ ذرا نور نہیں
الفتِ پردہ نشیں آرزوئے حور نہیں
میرا افسانۂ غم غیر کا مذکور نہیں
کہ مرے زخم کی قسمت میں بھی انگور نہیں

حجت وعدۂ فردا پہ غضب ہے جادو
وہ یہ کہتے ہیں قیامت بھی تو کچھ دور نہیں

مٹنے میں بھی آپ کا پتا ہوں
میں کوئے عدو میں نقش پا ہوں

محفل میں نگاہ کب ہے ان پر
اوروں کی نظر کو دیکھتا ہوں

آنکھوں میں بسی ہے شکل وحدت
آئینہ میں اُن کو دیکھتا ہوں

مجبوری عشق صلح کل ہے
دشمن سے بھی دوستی نباہوں

جادو مرا ادّعی ہے کافر
مومن میں اپنے وقت کا ہوں

عشق کو پردہ دری حسن کی منظور بھی ہو
ورنہ موسیٰ ہوں وہی اور وہی طور بھی ہو

نحن اقرب سے کھلا صاف یہ مضموں یعنی
وہ رہے دل میں جو نزدیک بھی ہو دور بھی ہو

رنگ ہر شے میں نہاں ہو نہیں سکتی ظاہر
جتنے مختار رہو تم اُتنے ہی مجبور بھی ہو

کیف ہر نشۂ عرفاں کا دو چنداں واعظ
تیری تسبیح میں گر دانۂ انگور بھی ہو

کوئی دیکھے نظر اہل نظر سے جلوہ
آپ ناظر بھی ہو تم آپ ہی منظور بھی ہو

شہرت پردہ نشینی ہوئی شکل عنقا
تم جو نظروں سے ہو معدوم تو مشہور بھی ہو

کب ہوا رشک سے اظہار تمنا منظور
کب گوارا ہے زباں سے ترا مذکور بھی ہو

لن ترانی سے غرض جلوۂ جاناں کو نہیں
دیکھنے والوں کی آنکھوں میں مگر نور بھی ہو

قابل دید ہے حسرت بھی تمہاری جادو
دور منزل سے ہو اور ضعف سے مجبور بھی ہو

زیب و زینت سے اُنھیں فرصت نہیں ہر آئینہ
رات بھر ہے روئے دشمن اور دن بھر آئینہ

شکل خوبان جہاں رہتی ہے ہر دم دلنشیں
کچھ عجب رکھتا ہے خوبی سکندر آئینہ

شکل خوب و زشت ہے اُس میں ہویدا صاف صاف
حق نمائی کا مگر رکھتا ہے جوہر آئینہ

معرکہ ٹھیرا ہے قاتل سخت جانی سے ضرور
خوں ٹپکتا ہے جو چشم جوہر شمشیر سے

اب بھی جذب سوز پنہاں کا مرے قائل نہیں
آب تک تو کھنچ گئی قاتل تری شمشیر سے

خوف ہے یہ ضعف کے آزار سے
دب نہ جاؤں سایۂ دیوار سے

[illegible]

شاد ہوتے خواب میں دیدار سے
آنکھ لڑتی طالعِ بیدار سے

ابتو گر پڑتی ہے اٹھ اٹھ کر نظر
تھک گیا ہوں انتظارِ یار سے

کیوں نہو اے جادوئے نازک خیال
طرزِ مومن ہے عیاں اشعار سے

کچھ اُس انداز سے دیکھا کہ رحم آ ہی گیا اُن کو
مری خوش قسمتی میری نگاہِ واپسیں نکلی

ہزاروں رنگ بدلے حادثاتِ دہر نے لیکن
نہ سر سے آسماں سرکا نہ پاؤں سے زمیں نکلی

کسی کا وصل کی شب ناز سے منہ پھیر کر کہنا
کسی کے دل کی حسرت اب بھی نکلی یا نہیں نکلی

قضا آئی جو فرقت میں ہوئیں سب مشکلیں آساں
کہ حسرت بن کے سینے سے مری جانِ حزیں نکلی

ہوئی جب آنکھ سے باہر دلِ بسمل میں جا بیٹھی
نگاہِ نازِ قاتل بھی عجب پردہ نشیں نکلی

بنایا آسماں اوجِ مضامیں سے اُسے جادو
زمانے میں نئی جب شعر کی کوئی زمیں نکلی

سرِ محفل نہ دیکھو تم کنکھیوں سے مری جانب
کہیں رکھدیں نہ تم پر کوئی تہمت رکھنے والے

جادو

جادو۔ منشی محمد رکن الدین جادو دہلوی خلف خان بہادر مولوی محمد انوار الحق مرحوم سابق میر منشی زیذنٹی راجپوتانہ۔ پہلے اپنے چچا ادیب مرحوم کے شاگرد اور ناتوان تخلص کرتے تھے۔ پھر حضرتِ داغ دہلوی مرحوم کے شاگرد ہوئے۔ علمی استعداد کافی ہے۔ مزاج میں وارفتگی زیادہ ہے۔ ریاست بھرتپور میں نائب میر منشی تھے۔ پھر ترک روزگار کر کے دہلی چلے آئے۔ اب سُنا ہے کہ پھر اپنی قدیم ملازمت پر بحال ہو گئے ہیں۔ جوان تیز طبع اور مزاج میں ظرافت خلقی ہے۔ مولانا عبد الحق محدث دہلوی کے خاندان سے ہیں۔ اپنے والد کے ہمراہ راجپوتانہ کی اکثر ریاستوں کی سیر کی ہے۔ یہ اُن کے کلام کا انتخاب ہے۔

سمجھ لو اپنے دل میں پوچھنا کیا
ہماری آرزو کیا مدّعا کیا

ہو جان کو گر ایک مصیبت تو رو دیئے
دل بھی یہاں ہٹا تو ترے اختیار کا

بیوجہ آسماں نہیں گردش میں رات دن
اسیر پڑا ہے صبر کسی بے قرار کا

دے کے دل آپکو لے جان چلے آتے ہیں

کس کو در ہوکے میں کیا قتل لگے ہاتھ کدو

دیکھکر مجکو وہ کہتے ہیں یہی ہیں جادو

عدو کو بٹھکر پہلو میں میرے یاد کرتے ہیں

دلنواز آپ تو فرمائیے کیا دیتے ہیں

مرمٹا تیرا تصور بھی ہمارے دل پر

زندہ رہجاتے ہیں جی جاتے ہیں مرنے والے

وہ کسکے نوکِ مژگاں کی کماں اب چھیڑ چھاڑ

تم نہیں پہلو میں کیا دل نے بھی کی پہلو تہی

ہائے کیا ناشاد ہے جادو کہ جسکو بعدِ مرگ

جادو اب اغنیائے زمانہ کا ہے یہ حال

سُنتا ہوں کہ مہمان وہ بُت غیر کے گھر ہے

بالیں پہ سراسیمہ کوئی رشکِ قمر ہے

بیچکر دین مسلمان چلے آتے ہیں

ہاتھ ملتے ہیں پشیمان چلے آتے ہیں

یہ جو پہ چلتے ہوئے انسان چلے آتے ہیں

کبھی وہ شاد کرتے ہیں کبھی ناشاد کرتے ہیں

دل اُنھیں کا ہے کہ دل اہلِ وفا دیتے ہیں

مٹنے والے وہ بلا ہیں کہ مٹا دیتے ہیں

معجزے تیرے مسیحا کو جلا دیتے ہیں

ڈھونڈتے ہیں زخم کوئی نیش زن ملتا نہیں

تم نہیں ملتے تو دل بھی جانمن ملتا نہیں

عشق کی سرکار سے گور و کفن ملتا نہیں

دیتے نہیں فقیر کو ٹکڑا اُٹھا کے ہاتھ

پتھر پڑیں اس پر کہ دُعا کا یہ اثر ہے

او بے خبری تجھکو بتا کچھ بھی خبر ہے

رہے کمبخت کیا ٹھکانے سے

وہ الُو کھا جو ہے زمانے سے

کیا زمانہ ہے دوستی کا تری

بن گئی دلپہ دل لگانے سے

رُوٹھتا ہے وہ منانے سے

دشمنی ہو گئی زمانے سے

جور میں بھی ترے اک چیز ہے لذت والی

گھونٹے داموں بھی نہ لوں دولتِ دنیا ہرگز

اُن کو دعویٰ تو ہے مجھسا نہیں دُنیا بھر کی

لطف کا جس میں مزا ہو وہ ستم اچھا ہے

کہ درم سے مجھے یہ داغ درم اچھا ہے

لیکر آئینہ جو دیکھیں گے تو حیراں ہونگے

جادو ۔ منشی تہور حسین صاحب جادو سنہ ۱۲۸۳ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کی طبیعت خداداد آغاز شباب سے شعر و سخن کی طرف متوجہ رہی ہے۔ سترہ اٹھارہ سال کی عمر میں حضرتِ جلال لکھنوی

جادو

ع کاہیدہ اس قدر ہوں غمِ ہجرِ یار میں ؛ ڈھونڈے سے مجھے قضا تو نہ آؤں قضا کے ہاتھ ؛ یارب مرے ہوں دستِ دعا اسقدر دراز ؛ میں چھین لوں فلک سے اثر کو بڑھا کے ہاتھ

کی شاگردی کا فخر حاصل کیا۔ اسی وقت سے بصیغۂ فوج ریاست رامپور میں ملازم رہے خدمت کار منصبی سے جسوقت فرصت ملتی تھی غزل گوئی میں مصروف رہتے تھے۔ بہت سا کلام جمع ہو گیا تھا پندرہ سولہ سال کا زمانہ ہوا کہ ایک پیر روشن ضمیر کی خدمت میں حاضر ہو کر مرید ہو گئے۔ ان کے فیض صحبت سے زیادہ فرصت کا وقت یاد الٰہی میں صرف ہوتا ہے۔ یہانتک فقر کی جانب طبیعت راغب ہوئی کہ فوج کی ملازمت سے دست بردار ہو گئے۔ رات دن گوشۂ تنہائی میں یادِ خدا کرتے رہتے ہیں۔ اسی حالت میں وہ مجموعۂ تصنیف تلف ہو گیا۔ دس۱۰ بارہ۱۲ سال سے ایک مصرع بھی کہنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ دو سال ہوئے کہ احباب کے مجبور کرنے سے کبھی کبھی غزل کہہ لیتے ہیں ورنہ ہر دم ذکر الٰہی میں مستغرق رہتے ہیں دنیوی ساز و سامان سے متنفر ہیں گیروا کرتا گیروا تہبند زیب تن رہتا ہے۔ کلام کا نمونہ ملاحظہ ہو۔

نمایاں حسن کرنا ہے تو مجھکو کیوں رلاتے ہو
اڑائیں دھجیاں جب پیرہن کی دستِ وحشت نے
تصور نے ترے ظالم یہانتک تفرقہ ڈالا
خیال یار بچنا تھا اگر ایذا رسانی سے
کسی فن میں تو کامل ہو بقول آتش کے اے جاوید

اللہ رے لاغری کہ مرا جسم ناتواں
نام و فا لیا تھا کہ جا دو زباں کٹی
روئے جاناں کا تصور بنگیا انوار صبح
اپنا اپنا بخت ہے اب دیکھو جاتا ہے کہاں
داغ دل جلتا ہے دوزخ کا نمونہ ہو کر
دیکھ لینا یہی رونا ہے تو آنسو میرے
جس اذیت کا نہ دنیا میں ٹھکانا ہو کہیں

سہر روشن چھپا دیگا برسنا ابر باراں کا
غبار کوئے جاناں نے تن عریاں میرا ڈھانکا
کہ ملنا ہو گیا دشوار اب مژگاں سے مژگاں کا
دل مجروح میں تار نفس کا کیوں دیا ٹانکا
نشاں رہتا نہیں ہے نام رہجاتا ہے انسانکا

حد گمان و وہم سے باہر نکل گیا
اچھا ہوا کہ کچھ اور نہ منہ سے نکل گیا
راتدن حاصل ہے آنکھونکو مری دیدار صبح
شام کا وعدہ ہے مجھ سے غیر سے اقرار صبح
چشم تر نے نہ بجھایا اسے دریا ہو کر
ایکدن غرق کریں گے مجھے دریا ہو کر
دل میں آبیٹھے مرے میری تمنا ہو کر

تمہیں الجھن ہے کیا اسکی گرہ سے پوچھنے والا
تمہارا گیسوئے پیچاں ہے مرے حال پریشاں کا

آنکھیں تلووں سے ملیں میری زباں کاٹی گئی

حالِ غمگیں حالِ خستہ ایک ہے پھر فرق ہے
نیک و بد جادو کسی کا دیکھتا ہے کس لئے

فریاد آہ کے در سب بند ہو گئے ہیں
بیہوشیٔ جنوں میں یہ بھی خبر نہیں ہے

عشقِ بتاں کے صدمے حوروں کی آرزو میں
نہ بیٹھو تھک کے اے جادو اُڑا ؤ خاک جنگل کی

دردِ دل یوں ہے مرے نالۂ شبگیر کے ساتھ
رہگیا قتل کا ارمان دلِ قاتل میں جو

روح قالب سے تو پہلو سے مرا دل نکلے
فقر وہ چیز ہے جادو کہ گلیمِ درویش

کہا جب وصل ہو ممکن کوئی تدبیر ایسی ہے
جسے تو آئینہ میں دیکھکر ہے محوِ نظارہ

تنِ لاغر کو میرے دیکھ کر کہتا ہے وہ ظالم
کوئی سر ٹھوکروں میں ہے کسی کا سر ہے زانو پر

اُس خاکِ رہگذر میں میں ناتواں پڑا ہوں
دلکو قرار ہے نہ جگر کو قرار ہے

ترے مژگاں کے زخمی ایک حالت پر نہ سب دیکھے
بنا کر آئینہ تو دلکو اپنے دیدیا میں نے

اسی کا نام عاشق ہے تلاش یار میں برسوں
مری آنکھوں سے ٹپکی خون ہو کر آرزو دل کی

کون دنیا میں فغاں کرتا نہیں روتا نہیں
زخمِ دل ہنستا ہے اکثر میں کبھی ہنستا نہیں

جب سے تجھے اچھا بُرا اپنا نظر آتا نہیں
ضبطِ فغاں کی مُہریں میری زبان پر ہیں

بیٹھے ہیں ہم زمیں پر یا آسمان پر ہیں
دونوں جہاں کے جھگڑے اس ایک جان پر ہیں

کرو کچھ دشت پیمائی ابھی بدست و پا یوں ہو
جیسے لپٹی ہوئی زنجیر ہو زنجیر کے ساتھ

بسملِ ناز کا دم کھنچ گیا شمشیر کے ساتھ
تیری شمشیر کے ہمراہ ترے تیر کے ساتھ

ہمسری کرتی ہے دو شالۂ کشمیر کے ساتھ
وہ بولے تیرا منہ ایسا تری تقدیر ایسی ہے

مرے چشمِ تصور میں بھی اک تصویر ایسی ہے
مرے نقشِ کفِ پا میں بھی اک تحریر ایسی ہے

نصیب ایسا کسی کا ہے کوئی تقدیر ایسی ہے
نقشِ قدم کی صورت ہر اک مٹا رہا ہے

یارب یہ کس بلا کی شبِ انتظار ہے
ہزاروں نیمیاں دیکھے ہزاروں جاں بلب دیکھے

تماشا اسکی قدرت کا وہ دیکھے یا نہ اب دیکھے
کرے مثلِ فلک چکر نہ دن دیکھے نہ شب دیکھے

تری الفت نے مٹی میں ملا دی آبرو دل کی

رفاقت اسکو سکتے ہیں محبت ایسی ہوتی ہے	رہی دل میں کبھی دل سے نہ نکلی آرزو دل کی

جالب

جالب ۔ منشی سید بشارت علی دہلوی ۔ انگریزی اور فارسی میں بھی کافی استعداد رکھتے ہیں ۔ بڑے ذہین اور طبیعت دار شخص ہیں ۔ اخباری دنیا میں خاصی شہرت حاصل ہے ۔ مدرسہ چھوڑنے کے بعد سے مضمون نگاری کا مشغلہ ہے ۔ پیسہ اخبار ۔ اودھ اخبار ۔ روزانہ دہلی ۔ وطن ۔ وکیل شریف ۔ مخزن ۔ متعدد اخباروں میں اڈیٹری کرچکے ہیں ۔ مگر کسی جگہ جمکر نہیں رہتے اس فن میں آپ کو خاصہ ملکہ ہے ۔ نظم کیطرف توجہ کم ہے ۔ آپ کو حضرت داغ دہلوی سے تلمذ حاصل ہے اور ایکمرتبہ چند ماہ اُن کی خدمت میں دکن میں بھی رہے ہیں ۔ اب ۴۰ سال کی عمر ہے اور امرتسر میں کسی اخبار کے اڈیٹر ہیں ۔ چند غزلیں نظر سے گذریں انکا انتخاب حاضر ہے ۔

جالب

کسی عاشق پہ جب بیداد کرنا
ہمیں بھی اُو ستمگر یاد کرنا

وارفتہ جو کسی کی کمر اور دہاں کے ہیں
اُنکو خبر نہیں کہ کہاں ہیں کہاں کے ہیں

جنت کا حال کھلگیا دورِ شراب سے
اُس میکدے میں ندّی سارے جہاں کے ہیں

ہم کچھ ہلاک نہیں جو مریں حورِ خلد پر
ایک بُت پہ جان دیتے ہیں ہندوستان کے ہیں

اے عندلیب تو نے کہاں سے اڑالئے
یہ رنگ میرے نالۂ آتش فشاں کے ہیں

اُن سے اُمیدِ وفا بالکل فضول
اور اپنی تاب و تب سب بے فائدہ

حالِ دل کہنے پہ یہ پایا جواب
بس زیادہ بک نہ اب بے فائدہ

اپنے بیماروں کو مرجانے بھی دے
تم ہوئے عیسیٰ لقب بے فائدہ

جالب اب گستاخ ہی بنجاؤ تم
لیسے گُسن کا ادب بے فائدہ

جالب خدا کیواسطے اس پھیر میں نہ آ
زلفوں میں پھنسکے دلکا نکلنا محال ہے

چھوڑ دے خود نمائیاں اتنی
کہیں تجھکو نظر نہ ہو جائے

اپنا مرنا بھی میں قبول کروں
غیر کا تو اگر نہ ہو جائے

زلف و ابرو کچھی پہ ہیں ہر دم ‏— کہیں آپس میں شر نہ ہو جائے

جان - جان علی جان - قرابتدار نواب بیرم خاں مغفور امیر عہد احمد شاہ بادشاہ - میر تقی میر کے شاگرد تھے اور آزادانہ زندگی بسر کرتے تھے - ایک شعر ملاحظہ کیا گیا۔

ذکر اُس زلف کی درازی کا — صبح سے تا بہ شام ہوتا ہے

جان

جان - اشرف خاں جان - شاگرد شیخ غلام ہمدانی مصحفی - غازی الدین حیدر کے زمانے میں لکھنؤ میں رہتے تھے - دیوان مرتب ہو گیا تھا مگر اُسنے شہرت نہ پائی -

دل دیکھ کے تجھ پہ کو یار ترا یار میں رہا — البتہ یہ خطا ہے گنہگار میں ہوا
مانند شمع نور سے روشن خدا کرے — کاٹا جو تو نے سر تو سبکسار میں ہوا
اے داغ سینہ باعث شہرہ ہوا ہے تو — مانند لالہ سب میں نمودار میں ہوا
ہر ہر قدم پہ پیسیگا دلکو مرے وہ شوخ — آفت ہوئی کہ مائل رفتار میں ہوا
نظارہ اُسکا کرتے ہی حیرت سی ہو گئی — دروازہ سے وہ نکلا تو دیوار میں ہوا
آنکھوں سے تیرے باغ میں یہ رنگ کر دیا — نرگس کو جا کے دیکھا تو بیمار میں ہوا
بوسے لئے نشہ میں لب سرخ رنگ کے — غافل ہوا وہ شوخ تو ہشیار میں ہوا
اے جان مرے قریب کو تو دیکھ تو ذرا — بیگانہ ہو کے محرم اسرار میں ہوا

جان

جان - جانعالم خاں لکھنوی خلف نواب منور خاں مغفور - برادر خورد نواب روشن الدولہ ظفر خاں فن سخن میں میر سوز مرحوم سے اصلاح لیتے تھے نثر بھی خوب لکھتے تھے - فی الجملہ علوم عربیہ سے واقف تھے خط نستعلیق و شکستہ میں ید طولیٰ حاصل تھا - یہ اُن کے اشعار ہیں -

چھوڑ عارض دل نے گھیرا زلف سے کیس نام کا — صبح کا بھولا غنیمت ہے جو پہنچے شام کو
لگا خوبان نوخط سے یہ ملنے کو — گھسیٹا ہے مجھے کانٹوں میں دل نے
اُس سنگدل کے دل میں ذرا بھی نہ راہ کی — دور از اثر سدا رہی ہمت تیری آہ کی
بیٹھا ہوں یاں آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے — جوان تا بہ یاں میں شگفتہ رنگیں وہ ہر سے ہوئے

جان صاحب

جانصاحب - میر یار علی ولد میر امن شاگرد نواب عاشور علی خاں لکھنوی - لکھنؤ انکا اصلی وطن تھا مگر آخر عمر میں بسبب ملازمت زیادہ تر رامپور میں رہے - زندہ دل خندہ پیشانی مرنج مرنجان آزاد منش شخص تھے - فن شعر کا ہر ایک شایق - ان کے نام اور طرز کلام سے واقف ہے کہنے کو اور بھی لوگوں نے اس کوچے میں طبع آزمائیاں کیں مگر جو نام انھوں نے پایا وہ اور کسیکو حاصل نہوا - دراصل سعادت یار خاں رنگین اور سید انشا اس طرز کے موجد تھے - مگر انھوں نے جو کچھ کہا تفنن طبع کے لئے - برخلاف انکے جانصاحب نے اپنی تمام عمر اسی خاص صنف میں بسر کردی اور اپنی خاص روش میں استادی کا رنگ پیدا کیا جیسا کہتے اچھا تھے پڑھتے بھی خوب تھے سنا گیا ہے کہ مشاعروں میں زنانہ لباس سے شریک ہوتے تھے - اور پڑھنے میں وہ وہ ناز آفرینیاں کرتے تھے کہ سامعین ہنستے ہنستے لوٹن کبوتر بنجاتے تھے -

سنہ ۱۸۵۷ء میں ہرچند کہ لکھنؤ آباد اور شاہی برقرار تھی جانصاحب بہ تلاش معاش دہلی آئے اور یہاں سے پھر بھوپال پہونچے - مگر ناکام رہے - افسوس کا مقام ہے کہ لکھنؤ جیسے شہر میں جہاں شاہی میں ہُن برستا تھا انہیں معاش کی طرف سے کبھی جمعی حاصل نہیں ہوئی اسے شومی تقدیر کہو خواہ ناقدری فن - ۱۲۹۰ھ میں ۹۳ برس کی عمر تھی اور رامپور میں نواب کلب علی خاں کے دامن دولت سے وابستہ تھے - ۹۰ برس سے زیادہ عمر پاکر انتقال کیا مستورات کے رسم و رواج خیالات اور جذبات سے خوب واقف تھے - اور اکثر ایسے ہی مضامین نظم کرتے تھے - عورتوں کے روزمرہ اور محاورات میں حیرت انگیز دسترس حاصل تھی - ان کے اشعار مخرب اخلاق و خلاف تہذیب مضامین سے مملو ہیں اسی وجہ سے اب ایک عرصے سے انکا کلام چھپنے کی ممانعت ہوگئی ہے عرصہ ہوا دو دیوان چھپے تھے ان میں سے کچھ اشعار منتخب درج کئے جاتے ہیں جو دائرہ تہذیب سے خارج نہیں -

خصم وہ جو رو نکالے پا جو سر کا پانسہ ہے
اگر دوزخ نہوتا قدر کرتا کون جنت کی

بڑی جس سے کریگا سامنا ہووے گا ذلت کا
سہے رتبہ سوم کی جنت سے حاتم کی سخاوت کا

پڑھائی کیوں زلیخا مولوی صاحب نے یوسف کو
کیا خانہ خراب اسکو دکھایا کوچہ الفت کا

نہ پھینکا ڈھیلا نہ کھنکار سے چپ چپ چلے آئے
کسی کے گھر میں کوئی بے خطر نہیں آتا

کھلتی ہے جبھی ٹھوکریں کھانے کی حقیقت
سر پہ جو کوئی چاہنے والا نہیں ہوتا

یہ دل سوس کے چپ بھی رہا نہیں جاتا
گلا جو کرتی ہوں چاہت کا ہے مزہ جاتا

ہے منافع جو مسئلہ سے سوا
سود کھانا بھی اب حلال ہوا

مر گئی سوت مگر غم نہیں بھولا مجھ کو
جان صاحب نہ کبھی دل سے یہ کانٹا نکلا

اسکے قربان وہ آنکھوں سے جو چار آنکھیں کریں
کرتی مضمون ہوں آتو کی دعا سے پیدا

مرزا مقیم سینکڑوں آتے ہیں جوہری
گوہر نے گھر کو جوہری بازار کر دیا

کہے ہیں دیتی ہوں لاڈو خانم قسم خدا کی یہ دیکھ لینا
نکال لونگی میں دونو دیدے کیا کبھی سے جو اب اشارا

چھوٹے دیور سے مرے پردا کیا
باجی صاحب آدھی تم نے کیا کیا

بجتی جو موئی میری دادا بہت رویا تو
مرنے پہ گھلی الفت ناشاد بہت رویا

ایک ایک نقطہ پر آج لڑتے ہیں مردوئے
محفل مشاعرہ کی اکھاڑا ہے بسیم کا تو

تیسرے دن نہیں جلتے ہیں کسیکے گھر سے
اور رہا ڈولوا آج کا دن آجکی رات

قبر میں روح کو صدمہ ہوگا مرزا
سوت بچوں پہ اگر ہوگی خفا میرے بعد

کیا سمجھی اگلا زمانہ[له] تھا بوا منصبدار کو
لاکھ توڑے دے دیے اک لاکھ کی زنجیر

نہ دیکھ دولہا کو ساس نندوں کے آگے گھونگھٹ اٹھا اٹھا کر
نئی نویلی دولھن ہے بچی ابھی تو دو چار دن حیا کر

نکاحی بیاہی کو چھوڑ بیٹھے متاعی رنڈی کو گھر میں ڈالا
بنایا صاحب امام باڑہ خدا کی مسجد کو تم نے ڈھا کر

کیا زمانہ برا ہے اچھی بی
کوئی کرتا نہیں کسیکا پاس

له نواب آصف الدولہ کی فیاضی کی طرف اشارہ ہے

یہ حسن سے کہیں گاہک مردوں کو خوب دیکھا
یوسف بنا رہے گا بی بی غلام کب تک

بنوا شرف کے جوہر مٹیں تکلیف سے کب
زنگ میں لاکھ ہو چھپتی نہیں تلوار اصیل

جان سولی پہ رہے گی مری بہیا منصور
بد نظر وہ ہیں نہ رکھونگی طرحدار اصیل

کچھ نہیں نرگس کو مرزا تن بدن کا اپنے ہوش
کام پر دیدہ ہوگئے کیا دل لگا ہے یار میں

برسوں بجی کو نہیں پیار کبھو کرتے ہیں
پیار بھی کرتے ہیں تو کان میں تُو کرتے ہیں

جو جو نہیں اٹھائی تھیں سینے اٹھا لیاں
بس بس زبان روکو نہ دو مجھکو گالیاں

میری ماما نے نکالی ہے نئی مجھ سے چھیڑ
بھیجتی ہوں کہیں جاتی ہے یہ مردار کہیں

تل نہیں مانگ میں زنانی کے بو
یہ کنہیا کھڑا ہے گوکل میں بو

آنکھ لڑتے ہی ہو گئی عاشق
موہنی تھی موئے کے کاجل میں

سید اکل کھرے ہیں ہوا کائنات میں
لیکن سمائی سبکی ہے شیخوں کی ذات میں

اٹھاتی جاکے عدالت میں ہیں بڑی زوٹی
دوگانا کام تو جھوٹے گواہ کرتے ہیں

تم نہ آئیں دل بہت تڑپا ہمارا رات کو بو
ذکر اہی گوئیاں رہا کیا تمہارا رات کو

جان صاحب میں نہ سوتے دونگی بجی کو سوار
ونکو کیا سوتی تھی لائے ہو سواری رات کو

یہ ورثہ کا جھگڑا ہے سنو چھوٹی ممانی
دو چار بڑے اپنے ہوں دو چار تمہارے

سے ہے خدا کی شان وہ افضل النسا خانم بنے
بیچتی پھرتی تھی گلیوں میں جو رکھرنی فالسے

روز پھر آتی ہے لونڈی مری نطا کر خالی
بھاڑ میں جائے کرایہ وہ کریں گھر خالی

کمال منہ کا نوالا نہیں ہے بی نعمت
خمیر حسینی کا بارہ برس میں اٹھتا ہے

کیا ریختی کہکے کیا نام ہے پیدا
اے جان ترا عیب بھی بہتر ہے ہنر سے

ہنستے بچے کو رلا دیتے ہیں کیا خو ہے بری
اے کھلائی سے لے باز آئی میں انکے پیار سے

کرونگی دھوم سے شادی ہوا نسبت تو ٹھہری ہے
گلہرا ہے مرا اور منجھلی بھابی کی گلہری ہے

یہ بات سچ ہے جسی جس سے پیار ہوتا ہے
وہ لاکھ جان سے اسپر نثار ہوتا ہے

بہو تم ہو خسر کا مال جو ہے وہ تمہارا ہے
اماں جان کے اسمیں خصم کا کیا اجارہ ہے

انتخاب دیوان دوم

نرالا ہی نظر آیا اُٹھا پردہ جو غفلت کا
تماشہ گاہِ عالم میں تماشا اُسکی قدرت کا

نکھٹو وہ نکلتا ہے خصم جسکو بتاتی ہوں
کسیکے پاس روٹی ہے نہ کپڑا میری قسمت کا

سوکن نے پائجامہ پہنا ہے گلبدن کا
پھولوں نہیں تل رہا ہے کانٹا مرے چمن کا

سید ہا بنایا جانے بانکا جو ٹیڑھی بولے
شاہی ہیں لطف تھا کچھ لے بنّو بانکپن کا

وحشی کو رام کر کے ایسی کتھا سنائی
ہر دم دوگانہ کلمہ پڑہتی ہے برہمن کا

بتاؤں لُٹّکا وہ چھوڑ دیں رنڈی کو خود بہنا
تم اپنی بائیں لٹ چھٹنے لگے جبدم گہن دہنا

صبر ہمکو کیا ہو شیر ہیں شیر ہے کچا پیا
ونکو جو روٹی مل دہنڈ کا رہا پھر رات کو

کہیں ویسے گھٹنوں کے آگے نہ آئے
قسم جھوٹی سچی نہ کھا رہی دوگانا

وہ شور مار رنڈی ہوں شگور دسنے ڈری ہیں
بھگدڑ میں قدم شہر سے باہر نہ نکالا

قسمت کا جری پھیر رہا دم کے مرے ساتھ
اس راہ کا خالق نے بھی چکّر نہ نکالا

بیٹی ہی نہیں کہنے ہیں وہ غیر کا بچہ سر
سچ پوچھو تو کیا زور ہو دا ماد پہ اپنا

سہرے دیکھے ہو چکے بچوں کے بچے آ بوا
کوئی باقی ہی نہیں دلمیں مرے ارمان اب

اعمال نامہ میرا فرشتوں نے کھو دیا
صد شکر ہو گا حشر میں کیونکر حساب اب

بیے اسکے ضد اُٹھاتے نہیں نہیار باپ
جورو کے مُنہ سے کرتے ہیں بچوں کو پیار باپ

بنّو مثل یہ سچ ہے پسنہاری ناں بھلی
بہتر نہیں ہے ہو جو تو نگر ہزار باپ

دل مُوا پیار جسے کرتا ہے کہتا ہے اُسے
اپنے ہاتھوں سے ہے خالق نے بنائی صورت

ایک دم بھر کے تو جینے کا بھروسہ ہی نہیں
کرتے حاکم ہیں بوا قید کی میعاد عبث

اُڑیں یہ مرغ کبوتر بٹیر کنکوے
آئے حرام میں پیسہ تو پائے کیا محتاج

خدا کو پیارے ہیں سید ہے بھی در ستیرہی
جو ایک تیر کو بخشتا تو اک کماں کو شرف

ہزار ریختی گو جان منہ چڑائیں مرا تو
ملیگا ایسا نہ اُن کے فرشتہ خاں کو شرف

بنا سپاہی موا بچپا تھا تل شکر سے
خدا کی شان یہ پیدا کئے کرارے ڈھنگ

لالوں کی لال ہوں میں دونو جگہ وطن ہیں
سسرال ہے بدخشاں میکہ مرا یمن ہیں

ریختی پڑھتے بڑھاپے میں مٹکتا ہے بوا
جان صاحب کی اجی دیکھو حماقت نہ گئی

جاوید

جاوید۔ حکیم عبدالنبی خاں خلف سید نور خاں حسین اور نیک طینت شخص تھے۔ حضرت آمیر شکوہ آبادی مرحوم کے شاگرد اور فن طب میں دستگاہ رکھتے تھے سنہ ۱۲۹۰ ہجری میں موجود تھے یہ اُن کا کلام ہے۔

پاس وہ چپ بیٹھے ہوئے ہیں غیر بزم عیش میں
دل مرا ٹھیرے کہاں خالی نہیں پہلوے دوست

خموشی اس لئے دیوانگی میں ہمنے حاصل کی
خدا جانے وہ کیا پوچھے ہمارے منہ سے کیا نکلے

حضرتِ جاوید عشق چشم مست اچھا نہیں
خاک میں ملجائے گی یہ پارسائی آپ کی

جاوید

جاوید۔ مولوی سید محمد کاظم۔ لکھنوی شاگرد رشید و اُستاد زادہ خورشید لکھنوی مرحوم۔ سید محمد جعفر اُمید مرحوم کے بیٹے ہیں۔ ان کے خاندان میں اکثر بزرگوں نے درجہ اجتہاد پایا ہے یہ بھی علمی استعداد زبردست رکھتے ہیں۔ اشعار سے کہنہ مشقی اور پختگی کا پتہ چلتا ہے۔ عیوب سے آپکا کلام پاک ہوتا ہے۔ ٹھمری وغیرہ کہنے کا بھی شوق ہے۔ یہ اُنکے کلام کا انتخاب ہے۔

بنی تھی رہگذر میں قبر کیوں پامال ہونے کو
کوئی کس منہ سے اب شکوہ کرے اُس آفت جاں کا

اُداسی چارہ گر کے منہ پہ جب آتی ہوئی دیکھی
میں سمجھا یہ کہ لوٹا زخم کا میرے کوئی ٹانکا

کفن پہنے ہوئے خود چاندنی آئے مرے گھر میں
خدا عالم نہ دکھلائے شب مہتاب ہجراں کا

سنا ہے مرکے باتیں خوب ہوتی ہیں فرشتوں سے
لحد جب بند ہوتی ہے تو دل گھبراتا ہے انسانکا

جلا شباب میں جو دل بجھا وہ پیری میں
چراغ صبح تھا اب اسکا اعتبار نہ تھا

کسے غرض تھی کہ روتا ہمارے ماتم میں
کوئی لحد پہ بجز شمع اشکبار نہ تھا

ہزار بار رکھا ہاتھ اُسنے سینے پہ ٹو ٹو
کہ میرے دم کے نکلنے کا اعتبار نہ تھا

حد سے افزوں ہے یہ کہکر ہیں ہمی اک مشکل میں تھا
تیر سینے میں ہے گر مہماں تو راحت دوں اُسے

حالِ دُنیا پوچھتے ہیں اہلِ محشر تو سنیں
اُٹھا ہیں دستِ نازک سے وہ خنجر ذبح ہوتا ہوں

خدا محفوظ رکھے سینکڑوں وسواس آتے ہیں
درِ جاناں پہ آکر حسرتیں بھی مر گئیں دل بھی

کہیں ایسا نہو مر جاؤں لیکن حسرت ہی حسرت میں
نہ جانے وصل میں کیا تھا ہوا ہے ہجر میں کیا

مر کے دکھلایا کہ اسکا نام ہے انجامِ عشق
عبث دلوں میں کدورت کو دوست رکھتے ہیں

لیسے ستمگروں سے پڑا تھا معاملہ کو
مردہ وہ حسرتیں ہیں جو تھیں غمگسارِ دل کو

تصور سے دلِ ناشاد اپنا شاد کرتے ہیں
ہماری عمر آخر کٹ گئی ساری اسیری میں

کون کہتا ہے کیا تھا تونے وعدہ وصل کا
پروانہ غم میں شمع تھی رنج و ملال میں

پھر نشتر گئیں نگہ سے اودھر دیکھ لے ذرا
اسکو ہماری فکر نہ کچھ ہمکو اسکی فکر

دل میں کبھی تو آ نکھوں میں رہتے ہو تم کبھی
مرنے کی اک اُمید پہ جی جائیں بے نصیب

پانی کی اور راہ ہوا کا کچھ اور حکم تو

سب ہی پہ دروا تھا کہ میرے دل میں تھا
خود نکل کر یہ سے کہے میں بھی کسیکے دل میں تھا

مرنے جینے کا مزہ سب کوچۂ قاتل میں تھا
میں کرلوں امتحاں انکا وہ کرلیں امتحاں میرا

نہ ہنس ہنس کے وہ دیکھیں زخمِ قلبِ خونچکاں میرا
پہنچکر آج منزل پر لُٹا ہے کارواں میرا

جو لینا ہو تو لے لو سب سے پہلے امتحاں میرا
جو پھول کل تھے وہ کانٹے ہیں آج بستر پر

کام کہتے ہیں جسے وہ کر گئے ناکامِ عشق
یہ آئینے ہیں بھلا کب غبار کے قابل

ہمنے شباب میں بھی نہ دیکھی بہارِ دل
ویراں ہے مثلِ گورِ غریباں مزارِ دل

جنھیں تم بھول جاتے ہو وہ تمکو یاد کرتے ہیں
یہی سنتی چلی آئی کہ اب آزاد کرتے ہیں

عذر مجبکو کچھ نہیں جھوٹی قسم کھاتے ہو کیوں
دو نو غریب رات کو تھے ایک حال میں

فرق آنجائے گا تری حُسن و جمال میں
دل اپنے حال میں ہے تو ہم اپنے حال میں

اب میں ہوں بیقرار کہ تم بے قرار ہو
تم بھی کسی کے غم میں اگر سوگوار ہو

اب کس طرف سفینۂ عمرِ رواں چلے

جاہ

جاہ - راجہ جنگ بہادر خاں کے۔سی۔آئی۔ای۔ راجہ نانپارہ اودہ۔طبقہ تعلقہ داران اودہ میں بڑے ممتاز اور مقتدر رئیس گزرے ہیں۔ اپنی بیدار مغزی ہوشیاری اور خوش انتظامی سے ریاست کے ہر صیغے میں نمایاں ترقیاں کیں۔ رعایا اور حکام دونوں کو خوش رکھا۔ ۱۳۱۴ھ میں آپ کا دوسرا دیوان چھپا تھا اُسمیں سے چند شعر انتخاب کرکے لکھے جاتے ہیں۔غزلوں کی نسبت دوہے اور ٹھمری کہنے کا زیادہ شوق تھا۔آدمی فقیر دوست۔ سادہ مزاج اور خلیق تھے۔ ۱۹۱۸ء میں انتقال کیا۔ مال وجنس کے علاوہ ایک کروڑ روپیہ نقد خزانہ میں اپنے جانشین صاحبزادے کیلئے چھوڑا۔ اب اُنکا بھی انتقال ہوگیا اور ریاست زیر انتظام کورٹ آف وارڈ ہے۔

ستر بنا ہے کوہ تجلی حسن سے
سوز فراق آتش رخسار یار نے
بسمل تڑپ تڑپ کے یہ کہتا ہے شوق میں
ہیں حسینان جہاں سامنے سب تیرے خجل
ہو قریب رگ جاں گو ہو نہاں نظروں سے

کیا رنگ ناز طور پر اے جاں دکھا دیا
تو عشق کی لگن کے مجھے کیوں جلا دیا
اک ہاتھ اور کیوں نہ ستمگر لگا دیا تو
چہرۂ حور کہوں یا رخ پر نور کہوں
اس ادا سے تمہیں نزدیک کہوں دور کہوں

جاہ

جاہ - نواب سید بنیاد حسین خاں جاہ رئیس اعظم کانپور۔ آپ نواب سید احمد حسین خاں سالک مغفور کے فرزند رشید اور نواب معتمد الدولہ وزیر غازی الدین حیدر اول بادشاہ اودہ کی اولاد امجاد سے ہیں چنانچہ شاہ موصوف نے جو وثیقہ اولاد نواب معتمد الدولہ کے لیے مقرر فرمایا تھا اُس سلسلہ میں زائد از ایک ہزار روپیہ ماہوار آپ کو بھی وثیقہ ملتا ہے۔ اسکے علاوہ زمینداری و دیگر جائداد بھی معقول آپکے ورثہ میں آئی ہے۔علوم متعارفہ میں اچھی دستگاہ رکھتے ہیں۔ فن سخن میں حضرت امیر مینائی سے مستفید ہیں۔ پہلے وقر تخلص فرماتے تھے۔ اب جاہ تخلص کرتے ہیں۔ ماہ صیام ۱۲۸۰ھ آپ کا سال ولادت ہے۔ آپ کی تصانیف سے دو دیوان شایع ہو چکے ہیں۔ اور بیاض نوحجات۔ اقتباس الانوار بطور کشکول اور کتاب ورِ ثمین بھی چھپ گئی ہیں۔شعر شاعری کا شبانہ روز مشغلہ رہتا ہے اور حق یہ ہے کہ آپ کا مذاق شاعری نہایت صحیح و شستہ ہے۔ عادات و اخلاق میں بھی اپنے بزرگان

محتشم کے قدم بہ قدم ہیں اور رؤسائے قدیم کی ایک عمدہ یادگار۔ اب کئی سال سے مرثیہ گوئی کا بھی شوق ہے۔ کئی برس سے اب اکثر لکھنؤ میں قیام رہتا ہے۔ کلام فصاحت التیام کا انتخاب ملاحظہ ہو

شام سے وصل میں جاگا جو مقدر اپنا ۔ صبح تک یار کے زانو پہ رہا سر اپنا
حیا جاتے تو نکلے دل سے ارماں وصلِ جاناں کا ۔ یہ قیدی مُنہ تکا کرتا ہے زنداں میں نگہباں کا
لہو میں لوٹتے ہیں کشتگانِ خنجرِ الفت ۔ عروسِ مرگ غازہ ملتی ہے خونِ شہیداں کا
متاعِ حسن کی میزاں ہیں آنکھیں عشق بازوں کی ۔ اِنھیں پلّوں میں سونا تُلتا ہے رخسارِ جاناں کا
عدم کا راہ رو اب راستے میں رُک نہیں سکتا ۔ کفن پایا کہ پروانہ مِلا شہرِ خموشاں کا
دمِ رخصت کہاں الفت گئی تھی یاد کر ظالم ۔ جھٹک دینا وہ ہاتھوں کا چھڑا لینا وہ داماں کا
بتوں کی ہے یہ گلی جاہ دیکھ بھال کے چل ۔ سنبھل کے چل دلِ بیتاب کو سنبھال کے چل
نقاب ڈال کے چل چال کچھ سنبھال کے چل ۔ ارے یہ عرصۂ محشر ہے دیکھ بھال کے چل
رخسار گلرخوں کے بھی قدرت خدا کی ہیں ۔ کیا کیا کھلے ہیں گُل چمنِ کائنات میں
شیریں زباں ہو تم نہیں زیبا ہیں گالیاں ۔ کیوں دو کسی کو زہر ملا کر نبات میں
حوروں سے کم نہیں ہیں حسینانِ دہر بھی ۔ جنّت کے پھول ہیں چمنِ کائنات میں
دل ہائے داغدار کو دے زلف میں جگہ ۔ روشن چراغ ہوں ترے گیسو کی رات میں
جو تڑپائے گا فرقت میں دلِ اندوہگیں مجھکو ۔ اُگل دیگی دفینہ کی طرح فوراً زمیں مجھکو
بینا نہیں ہے چشمِ بصارت اگر نہو ۔ آنکھیں ہیں دیکھنے کی جو نورِ نظر نہو
آفت کا سامنا تھا بڑی خیر ہو گئی ۔ دل جا چکا تھا بیچ میں چلمن اگر نہو
ظلم کی عادت بڑھی جور و جفا کی خو بڑھی ۔ مشقِ سفاکی بڑھے جتنا ستمگر تو بڑھے
کچھ راستے ملتے جو اشارہ کریں حضور ۔ تیغِ نظر چلے تو چھٹے بھیڑ راہ کی
ہجر میں دے نہ سکا ساتھ ہمارا کوئی ۔ دل جگر دونوں میں نکلا نہیں اپنا کوئی
عاشقوں ہی پر ہے سارا زور تیرا اے جنوں ۔ قیس دیوانہ ہوا لیلیٰ نہ دیوانی ہوئی

آپ کے جاتے ہی پھر رخصت ہوا صبر و قرار
پھر شکستِ رنگ کی رخ پر بحالی ہو گئی

جب ہوئے گویا لبِ رنگیں بڑھا حسنِ کلام
غازۂ روئے سخن ہونٹوں کی لالی ہو گئی

یاد میں اُس مہروش کے ہجر میں کیں گریاں
لیلیٔ شب دھوپ کھا کر اور کالی ہو گئی

سامنے اس روئے روشن کی نہ پایا جب فروغ
ایسی سمٹی چاندنی چاندی کی تھالی ہو گئی

جاہ

جاہ ۔ جناب سکندر جاہ صاحب لکھنوی تلمیذ جناب ثاقب بدایونی ۔ حالات باوجود کوشش دستیاب نہیں ہوئے ۔ کلام بہم رسیدہ سے چند شعر منتخب ہو کر درج ہوئے ۔

ساقی ترے کرم کو بہت دیر ہو گئی
لینا خبر کہ نشے سے ہے اُتار پہ تو تو

اللہ رے نازِ حسن تری بے نیازیاں
دو پھول بھی چڑھانے نہ آئے مزار پر

ہمارا مال وہ ایک ایک کنکر مول لیتے ہیں
کبھی دل مول لیتے ہیں کبھی سر مول لیتے ہیں

خدا کی یاد میں ثانی کہاں ہیں حضرتِ زاہد
یہ حورانِ جناں ہستی مٹا کر مول لیتے ہیں

خدا حافظ ہے ان عشاق کا بازارِ اُلفت میں
بتوں کا حسن ایماں تک مٹا کر مول لیتے ہیں

ہمنشیں چھیڑ کے گذرے ہوئے افسانے کو
اور دیوانہ بنا دیتے ہیں دیوانے کو تو

تجھ پہ قربان جو ہوتے تجھے دیکھا سرِ بزم
شمع جل جل کے جلانے لگی پروانے کو

عمر بھر ناصحِ نافہم جو سمجھائے گا تجھ کو
راہ پر لا نہ سکے گا ترے دیوانے کو تو

آ گئے اس دلِ مضطر کے کہے میں ہر بار
ہم یگانہ ہی سمجھتے رہے بیگانے کو

مر نہ جاؤں کہیں گھٹ گھٹ کے قفس میں صیاد
کب سے بے چین ہوں گلشن کی ہوا کھانے کو

دیکھو ہو جائے نہ محفل میں قیامت برپا
کچھ ہنسی کھیل نہ سمجھو مرے تڑپانے کو

کس طرح سر مرے نالوں نے اٹھا رکھا ہے
کیا فلک سے ہے کوئی تازہ بلا آنے کو

محتسب دیدۂ بد بیں سے جو دیکھے اے جاہ
اپنی آنکھوں میں چھپا لوں ابھی میخانے کو

رشکِ اغیار کی اک عمر خلش مٹ نہ سکی
یہ وہ کانٹے ہیں کہ سینے سے نکالے نہ گئے

بیکسی کہتی ہے سنا ہو گی لحد پر اے جاہ
کچھ بھی دنیا سے یہ حسرت کے سوا لے نہ گئے

جدت - منشی محمد عزیز الرحمٰن خاں نام - جدت تخلص - آفریدی سیاہ خیل پٹھان وطن فرخ آباد - خلف الصدق محمد عبد الرحمٰن خانصاحب ہیڈ کلرک و مترجم عدالت ججی فتحگڈھ ضلع فرخ آباد - چونکہ ان کے والد ماجد حضرت پیران پیر دستگیر کے بدل معتقد اور نیاز گیارہویں کے پابند تھے اس واسطے اِن کا تاریخ گیارہ ماہ پیران پیر کو پیدا ہونا خاندان میں نہایت مبارک خیال کیا گیا۔

آپ شاعری میں حضرتِ داغ دہلوی کے شاگرد ہیں - ذیل کے ناول آنکی تصانیف سے ہیں جن میں سے چند طبع ہو چکے ہیں - ماہ کامل - بدر - میاں بی بی کا مکالمہ - رشیدا - مجیدا - غیرہ وغیرہ مدت تک اخبار انیس ہند میرٹھ - اودھ پنچ - لاہور پنچ - آگرہ پنچ وغیرہ کی نامہ نگاری کی ہے - ذیل کا منتخب کلام اُن کی جولانی طبع کا نمونہ ہے -

قتل مجھکو بے خطا بیجا کیا — یہ تو کہئے آپنے بہتر کیا کیا
کوسا کاٹا گالیاں دیں آپنے — میں نے بھولوں بھی کبھی شکوا کیا

مرضِ عشق کا بیمار جو اچھا ہوگا — لبِ جاں بخش سے اعجازِ مسیحا ہوگا
تم کو غیروں کے میں تم سے ملوں خوب کہی — کوئی تم سا ہی اگر ہوگا تو ایسا ہوگا

میں نے پوچھا جو مزاج آپکا تو یہ فرمایا — آپ کی جان کو ہر وقت دعا کرتے ہیں
منہ کو آنچل سے چھپاتے ہیں جو آکر تے ہیں — کوئی پوچھے تو بھلا آپ یہ کیا کرتے ہیں
واعظا کون سہے تو جو کو ... — جس کے بندے ہیں اُسی کی تو خطا کرتے ہیں
اُن کی آمد کی خبر جب سے سنی سب تاقت — رات دن بیٹھے ہوئے ذکر تمنا کرتے ہیں

جو دیکھا گیسوئے پرشکن کو تو عالم پیچ و تاب میں ہوں — کھلی پلکوں سے ... بیتاب میں ہوں
نہ جان و تن کی خبر ہے مجکو نہ فکر درد جگر ہے مجکو — یہ بیخودی کا اثر ہے مجکو کہ جیسے شغلِ شراب میں ہوں

ہو وعدوں پہ کیوں اپنے نہ قایم تو — ادہر تو دیتے ہو آنکھیں ملا کے
تمنا نکلی ہماری آہ خالی — جلیں گے آپ بھی ہمکو جلا کے
سنی جو آپ ... — بہت روئے گلے مجکو لگا کے

سوال وصل پر بولے وہ جدت
وفا کرتے نہیں گھر میں بلا کے

چالیں چلتے ہیں نئی حشر اٹھانے کے لئے
تربتِ عاشقِ ناشاد مٹانے کے لئے

سن کے یہ مژدۂ جاں بخش ہوا شادی مرگ
کہ وہ آئیں گے جنازے کو اٹھانے کے لئے

آپ کی خاکِ قدم کاش مجھے مل جائے
سرمۂ دیدۂ بے خواب بنانے کے لئے

ہائے رے حسرتِ دیدار کہ مرتے مرتے
آنکھ اغماض رہا شکل دکھانے کے لئے

چال اٹکھیلیوں کی چلتی ہوئی آئی بہار
نیند سے سبزۂ خفتہ کو جگانے کے لئے

جدت

جدت - جناب مسعود رضا ساکن مدد پور - بھاگل پور۔ معلوم نہیں کہ تلمذ کس سے ہے۔ اشعار ذیل سے پایا جاتا ہے کہ طبیعت دار شخص ہیں اور روزمرہ زبان پر اچھی دسترس ہے۔

یہ ڈھٹائی نہیں تو پھر کیا ہے
کج ادائی نہیں تو پھر کیا ہے

ہم سے نفرت ہے غیر سے الفت
میرزائی نہیں تو پھر کیا ہے

ہم ہیں مشتاق اور تم بیزار
یہ رکھائی نہیں تو پھر کیا ہے

میں کشیدہ ہوں تم کشیدہ ہو
یہ لڑائی نہیں تو پھر کیا ہے

اس کے در تک نہ پہونچو گے جدت
جب رسائی نہیں تو پھر کیا ہے

جدت

جدت - مستری محمد ابراہیم مقیم شملہ شاگرد شوکت میرٹھی۔ شعر خاصہ کہہ لیتے ہیں۔ استعارہ بندی کی طرف زیادہ میلان ہے۔ یہ کلام کا رنگ ہو۔

دل مسکنِ حبیب تھا دل کا نشاں نہ تھا
حیرت کا ہے مقام مکیں تھا مکاں نہ تھا

کس کی چشمِ مست نے دلبر چلائی تیغِ ناز
زخم کے انگور میں بھی ہے مزہ انگور کا

شیخ صاحب گر مئے انگور پینا ہے حرام
کس نے جائز کر دیا کھانا تمہیں انگور کا

یہ کہا دل نے کہ میں بھی ساتھ اسی کے جاؤں گا
لے کے خط مجھ سے جو رخصت نامہ بر ہونے لگا

وہ مجکو قتل کر کے یہ کہتا ہے غیر سے
چکھو تو تم بھی خنجرِ فولاد کا مزہ

سینے میں یادِ دوست ہو اور دم لبوں پہ ہو
ایسی اگر ہو یاد تو ہے یاد کا مزہ

انساں ہے مبتلائے ہوس روح کا ہے قول ‌ ‌ ‌ مشکل ہے تیر اچھوٹنا دنیا کے جال سے

جدید

جدید۔ منشی سید محمد مہدی صاحب جدید لکھنوی آپ حضرت تعشق مرحوم کے حقیقی بھتیجے اور جناب محمد مرزا انس کے پوتے ہیں۔ گویا خاندانی شاعر و مرثیہ گو ہیں ۱۲۸۵ھ ہجری سال ولادت ہے۔ تیرہ سال کی عمر سے شعر کہتے ہیں۔ پڑھتے بھی خوب ہیں۔ محرم کے زمانہ میں حسب معمول خاندان اکثر بیرونجات میں جاتے ہیں۔ چنانچہ اب کئی سال سے دکن تشریف لیجاتے ہیں۔ حضور نظام کی خدمت میں بھی باریاب ہوچکے ہیں۔ مذاق سخن بہت شستہ اور درست ہے۔ مشق سخن کا پوچھنا ہی کیا۔ رہی غزل گوئی وہ مرثیہ کے مقابلہ میں کیا چیز ہے۔ آپ کی زباندانی کی تعریف فضول ہے کیونکہ وہ ان کے خاندان کا حصہ ہے۔ اسکے علاوہ نزاکت خیال اور مضمون آفرینی بھی آپ کے کلام میں موجود ہے۔ بہرحال ان کا کلام ہر طرح پاکیزہ اور ستھرا ہے۔ سن شریف ۴۰ سال کے قریب ہے۔ آپ کو مرثیہ گوئی میں جناب تعشق سے تلمذ ہے اور ابتو آپ لکھنؤ میں خود استاد مانے جاتے ہیں۔

دل ہوا خوں جو ترے تیر کا پیکاں نکلا تو ‌ ‌ ‌ طرفہ ماتم ہوا جب گھر سے یہ مہماں نکلا تو
وہ نہ آئے مرے لاشہ پہ بھی اللہ کرے ‌ ‌ ‌ یہ تو کہنے میں نہ آئے کوئی ارماں نکلا
حسن وہ جنس ہے ہر ایک جگہ ہوتی ہے قدر ‌ ‌ ‌ سبب رونق زنداں مہِ کنعاں نکلا
ہے مجھے حسرت سے نظر کی دلِ مایوس کی سمت ‌ ‌ ‌ جب سنا یہ کہ کسی کا کوئی ارماں نکلا
لے رہے جوشِ جنوں اُف رے اسیری کی ہوس ‌ ‌ ‌ دم بھی نکلا تو قریب درِ زنداں نکلا
قاتل نہ تُو نے تھم کے تڑپنے کی سیر کی ‌ ‌ ‌ جو کچھ تھا حوصلہ دلِ بسمل میں رہگیا تو
اُسکی نگاہِ ناز میں تیزی زیادہ ہو ‌ ‌ ‌ اک تیر تھا کہ آکے مرے دل میں رہگیا
دریا گھٹا یہ دیکھ کے اس بحرِ حسن کو ‌ ‌ ‌ دہبہ سا ایک دامنِ ساحل میں رہگیا
دنیا میں گر جسم میں نہ رہا تو نہیں سہی ‌ ‌ ‌ ذکرِ وفا تو یار کی محفل میں رہگیا
آخر کسی سے راہِ محبت نہ طے ہوئی ‌ ‌ ‌ ہر ایک تھک کے عشق کی منزل میں رہگیا
عمر سب نفس کی طاعت میں بسر کی ہمنے ‌ ‌ ‌ ہائے افسوس کبھی دن نہ خدا یاد آیا

دل کو تاراج کیا تونے قیامت کر دی
تیرا ارماں بھی تھا اسمیں ترا راز بھی تھا

ضبط وحشت کا ہے دشوار ذرا حضرتِ قیس
مخز کی بات نہیں آبلہ پا ہو جانا تو

وہ یہ کہتے ہوئے آتے ہیں مری لاش کیساتھ
چاہئے حقِ محبت سے ادا ہو جانا یوں

ایسا ہے یار حسنِ رخِ لاجواب کا
دریا میں ایک پھول پڑا ہے گلاب کا

جاتے ہیں اس خیال سے خود لیکے اپنا خط
ہم انتظار کر نہ سکیں گے جواب کا

عشق میں خاطر سبھوں کی چاہئے یکساں کریں
دل کے سو ٹکڑے برائے ناوکِ مژگاں کریں

زخم میرے دلِ سوزاں کے سے جاتے ہیں
جلتے جاتے ہیں وہ ٹانکے جو دیئے جاتے ہیں

اب ٹھہر لیجئے لاش اٹھتی ہے مجبور ہوں میں
سب مجھے آپکے کوچے سے لئے جاتے ہیں

موت سو مرتبہ آ آ کے پلٹ جاتی ہے
الٹی سانسیں ترے بیمار لئے جاتے ہیں

ظلم سے اپنے پشیمان ہوا وہ سفاک
آج ٹانکے مرے زخموں میں دیئے جاتے ہیں

اسیرانِ کہن اس ڈر سے کب فریاد کرتے ہیں
کہیں گے آپ یہ سب شکوۂ بیداد کرتے ہیں

ترے آنے کا ذکر اوبانیٔ بیداد کرتے ہیں
یہ باتیں بہرِ تسکینِ دلِ ناشاد کرتے ہیں

جہاں میں عاشق و معشوق لاکھ چھوٹتے ہیں
کہیں جو رشتۂ الفت ہیں وہ بھی ٹوٹتے ہیں

مثال نشۂ مے نشۂ جوانی تھا
گیا شباب تو اب ہاتھ پاؤں ٹوٹتے ہیں

رباعی

والی کو یہاں کے شاد و خرم رکھیں
دشمن کو سدا ذلیل و برباد رکھیں

اسلام کا ہے ملک دعا مانگ جدید
محشر تک اسکو حیدرآباد رکھیں

آزمائے کوئی سوزِ عشق کی تاثیر کو
آبلے پڑ جائیں گر چھو لے مری تصویر کو

یہ نالہ پوچھتا ہے مجھ حزیں سے
ملا دوں آسمانوں کو زمیں سے تو

ترے بیمار بگڑتے ہیں برا مانتے ہیں
اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ حال اچھا ہے

ہے نئی ضد کہ پریشان کرینگے گیسو تو
جب سنیں گے دلِ بیمار کا حال اچھا ہے

بجا ہے اب جو کہیں لوگ اُن کو ہرجائی
تمام خلق کی آنکھوں میں ہیں سمائے ہوئے

نہ اُٹھی ایک سے تکلیف مرے لاش اُٹھانیکی
ہوئیں جب بند آنکھیں کیفیت دیکھی زمانے کی

فکر میں بیٹھے ہیں در پر مری لاش آئی ہے
دل سے فرماتے ہیں کیسی مری رسوائی ہے

پھول گر ہو جائیں یہ خوش قسمتی
آپ کانٹے میرے حق میں ہو چکے

جدید

جدید ۔ جناب محمد امیر صاحب بلگرامی شاگرد جناب مرزا حاتم علی صاحب مہر ۱۸۵۹ء تک حیات تھے ۔ باوجود تلاش زیادہ حالات معلوم نہو سکے ۔

عشق کی جب پر عنایت ہو گئی
ہوش زائل عقل رخصت ہو گئی

کیا نظر آیا اُنہیں آئینے میں
کسکو دیکھا کیسی حیرت ہو گئی

خواب میں آیا نظر اُنکا جمال
عین ہشیاری یہ غفلت ہو گئی

کس پریرو پہ ہوئے عاشق جدید
کیا ہوا کیوں زرد صورت ہو گئی

جذب

جذب ۔ میر عزت اللہ عرف میر ہرکاری ۔ مقیم دہلی ۔ بریلی کے معززین میں سے تھے ۔ علوم رسمی سے آگاہ اور اکثر فنون سے واقف تھے ۔ سرکار کمپنی کی طرف سے عہدۂ جاسوسی پر مقرر تھے اور اسی ذریعہ سے سیر و سیاحت میں مصروف رہتے تھے ۔ وسط ایشیا کے نواح میں بخارا کے قریب مارے گئے ۔ طبیعت موزوں پائی تھی شعر و سخن کی طرف توجہ تھی ۔ یہ اشعار اُنکے ہیں ۔

واں صفائی و خود نمائی ہے
یاں مری جان کی صفائی ہے

اے فلک مجھ سے اتنی بے مہری
یہ ترے دل میں کیا سمائی ہے

یاں ہوئے ہم تو جاں بحق تسلیم
واں ابھی عشق آزمائی ہے

جو کہ حلقہ بگوش نتھ کے ہیں
ناک میں اُن کی جان آئی ہے

جذب چل دیکھ آستانۂ یار
ہم ہیں اور اُس کی جبہہ سائی ہے

جذب

جذب ۔ مولوی عابد حسین صاحب جذب شاگرد منشی جلیل احمد صاحب وحید سلیم المذاق اور طباع شاعر تھے ۔ کلام سے استادی ٹپکتی ہے ۔ زیادہ حال معلوم نہیں ہوا ۔ یہ اشعار اُنکے ہیں ۔

تا زیست تیری سمت خیالِ بشر نہ تھا
تو تھا جدھر گماں بھی کسی کا اُدھر نہ تھا

تیرے سوا کسی کا مرے دل میں گھر نہ تھا
انسان کیا بلا ہے پری کا گزر نہ تھا

ساقی یہاں تو شیشہ و ساغر کا ذکر کیا
خُم کا یہ حال ہے اِدھر آیا اُدھر نہ تھا

اس سے تو گور تک بھی نہ پیچھا چھٹا مرا
دشمن تھا جان کا مرے دردِ جگر نہ تھا

مرتے ہی میرے جا کے ملے گے رقیب سے
ان قدموں کی قسم یہ گماں آپ پر نہ تھا

جب تک عزیز جان تھی ہر چیز کا تھا خوف
مرنے پہ باندھتے ہی کمر کچھ خطر نہ تھا

کس زندگی پہ جذب اکڑتے تھے صبح شام
جھونکا ہوا کا تھا اِدھر آیا اُدھر نہ تھا

جذب

جذب - حکیم حاجی حافظ جذب باشندۂ حکیم آباد - دورِ موجودہ کے شاعر ہیں - چند شعر درج کیے جاتے ہیں -

گر نہ تھا گھر میں چراغ اپنے تو اچھا نہ سہی
داغ ہی سینے میں ہوتا کہ اُجالا ہوتا

جب نہ کیوں ناز حسینوں کے اُٹھانے پڑتے
دل ہی قابو میں جو اے حضرتِ والا ہوتا

دل آ جائے تو اعلیٰ اور ادنیٰ سب برابر ہیں
جو بیخود ہو وہ کیا دیکھے بلندی ہے کہ پستی ہے

چل اے دل ہم بھی کچھ سودا کریں بازارِ خوباں میں
سنا ہے آجکل جنسِ محبت خوب سستی ہے

نہ تو پھولوں کی چادر ہے نہ کوئی شمع ہی روشن
مزارِ بیکساں پر کیفیتِ حسرت برستی ہے

جرأت

جرأت - مرزا مغل خلف عبدالباقی خاں ابنِ حمید الدین خاں ساکن نیچہ - مرزا رفیع السودا کے شاگردوں میں سے تھے - زندہ دل، شیریں گفتار اور نہایت قابل شخص تھے - بریلی میں انتقال کیا - زمانۂ وفات صحیح معلوم نہیں البتہ یہ معلوم ہے کہ سنہ ۱۸۴۲ء میں مر چکے تھے - یہ اُن کا کلام ہے -

بھلا تو مجھ سے تو کہہ کیا ہوا تجھے اے دل
جو اس طرح سے تو رہتا ہے بیکلا پڑا

نپٹ ہی حال پریشاں ہے آج سنبل کا
چمن پہ آہ یہ کس زلف کا وبال پڑا

کیوں نہ ہو ویں جان و دل سے ہم نثارِ آئینہ
عکس سے ہے مکھڑے کا تیرے ہم کنارِ آئینہ

روبرو ہوتے ہی مفتوں کر لیا اُس شوخ کو	دیکھیو ٹک غور سے جرأت تو کارِ آئینہ
غیر دل کا گر میں شکوہ یار کروں عبث ہے	سو دشمنوں کا دشمن دل ہے یہ پاس میرے
جوں برگِ گل جھڑے ہیں گلشن میں زیرِ گلبن	لختِ جگر پڑے ہیں یوں آس پاس میرے

جرأت

جرأت - یحییٰ امان عرف قلندر بخش - اکبرآبادی مشہور ہیں مگر انکے باپ حافظ امان خاص دہلی کے رہنے والے تھے تمام تذکروں میں لکھا ہے کہ ان کے خاندان کا سلسلہ راے امان عہدہ دار محمد شاہ سے ملتا ہے - دہلی میں گھنٹہ گھر کے قریب راے امان کا کوچہ اُنہیں کا بنایا ہوا ہے - جرأت جعفر علی حسرت کے شاگرد تھے - فن شعر کے علاوہ نجوم اور موسیقی میں اچھی دسترس حاصل تھی - ستار خوب بجاتے تھے - میاں جرأت ۱۲۱۵ھ میں دہلی سے لکھنؤ پہونچے اور مرزا سلیمان شکوہ خلف شاہ عالم ثانی کی سرکار میں ملازم ہو گئے - وہاں میر انشاء اللہ خاں اور مصحفی سے اکثر صحبتیں رہتی تھیں - ایک مرتبہ تنخواہ میں دیر ہوئی حسنِ طلب میں ایک غزل کا مقطع کہا ؎

جرأت اب بند ہے تنخواہ تو کہتے ہیں یہ ہم	کہ خدا دیوے نہ جبتک تو سلیماں کیا دے

فارسی کا ترجمہ ہے "تا خدا ندہد سلیماں کی دہد" پھر کچھ عرصے بعد نواب حافظ رحمت خاں کے بیٹے نواب محبت خاں کی سرکار میں زمرۂ شعرا میں منسلک ہو گئے - اُسوقت میں یہ شعر کہا ؎

بسکہ گلچیں سے تھے سدا عشق کے ہم بستاں کے	ہو گئے نوکر بھی تو نواب محبت خاں کے

جناب جرأت کے واقعات زندگی میں یہ قابلِ افسوس واقعہ ہے کہ عین جوانی میں آنکھوں سے معذور ہو گئے تھے - بعض کا یہ قول ہے کہ یہ حادثہ چیچک سے ہوا - بعض مشہور کرتے ہیں کہ پہلے یہ اندھے نہ تھے بعض موقعوں پر شوخیِ عمر کے اقتضا سے شوقیہ اندھے بنے پھر دیکھتے دیکھتے فی الواقع نابینا ہو گئے - اگرچہ بصارت ظاہری سے معذور تھے - مگر رنگین اور پُرلطف مضامین خوب سوجھتے تھے - اُس زمانہ کے لوگوں نے جو اُن کے حالات لکھے ہیں اُن سے پایا جاتا ہے کہ ان کے اور ان کے ہم عصر شعرا - آتش - قتیل وغیرہ کی امرا ایسی قدر کرتے تھے کہ گھر جانے نہ پاتے تھے - آج ایک امیر کے ہاں ہیں دوسرے دن دوسرے امیر کے یہاں - ... ے اور اپنے

ساتھ سوار کرا کر لے گئے۔ چار پانچ دن وہاں رہے کوئی اور رئیس آ گئے وہاں سے لے گئے۔ جہاں جاتے ضروری عیش و آرام سے زیادہ عیش کے سامان مہیا ہوتے۔ رات دن قہقہے چہچہوں میں وقت گزارتے۔ بلبل و طوطی کی طرح طبع موزوں ازل سے لائے تھے انکے کلام خاص جوہر معاملہ بندی ہے جس نے انکی حیات ہی میں انکا نام خوب چمکا دیا۔ عاشقی کے راز و نیاز اور کوچۂ عشق کی راہوں سے باخبر تھے۔ اسی لئے جو کچھ زبان قلم سے نکلتا تھا دلوں میں گھر کر لیتا تھا۔ کلام صاف شستہ بندش چسپت۔ ان کے اشعار سرتاسر نیچر کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ اور پھر مزا یہ کہ لطف محاورہ کو کہیں ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ باوجود کم علمی کے فن شعر کا ایسا ملکہ راسخہ حاصل تھا کہ بڑے بڑے معرکوں میں کبھی کسی معصر سے دب کر نہیں رہے۔ بلکہ بیشتر تو یہی ہوا کہ میدان ان کے ہاتھ رہا۔ سنہ ١٢٢٥ھ میں انتقال کیا۔ شیخ ناسخ نے انتقال کی تاریخ کہی ؏

جب میاں جرأت کا باغِ دہر سے مصرعِ تاریخ ناسخ نے کہا ؛	گلشنِ فردوس میں جانا ہوا ؛ ہائے ہندوستان کا شاعر موا ١٢٢٥ھ

غزلگوئی میں میاں جرأت میر تقی میر کی طرز کے معتقد تھے اور ان کی فصاحت و سادگی پر انہوں نے اپنی شوخی اور بانکپن کا حاشیہ ایسا چڑھایا کہ جس نے پسندِ عام اور شہرت دوام کا تمغہ حاصل کر لیا انکی حیات ہی میں کلام کی دہوم مچ گئی۔ بازاروں میں لوگ شعر پڑھتے پھرتے تھے اور خاص علمی صحبتوں میں بھی اکثر اشعار شوق سے پڑھے اور سنے جاتے تھے ان کی طرز خاص انہیں کا ایجاد ہے۔ ان سے تین ضخیم دیوان یادگار رہے۔ راقم تذکرہ کے کتب خانہ میں جو انکی تصانیف کا ذخیرہ ہے اسکی کیفیت یہ ہے کہ ایک ضخیم کلیات کامل ٤٠٠ صفحہ کا دوسرا کلیات نہایت خوشخط اور صحیح نواب جھجر کے کتب خانہ کا قریب ٤٠٠ صفحہ کا اور اسی طرح ٣ نسخے اور متفرق عمائد کے کتب خانوں کے موجود ہیں۔

حضرت جرأت کی زندہ دلی اور ہر دلعزیزی کے لطائف اور ظرائف اکثر لوگوں کے زبانزد ہیں اسلئے یہاں صرف ضروری حالات کے اندراج پر اکتفا کیا گیا ؏

انتخاب کلام جرأت

شمع ساں کس نے مجھے پھولتے پھلتے دیکھا
ہوں میں وہ نخل کہ دیکھا بھی تو جلتے دیکھا

تجھکو ہم اسلیے کہتے تھے کوئی دم مت جا
جل بسے ہم نہ ترے چلتے ہی چلتے دیکھا

اس کا بیمار نہ نکلا کبھی گھر سے جرأت
گھر سے تابوت ہی آخر کو نکلتے دیکھا

جستجو میں دل کے بہلانیکی جی کھونا پڑا
جو ہنسی کی بات بھی اسکا ہمیں رونا پڑا

کوئی دل مانگے تھا۔ تو کہتے تھے ہم منہ دہو رکھو
سو یہ کہتے کہتے اب انکوسے منہ دہونا پڑا

دل کے لگجاتے ہی جی تن سے ہمارے نکلا
جی لگانیکا تھا ارمان سو بارے نکلا

غرق ہو بحر محبت میں جو ہے طالب یار
کہ نہ موتی کبھی دریا کے کنارے نکلا

اب گذارا نہیں اس شوخ کے در پر اپنا
جسکے گھر کو یہ سمجھتے تھے کہ ہے گھر اپنا

پوچھو نہ کچھ سبب مرے حال تباہ کا
الفت کا ہے ثمر یہ نتیجہ ہے چاہ کا

تیرے مریض غم کی زباں پر نہیں کچھ اور
ایک تار بندھ گیا ہے مگر آہ آہ کا

تشبیہ کس مزے سے میں لذت کو اسکی دوں
کچھ دل ہی جانتا ہے مزا دل کی چاہ کا

مت یہ گھبرا کر کہو اب یاسے بندا جائیگا
کوئی مر جائیگا صاحب آپکا کیا جائیگا

رات کیا گیا مجھے ملال نہ تھا
خواب کا تو کہیں خیال نہ تھا

بزم میں گل گشت سے اسکی یارو
کون ایسا نظر آیا کہ جو مدہوش نہ تھا

چین کیا ہو جہانِ ہستی میں خاک
جو یہاں آیا مکدر ہی گیا

غم فراق سے جرأت نہ اسقدر گھبرا
کہ وصل صبح نہیں ہے تو شام ہوویگا

گرمی سے رخ کی یوں دل دیوانہ جلگیا
شعلے سے جیسے شمع کے پروانہ جل گیا

لکھتے ہی سوز غم نہ فقط خامہ جل گیا
لو مرغ نامہ بر بھی معہ نامہ جل گیا

مر گیا کل ہی جرأت بیمار
تو عیادت کو اسکی آج آیا

لگتی نہیں پلک سے پلک وصل میں بھی آہ
آنکھوں کو پڑ گیا ہے مزا انتظار کا

چشم وا کرتے ہی نرگس کی طرح کملائیے　　　چمن دہر کا کچھ ہمنے نظارا نہ کیا

کوئی جہاں میں مجھکو بھی منہ لگاتا آہ　　　برنگ نے مرے نالوں میں گر اثر ہوتا

فصل گل گرچہ ہزار آئی پر اپنا جرأت　　　دل پژمردہ نہ جوں غنچۂ تصویر کھلا

کس گھڑی سے وہ ہمیں در پہ نظر آیا تھا　　　سر پٹکتے ہیں پڑے ہم پس دیوار اپنا

لب ساغر سے ملامت لب گلگوں اپنا　　　غنچہ ساں رشک سے کبتک میں پیوں خون اپنا

کیسا پیغام آکے یہ تونے صبا دیا　　　مثل چراغ صبح جو دل کو بجھا دیا

گر لگی آتش مرے دل و جگر کو کیا ہوا　　　اشک یہ ترکیوں تھم رہے ہیں چشم تر کو کیا ہوا

یہی کہتا ہوں جب سے اے جرأت　　　کوچۂ یار مجھ سے چھوٹ گیا

کس بیاباں میں آہ لائے نصیب　　　گل و گلزار مجھ سے چھوٹ گیا

جوں حباب اس بحر میں ہستی کی لگتے ہی ہوا　　　ٹکڑے ٹکڑے سو جگہ سے اپنا پیراہن ہوا

چین اس دلکو نہ اک آن ترے بن آیا　　　دن گیا رات ہوئی رات گئی دن آیا

گو پھول پھول کر اب تو دیکھتی ہے بلبل　　　گلشن کا پر نظارا معلوم ہو رہیگا

اور تو کیا مشغلے ہیں ہجر میں تیرے مگر　　　دل کی بیتابی سے سو سو بار اُٹھنا بیٹھنا

اُسکی اک آواز تو سن لیویں اُٹھتے بیٹھتے　　　گر میسر ہو پس دیوار اُٹھنا بیٹھنا

جام مے کی نہیں اب اسکو طلب اے ساقی　　　بس تری آنکھ دکھانے ہی نے بیہوش کیا

کیوں ہو حیراں سے کیا آئینہ دیکھا پیارے　　　کچھ تو بولو کہ کسنے تمہیں خاموش کیا

بھری ہے حسرت دیدار دل میں دم ہے آنکھوں میں　　　خدا کیواسطے جلدی اب آ بیداد گر آتا

گئے وہ دن کہ واں جاتے تھے اور پردہ اٹھاتے تھے　　　میسر اب نہیں چوری چھپے بھی بات کر آنا

کون دیکھیگا بھلا اس میں ہے رسوائی کیا　　　خواب میں آنے کی بھی تمنے قسم کھائی کیا

اب بھی اے ساقی گلفام ہمیں بھول گیا　　　سبکو بھر بھر کے دیئے جام ہمیں بھول گیا

جب تلک دل نہ لیا تھا تو کبھی آتا تھا　　　دل کے لیتے ہی وہ خود کام ہمیں بھول گیا

کوئی ایسی نہ شب گذری جو ٹوٹے تار رونیکا
ہوا سے شمع ساں جب سے مجھے آزار رونیکا

سبھی باغ جہاں میں مثل گل خنداں ہیں پر ہنستا
فلک نے شبنم آسا ایک ہمیں کو کار رونیکا

یہی رونا ہے گر منظور جرأت
تو بینائی سے تو معذور ہوگا

یاد ہیں کا ہو رہے گا یا عدم کو جائیگا
پھر نہیں پھرنے کا اس کوچے میں اب جو جائیگا

گلشن گیتی میں جو آوے گا کیا پاویگا یاں
غنچہ ساں کچھ اور اپنی گانٹھ کا کھو جائیگا

رو بروئے سوز غم ہے یوں تن لاغر مرا
حال جو شعلے کے آگے ہو خس و خاشاک کا

گر کرے پرواز اوج عرش پر جرأت تو کیا
خاک میں ملجائے گا آخر یہ پتلا خاک کا

گر وہ آئینہ پاتا ہے بھلا دیکھ لو تم
حسن یہ آپ کا مجھ خاک بسر سے چمکا ہو

صبح ہوتے ہی جو وہ غائب ہوا مہتاب سا
وصل کی یہ رات تھی یا ہمنے دیکھا خواب سا

یہ سواد شہر اور ایسا کہاں حسن ملیح
شش جہت میں ملک دیکھا ہی نہیں پنجاب سا

شعلۂ برق و شرر کو ہمنے دیکھا پر کوئی
بیقراری میں نہ دیکھا اس دل بیتاب سا

رخ جو پردے سے مرے رشک قمر کا نکلا
نہیں معلوم کہ چھپا چاند کدھر کا نکلا

زلف و رخ کی جو گیا یاد میں دل کھو جرأت
شام تک بھی نہ پھرا آہ سحر کا نکلا

کیا خلل آپس میں یہ اے شوخ پرفن کر دیا
دلکو میرا اور تجھکو دل کا دشمن کر دیا

دل جو غم کھایا کیا وہ غم مجھے کھاتا رہا
جب تلک جیتا رہا میں وصل کے دکھ پاتا رہا

کیا خزاں نے رنگ گلشن کا یہ بلبل کر دیا
ہوتے ہی روشن چراغ گل کو جو گل کر دیا

برہم کبھی قاصد سے وہ محبوب نہوتا
گر نام ہمارا سر مکتوب نہوتا

خوبان جہاں کی ہے ترے حسن سے خوبی
تو خوب نہوتا تو کوئی خوب نہوتا

شمع ساں جلنے کی زبان دراز
اسکا قصہ ہی مختصر دیکھا

ہم اسیران قفس کیا کہیں خاموش ہیں کیوں
راہ لگ اپنی چل اے باد صبا تجھکو کیا

نکلے ہے بیخودی ہی کا کلمہ زبان سے
زاہد بھی بزم بادہ کشاں میں بہک گیا

خجل ہوں باغباں سے میں نہالِ خشک ہوں گویا
نہ بیٹھا کوئی سایہ میں نہ کچھ مجھ سے ثمر پایا

موئے نہ سمجھو تن پہ میرے یہ نکلتا ہے وہ دھواں
دل نہیں پہلو میں اک دہکے ہے انگارا پڑا

پردہ مست منہ سے اٹھا نا زنہار
مجھ میں اوسان نہیں رہنے کا

گل کو کیا روتی ہے تو اے بلبل
یہ گلستان نہیں رہنے کا بُز

سینے میں آج نالۂ دل کی صدا نہیں
ہے ہے قفس سے مرغِ خوش آہنگ اڑ گیا

وہی بجھے گا جیسے زخمِ دل کو
جگر پر جسکے اک ناسور ہو گا

ہستی ہے جوں حباب یہ ہم غافلوں کو آہ
کتنا کچھ اعتبار ہے بے اعتبار کا

آوارہ یوں ہوا کہ صبا اور نسیم نے
پایا کہیں نہ کھوج ہمارے غبار کا

جرأت اب اُسکے آگے بالکل ہوئی جو یاس
احوال کیا کہوں دلِ امیدوار کا

رتبۂ گل بازی کا رِ لا کاش تو پاتا
ہاتھوں سے جو گرتا تو وہ آنکھوں سے اٹھاتا

کلمہ پھرے ترا جسے دیکھے تو پھر نظر
کافر اثر یہ ہے تری کافر نگاہ کا بُز

سوزِ دل سے حال یہ تھا شب تیرے غمناک کا
صبح بستر پر جو دیکھا ڈھیر تھا اک خاک کا

نزع میں بھی تری صورت کو نہ دیکھا افسوس
مرتے مرتے بھی نہ ارمان نظر کا نکلا

بسکہ لکھی تھی میں حالت دلِ گم گشتہ کی
کھو کے قاصد مرا مکتوب کہیں بیٹھ رہا

کیا اُس گھر میں چرچا جسنے میری آہ و زاری کا
آہی صبر اُسکی جان پر اس بیقراری کا

کی میکشی جو ہمنے ترے بن تو کیا کہیں
شعلے اُٹھے یہ دل سے کہ میخانہ جل گیا

نہ کچھ حقیقت یعقوب پوچھو کنعاں میں
بغیر یوسفِ مصری جو کارواں پہنچا

پھر کہو سوتے میں بوسہ کیوں لیا تو نے مرا
گو ہے تہمت پر مزا کیا ہے اس بہتان کا

اُدھڑ جاتے ہیں ٹانکے بخیۂ زخمِ جگر کے سب
تصور جبکہ گذرے ہے کسی کے مسکرانے کا

خدا جانے کریگا چاک کس کس کے گریبانکو
ادا سے اُنکا چلنے میں اُٹھا لینا یہ داماں کا

یہ وفا کی سینے نشتر مجھے کہتے بیوفا ہو
مری بندگی ہے صاحب یہ بلا خطاب اُلٹا

نہ آیا اس فلک کو اور کچھ آیا تو یہ آیا
گھٹانا وصل کی شب کا بڑھانا روزِ ہجراں کا

ق
عزیزو کیا حقیقت پوچھتے تم ہو گے جرأت کی
عجب احوال دیکھا ہم نے کل اس خانہ ویراں کا

پڑے تھے ہوئے سرتاپا لباسِ تن تھا عریانی
بچھایا بستر اتھا خاک پر خارِ مغیلاں کا

کبھی اُٹھ دوڑتا تھا گاہ کانٹوں پر وہ لوٹے تھا
نہ تھا کچھ ہوش اس وحشی کو اپنے جسم اور جاں کا

نہ کرتا تھا کسی سے بات لیکن اک یہی مطلع
ہوا وردِ زباں تھا اس مریضِ دردِ ہجراں کا

کچھ ایسا کر گیا بیہوش جانا مجھ کو جاناں کا
نہ جی کو ہوش ہے دل کا نہ دل کو ہوش ہے جاں کا

جگر سے نکلے ہیں شعلے سرشک آنکھوں سے
چلے یہ ملکے کہاں کاروانِ آتش و آب

بلائیں ہاتھو نے سینے جو لیں تمہاری رات
بلائیں ہاتھوں کی لیتا رہا میں ساری رات

شبِ فراق کٹے کس طرح سے اے جرأت
یہ رات وہ ہے کہ کہتے ہیں جس کو بھاری رات

بلبل سنے نہ کیونکہ قفس میں چمن کی بات
آوارۂ وطن کو لگے خوش وطن کی بات

سر دیجے راہِ عشق میں پر منہ نہ موڑیے
پتھر کی سی لکیر ہے یہ کوہکن کی بات

چلی آتی ہے ناداں صبحِ پیری
جوانی کی گنوا مت بے خبر رات

دل لیا جس سے ہے آنکھیں بھی ملاؤ اس سے
ہم سے کرتے ہو لگاوٹ کے اشارات عبث

فردا یہاں سے کوچ ہے بس ہم نے شب کیا
جوں شبنم اس چمن میں کیا ہے قیام آج

مرہم پذیر کرتا ہے گھاؤ جو نہیں
پر ایک زخمِ تیغِ زباں کا نہیں علاج

دل کو اے عشق سوئے زلفِ سیہ فام نہ بھیج
رہزنوں میں تو مسافر کو سرِ شام نہ بھیج

بھڑکے ہے آتشِ غم یہ اپنے تن کے اندر
ہر دم نئی تپش ہے داغِ کہن کے اندر

گردش سے طالعوں کی جوں مردمانِ دیدہ
گویا ہے شامِ غربت صبحِ وطن کے اندر

یہ سوزِ عشق سے ہے تپش اپنی جان پر
اک آہ کی تو پڑ گئے چھالے زبان پر

کیا جانیے کیا لائے فلک پیکرِ گل پر
بیوجہ نہیں روتی ہے شبنم سرِ گل پر

ہم اس طرح رہے یارانِ رفتگاں سے دور
غریب جوں کوئی رہ جائے کارواں سے دور

شام فرقت یا الٰہی یہ کدھر سے آگئی
مر چلے ہم اس بلائے ناگہاں کو دیکھکر

گیا وہ دل بھی پہلو سے کہ جس کو
کبھی روتے تھے چھاتی سے لگا کر

اگرچہ اور بھی ہیں خوبرو پر حسن کا تیرے
جہاں میں شور ہے ایسا نمک ہے تیرے چہرے پر

وہ ہنس ہنس کے کافر مری چشم تر پر
نمک چھڑکے ہے زخم ہائے جگر پر

آتشکدہ میں دہر کے رہ سرنگوں کہ یاں
جوں شمع سر اٹھاتے ہی لگتی ہے سر کو آگ

جل کے آغاز شب وصل ہی میں خاک ہوئے
شکل پروانہ ہوا اپنا یہ انجام وصال

ہے یہ مشکل کہ ملیں اس بت مغرور سے ہم
دوسرے تیسرے دیکھ آتے ہیں ٹک دور سے ہم

مثل آئینہ باصفا ہیں ہم
دیکھنے ہی کے آشنا ہیں ہم

دل کے ہاتھوں سے اے میاں جرأت
زندگانی سے بھی خفا ہیں ہم

نقش پا تیرے برنگ گل نظر آئے مجھے
یہ حنا ہے یا رنگے ہیں خون بلبل سے قدم

ہے یہ اسکے نقاب کا عالم
ماہ پر جوں سحاب کا عالم

ایکدن کا ہو جو رونا تو کہیں جرأت ہم
یاں تو روتے ہی کٹے زیست کے ایام تمام

کیا کہیں فرقت میں تری آہ اے آرام جاں
کن دکھوں سے کاٹتے ہیں آہ ساری رات ہم

اک نالہ کھینچ بلبل مسکین رہ گئی
گلچیں چمن سے لے گئے گل توڑ کر تمام

کل واقف کار اپنے سے کہتا تھا وہ یہ بات
جرأت کے جو گھر رات کو مہمان گئے ہم

ق

کیا جانے کمبخت نے کیا مجھ پہ کیا سحر
جو بات نہ تھی ماننے کی مان گئے ہم

خیال خواب کہاں سوز غم سے جلتے ہیں
تمام رات پڑے کروٹیں بدلتے ہیں

رکھیں ہیں سوختۂ عشق سوزش ازلی
کچھ آجکل سے نہیں سوز غم سے جلتے ہیں

ق

بسان اخگر و برق و شرار و شمع و چراغ
یہ دل جلے تو نصیبوں کے جلتے بلتے ہیں

دختر رز کی ہے جو کچھ عشوہ گری شیشے میں
کسنے اس ناز سے دیکھی ہے پری شیشے میں

ہوکے آزردہ جو وہ ہم سے پرے پھرتے ہیں
ہاتھ ہم اپنے کلیجے پہ دھرے پھرتے ہیں

خانہ پرورِ قفس ہم ہیں اسیرانِ صیاد
تو بتا دے ہمیں پرواز کسے کہتے ہیں

بعد مرنے کے مری لاش پہ لانا اسکو
ابھی مت پوچھ کہ اعجاز کسے کہتے ہیں

ناتوانی پہ کچھ اپنا زور چلتا ہی نہیں
ورنہ سو صدمے ہیں لیکن دم نکلتا ہی نہیں

اُسکے شمعِ حسن سے دل تھا منور اب تو آہ
ایک مدت سے چراغ اس گھر میں جلتا ہی نہیں

قدم میں ناتواں جب اُسکے کوچے سے اٹھاتا ہوں
تو شکلِ نقشِ پا ہر ہر قدم پہ بیٹھ جاتا ہوں

دل ہی اس کافر کا پتھر ہو تو کوئی کیا کرے
ورنہ ایسی آہِ سوزاں سے بے اثر میری نہیں

اب تو دن رات کے رونے کی بدولت اوا رے
پانی پی پی کے لگے کوسنے ہمسائے ہمیں

ایک گھر میں بھی کبھی مل کے نہیں بیٹھے ہیں
ہم کہیں بیٹھتے ہیں آپ کہیں بیٹھتے ہیں

اے ستم ایجاد کب تک یہ ستم دیکھا کریں
تو کرے غیروں سے باتیں اور ہم دیکھا کریں

کچھ تو نکلے آرزو دشنام دے تلوار کھینچ
چشمِ حسرت سے کہاں تک دمبدم دیکھا کریں

عجب درد و فرقت سے غم دیکھتے ہیں
نہ سنتے سے کانوں سو ہم دیکھتے ہیں

آنے کی خبر سے اُن کے لیکن
آتا نہیں اعتبار دل کو

عبث انگڑائیاں لے لیکے کیوں ملتے ہو آنکھوں کو
بھلا یہ بھی تو کہیے سو رہو گر نیند آئی ہو

ایسے بیدردوں کے مجھکو دام میں لایا ہے چرخ
کوئی تو کہتا ہے اسکے توڑ کر پر چھوڑ دو

ق

اور کوئی بیدرد یوں کہتا ہے بیدردی سے آہ
جو تماشا دیکھنا ہے ذبح کر کر چھوڑ دو

میں کہا دیکھی ہے میں نے خواب میں آ کے بار بار
دوستو مجھ سے کہو اس خواب کی تعبیر کو

ق

آہ اس مذکور کو سُنتا تھا وہ قاتل کہیں
آن پہنچا سر پہ میرے کھینچکر شمشیر کو

جی دیا ہے ہمنے تو پہلے ہی ترے ناز کے ساتھ
اپنا انجام ہوا عشق کے آغاز کے ساتھ

گئے دنیا سے الفت میں ثمر دیکھا تو اتنا کچھ
جلا دل آہ میں ہمنے اثر دیکھا تو اتنا کچھ

قیس و فرہاد کی تھی ایک ہی منزل لیکن
وہ بیاباں کی گیا راہ وہ کہسار کی راہ

نہ وہ دن ہیں نہ وہ راتیں نہ وہ چرچے نہ وہ باتیں
نہ مطرب ہے نہ ساقی ہے نہ شیشہ ہے نہ پیالا ہے

رہے اس گلشنِ دلکی ہمارے سیر خوش تو
کہ غیر از داغِ حسرت یاں کوئی گل ہے نہ لالا ہے

تپنگ دل کے جو ہاتھوں سے تھا میں چھین رسی
ہوئے جدا نہ موئے پر بھی ہاتھ سینے سے

مت پوچھ اشک میرے یو ہیں ہیں تسلسل
یہ ہار موتیوں کا اسے آستیں نہ ٹوٹے

کلیدِ آہ سے قفلِ لبِ خاموش کھلجاوے
تو بستہ ہے پھر جو اپنے دلمیں جوش کھلجاوے

چڑھا اک ساغرِ مے کچھ تو آنکھوں میں لگا کہنے
پیئے اور ایک دو پیالے تو وہ بیہوش کھلجاوے

احوال کچھ نہ پوچھ کہ کل نبض پر مری
رکھتے ہی ہاتھ چھوٹ گئیں نبضیں طبیب کی

کیجو فغاں تو عندلیب نالۂ دلخراش سے
صورتِ گل ہزار دل اپنے ہوں پاش پاش سے

جب چلے حسرت بھرے کوچے سے ہم دلدار کے
رو لیے ہم کیا کیا گلے ملکر در و دیوار سے

تجکو منظور ہے سیرِ شبِ مہتاب تو پی
گر زیادہ نہیں اک جام مئے ناب تو پی

نہ ہمدم کوئی ہے نہ اب ہمنشیں ہے
بُرے وقت کا کوئی ساتھی نہیں ہے

نہیں آہ و زاری یہ بے وجہ جرأت
گرفتار شاید ترا دل کہیں ہے

چھوڑا گلزار سے دور اور پرِ بلبل کترے
اے صبا وجفا پیشہ نے کیا گل کترے

نقدِ دل کھو کے جو یہ تباہیِ الفت پائی
بس غنیمت ہے بڑی ہمنے یہ دولت پائی

تو نے اس باغ میں دم بھرنے کی مہلت پائی
اے صبا ہمنے تو اتنی بھی نہ مہلت پائی

وصل کے دن بھی ہیں کانپ اُٹھتا ہوں بیٹھے بیٹھے
یاد آتے ہیں وہ صدمے جو شبِ ہجراں کے

پختہ مغزانِ جنوں میں آپ کو گنتا ہے تو
ہم تو دیوانے ہیں جرأت اس خیالِ خام کے

ہم بھی اس باغِ جہاں میں شب کی شب مہماں ہیں
مثلِ شبنم صبح کو گریہ کناں اُٹھ جائیں گے

ق

تھا جی میں یہ کہ مجھسے بگڑ جائے اسلئے
میں نے کہا کہ غیر سے پھر تم میاں ملے

پر کیا کہوں کہ اپنا سا منہ لے کے رہ گیا
آنکھیں ملا کے جو یہ کہا اُسنے ہاں ملے

دور چھوڑا ہمیں گلشن سے یہ رونکی ہی جا
کہ سزاوار اسیری بھی نہ ہم ہائے ہوئے

دلِ وحشی کو خواہش ہے تمہارے در پر آنیکی
دوانہ ہے ولیکن بات کہتا ہے ٹھکانے کی

چاہ کی چتون مری آنکھ اُسکی شرمائی ہوئی
تاڑلی محفل میں سب نے سخت رسوائی ہوئی

اُس پردہ نشیں سے کوئی کس شکل بر آئے
جو خواب میں بھی آئے تو مُنہ ڈہانک کر آئے

چھوڑا اپنے گرفتاروں کو صیاد سمجھ کر
جاتی نہ رہے جان رہائی میں کسیکی

جی خاک میں ملایا تمہارے فراق نے
اچھا غرض سلوک کیا ہم سے آپ نے

ہے کسکا جگر جسپہ یہ بیداد کروگے
لو دل تمہیں ہم دیتے ہیں کیا یاد کروگے

بھلا پھر اُسکے اُٹھانے میں کیوں نہ دیر لگے
کسی کی موت لیکے جو انتظار میں آئے

نہ پوچھ مجھ سے وہ عالم کہ صبح نیند سے اٹھ
جب انکھڑیونکو وہ ملتے ہوئے خمار میں آئے

سرسری اُنسے ملاقات ہے گاہے گاہے
صحبتِ غیر میں گاہے سرِ راہے گاہے

رونے میں اور آتشِ الفت بھڑک اُٹھی
اب اس لگی کا دل سے بجھانا محال ہے

غم بہت دنیا میں ہیں پر عشق کا غم اور ہے
ہے اسی عالم میں لیکن اس کا عالم اور ہے

غم سے گھٹنا یہ مرا سب میں بڑہاتا ہے تجھے
جب مجھے دیکھتا ہے دیکھنے جاتا ہے تجھے

جرأت

جرأت - پیر محمد مراد آبادی۔ مرغ نامہ آپ کی تصنیف سے مشہور و معروف ہے پس اک شعر آپ کا ملا جو تبرکاً درج کیا جاتا ہے -

بس اے قاصد تری معلوم ہوئی لسانی
روبرو اوسکی زباں کو بھی ہلایا نہ گیا

جرار

جرار - مرزا حسین بیگ جرار باشندۂ فیض آباد شاگرد رشید تدبیر الدولہ منشی اسیر لکھنوی فن سپہ گری کا شوق تھا مرد قانع اور آزادونش تھے۔ عربی فارسی کی استعداد اچھی تھی۔ فن سخن کے دلدادہ اور اپنے استاد سے نہایت الفت رکھتے تھے۔ انکی وفات کے بعد انکی وصیت کے بموجب حضرت اسیر نے جملہ کلام نظر ثانی فرما کر سنہ ۱۲۹۰ھ میں چھپوادیا۔ دیوان میں سے کچھ اشعار منتخب ہو کر حوالہ قلم ہوئے۔ رسائی فکر اور خوش گوئی کلام سے ہویدا ہے

اسیران قفس جب ہوگئے بیدست و پا چھوڑا — کتر کر بال و پر صیاد گر چھوڑا تو کیا چھوڑا
بہی جب تاب و طاقت روح کیونکر جسم میں ٹھیرے — شکست بادشاہ ہے فوج نے جب مورچہ چھوڑا
خیال بر مظلوم کے ظالم کو کب آتا ہے رحم — نالۂ بلبل سے دل دکھتا نہیں صیاد کا
خفا صیاد گل آزردہ گلچیں دشمن جاں ہے — اب آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا انجام بلبل کا
شیخ عمامہ و جبہ جو پہن کر آئے — ہنس پڑے رند کہ ہولی کا تماشا آیا
کوئی اتنا تو پوچھے نزع میں جاکر سکندر سے — کہ چھوڑا گھر میں کیا ہمراہ اپنے لیچلا کیا کیا
بر آئی کچھ تری امید ای شیریں جو سنا ہیں — تو تجھکو شیر سے لازم ہے قبر کوہکن ہونا
بہار آئی ہے ایک عالم نظر آتا ہے گلشن پر — جوانان چمن نازاں ہیں کیا کیا اپنے جوبن پر
عشق گل سے ہے عجب رفعت و شان بلبل — تخت ہے تختۂ گل آہ نشان بلبل
جان صدقے کرے سر قدمونپہ وارے بلبل — خون کیونکر سر قاتل سے اتارے بلبل
ہوا چھریوں سے اپنوں ہی کے مجروح — شہید تیزی تیغ زباں ہوں
گل سے نہ کام ہمکو غنچے سے اس چمن میں — بوئے وفا ہو جس میں اُس دلکو ڈھونڈتے ہیں
زہر ہے آب بقا عشق کے بیماروں کو — دم عیسیٰ ہے دم تیغ دل افگاروں کو
عوض نیکی کا نیکی ہے بدی کا ہے بدی بدلا — مثل ہے دودھ کا ہے دودھ اور پانی کا پانی ہے
مریض عشق کیسا قبر کے عرصے جلادیتے — جو کہکر قم باذنی آپ اک ٹھوکر لگا بیٹھے
جوش جنوں نے رنگ اڑائے بہار کے — داغوں نے گل چراغ کئے لالہ زار کے
زاہد اگر ہے طالب جام مئے طہور — کھلوادے مے سے روزے کسی بادہ خوار کے
بلبلو نمیں شور ہیں باہم مبارکباد کے — کیا بہار آئی پھرے دن گلشن ایجاد کے
ذرہ بیقدر کو خورشید سے کیا ہمسری — کیوں نہوں جرار صدقے حضرت استاد کے

جری

جری — منشی محمد ابراہیم خاں تلمیذ حبیب کنتوری حیدرآباد دکن کے رہنے والے اور دور موجودہ کے ایک موزوں طبع شاعر ہیں نسیم دکن میں چند غزلیں نظر سے گذریں اُنکا

انتخاب حاضر ہے۔

طاقت نہیں جو صدمۂ فرقت اُٹھاؤں میں	بس اب ملا دے خاک میں آسماں کہیں
ناصح کو سوزِ آتشِ فرقت کی کیا خبر	دوزخ جلے جو دیکھ لے یہ گرمیاں کہیں
الفت ہوئی ہے جب سے کسی رشکِ ماہ سے	بنتے ہیں آسمان مری دودِ آہ سے
تڑپے نہ کس طرح صفتِ برق دل مرا	بسمل ہوا ہے یہ تری تیغِ نگاہ سے

جعفر

جعفر۔ میر جعفر زٹل۔ ان کے حالات لکھنے کی ضرورت نہیں کیونکہ ہر ایک صاحبِ مذاق آپ کی یاوہ گوئی سے واقف ہے اور اگرچہ ان کا کلام اس پایہ کا نہیں ہے کہ اس تذکرے میں اسے جگہ دی جائے مگر صرف اسلئے کہ اُردو کے ایک مشہور اور ابتدائی شاعر تھے اسلئے ان کا ذکر نہ کرنا ہمارے التزام کے خلاف ہوتا۔ یہ بزرگ نارنول کے سادات سے تھے زٹل گوئی کے سوا کسی قسم کی شاعری کو پسند نفرماتے تھے چنانچہ انکا یہ مقولہ تھا کہ اگر میں کوشش کر کے مہذب اور عمدہ شعر کہوں تو بھی سعدی شیرازی یا فردوسی نہیں بن سکتا اس لئے زٹل کہونگا کہ تمام عالم میں مشہور ہو جاؤں۔ ایک مدت تک شاہزادہ معظم محمد اعظم شاہ بہادر کی سرکار میں بزمرۂ خواصان ملازم رہے۔ ان کے زٹل کہنے کا یہ عام دستور تھا کہ جب کسی کے گھر جاتے تو ایک کاغذ پر صاحبِ مکان کی تعریف لکھتے اور ایک پر ہجو۔ اگر وہاں جاکر ان کا مطلب پورا ہو جاتا اور صاحبِ خانہ خوش اخلاقی سے ملتا تو وہ تعریف کا کاغذ دیدیتے۔ اور اگر کہیں اسکے برعکس معاملہ ہوتا تو پھر کیا تھا وہی ہجو لکھی لکھائی تیار ہوتی۔ اُنکے حوالے کر کے اپنی راہ لیتے۔ ان کا کلیات یادگار ہے مگر غیر مطبوعہ۔ مشہور ہے کہ جب عالمگیر بادشاہ کا انتقال ہوا اور آپ کے قدیم محسن اعظم شاہ تخت نشین ہوئے۔ اکثر شعرا دربار نے سکے کہے اور پیش کئے مگر کوئی پسند خاطر والا نہ ہوا۔ میر جعفر نے فی البدیہہ سکہ سر دربار تصنیف کر کے پڑھا جس پر خلعتِ فاخرہ و فیل مع ایک لاکھ روپیہ انعام بادشاہ نے عنایت کیا اور خاص و عام سے داد دی۔ وہ سکہ یہ ہے ؎

نگینِ سلیماں کہ تابندہ بود ۔ ہمیں اسمِ اعظم بر و کندہ بود

دربار سے واپسی کے وقت وہ تمام روپیہ جو انعام میں ملا تھا راستہ میں فقرا اور مساکین کو تقسیم کر دیا۔ جب فیلبان نے کہا کہ مجھے حضور نے کچھ عنایت نہیں کیا ہاتھی اُسے دیکر گھر چلے گئے۔ تمام و کمال اُن کا کلام ہجو و فحش سے بھرا ہوا ہے۔ چونکہ اس زمانے میں فارسی کا مذاق بکثرت تھا اس لیئے زیادہ حصہ ان کے فحش کلام کا بھی اس زبان میں ہے مگر اکثر الفاظ و اسما اردو کے اس میں شامل ہیں چند اشعار اُن کے لکھے جاتے ہیں جو فحش و بیہودگی سے پاک ہیں۔ آپ نے بادشاہ جمجاہ فرخ سیر کا سکہ جلوس بھی نظم کیا ہے جو ذیل میں درج ہے۔ سکہ کیا ہے۔ اُن کے خلقی تمسخر کا نمونہ ہے ؎

سکہ زد بر گندم و موٹھ و مٹر ۔ بادشاہ طسمہ کش فرخ سیر
یہ جعفر زٹلی نے کیا کیا ۔ کہ مکھی کو دل سے بھنیا کیا

کشتی جعفر زٹلی در بھنور افتادہ است ۔ ڈبکو ڈبکو ہی کند و ریک توجہ پار کن
ٹھکر لگا دیوار کو کہ جعفر اب کیا کیجے ۔ خطرہ پڑا بازار کو کہ جعفر اب کیا کیجے
گھوڑا تو تیرا لنگ ہے کوئی نہ تیرے سنگ ہے ۔ چلنا پڑا بازار کو کہ جعفر اب کیا کیجے

جعفر ۔ مرزا جعفر بخت بہادر جعفر نبیرۂ برادر مرزا قادر بخش صاحب بہادر صابر گورگانی سنہ ۱۸۶۲ء میں حیات تھے اور بنارس میں رہتے تھے۔ فن سخن میں غالباً اپنے نامور بزرگ حضرت صابر سے مشورہ لیتے تھے۔ چند غزلیں ہنگام ترتیب تذکرہ نظر سے گذریں اُنکا انتخاب حاضر ہے کلام سے پایا جاتا ہے کہ تلاش مضمون و الفاظ اچھی اور بندش چست ہے۔

نشہ میں راحت ملی ہر جام پر انکار میں ۔ لطف دونا ہو گیا ساقی تری تکرار میں
سرد ہو کر ہر شرر رہتا ہے سونے کی ڈلی ۔ ہمن پرستی ہے ہماری آہِ آتشبار میں
عیسیٰ مریم کی یہ موجِ نفس بجھائیگی ۔ میرا دم آجیگا گر قاتل تری تلوار میں
ناخنِ وحشت نے جعفر ہمکو عریاں کر دیا ۔ تار تک باقی نہ رکھا زخم دامن دار میں

روز جب واں سے گمانِ جرم پر تعزیر ہو | کیا عجب اثباتِ بے جرمی مری تقصیر ہو
کوئی کوچہ شہر میں آباد اسکا سا نہ ہو | پاس پاس ایسا ہمارا خانۂ زنجیر ہو
چشم نے دیکھا تھیں رونا تھا پر یہ کہو | دل جو ہے بیتاب اُسکی کس طرح تدبیر ہو
پہلے ٹھیرے وصل پیچھے مجھکو گردن مارنا | کچھ تو کہنے کے لئے ثابت مری تقصیر ہو
نامہ بر بہر خدا اتنا نکر تو اضطراب | ایسی جلدی حالِ دل کیونکر انھیں تحریر ہو
اپنے مطلب پر تجھے پھیرا کروں ورزات میں | تیری گردش میرے قبضہ میں جو اے تقدیر ہو
اُٹھکے جانے کو ہوں نہیں طیار اے جعفر وہاں | وصل پر راضی جو مجھسے وہ بتِ بے پیر ہو

ہم اُنکے شوقِ مژہ میں مدام خوار رہے | جگر میں اپنے چبھے خار خار خار رہے
نہاں جو سینے میں کچھ سوزِ عشقِ یار رہے | جگر پر آبلوں سے صورتِ انار رہے
پسِ فنا بھی عدو کے لئے مرے غم میں | شبِ وصال بھی آئے تو سوگوار رہے
الٰہی مر کے جیوں لاکھ بار مرنے کو | کہ آرزوئے دلِ قاتل کی برقرار رہے
ہم ایسے قاتلِ عالم سے کیوں ملیں جعفر | جو کچھ بھی اپنی طبیعت پہ اختیار رہے

جعفر

جعفر۔ نواب جعفر حسین صاحب المعروف بہ اعزن صاحب لکھنوی باوجود تلاش آپکے حالات دریافت نہوسکے کلام بہم رسیدہ کا انتخاب حاضر ہے۔

نکالا برہمن نے دیر سے واعظ نے مسجد سے | محبت تیری کافر دشمنِ دنیا و دیں نکلی
نہ کعبہ مجھکو خوش آیا نہ دیر برہمن مجھکو | مرے مرقد کے قابل کوئے جاناں کی زمیں نکلی
جسے دیکھو نظر آتا ہے محویت کے عالم میں | پری نکلی کہ شیشے سے شرابِ آتشیں نکلی
رقیبوں کے لئے ہے قبر کی جا انکے کوچے میں | ہمارے دفن کرنے کو نہ تھوڑی سی زمیں نکلی

جعفر

جعفر۔ نواب جعفر حسین خاں بہادر مخاطب بہ نواب صف افگن جنگ بہادر۔ آپ ریاست حیدرآباد دکن کے جاگیردار اور منصبدار ہیں اور وہاں کے مشاعروں میں شرکت کرتے رہتے ہیں۔ یہ کلام کا خلاصہ ہے۔

اکدم میں پاش پاش ہوا وہ برنگِ گل
جس دل پہ تیغ ناز کا اک وار چل گیا

اے آسماں وہ نہ بدلجائے ڈر یہ ہے
کچھ ڈر نہیں جو ہم سے زمانہ بدل گیا

اُٹھنے کا قصد یار نے پہلو سے جب کیا
دل میرا اُن کے قد و پیچ گیسو کے مچل گیا

جعفر ۱۱

جعفر - صاحبزادہ جعفر علی خانصاحب خلف اصغر نواب ابراہیم علی خانصاحب مرحوم فرمانروا مالیرکوٹلہ - رئیس حال نواب احمد علیخاں کے حقیقی چھوٹے بھائی ہیں - آپنے چیف کالج لاہور میں تعلیم پائی ہے - اب ۲۶ برس کی عمر ہے - ریاست سے ۲۵ ہزار روپیہ سالانہ وظیفہ مقرر ہے آپ کی شادی پنڈراول کے ایک معزز خاندان میں ہوئی ہے - شعر و سخن کا نیا نیا شوق ہے کچھ غزلیں ہنگام ترتیب تذکرہ موصول ہوئیں اُنکا انتخاب حاضر ہے -

رباعی

جو بات ہے خیر میں وہ کیا شر میں نہیں
کیا چیز ہے جو قبضۂ داور میں نہیں

جعفر تو خدا کو گوشۂ دل میں ٹٹول
باہر تجھے کیا ملیگا جو گھر میں نہیں

الٰہی خیر ایسی آفتوں میں زیست مشکل ہے
اُدھر لاکھوں ادائیں ہیں اِدھر تنہا مرا دل ہے

نہ بیٹھے چین آتا ہے نہ لیٹے چین آتا ہے
کچھ اس انداز پر اپنے تشفی بیتابیٔ دل ہے

کچھ اس انداز سے دیکھا کہ اب تڑپا نہیں جاتا
نگاہِ ناز قاتل بھی ہے اور سبق آموزِ بسمل ہے

جوانی جا رہی ہے ولولے سب مٹتے جاتے ہیں
شکستِ رنگ پیغامِ وداعِ حسرتِ دل ہے

وہ لیتے نوک کی ہیں دل کو رکھکر نوکِ خنجر پر
کہ جس دل پر اُچھلتے تھے بہت تم کیا یہی دل ہے

مسل کر دل کو چٹکی میں تنک کر ناز سے بولے
بہت غمزہ نکالا تھا ہمارا دل سے یہ ہمارا دل ہے

سمجھ لیں گے وہ خود ہی تمنائے شوقِ وصلت کو
تم اتنا کہدو اے جعفر کہ میرے پاس بھی دل ہے

جعفری

جعفری - دہلوی - میر باقر علی مرحوم جعفری - فخر الشعرا میر نظام الدین ممنون کے چھوٹے بھائی اور ملک الشعرا میر قمر الدین منت کے خلف اصغر تھے - فن سخن میں اپنے بھائی سے مشورہ کرتے تھے سنہ ۱۲۴۵ھ میں سفر مکہ کی راہ میں انتقال کیا - یہ انکے اشعار ہیں -

آرام وعدہ کی شب اک دم کبھو نہ آیا
آیا نہ چین دل کو جب تک کہ تو نہ آیا

اس نالۂ رسا کی دیکھو درازدستی
کب دامنِ مسیحا یہ جا کے چھو نہ آیا

کہیں جسم گر ہو گیا دود دل کا
تو اک روز چرخِ نیلم ہو گا

نہ خوباں سے مل جعفری دیکھ اتنا
کہا مان کتنا ہوں بدنام ہو گا تو

سب سے مٹے نقشِ خیالاتِ جہاں بعدِ فنا
داغِ الفت ایک زیبِ صفحۂ دل رہ گیا

تیغ یوں دل میں خیالِ نگہِ یار نہ کھینچ
ناخدا ترس تو کہتے ہیں تو تلوار نہ کھینچ

تو ہے گر عرش پہ نالہ بھی نہیں تجھ سے کم
آپ کو دور ہی اے آہِ شرربار نہ کھینچ

بے سر و پا چمن و دشت میں عالم سے نہ پھر
ناز ہر گل نہ اٹھا منتِ ہر خار نہ کھینچ

جعفری

جعفری ۔ شیخ جعفر علی جعفری متوطن دادری ۔ نواب [illegible] ججھر کے ملازم اور قصبہ دادری کے قاضی زادوں میں سے تھے غدر سے پیشتر حیات تھے ۔

الٰہی ہر گھڑی ہر زخم دل سے خوں ٹپکتا ہے
شہیدِ ناز ہوں میں آہ کس دستِ حنائی کا

ایدل خیال زلفِ بتاں کیونکہ چھوڑ دوں
وحشی ہوں اور پاؤں میں زنجیر بھی نہیں

شق حیا بجا سے ہو گئی اکدم میں سب زمیں
تڑپا جو تیرا کشتۂ الفت مزار میں

مر گئے اس جستجو میں سینکڑوں خانہ خراب
جعفری عشقِ بتانِ ہستند کا گھر دور ہے

جگر

جگر ۔ نواب سید بہادر علی خاں صاحب لکھنوی ۔ آپ لکھنؤ کے ایک شریف خاندان کے رکن اور حضرتِ جلال لکھنوی کے نامور شاگرد ہیں ۔ فن سخن سے طبیعت کو قدرتی مناسبت ہے ۔ بندش صاف سلجھی ہوئی اور تلاش مضمون اچھی ہے ۔ شعر کے حسن و قبیح سے خوب ماہر ہیں ۔ ہر شعر میں کوئی بات پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں ۔ کلام منتخب ملاحظہ ہو ۔

عشق کسی کو آ گیا کوئی گرا دل تھام کر
ایک ہی جلوے میں یہ عالم تھا بزمِ یار کا

اسکے زانو پہ جو سر ہے ہوش میں آتا نہیں
بیخودی میں کر رہا ہوں کام میں ہشیار کا

سوئے ذرا آنکھیں مری وا دیکھکر بولا وہ شوخ
مرنے والا شوق دل میں لے گیا دیدار کا

مرنے جینے کے لئے کافی ہے مجکو اے صنم
تیرے کوچے کی زمیں سایہ تری دیوار کا

توڑ ڈالیں بیڑیاں یہ جوشِ وحشت بڑھ گیا
قید میں لیلیٰ نہ اکدن تیرا دیوانہ رہا

اسکو کہتے ہیں محبت نام اسکا ہے وفا
خاک ہوکر بھی قریبِ شمع پروانہ رہا

نہ نکلی مرتے دم بھی دید کی حسرت نہ بھولوں گا
ٹھہر جانا وہ آنکھوں میں نکلکر جسم سے جاں کا

جنوں کا جوش نہ تھا موسمِ بہار نہ تھا
مگر کب اپنا گریبان تار تار نہ تھا

رکا تھا آنکھوں میں دم سنتے آ کے دیکھ لیا
نہ کہتا اب کہ تجھے میرا انتظار نہ تھا

جب نظر شیخ کو وہ شوخ پریزاد آیا
پھر نہ تسبیح نہ توبہ نہ خدا یاد آیا

قتل بے قتل کئے ہوگئے سب محفل میں
اس ادا سے وہ مرا بانیٔ بیداد آیا

قبر پر میری وہ آتا ہے خدا خیر کرے
کیا کوئی تازہ ستم اور اسے یاد آیا

ہجر میں نالۂ دل میرا جو دمساز بھی تھا
رازِ دل کرتے کو افشا یہی غماز بھی تھا

جسکا افشا ہوا اس وحشتِ دل کے ہاتھوں
عشق اس پردہ نشیں کا تھا مرا راز بھی تھا

کونسی چیز نہ دلکش تھی مرے دلبر کی
غمزہ بھی ناز بھی تھا عشوہ بھی انداز بھی تھا

وہ مست ہیں کہ بنے ہیں ہماری خاک کے جام
خمِ شراب ہے گنبد ہمارے مدفن کا

اے چرخ ستا کر ہمیں تو شاد نہ ہوگا
کچھ تیرا بھلا اے ستم ایجاد نہ ہوگا

ہم جسے سمجھے تھے مہمان وہ مہمان نہ رہا
بن گیا سینہ میں دل یار کا پیکاں نہ رہا

وہیں جائیے نہیں منظور جو میرا ہونا
ہو رہے اس دلِ شیدا کو ہے جسکا ہونا

کہتا ہوں دیکھ کے پہلو میں عدو کے اسکو
ہائے کیا چیز ہے تقدیر کا اچھا ہونا

جفا سے کیا اسے اندیشہ جینے
دیا دل آپ کو قاتل سمجھ کر

جفا وہ ہم وفا اپنی نہ چھوڑیں
یہی ہیں عہد و پیماں درمیاں میں

مر کے اپنا فیصلہ خود اے شبِ ہجراں کریں
عشق کی سب مشکلیں ہم آپ ہی آساں کریں

دل سنبھالیں جان کو ٹھہرائیں یا تھامیں جگر
ایک ہم آفت زدہ کیا کیا شبِ ہجراں کریں

ساتھ غیروں کے عیادت کو مری آتے ہو کیوں
کوئی دم کا میہماں ہوں مجھکو تڑپاتے ہو کیوں

جو مجھے ناصحو پھر اُسکو سمجھاتے ہو کیوں
ساتھ دیوانے کے دیوانے بنے جاتے ہو کیوں

ہمکو ہم سے ہے اگر بیتابی دل کا گلا
ہمکو تم سے یہ شکایت ہے کہ یاد آتے ہو کیوں

سمجھے ہیں دل کے دینے کا انجام جو ہے
موجود ہوا ہے شب ہجراں ابھی سے ہیں

عبث پھراتا ہے رندوں کے سر کو اے واعظ
اگر درست ہے نیت تو مے حرام نہیں

بس آنسو آنکھوں میں بھر لاؤ لیکے ٹھنڈی سانس
ہمارے قتل کا کچھ اور انتقام نہیں

محبت اس سے کرنا جان کو روگ اک لگانا ہے
مگر تیری خوشی ہم اسے دل ناداں کرتے ہیں

زمین گر ستے جہاں عاشقوں کی قدر لازم ہے
کہ یہ برباد ہو کر سے تجھے آباد کرتے ہیں

مجھکو سُنا کے غیر سے اُس شوخ نے کہا
دونوں کا فیصلہ ہے ترے ایک تیر میں

ہمکو قرار آئے جو تو بیقرار ہو
بیتاب پھر نہ دل نہ جگر بیقرار ہو

نور سے دیکھو تو ہر جا جلوۂ جانانہ ہے
آنکھ اگر ہو ایک تو راہ کعبہ و بتخانہ ہے

شیخ جی دو ایک ساغر لیکے ساقی سے پیو
کیوں تکلف کرتے ہو یہ صحبت رندانہ ہے

ہیں گواہی میں تو ہر روز جنازہ عمر در
اس طرف اک دل ہے وہ بھی بجز و دیوانہ ہے

ایک مدت سے لبالب ہو رہا ہے اے جگر
بس چھلکنے کو ہماری عمر کا پیمانہ ہے

وہ رکھکر ہاتھ سینے پر تڑپ کر کسی کی کچھ نہ سنیگا
ہمارا دل نہ جو درد سے ہے اسکو کیا خبر ہو گی

کسی سے ہیں اشارے ہیں کسی کی شمع
کہ تیری زیست بھی گھل گھل کے جل جلکر بسر ہو گی

چلا ہے کوئی جاناں میں تو اے دل یہ بتا آیا
ہمارے مرنے جینے کی تجھے کیونکر خبر ہو گی

دل و جگر میں ہے جھگڑا تمہارے پیکاں پہ
کسی کا ہو رہے یہ کچھ تو فیصلہ ہو جائے

اثر دل کا تڑپنا کچھ نہ کچھ دکھلا ہی دیتا ہے
تماشا بن گئے خود رقص بسمل دیکھنے والے

یقیں اپنی محبت کا نہیں آتا اگر ان کو
تو سینہ چاک کر کے دیکھ لیں دل دیکھنے والے

راحت زمانہ بھر کی مصیبت کو جان سے
تیرا کہا جو اے دل شیدا کرے کوئی

جگر

جگر۔ نواب مرزا محمد عباس علیخاں بہادر معروف بہ مرزا بہادر رئیس لکھنو خلف میرزا محمد آغا علیخاں بہادر ناظم عہد شاہی۔ تحصیل علم کے بعد اپنے آبائی رسوخ کے ذریعے سے اودھ کی سول سروس میں نامزد ہو گئے تھے۔ اور درجہ بدرجہ ترقی کرکے ڈپٹی کمشنری کے عہدے پر پہنچے پھر اپنے والد کی وفات کے بعد پنشن سے کر خانہ نشین ہو گئے اب ۵۵-۵۶ سال کی قریب عمر ہے اور لکھنو میں بکمال فارغ البالی بسر اوقات کرتے ہیں۔ اور وہاں کے عمائد میں شمار کئے جاتے ہیں۔ زبان کی خوبی بندش کی عمدگی خیال کی بلندی طبیعت کی شوخی۔ مذاق کی شستگی کے علاوہ ان کے کلام میں ایک خاص بات یہ ہے کہ بیان کا طریقہ نہایت دلچسپ ہے۔ یہ ان کے اشعار ہیں۔

تمہارے رنج پہ دل زار کب نثار نہ تھا
تمہاری یاد میں کس دن یہ بیقرار نہ تھا

شکوہ کریں ہم کس سے بھلا بیخبری کا
سایہ بھی تو ملتا نہیں اس رشک پری کا

ہشیار ہو موقع نہیں بیدادگری کا
اب وقت مریضوں سے نہیں بیخبری کا

رخ زرد ہیں لب خشک ہیں نمناک ہیں آنکھیں
یہ حال پتہ دیتا ہے درد جگری کا

مصروف رہے آپ مرے کام میں تا دفن
کیونکر ہوا ادا شکریہ اس دردسری کا

سمجھا ہو تغافل کو جو اک حسن کی زینت
اپنے سے جگر کیا ہو گلہ بے خبری کا

صاف ظاہر ہے مرے گھر کا بیاباں ہونا
تم چلے آؤ تو آساں ہے گلستاں ہونا

اس سے بہتر کوئی تدبیر رہائی کی نہیں
دیکھے دل زلف کو پھر سلسلہ جنباں ہونا

شعلہ رو بن کے ہوئے زینت محفل شب کو
خوب آتا ہے انہیں شمع شبستاں ہونا

چھوڑ دو چارہ گرو مجھکو خدا پر اب تم
غیر ممکن ہے مرے درد کا درماں ہونا

میری تقدیر میں لکھا تھا یہی روز ازل
دیکھے دل آپ کو یوں بے سر و ساماں ہونا

مشکلیں سب ہوئیں آسان جگر کی صد شکر
ایک باقی ہے فقط مرگ کا آساں ہونا

نتیجہ زندگانی کا ہے کچھ دنیا میں کر جانا
خیال موت بیجا ہے وہ جب آئے تو مر جانا

غضب ہے اُس ستمگر نے نہ اپنی بات تک پوچھی
بڑی مشکل سے اتنا قرب تجھ سے آج حاصل ہے
جان تو پہلے ہی نذرِ روئے زیبا ہو چکی
ہماری نظروں میں جب سے وہ ہیں سمائے ہوئے
حجاب قتل پہ میرے اجی ادھر دیکھو
اُٹھائیں تیغ تو وہ دستِ نازنیں سے کہیں
بنائے یا کہ بگاڑے خدا میں قدرت ہے
نہ مسرت ہمیں اچھی نہ ملال اچھا ہے
جب ادہر دیکھتا ہے درد جگر بڑھتا ہے
کہتے ہو غیر سے ملنے کی شہادت کیا ہے
رُخِ روشن پہ تیرے یوں دلِ دیوانہ آتا ہے
سنبھالے سے کہیں بگڑا ہوا دل بھی سنبھلتا ہے
مجھے وہ دیکھکر محفل سے یہ کہتے ہوئے اُٹھے

دل وجاں دین و ایماں سب کو ہمنے عمر بھر جانا
ہماری ذبح میں ظالم کہیں جلدی نہ کرجانا
اب فدا کیا آپ پر اپنا تنِ بیجاں کریں
ہم اپنی آنکھوں کو عالم سے ہیں چھپائے ہوئے
ذرا سی بات پہ کیوں ہو نظر جھکائے ہوئے
ابھی اُمید سے ہم سر کو ہیں جھکائے ہوئے
ہمیں بنائینگے وہ کیا جو ہیں بنائے ہوئے
آپ راضی رہیں جس میں وہی حال اچھا ہے
دشمنِ جاں ہے تری شوخ نگاہی کیسی
اپنی آنکھوں ہی سے دیکھا تو گواہی کیسی
کہ جیسے شمع کی جانب کوئی پروانہ آتا ہے
بھلا کب راہ پر کہنے سے یہ دیوانہ آتا ہے
جگر ہے نام جسکا لو وہی دیوانہ آتا ہے

جلال ـ مولوی جلال الدین صاحب جلال ساکن قدیم لکھنؤ شاگرد رشید شیخ امام بخش ناسخ مرحوم ـ آپ کی عمر کا بڑا حصہ بنارس میں گذرا ـ ۱۸۶۵ء میں زندہ و سلامت موجود تھے ـ طباع اور خوش کلام سخنور تھے ـ یہ آپکے اشعار ہیں ـ

کیوں اُلجھتا ہے یہ مجھ سے زاہد صورت پرست
جذب لذت سے یہ محو روئے جاناں ہوگئی

مِل گیا یاں رشتۂ تار نفس زنار میں
لب ہمارے جنکے بوسہ لیکے رخسار میں

ترا جام سے ہو گیا آفتاب
ضیا اپنے عارض کی دیکھی جو رات
کھلے صبحدم اُن کی چوٹی کے بار

شب بزم عشرت سحر ہو گئی
جھجک کر یہ بولے سحر ہو گئی
معطر نسیم سحر ہو گئی

ضیا جو اُڑی اُنکے عارض کی رات	ق	فلک پر پہونچ کر قمر ہو گئی
میں بوسہ پر اُنسے جو روٹھا رہا		تو شب جھجنوں میں بسر ہو گئی
لبوں سے وہ لب ملکے کہنے لگے		جلال ابتو بولو سحر ہو گئی

جلال

جلال - ان صاحب کا نام معلوم نہیں نہ زیادہ حال کھلا - فیض آباد کے رہنے والے اور طبقہ دوم کے آخر شعرا میں تھے - یہ اُن کے اشعار ہیں -

تنگ احوال سے ابتو ترے شیدائی کا	آ کے ٹک دیکھ تماشا تو تماشائی کا
اب تلک بازار میں بیٹھے ہیں جسکی دید کو	کیوں نہ آیا آہ کیا سوجھی یہ اُس بے دید کو
دل دیا مفت اب اُس آئینہ رو کو افسوس	میں تو حیراں ہوں جلال اس تری دانائی پر
ایک عالم ہو خریدار نہ کیوں سو جی سے	بیٹھے جب کہ وہ یوسف سر بازار لگے
کیا ہوا میں نے جو ٹک جانب ابرو دیکھا	اتنی سی بات پہ تم کھینچنے تلوار لگے

جلال

جلال - سر آمد شعرائے باکمال حکیم سید ضامن علیصاحب جلال لکھنوی ولد حکیم اصغر علی لکھنوی شاگرد رشید رشک و برق لکھنوی سادات عظام میں سے ہیں اور خاندان میں کئی پشت سے طبابت کا سلسلہ جاری ہے - ان کے والد اپنے وقت کے مشہور طبیب تھے اور اُن کے دادا سید حسین علیخاں صاحب مرحوم حکیم شفائی خانصاحب مرحوم کے فن طب میں شاگرد تھے اور شفاخانۂ شاہی لکھنو میں ملازم تھے اُسی سلسلہ سے ان کے والد کو پنشن ملا کی اور ان کے انتقال کے بعد جناب جلال کے منجھلے بھائی حکیم سید ثامن علی صاحب کو نصف پنشن یعنی پندرہ (۱۵) روپیہ ماہوار مقرر ہوئی اِس وقت آپ کا دم غنیمت اور یادگار سلف سمجھا جاتا ہے اور واقعی اساتذہ متاخرین اور گلشن رام پور کے نامی شعرا میں ایک حضرت جلال ہی باقی ہیں، خدا ان کے انفاس میں برکت دے - سنہ ۱۲۵۰ ہجری میں سید ضامن علیصاحب پیدا ہوئے پل آہنی کے اُس طرف لکھنو میں ایک مشہور محلہ ہے جس کا نام پل ہے اُن کے بزرگ اُس محلہ میں رہتے تھے اور وہی ان کا مولد ہے سنہ ۱۸۵۶ء میں اُس مکان کو چھوڑنا پڑا

کیونکہ اُس محلّہ کے بہت سے مکانات بالکل منہدم اور تباہ ہوگئے۔ بقول مرزا محمد جعفر صاحب اَوج سلمہ اللہ تعالےٰ ؎

یہ ہوا کیسی چلی اِس تنگنائے دہر میں	شہر جنگل ہوگئے آبادیاں بن ہوگئیں

سید ضامن علیصاحب نے نواب آصف الدولہ کے مدرسہ میں تعلیم پائی۔ لیکن شاعری کے شوق نے کتب درسیہ کی تکمیل نہونے دی۔ میبذی تک عربی پڑھی اور فارسی کی درسیات بجائے خود دیکھی۔ جناب مرزا محمد ہادی صاحب عزیز لکھنوی رسالہ معیار جلد ا نمبر ۵ میں ان کی شاگردی کا حال اسطرح رقم فرماتے ہیں۔

"حکیم صاحب ہمیشہ سے فنا فی الشعر رہے۔ کوئی شوق سوا اسکے ہوا ہی نہیں۔ ابتدا میں امیر علیخاں ہلال شاگرد رشک کو اپنا کلام دکھایا وہ عرصہ تک اصلاح دیتے رہے چونکہ ان میں قابلیت اور مناسبت فطری موجود تھی چند ہی غزلوں کے بعد اُنکی طبیعت میں ایک رنگ جداگانہ پیدا ہوگیا۔ جب ہلال نے انکے کلام اور اپنی اصلاح کا اندازہ کرلیا تو خود انہیں میر علی اوسط صاحب کے پاس لے گئے اور اُن کا شاگرد کرادیا۔ یہ مدت تک اُن کے زیر اصلاح رہے۔ اتفاق سے اُن کو سفر عراق پیش آیا۔ ہنوز ان کا کلام محتاج اصلاح تھا اسلیئے اُنہوں نے فتح الدولہ برق سے مشورہ کرنا شروع کیا"

سید ضامن علیصاحب جلال کی شوخی طبیعت اور مشق نے آپکے کلام کو شہرت دی اور اُس صحبت میں شریک ہونے لگے جو خواجہ اسد آفتاب الدولہ قلق کے مکان پر ہر ہفتہ کو ہوا کرتی تھی۔ اس میں بڑے بڑے مشاہیر مثل شیخ امداد علی بحر و شیخ امان علی سحر و اسیر۔ امیر و سید ہادی علی تجو د شریک ہوتے تھے۔ مرزا محمد ہادی صاحب عزیز لکھنوی اس صحبت کا فوٹو اس طرح کھینچتے ہیں۔

"حکیم صاحب (یعنی حکیم سید ضامن علیصاحب جلال) بھی اس صحبت کے جزو اعظم تھے اس بزم میں یہ سب شاعر جن کا اوپر ذکر آچکا ہے اپنا اپنا کلام پڑھتے اور جہاں کسی سے لغزش

لغزش ہوتی تھی فوراً اعتراض ہوتا تھا اور اُس پر بحث کی جاتی تھی۔ مگر انصاف پسند شعرا باہم ایسے شیر و شکر تھے کہ کبھی ایرا د و اعتراض پر شکر رنجی نہ ہوتی تھی۔ پہلے یہی صحبت خاص مصاحب منزل میں ہوا کرتی تھی۔ پھر آفتاب الدولہ قلق کے مکان پر آٹھ سات برس برابر رہی اُس کے بعد منشی مظفر علی صاحب اسیر نے اِس صحبت کو اپنے مکان پر منعقد کیا۔ اِس زمانے میں حکیم صاحب رامپور چلے گئے۔"

۱۲۷۲ھ ہجری میں نوّاب یوسف علی خاں صاحب والی رامپور نے جناب جلال کو طلب کیا اور اُن کی بہت قدر و منزلت کی لیکن نوّاب صاحب کی عمر نے وفا نہ کی اور حکیم صاحب کے پہنچنے سے دو مہینے بعد اُن کا انتقال ہو گیا۔ اور نواب کلب علیخاں مسند نشین ہوئے جنکی قدردانی و سخن فہمی نے بڑے بڑے شاعروں کو رامپور کھینچ لیا اور روزانہ مشاعرے ہونے لگے حکیم صاحب بھی اُن جلسوں کے جزوِ اعظم تھے۔ حضرت جلال خلد آشیان نواب کلب علیخاں کے آخر عہد تک رامپور میں قیام پذیر رہے۔ لکھنؤ اور دلّی اُجڑ کر رامپور میں اہلِ کمال و اہلِ فن کا مجمع تھا اور نواب خلد آشیاں کی زندگی تک وہ گلزار ہرا بھرا رہا۔ اُس چمن کے ایک پھول آپ بھی ہیں۔ مدت تک بزمرۂ شعرائے عالی قدر ممتاز رہے۔ حضرت امیر مینائی اور حضرت داغ دہلوی مرحوم و مغفور اور حضرت جلال مدظلہ میں اکثر صحبتیں گرم رہتی تھیں اور ان تینوں صاحبوں میں ایک خاص خلوص و محبت کا برتاؤ جاری تھا۔ اِن تینوں صاحبوں کی ہم طرح غزلیں دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ تینوں اپنے اپنے رنگ میں پختہ۔ تینوں اپنے اپنے خیال میں راسخ۔ اِن صاحبوں کی یک جہتی اور ہم مشقی ناسخ و آتش و آباد کے زمانے کو یاد دلاتی ہے کہ جس طرح اُنکی غزلیں ہم طرح ہیں اِسی طرح اکثر ان کی غزلیں ایک ہی قافیہ ردیف میں موجود ہیں۔ اور سب پر طرّہ یہ کہ آپس میں رسم و اتحاد اِس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ اکثر ایک ہی جگہ اور ایک ہی صحبت میں تینوں نے غزل کہی۔ کوئی قافیہ کوئی نکال لے گیا۔ کوئی مضمون کسی کا حصہ ہو گیا۔ کسی زمین میں کسی کی غزل بڑھ گئی۔ حضرت جلال کے مسلّم الثبوت اُستاد ہونے میں کسکو کلام

ہوسکتا ہے۔ علمی قابلیت کے علاوہ آپ اس فنِ خاص میں محققانہ اور مجتہدانہ رتبہ رکھتے ہیں اور تمام اصنافِ سخن پر قدرت حاصل ہے۔ ہر رنگ میں آپ کا کلام موجود ہے۔ کہیں تشبیہہ کہیں خیال گوئی۔ کسی جگہ عاشقانہ رنگ ہے تو کہیں محض معاملہ بندی ہے۔ اگرچہ یہ بات کم و بیش سب شعرا میں ہوتی ہے کہ زمین کی مجبوری یا قافیہ کی رعایت سے جہاں جو موقع آتا ہے وہاں اُس رنگ میں وہ کہے بغیر نہیں رہتا۔ مگر انکے ہاں یہ بات بالتخصیص پائی جاتی ہے۔

حضرت داغ کو حیدرآباد تشریف لیجانے کے بعد انکی جدائی کا کمال افسوس و رنج تھا چنانچہ ایک مقطع میں یوں فرماتے ہیں ؎

اے داغ ہے دکن سے بہت دور لکھنؤ	ملتے امیر احمد و سید جلال سے

داغ مرحوم کے خاندانِ شاعری کی زندہ یادگاری۔ خاص ٹکسالی لکھنوی زبان کے سکّے اسی فرمانروائے اقلیمِ سخن کے حکم سے جاری ہوتے ہیں۔ آپکے فیضانِ سخن سے کامیاب ہونیوالے جابجا ہندوستان میں موجود ہیں۔ منجملہ انکے یاس لکھنوی اور احسان شاہجہانپوری۔ ضیا دہلوی۔ جناب اختر رئیس اجی گڈھ اور جناب سیف سربرآوردہ شاعر اور صاحبِ دیوان ہیں۔ آپ کی تالیف و تصنیف سے اردو ادب میں کئی مفید رسالے مثل دستور الفصحا۔ افادۂ تاریخ۔ مفید الشعرا۔ منتخب القواعد شائع ہو چکے ہیں۔ اور چار دیوان غزلوں۔ قصیدوں کے چھپ چکے ہیں۔ سرمایۂ زبانِ اردو (لغت) بھی آپکی ایک قابلِ قدر تالیف ہے۔

بعد انتقال نواب خلد آشیاں آپ کی پنشن سرکار رامپور سے بند ہوگئی تھی۔ اب سُنا گیا ہے کہ چند سال سے پھر موجودہ نواب صاحب رامپور نے وہ پنشن جاری فرما دی ہے۔ پیرانہ سالی و امراضِ لاحقہ کیوجہ سے آپ کئی برس سے خانہ نشین ہیں۔ ریاست مانگرول کاٹھیاواڑ کے قدردان رئیس کے اصرار پر آپ کئی برس وہاں بھی قیام فرما رہے۔ آپکی عمر اس وقت (۱۳۲۵ ہجری) قریب چھہتر برس کے ہے۔ لیکن طبیعت کی شوخی جوانی کا رنگ دکھاتی ہے اس کیفیت کو خود یوں بیان فرماتے ہیں ؎

بت پرستی جلال پیری میں	نادم او بندۂ خدا نہ ہوا

آپکا حال کاتب کو دیا جا چکا تھا کہ آپکی وفات حسرت آیات کی خبر لکھنؤ سے آئی - آپکے صاحبزادے حکیم سیّد مہدی کمال فنِ سخن میں معقول مہارت رکھتے ہیں - فی الحال نواب صاحب بہادر والیٔ رامپور کی مصاحبت میں ہیں "تذکرۂ خمخانۂ جاوید" کی جلد اول کے آخر میں جناب جلال و جناب کمال دونوں کے قطعات تاریخ طبع ہو چکے ہیں - جناب جلال نے بعمر ۷۶ سال بتاریخ ۲۰- اکتوبر ۱۹۰۹ء انتقال فرمایا - اُنکے مرنیسے بزم سخن کی رہی سہی رونق بھی خاک میں مل گئی - اب اُنکے کلام کا انتخاب درج کیا جاتا ہے -

(انتخاب دیوان اول)

کوئے جاناں سے نہ پھر کر دلِ ناشاد آیا
بے مروت کو نہیں بھول کے بھی یاد آیا

طاقت سے سنبھالا نہ تحمل نے دم ہجر
سب دعوی ہی کرتے تھے کوئی کام نہ آیا

ہم تھوڑے ہی سے جرم میں شرمائے ہیں کیا کیا
اِک جرعہ سے پی کے عرق آئے ہیں کیا کیا

لکنے جو لگے یار کو ہم شوقِ ملاقات
پہلو دلِ بیتاب نے بتلائے ہیں کیا کیا

نہ خوف آہ بتوں کو نہ ڈر ہے نالوں کا
بڑا کلیجہ ہے اِن دِل دُکھانے والوں کا

پائی راحت ترے خنجر ہی کے نیچے قاتل
پھر جو ٹھہرا تو یہیں کچھ دلِ بسمل ٹھہرا

خاص ہم پر وہ جور کرتے ہیں
یہ بھی پہلو ہے مہربانی کا

اہلِ دل کے لئے راحت نہیں اِس سے بڑھکر
جسکو سمجھا ہے وہ بیدرد دکھانا دل کا

بتعین یہ ہے مری سُنتا خدا کیا؟
کہ میں ناچیز کیا میری دعا کیا؟

آیا نہ تا زبانِ قلم حرف مدعا
دل ہی میں تھا کہ یاس نے مجھکو مٹا دیا

کہہ کے وہ اٹھ گئے کہ مشکل ہے
سہل کرنا تمھاری مشکل کا

دل کسی کے عشق میں اچھا ہوا جاتا رہا
داغ تھا اک مٹ گیا اِک درد تھا جاتا رہا

کیا تم سے کہیں کہ مرکے منہ پر
کیا لطف رہا ہے زندگی کا

رل گئی خاک میں ہر چند اُٹھی اُٹھ نہ سکی
تیری ٹھوکر نے قیامت کو سنبھلنے نہ دیا

بہت صبر ہے نالے اپنے اگر بے اثر ہیں
ہمیں تو دل کسی کا دُکھایا نہ جائے گا

(ر) مدت کے بعد منہ سے لگی ہے جو چھوٹ کر
توبہ بھی مے پہ گرتی ہے کیا ٹوٹ ٹوٹ کر

(ک) فلک تیرے جگر کے داغ ہیں ہم
مٹائے جا مٹاتا ہے جہاں تک

(ن) مجھ سے سیدھا مری تقدیر کو ہو لینے دو
پھر بتا دوں گا کہ یوں ترچھی نظر کرتے ہیں

اندازۂ طلب سے دیا بڑھ کے جب دیا
کم حوصلہ ہمیں ہیں وہاں کچھ کمی نہیں

صنم کی بے نیازی کہہ رہی ہے
نہیں کچھ فرق بندے میں خدا میں

(ہ) رندوں کی مذمت سے تجھے فائدہ زاہد؟
نیکوں کو نہ بد کہہ کے گنہگار خدا ہو

سو بار دل سے جاؤ چلے آؤ لاکھ بار
تم ہو یہ کوئی نکلی ہوئی آرزو نہ ہو

یہ ہوا اُس کے تری بزم میں حاصل مجھکو
دل گیا ہیں کھو کے دو عالم سے چلا دل مجھکو

غیروں کو تو پلائی ہے ہم پہ چھڑک ہی دے
ساقی بچی کھچی جو سبو میں شراب ہو

(ی) کہتی ہے جلتی ہوئی شمع یہ پروانے سے
کچھ لگی دل کی جو بجھتی ہے تو جل جانے سے

رہ سکے میرے دل میں راحت کو پریشانی ہوئی
خواب کو گھر کر کے آنکھوں میں پشیمانی ہوئی

بولا وہ صنم حشر میں سُنکر مری فریاد
اللہ سے ڈرتا نہیں یہ کتنا نڈر ہے

آپ یہاں سکتے ہیں کیوں ہاتھ ترا رکھا ہے
دل تو ہم لے گئے آپ سینے میں کیا رکھا ہے

نظارہ محو کر دیتا ہے حُسن حیرت افزا کا
حسینوں کا تماشائی تماشا ہو ہی جاتا ہے

نہ ہو برہم جو بوسہ بے اجازت لے لیا میں نے
چلو جانے دو بیتابی میں ایسا ہو ہی جاتا ہے

ولے اُس دردرسیدہ کی بھی تنہائی پر
بیکسی پوچھتی ہو جس سے کہ حال اچھا ہے

اب کسی سے یہ کہیں گے کہ ہمیں رنج ہی دے
شاد ہونے کی تمنا میں تو ناشاد رہے

کعبہ ہو بتکدہ ہو عرش بریں ہو دل ہو
جو مکان جلوہ گہ یار رہے آباد رہے

سمجھتے ہیں تغافل کے بہانے دیر سے جگنے کی
ہنگامۂ محشر کو جگانے ہیں ہمارے

ہنسی رو کی گئی اُسکے نہ مجھ سے تھم سکے آنسو
برابر ایک سی دونوں طرف بے اختیاری تھی

قلق دل کا دعا کو کارگر ہونے نہیں دیتا
دعا جب مضطرب خود ہو اثر پھر اسمیں کیا ٹھہرے

کھول کر بال پریشان نہ کر روح کو تو
او مرے سوگ کے پردے میں سنورنیوالے

(انتخاب دیوان دوم)

بھیجنا خط کا تھا پیام اجل
انتظار جواب نے مارا

جب رو چکا میں دل کی جلن اور بڑھ گئی
نکلی چمک کے دھوپ جہاں مینہ برس گیا

رخ پر کبھی نمود ہوا رنگ بن کے عشق
بو ہو کے پیرہن میں کبھی اپنے بس گیا

فرقت میں درد ایک میرا ہمنشیں رہا
اٹھے بھی کھڑا ہوا تو یہیں کا یہیں رہا

غیر اپنوں نے بنایا جلوہ گاہ یار میں
آنکھ نامحرم ہوئی جب ان سے دل محرم ہوا

پتا کیونکر لے قاتل کسی پیکان کا تیرے
لگا جو تیر آکر ہو گیا جزو بدن اپنا

کوئی دامن جنوں میں کھینچتا ہے آستیں کوئی
اتارے لیتے ہیں خار بیاباں پیرہن اپنا

دیدنی تھی نزع میں اپنی نگاہ یاس بھی
یار سا بے درد تک محو تماشا ہو گیا

گر پڑا یوں تھام کر دل کو میں انکے سامنے
وہ بھی یہ کہتے ہوئے دوڑے اسے کیا ہو گیا

(د) اپنا جسے یہ شیخ و برہمن نہ کر سکے
آیا ہے ہمکو وہ بت بیگانہ خو پسند

(ر) ہنس کے بولا یاد دلائے جو شب کے اختلاط
بھول جاتے ہیں ہم ایسے خواب اکثر دیکھکر

ہنستا رہا جو حال دل پاش پاش پر
کیا روئیگا وہ کشتۂ حسرت کی لاش پر

آرزو ہے کہ بلا کر اسے دل میں رکھیئے
صاحب خانہ جو بن جاتا ہے مہماں ہو کر

نزع میں اس لیئے کھولے ہوئے بال آئے ہیں
روح عاشق کی جو نکلے تو پریشاں ہو کر

قتل عالم کو کیا پھر وہ نہ ٹھہرے قاتل
بھولے بن کر کہیں چھوٹے کہیں ناداں ہو کر

(ض) نہ دیکھنے پائے آنکھ انکو اگر اٹھے بھی نقاب عارض
ہوئی نگاہوں کی اتنی کثرت کہ بن گئی خود حجاب عارض

کہاں یہ سنبل چمن میں کہاں یہ نکہت گل چمن میں
انھیں کا گیسو مثال گیسو انھیں کا عارض جواب عارض

اٹھے ہیں لطف وصل کا جب کہ تم اٹھا دو وصال کی شب
حیا کا پردہ قمر کی چلمن حجاب دیدہ نقاب عارض

(ن)
بانکپن تیرا کسی اور ستمگر میں نہیں
تجھ میں جو نوک ہے قاتل ترے خنجر میں نہیں

اللہ رے تیرگی کہ برنگِ شبِ فراق
تارے گِنا کیا ہوں میں روزِ سیاہ میں

نقشِ قدم پکارتے ہیں راہِ عشق میں
مٹ جائیں حوصلے جسے نام و نشاں کے ہیں

دیکھے ہیں ایک ہی سے تغیر مآل میں
معشوق کے مزاج میں عاشق کے حال میں

حیران سے ہیں دونوں کسی کے خیال میں
آنکھ اپنے رنگ میں ہے تو دل اپنے حال میں

کونسا دام نہاں شیخ کے جامہ میں نہیں
پیچ ایسا بھی کوئی ہے کہ عمامے میں نہیں

(و)
حشر میں چھپ نہ سکا حسرتِ دیدار کا راز
آنکھ کم بخت سے پہچان گئے تم مجھکو

نہ دیکھے جائیں جس سے بیٹھکر پہلو میں داغِ دل
وہ میرا کیوں بنے دلسوز مجھپر مہرباں کیوں ہو

تجھسا بھی یار دلبرِ بیگانہ خو نہیں
اپنا کرے ہزار کوئی تجکو تو نہ ہو

اللہ رے بیخودی کہ وہ پہلو میں بیٹھکر
لیجائیں دل نکال کے ہمکو خبر نہ ہو

وہ رنج کیا کہ جس سے نہ راحت ہو عشق میں
وہ درد کیا جو دل کی تڑپ کی دوا نہ ہو

معشوق ہی نہیں ہے جو عاشق سے بے سبب
تیور نہ بدلے روٹھ نہ جائے خفا نہ ہو

کیا رشک ہے کہ یہ بھی نہیں خود چاہتے ہیں ہم
نالہ بھی گوشِ یار تک اپنا رسا نہ ہو

دکھایا اُسنے جلوہ اور کسی نے کچھ نہیں دیکھا
گواہی اسکی دینی ہوگی چلکر میری حیرت کو

(ی)
نجات ہوگئی ناصح سے عمر بھر کے لیئے
اُسی کو بھیجدیا یار کی خبر کے لیئے

ڈھونڈھ دیتے ہیں اُس بُت کو کہیں سے اے شیخ
تم خدا ترس سے بنتے اک کام ہمارا کرتے

شغل گر ڈھونڈتے ہو جی کے بہلنے کے لیئے
دل میں آبیٹھو کلیجہ میرا ملنے کے لیئے

سوچ کر رنج دیجئے دل کو
اس میں پہلو ہیں میری راحت کے

بے نشاں ہوگئے ہیں یعنی اپنے تمھاری شہرت
تم مٹاتے رہیں ہم نام تمھارا کرتے

تڑپ تڑپ کے جو عاشق تمام ہوتا ہے
تمھاری تیغِ نگاہ ہی کا نام ہوتا ہے

آنکھوں میں جگہ کی اُدھر سے اُدھر آئے
دل میں لیکے صنم چلتے ہی پھرتے نظر آئے

میری تڑپ نے یار کی شوخی نے بزم میں
تصویر کھینچ دی ہے سوال و جواب کی

تیرے سب ناز ہیں گو زندہ ہی کرنے والے
ڈھونڈ لیتے ہیں بہانہ کوئی مرنے والے

کافر و مومن جسے دونوں نہ اپنا کر سکیں
برہمن مجھکو بت بیگانہ ایسا چاہیئے

کہتا ہے یہ دل جب سے گیا ہے کہیں قاصد
کیا ہو گئے ہیں تم جو کچھ اچھی خبر آئے

میکدے کی خاک تک لے ڈالیئے یہ دلمیں ہے
کس خرابانی کی مٹی اپنی آب و گل میں ہے

ہم کعبہ میں آکر یہ دعا کرتے ہیں اے شیخ
بت لے کے نکلیئے کوئی اللہ کے گھر سے

لو بند کئے بیٹھے ہیں ہم دید کے مشتاق
اب دیکھیں تو آجاتے ہو تم دلمیں کدھر سے

خواب غفلت ہی ہے بہتر کہ ہم آغوش ہے یار
آنکھ کھلنے پہ یہ سامان رہے یا نہ رہے

میخانہ پوچھتا تھا کہ میں خانۂ خدا
بہکا کے لائے حضرت زاہد کدھر سے مجھے

قدموں سے ہم لگے ہوئے تھے یا جدا ہوئے
مہندی سے تھے انکی پاؤں کی ایڑیاں پا ہوئے

لو جی گئے جو آ کے کہا تم نے مر کہیں
اچھی گھڑی سے کوسنے ہمکو دعا ہوئے

(انتخاب دیوان سوم)

غم دلدار جب آتا ہے دل خوش ہو کے کہتا ہے
مرا سرمایۂ عیش و نشاط زندگی آیا

سنبھالا در رونے فرقت میں دلکو بھی جگر کو بھی
ادھر گھبرا کے جا نکلا ادھر مضطر کبھی آیا

کیا تھی کیسی ترچھی نظر کچھ نہ پوچھئے
اک تیر تھا کلیجے کے جو پار ہی رہا

کیا نیند ہوشیار تھی اسکی شب وصال
سو بھی گیا وہ فتنہ تو بیدار ہی رہا

پوچھتے کیا ہو کہ کیا چیز ہے آنا دل کا
دین و دنیا سے اسے کہتے ہیں جانا دل کا

بولے ہنسکر جو کہا رو کے فسانہ دل کا
دل لگی سمجھے تھے کیا آپ لگانا دل کا

عشق میں ہم یہ نصیحت کیئے رکھتے ہیں جلال
رازداں کو بھی نہ تم بھید بتانا دل کا

وہ دل کہا جان بھی لیکر کہیں گے
کہ تو کیا اور تیرا حوصلا کیا؟

عدو کو خوش ہیں نا شاد رکھنا
ذرا اے چرخ اس کو یاد رکھنا

مرا دل لیکے تم بھولے تو بھولے
ستم ہے بوسہ دے کر یاد رکھنا

بند و بست اپنا کیا خاک اُنکے گھر میں غیر نے
میں نہیں میرا خیال آتا رہا جاتا رہا

اگلے معشوقوں کا ذکر آیا جو اُس بیمہر سے
ہنسکے بولا اب وہ دستورِ وفا جاتا رہا

کوئی ایسی بھی جفا ہے کہ اوا سمیں نہیں
لُطف ہم سے کوئی پوچھے تری بیداد وں کا

دونوں آنکھیں ہیں جلال اشک فشاں فرقت میں
ایک ساون کا سماں رکھتی ہی اک بھادوں کا

مجھے جان دیکے اتنی بخدا خوشی نہ ہوتی
مرے مرنے کا ذرا بھی جو تمھیں ملال ہوتا

سرگرم شوقِ دید ہے پھر کوئی طور پر
تم بھی جلے کو آور جلاتے تو خوب تھا

(ر)

عاشق سے اگر دور ہی رکھنا تھا الٰہی
جنت میں نہ رکھا اُسے کیوں حور بنا کر

اگلے دل کے داغوں سے ہیں دل کی پھانسیں
یہ نکلے ہیں کانٹے گلستاں سے بچکر

جل بجھا وہ اور یہ جلتی رہی
شمع سے کیا کر گیا پروانہ چال

وہ جو آسئے ہیں زخود رفتہ ہوا
چل گیا مہماں سے صاحب خانہ چال

(ن)

دم مرا کہتا ہے نے نکلوں گا اک دن اپنے ساتھ
میں تمھاری حسرتِ دل کے مددگاروں میں ہوں

بچاتے ہیں تمھیں الزام سے تم پر جو مرتے ہیں
ادا پر جان دیتے ہیں قضا کا نام کرتے ہیں

دیئے جائیں وہ ہمکو گالیاں جھوٹا کہے جائیں
ہماری توبہ خوری بوسے لیکر کرتے ہیں

(و)

غمخوار بھی ہو حضرتِ دل جاں نثار بھی
سب کچھ ہو جان کا مری لیکن عذاب ہو

درد دل کا ہے ترقی پہ اگر ہونے دو
جاؤ تم حال مرا نوع دگر ہونے دو

بگڑ بیٹھے کوئی اوروں سے بنے جان پہ اپنی
عاشق ہی کے سر آتی ہے آفت ہو کسیکی

اکیلے کا کہیں دو سرکشوں سے زور چلتا ہے
دوپٹہ لاکھ سینے پر سنبھالو کب سنبھلتا ہے

مار ڈالا مرے سبلے پردہ نہ ہونے والے
اب تو منہ کھول دے منہ ڈھانک کے رونیوالے

دل سے طوفان محبت میں اُٹھائے کیا کیا
خضر ہی ٹھیرے مرے ناؤ ڈبونیوالے

خوبرویوں کے بگڑنے میں بھی ہیں لاکھ بناؤ
کہیں اچھوں کی کوئی بات بُری ہوتی ہے

آئے شبِ وعدہ کوئی اور آ کے پلٹ جائے / یوں بھی کسی کم بخت کی قسمت نہ الٹ جائے

سی لیں گے گریباں کو ہم۔ یہ تو بتا دو! / کسطرح رفو ہو نہیں دل تم سے جو پھٹ جائے

کھنچکے ملتے ہیں گر وہ مجھ سے ملتے ہیں ضرور / کیا شک اے جذبِ محبت تری تاثیر میں ہے

اک گلا غیر کا جس میں ہیں وہ دستِ نازک / ایک گردن مری جو طوقِ گلوگیر میں ہے

(انتخاب دیوانِ چہارم)

دلبری کی تو ادائیں تھیں انوکھی اُن کی / جاں ستانی کا بھی انداز نرالا ہوتا

شرم کو آپ کی اللہ سلامت رکھے / شوخیوں سے تو مجھے مار ہی ڈالا ہوتا

سامنے میرے حیا نے انھیں آنے نہ دیا / خاک میں نیچی نگاہوں سے ملانے نہ دیا

مرنے دیتی نہیں اُمیدِ وصالِ جاناں / دل کے آنے نے کہیں جان سے جانے نہ دیا

اک قدم جانا نہیں دشوار تھا / شوق لیکر سیکڑوں منزل گیا

رہتا ہے سب کچھ [illegible] / یہ چپ شدہ وہ ہے جسکو ابھی مرنا نہیں آتا

کیوں حشر کے فریادیوں سے تو خفا تھا / کیا ظلم نہیں کرکے مکرنا نہیں آتا

کچھ کوئی مقام کر رہ گیا ہے / اُدھر جانے والے اِدھر دیکھ لینا

فلک سے ٹپکتے ہوئے تم حیا کی صورت / دکھا دیگی چشمِ تر دیکھ لینا

تماشا مری بیقراری کا آ کر / شبِ وعدہ تم رات بھر دیکھ لینا

(۲)

اس کی سی کہنے لگے دیکھ کے ناصح اب آپ / ہنسکے جا بیٹھے ہیں حضرت مَن دیکھ لیا

صدقے دلِ ستم زدہ کی آن بان پر / تیور نہ بگڑے بن گئی گو اسکی جان پر

جب آتے ہیں تڑپتے کوئی قاتل سے نکلتے ہیں / جگر تھامے ہوئے دل کو بسمل سے نکلتے ہیں

دیکھا انکے ایک آنسو بھی کھینچیں ہے لاکھ آہیں / ڈھونڈیں کیا اے اثر اپنے تجھے دل سے نکلتے ہیں

عشق جس دل میں ہو کیونکر نہ شرر اس سے اٹھیں / چوٹ کھا کر جو نہ نکلے آگ وہ پتھر ہی نہیں

ہمہ تن آرزو شوق و تمنا میں ہوں / لاکھ جھگڑے ہیں مرے ساتھ وہ تنہا میں ہوں

پوچھنا میرا کہ لی کس نے جگر میں چٹکی
پوچھ تو جاتے ہیں آپ آکے کبھی میرا مزاج
جلا کر رکھتی ہے امید وصل اے ہمنشیں برسوں
نہ جیتے جی ملی راحت نہ بعد مرگ الفت میں
نہ پینا تھا نہ بوسے لب بلب ہو کر دیئے اُسنے
ہنسنے آنا مرنے والوں کو قضا آتی نہیں
ہجر کی شب ہو گئی گویا ہر آفت کی سپر
کوئی سا دل ہو کہیں دلمیں نہیں گھر اُن کا
لن ترانی ہے سر طور تو موسیٰ ہی سے ہے
سوال سُنکے مرا چُپ ہو کچھ جواب نہیں
جو پوچھا وصل میں محبوب کیوں اکو لڑ رہا تم ہو؟
کسی کا آکے میت پر ہماری ناز سے کہنا
تیغ ادا کو دیکھو دل کی سپر کو دیکھو
دیکھو نہ آئینے میں اپنی نظر کو دیکھو
روز سپید میرے انساں پناہ مانگے
نالہ اٹھتا ہے تو اک دل میں چمک ہوتی ہے
جلال آتا ہے لب کوئی ہیں مرگ
لازم ہے چشم و دل کو تدبیر اپنی اپنی
نامہ نہ کے وہ بھیجیں پہنچے مرے عدو کو
عاشق کے سامنے وہم آخر تو آئیے
مرض ہے یا قضا کیا جانئے کیا ہے؟

اُس دل آزار کا شوخی سے یہ کہنا میں ہوں
اپنا بیمار ہی رکھیے یونہیں اچھا میں ہوں
رہے گو جاں بلب عاشق مگر مرتا نہیں برسوں
فلک کی کیا شکایت ہمکو ہیا کی زمیں برسوں
اسی اُمید میں لب پر رہی جانِ حزیں برسوں
کیا تمھیں بھی جان لینے کی ادا آتی نہیں
اِس بلا کے خوف سے کوئی بلا آتی نہیں
سب کے جان بھی ہیں پھر کہیں جانے بھی نہیں
ہم جو ایسی نہیں سُنتے تو سُناتے بھی نہیں
یہ کیا کہ ہاں ہے نہ او شوخ بیحجاب نہیں
تو شوخی سے وہ بول اُٹھے سر کتنے بیحیا تم ہو
کبھو بیگانہ خونا آشنا آتے سہم ہیں یا تم ہو
تیر نگہ کو دیکھو میرے جگر کو دیکھو
حالت ہے کیا ہماری پہلے اِدھر کو دیکھو
ہر تر ہے شام غم سے رنگ سحر کو دیکھو
اشک رکتے ہیں تو آنکھوں میں کھٹک ہوتی ہے
اجل بھی دوست ہے بس جیتے جی کی
پھر خشک جو دکھاتے لغت یہ اپنی اپنی
لکھتا ہے اپنا اپنا نقش دیر اپنی اپنی
پردہ اُٹھا دیجئے ملک الموت ہٹ گئے
یہ درد لا دوا کیا جانے کیا ہے؟

نہیں معلوم کیا کہتی ہے غیرت	تقاضا شوق کا کیا جانے کیا ہے؟

جلال

جلال - مولوی سید الٰہی بخش عرف ملا جلال عظیم آبادی۔ آپ پٹنہ کے سادات عظام سے تھے اور حضرت واسخ دہلوی کے تلامذۂ رشید میں آپ کا شمار تھا۔ فارسی زبان میں آپکی لیاقت قابل امتثال تھی اور اس زبان میں شعر بھی خوب کہتے تھے۔ اردو کی طرف توجہ بہت کم تھی۔ محض باستخاطر احباب سے کبھی ایک آدھ غزل کہہ لیتے تھے۔ سالہاسال بمبئی اور حیدرآباد دکن میں اپنے استاد کی خدمت میں رہے اردو کلام میں بھی صفائی اور شوخی کے علاوہ مضمون کی حلاوت ایک خاص مزہ دیتی ہے۔ بندش بھی بہت چست طرز بیان کا سلیقہ اچھا تھا ۲۲ برس کی عمر میں اوائل سنہ ۱۹۰ء میں انتقال کیا۔ کلام پراگندہ ہوگیا بصد دشواری چند غزلیں ہم پہنچیں اُن کا انتخاب درج ذیل ہے فقیرانہ روش اختیار کر رکھی تھی۔

نہ کیونکر دل میرا مشتاق ہو ہر بار نشتر کا	مرا غمخوار نشتر اور ہیں غمخوار نشتر کا
نہاں رہتا ہے دل سینے میں پہلو میں جگر مضطر	کہیں آزار خنجر کا کہیں آزار نشتر کا
ترے قدموں کی ٹھکرائی ہوئی ہے	کرے تجھ سے قیامت سامنا کیا
قیامت ہی کے دن وہ پاک ہوگا	جو کچھ جھگڑا ہے رند و پارسا میں
دم رخصت رہی جاتی ہیں افسوس	تمنائیں دل درد آشنا میں
کبتک غم فراق کا صدمہ سہا کرے	اب بیقرار یہ دل بے اختیار ہے
رہروانِ رہِ تسلیم تھکے ہیں ہرچند	پھر یہ ہمت کہ کمر بستہ ہیں چلنے کیلئے

جلیس

جلیس - نواب سید محمد مہدی علیخان بہادر الموسوی نیشاپوری مرحوم خلف نواب سید علی نقی خان بہادر صمصام الدولہ ناصر الملک شوکت جنگ متخلص بہ عمی و ناصر۔ جناب جلیس ۱۲۴۵ھ میں بمقام لکھنو پیدا ہوئے اور ۲۶ ذی الحجہ سنہ ۱۳۰۰ھ میں بعارضۂ فالج وہیں انتقال فرمایا۔ اور نور باڑی مدفن خاندانِ نیشاپور میں پیوند زمین ہوئے۔ آپ کو شیخ امام بخش ناسخ مرحوم سے تلمذ تھا۔ آپکے صاحبزادے نواب سید عسکری مرزا خاں بلیغ اور سید محمد جعفر خان

ریاض لکھنؤ میں موجود ہیں۔ کلام باوجود تلاش نہ مل سکا صرف چند شعر ملے وہ حاضر ہیں۔

خود بخود آپ جو تشریف مرے گھر لائے
آگیا آج یہ اے جانِ جہاں کیا دل میں

ربط غیروں سے ہے منظور کہ ہم سے صاحب
سچ بتا دیجئے جو کچھ ہے ارادہ دل میں

یکتائی کا دعویٰ تجھے اے یار بجا ہے
تجھسا کوئی دنیا میں نہ ہوگا نہ ہوا ہے

زاہد شیدا ہوں میں دل و جاں سے تصدق
دیکھا نہیں اس بت کا مگر نام سنا ہے

جلیس۔ محمد جلیس آپ بدایوں کے رہنے والے تھے۔ اٹھارویں صدی کے آخر میں آپکا عالم شباب تھا اور اکثر رباعیاں کہا کرتے تھے۔ جو کلام نظر سے گذرا اس میں سے یہ رباعی منتخب ہو کر درج کی جاتی ہے۔ جلیس

غیروں کو دکھا کے یہ رنگیلی آنکھیں
کیوں کرتے ہو ہم پہ نیلی پیلی آنکھیں
جی بھر کے یہ چھپ کر کریں ہیں قتل مردم
آفت ہیں غضب تری کٹیلی آنکھیں

جلیس۔ منشی سید ابو محمد لکھنوی خلف الصدق جناب جلیس و نبیرہ میر انیس۔ غزل اور مرثیہ گوئی دونوں میں جناب پیارے صاحب رشید سے اصلاح لیتے ہیں۔ زبان صاف اور فصیح بندش چست مضمون بلند۔ الغرض تمام خوبیاں آپکے کلام میں موجود ہیں مسودہ کاتب کے پاس جاچکا تھا کہ رسالہ معیار سے آپکے بیوقت انتقال کی خبر معلوم ہوئی۔ جناب جلیس بہت ملنسار اور دوست پرست شخص تھے آپ نے عین جوانی میں ۲۴ جمادی الاول ۱۳۲۵ھ کو انتقال کیا اور اپنے دادا میر انیس کے پہلو میں دفن ہوئے۔ گذشتہ تین چار سال میں آپ نے بڑی شہرت حاصل کر لی تھی۔ آپکے خاندان کے شیدائیوں کو ان سے بڑی امیدیں تھیں مگر سب پر آپکی بیوقت وفات سے پانی پھر گیا۔ مشفقی و مخلصی مسٹر حامد علیخاں صاحب نے ازراہ عنایت چند غزلیں ارسال کیں ہدیۂ ناظرین کیجاتی ہیں۔ جلیس

غافل اس حالت میں دیکھا جس نے وہ غمناک تھا
صبح محشر کا گریباں تا بہ دامن چاک تھا

قبر میں ہر طرح کا سامانِ راحت تھا بہم
تو جو پہلو میں نہ تھا اے بیوفا سب خاک تھا

سیرِ گلشن میں نہ آیا کچھ نہیں عاشق کا دھیان
بہار آئی ہے دل مائل ہوا وحشت کے ساماں پر
نظر بدلی نکل آیا گیسوؤں میں خم ہوئی ابرو
سراپا سوختہ ہوں کشتۂ برقِ تبسم ہوں
ہوئے ہیں قہر جیسے عاشقِ چشمِ بتاں تیرے
ہوئے ہیں خنجر کے نقشِ قدم سبیلِ فنا مجھکو
جفا کس لطف سے کرتا ہے مجھ پر چارہ گر جی کے
اسیری میں بھی مجھکو دھیان ہے دل کی تسلی کا
جلیس اچھی نہیں یہ خوش بیانی بزمِ عالم میں
کیا فرشتے بھی الفت کے نام کو روشن
مجھے غرور ہے اس کا کہ دل ہے سینے میں
خموش رہ نہیں سکتا قفس میں ایک گھڑی
کسی جگہ پہ ہے بلبل کہیں ہے پروانہ
تمہارے مصحفِ رخسار میں ہے یہ تحریر
اسکو کہتے ہیں کشش یہ جذب کی تاثیر ہے
صبح ہوتے ہوتے جلکر خاک ہو جائینگے ہم
پھلی ہے کھینچکر صحرائے وحشت کیطرف
یہ بھلا کوئی غزل گوئی کی صورت ہے جلیس
دعا قبول نہیں ہم سے عشق بازوں کی
نور پھیلا ہے نقاب اٹھے ہوئے بیٹھے ہو تم
گدائے عشق سمجھ کے ذرا نگاہ ملے

جن کو تم صد برگ سمجھے ہو دلِ صد چاک تھا
نظر میری کبھی زنجیر پر ہے گاہ زنداں پر
جوانی آئی واں یاں آفتیں آئیں دل و جاں پر
چلا جاتا ہے کیونکر ہاتھ رکھوں قلبِ ویراں پر
ہیں اک عالم کی آنکھیں روزنِ دیوارِ زنداں پر
ٹھہر سکتا نہیں دم بھر زمینِ کوئے جاناں پر
نظر ہے زخمِ دل پر ہاتھ ظالم کا نمکداں پر
کہ نقشہ کھینچتا ہوں زلف کا دیوارِ زنداں پر
کہ یہ باتیں گراں ہیں دوست دشمن کے دل و جاں پر
چراغِ گورِ غریباں بھی وفا میری
آنکھیں ہے ناز بہت زلف ہے رسا میری
پسندِ خاطرِ صیاد ہے صدا میری
نئی ہے عالمِ نیرنگ میں وفا میری
کہ چاہیے دلِ بیمار کو [illegible] میری
ایک ہی جا قلب میں سوفار و نوکِ تیر ہے
آج اے دل قصدِ ضبطِ نالۂ شبگیر ہے
آ پہنچے دیوانے کو موجِ ہوا زنجیر ہے
دل ہمارا رنج و غم کی آجکل تصویر ہے
جو بندے بت کے ہیں سنتا نہیں خدا انکی
چاندنی شرما رہی ہے بام پر آ کے جو تم
زکوٰۃ حسن کی بوسہ خدا کی راہ ملے

قتل سے محروم ہوں میں ضعف کی تاثیر سے
سو قدم پر اُٹھ کے گرتا ہوں ہوائے تیر سے

تشنہ کامانِ محبت پر انھیں رحم آ گیا
سب کے دل ٹھنڈے کیئے آبِ دمِ شمشیر سے

کیا تعجب ہے جو حُسن و عشق کی تاثیر سے
دوست کو آواز سکئے دوست کی تصویر سے

جلیس

جلیس ۔ منشی محمد مُبین قصبہ مچھلی شہر ضلع جونپور کے باشندے اور حضرت احسان شاہجہانپوری کے شاگردوں میں درجۂ امتیازی رکھتے ہیں۔ چند سال ہوئے "بہارِ سخن" نامی ایک پرچہ بھی جاری کیا تھا جو چند ماہ چلکر بند ہو گیا فارسی استعداد معقول اور طبیعت کا رنگ یہ ہے۔

دل پھنستے ہیں جس چال میں وہ لغزشِ پا ہے
ساقی تری رفتار میں مستانہ ادا ہے

گھونگھٹ میں تڑپتی ہے اُن آنکھوں کی شرارت
بے چین وہ ارمان بھرے دل کئے لیئے ہے

بتوں پر جان جاتی ہے حسینوں پہ فدا دل ہے
مری مٹی میں خاکِ کشتگانِ عشق کا گِل ہے

دلِ مجروح کو تڑپا دیا بلبل کے نغموں نے
نمک پاشِ جراحت باغ میں شورِ عنادل ہے

صُراحی سے نہ کچھ مطلب نہ مینا کی مجھے خواہش
یہاں خونِ تمنا سے لبالب ساغرِ دل ہے

قیامت میں جلیس اب ان بتوں کو کیا کریں رسوا
کسی سے کیا کہیں کیونکر مرے ہیں کون قاتل ہے

جلیل

جلیل ۔ منشی علی مرزا صاحب جلیل ۔ باوجود تلاش آپ کا حال اسیقدر معلوم ہوا کہ آپ زمانۂ غدر میں لکھنو میں زندہ سلامت موجود تھے ۔ یہ آپ کا کلام ہے۔

غیر ممکن ہے کہ اُسکو دمِ محشر دیکھیں
جو نہ دیکھا ہو اُسے آنکھ سے کیونکر دیکھیں

کل کا پتلا ہوں اشاروں سے نگہ کے مجھکو
جسطرف آپکا جی چاہے پھرا کر دیکھیں

چشمِ ساقی میں مُروت کا ذرا نام نہیں
کیا ندیدوں کی طرح جانبِ ساغر دیکھیں

ہے عجب تاثیرِ عشقِ ابروے خمدار کی
ورد بھی اُٹھ کر دکھاتا ہے چمک تلوار کی

چین سے سوئے نہ کیونکر رات بھر وہ مستِ ناز
لے گیا ہے نیند میرے دیدۂ بیدار کی

وا ہوئیں غفلت سے آنکھیں دیکھکر مُوئے سفید
صُبح ہوتے ہی دکانیں کھلتی ہیں بازار کی

جلیل

جلیل ۔ شاعرِ جلیل، فاضلِ نبیل، فخرِ زمن حافظ جلیل حسن خلف مولوی حافظ عبدالکریم صاحب

مانکپور کے رہنے والے اور حضرت امیر مینائی مرحوم کے شاگرد رشید و جانشین مشہور ہیں۔ قریب ۷۰ سال کے عمر ہے۔ نہایت متین و مہذب اور خاموش آدمی ہیں۔ ۲۰ برس کی عمر میں منشی صاحب کے شاگرد ہوئے عرصۂ دراز تک بلکہ منشی صاحب کے آخر زمانے تک دفتر امیر اللغات کے سکرٹری رہے۔ اپنے بزرگ استاد کے ہمراہ حیدر آباد دکن گئے اور بعد انتقال حضرت امیر مینائی مرحوم آج تک وہیں اقامت پذیر ہیں۔ مہاراجہ کشن پرشاد بہادر پیشکار و مدار المہام حیدر آباد دکن کی سرکار سے سو روپیہ وظیفہ پاتے ہیں۔ اور اکثر حیدر آباد کے خوش مشق شعرا آپ سے فن سخن میں مستفید ہوتے ہیں۔ منشی صاحب کی وفات کے بعد مرحوم کے بعض تلامذۂ نامی مثل حضرت ریاض، مضطر، وسیم وغیرہ نے جناب جلیل کو منشی صاحب کا جانشین قرار دیا۔ چنانچہ اب وہ اسی لقب سے لکھے جاتے ہیں اور اکثر تلامذۂ حضرت آپ سے مشورۂ سخن کرتے ہیں۔ فارسی کی استعداد زبردست ہے اور عروض و قوافی میں خاص دخل رکھتے ہیں۔ الغرض شاعری کے متعلق جتنی معلومات ضروری ہیں آپ اُن سے بخوبی بہرہ ور ہیں۔ کلام کا پایہ نہایت بلند ہے۔ ساری اُستادانہ ترکیبیں پائی جاتی ہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ سادگی بیان و صفائی زبان کے ساتھ ساتھ بلند پروازی اور نازک خیالی دو متضاد صفتیں آپکے کلام میں جمع ہوئی ہیں جو بہت ہی کم کسی کے کلام میں ہوا کرتی ہیں۔ اشعار میں بانکپن کے ساتھ ایک خاص مزہ ہے جو سامع کے دل کو اپنے جادوانہ اثر سے تڑپا دیتا ہے۔ اگرچہ ان کے اکثر اشعار رعایت لفظی اور محاورہ بندی سے باہر نہیں ہوتے مگر بندش کی چستی اور بیان کی سلاست اُس نامطبوع رنگ کو نہایت دلچسپ بنا دیتی ہے اور بے اختیار مُنہ سے تعریف نکلتی ہے۔ آجکل دنیائے شاعری میں آپ امتیازی نظر سے دیکھے جاتے ہیں اور حقیقت میں اسی قابل ہیں۔ مذاق سخن نہایت پاکیزہ اور ستھرا ہے جسکی جلا نے انکی خداداد طبیعت کو اور بھی چمکا دیا ہے۔ حضرت امیر نے جسقدر انکے کلام کی تہذیب اور اصلاح میں محنت کی اس سے بہت زیادہ اُس کا نتیجہ بھی دیکھ لیا۔ بلاغت متانت

خوش مذاقی، شوخی، مضامین عالی کی بلند پروازی ان میں سے کونسی شے ہے جسکی بتصریح تعریف کی جائے سبھی کچھ ہے اور اپنے اپنے محل اور موقعہ پر ان میں سے ہر چیز کا اچھا شعر بنا ایک مناسب طریقہ سے صرف ہے۔ اکثر اشعار ایسے ناخن بدل زن اور لذتِ عشق چشیدہ دلوں کو تڑپا دینے والے نظر آئے۔ آپکی طبیعت ہمہ گیر اور پُر گو واقع ہوئی ہے۔ نیکدلی اور انکسار منشی صاحب سے فیضانِ صحبت کا اثر ہے اور غالبًا اسی ایک صفت نے انھیں منشی صاحب کا جائز جانشین بنوا دیا۔ ایک دفعہ راقم تذکرہ کو آپنے تحریر فرمایا کہ "کوئی امتیاز خاندانی علمی وعملی ایسا نہیں ہے جو قابلِ ذکر ہو سوائے اسکے کہ حضرت امیر مینائی قدس سرہ کی خدمت میں مدت دراز تک رہنے کا اتفاق ہوا ہے سہ جمالِ ہمنشیں در من اثر کرد وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم" جوان صالح اور پابند مذہب ہیں۔ خدا انکی عمر میں برکت دے اور اس رتبہ شاعری کو پہنچا سکے جو آپکے استاد مرحوم کو حاصل تھا۔ اصناف سخن پر وہی قدرت اور قبضہ حاصل ہے۔ آپکا دیوان ابھی شائع نہیں ہوا اکثر غزلیں ماہوار رسالوں میں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ رسالہ محبوب الکلام جو مہاراجہ مدار المہام کی زیر سرپرستی شائع ہوتا ہے اسکا اہتمام آپ ہی سے متعلق ہے۔ باعتبار قدردانی فن ہوا ہر قابل حضرت ... کا بل دس سال کی آستانہ بوسی کے بعد اوائل سنہ رواں ۱۳۲۸ھ میں حضور نظام نے بپاس ... مدار المہام کی پرزور سفارش پر آپکی قدر افزائی فرمائی اور آپ زمرۂ شعرائے دربار میں منسوب ہوکر اب پانسو روپیہ ماہوار مشاہرہ پاتے ہیں۔ جناب امیر کے صاحبزادے منشی لطیف احمد اختر کا بھی جن کا ذکر نمبر جلد اول میں آچکا ہے اسی سلسلے میں چار سو روپیہ ماہوار کی منصب پر تقرر ہوا ہے

اب انتخاب کلام ملاحظہ ہو۔

پیو تھا یار باد خفا تھے پہلا
لوٹتے ہیں غنچے بھی آن پہ پہلو دل
ہائے کیا لذت بھری تھی تیغ ناز

دل ہوا دل کا نہ جانا پیدا
مسکرا کر زخم کو دیکھا کھل گیا
زخم روتے ہیں کدھر قاتل گیا

بتوں کو چھوڑ کے نام خدا لگے رٹنے
جلیل آج یہ دل میں تمھارے آئی کیا

بلبل کی بہار میں نہ پوچھو
منہ چومتی ہے کلی کلی کا

درد والے کو دوڑتے ہیں پرائی آگ میں
تو جو اٹھی شمع سے پروانہ جل کر رہ گیا

کچھ بجھا نا ہمنے کب چمکی تری برقِ جمال
اسقدر جانا کہ دل پہلو میں جل کر رہ گیا

جب ترے عشق کا پھندہ مری گردن میں رہا
پھر برابر ہے قفس میں کہ نشیمن میں رہا

کبھی اس گل کا لیا بوسہ کبھی اس گل کا
اے جنوں مشغلہ اپنا یہی گلشن میں رہا

صبح ہوتے ہی ہوا جامہ دری میں مصروف
ہائے وہ ہاتھ جو شب بھر تری گردن میں رہا

لوگ آرام کی خاطر رہے دُنیا میں خراب
اور آرام چھپا گوشۂ مدفن میں رہا

پھول بنکر مرے اشعار بٹے یاروں میں
داغ بنکر مرا مضموں دلِ دشمن میں رہا

چاک داماں یوسف تو کوئی بات نہ تھی
ہائے وہ چاک زلیخا کے جو دامن میں رہا

دونوں خواہاں کہ تری تیغ مری ہو کے رہے
مرتے مرتے یہی جھگڑا سر و گردن میں رہا

قیس و فرہاد کا بھرتے رہے بہروپ جلیل
یہی سودا تھا یہی کھیل لڑکپن میں رہا

مانگے جائینگے تجھکو تجھ سے ہم
منہ میں جبتک زبان ہے گویا

مژہ کی پھانس چبھنے سے مزا پورا نہیں آتا
یہ بڑھکر تیر ہوتی تیر دل کے پار ہو جاتا

یہاں تو ہے غرض اس سے کہ جینے کا سہارا ہو
وہ ملتے یا نہ ملتے وصل کا اقرار ہو جاتا

ترے جلوے سے غش آتا نہیں موقوف موسیٰ پر
یہ وہ مے ہے کہ جو پیتا وہی سرشار ہو جاتا

کیا چلکر مجھے بسمل تو کیا تعریف ناوک کی
تری چٹکی میں رہتا اور دل کے پار ہو جاتا

ہمارا طائرِ دل مرغِ دست آموز ایسا ہے
جو تم چمکارتے چٹکی بجاتے یار ہو جاتا

تم وہاں پاس ہو نہیں موقع حجاب کا
کیوں تو جھڑا لو پھول سے منہ پر نقاب کا

آتے ہی سبزہ باغ دکھا کر ہوا ہوا
جھونکا تھا اک صبا کا زمانہ شباب کا

تصویر اُن کی سارے مرقع کی جان ہے
گویا چمن میں پھول کھلا ہے گلاب کا

اُس برقِ وش کو تو کہیں دم بھر نہیں قرار
کس پر پڑے گا صبر مرے اضطراب کا

بچپن کہاں تک اُن کی اُمنگوں کو روکتا
آخر کو رنگ چھوٹ ہی نکلا شباب کا

دل نے کیا ہے فتنۂ محشر سے مشورہ
تو خاکِ راہِ دوست ہو میں خاکِ پائے دوست

اللہ اللہ کوئے جاناں کی زمیں ہے وہ زمین
سیکڑوں بیٹھے ہیں گھر چھوڑے جہاں میری طرح

پر توِ رُخ کا تماشا جلوہ گہ میں دیکھئے
لوٹتی پھرتی ہیں ہر سو بجلیاں میری طرح

ستم ہے مبتلائے عشق ہو جانا جواں ہو کر
ہمارے باغِ ہستی میں بہار آئی خزاں ہو کر

ستم ڈھاتے ہیں تیرِ ناز دل میں میہماں ہو کر
رہے تو دردِ دل ہو کر جو نکلے تو فغاں ہو کر

یہی عالم ہے گر جوشِ جنوں میں خاک اڑانے کا
زمیں بھی سر پہ اک دن آ رہیگی آسماں ہو کر

حسیں ہیں انکو ہر صورت سے اپنا کام کرنا
بگڑ کر مسکرا کر گرم ہو کر مہرباں ہو کر

ہستی و عدم دونوں ہمارے ہی تو گھر ہیں
اُس گھر میں چلے جائینگے اِس گھر سے نکلکر

کھلے جاتے ہیں قاتل کی ادا پر
کہیں مُنہ پھر نہ زخموں کے سیئے جائیں

ہماری بے خطا یا پیارے مُنہ کی
جو کہتا ہے مرے بوسے لیئے جائیں

تو سلامت ترے انداز پہ مرنیوالے
موت کا بھی کہیں احسان لیا کرتے ہیں

موت ہے مفت میں بدنام حقیقت یہ ہے
دل جو لیتے ہیں وہی جان لیا کرتے ہیں

آج سنتے ہیں وہ اپنا مدعا کہنے کو ہیں
کون جانے دل میں کیا ہے مُنہ پہ کیا کہتے ہیں

وہ زبانِ تیغ سے کیا جانے کیا کہنے کو ہیں
ہم لبِ زخمِ جگر سے مرحبا کہنے کو ہیں

ہائے اُن کو بڑھ گئی ہے اور بھی کچھ آرزو
کل سنتے کیا کہنے کو ہم اور آج کیا کہنے کو ہیں

ساری دُنیا جانتی ہے جیسے ہیں حضرت جلیل
جان دیتے ہیں بتوں پہ پارسا کہتے ہیں

بہار ہے ترے کشتوں کی سادہ رنگی پر
کوئی چراغ کوئی گُل سرِ مزار نہیں

دہائی ضبط کی آنسو پیے نہیں جاتے
بھرے ہوئے مرے دو جام چھلکے جاتے ہیں

بالائے آسماں ہیں نہ میرا [illegible] نہیں
راحت سے ہے جس کا نام وہ ایدل کہیں نہیں

کعبہ ہو یا کہ دیر ہو گلشن ہو یا بہشت
جو بات کوئے یار میں ہے وہ کہیں نہیں

شوخی کا وصل میں جو ارادہ ہوا کچھ اور
کس ناز سے حیا نے پکارا نہیں نہیں

لو جوانی آگئی اب خیر جانوں کی نہیں
وہ اٹھا فتنہ جسے تم بھی دبا سکتے نہیں

نصیب سے کہیں مرنا کسی پہ ہوتا ہے
مزہ جو اس میں ہے وہ عمرِ جاوداں میں نہیں

اسے بھی آپکے ہونٹوں کا پڑ گیا چسکا
ہزار چھوڑیئے چھینٹے کی اب شراب نہیں

یہ پاک صاف ہمیں ہیں کہ ہے تو دامن تر
نچوڑیئے تو کہیں بوند بھر شراب نہیں

گُن گُن نہ رہا اتنی بادہ نوشی کی
اب ایک شغل ہے کچھ لذتِ شراب نہیں

ہجوم چار طرف سے ہے اب نگاہوں کا
نقاب اٹھ گئی پھر بھی وہ بے نقاب نہیں

کیا خوب ہوا حشر گنہگاروں کا واعظ!
سب آگ میں ڈالے گئے رند آتش تر ہیں

گل و بلبل ہنسیں بولیں صبا سے بھی ہو سرگوشی
ہمیں سے سب کھٹکتے ہیں ہمیں ہیں خار گلشن میں

ادھر وہ پیار سے مدفن پہ میرے ہاتھ رکھتے ہیں
ادھر میں بارِ احساں سے دبا جاتا ہوں مدفن میں

خدا آباد رکھے دورِ قاتل میں ہے امن ایسا
ہزاروں پاؤں پھیلائے ہوئے سوتے ہیں مدفن میں

ہمیں جانو کہاں چھپ چھپ کے تم راتوں کو جاتے ہو
تمہارے نقشِ پا کچھ کہہ رہے ہیں کوئے دشمن میں

خوشی یا رشک تو جب ہو کہ مجھکو ہوش ہو اس کا
مرے پہلو میں وہ بیٹھے ہیں یا آغوشِ دشمن میں

ادھر دیکھا جو وقتِ گریہ فوراً تھم گئے آنسو
کسی نے سی دیا تارِ نظر سے چشمِ گریاں کو

بہار آئی ہے نکھرے ہیں عروسانِ چمن کیا کیا
جلیل اسوقت چلنا چاہئے سیرِ گلستاں کو

ہمیں الزام دیتے ہو کہ ہم پر کیوں فدا تم ہو
ہماری آنکھ سے دیکھو تو ہو معلوم کیا تم ہو

بجا ہے تم نے تڑپایا نہیں یوں ہیں تڑپتا ہوں
تمہارے تیر ہیں کچھ بے خطا کچھ بے خطا تم ہو

بگڑ کر جان کیوں لیتے ہو صاحب یوں بھی حاضر ہے
خفا ہونے کو میرا دم ہے کیا کم جو خفا تم ہو

آنچل وہ منہ پہ ڈالکے چلنا حیا کے ساتھ
سایہ کو دیکھکر وہ جھجکنا حیا کے ساتھ

اب وار تم کرو نہ کرو اختیار ہے
تلوار کھینچنا ہی غضب تھا ادا کے ساتھ

رنگِ حنا میں ایسی تڑپ ہوتی ہے کہاں
غمزے ہزار ہا ہیں وہاں ایک دو نہیں
شوخی نے کر دیا ہے بہت دن سے بے حجاب
ہم دکھا دیں تجھے زاہد کہ یہ بت کیسے ہیں
رہنِ مے شیخ کی پگڑی کو کیا رندوں نے
کہوں کیونکر کہ اُلفت میں کوئی حسرت نہیں نکلی
جنوں کی جب ہوئی آمد بڑھے سب پیشوائی کو
نہ پوچھو رات میری کیسی گزری بس یہ عالم تھا
فلک کو دیکھتے ہم رہ گئے نکلے جو وہ گھر سے
ہائے کیا کرتے ہے کیا دلکش فضا ہے کیا ہوا
اتنی جلدی اُٹھ گئے کیوں میں بھی تو تیار تھا
پانی آنکھوں میں بھر لیے آگ ہی دل میں بھری

چھپا ہے تم سے دل بھی کسی کا خدا کے ساتھ
کچھ شوخیوں کے ساتھ ہیں کچھ ہیں حیا کے ساتھ
اب وہ فقط نباہ رہے ہیں حیا کے ساتھ
تو دکھائے ہمیں حوروں کی یہ صورت کیسی
اب جو وہ مانگتے ہیں کہتے ہیں حضرت کیسی
مرے پہلو سے دل نکلا مری جانِ حزیں نکلی
چلا دامن اِدھر سے اُس طرف سے آستیں نکلی
کہ اب آیا کلیجہ منہ کو اب جانِ حزیں نکلی
یہ عالم تھا کہ اب پاؤں کے نیچے سے زمیں نکلی
بیقرار ہی بیٹھنے دیتی تو دم بھر بیٹھتے
دیکھ لیتے دم نکلتا اور دم بھر بیٹھتے
سچ وہ کہتے ہیں کہ ہم آتے تو کیونکر بیٹھتے

بگاڑ اس آنکھ کا ہے جسقدر ہے
نہ تھی تلوار اُلفت کی نظر تھی

یہی پہلے پہل اُن سے لڑی ہے
کہ جی اُٹھا ہوں جب مجھ پر پڑی ہے

میں ڈر رہا ہوں تمھاری نشیلی آنکھوں سے
نقاب کہتی ہے میں پردۂ قیامت ہوں
بتوں کو پوجتے گذری ہے شرم آئیگی

کہ لوٹ لیں نہ کسی روز کچھ پلا کے مجھے
اگر یقین نہ ہو دیکھ لو اُٹھا کے مجھے
جلیل سے نہ چلو سامنے خدا کے مجھے

ہنسی ہوگی جو کوئی دیکھ لے گا

جلیل آنسو تو پونچھو چشم تر سے

ایک دن بھی تو نہ اپنی رات نورانی ہوئی
رات کو چھپ کر نکل جاتی ہے میری آنکھ سے
شام سے بکھری ہوئی زلفیں اک نشی کی آنکھ سے

ہم کو کیا اے مہ جبیں گرچہ پشیمانی ہوئی
سیر تو دیکھو اپنی بھی کم بخت سیلانی ہوئی
ہاں کسی کے دل لیے چھپائی اور پریشانی ہوئی

وہ خود ہی لوٹ ہے صورت کچھ ایسی بھولی بھالی ہے
جب اس نے آرسی دیکھی ہے آنکھوں سے لگالی ہے
لطافت سے مرا محبوب تصویرِ خیالی ہے
وہ پہلو میں ہے اور پہلو مرا خالی کا خالی ہے
دیکھو تو میکدے پہ ذرا اس کا جھومنا
رندوں سے بھی بڑھی ہوئی مستی گھٹا کی ہے
کیا خوبصورت آنکھ ہے قربان جایئے
شوخی کی لاڈلی ہے تو پیاری حیا کی ہے

مار ڈالا مسکرا کر ناز سے
ہاں مری جاں پھر اُسی انداز سے
لاکھوں فتنوں کا ہے گویا جاگنا
ایک اُٹھنا اُن کا خوابِ ناز سے
دردِ دل پہلے تو وہ سُنتے نہ تھے
اَب یہ کہتے ہیں ذرا آواز سے
پھر وہی وہ تھے وہاں اور کچھ نہ تھا
جس طرف دیکھا نگاہِ ناز سے
مٹ گئے شکوے جب اُس نے اے جلیل
ڈالدیں باہیں گلے میں ناز سے

ترے آنسوؤں میں جو ہوتا اثر
یہ دن کیوں ہم سے چشمِ تر دیکھتے

رات دل سے مرے اس درد کے نالے نکلے
گھر سے اپنے وہ کلیجے کو سنبھالے نکلے
پھر سرِ چرخ دُھواں دھار گھٹائیں آئیں
پھر ہوا کھانے حسیں گیسوؤں والے نکلے
ناز و انداز نے تنہا اُنھیں چلنے نہ دیا
ساتھ سب گوشۂ دامن کو سنبھالے نکلے
جو نہ مشتاق تھے وہ بھی ہوئے مشتاق جمال
مُنہ پہ آنچل وہ اس انداز سے ڈالے نکلے
ہائے رخصت کی وہ ساعت وہ اُدا اس گھر کی
ہم سنبھالے اُنھیں وہ ہمکو سنبھالے نکلے

نگاہ پھیر لی محوِ جمال کر کے مجھے
ستم ہے چھوڑ گئے وہ حلال کر کے مجھے
نہ تھا خیال کہ دیتا ہے بے طلب وہ کریم
ہوئی ہے کیسی خجالت سوال کر کے مجھے
جلیل شفقتِ استاد ہاے کیا کہیئے
گئے تو شاعرِ نازک خیال کر کے مجھے

اُس نے دیدار قیامت پہ اُٹھا رکھا ہے
ہائے نالوں سے قیامت بھی اُٹھائی نہ گئی
سامنے تیغ کے مقتل میں نہ ٹھیرے اغیار
منہ کی کھایا کیئے منہ پہ کبھی کھائی نہ گئی
تیغ اُٹھتی جو نہ تھی تیر ہی مارا ہوتا
جانِ من تم سے نظر بھی تو اُٹھائی نہ گئی

مجنوں ذرا نظر تو جما دے لگے سامنے
محمل میں جو نہیں وہ ہی محمل کے سامنے

ناقہ چلا ہے نجد کو لیلیٰ کی ہے دعا
پردہ اُٹھے تو قیس ہو محمل کے سامنے

لایا نصیب ناوکِ قاتل کے سامنے
آیا ہمارے دل کا کیا دل کے سامنے

کیا بات ہے شگفتہ دلی ہو جسے نصیب
جنت کی کچھ بساط نہیں اُس کے سامنے

کہتا ہے نور چہرے کا چھنکر نقاب سے
ہلکا سا ابر ہے مہِ کامل کے سامنے

آیئے دل بیچئے ہیں کب چراتا ہوں نظر
آپ بھی آنکھوں پہ میری آپ کا ارشاد بھی

چپ نہ ہو رہتے تو کیا کرتے تمہارے دادخواہ
لب پہ آ کر دم آتے آتے تھک گئی فریاد بھی

آفتیں ہیں بادلے تصورِ سیرِ گلشن ہی وہی
ہم کفِ صیاد میں ہیں قید بھی آزاد بھی

آب ترس کھانا نہ کھانا اُنکا ہے قسمت کے ہاتھ
دیکھی صورت ہماری حسن نے چپکے فریاد بھی

ہائے کیا حسرت کدہ تھا دل ہمارا ای جلیل
ہوگیا وہ روز ہیں آباد بھی برباد بھی

خوشی دل میں نہیں ہے تو سرور آنکھوں میں خاک آئے
پیالی کیا بھریں جب خیر سے شیشہ ہی خالی ہے

تجلی تری سر پر دکھلا گئی
سرِ طور موسیٰ کو تڑپا گئی

میسر نہ جب شامیانہ ہوا
اُداسی میری گور پر چھا گئی

شبِ غم جو کی خواب کی آرزو
مرے بدلے قسمت کو نیند آگئی

شبیہ غیر لیکر دیکھنا تو دیکھ سکتا ہوں
قیامت ہے یہ سننا پیار کر لینے کے قابل ہے

کیا انکار دل دینے میں تو وہ جھینپ کر بولے
فقط یہ دیکھتے تھے ہم کہ کتنا آپ کا دل ہے

اے شمع مری طرح تجھے چاہیے جلنا
اُٹھے جو دھواں دل سے تو اونچا ہو سر سے

آنکھوں میں کون آ کے الٰہی نکل گیا
کسکی تلاش میں مرے اشکِ رواں چلے

کتنی ہی دیر رہ کے وہ جانے کا نام لیں
کہتا ہے دل یہی کہ ابھی سے کہاں چلے

رگ رگ میں ہیں بھرے ہوئے نشتر بجائے خوں
پوچھو مزے جلیل سے ترچھی نگاہ کے

جلوہ ترا بنا یا کوئے دار وئے بہشتی
کتنے نقاب اُٹھتے ہی بیہوش ہو گئے

اتنے سے دل کو دی ہے وہ اللہ نے تڑپ
چاہے تو مجکو عرش پہ رکھ دے اچھال کے

عبث یہ فکر مجھیں ہے کہ کون ساتھ چلے
اٹھو گے تم تو قیامت نہ اٹھ کھڑی ہوگی

محبت سے جو پیش آؤ تو دل پر کیوں نہو قبضہ
یہ وہ جادو ہے جس سے غیر اپنا ہو ہی جاتا ہے

چُن چُن کے غیر قتل ہوئے مٹ گئی خلش
کانٹے ہٹائے تم نے محبت کی راہ سے

مُنہ کے مزے کو ہے یہ فقط اپنی میکشی
دل میں ہزار بار ہے توبہ گناہ سے

ہم کیا کہیں کسی سے کہ دیکھا ہے کیا وہاں
نکلے ہیں ہوش کھو کے تری جلوہ گاہ سے

بھیدی نے گھر کے دل کا پتا دیدیا تجھے
میری نگاہ مل گئی تیری نگاہ سے

جان جاتی ہے کبھی تو بلا سے جائے
انکو اس بات کی ضد ہے کہ مری بات رہے

نامہ ابھی لکھا نہیں قاصد گیا نہیں
لیکن امید و یاس میں جھگڑا ابھی سے ہے

پامال جنکی ہے وہی چلکر اٹھائیں گے
خود اُٹھ کھڑی ہو اتنی قیامت نہیں رہی

آنچل جو ڈھلا شانے سے وہ ہنسنے نہ سنبھلا
مچلے ہوئے دل کو کوئی کس طرح سنبھالے

یہاں تو خواب کا آنا خیال میں بھی نہیں
ہمارے خواب میں آنیکی تم نے خوب کہی

فیضِ صبا یہ ہے کہ جو گذری قریب سے
کچھ پھول جھڑ گئے دہنِ عندلیب سے

کیا دیکھ لیا قیس نے کہتا ہے جو سب سے
لیلیٰ مری آنکھوں میں ہے محمل میں نہیں ہے

فتویٰ دیا ہے مفتیٔ ابرِ بہار نے
توبہ کا خون بادہ کشوں کو حلال ہے

تڑک تڑک کی جو چھری دست نازنیں میں رہی
عجیب لطف سے کٹتی ہے تیغ قاتل کی

تڑپ تڑپ کے تمنا دلِ حزیں میں رہی
کبھی کمر میں کبھی دست نازنیں میں رہی

یہ تعلیم اللہ اللہ اس صنم کی
انہیں عادت نہیں لذت ستم کی

جھکی پڑتی ہیں محرابیں حرم کی
ادھر شمشیر ادھر تقدیر جھکی

جمال جمال ۔ سید علی شمس جمال قادری عرف شاہ مرشد علی بغدادی شاگرد جلال لکھنوی شعر خاصہ کہہ لیتے ہیں اور موزوں طبع شاعر ہیں۔ زبان۔ بندش۔ ترکیب بیان سب چیزیں غنیمت

مجموعی اچھی ہیں۔ یہ کلام کا انتخاب ہے۔

دوا سے درد محبت یہاں دو چند ہوا / مسیح خود مرے پاس آ کے دردمند ہوا
کسی صنم کی نہ پروا رہی خدا کی قسم / یہ بے نیاز تمھارا نیاز مند ہوا
حسن اے خدا بتوں کو جو تو نے دیا دیا / اپنے بتوں کا عشق مجھے کیوں بھلا دیا
الٰہی ہم تو نکلے بوستاں سے / نکالا جائے گلچیں بھی وہاں سے
خون سے میرے مکرنا ہوا ثابت اُن کا / جھوٹی مہندی نے یہ دی سچی گواہی کیسی
دل لبھاتی ہے اُن آنکھوں کی سیاہی کیسی / موہنی رکھتی ہے وہ سحر نگاہی کیسی

جمیل

جمیل۔ نواب علی نقی خان صاحب مرحوم عرف ننھے آغا صاحب خلف الرشید آغا برہان الدین حیدر موسوی نیشاپوری رئیس اعظم فیض آباد نصیر الدین حیدر اور محمد علیشاہ کے عہد میں لکھنؤ میں امیرانہ بسر کرتے اور بیش قرار وظیفہ پاتے تھے۔ خاندان شاہی سے قرابت قریبہ رکھتے تھے تفنن طبع کے طور پر شعر بھی کہہ لیتے تھے ایک قدیم بیاض سے یہ چند شعر منتخب ہوئے۔

وہ نزع میں آئے ہیں کہہ بیٹھے ڈرے کچھ اُن سے / للہ ذرا اے غم جاں لے درد جگر اتنا
ضعیفی میں تو ایسے ظلم کرتا ہے جوانوں پر / اگر اے پیر گردوں تو جواں ہوتا تو کیا ہوتا
جان لے گا کہ کرے گا دل جاناں میں اثر / کیا کرے گا یہ مرا درد جگر آج کی رات
جنوں تیری بدولت اسفار صحرانوردی کی / کہ دامن رہ گیا کانٹوں میں آخر دھجیاں ہو کر
جمیل اس کا سبب کیا ہے کہ آزردہ پھرے وہاں سے / گئے تھے کوچۂ قاتل کو تم تو شاداں ہو کر
نحیف فرقت جاناں نے کر دیا ایسا / قضا بھی پھر گئی سو بار آ کے بستر پر
اے نالۂ شبگیر دکھا حسن اثر آج / وہ چاند سا منہ خواب ہی میں آئے نظر آج
اندوہِ شب غم سے کبھی جان نہ بچتی / لیتی نہ اگر بیخبری میری خبر آج
کیوں خاک اُڑاتے ہوئے پھرتے ہیں بگولے / کس بے سر و ساماں کا ہے دنیا سے سفر آج
جب طلب کرتا ہوں بوسہ رخ روشن کا جمیل / نیچی کر لیتا ہے شرما کے وہ دلدار آنکھیں

جمیل

جمیل جمیل الدین نام۔ شیخ پور اقوام فرخ آباد کے رہنے والے تھے۔ خوش کلام اور اچھا کہنے والوں میں تھے۔ میر احسان الدین محزوں کے شاگرد تھے اور بعض تذکرہ نویسوں کے قول کے بموجب میر نظام الدین ممنون سے بھی اصلاح لی تھی۔ جوان قابل۔ وجیہ۔ عاشق مزاج اور خوش اخلاق رند شرب تھے۔ قدرت اللہ شوق کے تذکرہ میں ان کا کلام نظر سے گزرا اُس میں سے چند شعر انتخاب ہوکر درج تذکرہ کیئے جاتے ہیں۔ بعض غزلوں میں تمنا تخلص بھی کرتے تھے۔

جبہہ سا دیکھ مجھے نقش قدم پر اپنے
سرگراں ہو کے کہا خاک پہ سر مار پڑا

رونا آتا ہے ہمیں دیکھ کے احوال جمیل
حالت نزع میں ہے کل سے وہ بیمار پڑا

نہ اُٹھا گو چُوا یا مُنہ میں پانی اُسکے شبنم نے
ہوا بیہوش یہاں تک دیکھ کر غنچہ دہن تیرا

آنکھوں کا اُس پری کے پھڑکنا نجائیگا
وحشی ہیں یہ غزال بھڑکنا نجائیگا

بارش کو چشم تر کی کروں ضبط گو جمیل
بجلی کا آہ کی یہ کڑکنا نہ جائیگا

ہمسے یوں نظریں چُراتا غیر سے ہو چار چشم
آپسے ہمکو یہی ہے ای بت عیار چشم

محو صید مرغ دل ازبس وہ صید انداز ہے
پنجۂ مژگاں جس کا چنگل شہباز ہے

پا بگل حیرت سے ہی سرو گلستاں رہت کہہ
کس قیامت قد کا یاں قمری خرام ناز ہے

اُسکی فوج غمزہ سے ہر روز ہے یہ دو بدو
کچھ جمیل خستہ جاں بھی زور ہی جانباز ہے

شرمندہ اُس مژہ سے فقط اب نہ تیر ہے
ابرو سے دور میں بھی کماں گوشہ گیر ہے

دامن سے لگ گیا ہے مگر اُسکی اے نسیم
مشت غبار اپنا جو رشک عبیر ہے

کا ہیدہ اسقدر ہے یہ بیمار ہجر میں ق
آتا جو دیکھنے کو صغیر و کبیر ہے

بستر پہ جسم زار کو اُسکے فتادہ دیکھ
لیجائے ہے گمان کہ تار حریر ہے

جمیل

جمیل۔ جمیل الدین جمیل ابن شیخ حفیظ الدین باشندۂ تھانیسر۔ یہ اشعار ایام نابالغی کے ہیں۔ حداثت سن کے سبب مضامین مسخر خیز ہیں۔ غدر سے پیشتر شہر دہلی میں تعلیم پاتے تھے بعد کا کچھ حال معلوم نہ ہوسکا۔ چند شعر حاضر ہیں۔

چڑھا ہی لیتا اڑنگے پہ اُس ستمگر کو
جو آج کو میں زبردست پہلواں ہوتا

تو نے دیکھی ہیں غیر کی آنکھیں
تیری نظروں میں کب سمائینگے ہم

کہا میں نے کہ اک دن تو ذرا چہرہ دکھا دیجے
اسی کیواسطے اتنا ذلیل و خوار پھرتا ہوں

ق

تو ہنس ہنسکر لگا کہنے کہ یوسف تو نہیں کچھ میں
کہ ہراک کو دکھاتا جلوۂ دیدار پھرتا ہوں

لبِ لال اُس کا ہے مسی آلود
اور کچھ پان کی سی لالی ہے

لال تو ہے پہ ہے یہ صمٌ بکمٌ
چٹکی سرمہ کی اُسنے کھالی ہے

جمیل **جمیل** منشی سید جمیل احمد جمیل ابن منشی سید امتیاز علی سہسوان ان کا وطن اور سنہ ۱۲۷۶ ہجری سال ولادت ہے۔ آپنے صبا و تسلیم اور منیر شکوہ آبادی سے اُردو میں اور زبانِ فارسی میں افتخار الشعرا خان محمد خان شہیر تلمیذ غالب مرحوم سے مشق بہم پہنچائی بسبب ملازمت بھوپال آپکی عمر کا زیادہ تر حصہ رؤسائے نامدار و والیۂ ریاست کی ثنا گستری میں بسر ہوا۔ چنانچہ بیشمار قصائد و قطعات اور مسدسات و ترکیب بند وغیرہ آپکی تصنیف سے ہیں اشعار میں زبان اور محاورہ کی صفائی کا زیادہ خیال رکھتے ہیں۔ بندش اور اسلوب بیان کا سلیقہ بھی بُرا نہیں۔ یہ اُنکے اشعار ہیں ؎

بارِ عصیاں نہ کمند گر اُٹھا کر لیجائیں
اے خدا راہ میں لُٹ جائے یہ ساماں اُن کا

کچھ بلبلوں کو یاد ہیں کچھ قمریوں کو حفظ
عالم میں ٹکڑے ٹکڑے مری داستاں کے ہیں

کہتے ہیں وہ نگاہ کی زد پر جگر نہ ہو
کیا خوب واں تو تیغ ہو اور یاں سپر نہ ہو

یہ کاوشیں نہیں مژۂ سینہ دوز کی
دیکھو تو میرے دل میں کہیں نیشتر نہ ہو

اے جذبِ عشق بات بنائے شبِ فراق
ایسا نہ ہو ہم آہ کریں اور اثر نہ ہو

محشر میں کیوں یہ شورِ تظلم ہے ہر طرف
دیکھو کہیں یہاں بھی وہ بیداد گر نہ ہو

مجکو دکھاکے غیر کو بوسہ نہ دیجیے
بیداد ہو ستم ہو مگر اسقدر نہ ہو

تیغِ نگہ کا وار ہے کچھ دل لگی نہیں
کہدو کوئی جمیل سے سینہ سپر نہ ہو

بہت اُس گل کے بلبل ہیں اُلجھتے کیوں نہیں اُسنے　　مجھی پر خار کھائے بیٹھے ہیں کانٹے بیاباں کے

دہشت عبث ہے خلق کو روزِ شمار کی　　ہو گی سحر نہ میری شبِ انتظار کی

کیوں ناگوار ہمکو جفائیں ہوں یار کی　　ہمدم یہی تو یار کی باتیں ہیں پیار کی

اچھی کہی کہ آپ نہ چاہا کریں ہمیں　　گویا کہ ہے یہ بات مرے اختیار کی

آخر چلے نہ آئے چلی شوخیوں کی کیا　　دیکھی کشش ہمارے دلِ بیقرار کی

ہم نکہتیں ہیں اور نظارہ صبا دِ گلعذار　　حاصل ہے ہمکو سیر قفس میں بہار کی

شہرت پہ وصلِ غیر کی عجب پر عتاب ہے　　لیتے نہیں خبر نگہِ شرمسار کی

مجھسا گناہ گار بھی بخشا گیا جمیل　　کیا شانِ عفو ہے مرے آمرزگار کی

میری بیمار ی کا ثمرہ دیکھئے پائینگے کیا　　بے اثر تدبیر ہو گی تو نہ شرمائیں گے کیا

ہوں میں ناکامِ ازل وہ میرے کام آئینگے کیا　　دوست غمخواری میں میری سعی فرمائینگے کیا

زخم کے بھرنے تلک ناخن نہ بڑھ جائینگے کیا

ہاتھ باندھے اور جھکائے سر رہیں سر کب تلک　　بات ڈر ڈر کر کریں با دیدۂ تر کب تلک

ناک میں ہے دم سنو گے کان دھر کر کب تلک　　بے نیازی حد سے گذری بندہ پرور کب تلک

ہم کہیں گے حالِ دل اور آپ فرمائینگے کیا؟

خیر سے سمجھے ہوئے ہیں وہ محبت کو گناہ　　سیدھے سادے ہیں حقیقت پر نہیں اُنکی نگاہ

اسکو میں بھی مانتا ہوں ہیں وہ میرے خیرخواہ　　حضرت ناصح گر آئیں دیدہ و دل فرشِ راہ

پر کوئی اتنا تو سمجھا دو کہ سمجھائیں گے کیا

اُنکی ابرو دیکھی ہے شمشیر سے بھاگینگے کیوں　　کھائی ہیں چوٹیں نظر کی تیر سے بھاگینگے کیوں

عاشقِ بدنام ہیں تشہیر سے بھاگینگے کیوں　　خانہ زادِ زلف ہیں زنجیر سے بھاگینگے کیوں

ہیں گرفتارِ وفا زنداں سے گھبرائیں گے کیا

جمیل

جمیل ۔ ان کا نام اور حال معلوم نہیں ہوا اتنا معلوم ہے ایک مولوی صاحب سندیلے کے رہنے والے

اور جناب اسیر کے شاگردوں میں تھے ۱۳۰۱ھ ہجری میں موجود تھے یہ انکے اشعار ہیں ✣

گیسوئے یار سے دیکھے نہیں بڑھکر گیسو	سنبل باغ جناں سے بھی ہیں بہتر گیسو
اُسنے لٹکائے گئے خوب ہوا خوب ہوا	بل کی عاشق سے لیا کرتے تھے اکثر گیسو
کون سا حسن خدا نے نہ دیا اُس بُت کو	خال مشکیں خط شبرنگ معنبر گیسو

جمیل — جمیل میر محمد سجاد صاحب لکھنوی - باوجود کوشش آپکے حالات دستیاب نہیں ہوئے صرف اتنا معلوم ہوا ہے کہ دور موجودہ کے شاعر ہیں۔

یہ نزاکت دیکھنا کرتا ہوں جب بوسہ کا قصد	فق ہو جاتا ہے رنگ اُس شوخ کے رخسار کا
کروٹیں لاکھوں بدلتا ہوں پہ نیند آتی نہیں	رات بھر مجکو ستاتا ہے تصور یار کا
دیکھیں تو آپ آکے کہیں لالہ زار دل	دکھلا رہی ہے رنگ گلستاں بہار دل
حسن کے نام وصل آخر اتنا شرماتے ہو کیوں	جان جان شکل عروس نو جھجکے جاتے ہو کیوں
یہ بھی کہتے ہو کہ میرے کام کا بالکل نہیں	پھر مرا دل اپنی مٹھی میں لیئے جاتے ہو کیوں
جنوں کا جوش کم ہوتا ہے صحت ہوتی جاتی ہے	یہ خار دشت کار نشتر فصاد کرتے ہیں
جلوہ جو دیکھا طور پہ غش کھا کے گر پڑے	کھینچے کچھ ایسا تو حضرت موسیٰ ہوش نہیں
مطمئن رہنا نہ اے غافل سرائے دہر میں	قبر ہے تیرا مکاں دنیا مسافر خانہ ہے

جمیل — جمیل منشی محمد حسین صاحب جمیل مرحوم - آپ ضلع میرٹھ کے باشندے تھے - مگر بسبب ملازمت عرصۂ دراز تک ملتان میں سکونت پذیر رہے آپ وہاں کی کسی عدالت میں نقل نویس اور مثل خواں تھے - کئی برس ہوئے چالیس بیالیس برس کے سن میں انتقال کیا حضرت داغ دہلوی سے آپ کو فن سخن میں تلمذ تھا نعت کہنے کا بھی شوق تھا - چنانچہ عاشقانہ اور نعتیہ دونوں دیوان آپکے شائع ہو چکے ہیں۔

اُٹھانا بار محبت محال کیسا ہے ؟	نہ سوچے پہلے سے اسکا مآل کیسا ہے
تقدیر دیکھئے ابھی دکھلائے کیا مجھے	خود بیوفا ہیں کہتے ہیں وہ بیوفا مجھے

کبھی سر پہ کبھی کاندھے پہ کبھی سینے پر	اک طلسمات کا عالم ہے دوپٹہ کیا ہے

جمیل

جمیل - جناب میر تراب علی صاحب خلف میر ریاست علی مرحوم سابق مہتمم باورچیخانہ نیازات سرکار عالی نظام - زمانۂ حال کے شعراء میں ہیں - خلاصۂ کلام ملاحظہ ہو

ترا جمال ہیں دیکھوں یہ مجھ میں تاب نہیں	حسین لاکھوں ہیں لیکن ترا جواب نہیں
بھروسہ کرکے کرم ہی پہ تیری اے مولا	گناہ اتنے کیئے ہیں کہ کچھ حساب نہیں
ہمارے خط کو جو دیکھا تو بولے قاصد سے	جواب یہ ہے کہ اسکا کوئی جواب نہیں
بعد مردن بھی تمھاری جستجو درکار ہے	مٹ گئے پھر بھی تمھاری آرزو درکار ہے
جسپہ دنیا لوٹ ہے جمیل کہ ہے حسن ملیح	اُس پہ مرتا ہوں اُسی کی آرزو درکار ہے

جنگ

جنگ منشی جنگ بہادر صاحب جنگ شہر میرٹھ کے رہنے والے خاندانی شخص تھے - عدالت کلکٹری و محکمۂ بندوبست میں عرصہ تک ناظر رہے سرکاری ملازمت سے قطع تعلق کرنے کے بعد مشہور اخبار انیس ہند کی اڈیٹری کا کام قابلیت سے انجام دیا - کیسکی شاگردی نہیں کی - آپ کو انگریزی و فارسی میں بھی کچھ دسترس تھی سخن سنجی - حاضر جوابی ان کا خاص حصہ تھا - ۶ - اپریل ۱۹۰۸ء کو پورے پچاس سال کی عمر میں بمقام لاہور دنیائے فانی کو خیرباد کہا - آپکی تصنیف و تالیف سے کئی کتب مثل چمنستان دلچسپ - چمنستان معرفت و چمنستان صحت وغیرہ شائع ہو چکی ہیں آپ کے دو صاحبزادے شاد و رنگ موجود ہیں - کلام کا نمونہ درج ذیل ہیں -

سُن کے آمد کی خبریاں بیخودی طاری ہوئی	اُنکے آنے نے مرے جانیکا ساماں کردیا
دل میں حسرت کا ہے خوں ڈھیر ہی ارمانوں کا	کیا بُرا حال ہوا ہے مرے مہمانوں کا
خون ارماں کا شب وصل بھی کیا کیا نہ ہوا	دل مرا غنچۂ تصویر تھا گویا نہ ہوا
پاس الفت رہا مجنوں کو بیاباں میں بھی	آہوئے چشم کوئی آہوئے صحرا نہ ہوا
جگر میں گیا دل سے پیکاں نکل کر	اُٹھا درد بھی ساتھ پہلو بدل کر

مرے ساتھ ہے انقلابِ زمانہ — بدل دونگا دنیا کو کروٹ بدل کر
پڑی ہے اوس نالوں سے مرے بلبل کے شیون پر — گرا دو مسکرا کر برق تم پھولوں کے خرمن پر

جنوں — **جنوں**۔ شاہ غلام مرتضیٰ متخلص بہ جنوں متوطن عظیم آباد پٹنہ ہمعصر مرزا رفیع السودا مہذب صورت پاکیزہ سیرت نہایت خوش مذاق۔ اکثر فنون میں قابل اور کامل۔ بڑھاپے میں نابینا ہوگئے تھے مگر مشقِ سخن میں وہی انہماک تھا۔ نواب مصطفیٰ خان شیفتہ لکھتے ہیں کہ ان کا وطن آگرہ آباد تھا اور زہد و تقوی میں مشہور تھے۔ دیوانِ ریختہ بھی مرتب کیا تھا انتخاب درج کیا جاتا ہے

کب ماہ اس نمک میں ہمسنگ ہے تمہارا — حقا کہ حسنِ یوسف پاسنگ ہے تمہارا
آنکھیں بھی چڑھ رہی ہیں منہ بھی اُتر رہا ہے — کچھ رنگ ان دنوں میں بیرنگ ہے تمہارا
مجھ گریباں چاک کو تو اُس کا دامن گیر کر — اِس طرح نقشہ اُتار اُسکی مری تصویر کا
مرشدِ کامل ہے دردِ عشق ہر مذہب کے بیچ — میں تو کافر ہوں اگر قائل نہوں اِس پیر کا
وہ آنکھ دے کہ جس سے دیکھیں جمال تیرا — یارب جنوں کے منہ پر اس در کو باز کرنا
پہنچا کوئی کعبے سے کوئی دیر سے پہنچا — تھی جس پہ تری مہر وہی خیر سے پہنچا
طوف باصدق و صفا کیجے دلِ آگاہ کا — میرے مذہب میں یہی ہے حج بیت اللہ کا
مرتا ہوں غمگساری جواب نہیں تو پھر کب — اے یار مجھسے یاری جواب نہیں تو پھر کب
اے جنوں مصرعِ تر اسودا کے ہے زنجیر پا — قید سے تیری نہیں ہو سکے اب آزاد ہم
دشمن جان ہوگئی آخر یہ بینائی مجھے — جو بلا کہتے سو ان آنکھوں نے دکھلائی مجھے
تری چشم مست سے ساقیا یہ سیاہ مست جنوں ہوا — کہ مٹے وہ آتشہ طاق پر جو دھری تھی وہیں دھری رہی

جنوں — **جنوں**۔ فخر الاسلام نام دہلی کے مشائخ میں سے تھے اور میر ممنون دہلوی کی شاگردی سے بہرہ یاب تھے۔ ایک شعر اُن کا ملا اور قابلِ درجِ تذکرہ معلوم ہوا۔

اُٹھی جو شرم تو دونوں ہی دل سے ملنے نکلے — بجز حجاب یہاں کچھ نہ فاصلے نکلے

جنوں — **جنوں**۔ نواب سراج الدولہ علی محمد خان بہادر سردار جنگ مرحوم رئیس اعظم فیض آباد خلف

نواب محتشم الدولہ مدبر الملک مرزا باقر علی خان بہادر فتح جنگ مرحوم۔ نواب فتح جنگ مرحوم کے والد ماجد نواب حسین علیخاں بہادر بانس بریلی اور روہیل کھنڈ کے صوبہ دار تھے۔ اور یہ خود نصیر الدین حیدر کے وزیر نواب روشن الدولہ کے نواسے تھے۔ نواب سراج الدولہ نے اوائل مشق سخن میں خواجہ آتش سے اصلاح لی۔ اُنکی وفات کے بعد حضرت اسیر لکھنوی کو اپنا کلام دکھایا۔ آپکی تصانیف سے دو دیوان چھپے ہوئے موجود ہیں۔ شعر خاصہ کہتے تھے تشبیہ اور استعارہ بندی (جس کا اُس زمانے میں زیادہ رواج تھا) کی پابندی آپکے کلام سے مترشح ہے۔ رعایات لفظی کے اسیر تھے۔ نازک خیالی اور زبان کی طرف توجہ کم تھی۔ تاہم کلام میں صفائی اور سنجیدگی پائی جاتی ہے۔ اب انتخاب کلام ملاحظہ ہو۔

حاجیو جاؤ مبارک تم کو کعبے کا سفر
خود مرے پہلو میں گھر موجود ہے اللہ کا

میں مسلماں تھا وہ شاید مجھے کافر سمجھا
مصحفِ رخ کو کبھی ہاتھ لگانے نہ دیا

راحت کی طلب گر دلِ ناشاد کرے گا
کیا جانے فلک کیا ستم ایجاد کرے گا

بوسے کے وعدے پر مرا دل یار لے گیا
یوسف کو مفت مول خریدار لے گیا

مرکر بھی شوقِ ابروئے خمدار لے گیا
راہِ عدم میں خوف تھا تلوار لے گیا

کیا کیا خیالِ یار نے دھوکے نہیں دیئے
کس روز اُس پہ حور و پری کا نہ شک گیا

زندگی ہجر میں تھی موت سے بدتر تیری
اپنے جینے کی خدا سے میں دعا کیا کرتا

اگر اے آسمان کچھ بھی سرِ انصاف تو ہوتا
قبائے گل میں تارِ اشکِ بلبل سے رفو ہوتا

اسی منہ پر مسیحائی کا دعویٰ آپ کرتے ہیں
کہ بیمارِ غمِ ہجراں کا درماں ہو نہیں سکتا

زلفِ شب رنگ کو دکھلاکے وہ یہ کہتے ہیں
شب یہ بھاری ہے مرے ہجر کے بیماروں پہ

تکلیف دست و بازوئے نازک کو تا نہ ہو
ابرو خدا نے اُسکو دیئے ہیں بجائے تیغ

کیا کہوں وصل میں ہوتی ہے جو عاشق کو خوشی
حق بجانب ہے جو پروانہ ہوا شادیٔ مرگ

آمد پیکِ اجل بھی ہوئی قاصد نہ پھرا
لب پہ جاں آ گئی وہ لایا ابھی پیغام نہیں

ظلم سے یار نے چھینا نہ دغا سے پہلے
دل مرا لے لیا وعدے کے دلاسے پہلے

ہاتھ کب آتا تھا مضمونِ دہن
یہ معمہ حل ہوا ادراک سے

شجر نکلا نہ کشتِ عشق میں تخمِ تمنا سے
خدا جانے کہ زیرِ خاک اس دانے پہ کیا گزری

شراب عید کے دن شوق سے پئیں زاہد
حرام تغیر سے فاقہ حلال ہوتا ہے

گالیاں دیکر سخی داتا نہ بنئے مہرباں
دیجئے گا مجکو وہ جو کچھ کہوں درکار ہے

حق تو یہ ہے کہ بہائم سے بھی وہ بدتر ہے
جس بشر کو کہ تمیزِ حق و باطل نہ رہے

نالے وہ پر اثر ہیں دلِ بیقرار کے
گلشن میں ہوش اڑتے ہیں سنکر ہزار کے

غلغلہ ہے فیضِ ساقی کا چلو اے میکشو
میکدے سنتے ہیں ان روزوں دھرم سالے

بے سبب ہیں وہ اگر روٹھ کے جانیوالے
گر کے قدموں پہ منالیں گے منانے والے

نہ ہوگی حور کے زانو سے بھی مومن کو یہ راحت
ملی راحت ہمارے سر کو جو خشتِ سرِ خم سے

خاموش ترے سامنے غنچہ کا دہاں ہے
حسرت سے تیری آنکھوں کو نرگس نگراں ہے

جائے حیرت جلوۂ معبود ہے
چشم سے پنہاں ہے پھر موجود ہے

(انتخاب از جلد دوم)

نکرتا گر فلک مجبور اسکو
خدا جانے یہ بندہ کیا نہ کرتا

میں اسکی خود نمائی کا ہوں کشتہ میری تربت پر
لگاؤ جائے سنگِ قبر آئینہ سکندر کا

گو ضبط سے میں کچھ نہ کہوں چہرے سے مرے
جو اس پہ قلق ہے وہ نہاں ہو نہ سکیگا

کیا عالم کے چشموں میں تجکو ڈھونڈ کر پیدا
نہ تیری سی ہوئیں آنکھیں میری سی نظر پیدا

عشقِ لبِ جاں بخش میں ہونٹوں پہ رہا دم
اعجازِ مسیحا مرے کچھ کام نہ آیا

کیوں نہ ہو اسکی اداؤں سے مرا کام تمام
نہ لیا شرم سے عاشق کا کبھی نام تمام

بظاہر گو کہ محو صورتِ میخوار رہتے ہیں
بکارِ خویش دیوانے ترے ہشیار رہتے ہیں

کس لیے حشر یہ برپا ہے قیامت کیوں ہے
تم یا ذری وہ کہیں ہوش میں ہم آئے ہیں

کھایا جنوں نے تیر نگہ کس کا راہ میں
جو دل پکڑ کے بیٹھ گئے ایک آہ میں

خط دیکھے نامہ بر سے بھی پہلے روانہ ہو
کچھ شوقِ دل کا سب سے جدا کارخانہ ہے

کیا خوف ہم کو گرمیٔ خورشیدِ حشر سے
سر پر ترا سحابِ کرم شامیانہ ہے

شکوہ تیرا کروں معاذ اللہ
میری جانب سے یہ گماں نہ رہے

وطن کی سمت گئے چھوٹ کے قافلے والے
میں پا شکستہ تڑپتا ہوں کارواں کے لیے

جو کہ تقدیر میں تھے رنج و محن دیکھ چکے
کیسے کیسے ستم چرخ کہن دیکھ چکے

باغباں سیر کو آئے تھے بس اب جاتے ہیں
جلوہ حسن عروسانِ چمن دیکھ چکے

جنون

جنون۔ میر فضل علی دہلوی شاگرد میر امانی اسد و شیخ ولی اللہ محب۔ پہلے مست تخلص کرتے تھے۔ محرم الحرام میں کتاب خوانی کیا کرتے تھے۔ یہ اُن کے اشعار ہیں۔

دیکھا سرائے سینہ کو لے کر چراغ دل
دل سوز ایک بھی نہ ملا غیر داغ دل

باندھ کر تلوار جب آیا نظر میرے تئیں
ہو گئی معلوم قاتل کی کمر میرے تئیں

ہوں میں وہ شہبار جسکی سیر گہ تھا لامکاں
عشق نے تیرے کیا بے بال و پر میرے تئیں

یار سے کہیو یہ قاصد کہ جو آنا ہے تو آ
ہم تو جائیں چلے دنیا سے یہ ارمان رہے

جنون

جنوں۔ میر مہدی خلفِ میر عباس عرف میر منل فیض آبادی مقیم لکھنو میر رضی رہا کے چھوٹے بھائی اور رشک لکھنوی کے شاگرد تھے یہ اُنکے اشعار ہیں۔

گویا کہ گھڑی نور کی رکھی ہے کمر میں
ایسی ہے منور تری اے رشکِ قمر ناف

کسی سے تارے نہیں چھپتے چاندنی تک
تمھارا چاند سا چہرہ ہے اور ستارے گال

رخسار دونوں مہر ہیں ابرو ہلال ہیں
گر مانگ کہکشاں ہے تو ماہِ مبیں جبیں

گو وصلِ یار تھا پہ لڑائی نہیں گئی
میری اور اُسکی خوب لڑی رات بھر زباں

جنون

جنوں۔ سید رستم علی صاحب جنون بریلوی شاگرد حکیم نیاز احمد خان صاحب ہوش آپ شیعہ مذہب تھے اور ۱۲۸۰ھ میں بریلی میں موجود تھے شعر خوب کہتے تھے اور وہاں کے شاعروں

میں شریک ہوا کرتے تھے۔ چند غزلیں نظر سے گذریں اُن کا انتخاب حاضر ہے۔

جبتک نہ ہاتھ شربتِ دیدار آئیگا
تجھکو بخار اے دلِ بیمار آئیگا

ابرو کے پاس خواب میں دیکھی ہے چشمِ مست
تعبیر یہ ہو کعبہ میں میخوار آئے گا

تیرِ نگاہِ یار کا چھیڑوں گا ذکر میں
لیٹا ہوا جو نوک کی سوفار آئیگا

وہاں زخم کو بوسہ تو خنجر کا میسر ہو
خدا کیواسطے قاتل لگا اک اور بھی چرکا

ہو کے بسمل بھی محبت تیغِ قاتل کی رہی
ہر دہانِ زخم نے بوسہ لیا تلوار کا

دید کے قابل ہے رحم اُن کا کہ وقتِ ذبح وہ
پانی ٹپکاتے ہیں میرے حلق میں تلوار کا

مرگ کے بعد ہوا خانۂ تربت پُر نور
شمع کا کام کیا داغ نے روشن ہو کر

جان دی مر مر کے میں نے حسرتِ دیدار میں
خاک سرمہ بن کے پہنچی کیوں نہ چشمِ یار میں

کیوں نہیں لیتی مریضِ ہجر کی آکر خبر
موت کو بھی موت آئی کیا فراقِ یار میں

عشق نے برباد کر دی حسن کی دولت جنون
کوڑیوں کے مول یوسف بک گیا بازار میں

اے صنم یہ نہ سمجھنا کہ ہیں ہم خانہ بدوش
اب خدا چاہے تو دلمیں ترے گھر کرتے ہیں

پہلے دینار کے ملتے ہیں ہمیں درہم داغ
آسماں سے جو کبھی خواہشِ زر کرتے ہیں

ذبح کرتے ہیں اگر قاتل سے کچھ تاخیر ہو
ہر رگِ گردن ہماری قتل کو شمشیر ہو

بعد مردن بھی اگر آوارگی یوں ہی رہی
خاک اپنی دیکھئے کس کس کے دامنگیر ہو

کوئی تو زلفوں کو چھیڑے گالیاں ہم پر پڑیں
ہم گنہگاروں میں ٹھیریں غیر سے تقصیر ہو

نامہ بر دیتا ہے دھوکا میں نہ مانونگا کبھی
سر قلم کر دوں جو اُسکے ہاتھ کی تحریر ہو

تمہارے کوچے میں پاتے ہیں ہم پتا دلکا
اگر بہشت میں لیا ہو تو اب عطا ہو جائے

فنا کے بعد پریشانیاں نہ اپنی گئیں
ہوا چمن میں رہے دشت میں غبار رہے

وہ چشمِ مست سے دیکھے کبھی جو ایک نظر
تو میں تو کیا ہوں کہ زاہد کو بھی خمار رہے

کیا ہے [illegible]
عجب ہے [illegible] ہم سے کے مصحف گناہگار رہے

جنون

جنوں شیخ محسن علی صاحب عرف کلن متخلص بہ جنوں متوطن بنارس شاگرد مرزا صابر گورگانی ان کا صرف اسقدر حال معلوم ہوا ہے کہ ۱۲۷۸ھ میں زندہ تھے۔ فن شعر میں اپنے استاد کی روش کے پیرو تھے۔ اب کلام ملاحظہ ہو۔

تجھ سے وہ سرو ہو جس جا میں سبب آنے کے پیر — عقل ہو ستہ بھیر ہو تقریر ہو تحریر ہو
جرم پر بوسہ کے حکم قتل ہے بے منصفی — جس کی یہ چاہیں خطا ویسی اسے تعزیر ہو
ہوتی ہے الفت سے الفت کس طرح نکلے کوئی — وحشت وحشت میں جو اک خار دامنگیر ہو
کچھ تو ہوگی دل کو تسکین ہجر میں یہ ہی سہی — بھیجو اپنی تم ہمارے پاس گر تصویر ہو
مجھے ہو قسمت تمام عشق دل سے پہلے — ق — کرتا کسی کی کبھی سے نہ کم جب رہتے
برنگ لالہ دل و سینہ و جگر پہ مرے — مدام داغ جدائی کے چھپا رہتے
دیدیا کیا یہ مسیحا نے دوا سے پہلے — کہ شفا کیسی گئی جان قضا سے پہلے
زلف کو چھونے نہ پائے تھے کہ پہنی زنجیر — خوب تعزیر ملی ہم کو خطا سے پہلے
کبھی عیسیٰ کا میں طالب ہوں کبھی قاتل کا — دیکھوں کون آئے مرے پاس قضا سے پہلے
نزع کے دم ملک الموت سے جھگڑا ہو پڑا — آپ آئیں جو مرے پاس قضا سے پہلے
کیا ترے ابروئے پر خم سے مقابل ہوگا — ماہ نو بحث نو لے ناخن پا سے پہلے
پر لگیں پاؤں کے بدلے جو بلائے وہ یار — اے جنوں اڑ کے ابھی جاؤں ہوا سے پہلے
مجھے نفع کرتی محبت مگر — تری بے نیازی ضرر ہو گئی

جنون

جنون۔ عالیجناب خان بہادر قاضی عبدالجمیل صاحب جنوں تلمیذ جناب مرزا اسداللہ خان غالب رئیس اعظم بریلی انکے بزرگ شاہان مغلیہ کے عروج سلطنت کے زمانے میں مصر سے دہلی میں آئے بادشاہ وقت نے بہت قدر و منزلت کی اور ہمیشہ مناصب جلیلہ پر ممتاز رہے کبھی مختلف شہروں کے صوبہ رہے کبھی سفارت کا منصب اور نازک کام انجام دیا پھر بانس بریلی کے قاضی رہے۔ شاہان دہلی و صوبۂ اودھ میں جو اہم امور

اور نزاعات ہوجاتے وہ سب انکے توسط سے طے ہوتے تھے جسکے صلے میں خطابات وجاگیریں وخلعت فاخرہ سے سرفراز ہوتے رہے۔ جب رہیل کھنڈ فتح ہوا تو نواب شجاع الدولہ وزیر الممالک نے اپنے شقہ میں ایک بیش بہا سند عطا فرمائی۔ اوائل دورِ انگلشیہ میں بھی آپ نہایت باوقر و بارسوخ رہے +

قاضی صاحب ممدوح سنہ ۱۲۵۱ ہجری میں پیدا ہوئے ۱۸ برس کی عمر میں فارسی و عربی کی تکمیل کی۔ مختلف علوم عربیہ میں مہارت بدرجۂ کمال تھی۔ آپ کو مرزا نوشہ غالب مرحوم سے تلمذ تھا۔ مرزا کو اپنے لائق شاگرد سے مہر مفرط تھی انکے ہر ہر خط کے ایک ایک فقرہ سے محبت ٹپکتی تھی۔ کہیں لکھتے ہیں "آپ کی ارادت میرا ذریعہ فخر و سعادت ہے" کسی جگہ ارقام ہے "اگر قوت ناطقہ پر کچھ بھی تصرف باقی ہوتا تو آپ کی تعریف میں ایک قصیدہ۔ اور آپکے کلام کی تعریف میں ایک رباعی کہتا" تاریخ گوئی میں بھی ملکہ تھا افسوس کہ اپنا کلام سب تلف کر دیا انکے احباب کی زبانوں پر یا مرزا نوشہ کے خطوط میں جو کچھ مل سکا وہ جمع فرما کر شفیقی و مکرمی قاضی محمد خلیل صاحب نے عنایت کیا۔ درج تذکرہ کیا جاتا ہے۔

چھپیں ہمکو ملا کا فر و بیدیں ہی ملا	جسکو دیکھا اسے غارتگر ایماں دیکھا
نہ ہوا حشر مگر ہو جسے گوارا گل کا	ہم جو کہتے تھے کہ سیر گلستاں دیکھا
کہاں یہ تاب کہ آنکھیں ملا سکوں تجھ سے	کہ اک نگہ میں دگرگوں ہے حال محفل کا
دیکھ کر اس بُت کو کیا کہیے کہ کیا یاد آگیا	ہمکو اسکی بے نیازی سے خدا یاد آگیا
میں جو رخصت ہو کے ان سے پھر گیا تو یوں کہا	کیوں گئے کیوں آئے کیا بھولے تھے کیا یاد آگیا
ابھی سے شام ہی سے بھاری رات	ہائے کیسی کٹے گی ساری رات
سحر ہی تھا گلہ جورو تغافل کیجات	تم پشیماں نہ ہو ہمکو پشیماں ہو کر
کیجیے شکوہ دم تیغ نگہ سا کیو نکر	کہ مرے قتل پہ کوئی زخم نمودار نہیں
سامنے سے یوں نکل جاتے ہیں وہ	آن سے گویا کچھ شناسائی نہیں

اُنھوں نے آئینہ دیکھا تو ہنس کے منہ اُن کا
حواس ہوش بجا واں نہیں تو یاں بھی نہیں

بیمارِ عشق کو نہ لگا ہاتھ اے طبیب
کچھ دردِ سر نہیں ہے کہ اچھا دوا سے ہو

نہ سہی لطف و عنایت ستم و جور ہی ہو
غم تو یہ ہے کہ نہیں حال کا پرساں کوئی

گرم کیوں ہوتے ہو اغیار کے آگے مجھ پر
آگ میں ڈالیے پر یوں نہ جلایا کیجے

تاب و طاقت نے دیا فرقتِ جاناں میں جواب
بارِ غم ناز نہیں ہے کہ اُٹھایا کیجے

گالیاں کھا کے رہوں چپ یہی بات اچھی ہے
گر بگڑتا ہوں تو وہ اَور بناتا ہے مجھے

آیا نہ اُن کو تفرقۂ جان و دل پسند
دل لیچکے تھے جان بھی اب آکے لیجیے

ہو نہ موقوف جنبشِ مژگاں
ابھی خواہش ہے زخمِ کاری کی

ہجر میں کون تھا مرا ہمدرد
کچھ ترے غم نے غمگساری کی

بل بے شوخی اُس نگاہِ ناز کی
ایک برچھی سی جگر میں لگ گئی

جنون

جنون۔ مولوی محمد عمر جنون ابن مولانا حاجی محمود میاں صاحب ساکن ریاست مانگرول صوبۂ کاٹھیاواڑ۔ آپ کی عمر اب پچاس برس کے قریب ہے شیخ محمد حسین میاں اور اُنکے بھائی جہانگیر میاں کے عہدِ ریاست میں اُنھوں نے اور اُنکی شاعری نے تربیت۔ اور پرورش پائی۔ یہ خود نواب صاحب مذکور سے آشنا زادگی کی خصوصیت رکھتے ہیں۔ نواب مرحوم کی ریاست اگرچہ مختصر تھی مگر نہایت بامروت اور سیر چشم رئیس تھے اہل علم اور باکمال آدمیوں کے قدر دان اور اُردو شاعری کا اعلیٰ مذاق رکھتے تھے۔ چنانچہ اُنکی فیاضیوں کا ایک کرشمہ یہ بھی تھا کہ نواب فصیح الملک مرزا داغ، حکیم ضامن علی جلال، منشی امیر اللہ تسلیم اور جناب شمشاد لکھنوی سے اُستادوں نے مانگرول جیسے دور اُفتادہ مقام کو گاہ گاہ اپنے قدوم میمنت لزوم سے رشک گلزار کیا اور وہاں اُردو شاعری کا چمن لگایا۔ نواب کے شوق اور صحبت کیوجہ سے جناب جنون کو بھی اس فن کی طرف توجہ ہوئی آپنے حضرت جلال لکھنوی سے استفادہ کیا۔ حضرت تسلیم نے جب ان کا مختصر دیوان ملاحظہ

کیا تو تاریخ کہی ۵ھ زہے رفعت فکر استادِ فن ٭ جنون زبان دان و شہرہ سخن ؎
میلان خاطر صیغہ جوڈیشل کیطرف رہا اور ریاست میں موافق قانون برٹش عدالتوں میں وکالت کرتے
رہے۔ علاوہ اسکے میرمنشی گری اور دیگر معزز عہدوں پر مامور رہے۔ بالفعل ریاست
مذکور میں دیوانی جج و ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ و رجسٹرار کے معزز عہدوں پر ممتاز ہیں۔ مگر اس
سال اُن کے ممدوح گرامیقدر کا اچانک انتقال ہونیسے دل خستہ اور جگر فگار ہیں اور
خود انھوں نے مصنفِ تذکرہ کو لکھا کہ "رئیس کیا رحلت کر گئے ہمکو بے موت مار گئے۔
لطفِ زندگی جاتا رہا۔ اب تو شاد باید زیستن نا شاد باید زیستن کا نقشہ ہو گیا" انکا یہ کلام ہے

مثبت ترا سمائے دلمیں ایسا ہو نہیں سکتا ٭ خدا کا گھر جو ہوتا ہے کلیسا ہو نہیں سکتا
یہ وہم دھاگے ہی انسان کو پھنسا لیتے ہیں مہجبیں ٭ کسی معشوق کا اقرار سچا ہو نہیں سکتا
چلا لو اپنے کشتہ کو خرام ناز سے اُٹھو ٭ مسیحائی کا دعویٰ اور اتنا ہو نہیں سکتا
ذرا سینے پہ اپنا دستِ نازک رکھ کے پھر دیکھو ٭ غلط ہے عشق کا بیمار اچھا ہو نہیں سکتا
اُتارو شرم کا برقع جو آئے ہو ہنسو بولو ٭ بھری ہے تم میں وہ شوخی کہ پردا ہو نہیں سکتا
نگاہِ ناز کا دلپر کچھ ایسا چل گیا جادو ٭ کہ اب تو وہ کسی پہلو سے میرا ہو نہیں سکتا
جنون دیوانے ہو اسکو جو تم اپنا سمجھتے ہو ٭ کسی کی اصل کیا ہے وہ کسیکا ہو نہیں سکتا
سینے میں جا کے دل ہی کو تاکا غضب کیا ٭ قرباں نگاہ یار تری دیکھ بھال کے
چلنا وہ جھوم جھوم کے سینہ اُبھار کر ٭ انداز ہائے رے تری مستانہ چال کے
کسی کا نیچی نگاہوں سے مسکرا دینا ٭ سمجھنے والا سمجھتا ہے غیر کیا سمجھے
خفا نہ ہو جو لیا بوسہ چشم میگوں کا ٭ انھیں نے مست کیا ہے پلا پلا کے مجھے
ستاؤ جتنا جی چاہے مگر یہ بھی تو سن رکھو ٭ وہی طرزِ جفا اچھی ہے جس میں کچھ ادا نکلے
ہماری وضعداری ہمکو اُف کرنے نہیں دیتی ٭ گلا گھونٹے وفا آ کر جو منہ سے کچھ گلا نکلے
فلک وہ چاند کا ٹکڑا اُتر آنے دے پھر ستا لینا ٭ کہ تیرے دل کا بھی اچھی طرح سے حوصلا نکلے

خاک جا لپٹی کس کے دامن سے کون گزرا یہ میرے مدفن سے
اک اشارے میں دل کو لے لینا کوئی سیکھے تمہاری چتون سے
اُٹھے پہلو سے وہ جو وصل کی رات جسم سے جی نکل گیا تن سے
مجکو رونا اُسی کا ہے ہمدم میرے ہوتے ہیں وہ دشمن سے

جوّاد - سیّد جواد علی صاحب شاگرد ہنر و بقا غازی پوری - دورِ موجودہ کے شاعر ہیں - جو کلام نظر سے گزرا اُس کا خلاصہ حاضر ہے - جوّاد

عیاں ہے سینے سے نورِ آفتابِ داغِ ہجراں کا کرن خورشید کی ہر تار ہی میرے گریباں کا
میسّر ہو نہ جبتک شربتِ دیدارِ جاناں کا دوا بیکار ہے بچتا نہیں بیمار ہجراں کا
جو یاقوتِ لبِ رنگین کبھی اُس شوخ کے دیکھے لہو ہو ہو کے بہ جاے جگر لعلِ بدخشاں کا
نہ شوقِ سیرِ گلشن ہی نہ ذوقِ دشت پیمائی ترے وحشی کو خوش آیا ہی رہنا اب تو زنداں کا

اے ستمگار ہوا اب تو کلیجہ ٹھنڈا بے تڑپ کر ہوا بسمل ترا قاتل خاموش
طے نہ جبتک ہو رہِ عشق رہے نالہ کشی جرسِ دل ہو پہنچکر سرِ منزل خاموش

جوان - مرزا نعیم بیگ متخلص بہ جوان شاہ جہاں آبادی باشندۂ کوچۂ چیلاں دہلی ملازم خاص مرزا سلیمان شکوہ فنِ سخن میں حضرت مصحفی کے شاگرد تھے - آپ خوش رو وجیہ جوان تھے - طبع موزوں اور اس فن کے مناسب پائی تھی - جوانی میں لکھنؤ جا کر صاحب عالم کے ملازم ہوئے اور مصحفی اور انشا کے مطارحات میں شریک رہے - جوان

پہلو میں دل اپنے کو بھی غمخوار نپایا یہ خوبیِ قسمت کہ کوئی یار نپایا
ازبسکہ ہوئی گرمیِ خورشیدِ قیامت کوچے میں ترے سایۂ دیوار نپایا
ظلم و ستم و جور سبھی ہنسے اُٹھائے جب اور کوئی تجھسا طرح دار نپایا
ہم بیچتے آئینۂ دل تیرے ہی ہاتھوں پر ہنسے تجھے اس کا خریدار نپایا

یہ ان دنوں جو ہمسے اتنی رُکھائیاں ہیں شاید کسی نے کچھ کچھ باتیں سکھائیاں ہیں

اے عندلیب سچ کہہ کیا فصلِ گل پھر آئی	فوجِ جنوں کی ہم پر کیسی چڑھائیاں ہیں
کس بے ادب نے تم سے گل بازی آج کی ہے	آنکھیں تمھاری پیارے کیا سخت آئیاں ہیں
کسیکو اپنی سفارش کیواسطے اُس پاس	جو لیکے جاؤں تو اُس کا وہ آشنا نکلے

جوان — **جوان** - محبت اللہ نام - دہلی کے رہنے والے میر عزت اللہ عشق کے شاگرد تھے معلّم گری کیا کرتے تھے اور فنِ طب سے بھی لگاؤ تھا - یہ اُنکے اشعار ہیں -

تو بہت ہوگا پشیماں ہات اُس کا گر لگا	فکر ہیں تیرے دِلا پھرتا ہے بازی گر لگا
حامی ہیں بدعتوں کے امیر و غریب سب	یارو یہ رہ گئے ہیں مسلمان آج کل
چشم و ابرو کا گرفتار نہ رکھا صد شکر	عشق نے اپنی طرف راہ بتائی مجھکو

جوان — **جوان** - بابو ہزاری لال صاحب جوان شاگرد منشی غلام حسین صاحب قدر ۱۲۸۵ھ میں لکھنؤ میں موجود تھے اسکے سوا زیادہ حال معلوم نہ ہوسکا - یہ کلام ہے -

ہم تم سے کوئی روزِ ازل رخنہ گر نہ تھا	انسان تو چیز کیا ہے ملک کا گزر نہ تھا
کیا کیا عذابِ ہجر مری جان پر نہ تھا	تیرے بغیر گور سے کم مجھکو گھر نہ تھا
پتھر کا تیرا دل ہے تو فولاد کا جگر	اسپر بھی میرا نام کوئی بے اثر نہ تھا
ہم چھپ کے پیتے کیوں رمضاں میں بھلا شراب	واعظ کا خوف کیا جو خدا ہی کا ڈر نہ تھا

جودت — **جودت** - صاحبعالم مرزا سکندر شاہ - آپ حضرت بہادر شاہ ثانی کے فرزند دوئم مرزا شاہرخ بہادر کے (جو تمام مرشدزادوں میں لائق ترین اور جوہر قابل تھے) صاحبزادے ہیں - محکمہ سپیشل کمیٹی دہلی میں بعہدہ انسپکٹری گشت مامور تھے - پھر علی گڑھ محمڈن کالج میں بورڈنگ کے منتظم رہے - اب ۵۷ سال کے قریب عمر ہے - مرزا قادر بخش صابر مرحوم کے تلامذہ میں ہیں - زبان ٹکسالی اور اُسی چار دیواری کے اندر کی ہے جہاں سے نکل کر اردوئے معلّی نے فروغ پایا - مذاقِ سخن بھی اچھا ہے - بندش چست اور سب طرح درست ہے مگر کم گو بہت ہیں - کبھی کبھی دوستوں کے اصرار سے طبع آزمائی کر لیتے ہیں

اپنے شوق سے کچھ نہیں کہتے - یہ اُن کے کلام کا انتخاب ہے ÷

جوشِ وحشت میں مرا پھر دلِ ناشاد آیا / کونسا دشت ہے باقی جو اِسے یاد آیا

میرے گریہ کا طوفاں ہے کہ ہے یہ جوش میں دریا / حبابِ چشم ہے میرا کہ ہے سرپوش میں دریا

میری باتوں سے عدو محفل میں سب کٹ کٹ گئے / شکر ہے رنگِ بیاں غیروں کو خنجر ہو گیا

رکھتے ہیں اپنی نظر میں آپ عاشق کا قصور / جُرم لے جرأت مرا مجھ سے بھی بڑھکر ہو گیا

یہ تو ہم پہلے ہی بس جان چکے تھے جی میں / عشق جب دل میں ہی پھر جان کا بچنا کیسا

دل لگی سمجھے ہوئے ہیں ابھی اُلفت کو غریب / دیکھنا ہوتا ہے دشوار نبھانا کیسا

عشق کی مجھ سے حقیقت کوئی پوچھے جرأت / جان کھو بیٹھنا ہے دل کا لگانا کیسا

رواں آنکھوں سے اشکِ خوں مرے دن رات رہتے ہیں / لہو کا اِک ہی دیکھا ہے اپنے جوش میں دریا

سب نے چھوڑا نہ چھوڑا پر غم نے / اس رفاقت کو دیکھتے ہیں ہم

جان تک کی نہیں ہے کچھ پروا / دل کی ہمّت کو دیکھتے ہیں ہم

جان و دل آپ پہ قربان کیے بیٹھے ہیں / آپ ہم موت کا سامان کیے بیٹھے ہیں

ہزار دشمنِ جاں اپنا آسماں ہو جائے / سمجھ لوں اُس سے اگر کوئی مہرباں ہو جائے

جو سُن لے نام نہ لے پھر وہ عشق کا یارب / مرا فسانہ یہ عبرت کی داستاں ہو جائے

دل میں مرے ٹھن گئی فناں کی / اَب خبر نہیں ہے آسماں کی

کھولے نہ کبھی حقیقت اپنی / یہاں رہ کے خبر رکھی وہاں کی

ق نکلے جو خودی کے جال سے ہم / اور چھوڑ دی راہ این و آں کی

ہر وصف میں ذات ہی کو پایا / سب اُٹھ گئی دوئی درمیاں کی

ہے وصل میں کیونکہ شکایت ہو ستم کی اُس کے / کل شبِ ہجر میں ہم اُسکے بھی خواہاں ہونگے

دیکھکر حسنِ صنم رام نہوں سے جرأت / ایسے سمجھے تو بہت کم ہی مسلماں ہونگے

بل جبیں پر بھی ہیں زلفوں میں بھی معلوم نہیں / وہ ہیں بگڑے ہوئے یا زلف پریشاں ہے

افسوس ہے کہ ہمکو ملاقات بھی نصیب
صابر ہے وقتِ واپسیں جودت نہیں ہوئی

اِس تجاہل کے ہیں قربان کہ وہ رشکِ مسیح
آکے خود پوچھتا ہے درد کا درماں ہمسے

کسکو نقاب اُلٹتے ہی حیرت نہیں ہوئی
لو حشر میں بھی اُنکو ندامت نہیں ہوئی

جودت

جودت - محمد شفیع جودت ساکن میرٹھ شاگرد مولانا شوکت - ۳۴ - ۳۵ برس کی عمر ہے اور علمی استعداد معقول حاصل ہے - کچھ کلام نظر سے گزرا اُس کا انتخاب درج ذیل ہے

ازل سے جو کہ مجرد ہیں کبھی سیدھے نہیں ہوتے
کنگھی شانہ ہیں لیکن نہ نکلا زلفِ پیچاں کا

خود سیہ بختی ہواپنی کھاتے ہیں ہم پیچ و تاب
کیوں بلا بن کر لپٹتے ہیں ترے گیسو ہمیں

ہر رنگ میں زاہدوں کے مکاری ہے
صورت میں خضاب سے سیہ کاری ہے

ہو کعبہ میں چوم کر نہ پتھر کو شباب
تو جیہ کو یہ بات بہت بھاری ہے

جودت

جودت - جناب سید فضل حسین عرف میر منشی صاحب - یہ آجکل کی شاعر اور انجمن معیار کے ایک رکن ہیں - کلام میں شوخی اور طبیعت میں رنگینی ہے - چند غزلیں ملیں اُن کا انتخاب درج تذکرہ کیا جاتا ہے -

دفن کے وقت اقربا میں ذکر یا ہو سانہ تھا
گور میں میں تھا - دہاں گور رہا فسانہ تھا

آپکی جب تک عنایت تھی عدو بھی دوست تھے
آپ جب برہم ہوئے ہر آشنا بیگانہ تھا

آج سب ساقی محفل کل سی کیفیت نہ تھی
گو وہی شیشہ وہی مے تھی وہی پیمانہ تھا

پیاسے پہ دورِ جام سے سرِ محفل پسند آیا
تیرا الطاف و کرم ساقی دریادل پسند آیا

نہ تھی اُمید جسکی تم سے وہ الفاظ سُنوائے
ہمیں بھی آج اپنا اضطرابِ دل پسند آیا

طلب ہو مجھے سراپا داغ کی اس بزم عشرت میں
یہ گلدستہ پئے آرایشِ محفل پسند آیا

خدا جانے وہ کیا سوچے ہیں کیا انجام ہوتا
ابھی اس دل سے نفرت تھی ابھی دل پسند آیا

اللہ رے جذبِ شوقِ شہادت کہ وقتِ ذبح
خنجر لپٹ کے شہ رگِ بسمل میں رہ گیا

پھیلا ہوا ہے ہاتھ عبث طمع مال میں
جو کچھ ملا وہ کفِ سائل میں رہ گیا

جودت

جودت منشی جا، وبیر سہائے متخلص بہ جودت ولد منشی بنواری لال صوفی ذات کایستھ آپکا اصلی مسکن موضع مان پور شہر گیا سے ایک میل پورب ہے مگر اب چند سال سے گیا میں بود و باش اختیار کی ہے آپ عرصہ تک گورنمنٹ پلیڈر گیا کے سرکاری محرر رہے آپکی عمر اسوقت یعنی ۱۹۰۸ء تک تقریبا پچاون برس کے ہو گی سید فصیح الدین حشر اور حکیم عابد علی کوثر کے شاگرد ہیں۔ آپکی چند غزلیں جو دستیاب ہوئیں اُن کا انتخاب حاضر ہے

آنکی آنکھوں پر چڑھے کیا دل کسی بیتاب کا
پنجۂ مژگاں سے قطرہ کب اُٹھا سیماب کا

آنکھ بھر آتی ہے جودت یاد میں اُس مست کی
دیکھتا ہوں جب بھرا ساغر شراب ناب کا

طور پر برق جو چمکی ہوسے موسیٰ بے ہوش
جلوۂ رخ کے سوا اس میں کوئی راز بھی تھا

کج ادائی نے تمھاری یہ اثر دکھلایا
پڑ گئے زلف سیہ فام میں خم آپسے آپ

اب وہی قاتل وہی سفاک ہیں خونریز ہیں
کیا تپ آ سے تھے جو خون مرغ بسمل دیکھکر

بحر ہستی میں تکلا ایام پیری کا ملال
لوگ خوش ہوتے ہیں کشتی قرب ساحل دیکھکر

نشانات نقش پای رفتگاں پایا نہ عالم میں
اُڑا ئی منزلوں کی خاک گرد کارواں ہوکر

دم آخر تھی کیوں حیرت کی صورت چشم بسمل میں
نظر آتا تھا کیا آئینۂ شمشیر قاتل میں

نظر آیا جو نہ مقتل میں وہ قاتل مجھکو
کر دیا شوق شہادت ہی نے بسمل مجھکو

تمنا سے قدمبوسی مبارک تھا کساروں کو
کہ اب وہ روند تے ہیں بیٹھنے والوں کے مزاروں کو

عدو کو بھی ہے دعویٰ سرفروشی کا تو بہتر ہے
اُنھیں کو آزما لو پہلے پھر ہم جاں نثاروں کو

ہر زخم سے ٹپکیگا درمان دل بیتاب کا ✿ [illegible] ✿

جودت منشی عبداللہ جا، پنشنر جہان آبادی۔ شاگرد منشی نادر علی برتر زیادہ حال معلوم نہو سکا۔ کلام حاضر ہے۔

کہنا کسیکا وصل میں یہ چھیڑ چھاڑ کر
ہوگا نصیب پھر نہ یہ دن دیکھنا کبھی

واعظ نصیحتوں سے تری فائدہ ہے کیا
یہ رند بھی ہوتے ہیں کہیں پارسا کبھی

دکھاوینگے تمھیں اک روز ہم فرق حق و باطل
یہ دعویٰ جسقدر ہے تم ہی کا امتحاں ہے

سپنے وصل صنم اب ہر چہ بادا باد دل میں ہے
کرونگا کوششیں میں کوششوں کی حد جہاں تک ہے

جوش

جوش - رحیم اللہ دہلوی عرف رحو بے پڑھے لکھے آدمی تھے مگر مبدء فیاض سے طبیعت موزوں عطا ہوئی تھی اُسی کی بدولت شعر و سخن میں اپنی فکر رسا کے جوہر دکھاتے تھے پہلے مرزا فدوی کے شاگرد ہوئے اُنکی وفات کے بعد مصحفی سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ آزاد منش یارباش بے تکلف آدمی تھے اکثر ہولی کے زمانے میں دوسرے آزادوں کی تقلید میں جابجا گلی گلی کوچے کوچے غزل خوانی کرتے پھرتے تھے سنہ ۱۱۹۳ھ میں بمقام دہلی موجود تھے یہ اُنکے اشعار ہیں

ظرف پر اپنے نظر کر تو ابھی لڑکا ہے	منہ صراحی سے نہ او دلبر میخوار لگا
ہم نے جو کہا تجھ بن کیا کیا نہ الم گزرا	بولا کہ ابے تیرا رونے ہی جنم گزرا
دریا مری آنکھوں سے تب جاری لہو کا ہے	سہے درد تو کیا جانے کیا حال کسو کا ہے

جوش

جوش - میر وارث علی مرحوم جوش شاگرد شیخ امام بخش ناسخ۔ اوائل اُنیسویں صدی میں لکھنؤ میں زندہ سلامت موجود تھے تذکرہ سراپا سخن سے کلام تحت نقل ہوا ؎

کاکل شبگوں نہیں اے جان جاں بالائے سر	ہے چراغ روئے روشن کا دھواں بالائے سر
ہم فقیروں کے ہوئے سلطنت سر میں نہ آئے	گر ہما آکر لگائے آشیاں بالائے سر
تیر جو تیرا لگا ہے سر پہ او ناوک فگن	ہے دہانِ زخم میں گویا زباں بالائے سر
کیا خفا ہوتے ہیں کہتے ہیں نکل جاؤں کہاں	تو نے نالوں سے اُٹھایا ہے مکاں بالائے سر
جوش وحشت میں ہوا اے جوش بیہودہ ہیں	پھاڑ کر دستار باندھیں دھجیاں بالائے سر

جوش

جوش - شیخ نیاز احمد عرف نیاز اللہ دیا جوش - خواص مرزا فخرو ولیعہد حضرت ذوق کے عزیز ترین اور رشید شاگردوں میں سے تھے - کرانہ ضلع مظفر نگر اصلی وطن تھا مگر دہلی میں اقامت اختیار کی تھی - طباعی - ذہانت سخن فہمی اور نکتہ سنجی میں یگانہ آفاق تھے سنہ ۱۲۷۱ھ میں بعمر ۲۵ سال انتقال کیا۔ شعر بہت خوب کہتے تھے اور از سر تا پا استاد کے رنگ میں ڈوبے ہوئے تھے - وہی زبان - وہی بندش - وہی لطف محاورہ غرض سارے اسلوب وہی تھے - مرنے سے چند روز پہلے شاعری سے توبہ کی اور اپنا دیوان جلا دیا استاد

ذوق نے جب یہ سنا تو بیحد رنج کیا۔ کیونکہ تمام تلامذہ میں انھیں کو قابل ترین طلباء سمجھتے تھے۔

کیوں غل ہے مری نعش پہ نوحے کی صدا کا ۔۔۔ رونے کا نہیں وقت یہ ہے وقت دعا کا
پوچھے کوئی کیا میں نے بگاڑا تھا صبا کا ۔۔۔ اُس کوچے میں اُسنے جو اڑایا میرا خاکا
غش آگیا ہے سنتے ہی ذکر اُسکی جفا کا ۔۔۔ درپردہ مزا چکھتے ہیں ہم روزِ قضا کا
آنسو کا کوئی تار نظر آئے تو آئے ۔۔۔ وحشت میں مرے تن پہ کہاں تار قبا کا
حاصل نہ ہوا وصل میں مقصود کہ مجھکو ۔۔۔ پاس اُن کا رہا اور اُنھیں پاس حیا کا

قطعہ

کہتے ہیں کہ یاروں نے طبیبوں کو بُلا کر ۔۔۔ کل حال دکھایا ترے بیمارِ جفا کا
بیطاقتی وضعف سے یہ حال تھا اُس کا ۔۔۔ سر پر نہ اُٹھا سکتا تھا احسان دوا کا
چلّائے ہے پھر جوش خدا جانے کماندار ۔۔۔ کیا حال ہے آج اُس ہدفِ تیر قضا کا

کیونکر وہ ہاتھ آئے کہ یاں زور و زر نہیں ۔۔۔ لے دے کے ہو اک آہ سو اُس میں اثر نہیں
ہے ڈر یہی کہ تو نہ پشیماں ہو بعد قتل ۔۔۔ ورنہ ہمیں تو مرنے کا کچھ اپنے ڈر نہیں
قسمت سے درد بھی تو ہوا ہمکو وہ نصیب ۔۔۔ جس درد کا کہ چارہ نہیں چارہ گر نہیں
کیا کرتے ہم کہ دل ترا نازک ہے تاب نہیں ۔۔۔ اچھا ہوا کہ نالے میں اپنے اثر نہیں
قسمت ہی میں نہیں ہے شہادت وگرنہ یہاں ۔۔۔ وہ زخم کونسا ہے کہ جو کارگر نہیں
سجدے میں کیوں پڑا ہوا ہے اُٹھ شراب پی ۔۔۔ اے جوش میکدہ ہے خدا کا یہ گھر نہیں

جوش
جوش ۔ منشی نظام الدین خلف وجیہ الدین پنجابی ۔ شگفتہ طبیعت پائی تھی ۔ آپ علیگڈھ میں رہا کرتے تھے یہ اُنکے اشعار ہیں ؎

بار اُتارا ہے دوش سے سر کا ۔۔۔ ہے یہ احساں تمہارے خنجر کا
ہے پرستش سنگ کی عشقِ بتاں میں ننگ سی ۔۔۔ جاویں گر کعبہ تو پہلے سنگ اسود چوم لیں
سر کو تہ تیغ رکھ کے میرے ۔۔۔ ثابت قدمی کا امتحاں لو

جوش
جوش ۔ شاہ خلیل الدین احمد جوش محرر رجسٹری ضلع مونگیر شاگرد نساخ خلف مولوی

شاہ محمد اصغر مرحوم باشندہ منگیر ضلع پٹنہ اور حضرت مخدوم شرف الدین احمد کی اولاد میں تھے سنہ ۱۲۷۵ھ میں موجود تھے یہ اُن کا کلام ہے ؎

لن ترانی کی نہ لیں جوش سے کچھ یاد بھی ہے	اُسنے دیکھا نہیں پڑتے ہیں حضور آپکو کیا
ساری دنیا سے بے خبر پایا	جسکو عالم میں باخبر دیکھا
مرا خط لا کے دے قاصد عدو کو	یہی تقدیر کا میرے لکھا ہے

جوشؔ - نواب احمد حسن خان جوش معروف بہ اچھے صاحب خلف نواب محمد مقیم خان بہادر مقیم ابن نواب محبت خاں محبت خلف حافظ الملک نواب رحمت خاں والی روہیلکھنڈ۔ نواب ظفریاب خاں راسخ مرحوم اور نواب عاشور علیخاں عاشور سے اصلاح لی تھی ان کے دو دیوان مسمّیٰ بہ گلدستۂ سخن معروف بہ بہارستان جوش اور چمنستان جوش اور ایک قصہ فسانۂ جوش نامی شائع ہو چکے ہیں اوائل عمر سے شاعری کا شوق اور ارباب کمال کی صحبت کا ذوق تھا طبیعت رسا تھی - عاشقانہ مضامین خوب باندھتے تھے گاہ گاہ فارسی میں بھی غزل کہہ لیتے تھے - اخیر عمر میں حضرت اسیر کے تلامذہ میں داخل ہوئے - کٹرہ نواب محبت خان لکھنؤ میں رہتے تھے سنہ ۱۲۴۳ھ میں پیدا ہوئے ۸۱ برس دنیا کی ہوا کھا کر لکھنؤ میں انتقال کیا - آپکے مطبوعہ کلام کا مکمل انتخاب درج ذیل ہے ملاحظہ ہو ؎

نازاں نہ ہو اس شکل پہ لو آئینہ دیکھو	کیا کہتے ہو تم میرا مقابل نہیں ملتا
بلبل نے شاخ گل پہ نشیمن بنالیا	ہم نے بھی کوئے یار میں مسکن بنالیا
سچ کہتے ہیں کہ نام محبت کا ہے برا	اُلفت جتا کے دوست کو دشمن بنالیا
زباں دی منہ میں ہر اک چیز کا اُسکو مزا چکھنا	کہاں تک شکر ہو مجھسے ادا خالق کے احساں کا
دامن حضرت یوسف کے اُڑائے پرزے	پاس عصمت سمجھے اُس وقت زلیخا کو ہوا
میکدے میں کل تو میرے ساتھ تھا مشغل فقرا	کج یہ شیخ مزوّر جلاد پارسا کیونکر ہوا

حسرتیں مردہ دلوں کی کبھی زندہ ہوئیں
نام رکھا ہے عبث تم نے مسیحا اپنا

غیر ممکن ہے جو موقوف ہو رونا اے جوش
کس نے دیکھا ہے کہ بہتا ہوا دریا ٹھہرا

لن ترانی کیوں سنائی تو نے مجکو اے صنم
عاشقوں میں تھا ترے موسیٰ عمراں نہیں تھا

تیغ قاتل کو اسے دل مجروح
دہن زخم سے دعا دینا

تشنۂ آب تیغ ہیں او ترک
تھوڑا پانی ہمیں پلا دینا

بیٹھنا تم نہ میری تربت پر
فاتحہ کو تو ہاتھ اٹھا دینا

خضر گم کردہ راہ ہیں اے جوش
چاہیئے راستہ بتا دینا

لب میگوں کو ترے بادۂ احمر سمجھا
گردش چشم کو ہیں گردش ساغر سمجھا

ترک کر اے دل یہ ہر دم سوئے جاناں دیکھنا
مفت میں جاتی رہیگی ایک دن جاں دیکھنا

اسکی آنکھیں سے لگیں دل سے مرے صبر و قرار
ہو گیا کیا خانۂ آباد ویراں دیکھنا

تم نے کیں چھپ چھپ جفائیں لاکھوں
میں نے پر ایک کا شکوہ نہ کیا

کیوں نہ یکتا اسے کہیئے سب سے
اپنا ثانی کوئی پیدا نہ کیا

دیکھکر قد کو ترے شمشاد ہو سلے پا بگل
روئے روشن کو ترے دیکھے تو ہو جائے گل آب

ہجر ساقی میں وہ دریا میری آنکھوں سے بہا
آسماں جس میں نظر آیا مجھے مثل حباب

دل خون ہے اس غم سے عقیق یمنی کا
دیکھا جو لبوں کو ترے اے غنچہ دہن شوخ

جا لگا یہ دم ذبح سفت رتہ خنجر
تھا پیش نظر عارض و لب زیر تہ خنجر

آئینہ زانو میں جو ابرو کا پڑا عکس
قاتل نظر آیا مجھے خنجر تہ خنجر

کہہ رہا ہے یہ دہان زخم سے نخچیر پھر
کیا مزا ہے او کماں کش پھینکنا اک تیر پھر

جز غم عشق بنا کوئی نہ غمخوار اپنا
جز اجل کوئی عیادت کو نہ آیا سر پر

آج میخانے میں یہ غل کر رہے ہیں مے فروش
بادۂ رنگیں بیا شامید تا دار بیہوش

بندے ہیں تیری ہی اچھے یا برے ہیں جیسے ہیں
شرم رکھ لے ہم گنہگاروں کی تو ہی پردہ پوش

کبھی کی یہ تو نکل جاتی تن سے فرقت میں
فقط تمھارے ہی آنیکی ہے یہ جان مشتاق

دورِ فلک نے ہمکو گو خاک میں ملایا
ہے قدرداں کے آگے وہی وقار اپنا

مجھ جاں بلب کے پاس سے جاتے ہو گھر کہاں
پھر تم کہاں یہ عاشقِ خستہ جگر کہاں

کہتے ہیں کیا حضور کہ آئیں گے وقتِ صبح
اس شب کو خاتمہ ہے ہمارا سحر کہاں

کس سے کہیں گے دل پہ جو آئینگی آفتیں
پہلو سے اٹھ کے جانے لگے ہو ستمگر کہاں

اُس بت کے پاس تو یہیں پہنچا دے گر مجھے
آنکھوں سے میں لگاؤں ابھی برہمن کے پاؤں

ہمیں خدا نے بنایا ہے بت پرستی کو
بتا تو شیخ برا کیا گناہ کرتے ہیں

قضا ٹھہر جا مکان کے باہر نہ قصد آنیکا تو یہاں کر
شفا ہے جنکی زباں کے اندر مسیحا اب آ چکے ہیں

ولا یا بوس اسقدر ہو تڑپ تڑپ کر نہ جان کھو
ضرور آئیں گے آج شب کو قسم خدا کی وہ کھا چکے ہیں

نہ مرنے سے ڈرے ہم عشق کامل اسکو کہتے ہیں
تصدق تم پہ کردی جان ثابت دل اسکو کہتے ہیں

پھر کس طرح یقین ہو کہ ہے دل سے دلکو راہ
مرتے ہیں جسپہ ہم اُسے مطلق خبر نہیں

ابر میں چاند گر نہ دیکھا ہو
رخ پہ زلفوں کو ڈال کر دیکھو

بعد مرنے کے وصل ہوتا ہے
جوش تم بھی کسی پہ مر دیکھو

دل و دنیا و دیں تو دیچکے اک جان باقی ہے
خدا کے واسطے ہاں اب بتو راضی ہیں ہم لیلو

پائیں گے مراد اپنی خریدار کبھی تو
نکلے گا وہ یوسف سرِ بازار کبھی تو

کام آئیں ہوائے نفسِ سرد کے جھونکے
اُڑ جائیگی نقابِ رخِ دلدار کبھی تو

مر مرکے اگر شام تو رو رو کے سحر کی
یوں زندگی ہمنے تری دوری میں بسر کی

دل مائل زلف و رخ جانانہ ہوا ہے
سودائی ہے نادان ہے دیوانہ ہوا ہے

تیغ ابروئے ہلالی سے جگر بسمل ہے
ناوک و عشوہ و انداز کا زخمی دل ہے

بندوں کے حرف عجز ہیں اللہ کو پسند
مجرم جو منفعل ہو خطا کچھ نہ پوچھئے

رہو خوشی سے بتو اس کو اپنا گھر جانو
بنا ہے کعبہ دل سا مکان تمھارے لیے

تمھاری زلف کا بوسہ اگر لیتے تو ہم لیتے
یہ سودا سر کو اپنے بیچکر لیتے تو ہم لیتے

وہ ہاتھ لگا دے کہ شہیدوں میں ہو شامل
عاشق ہیں ترے آبِ دمِ تیغ کے پیاسے

عشرت رنگِ حنا پر مجھے رشک آتا ہے
رنگ اپنا ترے ہاتھوں پہ جما رکھا ہے

مریضانِ رخِ گیسو کو تیرے دیکھکر اے بت
کوئی کہتا ہے سایہ ہے کوئی کہتا ہے سکتا ہے

قیس سے کہدو کہ ہٹ جائے یہ لیلیٰ کا ہے حکم
آنے پائے نہیں پردۂ محمل کوئی

لختِ جگر طعام ہے پانی ہے خونِ دل
اپنے مریضِ غم کی غذا کچھ نہ پوچھیے

اگر چشمِ حقیقت بین سے نظارہ کرے کوئی
نظر نورِ خدا حسنِ رخِ اصنام میں آئے

چشمِ دل کھولکے نظارۂ لیلیٰ کر لے
قیس سے کہدو کہ سب پردۂ محمل اُٹھے

لو شمع کی جس رونقِ محفل سے لگی ہے
پروانہ ہو جاں اُس پہ یہی دل سے لگی ہے

کسکی طاقت ہے کہ تیرا مدح خواں ہو اے کریم
آپ ہی حامد ہے تو اور آپ ہی محمود ہے

ان آنکھوں کی بدولت دل پہ آفت آہی جاتی ہے
نظر کوئی نہ کوئی اچھی صورت آہی جاتی ہے

اگر حرص و ہوا سے باغِ عالم سے جدا ہوتے
تو پھر کیا فرق تھا اے منکرو بندے خدا ہوتے

قبر پر میری گلِ تازہ چڑھانے آئے
اور یہ کام بجز بادِ سحر کس کا ہے

مرنے کے بعد چین سے سوئے لحد میں ہم
جبتک کہ زندگی رہی اندوہگیں رہے

شکل وہ نور کی لے زہرہ جبیں پائی ہے
چشمِ انجمن سے فلک تیرا تماشائی ہے

حسن کہتے ہیں اسے عشق اسے کہتے ہیں
آپ اپنا وہ صنم محوِ خود آرائی ہے

جوش **جوش**۔ جناب منشی محمد عبدالکریم صاحب مقیم بمبئی شاگرد حضرت سہیل سورتی۔ دَورِ موجودہ کے شاعر اور اس طرح سخن طرازی کرتے ہیں۔

آنکھ وہ ہے جسکو تیری جستجو درکار ہے
دل وہی ہے جسکو تیری آرزو درکار ہے

ہے محب درکار تجکو یا عدو درکار ہے
میرا تو کہنا یہی ہے مجکو تو درکار ہے

لیجیے میخانے میں ہی آگیا وقتِ نماز
حضرت واعظ کو اب ظرفِ وضو درکار ہے

جسکے نیچے خارہوں وہ گُل مرے کس کام کے
نیزی سی خو مجکو تو تیری سی بُو درکار ہے

نازہو انداز ہو۔ شوخی ہو یکتائی بھی ہو
چار چیزیں جس میں ہوں وہ خوبرو درکار ہے

جوش **جوش** منشی محمد جان کلرک دفتر اکزیکٹو انجینیر شاگرد نواب عبد اللہ خان مطلب مرحوم۔

عاشق و معشوق کا شکوہ ہی کیا جھگڑا ہی گیا
تم گلے سے لگ گئے سارا گلہ جاتا رہا

اک نگاہِ شوخ صبر و ہوش و طاقت لیگئی
لُٹ گئے جو کچھ ہمارے پاس تھا جاتا رہا

دل کا بھید اے جوش ہم پر کچھ نہ آخر تک کھلا
عمر بھر یہ تو یونہیں آتا رہا جاتا رہا

جوش **جوش**۔ محمد اسمٰعیل خان نام متوطن ماہنورہ ضلع چھپرہ۔ آپ مولانا مولوی منشی خواجہ عبد الرؤف صاحب عشرت لکھنوی کے شاگرد ہیں آپکے والد کا نام محمد ولید اد خان صاحب ہے آپ کا آبائی پیشہ زمینداری ہے۔ خوش فکر اور تیز طبیعت ہیں علاوہ اسکے حافظ قرآن بھی ہیں اور فارسی اور علوم عربی میں کامل دستگاہ حاصل ہے عمر ۲۳ سال ہے فی الحال لکھنو میں قیام پذیر ہیں چند اشعار جو آپکے دستیاب ہوئے ہدیۂ ناظرین ہیں

نفسِ سرد سے اُلفت کا مداوا نہ ہوا
داغِ دل مرہم کافور سے اچھا ہوا

یہ سُن سکے کہ شیدا ہوں میں اِک ماہ جبین پر
اِترا سکے وہ بولے کہ یہ مرتا ہے ہمیں پر

وصل کی رات بھی دھڑکن میں بسر ہوتی ہے
شام سے اُن کو یہ ضد ہے کہ سحر ہوتی ہے

یہ جبیں آنیکو کس مُنھ سے کہیں وصل کی شب
نہ وہیں ہوتا ہے اِسکے نہ کہیں ہوتی ہے

جوش **جوش**۔ نواب محی الدین علیخان صاحب ابن حکیم منصور علیخان صاحب جاگیردار آپکے دادا صاحب حکیم حاذق حکیم رضا علی خاں دہلی کے باشندے تھے بعد غدر یہاں تشریف لائے۔ بعہد حکومت نواب ناصر الدولہ بہادر والی دکن موردِ الطاف سلطانی و خطاب ومنصب و جاگیرات سے سرفراز ہوئے سلسلہ بسلسلہ یہ جاگیر بحال ہے۔ فقیر منش با اخلاق شخص ہیں علم عربی و فارسی میں لایق اور فن شاعری سے زیادہ مذاق رکھتے ہیں اس وقت ۲۸ سال کی عمر ہے اصلاح سخن نواب فصیح الملک داغ دہلوی سے لیتے تھے آنکے

انتقال کے بعد حضرت ظہیر دہلوی کو کلام دکھاتے ہیں۔ کلام ملاحظہ ہو:

پیش حق جب حشر میں ہونا پڑا — اشکِ غم سے منہ ہمیں دھونا پڑا

ساقی نے یوں تو سب کو دی اقسام کی شراب — میرے لیے تھی گردشِ ایام کی شراب

جب میکدے میں بیٹھ کے واعظ پئیں گے جام — ڈالیں گے ہم زمیں پہ ترے نام کی شراب

کچھ ہم بھی جذبِ الفت کا اثر پہچان جاتے ہیں — نظر ملتے ہی اندازِ نظر پہچان جاتے ہیں

سحر میں داغ دل اپنے منور ہوتے جاتے ہیں — عیاں اشک کے پردے سے اختر ہوتے جاتے ہیں

زباں پر بلبلوں کی شور ہے اب کس کی آمد کا — چمن میں پھول کیوں جامہ سے باہر ہوتے جاتے ہیں

بیساختہ دہن سے جو نالے نکل گئے — گھر سے وہ اپنے دل کو سنبھالے نکل گئے

شوخیاں آنکھوں میں ہیں ان کی قیامت دل میں ہے — اک قیامت ظاہرا ہے اک قیامت دل میں ہے

تیرے کوچے میں ایسے ضعف سے شوریدہ سر بیٹھے — جگر کو تھام کر اٹھے تو دل کو تھام کر بیٹھے

خبر کچھ بھی نہیں اے جوش تم کو اپنے عشق کی — عجب حالت تمہاری ہے جدھر بیٹھے ادھر بیٹھے

جوشش

جوشش۔ جوشش تخلص۔ شیخ محمد روشن نام۔ آپ [illegible] آباد پٹنہ کے باشندے اور طبقہ دوم کے آخر شعراء میں تھے۔ خوش لیاقتی آپ کی افزوں از تحریر ہے نظم ریختہ میں آپ کو کمال حاصل تھا اور معنی بیگانہ سے طبیعت کو بیحد لگاؤ تھا چاشنی دردکی آپکے کلام سے ظاہر اور علم عروض سے بخوبی ماہر تھے آپنے حضرت میر درد کے کلام کا اتباع کیا اور اُس کو بخوبی نباہا۔ طرز سخن نہایت پسندیدہ و مرغوب اختیار کیا تھا اسلوب بیان دلکش اور مؤثر ہے بندش نہایت صاف اور مضمون خوب نکالتے تھے انتخاب اُنکے دیوان کا یہ ہے:

کس طرح سے اوصاف ہو خلاقِ جہاں کا — قدرت نہ تکلم کی ہے نہ مقدور زباں کا

عاشق کو ہے کب جلوۂ معشوق کی طاقت — مہتاب کو دیکھے نہیں مقدور کتاں کا

عنقا کی طرح گو کہ نشاں وہ نہیں رکھتا — ملتا ہے پتہ نام ہی سے اُسکے نشاں کا

پیتا ہے گر تو بادۂ عشرت سمجھ و لے
جوشش بڑا ہے دردسر اُسکے خمار کا

دیکھکر رنگِ ستم تیری جفا کاری کا
کوہکن ہو تو نہ دم مارے وفاداری کا

چشم پُر آب ہے۔ لب خشک و داغ آشفتہ
روز عالم ہے غرض دلکی گرفتاری کا

جی سیر ہیں گلزار کی تن کنجِ قفس میں
یہ صید گرفتار ادھر کا نہ ادھر کا

سر اُسکی تیغ سے جب تک جدا نہ ہوویگا
کسی طرح سے حق اُس کا ادا نہ ہوویگا

دل و جگر ہی پہ آفت نہیں فقط جوشش
جو ہے یہی ترا رونا تو کیا نہ ہوویگا

ہم سا ہی وہ ہوگا سادگی میں
یا اور جو تری قسم کرے گا
جوشش مت رو دل و جگر کو
کس کا کس کا تو غم کرے گا

اُسکی آنکھوں کو دیکھیں سے جوشش
مُنہ تو دیکھو شراب خواروں کا

اس ادا کا تری ہوں دیوانہ
دیکھنا مجھکو اور چھُپ جانا

اُسکی رنجش کا تجھے خوف عبث ہے جوشش
ہو چکا ہے وہ اسی طرح سے سو بار خفا

نہ چھوڑتے ہیں شگوفے نہ غنچے کھلتے ہیں
چمن میں شور پڑا کس کے مسکرانے کا

جیسا کہ دلپہ زخم ہے اُسکے خدنگ کا
گلشن میں ایک گل نہیں اِس آب رنگ کا

کل جو اُسے دیکھکر ہوگئے ہم بے خبر
ہنس کے وہ کہنے لگا پھر بھی ادھر دیکھنا

مزا دکھاؤں تجھے تیری بیوفائی کا
اگر ہووے مجھے پاس آشنائی کا

قیس پھرتا جو رہا دشت میں دیوانہ تھا
اُسکو لیلیٰ ہی کے دروازے پہ مرجانا تھا

گر یونہیں یہ دل درپئے آزار رہے گا
اک روز نہ اک روز مجھے مار رہے گا

کل بزم میں سب پر نگہ لطف و کرم تھی
اک میری طرف تو نے ستمگار نہ دیکھا

جز چشم بتاں میکدۂ دہر میں جوشش
ہمنے تو کسی مست کو ہشیار نہ دیکھا

اوروں کی عیب جوئی اپنا ہنر نہیں ہے
اپنی ہی عیب جوئی یہ ہے ہنر ہمارا

نگاہِ لطف سے دیکھا یہی غنیمت ہے
سلام اُسنے ہمارا لیا۔ لیا نہ لیا

کس سے ہوئی ہے دوستی ایسی کہ ان دونوں
آنا ہمارا دل پہ ترے شاق ہوگیا

لگادی دل میں آگ ای آہِ سوزاں کیا کیا تو نے
جلا دیتا ہے اپنے ہاتھ سے بھی کوئی گھر اپنا

شب فرقت ہی بیتابی دل ہے درد پہلو میں
نظر آتا نہیں ہمکو تو بچنا تا سحر اپنا

غش آگیا وہ سامنے میرے جہاں ہوا
مجھ کو تو وصل یار میسّر کہاں ہوا

ہزار پیار کرے گا ہزار چاہے گا
میری طرح نہ کوئی تجھ کو یار چاہے گا

کوئی اس غمکدے میں اپنی غمخواری نہیں کرتا
دیا ہے ایک کو دل وہ بھی دلداری نہیں کرتا

نہ شکل شیشہ آتی ہے نظر نے جام کی صورت
رہی زیر فلک پھر کون سی آرام کی صورت

دیکھتے ہم ہیں اور ان آنکھوں میں کیا ہوتی ہے
خون کے پیاسے ہیں وہ اور تشنۂ دیدار ہم

کرے ہیں جور کا شکوہ ترے ہی یار آپس میں
جہاں مل بیٹھتے ہیں آشنا دو چار آپس میں

ہجوم عاشقاں دیکھوں ہوں اپنے یار کے در پر
مجھے چلتی نظر آتی ہے اب تلوار آپس میں

آج ہے عزم شکار اس کا یہ معلوم نہیں
خوف سے مر گئے یا صید حرم جیتے ہیں

بیکسی سے یہی گلہ ہے مجھے
تھام لیتی ہے دست قاتل کو

جی میں جس وقت کہ مضمون کمر آتا ہے
بسکہ نازک ہے مجھے باندھتے ڈر آتا ہے

رباعی

کچھ کام نہیں ہمیں وفا سے
تو ہاتھ نہ کھینچیو جفا سے
کل سب سے گلے لگے ملے تم
تھے ہم بھی تو صورت آشنا سے

قطعہ

نہ کوئی دوست ہے نہ کوئی میرا دشمن ہے
ایک یہ دل ہے غرض دوست ہے یا دشمن ہے

ایک دن کا ماجرا ہے میں گیا تھا سیر کو
دیکھتا کیا ہوں کہ جھگڑا ابر سر بازار ہے

برہمن کہتا ہے بتخانے میں ہے ذات خدا
شیخ کہتا ہے غلط کعبہ ہی میں دیدار ہے

اس میں جوشن بول اٹھا سنتے ہی شیخ و برہمن
جانے دو اپنی طرف دیکھو یہ کیا تکرار ہے

ممکن نہیں کہ دیکھئے روئے شگفتگی
جبتک برنگ غنچہ گریباں نہ پھاڑیئے

جاہ و حشم کی خواہش دولت کی آرزو ہے
دو دن کی زندگانی پر یہ جستجو ہے

صورت پرست ہوں میں مانند آئینے کے | جو کچھ کہ ہے میرے دل میں سو میرے روبرو ہے
کہتا ہوں دردِ دل تو وہ کہتا ہے کیا مجھے | چپ رہیئے بس زیادہ نہ باتیں بنائیے
کشورِ عشق میں رسوا سر بازار ہوئے | اُسکے ہاتھ آپ بکے جسکے خریدار ہوئے
دیکھا ہے جب سے زلف کو شانے کے ہاتھ میں | جوشش ہمارے دل کو عجب پیچ و تاب ہے
اے عشق مجھے خوار کیا۔ کیا کیا تو نے | رسوا سر بازار کیا۔ کیا کیا تو نے
اُس رخ صاف کے آگے جو کوئی آتا ہے | آئینہ اپنا ہی مُنہ دیکھنے لگ جاتا ہے

رباعی

گر جان دے کوئی پر نہ اُس کے ہونگے | جی شوق سے لینگے اُس کا جسکے ہونگے
جوشش نہ رکھ ان بتوں سے اُمیدِ وفا | یہ کس کے ہوئے ہیں اور کسکے ہونگے
دن میں سو سو بار تیرے کوچے میں آنا مجھے | اِس میں سودائی کہے کوئی کہ دیوانہ مجھے

جوشش

جوشش - میر شجاعت علی جوشش مرحوم - میرزا حاتم علی بیگ مہر مرحوم کے دوستوں میں سے تھے - ایک تذکرہ میں ان کا نام دوست علی درج کیا گیا ہے یہ اُنکے شعر ہیں -

اے چرخ بیکسی پہ ہماری نظر نکر | جو کچھ کہ تجھ سے ہو سکے تو درگزر نکر
پہنچا دے اُس گلی میں اگر تجھ سے ہوسکے | اِس خاک کو نسیم سحر دربدر نہ کر
اُس حسن صندلی کی ثنا اور تیرا مُنہ | دیوانہ کیوں ہوا ہے تو یہ دردِ سر نکر
جوشش یہ بستی رہنے کے قابل نہیں رہی | چکا ہی چل یہاں سے کسیکو خبر نکر

جوگی

جوگی - بابو اللہ یار خاں کے والد صوبہ دار محبیر خان محمد صاحب - فوجی ملازمت کی وجہ سے اطراف دکن میں عرصہ تک مامور رہے - جوگی صاحب [illegible] میں بمقام پونا پیدا ہوئے مگر اُنھوں نے لاہور آکر ہوش سنبھالا اور لاہور کے اسلامیہ سکول میں انٹرنس تک تعلیم پائی - بعض شعرا و زباں دان اصحاب کی ہم بزمی سے شعر گوئی کا شوق پیدا ہوا - اِس فن میں حضرت آغا شاعر دہلوی کے شاگرد ہیں - اگرچہ ابھی مبتدی اور نومشق ہیں مگر ذہن سلیم اور طبیعت رسا پائی ہے - کچھ عرصہ سے گانے کی حفاظت

وجاہت میں ایک رسالہ گنجو نانا کے نام سے جاری کیا ہے۔ فی الجملہ ایک خلیق کل اور آزاد خیال جوان ہیں۔ مندرجۂ ذیل اشعار اُنکی طبع رسا کا خاص انداز ظاہر کرتے ہیں۔

ساقی مہوش بپا محفل جما برسات کی | جام بھر بھر کر پلا آئی گھٹا برسات کی
مُردے جی اُٹھتے ہیں جس سے ہے فضا برسات کی | روح کی تاثیر رکھتی ہے ہوا برسات کی
زاہدوں کو قدر کیا ہوگی بھلا برسات کی | پی کے تھوڑی سی کبھی دیکھیں فضا برسات کی
ہو ہیرا وحشت کا اُسنے یار سے رکھا الگ | اب کے جوگی جی نے بھی جنگل میں جا برسات کی

ہنسی ہنسی میں نہ یہ پافنا دہو کوئی | عدو سے کہدو زباں کو سنبھال کر بیٹھے
گزرتے بچ کے ہیں جوگی سے ہی خیال اُنھیں | گدائے حسن ہے شاید سوال کر بیٹھے
سانے فلک دیکھ مری آہ رسا آئی ہے | جان پر تیری زمیں سے یہ بلا آئی ہے
آسماں کیا ہے مری آہ رسا کے سامنے | بلبلے کی کیا حقیقت ہے ہوا کے سامنے

کہتے ہیں مجھ اسیر زلف کو جو | کہ یہ جوگی نہیں سپیرا ہے

جولان **جولان**۔ بہادر علی شاہ جولاں۔ ساکن شاہجہاں آباد۔ دنیاداری کی حالت میں آپ کا نام رمضانی نقا۔ فن تیر اندازی میں یگانۂ روزگار تھے یہ ایک شعر آپکا ملا کہ درج کیا جاتا ہے

کنج قفس میں دیکھ کے بے بال و پر مجھے | اے ہمصفیرو چھوڑ گئے تم کدھر مجھے

جولاں **جولاں**۔ میر حسن علیخان نام ملک دکن کے رہنے والے اور طبقۂ دوم کے آخر شعرا میں تھے۔ ہر ایک شخص سے بادب اخلاق اور حسن سلوک کے ساتھ پیش آتے تھے یہ انکا کلام ہے

اب ایسی جام میں ساقی شراب ارغوانی بھر | کہ جسکو دیکھکر زاہد کے منہ میں آوے پانی بھر
تری صورت ہی کیا کھینچے جو تو اُس شوخ کی تصویر | ہمارے روبرو ہرگز تو ایسا دم نہ مانی بھر
ہوا ہے ابر سے ہر سو گل و گلزار خنداں ہے | صراحی میں تو اب ساقی شراب ارغوانی بھر

ایک قصیدے کی تمہید میں یہ چند اشعار ہیں۔

صبحدم گزرا مری خاطر میں ناگہ یہ خیال | سیر گلشن کیجیے تا دور ہو دل سے ملال

جا کے ہیں سیرِ چمن میں یک بیک دیکھوں تو کیا
عارضِ گل پر ہیں بکھرے زلف سے سنبل کے بال

نرگسِ شہلا تھی اپنی چشمِ مخموری پہ مست
لالۂ حمرا دکھاتا تھا مجھے اپنا جمال

اور لباسِ زعفرانی بر میں تھا صد برگ کے
اودے جوڑے پر تھا نافرمانیِ حسنِ کمال

جولاں

جولاں - درویش وارستہ مزاج آزاد منش الف شاہ وطن بدایوں تھا لیکن بریلی اکثر رہتے تھے۔ جب عالمِ فقر اختیار کیا سیاحی میں مشغول رہنے لگے اور پھر پھرا کر آگرہ ضرور آتے تھے۔ فنِ سخن میں خواجہ آتش لکھنوی سے مستفیض تھے ۱۲۶۴ھ میں ۷۰ سال سے زیادہ عمر تھی آگرہ میں راہیِ ملکِ بقا ہوئے یہ اُن کا کلام ہے۔

ہم وہ ہیں صیدِ وفا کیش کہ خوں روتے ہیں
ٹوٹ جاتا ہے تڑپنے سے اگر دام اپنا

کیا بتائیں کہ ہے کہاں مسکن
کوئے قاتل میں رہا کرتے ہیں

اُٹھایا ہے گلی سے اُس پری رو کی اگر مجھکو
تو پیچلِ وحشتِ دل اب جدھر چاہے اُدھر مجھکو

برنگِ گل جو کشتوں کا ترے ہر زخم خنداں ہے
ترا کوچہ ہے سفاکِ عالم یا گلستاں ہے

معشوق پر بھی ہوتی ہے تاثیر چاہ کی
چٹکی کلی جو بلبلِ بیدل نے آہ کی

ترکِ الفت میں بھی مُنہ تجھ سے نہ موڑا میں نے
آنا جانا ترے کوچے کا نہ چھوڑا میں نے

آپ نے عہدِ وفا بار ہا جھکے توڑے سو بار
اسپہ بھی رشتۂ الفت کو نہ توڑا میں نے

خاک سے واں کی ہوا چشمۂ زمزم پیدا
جس جگہ دامن ترا اپنا نچوڑا میں نے

توسنِ عمرِ رواں کا مری حافظ ہے خدا
لُجۂ عشق میں ڈالا ہے یہ گھوڑا میں نے

سینکڑوں رنج اُٹھائے ہیں تنوکے جولاں
عشق کے نام سے اب کان مروڑا میں نے

جوہر

جوہر - کوئی بزرگ بریلی کے باشندے اور اوائل اُنیسویں صدی میں حیات تھے ایک قدیم تذکرے میں آپ کا کچھ کلام نظر سے گزرا اُس میں سے یہ دو شعر پسند آئے درج تذکرہ کیے گئے

ہے دستِ شانہ زلفِ بتِ خود پسند پر
پایہ چڑھا ہے چور لپٹ کر کمند پر

تجھ بن ہے خراب زندگانی
دل پر ہے عذاب زندگانی

جوہر۔ امیر خوشخصال لالہ مادھو رام کوٹھی وال خلف الرشید لالہ جواہر مل ساہوکار رئیس فرخ آباد۔ آپ کا خاندان شمالی ہند کے ساہوکاروں میں ایک نہایت برگزیدہ و باوقر گھرانہ سمجھا جاتا ہے آبائی تمول و فضیلت علمی کیساتھ شعر بھی خوب کہتے۔ دن رات یہی ذکر و اذکار رہتے تھے۔ عروض و قافیہ سے بخوبی ماہر۔ اور عجیب و نواب شعر سے باخبر۔ منشی اسمٰعیل حسین منیر کے تلامذہ میں جوہر فرد اور خود استادانہ قابلیت رکھتے تھے۔ کبھی کبھی بطور سیر و سیاحت دہلی و لکھنو و اکبرآباد وغیرہ گئے اور وہاں مہینوں قیام کیا۔ ۱۸۷۷ء کے دربار قیصری دہلی میں شامل ہوئے تھے۔ انکی ذات والاصفات سے اکثر اہل ہنر کو فیض پہنچتا تھا۔ اشعار عجیب کیفیت آمیز ہوتے ہیں جن کے پڑھنے سے پڑھنے والے اور سننے والے دونوں کو لطف حاصل ہوتا ہے۔ اور دونوں کے دلوں پر برابر اثر پڑتا ہے۔ شعرا کے بڑے قدردان اور محسن تھے۔ چنانچہ منشی منیر مرحوم بھی انھیں کیوجہ سے اکثر فرخ آباد میں رہے۔ بہادر شاہ کے آخر زمانۂ سلطنت میں مختار شاہی کا عہدہ بھی ان کے لیئے تجویز ہوا تھا۔ انکے کلام میں دلچسپی و دلکشی ہونے کے علاوہ ہر شعر ناخن بدل ہے۔ انکی طرز خاص معاملہ گوئی ہے۔ اور جدت سے خالی نہیں۔ زبان بہت صاف اور شستہ بے تکلف لکھتے ہیں۔ بہرحال انکے مستند اور نادر الکلام شاعر ہونے میں کسی کو شک نہیں ہوسکتا۔ اوائل چودھویں صدی ہجری میں انتقال کیا۔ آپ کا دیوان شائع ہو چکا ہے۔ آپ آپکے کلام کا انتخاب درج کیا جاتا ہے

رخ نگاہوں سے لیا ہے دل شیدا میرا ڈھونڈھتا ہے انھیں تیروں کو کلیجا میرا
رات جاتی ہے ہاں تو کہنا! دیر سے دل ہے بے قرار اپنا
مہ نو ابروے پرخم نگہ برگشتہ ہم نے چھیڑا تھا جسے دیکھا اسے کھنچ جانا
آتی ہے اس کے کوچہ سے آواز دردناک ہم ہوں کہ دل ہو کوئی تو دونوں میں مر گیا
تجھے تو دیکھ کے ہوتا ہے رنج اے جوہر بتا تو عشق میں کس کے تباہ حال ہوا
کس کے دل شکستہ کے ماتم میں اے کریم ابتک سیاہ پوش ہے کعبہ خلیل کا

بس چلو جاؤ۔ لگاوٹ نکرو۔ دیکھ لیا! — کوئی بیدرد زمانے میں نہ تمسا ہوگا

وصف لکھّا ہے جو ابروئے بُتِ دلخواہ کا — میرے مطلع پر ہے دھوکا سبکو بسم اللہ کا

وصفِ حسنِ پاک کی تحریر سے اے شمعِ طور — صفحۂ دیواں میں ہے عالم تجلّی گاہ کا

اخترِ اقبال جب چمکا کیا سجدہ تجھے — عرش کا تارا ہے ہر ذرّہ تری درگاہ کا

تُو جو کاہیدوں کو غالب اہلِ رفعت پر کرے — ہیں وسے کوہِ گراں کو بوجھ برگِ کاہ کا

ہیں ترِی درگاہ میں ہمدوش فقر و سلطنت — مرتبے یکساں نظر آیا گدا و شاہ کا

روز کہتے تھے کبھی غیر کے گھر دیکھ لیا؟ — آج تو آنکھوں سے اے رشکِ قمر دیکھ لیا

آہوں سے آگ لگادینگے دلِ دشمن میں — چُھپ کے رہتے ہیں جہاں آپ وہ گھر دیکھ لیا

ہمسے پردہ ہے کہیں چاندنی کی سیر میں — کھل گیا حال بس اے رشکِ قمر دیکھ لیا

کون سوتا ہے کسی ہجر میں نیند آتی ہے — خواب میں کس نے تمھیں ایک نظر دیکھ لیا

آنکھیں سلوادیں مگر ذوقِ تصوّر نہ گیا — گو نظر بند ہوئی تو بھی اُدھر دیکھ لیا

بچ گیا لغزشِ دل ابکے تو نظر سے اُسکی — آئیگا پھر بھی اگر چور نے گھر دیکھ لیا

ق

جب کہا میں نے نہیں کوئی چلو میرے گھر — خوب رستے میں اِدھر اور اُدھر دیکھ لیا

بولے چلنے میں نہیں عذر مجھے کچھ لیکن — خوف یہ ہے کسی مفسد نے اگر دیکھ لیا

زلفیں اُلجھی ہوئیں نیند آنکھوں میں بگڑی ہوئی صبح — باسی جوبن بھی ترا وقتِ سحر دیکھ لیا

اتنی سی بات پر آنکھیں نہ دکھالو صاحب — کیا خطا کی تمھیں جوہر نے اگر دیکھ لیا

کیا یاد کرکے روؤں کہ کیسا شباب تھا — کچھ بھی نہ تھا۔ ہوا تھی۔ کہانی تھی۔ خواب تھا

اب عطر بھی ملو تو تکلف کی بُو کہاں — وہ دن ہوا ہوئے کہ پسینہ گلاب تھا

محمل نشیں جب آپ تھے لیلی کے روپ میں — مجنوں کے بھیس میں کوئی خانہ خراب تھا

پیری میں ایک ہی سے ہمیشہ رہینگے دن — وہ اَور تھا زمانہ جسے انقلاب تھا

تیرا قصور وار خدا کا گناہ گار — جو کچھ کہ تھا یہی دلِ خانہ خراب تھا

ذرہ سمجھ کے یوں نہ ملا مجکو خاک میں
اے آسمان میں بھی کبھی آفتاب تھا

ارمان سب نکال لے دنیا ہے چار دن
باقی جو رہ گیا وہ پھر اے یار رہ گیا

کیا پوچھتا ہے ہجر کی شب کی مصیبتیں
اکثر نکل نکل کے دم اے یار رہ گیا

کیا پوچھتا ہے حال رہی دل کی دل ہی میں
کچھ کہتے کہتے نزع میں بیمار رہ گیا

مستوں نے بس میں رحمت حق کو بھی کر لیا
رندوں میں گھر کے ابر گہر بار رہ گیا

کیوں مضطرب ہیں شام سے ای جوہر آج آپ
کھینچے تو کس گلی میں دل زار رہ گیا

ٹھیری جو وصل کی تو ہوئی صبح شام سے
بت مہرباں ہوئے تو خدا مہرباں نہ تھا

چنگ و رباب و مطرب و ساقی و جام مے
سب عیش ہیچ تھا جو تو ای جان جاں نہ تھا

کیا جانے کسکے دھوکے سے لپٹا لیا مجھے
کہدوں میں تیرے جی کی تو اسدم یہاں نہ تھا

کیونکر قسم پہ آج مجھے اعتبار آئے
کس دن خدا تمھارے مرے درمیاں نہ تھا

توڑا جو پھول بلبل شیدا کے سامنے
کیا تیرے دل میں درد کچھ ای باغباں نہ تھا

یاد آتے ہیں جوانی کے مزے پیری میں
قدرت اللہ کی تھا وہ بھی زمانہ کیسا؟

پھینکیے دل کی طرف تیر نظر بسم اللہ
دیکھیں تو آپ اڑاتے ہیں نشانہ کیسا؟

غیر ممکن ہے جو ٹھنڈا ہو کلیجہ ان سے
اور وہ آگ لگائیں گے بجھانا کیسا؟

آخر اک روز تو پیوند زمیں ہونا ہے
جامۂ زیست نیا اور پرانا کیسا؟

دھوپ میں جلتے ہیں خشخانوں کے سونے والے
آگیا اے مرے اللہ زمانا کیسا؟

غیر کے دل کو مئے عشق سمجھ کر دینا
جام کم ظرف ہے منہ تک نہ کہیں بھر دینا

بیوفا ذات حسینوں کی ہے ای حضرت عشق
دل کو دینا تو ذرا سوچ سمجھکر دینا

مینہ برستا ہے ہوا چلتی ہے خوب آ ساقی
سے اڑے پیتے ہی ایسا کوئی ساغر دینا

کتنے پھرتے ہیں یہ کوچے میں پریزادوں کے
خانہ برباد ہیں رہنے کو کوئی گھر دینا

درد سر کا نہ شب وصل چلے گا فقرہ
دم دلاسے یہ کسی اور کو جا کر دینا

یار بنا رہے ہیں محبت کے فقط اے ساقی
یہ بھی ہے ڈھنگ کوئی بادہ کشی کا کیا خوب
شیشہ جس دل سے اُسی آنکھ سے ساغر دینا
یہ کسی اور کو منہ پھیر کے ساغر دینا

فریاد کرے کس سے گنہگار تمھارا
اللہ بھی حاکم بھی طرفدار تمھارا

پریوں کی تو کیا اصل جو حوریں نظر آئیں
دیکھے نہ اُدھر طالبِ دیدار تمھارا

خورشید جو دن کو ہو تو مہتاب ہو شب کو
دنیا میں اُجالا ہے سب اے یار تمھارا

حوروں کو تمنا ہے پریزادوں کو حسرت
ملتا ہے کسے سایۂ دیوار تمھارا

کعبہ کی تو کیا اصل ہے اُس کوچے کے آگے
جنّت ہو تو جائے نہ گنہگار تمھارا

دردِ دلِ عاشق کی دوا کون کرے گا
سنتے ہیں مسیحا بھی ہے بیمار تمھارا

جوہر تمھیں نفرت ہی بہت بادہ کشی سے
برسات میں دیکھیں گے ہم انکار تمھارا

اُسنے پھر کر بھی نہ دیکھا میں اُسے دیکھا کیا
دیدہ و دل راہ چلتے کو یہ کس نے کیا کیا

دیر و مسجد پہ نہیں موقوف کچھ اے غافلو
یار کو سجدے سے مطلب ہے کہیں سجدہ کیا

گل تو کیا خارِ وطن بھیجے نہ تحفے میں کبھی
دوستوں نے مجھ سے غربت میں سلوک اچھا کیا

کل خدا آگاہ ہے جیسا تمھارے واسطے
منتظر آنکھیں رہیں دل رات بھر تڑپا کیا

اے دلِ ناداں تجھے سمجھائے کوئی کس طرح
تو جو چاہے گا کرے گا اور جو چاہا کیا

رازِ اُلفت اب نہیں چھپتا چھپائے سے مرے
بس چلا جب تک مرا منہ ڈھانپ کر رویا کیا

یار پر الزام کیسا اے دلِ خانہ خراب
جو کیا تجھ سے تری قسمت نے لُٹنے کیا کیا

دیوانہ و آوارہ و سرگشتہ و مجنون
القاب مجھے خط میں لکھے جاتے ہیں کیا کیا

اِک رات کبھی چین سے سوئے نہ لپٹ کر
ہم نام ہی سنتے ہیں دلارام کسی کا

دیکھتے رہتے ہیں دن رات وہ اپنا جوبن
لوٹتا ہے مزے آئینہ مقابل ہوکر

حُسن وہ شے ہے کہ گاہک ہے زمانہ جس کا
آنکھ ہر ایک کی پڑتی ہے طرحداروں پر

آتشِ گل سے مناسب ہے حذر اے بلبل
ہاتھ رکھتا ہے کوئی جان کے انگاروں پر

تیرے خطِ سبز و لب جاں بخش کی کیا بات
تا صبح ترے ہجر میں ہم کروٹیں بدلا کیے
چار آنکھیں ہوتے ہی برچھی جگر پہ چل گئی
ہم سے چھپا کے آنکھ لڑاؤ گے تم کہاں
دیکھو ہماری آنکھ بھی اپنی نگاہ سے
معاذ اللہ اس آزردگی کا کیا ٹھکانا ہے
اسی پہ جان جاتی ہے جو بنتا ہے تاون کا
وہی خونِ شہیدِ ناز اب پامال ہوتا ہے

وہ خضر کے ہمسر یہ مسیحا کے برابر
رکھا ہے تکیہ رات بھر گاہے ادھر گاہے ادھر
بات کچھ منہ سے نہ نکلی رہ گئے ہم دیکھ کر
سب حال پوچھ لینگے تمہاری نظر سے ہم
تم کس نظر سے دیکھتے ہو کس نظر سے ہم
جو پوچھا یار سے کب تک نہ بولو گے کہا برسوں
تمہیں دشمن جاں مہرباں دو دن خفا برسوں
رہا بن کر جو تیرے ہاتھ میں رنگ حنا برسوں

کیوں نہ گھبرائے قبر میں تنہا
وقت پر چھپ رہیں معاذ اللہ
تم جو آجاؤ ایک دم کے لیے

رات دن جو رہا ہو یاروں میں
کہنے والے کہیں ہزاروں میں
جان چھٹ جائے بے قراروں میں

وہی دن ہیں تو تو بیگانوں سے بدتر ہو گیا
اپنے مطلب کی محبت رہ گئی ہے آج کل

اب میں تیرا ہے دل آشنا کوئی نہیں
کیا زمانہ ہے کسی کا اے خدا کوئی نہیں

بوئے گل سونگھ کر بگڑتے ہیں
دل سے پیچھے شہرِ حسن میں کیونکر
یوں نہیں ملنے کے وہ غیر کے گھر
نامہ بر تا صبا آتا ہے
کون بچتے تمہاری آنکھوں سے

یہ پری زاد ہوا سے لڑتے ہیں
لوٹ ہوتی ہے جا کے پڑتے ہیں
چور کو گھات سے پکڑتے ہیں
ہائے کیا سست پاؤں پڑتے ہیں
سایہ سے بھی یہ چور لڑتے ہیں

یہ واعظ کیسی بہکی بہکی باتیں ہم سے کرتے ہیں
محبت سیکھیے ظاہر نہ مجھ سے بندہ درگزرا
نہ آجایا کرو اغیار کی الفت جتاتے ہیں

کہیں چڑھ کر شراب عشق کے نشے اترتے ہیں
بڑے میرے نصیب اللہ پھر آپ مرتے ہیں
وہ تم پر کیوں بھلا مرنے لگے خاقوں سے ڈرتے ہیں

ہر اک موسم میں کشتِ آرزو سرسبز رہتی ہے
یہ جوڑا کھولنا بھی پیچ سے خالی نہیں نکلا
تکلّف کے یہ معنی ہیں سمجھ لو بے کہے دل کی
اپنی اپنی فصل میں ہر راگ دیتا ہے بہار
مینہ برستا ہے۔ گھٹا چھائی ہے چلتی ہے ہوا
دیر کر رکھی ہے کیا ساقی پلا بھی دے شراب

تردّد غیر کو ہوگا یہاں تو چین کرتے ہیں
الجھ جاتا ہے دل جب بال شانوں پر بکھرتے ہیں
مزا کیا جب ہمیں نے یہ کہا تم سے کہ مرتے ہیں
ہولی کا ہولی میں ساون کا مزا برسات میں
ہائے کیا اندھیر ہے تم ہو جدا برسات میں
کیسی ہے چھائی ہوئی اودی گھٹا برسات میں

جھومتے آتے ہیں کیا ابرِ سیاہ
ناتوانی کے سبب لے وحشت
اس طرح جھوم کے چلئے نہ حضور
شبِ وصال جو مطلب کی میں نے بات کہی

نشہ میں چور یہ متوالے ہیں
خار بھی میرے لیئے بھالے ہیں
سب کہینگے کہ یہ متوالے ہیں
کہا کہ ہوش میں آ کر شعور کی باتیں

دوشالہ ڈال کے لاشے پہ آتے ہیں منعم
یہ نہ کہیئے عشق میں تجھ سا کوئی کامل نہیں
ڈھونڈ لینگے جب کوئی تم سا تبھی چین آئیگا
تھی محبت یا نہ تھی اگلی نہ باتیں کیجیئے
روز کی ایذا گئی۔ جھگڑا چکا قصّہ مٹا
بندہ پرور ان کچی باتوں سے کچھ حاصل نہیں
وہی دن ہیں صنم ہوش رُبا ہوتے ہیں
شوق سے پیجیئے ہمراہ رقیبوں کے شراب
دل میں رہتے جو مرے اور ہی کچھ ہو جاتے
جوہر الفت بھی ہو کیا چیز کشش حسن کے حسین
میں نے جو یہ کہا تمہیں الفت مری نہیں

ابھی نہیں گئیں اُن کی غرور کی باتیں
مہربانی آپ کی بندہ تو اس قابل نہیں
ہم بھی اپنی فکر میں رہتے ہیں کچھ غافل نہیں
رنج ہوگا مفت میں اب اِس سے کچھ حاصل نہیں
وہ تمہارا دل نہیں اب وہ ہمارا دل نہیں
یہ تو ہم بھی جانتے ہیں آپ کا وہ دل نہیں
کل کے ترسے ہوئے بُت آج خدا ہوتے ہیں
ہم چلے بزم سے کیوں آپ خفا ہوتے ہیں
یہ وہ کعبہ ہے کہ بُت جس میں خدا ہوتے ہیں
دل میں خوش ہوتے ہیں ظاہر میں خفا ہوتے ہیں
گردن جھکا کے ناز سے بولے کہ جی نہیں

تو جسکو چاہے خاک سے مسند نشیں کرے
ہے بیحساب فیض ترا کچھ کمی نہیں

چھوٹی سی عمر میں تمھیں بوسہ عزیز ہے
دیدہ اسلئے بھی بات کچھ ایسی بڑی نہیں

پیدا ورہی سے گلگوں کے جام دے
ساقی ابھی تو پیاس ہماری بجھی نہیں

ہیں صفائی میں برابر ترے زانو دونوں
نظر آتے ہیں ہمیں ایک سے پہلو دونوں

ضعف میں مجکو اُٹھاتے ہیں وہ اپنے در سے
لے غم و یاس پکڑ لو میرے بازو دونوں

یہ جانتا ہوں مگر کیا کروں طبیعت کو
کہ مے حرام ہے ساقی و اعظو حلال نہیں

پھانس کر دل کو دیا کرتی ہے جھٹکے لاکھوں
زلف پیچاں کو تری یاد ہیں لٹکے لاکھوں

کفر و دیں میں ہے خلش برہمن و شیخ سے بیچ
اس دور راہے میں مسافر کئی ہیں کھٹکے لاکھوں

وصل بھی شعلہ رخوں کا نہیں جینے دیتا
جلتے ہیں شمع سے پروانے پٹکے لاکھوں

شوق مے رندوں سے کچھ پوچھ نہ ای پیر مغاں
دل میں آتا ہے چڑھا جائیے مٹکے لاکھوں

زہر بھی کھاتے ہیں سر بھی کاٹتے ہیں عشق میں
اے محبت بے بسی میں لوگ کیا کرتے نہیں

ہوگئے ہیں نیم جاں پر اب بھی غم کھاتے ہیں روز
آپکے بیمار پرہیز غذا کرتے نہیں

تھا نپ ہی لینگے اشارہ سر محفل جو کیا
تاڑنے والے قیامت کی نظر رکھتے ہیں

کبھی آئے نہ عیادت کو مسیحا ہو کر
آپ ایسی ہی مریضوں کی خبر رکھتے ہیں

تجھسا کوئی جہان میں نازک بدن کہاں
یہ پنکھڑی سے ہونٹ یہ گل سا بدن کہاں

جوش و خروش ساتھ جوانی کے چل دیئے
وہ موسم بہار وہ دیوانہ پن کہاں

اپنا دوپٹہ اُسنے دیا مجکو بعد مرگ
ملتا ہے بے نصیب کے ایسا کفن کہاں

معشوق بے نمک کو کوئی پوچھتا نہیں
حسن ملیح کے ہیں نمک خوار سینکڑوں

بوسہ ملا کسے لب جاں بخش یار کا
اس آرزو میں مر گئے بیمار سینکڑوں

جسکو ہوا یہ عارضہ وہ جان سے گیا
دیکھے ہیں ہمنے عشق کے بیمار سینکڑوں

مشتاق تو ہم کو ایک بھی ملنا محال ہے
ہے مثتیں جہاں میں ہیں ای یار سینکڑوں

جب موافق کبھی ہوتا ہے زمانہ سے دل
یوں محبت سے جو چاہے کوئی اپنا کر لے
دوست دو چار نکلتے ہیں کہیں لاکھوں میں
اس میں کیا ہرج ہے کہ بنتے آپکے سب اپنے
آج سے مرگ کُھلی ہستیٔ موہوم کی اصل
واہ رے ابرِ کرم واہ مرے دریا دل
وہ بھی کیا لوگ ہیں دنیا میں خدا کے بندے
کچھ نہیں ہے تو دوپٹے میں چھپاتے کیا ہو
تصور زلف کا ہے اور میں ہوں
بتوں کو کیوں دیا یہ قد و قامت
قرآنِ رخ کے چھونے کی جو آرزو کریں
غافل نہ پاؤں توڑ کے بیٹھیں ترے فقیر
اپنی کہیں کہ اس دلِ خانہ خراب کی
منہ زنگ بھری ہو شیشۂ دل میں شرابِ عشق
اپنی خودی مٹائیں تو پائیں رہِ وصال
پیرِ مغاں درست ہے آپ اپنے حال میں
ملجائے زاہدوں کو اگر مفت کی شراب
دامن جدا ہے چاک گریباں جدا ہے چاک
دیکھنا کیا سحر ہے چشم فسوں پرداز میں
لائیگی رنگ اپنی محبت کبھی ضرور
چبھتے ہیں خارِ دشت تو کہتی ہے بیکسی

سنگریزے بھی نصیبوں سے درم ہوتے ہیں
جو ہمارا نہ ہوا سکے کہیں ہم ہوتے ہیں
جتنے ہوتے ہیں سوا اتنے ہی کم ہوتے ہیں
جھوٹے وعدوں سے بھی خوش آپکے ہم ہوتے ہیں
کچھ سمجھتے تھے ہم اس شے کو مگر کچھ بھی نہیں
ہر طرف آپ برستے ہیں ادھر کچھ بھی نہیں
جنکو دل توڑتے ہیں خوف و خطر کچھ بھی نہیں
پھر یہ کسواسطے پردہ ہے اگر کچھ بھی نہیں
بلا کا سامنا ہے اور میں ہوں
قیامت میں خدا ہے اور میں ہوں
پہلے وہ آبِ دیدۂ تر سے وضو کریں
ملجائیگا کہیں نہ کہیں جستجو کریں
تم کو جو ہو پسند وہی گفتگو کریں
رنگت چھپائیں اسکی کہ پوشیدہ بو کریں
کھوئیں جو آپ کو وہ تری جستجو کریں
کس سے سوال شیشہ و جام و سبو کریں
اسکے بڑے ہیں پیٹ یہ خالی سبو کریں
کسکو سئیں بتائیے کس کو رفو کریں
جسکو دیکھا ہیں ڈالا اک نگاہِ ناز میں
ایسی بھی بات ہے کہ ترے دل میں گھر نہ ہو
حضرت کدھر ہے دھیان تمہارا یہ گھر نہ ہو

ہوگی ضرور صبح تری اے شبِ فراق
ہمکو نصیب دیکھئے ہو یا سحر نہ ہو

تیوری میں بل نہ ڈال چھری سے حلال کر
جوہر ترے نثار خفا اس سے تُو نہ ہو

ق

اس شان سے وصل کی ہے خواہش
ایسا موقع بھی اے خدا ہو

بوسہ جو لیا جھجک کے بولے
دیکھو نہ کوئی دیکھتا ہو

دو دو ساغر ہوں دو دو شیشے
دُہرا دُہرا ہر ایک مزا ہو

بہکی بہکی ہوں اُسکی باتیں
ساقی ساقی پکارتا ہو

بوسہ بوسہ میں مانگتا ہوں
اچھا اچھا وہ کہہ رہا ہو

سینہ سینے سے گال سے گال
زانو زانو تلے دبا ہو

نکھری نکھری ہو ساری محفل
ٹھنڈی ٹھنڈی وہاں ہوا ہو

مسکی مسکی ہو اُس کی انگیا
شرما شرما کے ڈھانکتا ہو

اُجلی اُجلی سی چاندنی میں
گورا گورا بدن کھلا ہو

لپٹا لپٹا لوں اُسکو جوہر
بس بس دیکھو وہ کہہ رہا ہو

نیند آنکھوں میں بھری ہے کہاں رات بھر رہے
کسکے نصیب تم نے جگائے کدھر رہے

شب جیسی گزری دن بھی گزر جائیگا مرا
جائیں وہیں حضور جہاں رات بھر رہے

جوہر ابھی سے توبہ سے جبر ہے تمہیں
صحبت پری رخوں کی ہے دن ہیں شباب کے

کیا بتائیں مزاج کیسا ہے
ہم کہاں دل کہاں خدا جانے

یوں تو منہ دیکھے کی ہوتی ہے محبت سبکو
جب میں جانوں کہ مرے بعد مرا دھیان رہے

جسکے پامال ہیں کھائینگے اُسی کی ٹھوکر
کہا ہا ہٹ کے چل او فتنۂ محشر ہے ہے

گلے لگا کے شبِ وصل کس ادا سے کہا
نہ ہوتی تجھ سے محبت تو پیار کیوں کرتے

کیا بتاؤں کس طرح دل آگیا
کیا کہوں کیونکر محبت ہو گئی

کیا پوچھتے ہو حسرتِ دیدار بعدِ مرگ
تا چند منتظر مری آنکھوں میں دم رہے

میرے ہوتے نگہِ قہر رقیبوں کی طرف / دیکھئے دیکھئے یہ تیر خطا ہوتا ہے
بھولے پن میں بھی کسیکے نہیں ہوتے یہ حسیں / چھوٹے سے سن میں گھمنڈ انکو بڑا ہوتا ہے
جان لیکر پھر جلایا تھا تو لازم تھا وصال / کیا خبر تھی مجھکو دم دے کر خفا ہو جائینگے
غیروں سے تو فرصت تمھیں دن رات نہیں ہے / ہاں میرے لیئے وقتِ ملاقات نہیں ہے
عاشق کے لیئے موت سے بہتر نہیں تدبیر / وہ شوق سے کوسیں یہ بری بات نہیں ہے

خط لکھا یار نے رقیبوں کو / زندگی نے دیا جواب مجھے

ناوک میں راستی ہو کجی ہو کمان میں / ٹیڑھی اگر بھویں ہوں تو سیدھی نظر رہے
کیا پوچھتے ہو غیر سے جانی مرے دلکی / معلوم مجھی کو ہے کہانی مرے دلکی
دریافت نکر اے بتِ بینوش مرا حال / ہے شیشۂ صد پارہ نشانی مرے دلکی
تڑپ رہا ہے دل اک ناوکِ جفا کے لیئے / اسی نگاہ سے پھر دیکھئے خدا کے لیئے
فرماتے ہیں کہ ہم ترے فقروں میں آ چکے / جو لوگ منہ سے کہتے ہیں وہ زہر کھا چکے
کیوں مزا دیکھ لیا دل کی کشش کا تمنے / پھر کہو گے کہ ترے گھر مری پیزار چلے
اتنا کوئی پوچھے مرے قاتل سے خدارا / باقی کوئی اب اور تو ارمان نہیں ہے

جوہر

جوہر۔ منشی سید کاظم حسین صاحب جوہر لکھنوی ۱۸۸۲ء میں زیرسایۂ عاطفت سلطانِ عالم واجد علیشاہ مٹیا برج کلکتہ میں رہتے اور ماہتاب الدولہ سید علیجان خان درخشاں مصاحب شاہی سے فن شعر میں استفادہ کرتے تھے۔ یہ کلام کا خلاصہ ہے *

شوخیاں مجنوں سے ایسی ناقۂ لیلیٰ نکر / ڈھونڈتا پھرتا ہے بیچارہ کہ محمل کیا ہوا
اس مرتبہ ہے فقر کی دولت سے دل غنی / قاروں کے گنج کو بھی سمجھتا ہوں مال کب
صبح فرقت کا وہ دھڑکا ہے کہ دم پر ہے بنی / تیرے عاشق کا ہے دنیا سے سفر وصل کی رات

ہیں لب جاں بخش کے بوسے نصیب / زندگانی کا مزا پاتی ہے روح

کیوں نہ تکلیف ہو کاجل سے تری آنکھوں کو — واقعی رات گراں ہوتی ہے بیماروں پر
اُس قمر نے اپنے رُخ پر تل بنایا تل کے پاس — دو ستارے یک بیک چمکے مہ کامل کے پاس
عاشق ابرو ہوں کوئی تیغ چلا کر نذر دوں — ہاتھ خالی جاؤں میں کیونکر بھلا قاتل کے پاس
دیکھیے تو پردہ اُٹھا کر لیلیٰ ناقہ سوار — قیس خود رفتہ کھڑا ہے دیر سے محمل کے پاس
کھائی آخر کو درِ قاتل پہ تیغ آبدار — کشتیٔ عمرِ رواں ڈوبی مری ساحل کے پاس
زندگانی کا مزا تجھ سے ہے مہ رُو میرے — فقر و فاقہ ہو تو ہو پاس ہو پر تُو میرے

جوہر

جوہر۔ جناب مرزا احمد شاہ بیگ صاحب مرادآبادی قانونگو تحصیل ٹھاکردوارہ ضلع مرادآباد۔ آپ کو منشی انوار حسین صاحب تسلیم سے تلمذ رہا ہے۔ عمر اس وقت ۵۴ سال کے قریب ہے۔ تاریخ گوئی میں آپ کو ایک خاص ملکہ حاصل ہے۔ غزل کہنے کا کم اتفاق ہوتا ہے۔ باوجود تلاش زیادہ کلام بہم نہ پہنچا۔ ناچار اسی قدر کلام پر اکتفا کیا گیا ❖

جما ہوا ایسا ہے مژگاں کا چشمِ دلبر پر — کہ ٹوٹے پڑتے ہوں جس طرح رند ساغر پر
بنا کر آئینہ خود بیں کیا حسینوں کو — ہزاروں خون ہوئے گردنِ سکندر پر
خدا کی شان ہے کوئی تو چین سے سوئے — کوئی تڑپتا رہے ساری رات بستر پر
نہ چھوڑ دزدِ غمِ جاں فراغ بال مجھے — رلا رہے تو ہی الم میں شفیقِ حال مجھے
چہِ ذقن کی ترے چاہ ہے مرے یوسف — غلام ہوں سرِ بازار بیچ ڈال مجھے
تمام کام کیا یاس و ناامیدی نے — امیدِ وصل ذرا آن کر سنبھال مجھے
میں مغبچہ پہ فدا ہوں وہ دختِ رز پہ نثار — بنے ہیں حضرتِ ناصح شریکِ حال مجھے
وہ ساتھ غیر کو اپنے لگا کے لائے ہیں — ہوئی ہے ہجر سے بدتر شبِ وصال مجھے

جوہر

جوہر۔ منشی محمد سیف اللہ خان۔ آپ اسلام آباد کے باشندے اور اُستادِ وقت منشی امیر اللہ تسلیم کے دامنِ فیض سے وابستہ ہیں۔ چند غزلیں نظر سے گزریں

اُن کا انتخاب حاضر ہے ؂

چارہ گر قہر کیا تُو نے لگا کر مرہم
ہائے زخموں کو ذرا اور اُبھرنے ندیا

رکھتا ہیں ہے پاؤں زمین پر غرور سے
اُس رشکِ حور کا ہے دماغ آسمان پر

حضرتِ عشق جو سچ پوچھئے ہیں قہر کی چیز
رنگ ہر رنگ میں اپنا یہ جما لیتے ہیں

خوش نگاہوں کا نگاہوں میں سمانا ہی غضب
دیکھتے دیکھتے دل صاف چُرا لیتے ہیں

ہاں حسن کے مضطرب کہیں وہ فتنہ گر نہو
فریاد بھی وہ کیجئے جس میں اثر نہو

دامِ اُلفت سے رہائی عمر بھر دشوار ہے
گو رہائی دے مجھے صیاد اپنے ہاتھ سے

قتل کرنے کے لیئے کیا کم ہی یہ ترچھی نظر
رکھدے قاتل خنجر فولاد اپنے ہاتھ سے

جوہر جوہر شفیقی و مکرمی حکیم معشوق علی صاحب شاہجہانپوری۔ وکیل درجۂ اول ریاست بھوپال آپ شاہجہانپور روہیکھنڈ کے ایک معزز خاندان کے رکن ہیں اور ایک عرصہ سے ریاست بھوپال میں سکونت پذیر ہیں۔ اور اپنی عالمانہ قابلیت و استعداد کے خیال سے جوہر قابل مانے جاتے ہیں معلوماتِ علمی نہایت اچھی اور وسیع ہیں۔ اور فنِ سخن سے تو گویا عشق ہے۔ بھوپال میں شعر شاعری کا چرچا ان کے دم سے ہے۔ اکثر مشاعرے بھی کرتے رہتے ہیں۔ عنفوانِ شباب میں دہلی آکر نواب اسداللہ خان غالب کے فیضِ صحبت سے بہرہ ور ہوئے تھے اور فخرِ تلمذ بھی حاصل کیا تھا۔ کئی ماہ تک اُن کی خدمت میں حاضر رہ کر اصلاح لی۔ نظم و نثر دونوں میں دستگاہ کامل حاصل ہے۔ جدت پسند و معنی خیز طبیعت اِس فن کے مناسب پائی ہے۔ کلام نہایت پاکیزہ اور لطافت کا پہلو لئے ہوئے ہوتا ہے۔ سِن شریف اب ۹۰ سال کے قریب ہی۔ سُنا ہے کہ اب حیدرآباد دکن میں کسی محکمہ میں ملازم ہوگئے ہیں۔ راقمِ تذکرہ سے عرصہ سے رسل و رسائل کا سلسلہ جاری ہے مگر افسوس کہ باوجود متعدد اقراروں کے کلام اِرسال نہیں کیا۔ ناچار جو کلام متفرق رسالوں میں نظر سے گزرا اُس کا انتخاب درجِ تذکرہ کیا گیا ؂

دیکھی کبھی خزاں۔ کبھی موسم بہار کا
بوئے وفا نہ رنگِ محبت گلوں میں ہے
یارب یہ سچ ہے بات کہ محشر کی صبح سے
ساقی نہیں ہے ساغر و پیمانہ تو نہو
جاں نکلی نہ فرقت کی اذیت سے شبِ ہجر
کیا تجھ پہ تصدق کرے اے بادشہِ حسن
اِن ترچھی نگاہوں سے بچیگا کوئی کیونکر
ٹھیری ہے بس اب لختِ جگر پر بسر اپنی
حیراں نکیوں دیکھنے والے ہوں سرِ راہ
کیا اور جفا کا کوئی ارمان ہے باقی
گردن پہ وہ رکھ رکھ کے اُٹھا لیتے ہیں خنجر
بربادیٔ گلشن پہ ہیں گل چاک گریباں
بارِ ستم و جور فقط دو نے اُٹھایا
آئی جو جوانی تو سکھاتی ہوئی آئی
ہمیں دے ساغرِ مے ہم سے لے دعا ساقی
پڑینگے لینے کے دینے نہ مانگ قیمتِ مے
میکدے میں ساغر و مینا سے مہمانی ہوئی
کیا لطافت ہے نہیں پڑتا ہے آئینہ میں عکس
کر گیا ہنگامہ آرایش اثر جادوئے حُسن
جو لہو پی پی کے رہتے تھے وہ اب پیتے ہیں پھول
پھر بلا میں اِس دلِ بیتاب نے ڈالا مجھے

کیا اعتبار ہو چمنِ روزگار کا
بگڑا ہے نیل کیا چمنِ روزگار کا
دامن سِلا ہوا ہے شبِ انتظار کا
چُلّو ہی بھر دے آج تو مجھ بادہ خوار کا
مر مر گئے ہم تا سحر ارمانِ قضا میں
جز نامِ خدا کچھ نہیں کچکولِ گدا میں
ہے تیغِ قضا قبضۂ انداز و ادا میں
ٹکڑے ہی دو چار ہیں کچکولِ گدا میں
آئینے کی ضو ہے ترے نقشِ کفِ پا میں
کیوں آئے ہیں وہ بزمِ عزائے شہدا میں
کچھ کچھ ہے محبت کی جھلک طرزِ جفا میں
پیدا اثرِ درد ہے غنچوں کی صدا میں
اِک میں ترے پامالوں میں ہوں یک حنا ہے
یہ ناز۔ یہ انداز۔ یہ شوخی۔ یہ حیا ہے
کہ کام آئے گا تیرے لبا دیا ساقی
جو کوئی مستی میں تجھ سے اُلجھ پڑا ساقی
شیخ کی رندوں میں آ کر آبرو پانی ہوئی
سچ تو یہ ہے خلقت اُس مہوش کی لاثانی ہوئی
اُسکو سکتہ اور آئینہ کو حیرانی ہوئی
فصلِ گل میں یہ مے گلگوں کی ارزانی ہوئی
پھر کسی کی زلفِ شبگوں کا ہوا سودا مجھے

استخواں کیا خاک تک باقی نہیں ہے ہر میں — آسیائے چرخ نے اس طرح سے پیسا مجھے
دیکھنے والا ہوں میں بھی تو کسی خوش چشم کا — یوں نہ تو آنکھیں دکھا اے نرگس شہلا مجھے
خود بخود جوہر سے ملنے کو چلا آئے وہ شوخ — اے فسونگر ایسا کچھ بتا دے اک لٹکا مجھے
مرا دیوانہ پن کا وادی وحشت میں جب آئے — نہ دامن خار سے چھوٹے نہ چھوٹے خار دامن سے

جوہر

جوہر شیخ محمد عبدالعزیز ولد شیخ محمد عبدالرحمٰن۔ رئیس غازی پور ۱۲۸۸ھ ہجری میں پیدا ہوئے دس برس کی عمر تھی کہ داغ یتیمی نصیب ہوا یعنی شفیق باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ موروثی قرضہ کی ادائگی میں جائداد نیلام ہوگئی۔ ۱۲ برس کی عمر تک غازی پور ہی میں تعلیم و تربیت پائی۔ پھر ۱۳۰۱ھ ہجری میں جون پور جا کر مولوی محمد محسن جون پوری اور مولوی ہادی حسن سے عربی و فارسی پڑھی۔ ورنیکلر اسکول سے مڈل کا امتحان بھی پاس کیا ہے۔ ہندی۔ ناگری۔ بنگلہ۔ انگریزی بھی بقدر ضرورت جانتے ہیں۔ اسی زمانے میں شاعری کا شوق ہوا۔ پہلے پہل غبار جون پوری سے مشورۂ سخن کیا۔ پھر ۱۳۱۰ھ ہجری میں حضرت امیر مینائی مغفور سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ فن عروض سے بھی واقف ہیں۔ ایک ضخیم غیر مطبوعہ دیوان آپ کا تیار ہے۔ اپنے قرب و جوار میں اچھے شاعر خیال کیے جاتے ہیں۔ اکثر جوان شائق سخن آپ کے شاگرد بھی ہیں۔ حافظہ اس بلا کا ہے کہ اساتذہ کے ہزارہا شعر از بر ہیں۔ عاشق مزاج اور حسن پرست طبیعت پائی ہے مجموعتًہ ان خاص جذبات کا اثر آپ کے کلام میں بھی پایا جاتا ہے۔ عاشقانہ اور پر درد مضامین کے علاوہ زبان بھی صاف ہے اور طرز بیان بھی عمدہ ہے۔ وسیع الاخلاق ہر دلعزیز۔ بامذاق۔ منکسر المزاج۔ ذہین۔ حلیم۔ ملنسار۔ آزادی پسند۔ برجستہ گو اور گانے کے شائق ہیں۔ صوم و صلوٰۃ کے نہایت پابند اور معزز سوسائٹی کے بیٹھنے والوں میں ہیں۔ آپ کا خاندان غازی پور کے اعلیٰ طبقہ کے رؤسا میں شمار کیا جاتا ہے۔ انتخاب کلام درج کیا جاتا ہے۔

پریوں کا شیفتہ ہے جوہر نہ حور عین کا
دیوانہ ہے ازل سے اک شوخ مہ جبین کا

روٹھی ہے یادِ جاناں اُجڑا ہے دل ہمارا
بے رنگ ہے مکان کا وہ رنگ ہی مکین کا

آرزوؤں کا لگا رہتا ہے میلا دل میں
دیکھ لو آکے کسی دن یہ تماشا دل میں

کردیا تیرِ مژہ نے ترے رخنہ دل میں
آرزو دل میں ہے غم دل میں تمنا دل میں

اے خوشی تو ہی بتا تجکو جگہ دوں کیونکر
چھاؤنی چھائے پڑا ہے غمِ دنیا دل میں

پوچھو نہ حال سنبلِ گیسوئے یار کا
رہزن تو سینکڑوں ہیں کوئی رہنما نہیں

کچھ دیر آپ اور رہیں جلوہ گاہ میں
کہتی ہے چشمِ شوق ابھی جی بھرا نہیں

واہ رے قاتل کی شان اللہ رے ترچھی نظر
ایک خنجر آنکھ میں ہے ایک خنجر ہاتھ میں

حشر میں بھی ڈھونڈتے پھرتے ہیں منوانے ترے
شیشۂ مے ہے بغل میں اور ساغر ہاتھ میں

ڈھونڈتے ہیں وہ کہیں ملتا نہیں میرا مزار
خشک ہوتی جاتی ہے پھولوں کی چادر ہاتھ میں

پوشیدہ محبت کے کھلے راز ہمیں سے
دنیا میں ہوا عشق کا آغاز ہمیں سے

وہ شوخ نظر دیکھ کے نرگس کو یہ بولا
ہاری ہے تو لڑ کر یہ نظر باز ہمیں سے

بجلی کی تڑپ قابلِ تعریف ہے لیکن
سیکھے ہیں تڑپنے کے یہ انداز ہمیں سے

رک رک کے دمِ ذبح پہ چلتی ہے گلے پہ
تلوار بھی کرتی ہے تری ناز ہمیں سے

چمکا کبھی وہ رخ کبھی زلفوں میں چھپ گیا
دن ہو گیا کبھی تو کبھی رات ہو گئی

اب ہم ہیں اور ساقی و پیمانہ و شراب
توبہ تو نذرِ پیرِ خرابات ہو گئی

نیرنگیاں ہیں جلوۂ قدرت کی ہر طرف
دنیا مری نظر میں طلسمات ہو گئی

جور و جفا کے بعد پشیماں ہوئے جو تم
اچھا کیا تلافیٔ مافات ہو گئی

جوہر بتوں کے عشق میں سب کچھ ہوا مگر
ایمان بچ گیا یہ بڑی بات ہو گئی

کہہ رہا ہے سرِ محفل یہ کسی کا جلوہ
دل ہو پیارا تو مرے پاس نہ آئے کوئی

ناز جس پر ہے اسی پر ستم و جور بھی ہوں
بس نہیں کوئی تو مجکو نہ ستائے کوئی

ہے یاس بھری آنکھوں میں چلتا ہوا جادو — جو بات ہے بسمل میں وہ قاتل میں نہیں ہے

آراستگی بزم ہے عشاق کے دم سے — جب ہم نہیں کچھ بھی تری محفل میں نہیں ہے

جوہر

جوہر — منشی جواہر سنگھ مقیم ریاست ریوان بندیل کھنڈ۔ آپ بریلی کے باشندے ہیں اور منشی موسیٰ حسین اختر سے تلمذ رکھتے ہیں۔

اللہ اللہ کس بلا کی ہے تری برقِ جمال — تاب نظارہ نہ لایا طور جل کر رہ گیا

خم بہ خم گیسوئے پیچاں کو دیئے جاتے ہیں کیوں — آپ کچھ فرمائیں تو یہ جال پھیلاتے ہیں کیوں

دل کے لینے وقت تو اللہ ری بے باکیاں — اب سوالِ وصل سنکر آپ شرماتے ہیں کیوں

جوہر

جوہر — منشی جواہر سنگھ جوہر خلف منشی بختاور سنگھ راقم ذی استعداد اور باکمال سخنور تھے۔ فارسی کی استعداد عالمانہ تھی اور شعر بھی اس زبان میں خوب کہتے تھے مولنا گل محمد خان ناطق سے تلمذ تھا۔ اردو میں خواجہ وزیر کے ارشد تلامذہ میں انھیں سمجھنا چاہیئے۔ آپ قوم کے کایستھ اور راجہ لالجی بہادر کے (جو سرکار امجد علیشاہ اور واجد علیشاہ میں سلطنتِ اودھ کے بخشی فوج تھے) حقیقی خواہرزادہ تھے۔ انتزاعِ سلطنتِ اودھ کے بعد جب وہ سلسلہ درہم و برہم ہوا تو مہاراجہ سر دگبجے سنگھ والیٔ بلرامپور نے ازراہِ قدردانی اپنے پاس بلا کر رکھا اور رفقائے خاص میں داخل کیا۔ اور مدۃ العمر اپنے پاس سے جدا نہ ہونے دیا۔ تصوف اور وحدانیت کی طرف طبیعت کا خاص رجحان تھا۔ نہایت پرگو اور خوش کلام سخنور تھے۔ آپ کی طبیعت کی آمد کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ پانچ دیوان آپ کی تصنیف سے شائع ہوئے جن میں سے دو مطبع نولکشور میں اور تین مطبع رفاہ عام سیالکوٹ میں چھپے ہیں۔ ایامِ ضعیفی میں بارہ برس ہوئے کہ آپ کا انتقال ہو گیا۔

اصل مطلب ایک ہے آگاہ و ناآگاہ کا — ہے الحمد کا ترجمہ عربی میں لفظ اللہ کا

دیکھیے جو بیٹھا ہوا انسان ہمنشیں ربِّ حفیظ — طاقِ ابروئے بتاں گنبد ہے بسم اللہ کا

کسکو ہے اُسکے فروغِ شمعِ وحدت کی نظر
ایک موسیٰ ہی تھا پروانہ تجلّی گاہ کا

پسند عاشقان نغمہ ہے یہ درد مصیبت کا
کہ بزم عیش میں گاتے ہیں مضموں سوزِ فرقت کا

پری و حور ہیں نا جنس کیا لطف آدمیت کا
بشر ہیں ہم بشر سے ہے مزہ اپنی طبیعت کا

خدا نے لذّتیں دنیا میں دیں تم بد سمجھتے ہو
نتیجہ زاہدو اچھا نہیں کفرانِ نعمت کا

خدا کا بیٹا یا معشوق کہنا کفرِ مطلق ہے
منزّہ سب سے ہے رتبہ خداوند حقیقت کا

اُلوہیت۔ فنا۔ تخلیق۔ شانیں خاص اُسکی ہیں
پرستش کرتے ہیں ہم نام رکھکر اُسکی قدرت کا

صنم بھی اُسکے مظہر ہیں کروں سجدہ نکیوں جوہر
نظر آتا ہے جو کچھ ہے نمونہ اُسکی قدرت کا

ترے ہنسنے نے کردی عشرتِ صبح وطن پیدا
دکھایا لطف مستی نے تری شام غریباں کا

نکالے جانے پر جنّت سے گرہی نسل آدم کی
گذر ممکن نہیں اے شیخ پھر جنت میں انساں کا

منجّم کوئی ایسی رات ہو گی
کہ کٹے وہ مسِ کابل ہمارا

قصور اے شیخ دیں ثابت نہیں منصور و سرمد کا
انا الحق حسن سنّت ہے انا بے میم احمد کا

جس جلوے نے تھا طور شرارت سے جلایا
دیکھا جو تجھے مجکو دوبارہ نظر آیا

دیکھا جو بڑھ کے شوق سے اک راہبر نہ تھا
پہنچا وہاں میں خضر کا جس جا گزر نہ تھا

گردش سے آسمان کی کسی جا مفر نہ تھا
کس سرزمیں پہ یہ فلکِ فتنہ گر نہ تھا

ہیں عشق سے وہ حسن سے بیہوش دونو تھے
جو کچھ ہوا معاف کوئی باخبر نہ تھا

کیوں طاقِ کعبہ رخنۂ دیوار کعبہ ہے
زاہد جو اُس کا تیر نظر کارگر نہ تھا

کچھ اور ہی مزہ ہے نئے شوق و ذوق کا
جو لطف پہلے دن تھا وہ روزِ دگر نہ تھا

ٹھہرا وصال وعدۂ فرداے حشر پہ
دل کو یہاں تحمّل روزِ دگر نہ تھا

سوتے فتنہ کو جگانے کو ہوا تو پیدا
کی تری آنکھوں نے کیفیت جادو پیدا

آفتِ جاں ہوا عالم کے لیئے تو پیدا
کس بلا کے ہوئے چشم و رخ و گیسو پیدا

وہ جوانی کے مزے دلبر کم سن میں کہاں
غنچہ جبتک کہ نہو گل نہ ہو خوشبو پیدا

مست عاشق کو تری بوئے دہن کرتی ہے — ایک غنچے سے نہ ایسی ہوئی خوشبو پیدا
دونوں ہاتھوں سے بلائیں تری لیتا ہے چمن — چہرے پر تیرے لیے محبت ہیں ابرو پیدا
دل ابھی آپکے کوچے میں تڑپ کر پہنچے — ہو جو پہلو سے نکل جانے کا پہلو پیدا
فیضِ انوارِ ازل حصے میں ہے اول سے — جملہ مخلوق سے پہلے ہوئے ہندو پیدا
شکل آئینہ گزر خلوتِ اصنام میں ہے — شاکرِ خالق ہے کہ جوہر ہوئے ہندو پیدا
دل مئے عشق سے مسرور ہوا خوب ہوا — جام خالی تھا یہ معمور ہوا خوب ہوا
خواب میں وصل سے مسرور ہوا خوب ہوا — کچھ تو بارے غمِ دل دور ہوا خوب ہوا
مجکو مارا تو نے اے بیدادگر اچھا کیا — قصۂ طولِ محبت مختصر اچھا کیا
یہ حسن و ناز نہ پریوں میں ہے نہ حوروں میں — خدا کی شان ہے پیدا کیے بشر کیا کیا
شراب و صحبتِ احباب و باغ و رقص و سرود — مدام عیش میں جوہر ہوئی گزر کیا کیا
جلد لا ساغرِ الماس میں ساقی مئے لعل — موتی برسانا ہوا ابر گہربار آیا

تیرا عاشق یہ رندِ مست ہوا — شیخ ملحد لحد پرست ہوا

تپِ فراق میں تن ہے یہ دردمند اپنا — جدا جدا ہوا جاتا ہے بند بند اپنا
یکتائی پہ ہے ناز تو اتنا بھی رہے یاد — تمسا مجھے تو تمکو بھی مجھ سا نہ ملے گا
جوہر سا کہیں ڈھونڈ نکالو تو بتا دیں — عاشق بھی ہو۔ شاعر بھی ہو ایسا نہ ملیگا
بھولے ہیں ہمصفیر بھی مجکو کہ تا قفس — مژدہ بھی کوئی لیکے نہ آیا بہار کا
خار کی طرح ملی باغِ جہاں میں تقدیر — جس سے لپٹوں وہ چھڑا لیتا ہے دامن اپنا
اللہ نے نکالا ضلالت سے شیخ کو — کعبہ سے عزم جانبِ کوئے بتاں کیا
جگانے صبح وہ بالیں پہ بے نقاب آیا — م اٹھو بھی صبح ہوئی سر پہ آفتاب آیا
ہے بار جو شبنم کا بھی ہو پیرہن ان کا — نازک ہے چنبیلی سے بھی زیادہ بدن ان کا
اک بوسہ لیکے عاشقِ ناشاد ماں ہوجائیگا — او بت گلفام کیا تیرا زیاں ہوجائیگا

ہر شیخ و شاب شکل کا دیوانہ ہو گیا
کعبہ تمھارے جانے سے بتخانہ ہو گیا

مجھے ان جھوٹے وعدوں پہ یقین آنیکا کب آیا
ملیگا وہ قیامت میں تو سمجھونگا کہ اب آیا

ہم آئے عشقبازی کو تم آئے دلنوازی کو
کوئی اس عالم اسباب میں کب بے سبب آیا

کیا آئے کیا چلے ہیں نظر بھر کے دیکھ لوں
ٹھیرو کہ حوصلہ دلِ بسمل میں رہ گیا

نہ کوئی رہا ہے نہ کوئی رہے گا
فقط ایک حرفِ نکوئی رہے گا

خیالِ زلف سے ہے دیدۂ پُرآب میں سانپ
ترے دکھانے کو یہ بند ہیں حباب میں سانپ

یہ عشقِ افعی گیسو کی دیکھئے تاثیر
کہ رات بھر نظر آتے ہیں مجھکو خواب میں سانپ

ارغوانی شراب کا ہو دَور
آئی رندانِ بادہ خوار بسنت

ہوکے آیا ہے زرد پوش وہ گل
سر سے ہے پاؤں تک نثار بسنت

جوہر بچے گا کوئی نہ دنیا میں جان لو
موت از برائے عالم و عالم برائے موت

میرے مرض کا کچھ نہیں غیر از فنا علاج
دم لیجئے غم یہ جائیگا ہے اِس کا کیا علاج

کثرت سے اختلاف کی سچ کس کو جانیئے
مصنوعی سب ہیں قصۂ دین و کتاب شرع

سب کھینچتے ہیں نالۂ گرم اسکے واسطے
اِک شمع نے لگائی ہے یہ انجمن میں آگ

مانندِ شمع ہوگا مرا شعلہ پیرہن
مرنے پہ سوزِ دل سے لگیگی کفن میں آگ

کب کسی گلبن میں پھوٹے اسقدر یکبار گل
چشم گل - لب گل - جبین گل - گوش گل رخسار گل

صبر آہی جائیگا اے ناصحو!
تھک کے خود ہو جائیگا ناچار دل

دیکھنے کو دو ہیں آنکھیں درحقیقت اک ہے نور
ایک ہی جلوہ ہے اُس کا کافر و دیندار میں

غضب ہے مئے سے کیفیت لبِ جاں بخش جاناں میں
خضر! دوڑو بجھا لے۔ لگ گئی آگ آبِ حیواں میں

داد اس ظلمتکدے سے کوئی کیا پائیگا خاک
دن کو شمع جلتی ہے اندھیر ہے درگاہ میں

بعید عقل سے ہے احترام دیر و حرم
مکان ساختۂ خود کو کیا سلام کریں

نالوں کا میرے رنگ اُڑا کے آیا فغان میں
بلبل کہیں کانٹے نہ پڑیں تیری زباں میں

بھڑکی گلوں سے آتشِ دل ہجرِ یار میں
پھک جائے باغ آگ لگے اس بہار میں

کچھ نہیں ماتم زدوں کو لطفِ سامانِ بہار
گُل ہیں خنداں باغ میں شبنم ہے گریاں باغ میں

طوف درتیرا جو ہو گبر و مسلماں کو نصیب
بت پرستی چھوڑ دیں تربت پرستی چھوڑ دیں

حبذا شہر و دیار لکھنؤ
دیکھئے باغ و بہارِ لکھنؤ

پوچھتے ہیں مجکو یوں قاصد سے وہ
جوہر تحصیلدار لکھنؤ

جس کا عاشق ہوں سوا اسکے نہ دیکھوں غیر کو
باغِ جنت میں بھی ہیں تنہا نجاؤں سیر کو

قیدِ آب و گل سے جوہر کہدو وہ آزاد ہے
چھوڑ و سجدہ کرنا اے خانہ پرستوں طاق کو

دیکھتا ہے صبحدم وہ مہر انور آئینہ
بن گیا ہے مطلعِ خورشید خاور آئینہ

گردشیں ہیں نام روزی سے زمانے کے لیے
ہے امام سبحہ تاک گردش میں دانے کے لیے

سبحۂ صد دانہ میں اعدادِ حق پیدا نہیں
حق کو بھولا شیخ نا حق آٹھ دانے کے لیے

غیب سے جوہر مدد ہوتی ہے ہمت چاہیئے
مستعد رہیئے مقدر آزمانے کے لیے

جو ہے جری بحکمِ خدا لازوال ہے
شہباز ہے حرام کبوتر حلال ہے

جائز ہیں از دو صوم سے پرتگال ہے
زاہد حرام تنبیہ سے فاقے حلال ہے

گر نہو حاصل کسی سے مدعائے دل نہو
آدمی کو رب اعلیٰ پہ توکل چاہیئے

بوئے فرحت بھی تو پہنچے روشنی سے روح کو
قبرِ بلبل پہ چراغ روغنِ گل چاہیئے

وہ بادہ خوار ہوں پہنچوں گا جب لبِ کوثر
تو دینگے ساقیٔ کوثر بھی بھر کے جام مجھے

ہوں دونوں مستِ بادہ تو دونا سرور ہو
تم بھی پیو جو خاطرِ مہمان عزیز ہے

کہیں کیا جو فراقِ یار میں ہم پر گزرتی ہے
ہمارا دل ہی واقف ہے جو کچھ ہم پر گزرتی ہے

الٰہی موت بہتر ہے جہاں میں نامرادی سے
مرادِ دل نہ حاصل ہو تو پھر کیا خاک جینا ہے

زیارت کو حسین آتے ہیں جوہر میرے مرقد پر
یہ مشہد ہے۔ نجف ہے۔ کربلا ہے یا مدینا ہے

دل ناشگفتہ رہ گیا کوشش ہزار کی
اس باغ میں ہوا ہی نہ آئی بہار کی

کیفیت اور ہے لبِ میگوں سے آب کی
ہے تیرے جھوٹے پانی میں مستی شراب کی

جوہر **جوہر** - سید محمد جان جوہر خلف الرشید سید لال محمد صاحب خواجہ معین الدین چشتی قدس اللہ سرہ کے درگاہ شریف کے خدام میں شامل ہیں۔ اصلی وطن اجمیر ہے حضرت اختر سہارنپوری تلمیذ مولٰنا ظہیر دہلوی کے خوشہ چین ہیں۔ اردو کے سوا علوم فارسی و عربی کی بھی تحصیل کی ہے ۲۷-۲۸ برس کی عمر ہے - کلام کا نمونہ ملاحظہ ہو -

عیادت کو مری تم آئے تو احسان ہی کیا ہو
مصیبت میں خبر انسان کی انسان لیتے ہیں

اللہ رے حجاب کہ کہتے ہیں وصل میں
دیکھو ذرا کہ شمع کہیں دیکھتی نہ ہو

نہ رکھیے حشر پر جھگڑا نہ رکھیے
ہمارا فیصلہ جو ہو یہیں ہو

جس سے فتنے ہوں عیاں ایسی روش ہو کسی کی
جس سے محشر ہو بپا ایسا چلن کس کا ہے

جوہر **جوہر** - جناب سید محمد حسین صاحب زید پوری - آپ زمانۂ حال کے شعراء میں سے ہیں اور آپ کا کلام رسالۂ معیار میں شائع ہوتا ہے - باوجود تلاش زیادہ حالات نہیں معلوم نہ ہو سکے - نمونہ کلام ملاحظہ ہو ؀

ہم بقائے ابدی اپنی فنا کو سمجھیں
ہو میسر جو غبارِ درِ جاناں ہونا

جبکہ اخفا ہے مری چشمِ تصور سے محال
پھر ہے بیکار ترا پردے میں پنہاں ہونا

ہے کئی دن سے یہی شغل مریضِ غم کا
آپ ہی سوچنا کچھ آپ ہی گریاں ہونا

جذبۂ عشق زلیخا میں جو ہوتی تاثیر
سہل تھا دامنِ یوسف کا گریباں ہونا

لے چلی بادِ صبا ساتھ مرا مشتِ غبار
کس گلستاں کی ہے قسمت میں بیاباں ہونا

لوگ حیرت میں ہیں یہ ہیجاں ہے یا بیہوش ہے
آج نالہ کش ترا کچھ اس طرح خاموش ہے

سر ہے وہ سر جس میں سودا لے وفا کا ہے وجود
دل ہے وہ دل جس میں الفت کا کبھی جوش ہے

ہو بھلا تیرا لگا دے آج منہ سے خم کا خم
تشنہ لب مدت سے اے ساقی ترا بیہوش ہے

بحرِ حسنِ یار میں پیدا ہے طوفانِ شباب
اک قیامت کا طلاطم ہے غضب کا جوش ہے

ہے کچھ ایسا ہم اسیرانِ چمن کا اشتیاق	ایک تارت سے قفس کھولے ہوئے آغوش ہے
ہم سمجھتے تھے یہیں ہوئیں گے جوہر جاں نثار	کوچۂ قاتل میں اک عالم کفن بردوش ہے

جوہری

جوہری- لالہ کنہیا لال صاحب المتخلص بہ جوہری ساکن قصبہ کاکوری ضلع لکھنؤ (اودھ) آپ عرصۂ دراز سے حیدرآباد دکن میں کسی محکمہ میں نائب مددگار ہیں- مذاق طبیعت اچھا ہے زبان شستہ ہے مشق بھی خاصی ہے- تلمذ کا حال معلوم نہیں کہ کس سے ہے- مگر صاحب دیوان ہیں- غزل کے علاوہ مصرع لگانے کا سلیقہ بھی خوب ہے- دیوان مطبوعہ نظر سے گزرا- اس کا انتخاب ملاحظہ ہو+

ہوش و خرد و تاب و تواں عشق سے بھاگے	ثابت قدم اس راہ میں اک دل نظر آیا
دل میں دفتر ہیں شکایت کے بھرے	منہ مرا آپ نہ کھلوا سیئے گا
رہے آباد میخانہ ہماری تو دعا یہ ہے	بسائیں دیر و کعبہ جا کے شیخ و برہمن اپنا
گلشن رضواں سے ہے ہمکو کوئے دوست	نخل طوبیٰ ہے قدِ دل جوئے دوست
سمجھتا ہے جسے اسے جوہری دوست	عدوئے جاں ہے اس سے بل سمجھکر
کرنے لگے باتوں میں وہ اعجازِ مسیحی	لعلِ لب جاں بخش پہ مرجانے کے دن ہیں
بیوجہ زلزلہ نہیں اس سطح خاک کو	ہے دفن مضطرب کوئی زیر زمیں کہیں
نہ روح کا ہے بھروسہ نہ اعتبار بدن	ہوا حباب میں ہے یا حباب شیشے میں
دل تو جلتا ہے مگر آہ و فغاں کچھ بھی نہیں	آگ یہ کیسی لگی ہے کہ دھواں کچھ بھی نہیں
لگا کے وار وہ حیرت میں مجکو سکتا ہے	ہیں اُنکی تیغ وہ میرے جگر کو دیکھتے ہیں
نہ آنکھیں چار کرو اک نظر ادھر دیکھو	ادھر نگاہ کرو ہم اُدھر کو دیکھتے ہیں
مال و زر کیا نقد جاں نذر رہ عشقی کروں	یہاں جیسے رہنا نہیں کیوں خواہش دنیا کروں
آپکے امروز فردا میں ہوا فردا ئے حشر	آج کیا ہیں اعتبار وعدۂ فردا کروں
ہیں بات بات پہ ناز انکے دم بدم سو سو	ہر ایک ناز میں کرتے ہیں وہ ستم سنو سنو

حالِ قیس و وامق و فرہاد پر کیا منحصر — درد کا قصہ الم کی داستاں ہو کوئی ہو
مجھے تو صحبتِ مے سے ہے بیخودی مقصود — سرور ہو کہ نہ ہو کچھ خمار ہو کہ نہ ہو
تمہارے ہاتھوں سے برباد ہو جو خاک مری — نواحِ پرِ ہما مشتِ غبار ہو کہ نہ ہو
یہ دل آئینہ حالِ جہاں ہے تمکو دیتے ہیں — ہمیں اک جام مے دو اسکے بدلے جامِ جم لیلو
میرے سوالِ وصل کا اُلٹا جواب ہے — غصہ ہے جھڑکیاں ہیں غضب ہے عتاب ہے
پُرخوں ہے دل تو چشم پُر از آبِ ناب ہے — وہ شیشۂ شراب یہ جامِ شراب ہے
ربط ایسا ہو تو کس طرح نہ آرام ملے — گور کو سمجھوں میں تن گور مجھے جان سمجھے
جسم کو دل کو جگر کو نہ ہو کیوں روح عزیز — مالکِ خانہ بھی ہے سمجھو تو مہمان بھی ہے
وعدہ یار گزر جائیگا مر جائیں گے — ملک الموت سے کہدو کہ تقاضا کیا ہے
جگر سے دل سے بدن سے تو ہو چکی رخصت — لبوں پہ جاں ہے ترا انتظار باقی ہے
ہم نہ سرکش سے جھکیں وہ نہ جھکے گر پہلے — خم نہو تیغ تو یاں جھکتا ہے کب سر پہلے

جوہری

جوہری۔ لالہ شیو پرشاد صاحب رئیس فرخ آباد۔ آپ فرخ آباد کے ایک قدیم اور نامور گھرانے کے رکن ہیں۔ آپکے والد لالہ مادھو رام جوہر کو فنِ سخن میں خاص ملکہ حاصل تھا۔ منشی منیر شکوہ آبادی کے شاگرد رشید تھے۔ لالہ صاحب کو فنِ سخن اس طرح میراث میں ملا ہے۔ کچھ کلام نظر سے گزرا اُس میں سے چند شعر درج ذیل ہیں +

ہم کہیں کے نہ رہے ہائے دل آجانے سے — تھے جو اپنے نظر آنے لگے بیگانے سے
ہوش انکے بھی اُڑائے ہیں پریزادوں نے — آج ناصح بھی نظر آتے ہیں دیوانے سے
واعظو! ہمسے نہ کچھ اسکی حقیقت پوچھو — آئے ہیں نورِ خدا دیکھ کے بتخانے سے
تمھیں للہ نکالو کوئی صورت اسکی — دلِ بیتاب سمجھتا نہیں سمجھانے سے

جویا

جویا۔ حسین علیخان ملیح آبادی۔ چکلادار۔ گویا کے ہمعصر تھے صاحب دیوان اور خاصہ کہتے تھے۔ تین شعر آپ کے نمونتًا درج ذیل کیئے جاتے ہیں +

کس طرح جا کے کوئی یار کے در پر بیٹھے
یار تو ایک طرف دیتے ہیں درباں اٹھا

صفائی قلب کی چاہے تو ہے ترکِ ہوس بہتر
ہتھیلی پہ اگر ہو شمع تو ضبطِ نفس بہتر

بے گنہ سینکڑوں دل زلف نے پابند کیے
یہ تو اندھیر بہت آپ کی سرکار میں ہے

جویا

جویا۔ نواب مہدی علیخاں عرف چھمّن صاحب۔ رئیس لکھنؤ۔ آپ نواب بندہ علیخاں زیبا مرحوم کے نامور شاگردوں میں ہیں۔ شعر گوئی کی اچھی مہارت حاصل۔ زبان۔ بندش ترکیب بیان سب اچھے ہیں۔ مضمون شگفتہ اور اسلوب بیان دل آویز ہے۔ یہ اشعار ان کے ہیں۔

نحیف و زار گو ہو شکل مجنوں نام کر جانا
رہِ الفت سے ناشاد نگہ جویا۔ گزر جانا

حد و عشق تک دشوار تھی اپنی نظر جانا
پسند آتا نہ کیوں آغاز ہی میں ہمکو مر جانا

کسی کی تیغِ ستم سے خوں کیا ہی جن کا مدت تک
بتا دے چارہ گر ممکن ہے ان زخموں کا بھر جانا

ہر اک تارِ نفس سے رشتۂ الفت ہی وابستہ
دمِ آخر سرِ بالیں ذرا دم بھر ٹھہر جانا

پریشاں ہو گی کاکل عکس آئینے پر آئے گا
دمِ زینت بری ہے میرے مرنے کی خبر جانا

سوائے کم سنی کے اور اے قاتل سبب کیا ہے
کہ خود ہی ذبح کرنا خود ہی میرے خوں سے ڈر جانا

ابھی کم سن ہو موئے زلف جس طرح ہیں رہنے دو
جوانی خود بتا دیگی انھیں آ کر سنور جانا

حیا پرور ہے قاتل کیوں نہ رکھوں ہاتھ سینے پر
نہیں اچھا کسی کے دل کے زخموں پر نظر جانا

سختیاں کیا کیا اٹھائی ہیں بتوں کے عشق میں
لیکن ایسے سخت جاں ہیں ہم قضا آتی نہیں

کرینگے جبہہ سائی آستانِ یار پر جا کر
ضرور اک دن مٹا دینگے لکھے کو ہم مقدر کے

ہے دمِ نزع نہ بالیں سے سرک او ظالم
اب گوارا نہیں دم بھر کی بھی فرقت تیری

زندگی میں بھلا نجات کہاں؟
مر کے چھوٹیں گے ہجر کے غم سے

سمجھتے تھے کہ نیند آ جاتی ہے ٹھنڈی ہواؤں میں
کسی کے ہجر میں دو دن آہ بھر بھر کے

لطافت سے دکھلا رہا ہے نشۂ حسن شباب
سرخ ہیں آنکھیں بھی انکی چال بھی مستانہ ہے

مے پرستی کر رہا ہوں کفر و ایماں چھوڑ کر	اُلفت اک ساقی سے ہے مذہب مرا رندانہ ہے

جہاندار

جہاندار۔ صاحب عالم و عالمیان میرزا جہاندار شاہ عرف میرزا جواں بخت ولی عہد حضرت شاہ عالم ثانی۔ بڑے سخی۔ خلیق۔ اور با مروّت شاہزادے تھے۔ جملہ علوم و فنون کے سرپرست اور قدر دان تھے۔ دلیری اور جوانمردی کا یہ عالم تھا کہ ایک روز شکار گاہ میں ہاتھی بگڑ گیا۔ چاہا کہ سونڈ سے پکڑ کر وار کرے۔ مگر شاہزادے نے مُہلت نہ دی اور ایک ہی ضرب شمشیر خارا شگاف سے اُس کا کام تمام کر دیا۔ علو العزمی بھی حد سے زیادہ تھی۔ دہلی سے نکلے تو پندرہی روز میں بیس تیس ہزار آدمیوں کی جمعیت لکھنؤ پہنچتے پہنچتے فراہم کر لی۔ جن دنوں میں کہ حضرت شاہ عالم صوبۂ بہار میں تھے۔ احمد شاہ ابدالی نے آپ کو دلّی میں تخت نشین کر دیا۔ آٹھ دس سال تک کاروبار سلطنت کو نہایت فراست اور دانائی سے انجام دیتے رہے۔ بعد مراجعت حضرت شاہ عالم مرہٹوں کا تسلط ہوا اور اُنکے نائب شاہ جی کے ظلموں سے تنگ آکر یہ دہلی چھوڑنے پر مجبور ہوئے اور لکھنؤ پہنچے۔ نوّاب آصف الدّولہ نے آداب و خدمت گذاری کے تمام مراتب ادا کیئے۔ خواصے میں بیٹھنا۔ گھڑیوں ہاتھ باندھے سامنے کھڑے رہنا۔ اور ایک اِک الائچی یا گلوری کی بخشش پر دس دس مرتبہ مجرہ گاہ سے آداب بجا لانا۔ برس روز قیام لکھنؤ کے بعد آپنے بنارس میں سکونت اختیار کی اور سرکار اودھ سے پچّیس ہزار روپیہ ماہوار بطور نذرانہ مقرر ہو گئے جسکے عوض میں انجام کار صوبۂ اودھ نے علاقہ سرکار انگریزی کے تفویض کر دیا۔ چنانچہ وارن ہیسٹنگز کے انتظام کے بموجب آپ کو خزانۂ انگریزی سے برابر پنشن ملتی رہی۔

فن شعر پر طبیعت اِس قدر مائل تھی کہ ہر ماہ میں دو مرتبہ اپنے دولتخانے پر بزم مشاعرہ منعقد فرماتے تھے اور شعرائے باکمال بادفار کو اپنے چوبدار بھیج بھیج کر مشاعرے میں بُلواتے تھے۔ پھر آنے والے مہمانوں کے ساتھ نہایت لُطف اور گرمجوشی سے پیش آتے تھے۔ سنہ ۱۲۰۲ہجری میں آپنے انتقال فرمایا۔ انڈیا آفس لنڈن میں آپ کا وہ دیوان مُسمّٰی بہ

بیاض عنایت مرشد زادۂ جو وارن ہیسنگز کو آپ نے مرحمت فرمایا تھا موجود ہے۔ ایک تذکرہ بھی تصنیف کیا تھا۔ آپ کی اولاد کا سلسلہ بنارس میں اب تک موجود ہے تین صاحبزادے۔ میرزا خرم بخت۔ میرزا شگفتہ بخت اور میرزا عالیقدر۔ آپکی یادگار رہے۔ انتخاب آپکے کلام کا یہ ہے۔ ملاحظہ ہو:۔

نرگس کے انتظار میں یہ بے اجل گیا ... آنکھیں جو یوں کھلی رہیں اور دم نکل گیا
رعنائی تیری دیکھ کے لے سرو باغ حسن ... جوں لالہ دل پہ کھاتے ہیں سب گلعذار داغ
آتش پہ میرے دل کی جہاندار جوں سپند ... چاہوں جو ٹھیرے کر نہیں سکتا قرار داغ

رہے اک شب جو اس ماتم کدے میں ... بسان شمع رو رو کر چلے ہم
اکیلے تھے ہم اب اک فوج غم ہے ... ترے در سے مع لشکر چلے ہم
رہے در پر بتاں کے ہم جہاندار ... خدا حافظ تمہارا گھر چلے ہم

ٹھان بیٹھے ہیں وہ پہلے ہی سراپا دینا ... تیرے کوچے میں جو اے شوخ قدم رکھتے ہیں
ترے عشق کے سبب سے پالے پڑے ہیں ... ہمیں اپنے جینے کے لالے پڑے ہیں
آخر گل ابھی صرف در میکدہ ہوئی ... پہنچے وہاں ہی خاک جہاں کا خمیر ہو
کونسی بات تری ہم سے اٹھائی نہ گئی ... پر جفا جو تری ناحق کی لڑائی نہ گئی
قصد ہر چند کیا سیکھنے کا بلبل سے ... وضع نالے کی مرے اس سے اڑائی نہ گئی
چھوڑا ملاپ یار کا اغیار کے لیئے ... ترک شمیم گل ہیں کیا خار کے لیئے
میرا دل فگار بھی کچھ گل سے کم نہیں ... منظور ہو جو گوشۂ دستار کے لیئے
اس زلف عقدہ گیر کا اک تار اے صنم ... بس ہے جہاں کے سبحہ و زنار کے لیئے
اس بت کا وصل غیروں کی قسمت میں تھا نصیب ... تھا ہجر ایک آہ جہاندار کے لیئے
میں اور تری نصیحت مانوں یہ دخل کیا ہے ... ناصح تو مجکو ناحق اب کیوں خفا کرے ہے
بیمار عشق جانبر اب تک کوئی ہوا ہے ... تو اے طبیب ناحق میری دوا کرے ہے

پچھتائے گا تو اک دن سنتا ہے اے جہاندار	دیتا تو ہے دل اسکو لیکن برا کیے ہے

جہانگیر

جہانگیر - میر جہانگیر لکھنوی - اصل وطن ان کا دہلی تھا مگر اپنی عمر کا بڑا حصہ لکھنؤ میں گزارا اسی لیے لکھنوی کہے جاتے ہیں - مرد شجاع اور دلیر تھے - فارسی اردو دونوں زبانوں میں فکر سخن کرتے تھے - آرام و آسایش سے اپنی زندگی بسر کی - آخر عمر میں وطن چلے اور مرض مالیخولیا میں مبتلا ہوگئے - ایک روز مولٰنا شاہ عبد العزیز کے وعظ میں میر شاہ علی کو جن کا تخلص درویش تھا زخمی کرنے کے باعث قید کیے گئے اور مجلس ہی میں انتقال کر گئے - ۱۲۳۸ھ ہجری میں موجود تھے - یہ اُن کا کلام ہے -

وہ کیا فرہاد وہ کیا جانتا ہے	جو گزرے ہے مجھ پر خدا جانتا ہے
محبت جسے کہتے ہیں وہ ہے مشکل	سو وہ ایسی باتوں کو کیا جانتا ہے
غم و درد و ہجراں سے واقف نہیں کچھ	یہ ناصح فقط مسخرا جانتا ہے
یہانتک ہوا اُس پر دل زار شیفتہ	جو گالی بھی دے تو دعا جانتا ہے
ہنستا ہے ہر اک کو وہ شوخ ظالم	جہانگیر کو ہی رلا جانتا ہے

جہانگیر

جہانگیر - صاحب عالم و عالمیان مرزا جہانگیر شاہ پسر دوم اکبر شاہ ثانی بادشاہ دہلی - انکی والدہ نواب ممتاز محل ملکۂ دوران اور بادشاہ کی چہیتی بیگم تھیں اسی لیے اکبر شاہ انکو بہت چاہتے تھے - انکی ولیعہدی کے لیے بھی بہت کوشش کی گئی مگر ناکامیاب رہے - یہ مرشد زادے بہت آوارہ مزاج اور خود سر تھے جب اپنی حرکات ناشائستہ کی پاداش میں نظر بند ہو کر الہ آباد بھیجے گئے تو انکی والدہ نواب ممتاز محل نے یہ منت مانی تھی - کہ میرزا جہانگیر چھوٹ کر آئیں گے تو خواجہ بختیار کاکی کے مزار پر پھولوں کا چھپر کھٹ اور غلاف چڑھاؤں گی - جب مرزا جہانگیر چھوٹ کر آئے تو انکی والدہ نے اپنی منت پوری کی بڑی دھوم سے چھپر کھٹ اور چھپر کھٹ میں پھول والوں نے اپنی ایجاد سے ایک پھولوں کا پنکھا بھی لٹکا دیا تھا حضرت خواجہ صاحب کے مزار پر چڑھایا - بادشاہ کی خوشی کے

سبب سے قلعہ کے لوگ اور شہر کی خلقت بھی جمع ہو گئی۔ گویا ایک بڑا بھاری میلا ہو گیا۔ بادشاہ کو یہ میلا بہت پسند آیا۔ ہر برس ساون کے مہینے میں مقرر کر دیا۔ چنانچہ اب تک پھول والوں کا میلا دہلی میں ہر سال ہوتا ہے۔ مرزا جہانگیر تھوڑے دنوں کے بعد پھر اپنی بدکرداری کے باعث نظر بند ہو کر الہ آباد بھیجے گئے وہاں رات دن شراب میں مخمور رہتے تھے آخرکار سنہ ۱۸۳۲ء میں انتقال کیا۔ انکی والدہ نے نواب مختار الدولہ (سر سید احمد خان کے ماموں) کو الہ آباد بھیجکر لاش منگوائی اور حضرت نظام الدین اولیا کی درگاہ میں دفن کی۔ اس پر ایک نہایت خوبصورت مجر بنوا دیا۔ انھیں کے پہلو میں مرزا نیلی انکے چچا اور مرزا بابر انکے بھائی دفن ہیں۔ مرزا جہانگیر کی صرف ایک بیٹی تھی۔ وہ مرزا فخرو ولیعہد بہادر شاہ سے منسوب ہوئی۔ مرزا ابوبکر اسی کے بطن سے تھے۔ مندرجہ ذیل غزل انکے نام سے مشہور ہے:-

گر یار نہو ساقی پیمانہ ہوا تو کیا	معمور شرابوں سے میخانہ ہوا تو کیا
ہم عشق کے ہیں بندے مذہب سے نہیں واقف	گر کعبہ ہوا تو کیا بتخانہ ہوا تو کیا
جب درد نہو دل میں کیا عشق مزہ دیوے	کہنے کو بھلا کوئی دیوانہ ہوا تو کیا
اس عشق کی آتش سے چلتے ہیں سبھی کوئی	گر شمع ہوئی تو کیا پروانہ ہوا تو کیا

جہانگیر

جہانگیر۔ سردار کیسر اسنگہ۔ آپکا وطن امرتسر اور ۲۱ دسمبر سنہ ۱۸۶۹ء تاریخ ولادت ہے آپکی ابتدائی تعلیم ایبٹ آباد ہزارہ میں ہوئی جہاں آپکے والد سردار بوٹا سنگہ ہیڈ ڈرافسمین تھے۔ کچھ عرصہ لاہور میں پڑھکر آخر سنہ ۱۸۹۳ء میں آپنے رڑکی کالج سے امتحان سب انجینیری کی سند حاصل کی اور محکمۂ تعمیرات میں ملازمت اختیار کی۔ میرٹھ۔ دہلی۔ مراد آباد۔ علیگڈھ۔ رامپور۔ گورکھپور میں کئی کئی سال رہے۔ اثنائے قیام میرٹھ میں حضرت بیان یزدانی سے رامپور میں حضرت امیر مینائی سے اور رڑکی میں پنڈت امرا سنگہ صاحب شاگرد مرزا غالب سے خوب صحبتیں گرم رہیں۔ سنہ ۱۹۰۳ء میں سرکاری ملازمت ترک کر کے ریاست کشمیر

میں ملازم ہوئے۔ اب پھر پنجاب چلے آئے۔ اور ستلج سرٹے ڈویژن کے صیغۂ آبپاشی میں سپروائزر ہیں۔ ۳۷ یا ۳۸ برس کی عمر ہے۔ آزاد منش زندہ دل نوجوان ہیں راقم تذکرہ کے ملاقاتیوں میں ہیں۔ شعر کہنے کا سلیقہ اچھا ہے۔ بندش چست۔ تراکیب درست مذاقِ سخن نفیس۔ کلام سے مشاقی کا پتہ چلتا ہے۔ مزاج میں شوخی و ظرافت خلقی ہے۔ ابتدائے مشق میں حضرت آزاد دہلوی کو چند غزلیں دکھائی تھیں۔ اسی سلسلۂ تلمذ کے باعث حضرت ذوق مرحوم سے خاص عقیدت رکھتے ہیں۔ کلام کا انتخاب درج ذیل ہے۔

شیخ کو کہتے تھے سب خشک مزاج
اُس کا دامن تو بہت تر نکلا

ہنسکے فرمایا جو کی وصل کی خواہش اُن سے
ہم سے جو نکلا اسی بات کا سائل نکلا

وحشت زدہ جہانگیر۔ اے شاہِ خوبرویاں
ہو کر اسیرِ الفت تیرے حضور آیا

دیکھیں گے اُنکو اور محشر کے سامنے
دینگے حساب جب ستمِ بے حساب کا

یہ ناز یہ غرور لڑکپن میں تو نہ تھا۔
آفت ہے زندگی میں زمانہ شباب کا

وہ مُنہ پھیر لیتے ہیں انجان ہوکر
یہ بیگانگی! جان پہچان ہوکر؟

جہانگیرا اور رام رنگی۔ الٰہی
بنی کیا یہ اسپر مُسلمان ہوکر

نہیں گر ترے کھینچ لانے کے قابل
یہ دل پھر ہے کس کام آنے کے قابل

جہانگیر اور مے سے پرہیز؟ بیشک
یہی بات ہے مان لینے کے قابل

شیخ کو لیجا کے اک دن اپنا ضامن کر دیا
عمر بھر پیتے رہے ساقی سے لیکر وام ہم

کہیں بھولے ہی سے وہ شوخ نشانہ باندھے
ہم اِس اُمید میں نخچیر بنے پھرتے ہیں

ملکِ دل لُٹنے دیا کر نسکے کچھ افسوس
نام کو ہم بھی جہانگیر بنے پھرتے ہیں

دیر و حرم میں شیخ و برہمن کے واسطے
ہم جن کو پُوجتے ہیں وہ پتھر ہی اور ہیں

راز دل کر نہ فاش کہنا مان
دیکھ چشم پُر آب! کہتے ہیں

چشم مشتاق کیا سمجھتی ہے
آپ جسکو نقاب کہتے ہیں

آپ وہ گُل کھیلے ہیں خدا رکھّے
تو نے بھی ہو کبھی تو بتلاؤں

کِسکو شرم و حجاب کہتے ہیں
شیخ اِسکو شراب کہتے ہیں

حسن و شوخی ہیں غضب - مہر و وفا کا پُتلا
آپ کے ڈھونڈے سے وہ دلبر جسے کہتے ہیں

ساقی! مجھے بس تیری قسم اور نہ لوں گا
دو جام کی عادت تھی سو پلوا گئیں آنکھیں

کس طرح لے زمیں مجھے اکمل کہو تو ہیں
کاہل جہاں کے مجھ میں سمائے چلے گئے

میخانہ کوئی گھر تو جہانگیر کا نہیں
آئے دو جام اپنے اُڑائے چلے گئے

ہیں ہتھکنڈوں سے حسینوں کے خوب واقف ہو
مجھے بھی ایسے ہی لوگوں سے کام رہتا ہے

سو یا پڑا ہے سبزۂ خودرو کے سایہ میں
اے لالہ رو یہ گور ہے تیرے شہید کی

بیکسی کو مری اللہ سلامت رکھّے
یہ کسی کو مری تربت کا پتہ دیتی ہے

دیکھا کرو کسی کی طرف تم بھی پیار سے
گر چاہتے ہو تم کو نہ دیکھا کرے کوئی

حق بات پر بھی دار پہ منصور کھنچ گیا
مقدور کیا ہے عشق میں لب وا کرے کوئی

کہتے ہیں جان دینی تو ادنی سی بات ہے
پھر اور کس طرح انھیں چاہا کرے کوئی

اِس جوانی میں لڑکپن کی ادا باقی ہے
اب تک آنکھوں میں وہی شرم و حیا باقی ہے

دل گیا - جان گئی - دین گیا - دنیا بھی
اب بھی لیکن وہ محبت کا مزا باقی ہے

بہشت الفت بتا نیکا مزہ کچھ تم نے دل چکھا
کبھی آئی ہوئی اُن سے جو تھی صاحب سلامت بھی

تیغ ہے رنگیں تو لب مسی آلود
تو تو سوسن بھی ہے گلاب بھی ہے

جہانگیر! گھبرا گئے ایسے جلدی
محبت سہے یہ کچھ حکومت نہیں ہے

وحشی بن بن کے گئے سوئے بیاباں کتنے
گھر محبت نے کئے آپ کی ویراں کتنے

یوں اگر ملتے ہیں اک طرح کی رُسوائی ہے
خط کتابت کی بھی کیا تم نے قسم کھائی ہے

کوئی ایسا نہیں مِلتا کہ ملائے اُس سے
یوں تو اپنی بھی زمانے سے شناسائی ہے

کبھی وہ بھولی بھولی اُنکی صورت یاد آتی ہے
کبھی پھر وہ نگاہِ مہر و اُلفت یاد آتی ہے

کبھی وہ چھیڑنا وہ مسکرانا یاد آتا ہے	کبھی شوخی کبھی اُنکی شرارت یاد آتی ہے
بتوں میں بے نیازی تھی ہم اپنے دمنہ ناز اں تھے	اب اُنکو دیکھ کر اللہ کی قدرت یاد آتی ہے
نہ تم میں دلبری تھی اور نہ جانبازی پہ ہم مائل	تمھاری سادگی۔ اپنی طبیعت یاد آتی ہے
طبیعت جوش پر تھی اور نصیبہ اپنا یاور تھا	جہانگیر اب ہمیں وہ اپنی حالت یاد آتی ہے

جھمن

جھمن۔ جھمن نام تھا۔ قوم سے کایستھ اور دہلی کے قدیم باشندے تھے۔ اِنکے بزرگ ہمیشہ سرکار شاہی میں ملازم رہے۔ نواب امیر الامرا ضابطہ خان بہادر کی سرکار میں اِنکے بڑے بھائی عہدۂ منشی گری پر مامور تھے۔ فنِ سخن میں لالہ جھمن نام کی طبیعت نہایت موزوں و مناسب واقع ہوئی تھی۔ فارسی۔ اُردو دونوں زبانوں میں فکر سخن کیا کرتے تھے۔ اور اکثر صنائع و بدائع میں شعر کہا کرتے تھے۔ اکثر غزلیں اور قطعے مدح اُمرا میں ذو بحرین کہے ہیں۔ بعضوں کی مدح ایسی کی ہے کہ ہر مصرع سے اگر ایک ایک حرف لیئے جاؤ تو نام ممدوح کامکمل آتا ہے۔ اور ہر مصرع سے تاریخ سال نکلتی ہے۔ اور کچھ غزلیں صنعت عاطلہ اور منقوطہ میں بھی کہی ہیں۔ بہار دانش کو بھی منظوم کیا ہے۔ افسوس ہے کہ باایں ہمہ کمالِ فن نانِ شبینہ سے بھی محتاج تھے۔ راجہ اجیت سنگھ بہادر ہر چند چاہتے تھے کہ ان کا افلاس مبدل بفلاح ہو۔ مگر ان کی وارستہ مزاجی اور بے پروا طبیعت نے قبول نکیا۔ خلقتہً نہایت مسکین اور غریب نہاد طبیعت پائی تھی۔ کبھی کبھی اپنے اشعار خواجہ میر درد علیہ الرحمۃ کو بغرض اصلاح دکھا لیتے تھے سنہ ۱۱۹۰ ہجری میں موجود تھے یہ اُن کا کلام ہے۔

قطعہ

دل جوں سپند عشق کی آتش سے جل گیا	اِک آہ کھینچتے ہیں مرا دم نکل گیا
اشک ہونے ہی تو لڑا اسقدر رسوا ہوا	یہ تو لڑکا حضرت مجنوں کا بھی باوا ہوا
یہاں مختار جو باجاہ آیا	برائے قتل خلق اللہ آیا
نہ تھے کچھ شاہ جی سے شاہ حاجی	وہ نادر شاہ تھے یہ شاہ آیا

ہے مفتخر ہمسند والا گلاب رائے — یہ گاؤ تکیہ رکھے ہے لالہ گلاب رائے
سب چیز بست دے جو چڑھیں لوگ اسکے گھر — بھر دیوے کف میں لولو رلا لا گلاب رائے
بلبل لڑیں ہیں محل اُسکی میں مدام — کیا لال بیٹا ماں نے یہ پالا گلاب رائے
مانگے جو کوئی موتی کا دانہ تو اُسکو پھر — دیتے ہیں اپنی سونے کی مالا گلاب رائے
شاباش اُسکی ماں کو جو ایسا جنا ہے پوت — جیوے وہ اُس کا کھیلنے والا گلاب رائے

جانکی

**جانکی - جانکی پرشاد ملیح آبادی - بختیار پوری - آپ کو فارسی - سنسکرت اور بھاشا میں اچھی خاصی مہارت ہے - شعر بھی فارسی اُردو اور ہندی تینوں زبانوں میں کہتے ہیں - اِس وقت آپکی عمر ۹۰ سال کی ہے - حواسِ خمسہ میں ابتک کوئی فرق نہیں - گھر کے آسودہ ہیں - قوم کے کھتری اور نہایت خلیق و بامروّت انسان ہیں - آپ کے تین شعر نموتاً درج کیئے جاتے ہیں -

زاہد تو کس گھمنڈ پہ کہتا ہے دمبدم — معلوم ہوگا حشر میں پینا شراب کا
ہم بادہ نوشِ بحرِ محبت میں غرق ہیں — دارِ فنا کو سمجھے ہیں عالم ہے خواب کا
جب میں جاتا ہوں رقیبوں کو اُٹھا دیتے ہیں — بار منّت سے مرے سر کو جھکا دیتے ہیں

\+ دہلی میں سراوگیوں کا خاندان معروف بہ گلاب رائے مہرچند مشہور و معروف ہے +

** آپ کا نام ترتیب کے خلاف درج ہونے کی وجہ یہ ہے کہ آپ کے حالات اور کلام ہمارے پاس اُسوقت پہنچے کہ ردیف "ج با الف" چھپ چکی تھی - لہذا اسبے ترتیبی کو اِس سے بہتر سمجھا کہ آپ کا نام درج تذکرہ ہونے سے رہ جائے +

چ

چکبست

چکبست پنڈت برج نراین صاحب وکیل ہائیکورٹ آپ قوم کے کاشمیری پنڈت ہیں لفظ چکبست آپکا عرف ہے تخلص شروع سے رکھا ہی نہیں لہذا حیران ہیں کہ آپکو شعروشاعری کی انجمن میں کس خطاب سے مخاطب کریں اور یاران سخن سنج سے کیا کہکر تعارف کرائیں آپکی زندگی کے مختصر حالات بارہا دریافت کیے اکثر اوقات تو جواب سے جواب ہا اور جواب آیا تو جواب صاف آیا۔ چونکہ اکثر رسالوں میں آپکا کلام عرف کو تخلص قرار دیکر درج ہوتا ہی ناچار ہم بھی ایسا ہی کرنے پر مجبور ہیں آپکے خط کا خلاصہ قابل تحریر ہی آپ لکھتے ہیں "جناب والا تسلیم۔ آپ نیازمند کے سوانحی حالات دریافت کرتے ہیں۔ حیران ہوں کہ کیا لکھوں۔ اول تو میں باضابطہ شاعر ہی نہیں ہوں تخلص کا بھی گنہگار نہیں ہوں چکبست میرا عرف ہے نہ کہ تخلص سولہ سترہ برس سے شعروسخن کا مذاق ضرور ہی لیکن ایک دیوان بھی تیار نہیں ہے ایسی حالت میں مجھے باضابطہ شاعروں کے زمرے میں داخل کرنا ہی بیکار ہے مگر خیر مجموعہ میں تو میرا نام آ ہی گیا۔ اب آپکو زندگی کے حالات کیا لکھوں لکھنو وطن ہے عمر تقریباً اٹھائیس سال ہے اپنے دوستوں کا دل بہلانے کو کبھی کبھی شعر کہہ لیتا ہوں پرانے رنگ کی شاعری یعنی غزلگوئی سے ناآشنا ہوں لیکن اسی کیساتھ میرا عقیدہ یہ ہے کہ محض نئے خیالات کو توڑمروڑ کر نظم کردینا شاعری نہیں ہے میرے خیال کے مطابق خیالات کی تازگی کے ساتھ زبان میں شاعرانہ لطافت اور الفاظ میں تاثیر کا جوہر ہونا ضروری ہے لیکن میں پھر آپکو لکھتا ہوں کہ میں قدردان سخن ہوں سخنور نہیں ہوں جسکا نام شاعری ہے وہ اور چیز ہی جو بہرحال مجھے نصیب نہیں" چار ترکیب بند جو آپنے بھیجے ان کے علاوہ اور کلام بھی مختلف رسائل میں نظر سے گزرا۔ اسمیں شک نہیں کہ اکثر بند حد درجہ موثر اور پردرد ہوتے ہیں اور صفائی اور سادگی سے خالی نہیں مگر خیال کی بلند پروازی اور شوکت الفاظ بہت زیادہ ہے آپکے ایوان سخن میں جب نظر اٹھا کر دیکھئے قدرتی مناظر کے سین مختلف جذبات کے فوٹو۔ حب وطن۔ ادب۔ اخلاق کی دلفریب تصاویر بہ کثرت سے دکھائی دیتی ہیں محض حسن و عشق کے چرچے بہت کم۔ واقعات کے نظم کرنے میں آپکی قابلیت اور مشاقی مسلم ہی ایک چھوٹا اور معمولی واقعہ بیان کرنیکے لیے پہلو بدل بدل کر کئی کئی بند مسلسل لکھ جاتے ہیں تشبیہات خوب برتتے ہیں بعض جگہ اسلوب بیان میں ایسی روانی اور دلکشی ہوتی ہے کہ اساتذہ کے کلام کا دھوکا ہوتا ہی رامائن کے جو سین آپنے نظم کیئے ہیں انکی دلچسپی دلفریبی حد توصیف سے باہر ہی کانٹ بھی

رباعیات

یہ قوم ذرا عاقبت اندیش نہیں
پہلے کی ترقی سے ہیں کتنے پیچھے
سودا تو ہے ہوش کا سر پیش نہیں
افسوس ہمیں کچھ بھی پس و پیش نہیں

بیکار تعلّی سے ہے نفرت مجھکو
لوں داد سخن نہیں یہ عادت مجھکو
کس واسطے جستجو کروں شہرت کی
اک دن خود ڈھونڈ لیگی شہرت مجھکو

دیگر

غنچۂ گل کے لئے ہے گل ہے شبنم کیلئے
اک ربط ہے انتظام عالم کیلئے
لیکن ہے مرا شباب ماتم کیلئے
غم میرے لئے ہے اور میں غم کیلئے

دیگر

آبادی ہے اصل میں نہ ویرانہ ہے
شادی کا یہ گھر ہے نہ عزا خانہ ہے
واللہ نہ مبتدا ہے اسکی نہ خبر
دنیا اک ناتمام افسانہ ہے

تغزل

فنا کا ہوش آنا زندگی کا درد سر جانا
اجل کیا ہے؟ خمار بادۂ ہستی اتر جانا
مقام کوچ کیا ہے منزل مقصود تک پہونچے
قیامت تھا سرائے دہر میں دو دن ٹھہر جانا
بہت سودا رہا واعظ تجھے نار جہنم کا
مزا سوز محبت کا بھی کچھ لے بے خبر جانا
مصیبت میں بشر کے جوہر مردانہ کھلتے ہیں
مبارک بزدلوں کو گردش قسمت سے ڈر جانا
سدھاری منزل ہستی سے کس بے اعتنائی سے
تن خاکی کو شاید روح نے گرد سفر جانا

درد دل پاس وفا جذبۂ ایماں ہونا
آدمیت ہے یہی اور یہی انساں ہونا
زندگی کیا ہے؟ عناصر میں ظہور ترتیب
موت کیا ہے؟ انہی اجزا کا پریشاں ہونا
ہمکو منظور ہے اسے دیدۂ وحدت آگیں
ایک غنچہ میں تماشائے گلستاں ہونا
جس طرح خم سے کسی جام کا گردا نکلے
یوں ہے گردوں سے مہ نو کا نمایاں ہونا
عمر بھر سودا رہا پاؤں میں بیڑی نہ رہی
میری تقدیر میں تھا بے سروساماں ہونا
صفحۂ دہر پہ تحریر ہے قدرت سمجھو
پھول کا خاک کے تودے سے نمایاں ہونا
ہے بیاض سحر نور پہ دل کیا مائل
یاد ہے دختر انجم کا پریشاں ہونا
کل بھی وہ کل جو ہے فردائے قیامت زاہد
اور پھر اسکے لئے آج پریشاں ہونا
پاؤں زنجیر کے مشتاق ہیں اے جوش جنوں
ہے گرو شرط ترا سلسلہ جنباں ہونا
عقل کو پامال نہ کر لعل و گہر کے مالک!
ہے اسے طرۂ دستار غریباں ہونا

ہے مرا ضبط جنوں جوش جنوں سے بڑھ کر
ننگ ہے میرے لیے چاک گریباں ہونا

مری بیخودی ہے وہ بیخودی کہ خودی کا وہم و گماں نہیں
یہ سرور ساغر مے نہیں یہ خمار خواب گراں نہیں

جو ظہور عالم ذات ہے یہ فقط ہجوم صفات ہے
ہے جہاں کا اور وجود کیا جو طلسم وہم و گماں نہیں

یہ حیات عالم خواب ہے نہ عذاب ہے نہ ثواب ہے
وہی کفر و دیں میں خراب ہے جسے علم راز جہاں نہیں

نہ وہ خم ہیں بادہ کا جوش ہے نہ وہ حسن جلوہ فروش ہے
نہ کسی کو رات کا ہوش ہے وہ سحر کو شب کا سماں نہیں

یہ زمیں پہ جن کا تھا دبدبہ کہ بلند عرش پہ نام تھا
انہیں یوں فلک نے مٹا دیا کہ مزار تک کا نشاں نہیں

آب و دانے سے قفس کے کچھ ہمیں لذت نہیں
بے پر و بالی سے اپنی عاشق صیاد ہیں

کچھ اور ہے وہ شاعر معجز بیاں نہیں
جسکے سخن سے رنگ طبیعت عیاں نہیں

اظہار درد غیر سے کرتے ہیں بوالہوس
ہمکو دماغ نالہ و آہ و فغاں نہیں

کیا دیکھتے ہی دیکھتے دنیا بدل گئی
واللہ وہ زمیں نہیں وہ آسماں نہیں

دل ہی کی بدولت رنج بھی ہے دل ہی کی بدولت راحت بھی
یہ دنیا جسکو کہتے ہیں دوزخ بھی ہے اور جنت بھی

ارمان بھرے دل خاک ہوئے اور موت کے طالب جیتے ہیں
اندھیر ہے اس دنیا پہ ہمیں آتی ہے ہنسی اور حیرت بھی

ہا خوف خدا یا خوف سقر ہیں وہی بیاں تیرے سے واعظا
اللہ کے بندے دل میں تیرے ہے سوز و گداز محبت بھی

جب تک ہے جوانی کیا عالم کیا عیش کی مستی رہتی ہے
جب پیری موت کی لائی خبر پھر زہد بھی ہے اور طاعت بھی

گرتے ہی زمیں سے دامن میں آ طفل ہے روتا دھوتا کیا
دنیا میں اگر تو آیا ہے یاں رنج بھی ہے اور راحت بھی

ہر دم ہے طبیعت کو الجھن اک یاس کا عالم طاری ہے
یہ سانس نہیں اک کانٹا ہے یہ زیست نہیں بیماری ہے

بار اندوہ و الم کا کہیں ہلکا ہو جائے
پھر بہار آئے الٰہی ہمیں سودا ہو جائے

عرش سے فرش تلک چھائی ہے تاریکی جہل
آگ دنیا کو لگا دو تو اجالا ہو جائے

ظاہرا ہستی ناچیز بشر ہے کیا چیز
یہ وہ قطرہ ہے جو بڑھ جائے تو دریا ہو جائے

یوں نہ انساں کا برگشتہ مقدر ہو جائے
ہیں اگر پھول اٹھاؤں تو وہ پتھر ہو جائے

دل سینے میں سمجھا شافی روحانی مجھے
حب قومی ہو گیا نقش سلیمانی مجھے

منزلِ عبرت ہے دنیا اہلِ دنیا شاد ہیں
ایسی دلجمعی سے ہوتی ہے پریشانی مجھے

جانچتا ہوں وسعتِ دل حملۂ غم کیلیے
امتحاں ہے رنج و حرماں کی فراوانی مجھے

قوم کا غم مول لیکر دل کا یہ عالم ہوا
یاد بھی آتی نہیں اپنی پریشانی مجھے

ذرہ ذرہ ہے مرے کشمیر کا مہماں نواز
راہ میں پتھر کے ٹکڑوں نے دیا پانی مجھے

کس کو غم ہے جو کرے مرثیہ خوانی میری
رو رہی ہے مرے مرقد پہ جوانی میری

دولت

کہتے تھے برادر کو سخن سنج پرانے
اُن لوگوں کے ہمراہ گئے اُنکے زمانے

وہ فلسفہ و علم و ادب اب ہیں فسانے
بدلا ہے نیا رنگ زمانے کی ہوا نے

دولت ہے ہوا اب زینتِ کاشانۂ تہذیب
کہتے ہیں اِسے شمع جلوخانۂ تہذیب

مٹ جانے پہ بھی نام و نشاں رہتا ہے اس سے
سرچشمۂ اُمید رواں رہتا ہے اِس سے

تازہ چمنِ تاب و تواں رہتا ہے اس سے
پیری میں بھی انسان جواں رہتا ہے اِس سے

ہر رنگ میں یہ تازگیِ قلب و جگر ہے
ہے صلح میں شمشیر لڑائی میں سپر ہے

کوشش کبھی زردار کی جاتی نہیں بے سود
رہتا ہے سدا سایہ فگن طالعِ مسعود

انسان کی نیت میں اگر شر نہ ہو موجود
در ہاتھ میں اُسکے ہے کلیدِ درِ مقصود

کب گوہرِ اُمید کو رولا نہیں اس نے
تھا کونسا در بند جو کھولا نہیں اِس نے

ہوں طالبِ تحقیق کہ دلدادۂ تعلیم
خم سامنے دولت کے ہے سبکا سرِ تسلیم

سنتے ہیں اُنھیں کے لیئے ہے کوثر و تسنیم
یاں جو رہِ مولا میں لُٹاتے ہیں زر و سیم

دنیا ہی میں کچھ ذکر نہیں تازہ ہے اسکا
دربار میں اللہ کے آوازہ ہے اِسکا

لیکن وہ زر و مال نہیں قابلِ تحسیں
اِنساں کو بنا دے جو شکم پرور و خود بیں

زردار وہ ہے جس میں شرافت کے ہوں آئیں
ہو بزمِ محبت کے لیئے باعثِ تزئیں

سرسبز رہے قوم یہ انعام ہو اُس کا
باراں کی طرح فیض و کرم عام ہو اُسکا

مانا ہوس زر ہے بشر کے لیئے عادت
لیکن نہیں دنیا میں فقط اک یہی نعمت
کچھ اور بھی جوہر ہیں عطا کردۂ قدرت
غمخواری و دلجوئی و ہمدردی و الفت
زر آپ نہیں دشمن اخلاق و ادب ہے
جو حد سے گزر جاتی ہے وہ اسکی طلب ہے

جو لوگ مے حرص سے دنیا میں ہیں سرشار
جینے کی لطافت سے نہیں انکو سروکار
مانند گدا زر کے ہیں ہر وقت طلبگار
آزاد کہاں دام طمع میں ہیں گرفتار
محروم مے عیش سے یہ خستہ جگر ہیں
مالک نہیں زر کے ہیں فقط بندۂ زر ہیں

دولت وہ ہے مجبور کی جو عقدہ کشا ہو
اکسیر ہو درد دل بیکس کی دوا ہو
آئینۂ اخلاق و محبت کی جلا ہو
ظلمات فلاکت کے لیئے آب بقا ہو
یوں فیض کے چشمے ہوں رواں باغ وطن میں
جیسے کرم ابر گہربار چمن میں

ہر صبح گلستاں میں بعد شان فصاحت
بلبل گل رنگیں سے یہ کرتی ہے حکایت
دیکھو چمن آرائے دو عالم کی عنایت
گھٹتے کبھی دیکھی نہیں فیاض کی دولت
گو کم دُرِ خوش آب لٹاتا نہیں ہوتا
خالی کبھی شبنم کا خزانہ نہیں ہوتا

مانا سبب شوکت و اجلال ہے دولت
پر مفلس و بیکس بھی نہیں قابل نفرت
ادنی سے ملے جھک کے یہ اعلیٰ کی ہے عظمت
بس تشنۂ زر سے نہ جھکے چشم مروت
مغرور را سے شان شرافت نہیں کہتے
کچھ کھیلے اسے حسن شرافت نہیں کہتے

کس اوج پہ خورشید جہانتاب ہے معمور
دل تیرگی کبر سے کوسوں ہے مگر دور
گو خاک نہیں ذرۂ ناچیز کا مقدور
دیتا ہے اسے جام سے اپنے یہ مئے نور
یا ماہ کا اس اوج پہ کیا فیض عیاں ہے
ہر خانۂ مفلس کے لیئے شمع مکاں ہے

یا باغ میں کھلتا ہے درم صبح گل تر
کیا کیا اسے ہوتے نہیں اعزاز میسر
بنتا ہے عروسان جہاں کے لیئے زیور
دستار میں نوشہ کی رہا کرتا ہے اکثر
لیکن نہ کسی وضع پہ اس ڈھنگ سے دیکھا
بیکس کی لحد پر اسے جس رنگ سے دیکھا

خاکِ ہند

اے خاکِ ہند تیری عظمت میں کیا گماں ہے
دریائے فیضِ قدرت تیرے لیے رواں ہے
تیری جبیں سے نورِ حسنِ ازل عیاں ہے
اللہ رے زیب و زینت کیا اوجِ عز و شاں ہے
ہر صبح ہے یہ خدمت خورشیدِ پُر ضیا کی
کرنوں سے گوندھتا ہے چوٹی ہمالیا کی

اس خاکِ دل نشیں سے چشمے ہوئے وہ جاری
چین و عرب میں جن سے ہوتی تھی آبیاری
سارے جہاں پہ جب تھا وحشت کا ابر طاری
چشم و چراغِ عالم تھی سرزمیں ہماری
شمعِ ادب نہ تھی جب یوناں کی انجمن میں
تاباں تھا مہرِ دانش اس وادیِ کہن میں

گوتم نے آبرو دی اس معبدِ کہن کو
سرمد نے اس زمیں پر صدقے کیا وطن کو
اکبر نے جامِ الفت بخشا اس انجمن کو
سینچا لہو سے اپنے راناؔ نے اس چمن کو
سب سور بیر اپنے اس خاک میں نہاں ہیں
ٹوٹے ہوئے کھنڈر ہیں یا انکی ہڈیاں ہیں

دیوار و در سے ابتک اُن کا اثر عیاں ہے
اپنی رگوں میں ابتک انکا لہو رواں ہے
ابتک اثر میں ڈوبی ناقوس کی فغاں ہے
فردوسِ گوش ابتک کیفیتِ اذاں ہے
کشمیر سے عیاں ہے جنت کا رنگ ابتک
شوکت سے بہ رہا ہے دریائے گنگ ابتک

اگلی سی تازگی ہے پھولوں میں اور پھلوں میں
کرتے ہیں رقص ابتک طاؤس جنگلوں میں
ابتک وہی کڑک ہے بجلی کی بادلوں میں
پستی سی آگئی ہے پر دل کے ولولوں میں
گل شمعِ انجمن ہے گو انجمن وہی ہے
حبِ وطن نہیں ہے خاکِ وطن وہی ہے

برسوں سے ہو رہا ہے برہم سماں ہمارا
دنیا سے مٹ رہا ہے نام و نشاں ہمارا
کچھ کم نہیں اجل سے خوابِ گراں ہمارا
اک لاش بے کفن ہے ہندوستاں ہمارا
اسکے بکھرے خزانے برباد ہو رہے ہیں
ذلت نصیب وارث غفلت میں سو رہے ہیں

اے صورِ حبِ قومی اس خواب سے جگا دے
بھولا ہوا فسانہ کانوں کو پھر سنا دے
مُردہ طبیعتوں کی افسردگی مٹا دے
اُٹھتے ہوئے شرارے اس راکھ سے دکھا دے

حبِّ وطن سمائے آنکھوں میں نور ہو کر   سر میں خمار ہو کر دل میں سرور ہو کر
شیدائے بوستاں کو سرو و سمن مبارک   رنگیں طبیعتوں کو رنگِ سخن مبارک
بلبل کو گل مبارک گل کو چمن مبارک   ہم بیکسوں کو اپنا پیارا وطن مبارک
غنچے ہمارے دل کے اس باغ میں کھلیں گے   اس خاک سے اٹھے ہیں اس خاک میں ملیں گے

ہے جوئے شیر ہم کو نورِ سحر وطن کا   آنکھوں کی روشنی ہے جلوہ اس انجمن کا
ہے رشکِ مہر ذرّہ اس منزلِ کہن کا   تلتا ہے برگِ گل سے کانٹا بھی اس چمن کا
گرد و غبار یاں کا خلعت ہے اپنے تن کو   مر کر بھی چاہتے ہیں خاکِ وطن کفن کو

رامائن کا ایک سین

(راجہ رامچندر جی کا ماں سے رخصت ہونا)

رخصت ہوا وہ باپ سے لیکر خدا کا نام   راہِ وفا کی منزلِ اوّل ہوئی تمام
منظور تھا جو ماں کی زیارت کا انتظام   دامن سے اشک پونچھ کے دل سے کیا کلام
آخر ہے کچھ حدِ ستم و ظلم و جور بھی   ہم کو اداس دیکھ کے غم ہوگا اور بھی

دل کو سنبھالتا ہوا آخر وہ خوش خصال   خاموش ماں کے پاس گیا صورتِ خیال
دیکھا تو ایک در میں ہے بیٹھی وہ خستہ حال   سکتہ سا ہو گیا ہے یہ ہے شدتِ ملال
تن میں لہو کا نام نہیں زرد رنگ ہے   گویا بشر نہیں کوئی تصویرِ سنگ ہے

کیا جانے کس خیال میں گم تھی وہ بے گناہ   نورِ نظر پہ دیدۂ حسرت سے کی نگاہ
جنبش ہوئی لبوں کو بھری ایک سرد آہ   لی گوشہ ہائے چشم سے اشکوں نے رخ کی راہ
چہرہ کا رنگ حالتِ دل کھولنے لگا   ہر موئے تن زباں کی طرح بولنے لگا

آخر اسیرِ یاس کا قفلِ دہن کھلا   افسانۂ شدائدِ رنج و محن کھلا
اک دفترِ مظالمِ چرخِ کہن کھلا   وا تھا دہانِ زخم کہ بابِ سخن کھلا
دردِ دلِ غریب جو صرفِ بیاں ہوا   خونِ جگر کا رنگ سخن سے عیاں ہوا

روکر کہا خموش کھڑے کیوں ہو میری جاں — میں جانتی ہوں جب لئے آئے ہو تم یہاں
سب کی خوشی یہی ہے تو صحرا کو ہو رواں — لیکن میں اپنے منہ سے نہ ہرگز کہونگی "ہاں"
کسطرح بن میں آنکھوں کے تارے کو بھیجدوں — جوگی بنا کے راج دلارے کو بھیجدوں

دنیا کا ہو گیا ہے یہ کیسا لہو سفید — اندھا کیے ہوئے ہے زر و مال کی اُمید
انجام کیا ہو کوئی نہیں جانتا یہ بھید — سوچے بشر تو جسم ہو لرزاں مثالِ بید
لکھی ہے کیا حیاتِ ابد انکے واسطے — پھیلا رہے ہیں جال یہ کسدن کیواسطے

لیتی کسی فقیر کے گھر میں اگر جنم — ہوتے نہ میری جان کو سامان یہ بہم
ڈستا نہ سانپ بن کے مجھے شوکت و حشم — تم میرے لال تھے مجھے کس سلطنت سے کم
میں خوش ہوں پھونکدے کوئی اِس تخت و تاج کو — تم ہی نہیں تو آگ لگا دونگی راج کو

کن کن ریاضتوں میں گزارے ہیں ماہ و سال — دیکھی تمہاری شکل جب اے میرے نونہال
لائے دُلہن جو بیاہ کے شادی ہوئی کمال — آفت یہ مجھ پہ آئی ہوئے جب سفید بال
چھٹتی ہوں اُنسے جوگ لیا جنکے واسطے — کیا سب کیا تھا میں نے اِسی دن کیواسطے

ایسے بھی نامراد بہت آئیں گے نظر — گھر جن کے بے چراغ رہے آہ عمر بھر
رہتا مرا بھی نخلِ تمنا جو بے ثمر — یہ جائے صبر تھی کہ دعا میں نہیں اثر
لیکن یہاں تو بن کے مقدر بگڑ گیا — پھل پھول لا کے باغِ تمنا اُجڑ گیا

سرزد ہوئے تھے مجھ سے خدا جانے کیا گناہ — منجدھار میں جو یوں مری کشتی ہوئی تباہ
آتی نظر نہیں کوئی امن و اماں کی راہ — اب یاں سے کوچ ہو تو ملے منزلِ پناہ
تقصیر میری خالقِ عالم بحل کرے — آسان اس غریب کی مشکل اجل کرے

سنکر زباں سے ماں کی یہ فریادِ درد خیز — اِس خستہ جاں کے دل پہ چلی غم کی تیغ تیز
عالم یہ تھا قریب کہ آنکھیں ہوں اشک ریز — لیکن ہزار ضبط سے رونے سے کی گریز
سوچا یہی کہ جان سے بیکس گزر نجائے — ناشاد ہمکو دیکھ کے ماں اور مر نجائے

پھر عرض کی یہ مادرِ ناشاد کے حضور
مایوس کیوں ہیں آپ الم کا ہے کیوں وفور
صدمہ یہ شاق عالمِ پیری میں ہے ضرور
لیکن نہ دل سے کیجیے صبر و قرار دور
شاید خزاں سے شکل عیاں ہو بہار کی
کچھ مصلحت اسی میں ہو پروردگار کی

یہ جعل یہ فریب یہ سازش یہ شور و شر
ہونا جو ہے یہ اسکے بہانے ہیں سر بسر
اسباب ظاہری ہیں نہ ان پر کرو نظر
کیا جانے کیا ہے پردۂ قدرت میں جلوہ گر
خاص اسکی مصلحت کوئی پہچانتا نہیں
منظور کیا اسے ہے کوئی جانتا نہیں

راحت ہو یا کہ رنج خوشی ہو کہ انتشار
واجب ہر ایک رنگ میں ہے شکرِ کردگار
تم ہی نہیں ہو کشتۂ نیرنگ روزگار
ماتم کدہ میں دہر کے لاکھوں ہیں سوگوار
سختی سہی نہیں کہ اٹھائی کڑی نہیں
دنیا میں کیا کسی پہ مصیبت پڑی نہیں

دیکھے ہیں اس سے بڑھ کے زمانے نے انقلاب
جن سے کہ بیگناہوں کی عمریں ہوئیں خراب
سوزِ دروں سے قلب و جگر ہو گئے کباب
پیری مٹی کسی کی کسی کا مٹا شباب
کچھ بن نہیں پڑا جو نصیبے بگڑ گئے
وہ بجلیاں گریں کہ بھرے گھر اجڑ گئے

ماں باپ منہ ہی دیکھتے تھے جن کا ہر گھڑی
قائم تھیں جن کے دم سے امیدیں بڑی بڑی
دامن پہ جن کے گرد بھی اڑ کر نہیں پڑی
ماری نہ جن کو خواب میں بھی پھول کی چھڑی
محروم جب وہ گل ہوئے رنگِ حیات سے
انکو جلا کے خاک کیا اپنے ہات سے

کہتے تھے لوگ دیکھ کے ماں باپ کا ملال
ان بیکسوں کی جان کا بچنا ہے اب محال
ہے کبریا کی شان گزرتے ہی ماہ و سال
خود دل سے دردِ ہجر کا مٹتا گیا خیال
ہاں کچھ دنوں تو نوحہ و ماتم ہوا کیا
آخر کو رو کے بیٹھ رہے اور کیا کیا

پڑتا ہے جس غریب پہ رنج و محن کا بار
کرتا ہے اس کو صبر عطا آپ کردگار
مایوس ہو کے ہوتے ہیں انساں گناہگار
یہ جانتے نہیں وہ ہے دانائے روزگار
انسان اسکی راہ میں ثابت قدم رہے
گردن وہی ہے امرِ رضا پر جو خم رہے

اور آپ کو تو کچھ بھی نہیں رنج کا مقام بعد سفر وطن میں ہم آئیں گے شاد کام
ہوتے ہیں بات کرنے میں چودہ برس تمام قائم امید سے ہی ہے دنیا ہے جس کا نام
اور یوں کہیں بھی رنج و بلا سے مفر نہیں کیا ہوگا دو گھڑی میں کسی کو خبر نہیں

اکثر ریاض کرتے ہیں پھولوں پہ باغباں ہے دن کی دھوپ رات کی شبنم انھیں گراں
لیکن جو رنگ باغ بدلتا ہے ناگہاں وہ گل ہزار پردوں میں جاتے ہیں رائگاں
رکھتے ہیں جو عزیز انھیں اپنی جان کی طرح ملتے ہیں دست یاس وہ برگ خزاں کی طرح

لیکن جو پھول کھلتے ہیں صحرا میں بےشمار موقوف کچھ ریاض پہ ان کی نہیں بہار
دیکھو یہ قدرت چمن آرائے روزگار وہ ابر و برف و باد میں رہتے ہیں برقرار
ہوتا ہے اُن پہ فضل جو رب کریم کا موج سموم بنتی ہے جھونکا نسیم کا

اپنی نگاہ ہے کرم کارساز پر صحرا چمن بنے گا وہ ہے مہرباں اگر
جنگل ہو یا پہاڑ سفر ہو کہ ہو حضر رہتا نہیں وہ حال سے بندے کے بےخبر
اُس کا کرم شریک اگر ہے تو غم نہیں دامان دشت دامن مادر سے کم نہیں

برسات

یاد دلواتی ہے مے نوشی فضا برسات کی دل بڑھا جاتی ہے آ کر گھٹا برسات کی
بندھ گئی ہے رحمت حق سے ہوا برسات کی نام کھلنے کا نہیں لیتی گھٹا برسات کی
اُگ رہا ہے ہر طرف سبزہ در و دیوار پر انتہا گرمی کی ہے اور ابتدا برسات کی
دیکھنا سوکھی ہوئی شاخوں میں بھی جان آگئی حق میں پودوں کے مسیحا ہے ہوا برسات کی
ہوں شریک بزم سے زاہد بھی توبہ توڑ کر جھومتی قبلہ سے اُٹھی ہے گھٹا برسات کی
اصل تو یوں ہے کسی معشوق کا جب لطف ہے چاندنی ہو رات کو دن کو گھٹا برسات کی
وہ پپیہوں کی صدائیں اور وہ موروں کا رقص وہ ہوائے سرد اور کالی گھٹا برسات کی
پار اُتر جائیں گے بحر غم سے رند بادہ نوش لے اُڑے گی کشتی مے کو ہوا برسات کی

خود بخود تازہ امنگیں جوش پر آنے لگیں
دل کو گرمانے لگی ٹھنڈی ہوا برسات کی

وہ دعائیں میکشوں کی اور وہ لطفِ انتظار
ہائے کن نازوں سے چلتی ہے ہوا برسات کی

میں یہ سمجھا ابر کے رنگین ٹکڑے دیکھ کر
تخت پریوں کے اڑا لائی ہوا برسات کی

نازہو جسکو بہارِ مصر و شام و روم پر
سرزمینِ ہند میں دیکھے فضا برسات کی

چمن

چمن منشی رنجیت سنگھ خلف منشی سردار سنگھ قوم کے ماتھر کایستھ دلّی محلّہ چھیرہ خانہ کے باشندے کوئی ۳۰ یا ۳۱ سالہ نوجوان ہیں۔ مولانا آراسخ دہلوی سے آپ کو تلمّذ ہے اور بسلسلۂ معاش دلّی کی میونسپل کمیٹی میں جمعداری پر مامور ہیں۔ تھوڑا بہت شعر گوئی کا شوق بھی ہے۔ نمونۂ کلام درج ذیل ہے ؎

حسن پردے میں چھپے کیا کہ نکلجاتی ہے
روشنی مہر کی بادل سے برابر باہر

عاشق رخ صبیح نہ چاہِ ذقن کے ہیں
ہم تو فریفتہ ترے اِک بانکپن کے ہیں

بعدِ فنا بھی جوشِ جنوں کا اثر یہ ہے
ٹکڑے تمام اڑتے ہوئے اپنے کفن کے ہیں

تمھارا کون ہے شیدا کہ حسن والوں کا
کوئی تو چاہنے والا ضرور ہوتا ہے

بلبل کو روئے یار پہ گل کا خیال ہے
پروانے کی نگاہ میں شمع جمال ہے

عشقِ مژہ میں سانس بھی لینا محال ہے
تنکا بھی ہو ادھر سے ادھر کیا مجال ہے

ذکرِ وصالِ غیر سے چڑتے ہو کس لیئے
سچ ہو کہ جھوٹ ہو یہ ہمارا خیال ہے

حوران خلد کھیلینگی جنت میں ہولیاں
تیرے شہیدِ ناز کی مٹّی گلال ہے

یہ چھیڑ ہی نئی ہے کہ سینے پہ دھر کے ہاتھ
کہتے ہیں اس میں اور کسی کا خیال ہے

حوران خلد پہ جو مٹیں کیا غرض ہمیں
دلّی میں اے چمن کیا حسینوں کا کال ہے

یہ کہکر توڑ ڈالا اُس بُت خود سر نے آئینہ
ہمارے رُخ سے ملتا ہے تمھارے دل سے ملتا ہے

سمجھا سوچکر دل کو مٹا نا یا درکھنیے گا
وہ دل جو دل سے لجائے بڑی مشکل سے ملتا ہے

آپنے ایک قطعۂ تاریخ بھی حضور قیصرۂ ہند کی وفات حسرت آیات کے متعلق کہا ہے

جو نذرِ ناظرین کیا جاتا ہے ۔

قطعہ

سچ تو یوں ہے ملکۂ وکٹوریہ بھی سا اے چمن ‌ ‌ غیرتِ جمشید و صد رشکِ سکندر ہو گئی
آ گئے حور و ملک بھی مرحبا کہتے ہوئے ‌ ‌ بھیڑ سی دروازۂ خلدِ بریں پر ہو گئی
چوم کر وکٹوریہ کے پاؤں ہاتف نے کہا ‌ ‌ قیصرِ ہندوستاں جنت کی قیصر ہو گئی
۱۹۰۱ء

چمن **چمن** - منشی شادی لال صاحب - ۱۸۸۰ء میں ایک رسالہ مسمیٰ بہ گلدستۂ شعرا شائع ہوتا تھا - اُس میں انکا کلام نظر سے گزرا - دیگر حالات ولدیت اور وطن مالوف کا پتہ باوجود تلاش ظاہر نہیں ہوا - کلام کا انتخاب درج ذیل ہے

مدت کے بعد مجھ پہ جو فضلِ خدا ہوا ‌ ‌ پھر آشنا وہی بتِ نا آشنا ہوا
جو دل کہ دامِ زلفِ صنم سے رہا ہوا ‌ ‌ شاد اپنی مخلصی سے نہ وہ غمزدا ہوا
گویا لحد پہ یار یہ بعدِ فنا ہوا ‌ ‌ گھبرا کے جان عشق میں دیدی تو کیا ہوا
اُبھرا نہ بحرِ عشق کا ڈوبا کبھی چمن ‌ ‌ یہ امتحاں تو بیشتر و بارہا ہوا

چناں **چنّان** - شیخ مزاج الدولہ خاں صاحب لکھنوی - آپکے حالات باوجود کوشش کے کچھ معلوم نہیں ہوئے مگر کلام سے ظاہر ہے کہ ظرافت آپ کی طبیعت میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی صاحبِ دیوان ہیں آپکے دیوان کا انتخاب جو ۱۳۱۷ ہجری میں مطبع اعجاز محمدی لکھنؤ میں چھپا ہے ہماری نظر سے گزرا - اُسی انتخاب سے چند شعر اخذ کر کے بطور نمونہ ہدیۂ ناظرین کیے جاتے ہیں -

آفت تھا بارِ غمِ ہجرِ یارِ پُرفن کا ‌ ‌ مرے پلنگ کا کھٹمل تُلا کسی مَن کا
گلے میں ڈالا ہے میرے بھی عشق کا پٹہ ‌ ‌ کہ میں نے دیکھ لیا طوق تیری گردن کا
دھواں نکلتا ہے ہر بار ساتھ نالے کے ‌ ‌ نہ کیوں گماں ہو دلِ سوختہ پہ انجن کا
وہ آج قبر کو کھُدوا کے لے گیا سنگھنے ‌ ‌ نشاں مٹا گیا بے رحم میرے مدفن کا
ہوا لیلیٰ! یہ ناداری سے عالم تیرے عریاں کا ‌ ‌ کہ آخر اُس نے باندھا پھاڑ کر دامن بیاباں کا
ٹپکتی ہے ثقالت بھی سخن سے سرگرانی بھی ‌ ‌ کھٹمل ہوں باغِ جنت کا دھتورا باغِ رضواں کا

دیکھنا پھر تو بکے گی دھیلے دھیلے عندلیب
اور انڈے جھونجھ میں دو روز سیلے عندلیب

پہلے تھے آپ نہایت لاغر
مجکو رکھ لیجئے دربانوں میں
دیجئے ہاتھ سے اپنے نہ شراب
خاک سنتے نہیں فریاد میری
چھیلا کیا ہیں ناخن غم سے دل وجگر

اب تو مجھ سے کہیں طیار ہیں آپ
حضرتِ عشق کی سرکار ہیں آپ
نہ کہے کوئی کہ کلوار ہیں آپ
آجکل صورتِ دیوار ہیں آپ
بجتی رہی وہاں پہ ستاری تمام رات

سنتے ہیں بال کو کم کاٹتی ہے تیغ اصیل
تھا زمانہ کہ کبھی تیغ بکف رہتا تھا

اس سے ہم پھرتے ہیں اوڑھے ہوئے کمبل قاتل
ہاتھ میں اب تو لیئے پھرتا ہے موسل قاتل

تھک گئے ہیں بیٹھتے ہیں یار اہم
قتل کا جو خوف تھا جاتا رہا
یہ مجنوں پوچھتا تھا ساربان سے
بڑھا یہ خوف رعب جانجاں سے

کب سے بیٹھے ہیں پسِ دیوار ہم
کل چرا لائے تری تلوار ہم
میاں یہ اونٹ لائے تم کہاں سے
مریض عشق تک آ ہستہ کہا نے

اے چناں وہ ابھی سن لیں تو نکالیں آنکھیں
قتل کرکے بال نوچے اس نے یہ کہکر مرے
یہ قول قیس تھا گر ہوگا حسن وعشق میں جھگڑا

گر کہوں آپکے بکرے سے غزال اچھا ہے
وہ سزائے عاشقی تھی اور یہ جرمانہ ہے
اسی جانب کو میں ہونگا مری لیلی جدھر ہوگی



ح

حاتم — شیخ ظہور الدین خلف فتح الدین سنہ ۱۱۱۱ ہجری میں پیدا ہوئے۔ لفظ ظہوری تاریخ ولادت ہے۔ خاص دہلی کے رہنے والے سپاہی پیشہ آدمی تھے۔ نواب عمدۃ الملک امیر خان صوبۂ الہ آباد کی رفاقت میں چند سال گزارے۔ آخر عمر میں تعلقات ظاہری سے کنارہ کشی کر لی تھی۔ نہایت متین اور مہذب بزرگ اور شعرائے طبقۂ دوم میں سر برآوردہ تھے۔ مرزا رفیع سودا ان کے شاگرد تھے اور ایسے شاگرد تھے جن پر استاد کو فخر تھا اور اکثر انکے ذکر پر یہ مصرع پڑھا کرتے تھے ع رتبۂ شاگردی من نیست استاد مرا سعادت یار خان رنگین۔ محمد امان نثار۔ تابان۔ مکندرائے فارغ بھی انکے شاگردوں میں تھے۔ شاہ صاحب کے مزاج میں ظرافت بہت تھی۔ قلعۂ دہلی کے نیچے شاہ تسلیم ایک آزاد منش فقیر کا تکیہ تھا۔ وہاں اکثر نشست رہتی تھی۔ شاہ حاتم اپنے آخر زمانے میں اُردو زبان کی درستی کی طرف بھی متوجہ ہوئے تھے۔ اور بہت سے غیر مانوس اور غیر فصیح الفاظ ترک کر دیئے تھے۔ مگر افسوس ہے کہ انکے معاصرین نے اس طرف کافی توجہ نہیں کی ورنہ اُسی زمانے میں اُردو کی موجودہ فصاحت کی بنیاد قائم ہو جاتی۔ اگرچہ شاہ حاتم نے بہت سے الفاظ ترک کیے۔ مگر دوسرے شعرا نے انکو نہ چھوڑا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک شخص کا محدود تخیل زیادہ پھیلنے نہ پایا اور دوسرے لوگوں کی بے پروائی نے پرانے اور نئے محاوروں کی تفریق نہ کی۔ اور الفاظ کو یہ آزادی اور وسعت دی کہ اُن کا اثر دوسری پشت تک قائم رہا۔ شاہ حاتم اپنے ترک کردہ الفاظ کی نسبت خود لکھتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے "خوشہ چین خرمن سخنوران عالم۔ بصورت محتاج و بمعنی حاتم۔ کہ از سنہ ۱۱۲۹ھ تا سنہ ۱۱۶۹ھ کہ چہل سال باشد۔ عمر دریں فن صرف کردہ۔ در شعر فارسی پیرو مرزا صائب و در ریختہ ولی را استاد میداند۔ اول کسیکہ دریں فن دیوان ترتیب نمودہ اوبود

فقیر دیوان پیش از نادرشاہی در بلاد ہند مشہور دارد۔ بعد از ترتیب آن تا امروز کہ سنہ ۳ عزیز الدین عالمگیر ثانی باشد ہر رطب و یابس کہ از زبان این بے زبان بر آمدہ داخل دیوان قدیم نمودہ کلیات مرتب ساختہ۔ از ہر ردیف دو سہ غزلے و از ہر غزل دو سہ بیتے و رسالے مناقب و مرثیہ۔ و چند مخمس و مثنوی از دیوان قدیم نیز داخل نمودہ بہ "دیوان زادہ" مخاطب ساختہ۔ و سرخی غزلیات بسہ قسم منقسم ساختہ۔ یکے طرحی۔ دوم فرمایشی۔ سوم جوابی۔ تا تفریق آن معلوم گردد۔ و معاصرین فقیر۔ شاہ مبارک آبرو۔ و شرف الدین مضمون۔ و میرزا جانجانان مظہر۔ و شیخ احسن اللہ احسن۔ و میرزا شاکر ناجی۔ و غلام مصطفیٰ یکرنگ ست و لفظ دَر و بَر و از و الفاظ و افعال دیگر کہ در دیوان قدیم خود تقید دارد۔ ورین ولا از دہ دوازدہ سال اکثر الفاظ را از نظر انداختہ و الفاظ عربی و فارسی کہ قریب الفہم و کثیر الاستعمال باشند و روزمرہ دہلی کہ میرزایان ہند و فصیحان رند در محاورہ آرند منظور دارد۔ زبان ہندی بھاکا را موقوف کردہ محض روزمرہ کہ عام فہم و خاص پسند باشد اختیار نمود۔ و شمہ از ان الفاظ کہ تقید دارد بیان می آرد چنانچہ عربی و فارسی مثلاً تسبیح را تسبی و صحیح را صحی و بیگانہ را بگانہ و دیوانہ را دوانہ و مانند آن۔ یا متحرک را ساکن و ساکن را متحرک۔ مَرَض را مَرْض۔ و نیز الفاظ ہندی مثل نین و جگت و نت وغیرہ یا اُدھر را اودھر و کدھر را کیدھر کہ زیادتی حرف باشد۔ یا بجائے پر پہ یا یہاں را یاں و وہاں را واں کہ در مخرج تنگ بود یا قافیہ را باڑا ہندی مثل گھوڑا و بورا و دھڑ و سرو مانند آن۔ مگر ہائے ہوز را بدل کردن با الف کہ از عام تا خاص در محاورہ دارند بندہ درین امر بمتابعت جمہور مجبور است۔ چنانچہ بندہ را بندا و پردہ را پردا و آنچہ ازین قبیل باشد۔ و این قاعدہ را تا کے شرح دہد مختصر کہ لفظے غیر فصیح انشاء اللہ نخواہد بود۔" اس عبارت کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو خیال ناسخ و آتش یا ذوق و مومن کے وقت میں پیدا ہوا تھا اس کی ابتدا ایک صدی پیشتر ہو چکی تھی۔ فرق صرف اتنا ہی ہے کہ آخر خیال قائم ہونے کے بعد عام و خاص

سب میں اسکی پابندی اور لحاظ کیا گیا۔ اور بے چارے شاہ حاتم کی بات اُن کے مُنہ اور زبانِ قلم سے نکل کر دیوان زادہ تک محدود رہی۔ بہرحال اصلاح زبان کے خیال کرنے والوں میں پہلا نمبر شاہ حاتم کا ہے۔ دو تین اُردو کے اور ایک فارسی دیوان ان سے یادگار ہے۔ مضمون ان کے صاف عاشقانہ عارفانہ ہیں۔ شعر آپس کی باتیں۔ زبان شستہ و رفتہ۔ البتہ زبان کی ابتدائی حالت ہونے کے سبب زائد الفاظ مثل اب اور یہاں کے اکثر آجاتے ہیں۔ شاہ حاتم نے اپنے دیوان کے دیباچے میں اپنے شاگردوں کی فہرست لکھی ہے ۴۵ ناموں میں سب کے سرتاج مرزا رفیع السودا ہیں۔ ۹۶ برس دنیا کی ہوا کھا کر ماہ رمضان ۱۲۰۷ھ ہجری کو دہلی میں انتقال کیا اور وہیں دلّی دروازے کے باہر دفن ہوئے۔ مگر مصحفی کا قول ہے کہ ۸۳ برس کی عمر پا کر ۱۱۹۶ھ ہجری میں فوت ہوئے۔ بہرحال اب اُن کے کلام کا انتخاب درج کیا جاتا ہے ؎

مثالِ بحر موجیں مارتا ہے
تو نہیں تو کنجِ تنہائی میں ہے

کیا ہے جسنے اِس جگ سے کنارا
بوریہ کا نقش ہم پہلو مرا

شورِ دریا تک ملاحت کا تری پہنچا ہے شور
فیضِ صحبت کا تری حاتم عیاں ہے ہند میں
کعبہ و دیر میں حاتم سمجھ اغیر خدا
فقیروں سے سنا ہے ہم نے حاتم
ہجر کی زندگی سے موت بھلی
مسافر اٹھ تجھے چلنا ہے منزل
آبِ حیات جاکے کسی نے پیا تو کیا
نے حسرتِ گلگشت نہ پرواز کی طاقت
[illegible] یہاں [illegible] یہاں سے اپنا

بے نمک آگے ترے لب کے نمکداں ہو گیا
طفلِ مکتب تھا سو عالم بیچ تاباں ہو گیا
کوئی کافر نہ کوئی ہم نے مسلماں دیکھا
مزا جینے کا مرجانے میں دیکھا
کہ جیسے سب کہیں وصال ہوا
سمجھے ہے کوچ کا ہر دم نقارا
مانندِ خضر جگ میں اکیلا جیا تو کیا
صیاد قفس میں ترے کیا مجھے آزاد کریگا
دل کو جانا تھا ہم اپنا سو کہاں ہے اپنا

حاتم بیکس کا تجھ بن کون ہے ؟
کون ہوئے جو ہوسئے تو مرا

قاصد کی زباں سے اُسکے آگے
پیغام و سلام کچھ نہ نکلا

اُسکے قدموں سے لگی رہتی ہو دن رات حنا
خوب دنیا میں بسر کرتی ہے اوقات حنا

حاتم عجیب رسم ہے اقلیم عشق کی
پاؤں کے ہاتھ لگتے گنہگار ہو گیا

ہاتھ مت کھینچ جنوں تجکو مرے سر کی قسم
ایک جب تک بھی رہے تار گریباں کھینچ

زلف و چشم و خال و خط چاروں ہیں دشمن جان کے
حق رکھے ایمان سلامت ایسے کفرستان کے بیچ

ایک دن ہاتھ لگا یا تھا ترے دامن کو
ابتلک سر ہے خجالت سے گریباں کے بیچ

حاتم جہاں کو جان کے فانی خدا کو چاہ
اللہ بس ہے اور یہ باقی ہے سب ہوس

کسیکو آپ سے گر آشنا کرے معشوق
تو پہلے اُسکو سبھوں سے جدا کرے معشوق

ہم سے ہو زر و سیم کی تدبیر سو کیا خاک
دنیا میں بڑی چیز ہے اکسیر سو کیا ہے خاک

اتنی بھی آسماں نے فرصت کبھی نہ دی ہائے
جو بیٹھ کر نکالیں دل کا غبار ہم تم

رباعی

ان سیمبروں کے ساتھ سونا معلوم ؟
قسمت میں لکھی ہے خاک سونا معلوم ؟

حاتم افسوس اپنے و امروز گزشت
فردا کی رہی اُمید سونا معلوم ؟

تو اذیت پیشہ دشمن ہے بغل میں دل نہیں
دور ہو پہلو سے صحبت کے مری قابل نہیں

تمہارے غنچۂ لب کے شوق میں گلشن کی سب کلیاں
چمن میں سن خبر آنے کی استقبال کو چلیاں

زلفوں کے بل بنانا آنکھیں چرا کے چلنا
کیا کج ادائیاں ہیں کیا کم نگاہیاں ہیں

تم تو بیٹھے ہوئے یہ آفت ہو
اُٹھ کھڑے ہو تو کیا قیامت ہو

مفلسی اور مزاج اسے حاتم
کیا قیامت کرے جو دولت ہو

آتا ہے اب نشے کیطرف جی کبھو کبھو
ساقی نگاہ مست اِدھر بھی کبھو کبھو

کعبہ و دیر میں اے شیخ تفاوت کیا ہے
دونوں ان گھر کا وہی ایک ہے صاحبخانہ

حسن اور عشق ترے فیض قدم کے صدقے
دونوں آباد ہیں ہم گلشن و ہم ویرانہ

دو چار آئے بجھتے کیونکر ہوتی ہم چشمی کے دعوے سے
کہ نرگس کی چمن میں دیکھا گردن ڈھلکتی ہے

کہتے ہیں سبھی مہرِ بتاں خوب نہیں ہے
سنتا ہی نہیں یہ دلِ گمراہ کسی کی

بیخود اس دور میں ہیں سب حاتم
ان دنوں کیا شراب سستی ہے

کیوں سب سے تجھے چھپا نہ رکھوں
جان ہے - دل ہے - دل کا اختر ہے

کاملوں کا یہ سخن مدت سُوں مجکو یاد ہے
جگ موں بے محبوب جلینا زندگی برباد ہے

بے مدد زلفوں کی اُسکے حُسن نے قید کیا
صیدِ دل بے دام کرنا صنعتِ اُستاد ہے

ملکِ دل آباد کیوں کرتا ہے حاتم کا خراب
اے مری بستی خوش آتی ہے تجھے ویرانگی

ہر صبح اُٹھ بتوں سے مجھے رام رام ہے
زاہد تری نماز کو میرا سلام ہے

اُس آئینہ طلعت کی اب ہم سے یہ صورت ہے
ظاہر میں صفائی ہے باطن میں کدورت ہے

لام نستعلیق کا ہے اُس بتِ کافر کی زلف
ہم تو کافر ہوں اگر تابع نہوں اسلام کے

ہیں ناتوان ہوا اسقدر کہ مدت سے
نہ لب سے نالہ - نہ سینے سے آہ نکلے ہے

زبانِ خلق بھی حاتم عجب تماشا ہے
جدھر وہ نکلے اُدھر واہ واہ نکلے ہے

کروں قربان جی کو اُس گھڑی اُسوقت اُس پل کے
کہ جس دن جس گھڑی تو آوے میرے گھر چلکے

حاتم

حاتم - نواب محمد حاتم علیخان انعام دار موضع آمیر دکن - فن سخن میں آپ کو مولانا نادر علی برتر سے تلمذ ہے - نمونۂ کلام یہ ہے ۔

بزمِ عدو میں مجھ سے ملاتے نہیں نظر
انجان یوں ہیں جیسے نہ تھا آشنا کبھی

کچھ بھی علاجِ وحشتِ خاطر نہ ہو سکا
آئی شمیمِ زلف نہ بادِ صبا کبھی

حاتم سے آج ہو گئے ناآشنا تو کیا
وہ بھی تمھارے چاہنے والوں میں تھا کبھی

حاذق

حاذق - اُستاد الخاقان مقرب السلطان عالیجناب نواب آغا مرزا بیگ خان دہلوی المخاطب بہ نواب سرور جنگ سرور الملک بہادر - آپ کو نواب اسداللہ خان غالب مرحوم سے قرابتِ قریبہ حاصل ہے - صغر سنی میں آپ حضرت غالب کے بھانجے ڈپٹی

مرزا عباس بیگ کے پاس لکھنؤ چلے گئے اور انھیں کی زیر نگرانی تعلیم و تربیت پائی۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد آپ نواب سر سالار جنگ بہادر اول کے عہد میں دکن پہنچے اور حضور نظام حال کے اُردو اتالیق مقرر ہوئے اور اس تعلق سے آیندہ مدارج اعلیٰ اور کامیابی کی بنیاد پڑی۔ سنہ ۱۸۸۴ء میں جب بندگان عالی با اختیار ہوئے آپ کو خطاب و مناصب سے سرفراز فرمایا اور عہدۂ پیشی (سکریٹری) یعنی معتمد ذاتی اعلیٰحضرت پر ممتاز ہوئے۔ چنانچہ تیرہ سال کامل خلوت و جلوت میں حضرت کے ہمراز و دمساز رہے سنہ ۱۸۹۵ء میں مسٹر پلوڈن رزیڈنٹ سے ناچاقی کے سبب مستعفی ہونا پڑا۔ کچھ دن دہلی۔ علیگڈھ اور شملہ میں رہے اب چند سال سے اجمیر میں بود و باش رکھتے ہیں۔ اِنکے صاحبزادے نواب ذوالقدر جنگ بیرسٹر حیدرآباد میں ایک معزز عہدہ پر ممتاز ہیں۔ اس وقت آپکی عمر ۶۰ برس کے قریب ہے اُردو شعر گوئی کا بھی شوق ہے کبھی کبھی تفنناً اس طرف بھی توجہ ہو جاتی ہے۔ بایں ہمہ طبیعت میں روانی اس بلا کی ہے کہ دقیق مضامین پر بے تکلف عبور کرتے چلے جاتے ہیں۔ بندش نشست الفاظ۔ مصرعوں کی چسپیدگی۔ ردیف کا اچھے پہلو کے ساتھ چسپاں ہو جانا۔ یہ ساری باتیں انکے کلام میں موجود ہیں۔ راقم تذکرہ کو آپ کی خدمت میں سنہ ۱۸۹۶ء کو بمقام شملہ نیاز حاصل ہوا تھا۔ آپکی بھتیجی راجہ صاحب ناناپارہ مرحوم کی اہلیہ ہیں اور صاحبزادی نواب سربلند جنگ جج ہائیکورٹ نظام سے منسوب ہیں۔ نواب سرور جنگ کو آج بھی مع لواحقین ۳ ہزار روپیہ ماہوار کے قریب ریاست و صیغۂ صرف خاص سے ملتا ہے۔ علاوہ ازیں مختلف مقامات میں بیش قیمت جائداد آپکی پیدا کردہ ہے۔

رہا ہے رشکِ کعبہ یہ دلِ اندوہگیں برسوں	رہی ہے صورتِ زیبا کسی کی دلنشیں برسوں
یہ اپنے نام کی تاثیر ہے نقشے شکایت کیا	چڑھی ہے جیب سے نقشے ہیں اتری آستیں برسوں
لگی جب آگ سینے میں تو ہم سمجھے خطا اپنی	کہ نکلا مہروش سمجھے تھے جسکو مہ جبیں برسوں
ہوئیں مشہور اب شہباز اور آشوب عالم ہیں	وہ آنکھیں جو رہیں محو ہم چشم سرمگیں برسوں

بہت ہیں قدردان شاہ دکن حاذق چلو جلدی
عبث بیٹھے رہے تم گھر میں مغموم و حزیں ہوں

نہیں حیدرآباد دہلی سے کچھ کم
ہمیں ملا کر یہیں بسر بنائینگے
سُرمے سے وہ بھوؤں کو ملاتے ہیں تو غضب
ولیکن پھپولے پھوڑینگے یوں ٹپک کر آگ

یہاں بھی ہیں جادو بیان کیسے کیسے
غیروں سے مت ملو وہ ستمگر بنائینگے
دو نیمچوں کا ایک وہ خنجر بنائینگے
تصویر ہم رقیب کی بے سر بنائینگے

چڑھ چکا ہے زاہدا یاں نشۂ جام الست
چھیڑ مت ظالم ہمیں ستانہ خواب آنیکو ہے
اکتساب بیخودی از چشم مست نازنیں
محفل رنداں میں ساقی بیحجاب آنیکو ہے
پھر کیا ہے میرے ساقی نے درِ میخانہ باز
لو میاں گردش میں پھر جام شراب آنیکو ہے
پھر سُلگ اٹھا جگر آہوں کی پھر چھائی گھٹا
پر سرِ طوفان پھر چشم پُر آب آنیکو ہے
ہے ستم برپا کیا تیری نگاہِ شوق نے
حاذق ہشیار پھر انکو حجاب آنیکو ہے

قطعہ

مگر تو نے بھی اے بت سامری فن
خدا کی قسم کیا ہی دھوکا دیا ہے
وہ دل جس پہ تھے مجکو سو ناز ظالم
اُسے تو نے کیسا نکما کیا ہے
یہ دل ہے وہ دل لاڈلا اک جہاں کا
یہ دل ناز و نعمت کا پالا ہوا ہے
یہ دل نور چشم حسینانِ عالم
یہ دل جلوہ گاہ بت خودنما ہے
یہ دل کاشف رازِ مطلوب طالب
مرا مدعی ہے ترا مدعا ہے
یہ دل مایۂ فخر صاحبدلاں تھا
جسے تو نے وقفِ کلیسا کیا ہے
کھلونا نہیں ہے جو کھیلو گے اس سے
مری جان یہ دل ہے جو تم نے لیا ہے
تجھے ہم تو سمجھے تھے ہشیار حاذق
ترے دل کا جانا اچنبھا ہوا ہے

حاذق - غلام حضرت خانصاحب خلف الصدق جناب غلام حسین خانصاحب از اولاد اخوند بیاض خان افغان حنفی المذہب عمر تقریباً چالیس سال کی ہے - الموڑے کے رامزے کالج میں عربی و فارسی زبان کے پروفیسر ہیں - حاذق صاحب کی عمر تقریباً ۲۵ سال کی حاذق

تھی جب آپکے والد ماجد کا انتقال ہوا۔ کوئی ذریعۂ معاش نہ تھا اور بارِ علائق بہت تھا تحصیل و تکمیل علوم و فنون ضرور بہ ریاست رامپور میں اپنے والد کی حیات میں کر چکے تھے۔ چونکہ فطرۃً علم دوست واقعہ ہوئے تھے شوق برابر افزونی پر تھا۔ فکرِ تحصیل معاش سے جو وقت بچ رہتا تھا اُس میں ہمیشہ باکمالوں کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ سِن طفلی سے موزوں طبع تھے اوائل میں مختلف اُستادوں کو اپنا کلام دکھایا۔ لیکن طبیعت کسی باکمال اُستاد کی جویا تھی۔ بالآخر عالیجناب منشی امیر اللہ صاحب تسلیم لکھنوی تلمیذ مقیم رامپور سے استفادۂ سخن کرنے لگے۔ کلام نہایت پاکیزہ اور عیوبِ شاعری سے مبرّا ہے۔ فارسی اُردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے ہیں۔ جملہ اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کرتے ہیں۔ فارسی نثر میں ایک رسالہ موسوم بہ سحرِ حلال بصنعتِ غیر منقوطہ آپکی تصنیف سے شائع ہو چکا ہے۔ ایک مسدّس مسمّٰی بہ "لمعات الصواعق" مسلمانوں کے تنزل پر لکھ کر شائع کر چکے ہیں۔ کلام کا نمونہ ہدیۂ ناظرین ہے

درد کرتا تھا مرے پہلو میں رہ رہ کے خلش　ہاتھ رکھنے سے کسی کے آج کچھ کم ہو گیا
خامشی اس کلم سخن کی ذکرِ اعدا سے گئی　غیر کا شکوہ مجھے اکسیرِ اعظم ہو گیا
تذکرہ وصلِ عدو کا میرے آگے ہائے ہائے　اور بھی وردِ رقابت کے لیئے سم ہو گیا
تیری کیفیت ہے کیا۔ کیسا ہے دل کیا حال ہے　پوچھنا یہ اُن کا زخمِ دل کو مرہم ہو گیا
کس طرح ٹوٹیں۔ نہیں بلبل کے بس کی تیلیاں　آہنی صیّاد نے کی ہیں قفس کی تیلیاں
قیدِ ہستی میں کڑی سہتا ہوں اس اُمید پر　مرگ کھولیگی کبھی میرے قفس کی تیلیاں
اہلِ دانش جھیلتے ہیں دہر میں قیدِ شدید　آہنی ہوتی ہیں طوطی کے قفس کی تیلیاں
دیکھیئے کب ہو رہا تن کے قفس سے مرغِ روح　ٹوٹیں کس دن دیکھیئے تارِ نفس کی تیلیاں
نہا دھو کے بتانِ خوش ادا جب سج دھج نکھرتے ہیں　بستر کیا حور و غلمان بانکپن پر انکے مرتے ہیں
غضب کے شوخ فقرے ہیں کہ نقشہ کھینچ دیتے ہیں　دمِ تقریر مقراضِ زباں سے گل کترتے ہیں
اُٹھا کر ہاتھ وہ میری طرف غیروں سے کہتے ہیں　خدا کی شان یہ بھی دم مری اُلفت کا بھرتے ہیں

وہ کمسن ہیں انھیں مشقِ جفا کو چاہیے مدت
ابھی تو نام سُنکر خنجر و پیکاں کا ڈرتے ہیں

کیا زندگی ہے عشق کا جب سلسلا نہو
عاشق نہ ہو کسی پہ کوئی فدا نہ ہو

دریا کی موج شرم سے کیوں آب آب ہے
ساحل پہ اُس نے آ بی ڈوپٹہ چُنا نہو

رُک رُک کے دیکھتے ہیں وہ اپنا خرام ناز
پھر پھر کے دیکھتے ہیں کوئی دیکھتا نہو

وہ تخلیہ ہو جسمیں نہ آئے خیالِ غیر
اِک تم ہو ایک میں ہوں کوئی دوسرا نہو

حاذق سخن کا لطف ہی پیشِ سخن شناس
اُسکو سُنائیں کیا جو اُسے جانتا نہو

قدر و لجہ کہ چشمِ دل ستاں سے
پیا ہو دیکھئے محشر کہاں سے

تمھاری پیاری باتوں کا ہوں مشتاق
کہو کچھ تو لبِ معجز بیاں سے

دلِ مضطر کی بیتابی کا عالم
کہوں کس طرح میں اور کس زباں سے

خیالِ عارضِ گلرنگِ ساقی
نہیں کچھ کم شرابِ ارغواں سے

عدو کے سامنے کہتے ہیں مجھ سے
بس اب تشریف لیجاؤ یہاں سے

حاذق - جناب منشی محمد فخر الدین برہانپوری تلمیذ حضرت بقا غازی پوری۔ زمانۂ حال کے شعرا میں ہیں اور اس طرح طبع آزمائی کرتے ہیں۔

زاہدو تم کو ہے جب باغِ جناں کی خواہش
ہمکو دنیا میں ملا کوچۂ جاناں ہوکر

دیکھ پائیں جو ترے مصحفِ رُخ کو کافر
سب لگیں پڑھنے ترا کلمہ مسلماں ہوکر

ابر اُٹھا ہے بہار آئی ہے میخانوں میں
مئے گلرنگ بھری جاتی ہے پیمانوں میں

شیخ اس تسبیح نہیں ہاتھ سے چھوٹی دم بھر
کیا خدا تیرا ہے نادان ابھی دانوں میں

اے خدا تیرا ہی جلوہ ہے بتوں سے ظاہر
تیری ہی شان نظر آتی ہے بتخانوں میں

جان دینے کے لئے لوٹتے ہیں ایک پہ ایک
شمع وہ آگ لگا دیتی ہے پروانوں میں

شیخ و واعظ کا جُدا حشر ہو لے داورِ حشر
کہیں چھپ چھپ کے نہ ملجائیں یہ میخواروں میں

پلاؤ حضرت حاذق کو لے رندو تو ہم جانیں
خدا والے ہیں میخانے سے بچ بچ کر نکلتے ہیں

حافظ- کریم الدین صدیقی از نبیرۂ شاہ محمد اعظم قدس سرہ متوطن قصبۂ پچھراؤں۔ حافظ

ہے صحبت ناقص سے زیاں اہل صفا کو	موتی کا سدا رشتے سے سوراخ جگر ہے
کیا پوچھو ہو احوال کو حافظ سے کہ یارو!	اُس کا تو کچھ احوال ہر اک لحظہ بتر ہے

حافظ- منشی سید ممتاز علی صاحب خلف میر اعجاز علی ۱۲۷۲ھ سال پیدائش ہے ذہن رسا کی اعانت سے اپنا سلسلۂ نسب مادری و پدری حضرت آدم تک نکالا ہے۔ پچیس روپیہ مشاہرہ پر عہدۂ روبکاری نائب دوم بھوپال پر مامور ہیں۔ منشی فدا علی فارغ و گرم تخلص کے شاگرد ہیں۔ تذکرۂ آثار الشعراء و تاریخ بھوپال انکی تصنیف سے ہیں۔ اِس تذکرہ میں اپنے اشعار کا انتخاب پچپن صفحوں پر درج کیا ہے۔ طبیعت کا رنگ اِن چند شعروں سے ظاہر ہے۔ حافظ

چشم سرشار میں کیا سحر بھرا ہے تیری		لیتا اے ساقی گلرو مجھے چکر آیا
تصور اس میں رہتا ہے شب روز		ہمارا قلب ہے مسکن کسی کا
کیوں ڈراتے ہو مجھے یارو کہ کرتی ہے ضرر	قطعہ	آنکھوں سے سمجھتا ہوں میں ادنیٰ اثر شراب
کیونکہ ہے اِس کا نتیجہ رنج و فکر دائمی		اور ہے عیش و سرور تازہ کا جوہر شراب
اشکوں نے نکل کر کیا ابراز محبت		لڑکے تھے چھپایا نہ گیا راز محبت
الماس کی نہ دُر کی۔ نہ گوہر کی احتیاج		ہے خاک آستانۂ دلبر کی احتیاج
پہنچے ہم کوئے یار تک لیکن		کیا بتائیں کہاں کہاں ہو کر

حافظ- حافظ خلیل الدین حسن ساکن پہلی بھیت خواہرزادہ حضرت قاضی محمد ممتاز حسن صاحب ممتاز- آپ کو تلمذ بھی غالباً انھیں سے رہا ہے۔ حالی باوجود تلاش صرف اسقدر معلوم ہوا کہ سنہ ۱۸۷۲ء میں حیات تھے ❊ حافظ

وہ میں۔ وہ ننگے پاؤں وہ چھالے وہ بن کہاں؟		چبھتا ہوا وہ دل میں ہر اک خار کیا ہوا!
حافظ ہے یاد کچھ تجھے روزِ الست کی		مرد خدا وہ عہد وہ اقرار کیا ہوا!
مے سے خالی جو کبھی سامنے ساغر آیا		دل مرا شیشۂ صہبا کی طرح بھر آیا

دفن ہونے دیے نہیں میرا جنازہ واللہ!	تیرے کوچے تلک اے یار میں مر کر آیا
جان دیتے ہیں وہ آرام سے اللہ اللہ	خواب اک بات میں مجکو تو خنجر آیا
پردہ پوشی کی صفت سے یار کی تلوار میں	جسمِ عُریاں چھپ گیا سب زخم و امتار میں
نام پر دولت کے مرتے ہیں بخیلان جہاں	شیرۂ جاں ڈالتے ہیں شربتِ دینار میں
ملتے ہی تارِ نظر کے عمر کا رشتہ کٹا	سچ تو یوں ہے تیغ کا ڈورا ہے چشمِ یار میں

رشتۂ الفت کا بڑا سے عمر کی ڈوری کا گرہ
تیری گلی میں کھینچ کے لایا وہ دل زار آیا

حافظ

حافظ۔ تاجر نامور حافظ شیخ بخش الٰہی صاحب رئیس دہلی و تاجر کلکتہ۔ آپ شیخ احسان اللہ دہلوی تاجر کلکتہ و مالک "اخبار دار السلطنت" کے فرزند رشید ہیں۔ اپنی اُولو العزمی اور تاجرانہ قابلیت کیوجہ سے اپنے ہمعصر تاجروں میں ممتاز ہیں۔ یوں تو ہر قسم کی سوداگری آپکے کارخانے میں ہوتی ہے مگر سگرٹ کی فروخت کا بہت اعلیٰ پیمانہ پر انتظام ہے۔ دہلی اور کلکتہ میں آپکا بڑا رسوخ اور اچھی شہرت حاصل ہے۔ کلکتہ میں آپنے اہل اسلام کی رہایش کے لیئے ایک عالیشان مسافر خانہ تعمیر کیا ہے۔ اب ۵۵ برس کے قریب عمر ہے۔ کچھ کلام نظر سے گزرا اُس کا انتخاب درج ذیل ہے۔

میں نمانوں گا کبھی تیری نصیحت ایسی	زاہد اکرتا ہے تو مجھ سے یہ تقریر عبث
دیکھ تصویر۔ مصوّر سے یہ بولا وہ شوخ	نہ ملے جو مری صورت سے وہ تصویر عبث
از رہِ فخر یہ کہتے ہیں تجارت پیشہ	کیمیا بھی ہے عبث اور ہے اکسیر عبث
قتلِ عاشق کو فقط ترچھی نظر ہے کافی	تیر و پیکاں ہیں عبث خنجر و شمشیر عبث

حافظ

حافظ۔ حافظ عبد الصمد صاحب شاگرد خواجہ میر تقی خانصاحب بہادر لقا لکھنوی۔

خانۂ دل میں تصورِ غیر کا آنے نہ دے	پاسباں کس واسطے ہے دیدۂ بیدار کا
کام کس دن آیگی معجز نمائی پھر تری	اے مسیحا دم ہے آنکھوں میں ترے بیمار کا

حافظ

حافظ۔ شیخ حافظ عبد الرزاق دہلوی۔ نواب سعید الدین احمد خان صاحب طالب دہلوی کے شاگرد رشید ہیں۔ تاریخ گوئی میں آپ کو اچھا ملکہ حاصل ہے اور اس فن سے اچھے

ماہر ہیں۔ زبان اور نشستِ الفاظ خوب ہے۔ ابتدائے مشق کا کلام نظر سے گزرا اُسکا انتخاب حاضر ہے ؎

ضبطِ اسرارِ نہانِ عشق اور ظرفِ بشر
بحرِ طوفان خیز اور کوزہ کے اندر رکھدیا

ہمنے کی لذتِ جگر سے میہمانی عشق کی
آگے حضرت کے جو تھا ہمکو میسّر رکھدیا

سجدہ گاہِ سرکشانِ دہر ہے یہ آستان
تیرے در پر آکے ہر مغرور نے سر رکھدیا

اُنکے آنے کی خبر تھی کہ اجل آ پہنچی
شوقِ نظارہ کا ارمان نکلنے نہ دیا

بخت برگشتہ گر نہ ہو جائے
یاریوں بے خبر نہ ہو جائے

حافظ | **حافظ**۔ حافظ میاں خورسند محمد خانصاحب از خوانین بھوپال۔ آپ میاں ارجمند محمد خان سلیم کے چھوٹے بھائی ہیں۔ اِس فن میں منشی عبد العزیز اعجاز رقم کے شاگرد ہیں ۲۳ یا ۲۴ برس کی عمر ہے اور یہ کلام کا رنگ ہے۔

ولا بے راہ ہم سے ہو نہ جانا
کہیں غیروں کی باتوں میں نہ آنا

نگاہِ ناز اُنکی کہہ رہی ہے
مرا خالی نہیں جاتا نشانا

گم گشتہ ز خود دل ہے مرا روزِ ازل سے
اے بیخبری مجکو ہوئی ہائے خبر آج

حافظ | **حافظ**۔ حافظ فدا احمد مجدّدی۔ شاگرد حضرت داغ دہلوی۔ آپ رامپور کے رہنے والے اور موزوں طبع لوگوں میں ہیں زیادہ حال معلوم نہیں۔ یہ اُنکے اشعار ہیں ؎

وہ جھلک دور سے اپنی جو دکھا دیتے ہیں
ایک پُتلا مجھے حیرت کا بنا دیتے ہیں

کم ہو عشق ہمارا کبھی تیرے دل سے
کبھی دیتے ہیں تو یہ مجکو دعا دیتے ہیں

کیا اور کوئی روزِ جزا ہوگا اسکے بعد
کہتے ہو تم جو حشر میں شکوا یہاں نہیں

طوف کرتے ہیں سینکڑوں عاشق
کعبہ اُس بت کا گھر نہ ہو جائے

حافظ | **حافظ**۔ منشی ظہور احمد نام۔ سرادل ضلع میرٹھ کے رہنے والے ہیں اور نواب فصیح الملک مرزا داغ مرحوم کے شاگرد۔ شعر خاصہ کہہ لیتے ہیں۔ چند شعر حاضر کیے جاتے ہیں ؎

تمھاری باتیں تو بیشک ہیں پیار کے قابل	تمھارے قول نہیں اعتبار کے قابل
بچایا کثرتِ عصیاں نے مجکو دوزخ سے	مرے گناہ نہ ٹھیرے شمار کے قابل
نہ پھول اے دلِ ناداں تو اُنکی باتوں پر	بتوں کی چاہ نہیں اعتبار کے قابل
اب جستجو ہے چرخ کو مٹ جائے نام تک	ہم مٹ گئے تو کیا ہوا جھگڑا مٹا نہیں
ہیں بیحساب جُرم الٰہی تو کیا ہوا	اندازۂ کرم سے تو تیرے سوا نہیں
چاہیئے فرق نہ آجائے مسیحائی ہیں	آپکے سامنے دم میرا نکلجانے سے

حافظ

حافظ - محمد محب اللہ معروف بہ منشی حافظ عبدالرحمن باشندۂ مرادآباد - اوائل سنِ شعور سے مزاج میں آزادی زیادہ رہی اور اکثر سیر و سیاحت کا اتفاق رہا - شدہ شدہ قصبۂ راسین متعلق ریاستِ بھوپال میں حافظ محمد اسحاق خاں فرخ آبادی ناظم ضلع مشرقی کے پاس پہنچ گئے اور کچھ یوم اُنکے پاس رہے - اور اطمینانِ خاطر بہم پہنچا کر اپنا کلام مرتب کرکے ۷ جزو میں ۱۳۱۵ھ میں شائع کر دیا - اب دیوان کا لب لباب ملاحظہ ہو - کچھ قصائد بھی اپنے ممدوح کی تعریف میں لکھے ہیں - بظاہر کوئی بات قابلِ ذکر آپکے کلام میں نہیں پائی جاتی -

دل اہلِ دل کا کعبہ سے رتبہ میں کم نہیں	یہ خاص گھر خدا کا ہے وہ گھر خلیل کا
دنیا ہے روز رنج نئے گردشیں نئی	اے چرخ کج شعار ترا ہمنے کیا کیا
ہے جلوہ دیر و کعبہ میں اُسی محبوب کا حافظ	نزاع باہمی ناحق ہے یہ شیخ و برہمن میں
چرچے تمھارے حسن کے نزدیک دور ہیں	شیدا ترے جمال کے انسان و حور ہیں
نہیں خوفِ محشر کی سختی کا ہمکو	محبت کے صدمے اُٹھائے ہوئے ہیں
آمد ہے گل کی ہونگے دیوانے پھر اسیر	حدّاد دُور دُور سے بلوائے جاتے ہیں
خونِ دل ہے شراب سینہ کباب	حضرتِ غم کی میہمانی ہے
ویجاں یہی ہے شرطِ مروّت کہ تجھپہ ہم	جانِ حزیں فدا کریں اور تو جفا کرے

حالی

حالی - اعجاز بیان سعدیِ ہندوستان - سخن سنج و سخن فہم - بے عدیل و بے نظیر شمس العلماء

خواجہ الطاف حسین صاحب حالی سلمہ اللہ القدیر۔ آپکے والد خواجہ ایزد بخش پانی پت ضلع کرنال کے باشندے تھے۔ چنانچہ وہیں ۱۸۳۷ء کے قریب آپ کی ولادت ہوئی۔ مگر نوعمری کے زمانے سے اکثر دہلی میں رہے۔ اور عنفوان شباب ہی میں نواب مصطفےٰ خان شیفتہ رئیس جہانگیر آباد کے صاحبزادوں کی تعلیم آپکے سپرد ہوئی۔ اُس زمانے میں جو کچھ کہا اُس میں نواب صاحب مذکور الصدر سے اصلاح لی۔ اِسی تعلق سے آپ کو مفتی صدرالدین خاں آزردہ۔ نواب ضیاءالدین خاں نیر رخشاں اور حضرت غالب مرحوم کی خدمت میں باریابی کے اکثر موقعے ملتے رہے۔ آپ دہلی کے اُن معرکۃ الآرا مشاعروں میں شریک ہوئے ہیں۔ جنکے دیکھنے والے بھی اب مفقود ہوتے جاتے ہیں۔ آپنے مرزا غالب کو دیوان عام دہلی کے شاہی مشاعروں میں فارسی اور اُردو دونوں زبانوں میں غزل پڑھتے سُنا ہے کچھ عرصہ حضرت شیفتہ سے اصلاح لینے کے بعد آپ حضرت غالب کے حلقۂ تلمذ میں داخل ہوئے۔ مہینوں نہیں بلکہ برسوں مرزائے مرحوم کے فیض صحبت سے مستفیض ہوئے ہیں۔ آپکی عالی دماغی اور سخن فہمی اُس زمانے میں بھی اپنے جوہر دکھاتی تھی۔ طبیعت میں شعر کا جیسا صحیح مذاق اب ہے اُس وقت بھی موجود تھا۔ شاہجہاں آباد میں اُس زمانے میں کیسے کیسے جید عالم اور باکمال سخنور اور سخن گو موجود تھے مگر وہ سب مولٰنا کی قدر و منزلت کرتے تھے آپکی عربی استعداد عالمانہ ہے۔ فارسی تو عربی کے تابع ہی ہے اُس کا تو ذکر ہی کیا۔ عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں آپنے فکر سخن کیا ہے۔ آپ مرزا غالب کی آخری علالت اور وفات کے موقعے پر دہلی میں موجود بلکہ اُنکی تجہیز و تکفین میں شریک تھے۔ اُنکی وفات پر آپنے اور مرزا قربان علی بیگ سالک مرحوم۔ اور میر مہدی حسین مجروح مرحوم تینوں رشید شاگردوں نے ایک ساتھ مرثیے لکھے ہیں اور وفات کی تاریخیں کہی ہیں۔ مگر انصاف یہ ہے کہ جو رتبہ و مقبولیت مولانا حالی کے اِس مرثیے کو حاصل ہوئی ہے وہ کسیکو نصیب نہیں ہوئی۔ اور اس میں شک بھی نہیں کہ وہ مرثیہ ہر حیثیت سے آپکے تمام کلام میں ایک

عجب امتیازی فرق رکھتا ہے۔ ہر مصرع مؤثر۔ ہر شعر پُر درد۔ ہر بند لاجواب ہے۔ اسی طرح جو مرثیہ آپنے سلطان الحکما حکیم محمود خانصاحب مرحوم کی وفات پر لکھا آپکے تمام کلام میں ایک بلند و عالی رتبہ رکھتا ہے۔ یہ مرثیہ درد۔ اثر۔ اور واقعات زندگی کے خوش اسلوب بیان اور قدیم دہلی کی طرز معاشرت کا ایک دلکش پہلو اس صفائی اور خوشنمائی سے دکھاتا ہے کہ اسکی توصیف حدِ بیان سے باہر ہے۔ مرزا غالب مرحوم علاوہ شاگردانہ خصوصیت اور عزیز رکھنے کے اُنکی سخن فہمی و سخن سنجی اور مدارج علمی کیوجہ سے کسی قدر ان کا لحاظ و ادب بھی کیا کرتے تھے۔ اور انکو بھی مرزا سے کمال عقیدت و محبت تھی۔ اور یہ دونوں باتیں مرزا اور اُنکے اُن فارسی قطعوں سے بخوبی ظاہر و ہویدا ہوتی ہیں جو ایک خاص موقعے پر مرزا کی آزردگی کی وجہ سے لکھے گئے تھے جو یادگار غالب میں چھپ گئے ہیں۔ اور انھیں کے بعد صفائی ہوگئی تھی۔ مرزا کے بعد مولٰنا حالی کا پھر دلی میں جی نہ لگا۔ رہنے کو اُنکے بعد عرصہ تک رہے مگر ہمیشہ دل برداشتہ اور برخاستہ خاطر۔

عرصے کے بعد لاہور میں بسبب تعلقاتِ ملازمت آگئے اور یہاں مدت تک باحسن الوجوہ اپنی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ عاشقانہ شعرگوئی کے ترک کرنے اور مسدّسِ مدّوجزر کے لکھنے کی بنیاد لاہور ہی آکر پڑی ہے۔ اِنکے آنیسے پیشتر نیچرل شاعری کی داغ بیل پنجاب کی سرزمین میں پڑچکی تھی۔ اُس پر مولانا حالی کاربند ہوئے۔ چنانچہ اسکے بعد کا جو کلام ہے وہ نیچرل اور دوسرے رنگ میں ہے۔ گویا شعر کی دنیا ہی بدل دی گئی ہے۔ لاہور سے چل کر پھر مولانا دلّی پہنچے اور عربی اسکول میں مدّتوں مدرس علوم مشرقی رہے ہے۔ علاوہ مسدّس اور مناجاتِ بیوہ کے اور بھی متعدد مفید نظمیں لکھی ہیں علیگڈھ کالج کے سوا آپ اور بھی اسلامی انجمنوں میں شامل ہوکر اپنے نصائح و ہدایات پُر کلام سے ناظرین کو محظوظ فرمایا کرتے ہیں۔ نثر میں بھی تعلیم نسواں کے متعلق آپ نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام مجالس النسا رکھا ہے۔ اِس میں بالکل عورتوں کی زبان

عورتوں کے محاورات برتتے ہیں۔ مجالس النسا عورتوں کی ضروری تعلیم و اصلاح کے لیئے نہایت مفید اور کارآمد ثابت ہوئی ہے۔ اور اُس کے اثر سے اکثر خاندانوں میں عورتوں کی تعلیم کا سلسلہ عموماً ہندوستان میں اور بالخصوص دلی میں شروع ہوا۔ آپ کو مسئلہ تعلیم ذکور واناث کی طرف ہر وقت اور ہر زمانے میں خاص توجہ رہی اور اسی کوشش میں دلچسپی کے ساتھ مصروف رہے اور ہیں۔ حیات سعدی بھی آپ کی تالیف ہے جو عرصہ ہوا چھپ چکی ہے۔ اِس میں شیخ سعدی شیرازی علیہ الرحمہ کی سوانح عمری اور سیر و سیاحت کے واقعات مفصل اور مشرح طور پر درج ہیں۔ اور اُنکے اقوال کا تعلیم یافتہ جماعت پر جو اثر اُنکی زندگی اور وفات کے بعد سے آج تک ہوا اُس پر بحث کی ہے۔ اور اُنکی نظم و نثر کے وہ شعر اور وہ فقرے بھی لکھے ہیں جو اُنھوں نے عربی زبان سے ترجمہ کیئے ہیں۔ اور اُنکے شاعرانہ تبحر کی خوبی اور نظم و نثر کی عمدگی نہایت خوش اسلوبی اور لیاقت کے ساتھ ملک کے سامنے پیش کی ہے ۞

اپنے مقدمہ دیوان میں جو شعر و شاعری پر بحث لکھی ہے اور اساتذۂ عرب و یورپ کا موقع موقع سے مقابلہ حال و خیالات اور شعر کے اثر کی کیفیت لکھی ہے وہ دیکھنے سے متعلق ہے۔ کمی ہے تو صرف یہ کہ آپ نے الا سنسکرت کے مشاہیر شعرا اور اُنکے یادگار کارناموں کا ذکر نہیں کیا جس کا غالباً یہ سبب ہے کہ حضرت کو سنسکرت کی معلومات سے استفادہ کرنے کا موقع نہیں ملا۔

آپ نے ۱۸۹۵ء میں سر سیّد احمد خاں۔ مولنا شبلی نعمانی وغیرہ کے ساتھ حیدرآباد دکن بغرض فراہمی چندہ علی گڑھ کالج کی طرف سے گئے تھے اُس وقت وہاں کے مدار المہام نواب سر آسماں جاہ بہادر تھے۔ وہاں آپنے کئی نظمیں پڑھیں جو چھپ کر شائع ہو چکی ہیں اُس کے تھوڑے سے عرصے بعد یا اسی زمانے میں آپ کا ماہوار وظیفہ بھی ریاست دکن سے مقرر ہو گیا۔ جسکے بعد آپ بارہ ملازمت سے بالکل سبکدوش اور دست کش ہو گئے ۞

سوانحعمری یادگار غالب یعنی اپنے استاد نواب اسداللہ خان غالب مرحوم کی سوانح عمری بھی آپ نے لکھی ہے جس میں اُنکی لطیفہ گوئی بذلہ سنجی اور خصلت وطرز معاشرت وغیرہ کے علاوہ اُنکی اُردو و فارسی نظم ونثر کی خوبیاں اور نازکخیالیاں علیحدہ علیحدہ دکھائی ہیں اور ساتھ ہی اس کے اُن کے کلام کا موازنہ اُساتذۂ ایران سے کیا ہے۔ اور اُنکے حل طلب اور دقیق اشعار کے معنے اور اُسکے ساتھ اُنکی ندرت وجدت بیان کرکے اُنکی فارسی قابلیت کا وہ بلند وبالا رتبہ جو عام نگاہوں سے پوشیدہ تھا اور جسکو اُس زمانے میں اُنکے ماننے والے بھی دیکھ اور سمجھ نہ سکتے تھے نہایت واضح معقول اور دلنشین طور پر اُس کا منظر نظروں کے سامنے پیش کرنا۔ انصاف یہ ہے کہ یہ مولانا حالی جیسے قابل اور وسیع شخص کا کام تھا اور انھیں کو مبدءِ فیاض سے یہ دل و دماغ عطا ہوا ہے۔

سر سید احمد خاں مرحوم کی زندگی ہی سے اُنکی سوانح عمری لکھنی شروع کردی تھی۔ جو اُنکے انتقال کے بعد بڑی ضخامت میں شائع ہوئی۔ جس کا نام "حیاتِ جاوید" ہے۔ اور جس میں سر سید کے تمام حالات مشرح ومفصل تحریر کیئے ہیں ۱۹۰۴ء میں گورنمنٹ عالیہ نے مولانا کو خطاب شمس العلماء سے سرفراز کیا۔ جو انکی تعلیمی خدمات کے اعتبار سے ہر طرح زیبا اور مناسب ہے۔ مولانا حالی کچھ عرصے سے نواب فصیح الملک مرزا داغ مرحوم کے کلام کا انتخاب فرما رہے ہیں جسکے شائع ہونیکا ہر ایک مشتاقِ سخن کو نہایت اشتیاق سے انتظار ہے۔ دلّی کا نام اب آپکے اور حضرت ظہیر کے دم سے روشن ہے۔ یہی دو کامل یادگار شعرائے سلف کہلانے کے اہل ہیں۔ کئی سال سے زیادہ تر وطن میں قیام پذیر رہتے ہیں گو دہلی بھی اکثر آتے رہتے ہیں۔ راقم تذکرہ کو بچپن سے آپکی خدمت سراپا برکت میں نیاز حاصل ہے ازبس خلوص و نوازش کا اظہار فرماتے رہتے ہیں۔ اب طرز کہن وجدید کے کلام کا انتخاب ملاحظہ ہو +

رخِ جہاں‌سوز تیرا دیکھا نظارہ افروز جس چمن میں	نہ بلبل و گل میں وہ ان تعلق نہ سرو قمری میں پیار دیکھا

جو لاکھ میں ایک پر کہیں کچھ کھلا بھی قسمت سے بھید تیرا
ملا نہ کھوج اُس کا پھر کسیکو ہزار ڈھونڈا ہزار دیکھا

لگن میں تیری نکل گئے جو نہ جھجکے دریائے پرخطر سے
گئے وہ کود آنکھ بند کرکے نہ وار دیکھا نہ پار دیکھا

خبر نہیں یہ کہ کیا ہے کیسا ہے کون ہے اور تو کہاں ہے
یہ اپنے میں اور تجھ میں ہمنے علاقہ اک اُستوار دیکھا

سلوک ہیں تیرے سب سے یکساں وہ گبر و ترسا ہوں یا مسلماں
نہ اُن سے کچھ تیرا بیر پایا نہ اُنسے کچھ تیرا پیار دیکھا

اے عشق تو نے اکثر قوموں کو کھا کے چھوڑا
جس گھر سے سر اُٹھایا اُسکو بٹھا کے چھوڑا

رایوں کے راج چھینے شاہوں کے تاج چھینے
گردن کشوں کو اکثر نیچا دکھا کے چھوڑا

لاگ اور لگاؤ دونوں ہیں دلگداز تیرے
پتھر کے دل تھے جنکے اُنکو رلا کے چھوڑا

افسانہ تیرا رنگیں رُوداد تیری دلکش
شعر و سخن کو تو نے جادو بنا کے چھوڑا

دیکھا اسے اُمید ہمسے کچھ نہ تو کنارہ
تیرا ہی رہگیا ہے لے دیکے اک سہارا

توفیق نے ہمیشہ لی تنت پر خبر یاں
جب ناؤ ڈگمگائی پاس آ گیا کنارا

افسوس! اہلِ دیں بھی مانند اہلِ دنیا
خود کام و خود نما ہیں خود بیں ہیں اور خود آرا

اُلفت میں دمبدم کچھ لذت ہے بڑھتی جاتی
چھوڑے گا کھا کے شاید عاشق کو غم تمہارا

دِلی سے نکلتے ہی ہوا جینے سے دل سیر
گویا نہ رہا اب کہیں دنیا میں ٹھکانا

لی ہوش میں آنے کی جو ساقی سے اجازت
فرمایا خبردار کہ نازک ہے زمانا

جہاں میں حالی کسی پہ اپنے سوا بھروسا نہ کیجئے گا
یہ بھید ہے اپنی زندگی کا بس اسکا چرچا نہ کیجئے گا

اِسی میں ہے خیر حضرتِ دل کہ یار بھولا ہوا ہے ہمکو
کرے وہ یاد اسکی بھول کر بھی کبھی تمنا نہ کیجئے گا

لگاؤ تم میں نہ لاگ زاہد نہ دردِ الفت کی آگ زاہد
پھر اور کیا کیجئے گا آخر جو ترکِ دنیا نہ کیجئے گا

اے عشق دل کو رکھا دنیا کا اور نہ دیں کا
گھر ہی بگاڑ ڈالا تو نے بنا بنایا

چوریوں سے دیدہ و دل کی نہ شرمایا کبھی
چپکے چپکے نفسِ خائن کا کہا کرتا رہا

نفس میں جو ناروا خواہش ہوئی پیدا کبھی
اُسکو چپکے دل سے گھر گھر کر روا کرتا رہا

ہوئے تم نہ سیدھے جوانی میں حالی
مگر اب مری جان ہونا پڑے گا

دل میں باقی ہے وہی حرصِ گناہ
دلکو سب باتوں کی ہے ناصح خبر

پھر کیے سے اپنے ہم پچھتائیں کیا؟
سمجھے سمجھائے کو اب سمجھائیں کیا؟

راحت کا جہاں میں یونہی اک نام ہے گویا
راحت کی تلاش اک طمعِ خام ہے گویا

تھا کچھ نہ کچھ کہ پھانس سی اک دلمیں چبھ گئی
مانا کہ اُسکے ہاتھ میں تیر و سناں نہ تھا

رونا یہ ہے کہ آپ بھی ہنستے تھے ورنہ یاں
طعنِ رقیب دل پہ کچھ ایسا گراں نہ تھا

کچھ تو ہے قدر تماشائی کی
ہے جو یہ شوق خود آرائی کا

مدد اے جذبۂ توفیق کہ یاں
ہو چکا کام توانائی کا

بزمِ دشمن میں نہ جی سے اُترا
پوچھنا کیا تری زیبائی کا

اغماض چلتے وقت مروّت سے دور تھا
رو روکے اور ہم کو رلانا ضرور تھا

تھی ہر نظر نہ محرمِ دیدار ورنہ یاں
ہر خار نخلِ ایمن و ہر سنگ طور تھا

روزِ وداع بھی شبِ ہجراں سے کم نہ تھا
کچھ صبح سے ہی شامِ بلا کا ظہور تھا

دُردی کشانِ بزمِ مغاں کا نہ پوچھ حال
اک ایک رندِ نشۂ وحدت میں چور تھا

سنگِ گراں ہے راہ میں تمکینِ یار کا
اب دیکھنا ہے زورِ دلِ بیقرار کا

آؤ مٹا بھی دو خلشِ آرزوئے قتل
کیا اعتبار زندگیِ مستعار کا

قلق اور دل میں سوا ہو گیا
دلاسا تمہارا بلا ہو گیا

وہ اُمید کیا جسکی ہو انتہا
وہ وعدہ نہیں جو وفا ہو گیا

ہوا اُسکے رُکتے دمِ آخر فنا
مرض بڑھتے بڑھتے دوا ہو گیا

دل سے خیالِ دوست بھلایا نہ جائیگا
سینے میں داغ ہے کہ مٹایا نہ جائیگا

تجھکو ہزار شرم سہی مجھکو لاکھ ضبط
اُلفت وہ راز ہے کہ چھپایا نہ جائیگا

اے دل رضا سے غیر ہے شرطِ رضا سے دوست
زنہار بارِ عشق اُٹھایا نہ جائیگا

مے تند و ظرفِ حوصلۂ اہلِ بزم تنگ
ساقی سے جام تجھ سے پلایا نہ جائیگا

کیوں چھیڑتے ہو ذکر نہ ملنے کا رات کے
پوچھینگے ہم سبب تو بتایا نجائے گا

بگڑیں نہ بات بات پہ کیوں۔ جانتے ہیں وہ
ہم وہ نہیں کہ ہمکو منایا نجائے گا

مقصود اپنا کچھ نہ کھلا لیکن اسقدر
یعنی وہ ڈھونڈتے ہیں کہ پایا نجائے گا

جھگڑوں میں اہلِ دین کے حالی پڑیں نہ آپ
قصہ حضور سے یہ چکایا نجائے گا

کچھ اپنی حقیقت کی گر تجکو خبر ہوتی
میری ہی طرح تو بھی غیروں سے خفا ہوتا

یہ لطف بناوٹ میں دیکھا نہ سنا قاصد
ان پڑھ تو ہے تو یہ کچھ پڑھتا تو بلا ہوتا

گر صاحبِ دل ہوتے سن کر میری بیتابی
تمکو بھی قلق ہوتا اور مجھ سے سوا ہوتا

جو دل پہ گزرتی ہے کیا تجکو خبر ناصح!
کچھ ہمسے سنا ہوتا پھر تو نے کہا ہوتا

جو جان سے درگزرے وہ چاہے سو کر گزرے
گر آج نہ تم آتے کیا جانئے کیا ہوتا

کاش اک جام بھی سالک کو پلایا جاتا
اک چراغ اور سر راہ جلایا جاتا

چھپ چھپانے اسے دے آئے دل اک بات پہ ہم
حال منہ تک نظر آتا تو چکایا جاتا

شب کو زاہد سے نہ مٹ بھیڑ ہوئی خوب ہوا
نشہ زوروں پہ تھا شاید نہ چھپایا جاتا

دل نہ طاعت میں لگا۔ تب تو لگایا غمِ عشق
کسی دھندے میں تو آخر یہ لگایا جاتا

اُسنے اچھا ہی کیا حال نہ پوچھا دل کا
بھڑک اُٹھتا تو یہ شعلہ نہ دبایا جاتا

عشق سنتے تھے جسے ہم وہ یہی ہے شاید
خود بخود دل میں ہے اک شخص سمایا جاتا

اب تو تکفیر سے واعظ نہیں ہٹتا حالی
کہتے پہلے سے تو لے دیکھیے ہٹایا جاتا

جنکے معبود حور و غلماں ہیں
ان کو زاہد خدا سے کیا مطلب

جس دل کو قیدِ ہستیٔ دنیا سے ننگ تھا
وہ دل اسیرِ حلقۂ زلفِ بتاں ہے آپ

اک جرعۂ شراب نے سب کچھ بھلا دیا
ہم ہیں اور آستانۂ پیرِ مغاں ہے آپ

یوہیں واعظ سب پہ منہ آتے ہیں آپ
ناصحِ قوم اسپہ کہلاتے ہیں آپ

بس بہت طعن و ملامت کر چکے
کیوں زباں رندوں کی کھلواتے ہیں آپ

گو جوانی میں تھی کج رائی بہت
پر جوانی ہمکو یاد آئی بہت

زیر برقع تو نے کیا دکھلا دیا
جمع ہیں ہر سو تماشائی بہت

جان نثاری پر وہ بول اُٹھے مری
ہیں فدائی کم تماشائی بہت

ہم نہ کہتے تھے کہ حالی چپ رہو
راست گوئی میں ہے رسوائی بہت

کس سے پیمان وفا باندھ رہی ہے بلبل
کل نہ پہچان سکے گی گل تر کی صورت

اپنی جیبوں سے رہیں سارے نمازی ہشیار
اک بزرگ آتے ہیں مسجد میں خضر کی صورت

شوق میں اُسکے مزا درد میں اُسکے لذت
ناصحو! اُس سے نہیں کوئی مفر کی صورت

اُنکو حالی بھی بلاتے ہیں گھر اپنے مہمان
دیکھنا آپ کی اور آپکے گھر کی صورت

یقیں ہے کہ ہم جسکو سمجھے ہیں مرنا
یہی ہو تو ہو زندگانی کی صورت

گو کہ حالی اگلے اُستادوں کے آگے ہیچ ہے
کاش ہوتے ملک میں ایسے ہی اب دو چار ہیچ

گر درد دل سے پائی بھی اے چارہ گر شفا
آتی ہے دل کی موت نظر اس شفا کے بعد

کرتے رہے خطائیں ندامت کے بعد ہم
ہوتی رہی ہمیشہ ندامت خطا کے بعد

آخر کو ماننا پڑا اے نفس خیرہ سر
تیرا بھی حکم کم نہیں حکم قضا کے بعد

درگزر گر نہیں کرتا وہ گنہگاروں سے
تو بڑا اور کوئی ہوگا خدا اسے زاہد

ہم دکھا دینگے کہ زہد اور ہے نیکی کچھ اَور
کچھ بہت دور نہیں روز جزا اے زاہد

میں تو سو بار ملوں دل نہیں ملتا تجھ سے
تو ہی کہہ اس میں ہے کیا میری خطا اے زاہد

پیاس تیری بوئے ساغر سے لذیذ
بلکہ جام آب کوثر سے لذیذ

جسکا تو قاتل ہو پھر اُسکے لیئے
کونسی نعمت ہے خنجر سے لذیذ

دوست ایک عالم کے پر مطلب کے دوست
ایسے یاروں سے حذر یارو حذر

گو ہو شفا سے یاس پہ جبتک ہے دم میں دم
بن آئیگی نہ درد کا درماں کیئے بغیر

گو مے ہے تند و تلخ پہ ساقی ہے دلربا
اے شیخ! بن پڑیگی نہ کچھ ہاں کیئے بغیر

دل نہیں روشن تو ہیں کس کام کے	سو شبستاں میں اگر روشن ہیں جھاڑ
تم نے حالی کھول کر ناحق زباں	کر لیا ساری خدائی سے بگاڑ

یاں دے چکی جواب امیدِ جوابِ خط ۔ واں نامہ بر نے یار بھی پایا نہیں ہنوز

جیتے جی موت کے تم منہ میں نہ جانا ہرگز ۔ دوستو! دل نہ لگانا نہ لگانا ہرگز

کوچ سب کر گئے دلی سے ترے قدرشناس ۔ قدر یاں رہ کے اب اپنی نہ گنوانا ہرگز

تذکرہ دہلی مرحوم کا اے دوست نہ چھیڑ ۔ نہ سنا جائیگا ہم سے یہ فسانا ہرگز

ڈھونڈتا ہے دلِ شوریدہ بہانے مطرب ۔ دردانگیز غزل کوئی نہ گانا ہرگز

صحبتیں اگلی مصور ہمیں یاد آئینگی ۔ کوئی دلچسپ مرقع نہ دکھانا ہرگز

لیکے داغ آئیگا سینہ پہ بہت اے سیاح ۔ دیکھ اس شہر کے کھنڈروں میں نہ جانا ہرگز

چپے چپے پہ ہیں یاں گوہرِ غلطاں تہِ خاک ۔ دفن ہوگا کہیں اتنا نہ خزانا ہرگز

مٹ گئے تیرے مٹانیکے نشاں بھی اب تو ۔ اے فلک اس سے زیادہ نہ مٹانا ہرگز

جسکو زخموں سے حوادث کے اچھوتا سمجھیں ۔ نظر آتا نہیں اک ایسا گھرانا ہرگز

ہمکو گر تو نے رلایا تو رلایا اے چرخ ۔ ہمپہ غیروں کو تو ظالم نہ ہنسانا ہرگز

یاں سے رخصت ہو سویرے تو کہیں عیش و نشاط ۔ نہیں اس دور میں اب تیرا ٹھکانا ہرگز

کبھی اے علم و ہنر گھر تھا تمہارا دلی ۔ ہمکو بھولے ہو تو گھر بھول نہ جانا ہرگز

شاعری مرچکی اب زندہ نہ ہوگی یارو! ۔ یاد کر کر کے اسے جی نہ کڑھانا ہرگز

غالب و شیفتہ و نیر و آزردہ و ذوق ۔ اب دکھائیگا یہ شکلیں نہ زمانا ہرگز

مومن و علوی و صہبائی و ممنون کے بعد ۔ شعر کا نام نہ لیگا کوئی دانا ہرگز

کر دیا مر کے یگانوں نے یگانا ہمکو ۔ ورنہ یاں کوئی نہ تھا ہم میں یگانا ہرگز

داغ و مجروح کو سن لو کہ پھر اس گلشن میں ۔ نہ سنیگا کوئی بلبل کا ترانا ہرگز

رات آخر ہوئی اور بزم ہوئی زیر و زبر ۔ اب نہ دیکھو گے کبھی لطفِ شبانا ہرگز

بزم ماتم تو نہیں بزم سخن ہے حالی
یاں مناسب نہیں رو رو کے رلانا ہرگز

درد اور درد کی ہو سب کے دوا ایک ہی شخص
یاں ہے جلاد و مسیحا بخدا ایک ہی شخص

جھگڑتے دیکھے ہیں جن لوگوں کے ان آنکھوں نے
آج وہ بیٹھا کوئی دے ہمکو دکھا ایک ہی شخص

لینے دو چین کوئی دم اسے منکر و نکیر
آئے ہیں آج چھوٹ کے قید گراں سے ہم

کہتے ہیں جسکو جنت وہ اک جھلک ہے تیری
سب واعظوں کی باقی رنگیں بیانیاں ہیں

بنتے ہیں غیر اپنے ہوتے ہیں رام وحشی
الفت کی بھی جہاں میں کیا حکمرانیاں ہیں

فضل و ہنر بڑوں کے گر تم میں ہوں تو جانیں
گر یہ نہیں تو بابا وہ سب کہانیاں ہیں

ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں
اب ٹھہرتی ہے دیکھیے جا کر نظر کہاں

ہیں دور جام اول شب میں خودی سے دور
ہوتی ہے آج دیکھیے ہمکو سحر کہاں

اک عمر چاہیے کہ گوارا ہو نیش عشق
رکھی ہے آج لذت زخم جگر کہاں

یارب اس اختلاط کا انجام ہو بخیر
تھا اسکو ہم سے ربط مگر اس قدر کہاں

کون و مکاں سے ہے دل وحشی کنارہ گیر
اس خانماں خراب نے ڈھونڈا ہے گھر کہاں

ہم جس پہ مر رہے ہیں وہ ہے بات ہی کچھ اور
عالم میں تجھ سے لاکھ سہی تو مگر کہاں

بس ہو چکا بیاں کسل و رنج راہ کا
خط کا مرے جواب ہے اے نامہ بر کہاں

ہوتی نہیں قبول دعا ترک عشق کی
دل چاہتا نہ ہو تو زباں میں اثر کہاں

حالی نشاط نغمہ و مے ڈھونڈتے ہو اب
آئے ہو وقت صبح رہے رات بھر کہاں

اگر چھوڑا کمند جذبہ عشق زلیخا نے
نہ رہنے دیگا حسن خود نما یوسف کو کنعاں میں

تصور نے بھلایا تیرے حسن شادی و غم کو
نہ کچھ کلفت ہے زنداں میں نہ کچھ راحت شبستاں میں

زباں تقریر سے قاصر قلم تحریر سے عاجز
نہ پوچھو ہمنے کیا دیکھا ہے ہمنے بزم رنداں میں

مجھکو تم سے ہے اعتماد وفا
تمکو مجھ سے پہ التفات نہیں

رنج کیا کیا ہیں ایک جان کے ساتھ
زندگی موت ہے حیات نہیں

یونہی گزرے تو سہل ہے لیکن
فرصتِ غم کو بھی ثبات نہیں

قیس ہو۔ کوہکن ہو۔ یا حالی
عاشقی کچھ کسی کی ذات نہیں

یاں بھی ہے کون و مکاں سے دلِ وحشی آزاد
جسکو ہم قید سمجھتے ہیں وہ زنداں ہی نہیں

آدمی ہو تو کبھی پاسِ محبت سکھلائے
آپ بھی کہتے ہیں کہ ہم غیر کے نقصاں میں نہیں

ہیں تو ہیں غیر کو مرنے سے اب انکار نہیں
اک قیامت ہے ترے ہاتھ میں تلوار نہیں

کل خرابات میں اک گوشے سے آتی تھی صدا
دل میں سب کچھ ہے مگر فرصتِ گفتار نہیں

دیکھتے ہیں کہ پہنچتی ہے وہاں کونسی راہ
کعبہ و دیر سے کچھ ہمکو سروکار نہیں

کچھ پتہ منزلِ مقصود کا پایا ہم نے
جب یہ جانا کہ ہمیں طاقتِ رفتار نہیں

بات جو دل میں چھپائے نہیں بنتی حالی
سخت مشکل ہے کہ وہ قابلِ اظہار نہیں

فصلِ خزاں کمیں میں ہے صیّاد گھات میں
مُرغِ چمن کو فرصتِ سیرِ چمن کہاں

میرے دل میں ہو گو مجھسے نہاں ہو
مجھے بھی ڈھونڈ لینا تم جہاں ہو

تقاضائے محبت ہے وگرنہ
مجھے اور جھوٹ کا تیرے گماں ہو؟

مجھے ڈالا ہے سو وہم و گماں میں
بہت کیوں آج مجھپر مہرباں ہو

دل کو کس طرح سمجھئے کہ وہی ہے یہ دل
وہ امیدیں ہیں نہ ارماں۔ وہ امنگیں ہیں نہ چاؤ

یار کو یار سمجھتا ہے نہ تو غیر کو غیر
تُو تو اچھا ہے مگر تیرے بُرے ہیں برتاؤ

دوست ہوں جسکے ہزاروں وہ کسیکا نہیں دوست
سچ بتا تجکو کسی سے بھی ہے دنیا میں لگاؤ

اے شرافت تجھے بکنا ہے اگر مفت تو بک
آجکل کیجئے کیا سستا ہی بازار کا بھاؤ

ایک ہی دوست اور اُس سے ہیں چھوٹے ہو
ناصحو آپ تمہیں دشمن کہیں یا دوست بتاؤ

اُسکے نالوں نے کیا بزم کو آخر بے لطف
ہم نہ کہتے تھے کہ حالی کو نہ محفل میں بلاؤ

درِ فیضِ حق بند جب تھا نہ اب کچھ
فقیروں کی جھولی میں اب بھی ہے سب کچھ

یہ طبلِ تہی ہیں جو ہنکارتے ہیں
جنہیں کچھ خبر ہو وہ کہتے ہیں کب کچھ

یہ ہے پیر مجلس کہ چینی کی مورت؟
ٹٹولو تو ہیچ اور جو دیکھو تو سب کچھ

حقیقت محرم اسرار سے پوچھ
مزا انگور کا میخوار سے پوچھ

وفا اغیار کی - اغیار سے سن
مری الفت در و دیوار سے پوچھ

دلوں میں ڈالنا ذوق اسیری
کمند گیسوئے خمدار سے پوچھ

ہے اُنکی دوستی پر ہمکو تو بدگمانی
وہ ہمکو دوست سمجھیں یہ اُنکی مہربانی

عاشق کے دلکو ٹھنڈک جو تیری آگ میں ہے
دیتا نہیں وہ لذت پیاسے کو سرد پانی

اُمید وصل سے ہے کچھ جی چھڑائے دیتا
جو کچھ سُنا ہے ہمنے مشّاطہ کی زبانی

ہر حکم پر ہوں راضی ہر حال میں ہوں خوش
کچھ ہے اگر تو یہ ہے دنیا میں شادمانی

صبر و سکوں سے ہمکو بھی نبٹنے دے
تھوڑی سی رہگئی ہے اے کاہش نہانی

پھر یہ بنائے ہستی ہے تیرے بعد ویراں
ہے تو بھی اب غنیمت اے ضعف و ناتوانی

دیکھا جمال جاناں آنکھوں نے اور دل نے
کیا جانئے کس ادا سے کی اُسنے دلستانی

اک نکتہ کے بیاں سے سر بر نہونگے حالی
چلتا نہیں کسیکا یاں لاف نکتہ دانی

کہدو کوئی ساقی سے کہ ہم مرتے ہیں پیاسے
گر مے نہیں دے زہر ہی کا جام بلا سے

درگزرے دوا سے تو بھروسہ ہے دعا کے
درگزریں دعا سے بھی دعا ہے یہ خدا سے

کبک و قمری میں ہے جھگڑا کہ چمن کس کا ہے
کل بتا دیگی خزاں یہ کہ وطن کس کا ہے

وصل کا اُسکے دل زار تمنائی ہے
نہ ملاقات ہے جس سے نہ شناسائی ہے

قطع امید نے دل کر دیا یکسو صد شکر
شکل مدت میں یہ اللہ نے دکھلائی ہے

قوت دست خدائی ہے شکیبائی میں
وقت جب آکے پڑا ہے یہی کام آئی ہے

بات سچی کہی اور انگلیاں اُٹھیں سب کی
سچ میں حالی کوئی رسوائی سی رسوائی ہے

جب یہ کہتا ہوں کہ بس دنیا پہ اب تف کیجئے
نفس کہتا ہے ابھی چند سے توقف کیجئے

بہت کام لینے تھے جس دل سے ہمکو
وہ صرف تمنا ہوا چاہتا ہے

وفا شرطِ الفت ہے لیکن کہاں تک
دل اپنا بھی تجھسا ہوا چاہتا ہے

جسکو غصّے میں لگاوٹ کی ادا یاد رہے
آج دل لے گا اگر کل نہ لیا یاد رہے

یاد آؤ گے بہت لطف سمجھ کر کیجے
اِس بھلائی کا ہے انجام بُرا یاد رہے

شیخ ایمان شرم گنہ شوق بھلا دیتا ہے
توبہ اُنکی ہے جنھیں اپنی خطا یاد رہے

چارہ گر کار با نذارۂ تدبیر نہیں
کیجیو ہمّت اگر وقتِ دعا یاد رہے

ابھی جانا نہیں حالی نے کہ کیا چیز ہیں وہ
حضرت اِس لطف کا پائینگے مزا یاد رہے

کر دیا خو گرِ جفا تو نے
خوب ڈالی تھی ابتدا تو نے

کرکے بیمار دی دوا تو نے
جان سے پہلے دل لیا تو نے

ابتدا اسنے وفا سے سر دیبا
میری دیکھی نہ انتہا تو نے

دل سے قاصد بنا کے وعدۂ وصل
اور کھو یا رہا سہا تو نے

دُور ہو اسے دلِ مآل اندیش
کھو دیا عمر کا مزا تو نے

ایک بیگانہ وار کرکے نگاہ
کیا کیا چشمِ آشنا تو نے

دل وہیں کھو کے آئے تھے سو یہ
یاں بھی سب کچھ دیا خدا تو نے

وصلِ جاناں محال ٹھیرایا
قتلِ عاشق روا کیا تو نے

تھا نہ جز غم بساطِ عاشق میں
غم کو راحت فزا کیا تو نے

خوش ہے اُمیدِ خلد پر حالی
کوئی پوچھے کہ کیا کیا تو نے

جیتے جی رکھ نہ فراغت کی توقع نادان
قیدِ ہستی میں میسر یہاں فراغت کیسی

حق وفا کے جو ہم جتانے لگے
آپ کچھ کہہ کے مسکرانے لگے

حشر تک یاں دلِ شکیبا چاہیئے
کب ملیں دلبر سے دیکھا چاہیئے

ہے تجلّی بھی نقابِ روئے یار
اُسکو کن آنکھوں سے دیکھا چاہیئے

وہاں پرسش نہ یاں تابِ سخن ہے
محبت ہے کہ دل میں موجزن ہے

بہت لگتا ہے دل صحبت میں اُسکی
وہ اپنی ذات سے اک انجمن ہے

دُھوم تھی اپنی پارسائی کی
کی بھی اور کس سے آشنائی کی

منہ کہاں تک چھپاؤ گے ہم سے
تم کو عادت ہے خود نمائی کی

لاگ میں ہیں لگاؤ کی باتیں
صلح میں چھیڑ ہے لڑائی کی

ملتے غیروں سے ہو ملو لیکن
ہم سے باتیں کرو صفائی کی

نہ ملا کوئی غارتِ ایمان
رہ گئی شرم پارسائی کی

بختِ ہمداستانیٔ شیدا
تُو نے آخر کو نارسائی کی

صحبتِ گاہ گاہیٔ رشکی
تُو نے بھی ہم سے بیوفائی کی

موت کی طرح جس سے ڈرتے تھے
ساعت آ پہنچی اُس جدائی کی

جدید

نہ عیشِ کیخسروی رہیگا نہ صولتِ بہمنی رہیگی
رہیگی اے منعمو تو باقی دیئے کی کچھ روشنی رہیگی

رہیگی کس طرح راہ ایمن کہ رہنما بن گئے ہیں رہزن
خدا نگہباں ہے قافلوں کا اگر یہی رہزنی رہیگی

قبولیت کی کرو نہ پروا جو چاہو مقبولِ عام ہونا
جو ڈول ڈالوگے حسنِ ظن کا تو تم سے یاں بدظنی رہیگی

بگاڑ مذہب نے جو ہیں ڈالے نہیں وہ تا حشر مٹنے والے
یہ جنگ وہ ہے جو صلح میں بھی یونہی ٹھنی کی ٹھنی رہیگی

صفائیاں ہو رہی ہیں جتنی دل اُتنے ہی ہو رہے ہیں میلے
اندھیرا چھا جائیگا جہاں میں اگر یہی روشنی رہیگی

جو چھوڑتے میراث کچھ نہ حالی تو اُس سے دل تنگ ہوتے نہ وارث
رہینگے ہر حال میں غنی وہ جو نیت اُنکی غنی رہیگی

ایضاً

نفس کی فرماں روائی ہو چکی
خود پسندی خود نمائی ہو چکی

قطرہ آب دریا میں جا ملنے کو ہے
تیری میعاد اے جدائی ہو چکی

جلتے ہیں جبریل کے شہپر جہاں
بے پروں کی واں رسائی ہو چکی

دیکھنا ہے تجکو اب اے جذبِ عشق
عقل کی زور آزمائی ہو چکی

دیر میں بھی لیجئے قسمت آزما
مسجدوں میں جبہہ سائی ہو چکی

خود بڑا بن کر دکھاؤ آپ کو
باپ دادا کی بڑائی ہو چکی

ق

ہے ضرورت زاہد اب تشہیر کی — شہرت زہد ریائی ہو چکی
ہے چڑھائی علم کی مذہب پہ اب — شرک و بدعت کی چڑھائی ہو چکی
فلسفے سے اسکی اب مٹھ بھیڑ ہے — سفسطے سے ہاتھا پائی ہو چکی
رہگئی ہے مذہب و ملت کی جنگ — ملک و دولت کی لڑائی ہو چکی
ہو نہ مذہب کی صفائی جب تلک — اہل مذہب کی صفائی ہو چکی
اب نہیں سننے کا اے حالی دماغ — بس بہت ہذیاں سرائی ہو چکی

ایضاً

مستی جہل میں غفلت کا نشا اور سہی — شب تاریک میں گھنگھور گھٹا اور سہی
دوستو روگ بظاہر نہیں جانے والا — ہو چکیں ختم دوائیں تو دعا اور سہی
گر گنہ عفو کی امید پہ کرنا ہے خطا — ہیں جہاں لاکھ گنہ ایک خطا اور سہی
شہ کو ہے خوف عدو خوف اجل خوف زوال — کہدو اے بے خبر اک خوف خدا اور سہی
بے وفا کونسی خوبی ہے نہیں جو تجھ میں — وصف اتنے ہیں جہاں ایک وفا اور سہی
ترک دنیا کے علائق تو کیے سب زاہد — گر مناسب ہو تو اک ترک ریا اور سہی
در سے ہیں نہ ملا کچھ تو نہ توڑ آس اے دل — اک در دولت ساقی پہ صدا اور سہی

رباعیات

غیروں کو اپنا بنانا

گر چاہتے ہو کہ جیتے جی بھلے کہلاؤ — اپنوں کو سلوک نیک سے پرچاؤ
پر مد نظر ہو گر حیات ابدی — بیگانوں کو آشنا بناؤ! جاؤ!!

دام محبت

ہے جنکو کہ صید دل انساں کا خیال — لازم ہے کہ پھیلائیں محبت کا جال
استاد کو یاد ہو اگر حب کا عمل — تعطیل میں بھی نہ چھوڑیں مکتب اطفال

شکوک بقدر ترقی علم بڑھتے ہیں

بڑھتا جاتا ہے جسقدر علم بشر — کرتے جاتے ہیں شک خیالات میں گھر

ہوتی جاتی ہے دُھندلی اُتنی فضا
جتنی کہ وسیع ہوتی جاتی ہے نظر

زندہ اور مُردہ قوموں میں فرق

اقوام میں زندگی کی ہے رُوح جہاں
چونک اُٹھتے ہیں اک ہاں پہ ہاں پیر جواں
کرتی نہیں وحی مردہ قوموں میں وہ کام
جو کام اک کارتون کرتا ہے وہاں

غیروں کا سہارا تکنا

اُترو دریا سے اپنے بل تیر کے پار
کبتک تیروگے ہو سکے تو بنوں پہ سوار
تم ڈوبنے کے یہ کر رہے ہو ساماں
غیروں کا سہارا تکنے والو ہشیار!!

دولت مفید بھی ہے اور مضر بھی

دولت خرمن بھی برقِ خرمن بھی ہے
یہ تیر کی بھال بھی ہے جوشن بھی ہے
تھوڑا سا ہے اس میں شر تو ہی خیر بہت
گر سانپ ہے یہ تو سانپ کا من بھی ہے

قلتِ احتیاج

دولت کی ہوس۔ اصل گدائی ہے یہ
سامان کی حرص بے نوائی ہے یہ
حاجت کم ہے تو بادشاہی ہے یہ
اور کچھ نہیں حاجت تو خدائی ہے یہ

احسان بے منت

احسان کے ہے گر صلہ کی خواہش تمکو
تو اِس سے یہ بہتر ہے کہ احساں نہ کرو
کرتے ہو جو احسان تو کر دو اُسے عام
اتنا کہ جہاں میں کوئی ممنون نہ ہو

حامد

حامد۔ مرزا آغا جان نام۔ لکھنؤ کے رہنے والے اور صبا لکھنوی کے شاگرد تھے سنہ ۱۲۶۶ ہجری کے گلدستۂ شعرا میں انکی غزل چھپی تھی۔ اُسی سے یہ انتخاب درج کیا جاتا ہے۔

لوٹے مزے وصال کے ہر دم تمام شب
سونے دیا نہ سوئے ذرا ہم تمام شب
فرقت میں کیا کہوں جو گزرتی ہے صبح تک
رہتا ہے دل کا اور ہی عالم تمام شب
بستر پہ منہ لپیٹ کے پڑتے ہیں ہجر میں
مُردے کی طرح رہتے ہیں بیدم تمام شب

رہتا ہے کیا تصورِ مژگاں سحر تلک	سُولی پہ دل کو دیکھتے ہیں ہم تمام شب
مصروف سیر راہ رکھا اُس نگار کو	دیکھا کیا ہیں حُسن کا عالم تمام شب
حامد کسی طرح نہیں آتا ہے دل کو چین	رہتی ہے اُنکی یاد جو ہر دم تمام شب

حامد۔ شیخ حامد حسن خانصاحب حامد کمبوہ بریلوی شاگرد حضرت ہوش ۱۸۸۱ء میں جو بریلی میں مشاعرے ہوا کرتے تھے اُن میں شریک تھے۔ زیادہ حال معلوم نہ ہو سکا چند غزلیں ہاتھ آئیں اُنکا انتخاب پیش کش ہے۔

ثابت ہے جذب دل سے کہ وہ یار آئیگا	کام آئیگا اگر تو دلِ زار آئے گا
بُلبل کی قید کا اُسے اُس دم کُھلے کا حال	صیّاد جب بلا میں گرفتار آئے گا
مرے چھیکے نہ چھوٹیں ریع مسکو نہیں بھلا کیونکر	وہ جائے غیر کے گھر سیکھنے جب کھیل چوسر کا
مُردے ہو جاتے ہیں زندہ سُنکے انداز عیسی نفس	نام کیا قُم ہے تری پازیب کی جھنکار کا
پار جو ہوتا ہے رہتا ہے وہ زندہ حشر تک	واہ کیا ہے گھاٹ اے قاتل تری تلوار کا
مرحبا دستِ جنوں اچھی دکھائیں تیز یاں	تار تک باقی نہ چھوڑا دامنِ کہسار کا
کس کماں ابرو نے مارا تیر بتلاؤ مجھے	زخم تن ہر دم جو دم بھر تا رہا سُوفار کا
فصلِ گل میں بھی یہ صیّاد و نکے بلبل پر ہیں ظُلم	جب رہا کرتے ہیں وہ کاٹ کے پر کرتے ہیں
لطف حاصل تب ہیں اے قاتل ہے پیر ہو	تیغ تو تو سے ہو سینہ میں ترا زُو تیر ہو
وقت لکھنے کے اگر اُس مصحفِ رُخ کی ہو یاد	پھر تو جو نامہ لکھوں قُرآن کی تفسیر ہو
ہوا ہوں حسرتِ دیدار میں عجب کیا ہے	جو بعد مرگ بھی وا چشمِ انتظار رہے
جو اشک و آہ سے ایذا دی تو چل نکلے	ہمیشہ نالے مرے ریل پر سوار رہے
پنجۂ مرگ میں صیاد نے پھنسکر یہ کہا	ہائے تا اب نہ ہوا کیوں میں جفا سے پہلے

کسی طرح مٹتی نہیں دل سے یہ	محبت بھی داغ جگر ہو گئی
عبادت کی اے شیخ یا پی شراب	یہ عُمرِ دو روزہ بسر ہو گئی

دہن سانپ کا موتیوں سے بھرا	پسینے میں کاکل جو تر ہو گئی

حامد

حامد۔ مولوی حامد علیخان حامد خلف حافظ غلام علیخاں باشندہ شاہ آباد ضلع ہردوئی زیادہ حال معلوم نہ ہو سکا کلام ملاحظہ ہو ؎

ہنگام ذبح بھی میری وحشت کا زور ہے	بڑھتے ہیں ہاتھ دامن جلاد کے لئے
وہ صبر دوست ہوں کہ اسیری میں بھی کبھی	کی بد دعا زباں سے نہ صیاد کے لئے
آزاد ہے دل وسوسۂ ہر دو جہاں سے	ہے ہمکو تعلق نہ مکیں سے نہ مکاں سے
کہتے ہیں مجھے اہل جہاں آپ کا عاشق	اے مشفق من آپ بھی کچھ کہیئے زباں سے
اس میکدۂ دہر میں بیہوش ہوں ایسا	معلوم نہیں کون ہوں آیا ہوں کہاں سے

حامد

حامد۔ نواب حامد حسین خاں بہادر رئیس لکھنؤ۔ آپ نواب امین الدولہ مغفور وزیر حضرت امجد علیشاہ کے پوتے اور نواب اشرف الدولہ احمد حسن خاں کے فرزند رشید تھے۔ بعد غدر کے سرکاری ملازمت اختیار کی اور ترقی پا کر سب ججی کے عہدے پر ممتاز ہوئے۔ دس گیارہ برس ہوئے انتقال فرمایا۔ ازل سے موزوں طبع لائے تھے۔ اور فن شعر میں تدبیر الدولہ منشی اسیر سے تلمذ تھا۔ معانی آفریں طبیعت پائی تھی۔ زبان۔ بندش۔ اور ترکیب سب وصف انکے کلام میں موجود ہیں۔ نتائج افکار سے چند شعر حاضر کئے جاتے ہیں ؎

چلا رہی ہے روح یہ لیلیٰ کی نجد میں	یارب یہیں تو تھا مرا مجنوں کہاں گیا
چمن کو چھوڑ کے مقتل میں آرہے بلبل	جو دیکھ لے مرے گلہائے زخم تن کی بہار
سلام آج سے بس ہمارا ہے صاحب	تمھارا اگر رنگ محفل یہی ہے
وہ حسرت دلمیں پنہاں تھی جو جیتے جی نہیں نکلی	جو نکلی بھی تو مر مر کے بوقت واپسیں نکلی
چمک میں چاند سے وہ چہرۂ قاتل کی جبیں نکلی	ضیائے روئے انور غیرت ماہ مبیں نکلی
کہیں سا ہم جستجو کرتے پھرے اور یہ کہیں نکلی	جو تھی آسائش دنیا وہ سب زیر زمیں نکلی

یہ کسنے پاؤں رکھا ہے کہ چشم اہلِ عالم میں
بلند ہی ہیں فلک سے بھی کہیں بڑھکر زمیں نکلی

اسے کہتے ہیں دلجوئی لگا کر تیغ وہ بولے
کبھی نکلی تمنا تیر سے دل کی یا نہیں نکلی

غبارِ قبر ہے جب ہڈیاں پسلی میں تھا ثابت
فلک کی چٹکیوں سے بھی کہیں بڑھکر زمیں نکلی

نہ لائی سوزشِ فرقت کی جسم تاب سینے میں
جلا کر دل جگر کو منہ سے آہِ آتشیں نکلی

سوالِ وصل میں کس دن پہ آیا مدعا دل کا
بخوشی ہاں کے تمھارے منہ سے جب نکلی نہیں نکلی

حامد

حامد۔ منشی حامد حسین قادری نام۔ حامد تخلص۔ والد کا نام مولوی احمد حسن صاحب وطن قصبہ بچھراؤں ضلع مرادآباد۔ منشی امتیاز احمد خاں صاحب راز رامپوری سے تلمذ ہے۔ اُن کے والد عدالتہائے ریاست رامپور میں وکیل ہیں۔ عرصہ دراز سے یہیں قیام ہے۔ کلام میں مزا اور طرز ادا مضمون میں اچھا سلیقہ ہے۔ مذاق شعر شستہ اور زبان صاف ہے۔ آپکے کلام کا انتخاب درج ذیل کیا جاتا ہے۔

ہوتی رہتی ہے خلش درد کی اکثر دل میں
رہ گیا ہو نہ کہیں ٹوٹ کے نشتر دل میں

جو مزا تیری جفا میں ہے کسی شے میں نہیں
گھر بنا لیتے ہیں یہ خنجر و نشتر دل میں

میرا ذمہ جو اُسے کچھ بھی خبر ہو اسکی
آپ آئیں تو سہی غیر سے چھپکر دل میں

کبھی ہنستا ہوں تیری دُھن میں کبھی روتا ہوں
پاس رہتی ہے تمنا کے برابر دل میں

یہ بڑا حُسن ہے تصویر میں اُسکی حامد
گھر بنا لیتی ہے آنکھوں سے اُتر کر دل میں

نکالا آج اسے تو کل اُسے شانِ تلوّن نے
بدلتے رہتے ہیں ہر روز نقشے اُنکی محفل کے

بہت بیزار ہوں جینے سے تو ہی مہربانی کر
کہ اُٹھ سکتے نہیں اے موت مجھ سے ناز قاتل کے

الٰہی کیا کروں راہِ محبت کس طرح سے طے ہو
کھڑے ہو جاتے ہیں آگے پہاڑ آ آ کے مشکل کے

ترے تیروں نے اے ناوک فگن کیا اُنکو چھیڑا ہے
یہ آخر پھوٹ کر رونے لگے کیوں آبلے دل کے

کہیں تو بھی نہ تڑپے او تماشا دیکھنے والے
ارے ظالم نہ کھا چرکے نگاہِ یاس بسمل کے

نہ بہا اُسکو تیروں سے ستمگر میں نہ کہتا تھا۔
کہ ساتھ اشکوں کے اب آنے لگے ٹکڑے جگر دل کے

تمھاری تیغ کا احساں نہ کیونکر میرے سر پر ہو
کہ حسرت قتل کی اُسنے نکالی ہے گلے مل کے

وہ تیری تیغ ہے آئیگا جس سے چین حامد کو
وہ تیر ابتیر ہی نکلینگے جس سے حوصلے دل کے

مقدر کے بل سب نکل جائیں گے
وہ بدلے تو ہم بھی بدل جائیں گے

شبِ وصل ہوگی تو اے آسمان
یہ انداز تیرے بدل جائیں گے

یہی سوزِ غم ہے تو عاشق کہاں
غریب اک نہ اک روز جل جائیں گے

لحد سے اُٹھکے ظالم دیکھ لوں میں تیری صورت بھی
جو آیا ہی تو کر دے چال سے برپا قیامت بھی

ترا غصّہ بھی مجکو یاد ہے تیری عنایت بھی
مری آنکھوں میں پھرتی ہے یہ صورت بھی وہ صورت بھی

جب آئے ہجر کے دن گھر مرے تو ساتھ ہی اُنکے
چلی آئی سمٹ کر ساری دُنیا کی مصیبت بھی

اُٹھا ہے درد اُٹھا جب کبھی نشتر لگانے کو
تو دلمیں پھانس بنکر چُبھ گئی ہے اُنکی حسرت بھی

اب آسنے سامنا ہوتا ہے تو مُنھ پھیر لیتے ہیں
کہاں کی رسمِ اُلفت چھوڑ دی صاحب سلامت بھی

تمھاری یاد جب چٹکے لگاتی ہے مرے دلمیں
کھٹک کرتا ہے پیدا کس مزے کی خارِ حسرت بھی

جنابِ شیخ کیا کچھ آڑ میں تقوے کی کرتے ہیں
کوئی کیا اُنکو جانے ایک ہی حضرت ہیں حضرت بھی

پشیمانی ذریعہ ہو گئی بخشش کا اے واعظ
بہے جب اشک تو بہنے لگا دریائے رحمت بھی

تری محشر خرامی نے لگائیں ٹھوکریں کیا کیا
بڑے مشکل سے سنبھلے آج فتنے بھی قیامت بھی

کہا قاصد سے کہنا عمر بھر یونہی بسر ہوگی"
کہاں کا خط۔ ہمارا پڑھ چکے وہ خطِ قسمت بھی

یہ کون آتا ہے یا وہ آتے ہیں شاید سیرِ گلشن کو
خبر کے ساتھ ساتھ اُڑنے لگی پھولوں کی رنگت بھی

بسر ہوتی ہے اپنی زندگی کس لطف سے حامد
خدا رکھے مزے کی چیز ہے دردِ محبّت بھی

نہ مانوگا تمھاری یاد ہی تڑپا گئی ہوگی
اِسی نے آکے چُٹکی لی کلیجے میں یہی ہوگی

چلا یہ کون میرے پاس سے راہِ محبّت میں
یہ کسنے ساتھ چھوڑا اے مروّت زندگی ہوگی؟

پھرا کرتا ہے یہ کیوں میکدے کے گرد اتو نکو
کہیں زاہد نے جھلکی دختِ رز کی دیکھ لی ہوگی

بتوں کو چھوڑ حامد نور ایمان دل میں پیدا کر
یہی وہ چیز ہے مرقد میں جس سے روشنی ہوگی

حامد — جناب حامد محمد حامد علیخاں صاحب نقلنویس عدالت سب ججی سلطانپور اودھ چند شعر درج ذیل ہیں

خود اپنے ظلم پہ ظالم تو منفعل ہوگا !	جو دیکھنے مرا خانہ خراب آئے گا
اثر کیا جو مرے جاذبۂ محبت نے	اسے جفاؤں سے خود اجتناب آئیگا
یہ دَور پھر بھی غنیمت ہے گو ہے پُر آشوب	اب آ گئے اور بھی اس سے خراب آئیگا

حامد

حامد۔ مشفقی و محبی مسٹر حامد علیخاں صاحب بیرسٹرایٹ لا خلف حکیم امجد علیخاں صاحب مرحوم ڈپٹی کلکٹر۔ آپ کے بزرگ عہد سلطنت مغلیہ میں اعزاز و احترام کے ساتھ مناصب جلیلہ پر معزز و ممتاز رہے ہیں۔ آپکا خاندان عرصۂ دراز سے قصبۂ امروہہ میں سکونت پذیر ہے اور اس خاندان میں طبابت کا سلسلہ کئی پشت سے نہایت نیکنامی اور شہرت کے ساتھ جاری ہے۔ آپکے مورث اعلیٰ مولانا شیخ سما الدین سلطان بہلول لودھی کے زمانے میں دہلی میں رونق افروز تھے۔ سکندر لودھی اور ابراہیم لودھی کے عہد میں آپکے مورث نصیر الدین شیخ الاسلام کے جلیل القدر عہدے پر ممتاز تھے۔ اسی طرح مفتی جمال خاں مفتی دولت استاد خواجہ میر درد مرحوم۔ نواب اعظم الدین خان حکیم فیروز علیخاں منصبدار پانصدی آپکے اجداد میں نامور ہوئے حکیم قوام الدین خاں حکیم علویخاں کے شاگرد اور انکے بیٹے حکیم امام الدین خان عالمگیر ثانی کے عہد میں شاہی طبیب تھے اور حکیم الملک کے خطاب سے متخر تھے۔ آپکے پردادا حکیم غلام علیخاں صاحب دلّی چھوڑ کر امروہے جا بسے اور معالجات کی بدولت اچھی شہرت حاصل کی۔ اسیطرح آپکے دادا حکیم ابو علیخاں صاحب نے بھی خاندانی اعزاز کو قائم و برقرار رکھا۔ آپکے والد ماجد حکیم امجد علیخاں صاحب جو ایام غدر میں شاہجہاں پور میں تحصیلدار تھے اور بعدہٗ ڈپٹی کلکٹر بھی رہے صاحب اخلاق حسنہ تھے۔ جون ۱۹۰۹ء میں رہگرائے عالم باقی ہوئے۔ آپ ۱۶ دسمبر ۱۸۶۱ء میں بمقام بریلی (روہیلکھنڈ) پیدا ہوئے۔ فارسی عربی اور انگریزی تحصیل کی۔ اپریل ۱۸۸۰ء میں لندن جاکر سند بیرسٹری حاصل کی۔ انگریزی زبان میں کمال لیاقت رکھتے ہیں۔ اور اس زبان میں بھی صاحب تصانیف نظم و نثر ہیں۔ ۲ نومبر ۱۸۸۵ء میں ہندوستان واپس آئے اور بیرسٹری شروع کی۔ آپکے مفصل حالات مختلف انگریزی

اور اُردو رسالوں میں شائع ہو چکے ہیں۔ لکھنؤ میں میر نفیس جیسے صاحب کمال سے آپکے مراسم تھے اور میر صاحب موصوف آپکے معترف رہتے تھے۔ شعر و سخن سے اُنکو ایسی دلبستگی ہے کہ بیان سے باہر ہے۔ حامد علیخاں صاحب فن شعر میں شیخ علی حزیں صاحب لکھنوی شاگرد مظفر علیخاں صاحب اسیر سے تلمذ رکھتے ہے۔ راقم تذکرہ کے مخلص بے ریا ہیں اور ہمیشہ عنایت ناموں سے جنہیں خلوص و شرافت۔ مہر و محبت کے دفتر کہنا زیبا ہے۔ عزت افزائی فرماتے رہتے ہیں۔ آپ لکھنؤ کی علمی جماعت کے سر برآوردہ ممبر ہیں۔ اور اپنی ہمدردی [illegible] بڑی خوش اخلاقی۔ زندہ دلی کی وجہ سے تعلیم یافتہ سوسائٹی کی روح رواں ہیں۔ شیعہ جماعت کے بارسوخ اور باوقعت رکن سمجھے جاتے ہیں۔ کلام ہدیہ اصحاب ذوی الاحترام ہے

پیری میں کوچ حسن جوانی کا کر گیا ۔۔ آئی خزاں بہار کا موسم گزر گیا
اشکوں کے ساتھ بہنے لگا آرزو کا خوں ۔۔ تیر نگاہِ یار جو دل سے گزر گیا
دُنیا مقام غم ہے خوشی نام کو نہیں ۔۔ جو اس مکاں میں رہ کے مسرت [illegible] گر گیا
اُنکے مزاج میں بھی تلوّن غضب کا ہے ۔۔ رنگِ زمانہ ہے اِدھر آیا اُدھر گیا
نہ کیے نرم دلِ سخت بتوں کے تو نے ۔۔ تجھسے کچھ کام نہ آہِ دلِ سوزاں نکلا

جب تک کہ تجھے یاد مرا نام نہ آیا ۔۔ او بھولنے والے مجھے آرام نہ آیا
دولت کو نکر جمع کہ پچھتائیگا منعم ۔۔ کس کام کا وہ زر جو ترے کام نہ آیا
جو دوست کی مرضی ہے وہ مرضی ہے ہماری ۔۔ اچھا وہ نہ آیا جو لب بام نہ آیا
اے چرخ عوض ظلم کے گردش رہی تجھکو ۔۔ مجھکو جو ستایا تجھے آرام نہ آیا
ساقی کا یہ احسان نہ اُٹھتا کبھی ہمسے ۔۔ اچھا ہوا ہم تک جو کوئی جام نہ آیا
اللہ ہی نگہبان ہے اُس دل کا کہ جسپر ۔۔ تو نے بھی دھرا ہاتھ تو آرام نہ آیا
کیا خوب بسر عمر دو روزہ ہوئی حامد ۔۔ صد شکر کسی کا کوئی الزام نہ آیا

حالت تھی نزع کی کہ یہ فرقت کا درد تھا ۔۔ بےحس تھے ہاتھ پاؤں مرا جسم سرد تھا

بدلی ہزار شکل مگر شکل تھی وہی
اُلٹا جو لفظِ درد کو تب بھی وہ درد تھا

صیّاد بھی تڑپنے لگا تھا قفس کے پاس
اِس درجہ نالۂ دلِ بلبل میں درد تھا

تُو بھی جگر کو تھام کے بیتاب ہوگیا
دل کا ہمارے درد ترے دل کا درد تھا

کیونکر نہ ہو یہ جذبِ محبت کا تھا اثر
سب بے چین بھی تھے جو مرے دل میں درد تھا

تیری نگاہ میں کشش کس بلا کی تھی
ہمراہ دل کے جانے پہ بیتاب درد تھا

کس کس جگہ بتاؤں تمھیں پوچھتے ہو کیا
دل میں۔ جگر میں۔ سینے میں پہلو میں درد تھا

رگ رگ میں اپنے بھر دیئے تھے عشق کے مزے
دل سے سوا عزیز مجھے دل کا درد تھا

یہ داغِ رنج و غم دلِ بسمل میں رہ گیا
دھبّہ لہو کا دامنِ قاتل میں رہ گیا

جو ساتھ ساتھ آئے تھے وہ سب چلے گئے
تنہا فقط میں گور کی منزل میں رہ گیا

آنکھوں کا حُسن خون سے بسمل کے بڑھ گیا
کیا رنگ تھا کہ دیدۂ قاتل میں رہ گیا

آنکھیں لڑا کے آنکھوں میں سب کچھ وہ کہہ گئے
جو دل کا مدعا تھا وہی دل میں رہ گیا

کھلتا ہے دل میں روز گلِ داغ اک نیا
المختصر یہ ثمرہ ہے عُمرِ دراز کا

فکرِ رسا سے بات نکلتی ہے بات میں
کیونکر تمام وصف ہو زلفِ دراز کا

کرتا ہے قُدسیوں کے بھی دل پر عجب اثر
تیرا ادا و ناز سے پڑھنا نماز کا

کس مُنہ سے دوستوں کے بھلا راز داں ہیں ہم
دشوار جب چُھپانا ہو اپنے ہی راز کا

ممکن نہ ہوگا شربتِ دیدارِ یار کیا ؟
پیغامِ مرگ ہے مرضِ انتظار کیا ؟

منت سے بھی نہ مانے تو میں اس کو کیا کروں
اے دل کسی کے دل پہ مجھے اختیار کیا

باغِ جہاں میں سیر کی فُرصت کہاں ہمیں
آئے بہار کیا جو نہ آئے بہار کیا

دل کی شگفتگی سے عجب میرا حال ہے
کٹتی ہے اِک طرح سے خزاں کیا بہار کیا

کچھ نہ تھا ہمراہِ میت وہ فقط ہمراہ تھے
رو دیئے دشمن جنازے پر یہ ساماں دیکھ کر

ابتدائے عشق ہی میں اُف مرا جوشِ جنوں
بھاگتا ہوں سوئے صحرا شکلِ انساں دیکھ کر

کیا اجارہ اس میں حامد ہ جسے جو چاہے دے
حریص دولت دنیا نہ اتنا ہو منعم
وہ یاد کرتے ہیں لیکن کبھی بلاتے نہیں
جواب دیتے ہیں وہ سیدھی بات کا ٹیڑھا
کچھ احتیاج نہیں خط کے لکھنے کی قاصد
جو میرے دل میں ہے اُنکی زبان پر ہے وہی
تناسب ہے ترے اعضا میں سر سے پاؤں تک ایسا
تری قدرت کا ای خالق یہ ادنی سا نمونہ ہے
پڑھا کرتے ہیں تربت پر مری وہ فاتحہ آکر
جوانی ہے مئے اُلفت کے وہ سرشار بیٹھے ہیں
مری غم کی کہانی نے تغیر یہ کیا پیدا
تو ہی واقف ہے بس یارب یہ مرتے دم ندامت ہے
دم آخر تجھے دیکھا جہاں کے رنج سب بھولا
جنس اُلفت کی دکاں کھولکے بیٹھے تو کوئی
یہی حالت تمھاری ہو جو دم بھر دیکھنے جاؤ
دفن ہیں کیا کیا شہید داغ اُلفت جا بہ جا
کسی نرگس کا متوالا کوئی مستانہ آتا ہے
کسی سے بغض ہے رشک کدورت ہے نہ کینہ ہے
احبا کو سنا دیتے ہیں جو دلپر گزرتی ہے
تمھارے حسن کے چرچے ہمارے عشق کے قصے
ہے سُرخی آگئی چہرہ پہ کیسی مرہٹو اسکے

رشک کرتا ہے عبث انساں کو انساں دیکھکر
غنی جو دیکھے ہیں اُنکو گدا سمجھتے ہیں
ہمارے ذکر کو ہم سے سوا سمجھتے ہیں
سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ کیا سمجھتے ہیں
وہ خوب دلکا مرے مدعا سمجھتے ہیں
وہ بے کہے ہوئے مطلب مرا سمجھتے ہیں
نظر پڑتی ہے جن لوگوں کی اُن پر صاد کرتے ہیں
کہ ہم اس عالم ایجاد میں ایجاد کرتے ہیں
خدا آباد رکھے روح کو جو شاد کرتے ہیں
نہ وہ ہشیار بیٹھے ہیں نہ ہم ہشیار بیٹھے ہیں
یہی اغیار تھے پہلے جواب غمخوار بیٹھے ہیں
اوائے حق سے میں تیرے بہت معذور جاتا ہوں
وہیں چھوڑے جہاں کے غم تھے اب مسرور جاتا ہوں
جمع دم بھر میں خریدار ہوئے جاتے ہیں
ذرا تم ہاتھ رکھکر قلب مضطر دیکھنے جاؤ
کوہ و صحرا و چمن میں لالہ پیدا کیوں نہو
دکھاتا سیر عالم دیکھیے دیوانہ آتا ہے
دل اپنا صاف ہے سب میں یارانہ آتا ہے
ہمیں اپنی ہی ہستی کا فقط افسانہ آتا ہے
دو عالم کو جو آتا ہے یہی افسانہ آتا ہے
دم آخر لطف شاید رُخ جانانہ آتا ہے

چمن کے پتے پتے پر عجب فرحت برستی ہے	اُڑاتا خاک صحرا کی کوئی دیوانہ آتا ہے
ریاضت عمر بھر وہ کی کہ جس پر ناز ہے حامد	اسی کمبخت دل کا کچھ نہیں اپنا نہ آتا ہے

ودیگر

آتشِ غم کا پتہ دیتی ہیں آہیں اپنی	آگ دیکھی ہے جہاں ہم نے دھواں دیکھا ہے
تیری قدرت کا تماشا کوئی ہم سے پوچھے	ایک ذرّے میں دو عالم کا سماں دیکھا ہے
تیرے دیدار کو مجموعۂ عالم سے کھینچے	تجکو دیکھا ہے تو سارا ہی جہاں دیکھا ہے
جنکا تکیہ ہے توکّل پہ قناعت شیوہ	ایسے ہی لوگوں کو پیری میں جواں دیکھا ہے
رازِ سربستہ رہا سب پہ طلسمِ عالم	یوں تو کہنے کو کہیں سارا جہاں دیکھا ہے
اپنے سودے کا سبب ہیں جو معنبر زلفیں	اُنھیں زلفوں میں علاجِ خفقاں دیکھا ہے
بات سکے ہونگے دھنی اور بھی دُنیا میں بہت	ایک حامد کو مگر ہنسنے بھی ہاں دیکھا ہے
کسی کی دید کے طالب ہوئے عبث موسیٰ	جو آرزو کہ نکلتی وہ آرزو کرتے
ہمیں تو عشق و حیاتِ ابد برابر ہیں	نہ مرتے ہم تو جینے کی آرزو کرتے
آنکھیں فلک پہ جھپکی ہیں خورشید و ماہ کی	اللہ رے چمک تری برقِ نگاہ کی
اِک حرف بھی رہے گا نہ لے کاتبِ عمل	دھوتا ہوں آبِ اشک سے فردیں گناہ کی
شمشیرِ غم کا خلق میں ہے ہر طرف عمل	ملتی نہیں خوشی کو کوئی جا پناہ کی
ہنگامِ ذبح صورتِ قاتل تو دیکھئے	تصویر بن گئی مرے حالِ تباہ کی

حباب

حباب۔ جناب مولانا حافظ سید محمد صائم علی صاحب مرادآبادی۔ آپ رامپور میں ملازم ہیں ساٹھ روپے ماہوار پاتے ہیں۔ ستر سالہ ضعیف العمر شخص ہیں۔ نمونۂ کلام درج ذیل ہے ؂

ایک وہ ہیں کہ بسر کرتے ہیں کاشانوں میں	ایک ہم خاک اُڑاتے ہیں بیابانوں میں
نہ ملا تیرا نشاں ہمکو کہیں بھی اے دوست	ڈھونڈا جا جا کے بہت مسجد و بُت خانوں میں
دیکھ کر ہجر میں افسوس نقاہت میری	وہ خفا ہیں کہ اُڑائی ہے نزاکت میری

حباب **حباب** - ناظمِ باکمال ناثرِ عدیم المثال پنڈت امراؤ سنگھ صاحب حباب خوشہ چین خرمنِ کمال نواب اسد اللہ خان غالب مرحوم و مغفور۔ آپ رڑکی کالج میں بیس پچیس برس تک مدرس سیاقی رہے۔ ملازمت کے ساتھ ہمیشہ شوقِ شاعری و انشاپردازی کو بھی نباہتے رہے۔ کئی برس ہوئے آپنے ایک اخبار بھی جاری کیا تھا جس میں زیادہ تر آپ ہی کی نظم و نثر کے اعلیٰ نمونے درج ہوتے تھے۔ مگر زمانے کی ناقدردانی سے وہ اخبار چند ہی ماہ جاری رہ کر بند ہوگیا۔ غزل گوئی میں آپ کو اچھا ملکہ حاصل ہے تصوف اخلاق اور وحدانیت کے کثیر مضامین آپکے کلام میں پائے جاتے ہیں۔ بلندیٔ مضمون اور نزاکتِ خیال کے ساتھ آپکی طبیعت میں شوخی اور جدت بھی بقدر مناسبت موجود ہے۔ آپ کا مذاق نہایت شستہ اور قابلِ تقلید ہے۔ اب کئی برس سے پنشن پاتے ہیں۔ ۶۵ برس کی عمر پاکر ۱۹۰۹ء میں بمقام لاہور انتقال کیا

بہائے بحر جو ہے گوہرِ خوشاب سے ہے	دُرِ سرشک سے ہے آنکھ بے بہا دریا
گلشن میں گدگدی سے نسیمِ سحر کی آج	گل ہنس دیا تو غنچہ بھی کچھ مسکرا دیا
نسیمِ صبحِ بہاراں سے نرم تھی مری نیند	خروشِ بلبلِ نالاں سے اُڑ گئی مری نیند
نگاہِ دیدۂ بیہوش ہیں ہم	صدائے نالۂ خاموش ہیں ہم
جنوں تعلیم تھی کیا بزمِ شب جو صبح ہوتے ہی	گریباں پھاڑتے گھر سے تمھارے ہمنشیں نکلے
غل کرتا ہوا مژدۂ آزادی کا	زنداں سے رہا ہو کے اسیر آتا ہے
ہے ساتھ جو توشۂ توکل بخدا	آزادِ غمِ جہاں فقیر آتا ہے
بیتابی و اضطراب کا نقش مٹا	اے موجِ حباب دستگر آتا ہے

حبیب **حبیب** - مولوی سید کاظم کنتوری نواح لکھنؤ کے رہنے والے ہیں۔ اور اپنے آپ کو یادگار خاندانِ ناسخ مرحوم لکھتے ہیں۔ آپکے مرسلہ حالات سے پایا جاتا ہے کہ آپکے بزرگ ساتویں صدی ہجری میں نیشاپور اور خراسان سے فیض آباد اودھ میں آکر مقیم ہوئے اور پھر شاہ شدہ کنتور میں جو لکھنؤ اور فیض آباد کی راہ میں واقع ہے اقامت اختیار کی۔ آپکے مورث سید جمال الدین کو

تغلق بادشاہ کے عہد میں برولی اودھ کا تعلقہ جاگیر میں بلا۔ حبیب صاحب کے دادا سید حمایت حسین وزیر الممالک نواب سعادت علی خاں کے مصاحب رہے اور کرنل بیلی رزیڈنٹ کے استاد تھے۔ نانا میر لطف اللہ قدر کنتوری شیخ ناسخ کے شاگرد تھے۔ میر خدا بخش جنکی کربلا تال کٹورہ لکھنؤ میں اب تک موجود ہے آپکے نانا میر لطف اللہ کے حقیقی نانا تھے۔ الغرض آپ کا خاندان ہمیشہ علم و فضل کی وجہ سے ممتاز رہا ہے۔ آپ ۱۴ ذیقعد ۱۲۶۷ھ میں بمقام کنتور پیدا ہوئے ۱۵ برس کی عمر میں فارغ التحصیل ہو گئے۔ اس زمانے میں شعر گوئی کا شوق ہوا۔ پہلے اپنے نانا قدر کنتوری سے اصلاح لی پھر ۲۱ برس کی عمر میں سید حسین صاحب عشق شاگرد ناسخ مرحوم کو سات برس اپنا کلام دکھایا۔ اسکے بعد اُنھوں نے فرمایا کہ اب تم کو اصلاح کی حاجت نہیں۔ آپ کی تصنیف سے دو دیوان مطبوعہ۔ مخمس حبیب بر ترکیب بند شکوہ ہند حالی۔ مدح محبوب مدحیہ نظام۔ مکاتبات فارسی۔ ایمانِ حبیب۔ مجموعۂ مراثی مطائبات حبیب غیر مطبوعہ موجود ہیں۔ آپ دس برس کی عمر میں اپنے والد کے ساتھ لکھنؤ گئے۔ چونکہ آپکے والد کی معاش کم تھی اس لیئے صغیر سنی ہی میں روزگار کی ضرورت محسوس ہوئی چودہویں سال مولوی غلام حسین کنتوری کی صاحبزادی سے جو انکے خالو تھے نکاح ہوا۔ اُنھیں کے ہمراہ آگرہ اور گوالیار کے سفر کا اتفاق ہوا۔ ۲۱ برس کی عمر میں بہ تلاش روزگار ریاست چرکھاری اور وہاں سے اندور گئے مگر جلد ہی واپس آ گئے۔ ۲۵ برس کی عمر میں بنارس اور کلکتہ کا سفر کیا جب ہگلی پہنچے تو وزیر السلطان منشی امیر علیخاں کے صاحبزادے نواب اشرف الدین احمد خان متولی امام باڑہ نے اپنا مہمان کیا اور اُنکے والد وزیر السلطان بھی بڑی مہربانی سے پیش آئے اور راجہ امیر حسن خان رئیس محمود آباد سے سفارش کی۔ چنانچہ یہ وہاں تین سال ملازم رہے پھر ۲۸ برس کی عمر سنہ ۱۲۹۶ھ میں بحالتِ بیماری اپنے بھائی سید محمد عسکری عادل کو ساتھ لیکر حیدرآباد کے عازم ہوئے۔ کچھ دن وہاں کے اُمراء کے ہاں ملازمت کی۔ انجام کار سنہ ۱۲۹۹ھ میں سردار عبد الحق دلیر جنگ نے قدر دانی فرما کر ساٹھ روپیہ ماہوار پر مصاحب رکھ لیا اُنکے

ولایت چلے جانے پر انھیں کے بھائی نواب امیر یار جنگ سید سراج الحسن صاحب تعلقہ دار بیدر نے اپنے پاس بلالیا اور سررشتہ دار مقرر کر دیا۔ وہاں سے ترقی پاکر آپ سنہ ۱۳۱۱ھ میں سررشتہ دار معتمد مدار المہام سرکار عالی محکمۂ کوتوالی پر مقرر ہوئے۔ وہاں سے سنہ ۲۰ دو سو روپیہ پر صوبہ داری بیدر کے سررشتہ دار مقرر ہوئے۔ آخر عمر میں ہوم سکرٹری سرکار نظام کے میر منشی بھی مقرر ہو گئے تھے۔ شعر و سخن سے طبیعت کو فطرتی لگاؤ تھا۔ معنی خیز طبیعت واقع ہوئی ہے اور اکثر استعارے و تشبیہ کی پابندی کرتے ہیں۔ علمی قابلیت خاصی ہے۔ علاوہ درسی استعداد عام معلومات پر بھی حاوی ہیں جسکی انکے کلام میں جگہ جگہ جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ علاوہ ازیں فکر رسا اور ذہن ذکی خدا داد ہاتھ آیا ہے۔ ان چیزوں کی امداد سے جسقدر بلند پایہ شعر کہیں تھوڑا ہے۔ کلام میں علاوہ عاشقانہ کے وہ رنگ خاص بھی بھرا ہوا ہے جس سے گزشتہ زمانے کے شعراء نے دلوں کو مسخر کر لیا تھا۔ اور صوفیہ کے کلام میں عموماً اور عوام الناس کے کلام میں بھی کہیں کہیں پایا جاتا ہے۔ یعنی تصوف کا رنگ۔ علاوہ ازیں تمام اصناف سخن پر قدرت حاصل ہے۔ بالخصوص قصائد خوب خوب لکھے ہیں اور تغزل میں بھی مسائل دقیق اور نکات غریب اچھے پیرایہ میں باندھ جاتے ہیں۔ زبان سلیس۔ بندش چست ہے جس سے انکی کہنہ مشقی کا ثبوت ملتا ہے۔ بڑے خلیق ملنسار۔ نیک نہاد شخص تھے۔ حیدرآباد دکن میں اکثر لوگ انکے شاگرد تھے۔ اور وہاں کے شعراء میں نظر امتیاز سے دیکھے جاتے تھے۔ راقم تذکرہ سے اکثر خط و کتابت رہتی تھی۔ افسوس کہ تخمیناً پچاس برس کے سن میں سنہ ۱۹۰۹ء میں انتقال فرمایا۔ آپکے صاحبزادے جناب ضیاء الحسن بھی شعر و سخن کا اچھا مذاق رکھتے ہیں۔ اب کلام مرسلہ کا انتخاب ملاحظہ ہو۔

حسن جب صورت گر ذوق خود آرائی ہوا
ہر صفت بیباک گرم لاف یکتائی ہوا

اک جہاں شیدا ہے صورت آشنا کوئی نہیں
سب کو اپنا کر لیا کس کا وہ ہر جائی ہوا

دست قدرت نے دکھائیں ایسی شکلیں کھینچکر
کوئی از خود رفتہ اور کوئی تماشائی ہوا

بڑھا رتبہ یہاں تک خود فراموشی میں عرفاں کا
کہ محراب حرم ہے عکس میرے طاق نسیاں کا

شکایت کیا ہی بیمہری کی اُس سے جب پہ دل آیا
کوئی اعزاز کرنا ہے بھلا ناخواندہ مہماں کا

نہیں جھکتا کوئی اُس سے جھکے جبتک نہ خود انساں
رکوع و سجدہ سکھلاتا ہے خم محراب طاعت کا

نہ پوچھو حال کچھ ناکامیوں سے ضعفِ ہمت کا
کرینگے امتحاں اکبار لیکن اور قسمت کا

دلِ پُرآرزو کا خوں نکرلے پاس تو ناحق
سمجھ اتنا کہ سرمایہ ہے یہ اک بے بضاعت کا

ہے خبر کس کو تلوّن آپ کا
آگے چلکر رنگ کیا کیا لائے گا

محبت میں تری خونِ دلِ ناشاد ہونا تھا
تاسّف کیا؟ ہوا جو اے ستم ایجاد ہونا تھا

ہو جب تن پر سرِ جلّاد آکر بیڑکاں کاٹے
اسیروں کو تمھارے اس طرح آزاد ہونا تھا

پیری میں جانگسل ہیں جوانی کی حسرتیں
وہ وقتِ کیف تھا یہ ہے عالم خمار کا

تم رہو گھر میں پھریں ڈھونڈتے ہم غیروں میں
بدگماں ہوگا نہ ہمسا کوئی غافل ہوگا

پرتوِ عشق پڑا ہوگا مقدّر دیکھو!
داغ یاں سینہ پہ ہے چہرے پہ واں تل ہوگا

چلے رفتہ رفتہ ایسے کہ نہ خاک تھی نہ ہم تھے
کہ جو لوگ دفن کرتے کسی جا مزار ہوتا

کرے کیوں نہ بے چین وعدہ کسی کا
قیامت ہے امروز فردا کسی کا

کہتے ہیں حسن کے ہاں پھر کیا ہوا
حال میرا اک فسانہ ہوگیا

میری توبہ کیا تھی توبہ اے غفور
تیری رحمت کو بہانہ ہوگیا

ایک منزل ہے عدم کی ایکدم کا راستہ
آگے جانیوالے ہمسے آگے بڑھجائینگے کیا

پوچھو عاشق سے غم عشق میں لذت کیا ہے
تلخ ہوتا تو نہ اس شوق سے کھایا جاتا

چلے آپ اللہ رے بے نیازی
نہ دیکھا کہ قدموں پہ ہے سر کسی کا

بھلا ہو جس کام میں کسی کا تو اُس میں وقفہ نکیجئیگا
خیالِ زحمت نکیجئے گا ملالِ ایذا نکیجئے گا

وہ مجھ سے فرما رہے ہیں ہنسکر ہمیشہ ملنے کی آرزو پر
ملال ہوگا محال شئے کی کبھی تمنا نکیجئے گا

آگے اُنکے حبیب کبھی ہمنے کیا اظہارِ عشق
ہنسکے بولے خیر اک دن امتحاں ہوجائیگا

دریا ہی میں رہنا تھا قطرہ کی طرح شاملِ
غافل نہ حباب آسا یاں نکلو اُبھرنا تھا

الفت میں کوئی دل کے سوا راز داں نہ تھا
رسوا کرے گا اُس پہ مجھے یہ گماں نہ تھا

گھٹینگی خواہشیں اے دل تو حاصل مدعا ہوگا
ذرا یہ بھیڑ چھٹ جائے تو پیدا راستہ ہوگا

خدا سے مانگ اے دل شرم کر بندوں کی منت سے
جو حاجتمند ہے ہر دم وہ کیا حاجت روا ہوگا

ہوس ہے رہنا ہر دم در ارباب دولت کی
قناعت کہتی ہے بیٹھو خدا ہے کارساز اپنا

تمام کاموں کا راستی پہ ہمیشہ دارومدار دیکھا
فساد نیت میں جنکی پایا ہر ایک صحبت میں خوار دیکھا

توبہ کی سند دیتے ہیں یاران قدح نوش
سب مانگتے ہیں دور میں ساغر نہیں ملتا

وہ جواں ہونگے تو ڈھونڈھینگے فرشتوں کے وضو
ایک دن چاہ زنخداں چہ بابل ہوگا

درد و ایذا و غم و غصہ و بدنامی و رنج
کشور عشق میں ہوتے ہیں محاصل کیا کیا

سامنے رندوں کے ناصح بے اثر ہے وعظ و پند
آپنے کہنے کا جو حق تھا کہا کسنے سنا

رات دن چین نہیں سوز محبت سے مجھے
شمع ہوتا تو فقط شب کو جلایا جاتا

نہ سر ہے کوئی تیرے سودے سے خالی
نہ دل تیرے قبضے سے باہر کسیکا

بادۂ ناب تو روشن گرِ دل ہے واعظ
اسکے پی لینے سے ایماں میں خلل کیا ہوگا

موسم گل دیکھکر ایسا خوشی کا جوش ہے
آب نہیں پھولی سماتی پیرہن میں عندلیب

سہانے وقت ہیں اے دل دم طلوع و غروب
سماں دکھاتی ہے قدرت کا دیکھی دیکھو آپ

تھا اشتیاقِ ابروئے دلبر تمام رات
دیکھا کیا میں خواب میں خنجر تمام رات

اپنے بندوں کو دیا ہے جسقدر اللہ نے
کچھ نہ کچھ اُسکے سوا ہے ہر بشر کی احتیاج

اِن بتوں میں آئے شانِ کبریائی ہی محال
ہو نہیں سکتا ہے ہرگز بندہ پرور جھوٹ سچ

سمجھو بنا رہا ہے خطا کار کو دلیر
راضی جو در گزر پہ ہوا التجا کے بعد

وہ کوشش کیجئے رہجائے نامِ نیک محشر تک
مزا یہ ہے کہ موت آئے حیاتِ جاوداں ہوکر

اثرِ نغمۂ دلکش کی کہوں کیا حالت
ہوش کھو دیتا ہے انسان کے جادو ہوکر

دل کو ہے رنجِ فراقِ رفتگاں شام و سحر
میرے یوسف کو ہے یادِ کارواں شام و سحر

ہے یہ روزِ آمدِ فصلِ بہار آ سکے برس
مست ہیں زاہد بھی مثلِ بادہ خوار ابکے برس

داغ بھی زخمِ جگر کا تر رہا
تھی یہ قاتل کی نشانی افسوس

کون زخمِ خنجرِ ابرو کا شاہد تھا حبیب
ہار جاتے تم کلیجہ پر اگر ہوتا نہ داغ

کھل گیا ناکامیوں سے ہے مسبب دوسرا
کوششیں سب اک طرف ہیں اور مقدر اک طرف

بے سبب کوئی اٹھائیگا بھلا کیا تکلیف
دلکو ہوتی ہے محبت میں گوارا تکلیف

غیر حاکم ہو تو اسکی جوتیاں سیدھی کریں
ننگ ہے قومی حکومت کی اطاعت آجکل

لہو تھمتا نہیں زخمِ جگر کا
نہ اچھے ہو سکیں گے اب اے چارہ گر ہم

اٹھائے ہیں وہ صدمے ہم نے ملکر ان حسینوں سے
جو لیتا ہے کوئی نام محبت اتنا ڈرتے ہیں

ہر اک سوال کا دیتے ہو تم جواب "نہیں"
یہ ظلم وہ ہے کہ جس کا کوئی حساب نہیں

شگفتگی مرے دل کی ہے تیرے لطف کے ساتھ
ہر ایک فصل میں پھولے یہ وہ گلاب نہیں

تنک ظرفوں کو دولت سے تمتع ہو نہیں سکتا
سراپا وصف قربِ بحر تھا کہ اڑتی ہے ساحل ہی

خفا بھی ہیں وہ آزردہ دل سے مری الفت کے قائل بھی
جفائیں کرنے جاتے ہیں پشیماں ہوتے جاتے ہیں

سازِ جمعیتِ دل کا سر و ساماں ہی نہیں
بے نیازی جو ہے درویش میں سلطانی نہیں

روشنی رہتی ہے کہتے ہیں دیئے کی تا حشر
ظلمتِ شب کا گزر تھا یہ احساں ہی نہیں

فطرت کو ناپسند ہے سختی بیان میں
پیدا ہوئی نہ اس لئے ہڈی زبان میں

تجلی گاہِ انوارِ حقیقت دیکھنے والے
فروغِ ظاہری کو بھی کہیں خاطر میں لاتے ہیں

وہ لطفِ صحبت وہ پیاری پیاری باتیں بھلا کس طرح یاد آتی ہیں
ہمیشہ ڈھونڈا کیئے تمکو آنکھیں ہونگے اے حق ان نظر میں

تری یاد میں جب سے بیٹھے ہیں پیار سے
دو عالم سے دل کو اٹھائے ہوئے ہیں

اپنے جس نیند سے کو چاہے وہ سے چمن آرائے دہر
کچھ اجارہ زاہدوں کا باغِ رضواں ہی نہیں

نہ اٹھائے سختی ہجر گر تو وصال کا بھی مزا نہیں
نہ ہوا مرض میں جو مبتلا کبھی اسکو قدرِ دوا نہیں

وہ جفا زمانے نے ہم پہ کی کہ خیال جس کا تھا کبھی
یہ نہیں کہ تھی مشیتِ ایزدی نہیں کچھ کسی کو گلا نہیں

قاتل نہیں کسی سے وہاں دل کسی سے نہیں ... [illegible]

کھنچے گی خاک ہو گا ٹھکانا جہاں کہیں | دو گز زمین تو دیگا کبھی آسماں کہیں

دن رات ہے احباب کو کد بیخ کنی میں | بگڑی ہیں وہ بگڑے ہیں جو تھے ساتھ بنی میں

نقد یہیں جو تھا وہ ہوا ۔ رنج سے حاصل | عقل بشری رہتی ہے عاجز شدنی میں

نگاہ قہر سے تم نے گرائی حبیب بجلی | دل و جگر پہ پکار سے جلا دیا ہمکو

دل جگر لے جان جان اہل وفا سے کے دیکھ لو | عقبا جی چاہے انھیں ہر دم ستا کے دیکھ لو

سچ کہو چاہنے والوں کا گلہ ہو کہ نہ ہو | وعدہ کر لیتے ہو تم سب سے وفا ہو کہ نہ ہو

نہ کی میری حاجت روائی بتوں نے | خدا سے بھی کی ان کی طاعت زیادہ

انھیں خوں رلاتا ہے اکثر زمانہ | جو ہیں خوگر عیش و عشرت زیادہ

ہزاروں صورتیں پیدا ہیں اک آشفتہ حالی سے | نئی دنیا بسی ہے دل میں اشکال خیالی سے

پڑے تھے نقش پا بن کے نہ سنگ راہ تھے ظالم | تجھے کیا مل گیا آخر ہماری پائمالی سے

لیجئے چھوڑ کے مرقد میں چلے یار و عزیز | آج کہتا نہیں "اللہ نگہباں" کوئی

گناہ لائے ہیں مجرم بنا کے تیرے حضور | جو راہزن تھے ہمارے وہ راہبر نکلے

ہمیشہ خلق میں گذری ہے ایکساں کسکی | انھیں کا شکر ہے ارمان جسقدر نکلے

کہتی ہے اجل آمری آغوش کے پالے | سب کر چکا دنیا سے بس اب دلکو اٹھا لے

گھر سے ہمیں یوں گردش قسمت نے نکالا | تلوے سے کوئی کانٹے کو جس طرح نکالے

رحم آیا نگاران سے نہ مرض کو نہ قضا کو | بیسود ہیں آہیں مری بیکار ہیں نالے

سمجھے تھے ہم اک مشغلہ الفت کو بتوں کی | معلوم نہ تھا جان کے پڑ جائینگے لالے

عمر گزری کسکو روداد اسیری یاد ہے | اب قفس گھر ہے ہمارا ہمنشیں صیاد ہے

رات دن کی دل لگی وہ ہر گھڑی کی چھیڑ چھاڑ | خیر تم بھولے تو بھولے مجکو ابتک یاد ہے

جو ملیں سے گئے سب پھر آرزو تیری | ہے انکی خاک کے ذروں کو جستجو تیری

عدم کو گئے نوجواں کیسے کیسے | نہ پوچھو چھٹے مہرباں کیسے کیسے

سیکھا تو ایفا بھی کرنا تھا آخر
سکھے عہد اے جانِ جاں کیسے کیسے

نجانے دیا داغِ شیریں سخن کو
دکن میں بھی ہیں قدرداں کیسے کیسے

مٹے لاکھ پھر لکھنؤ لکھنؤ ہے
سخنداں ہیں اب بھی وہاں کیسے کیسے

غلط ہے گر کہوں کچھ غم نہ تھا آغازِ الفت میں
کہ اک تشویشِ انجامِ محبت دل کو کیا کم تھی

نکلتی کیوں نہ بتخانے سے زاہد شکلِ آمرزش
یہاں بھی دل میں کیا تیری طرح یادِ خدا کم تھی

جانے میں جان آنے میں عاشق کا دل ہیں دو
تیغِ قضا کبھی ہیں طلسمِ ادا کبھی

ہر آرزوئے مردہ ہو راحت فزائے حال
ملجائیں گر ترے لبِ معجز نما کبھی

یاں بندگی سے کام ہے اے شیخ و برہمن
دیر و حرم سے ہے نہ تعلق۔ نہ تھا کبھی

آفتِ جان ہجر میں وحشت کی سرتابی رہی
دلکو بیتابی رہی آنکھوں کو بے خوابی رہی

عمر بھر حالت دلِ مضطر کی سیمابی رہی
چشمِ دریا بار گردش تیری دولابی رہی

برقِ کشتِ آرزو ہے گرمیٔ بازارِ حسن
جنسِ الفت کی ہمیشہ اس میں نایابی رہی

سالہا یادِ لبِ رنگیں میں رویا اشک خوں
مدتوں رنگت میری آنکھوں کی عنابی رہی

کب چھٹا اشکِ ندامت سے سیہ کاری کا رنگ
صاف ہوکر بھی مری فردِ عمل آبی رہی

دیوان دوم

ہر داغِ دل بنا حجرِ اسود حرم
جلنے سے مثلِ طور یہ گھر محترم ہوا

چینِ جبین دلیلِ کدورت ہو دیکھئے
خطِ غبار جوہرِ تیغِ ستم ہوا

گہ وصل کی دعا تھی کبھی شکرِ التفات
اکثر خدا کے سامنے ذکرِ صنم ہوا

ابرو کا بوسہ لینے سے اخلاص بڑھ گیا
یہ سورہ آج خنجرِ قاتل پہ دم ہوا

کر کے آئے تھے یہ ساماں مرے تڑپانے کا
نام آتے ہی لیا آپ نے گھر جانے کا

اے نقاہت وہ گئے بزم سے اب کیا ہے یہاں
تو ہی کر دے کوئی ساماں مرے اٹھوانے کا

خواہشیں مہر و محبت کی عزیزوں میں حبیب
دل نہ کیوں بندۂ احساں رہے بیگانے کا

عقل کہتی ہے نہ رکھ وادیٔ الفت میں قدم
وحشتِ دل کا تقاضا ہے کہ چل کیا ہوگا

سمجھے مانا کہ یہ وعدہ نہیں جھوٹا لیکن
تم سے پہلے اگر آجائے اجل کیا ہوگا

ہوتی رہتی ہیں خطاؤں پہ خطائیں مالک
شکر میرا اثر سے احساں کا بدل کیا ہوگا

دوئی ہیں یکدلی کا رنگ پیدا ہو نہیں سکتا
شناسا غیر کا تیرا شناسا ہو نہیں سکتا

قسم کھا کر نوشتہ مجھکو دو یہ دلکا سودا ہے
زبانی کہنے سننے پر بھروسا ہو نہیں سکتا

یہ ارمان خانہ زادِ دل ہیں تم گر محرمِ دل ہو
چھپاؤں کس طرح مالک سے پردا ہو نہیں سکتا

زمین و آسماں کا فرق ہے ادنیٰ و اعلیٰ ہیں
چمک سے ہمسرِ خورشید ذرہ ہو نہیں سکتا

رہی کچھ دن یونہی گر اپنی اپنی فکر یاروں کو
تو کوئی تا قیامت پھر کسیکا ہو نہیں سکتا

شبِ غم ہو گی رو سے شاہدِ مقصد سے نورانی
قمر سے اس اندھیرے میں اُجالا ہو نہیں سکتا

بیخودی سے انتشارِ دل بدلجاتا تو ہیں
گوہرِ مقصود ہر تارِ نفس میں کھینچتا

شاہد آزاری تھی آئینِ محبت کے خلاف
ورنہ بلبل گلکو بھی کنجِ قفس میں کھینچتا

[illegible]

نہ چھپے نہ آنکھ میں جو شے وہ دلپسند نہیں
ہر ایک طرح مقدم ہے انتخابِ نظر

بڑھے شکوہ سے نکلے گا شوقِ دید ترا
چلینگے مردمِ دیدہ بھی ہمرکابِ نظر

بنائے ذرہ کو خورشید چشمِ مہر تری
خوشا نصیب جو ہو جائے فیضیابِ نظر

ہے جو صنعتِ صانعِ حبیب حسن پرست
ترے نصیب میں زاہد نہیں ثوابِ نظر

کریگا طائرِ مضمون تو کہاں پرواز
ہے شاہبازِ خیال اپنا آسماں پرواز

حبیب صید ہے تیرا الم سے طائرِ فکر
مگر دکھاتے ہیں بازوئے خونچکاں پرواز

عدم سے جانیوالے درد کی منزل سے نکلے ہیں
رکیں مژگاں پہ کیا گھبرا کے آنسو دل سے نکلے ہیں

چھٹنے لگا تختِ دل کیا اب خیالِ یار کا دامن
یہی دو چار ٹکڑے تھے بڑی مشکل سے نکلے ہیں

اگر ہے عشق کامل مر کے بن خاکِ درِ جاناں
طریقے منزلت کے سب اسی منزل سے نکلے ہیں

نہ کیوں مژگانِ جاناں پر گماں ہو خونِ ناحق کا
ہزاروں تیر ایسے سینۂ بسمل سے نکلے ہیں

ملی کچھ روز راحت ہمکو برسوں جھیل کر زحمت
بڑی کاوش میں قطرے شہد کے چھتّے سے نکلے ہیں

چلے آتے ہیں وہ دیکھا بھی کچھ اے مردم دیدہ	یہ رونا ہے محبت کا یہ آنسو دل سے نکلے ہیں
نہیں کہتا ہے کچھ کوئی کہے کیا کسنے کیا دیکھا	ہزاروں ہو کے بیخود یار کی محفل سے نکلے ہیں
الٰہی کون آتا ہے کہ استقبال کو جس کے	نظر آنکھوں سے نکلی اور ارمان دل سے نکلے ہیں
مرے مضموں خزف ریزے نہیں ہیں جوہرِ کانی	دلوں میں گھر کرینگے یہ مقرر دل سے نکلے ہیں
نہیں معلوم ہیں الفت کے کوچے خضر کیا جانیں	یہ گلیاں دلکو آفت ہیں یہ رستے دل سے نکلے ہیں
نہ آئینگی کسیکو تا قیامت شوخیاں انکی	نظر سے آنکھ کے پردوں میں چھپکر دل سے نکلے ہیں
حبیب اس درد کے پہلو کو اہلِ درد سمجھیں گے	نہیں اشعار یہ نالے ہمارے دل سے نکلے ہیں

دیگر

غم فزا کیوں ہو نہ یادِ رفتگاں میرے لیے	مستند یوں روتا گیا ہے کارواں میرے لیے
چارہ گر اچھا ہے دردِ بے نشاں میرے لیے	گھر کا بھیدی چور ہے زخمِ نہاں میرے لیے
ہر ورق دیواں کا ہے سرچشمۂ آبِ حیات	جمع ہیں اسبابِ عمرِ جاوداں میرے لیے
سُرمہ کا دنبالہ ابرو سے کشیدہ سے بلا	میری خاطر ہیں یہ ناوک یہ کماں میرے لیے
دیکھنا شوخی اٹھا کر کہتے ہیں وہ مشتِ خاک	اِس طرح تم ہو سکو گے بے نشاں میرے لیے
خاک بر سر بادرِ گیتی رہے گی حشر تک	اشکِ خوں روئیگا برسوں آسماں میرے لیے
لُطفِ فکرِ نکتہ سنجانِ فرنگ آیا حبیب	خوب لایا میرا ضامن ارمغاں میرے لیے

حبیب

حبیب ـ محمد حبیب الرحمن نام۔ ولد محمد نیاز حسین حضرت شیخ مجدد الف ثانی کی اولاد ہیں ہیں۔ اُردو فارسی دونوں زبانوں ہیں فکر سخن کرتے ہیں اور مرزا حسین علیخاں شاداں سے مستفید ہیں۔ حسن طبیعت کی بدولت اپنے اُستاد کے شاگرد رشید ہیں۔ تذکرہ انتخاب یادگار کی ترتیب کیوقت انکی عمر چھبیس برس کی تھی اس حساب سے اس وقت ان کی عمر چھپن ستاون سال کی ہونی چاہیے۔ یہ اُنکے اشعار ہیں ❊

وصل کی شب کہتے ہیں مجھسے کہ دیکھا تمنے کچھ	شمع کے آغوش ہیں پروانہ جل کر رہ گیا
جوشِ وحشت سے وصال اپنے مقدر میں نہیں	کہ وہ مہماں ہو اگر گھر میں تو ہم گھر میں نہیں

سبب یہ جانا نہ چلے آؤ عیادت کو مری
ہو گئے کیا جو رسب ختم آسماں کے اے حبیب

کہ شبِ غم کے سوا کوئی مرے گھر میں نہیں
آج کیوں سر پہ مرے کوئی بلا آئی نہیں

حبیب

حبیب منشی حبیب الرحمٰن - ابھی آپ رامپور میں تحصیلِ علوم میں مصروف ہیں، فنِ سخن میں آپ کو حضرت امیر اللہ صاحب تسلیم سے تلمذ ہے - ۲۲ - ۲۳ سال کی عمر ہے اور یہ آپکا کلام ہے

کہتے ہیں تیر لگا کر دلِ پُر خوں سے یہی
کسکو چاہوں میں کلیجے سے لگاؤں کس کو

ہمنے تو ایک بھی قطرہ نہ لہو کا دیکھا
کہ ترے تیر کو بھی خوں کا پیاسا دیکھا

لطفِ دیدار کہاں پر دہ بیہوشی ہیں
تم نے دیکھا بھی تو کیا حضرتِ موسیٰ دیکھا

حجّام

حجّام - عنایت اللہ عرف کلو - اصل وطن تو سہارنپور تھا مگر ساری عمر دلّی میں ہی رہے - اور پیشۂ موتراشی سے بسرِ اوقات کرتے رہے شعر و سخن کا شوق تھا - اور اس فن میں میر رفیع السودا کے شاگرد تھے - مولانا فخر الدین سے ارادتِ باطن رکھتے تھے مصحفی کا قول ہے کہ اچھا شعر کہتا تھا تو اسکے خیالات بال سے زیادہ باریک ہوتے تھے اور تمام دلّی کے شعرا اُسے پسند کرتے تھے اکثر اُسکے اشعار پر شاباش ہوا کرتی تھی - مقطع میں وہ اپنے پیشے کا فخر بطور ظرافت اس طرح بیان کرتا تھا کہ سامعین کو فریفتگی پیدا ہوتی تھی - خاص و عام اُس کو پسند کرتے تھے - مولٰنا فخر الدین کی داڑھی میں منگل اور جمعہ کو خضاب لگاتا تھا - مولٰنا نے جو اُس کے پیرو مرشد تھے اُسکو دستار اور پوشاک دی تھی وہی پہنتا تھا - اس واسطے اُسکے ہم محلہ اُسکو شاہجی کہتے تھے " بہرحال تمام پرانے تذکرہ نویسوں نے شیخ عنایت اللہ کی تعریف لکھی ہے اور حقیقت میں اپنے کلام کی حیثیت سے وہ اسی قابل تھے - بقول مسٹر الیف فیلن صاحب سنہ ۹۳ء میں اُنکی عمر پینتیس ۳۵ برس کی تھی اور اُنکے تذکرے کی ترتیب سے بہت پہلے اُن کا انتقال ہو چکا تھا - یہ اشعار کا انتخاب ہے ٭

روز رخسار سے لیتا ہوں مزے خوبوں کے
جینا نظر اپنا تو ستمگر نہیں آتا

بہتر اس شغل سے حجّام ہنر کیا ہوگا
بے وصل ترے سو یہ میسّر نہیں آتا

آجکل کے خوبرو دیکھے تو ہیں یہ سکھ سپچے — ان تلک حجام ہی پہنچے نہ
خط آئینے بھی اپنی رسائی نہیں ہے واں — حجام کس طرح سے بلیں

دیکھ عاشق کی تو رسوائیاں — عشق کی لوگوں نے تشہیر

رقیبوں پر میاں پڑتا ہی تب سو گھڑے پانی — بلا حجام کو جس روز تم حجام کرتے ہو
ہے جی میں کہ اک روز میں ان آنکھوں کو پوچھوں — سمجھتے نہیں کس واسطے بیمار تمھارے
اس کا وہ مژگان کا گلہ مجھ سے عبث ہے — یہ آنکھوں پہ بوسے ہوئے ہیں خار تمھارے
اس شوخ کے کوچے میں سنجا پا کرو حجام — چھن جائینگے اک روز یہ اوزار تمھارے
آنکھوں کو اس کی شاعر سبھی غزال باندھے — پھر ایسے وحشیوں کو کسکی مجال باندھے
کل میاں حجام سب کا مونڈتے پھرتے تھے سر — آج اس کوچے میں انکی بھی حجامت ہو گئی

حرف — **حرق** - میر حسن مرزا نام - میر اشرف علی مرحوم رئیس ڈھاکہ کے نواسہ اور میر علی آشنا و غلام حیدر مجیب کے شاگرد تھے سنہ ۱۲۸۱ھ میں نساخ کے "سخن شعراء" کی ترتیب کیوقت جوان تھے - یہ انکے اشعار کا انتخاب ہے ٭

بخدا ترکِ آرزو کے سوا — دل میں گر کوئی آرزو بھی ہو
تمھیں صورت کا غرہ ہے تو یاں دلکی محبت ہے — تمھارا حسن مہنگا ہے تو کسکی جان سستی ہے
ایک بندے کی بھی جاں بخشی نہ کی — اے بتو تم سے خدائی ہو چکی

حرمان — **حرمان** - محمد میاں برادرِ کلاں علی محمد خان فرحت مراد آبادی - اس سے زیادہ حالات آپکے معلوم نہیں ہوئے - نمونۂ کلام میں تین شعر درج ذیل ہیں ٭

داغ فرقت دل پہ میرے یار جانی دے گیا — حیف وہ دلسوز اپنی یہ نشانی دے گیا
دیکھ میری الفتوں کو دوست دشمن یہ کہیں — نام الفت کاش یارب اس جہاں سے دور ہو
اے عزیزو حال پر اسکے ہے ہر دم جائے رحم — جو جدا یاروں سے ہو اور دور ہو دلدار سے

حریف — **حریف** - جناب سید محمد عبد اللہ صاحب حسینی چشتی وکیل درجۂ دوم تلمیذ حضرت داغ

دہلوی - زیادہ حالات معلوم نہیں - نمونۂ کلام درج ذیل ہے --

فردوس سمجھتے ہیں فردوس کی بہار سے ہم
کہیں نہ جائیں گے زنہار کوئے یار سے ہم

خطا نہیں ہے اگر کچھ قصور ہو جائے
بغل میں تم ہو تو باہر ہیں اختیار سے ہم

بہار آتے ہی لطف خلش گیا گزرا
مزے خزاں ہی میں لیتے تھے نوک خار سے ہم

آئی ہے ابکے سال نئے رنگ سے بہار
ہے شوق سبکشی دل پر پہینہ گار ہیں

حزیں

حزیں - میر محمد باقر صاحب دہلوی - محمد شاہی عہد کے شاعر - میرزا جانجاناں مظہر کے مرید اور شاگرد تھے - چنانچہ اُنکے دیوان میں جہاں کہیں استاد کا ذکر آتا ہے اُس سے کمال اخلاص و عقیدت کا پتہ لگتا ہے - لطف اور شوق کے تذکروں میں ان کا بہت سا کلام نظر سے گزرا - طبیعت معنی یاب اور فکر رنگیں رکھتے تھے - مصائب روزگار سے تنگ آکر بہ بنائے افسردہ خاطری ترک وطن کرکے عظیم آباد جا رہے تھے - اب دیوان مع قصائد یادگار موجود ہے جس میں سے چند غزلوں کے منتخب شعر ذیل میں درج کیے جاتے ہیں ۞

خوب سمجھا ہے مزا عشق میں رسوائی کا
معتقد دل سے ہوں اس دل کی میں دانائی کا

دلبروں میں سے لیا ڈھونڈ سجن تجھ سے کوں
میں دوانا ہوں ان آنکھوں کی شناسائی کا

جس طرح جی چاہتا ہے ہو نہیں سکتی حزیں
حضرت استاد یعنی شاہ مظہر کی ثنا

شیریں نے دی تھی دلبیں کچھ اک کوہکن کو جا
اسنے بھی جی کو دیکے حق اس کا ادا کیا

نالاں نہیں ہے جور و جفا سے تری حزیں
جو تو نے اسکے حق میں کیا سو بجا کیا

اے حزیں شکر کہ ہے صحبت ارباب جنوں
فیض سے حضرت استاد کے دیوان میرا

یہ کہہ کے باغ سے رخصت ہوئی بلبل کہ یا قسمت
لکھا تھا یوں کہ فصل گل میں چھوٹے آشیانا

جو ہیں آنکھوں کے مخمور انکو میخانے سے کیا نسبت
نگہ کے ہیں جو تشنہ انکو پیمانے سے کیا نسبت

یہ آہو رام تھے مجنوں کے سبب لیلیٰ کی خاطر سے
وگرنہ ان پہ پڑا دوں کو دیوانے سے کیا نسبت

خبر لے یا نہ لے صیاد انکو دام میں مرنا
گرفتاروں کو پھر سے آب و دانے سے کیا نسبت

ہُوا ہے تو حزیں دیوانہ اِن ٹھہری غزالوں کا
ہم گھر بار کی سُنتے ہی رہے ہیں لیکن
حزیں اِن شعلہ رُخساروں سے مت جی کو لگا ہرگز
اسیر نہیں ہوا ہے یہ دل مُبتلا عبث
وہ نگاہِ مست ہے اِس چشمِ گریاں کا علاج
دیکھنے ہیں اُسکے کب آتی ہیں ایسی صورتیں
نہیں رہنے کے خوباں تجھ سے آخر آشنا ہرگز
نہوئے باغباں بلبل کو مانعِ گُل کے ملنے سے
سزا پائی نا آخر چاہنے کی ہم نہ کہتے تھے
خوبرو شاید مزا پاتے ہیں اپنے جور سے
بیخبر ہوتے ہیں جو کہ عشق کی لذّت سیتی
کیونکہ مجکو ہو تسلّی جان! وعدے سے ترے
بُجھ گیا تھا مرگ سے مجنوں کے اُلفت کا چراغ
خجل رکھتی ہے ہمکو ناتوانی جور کے منہ سے
دل دیکر اپنا کیوں عبث افسوس اب کھاتا ہے دل
آتے ہی نو بہار دھڑکتا ہے جی کہ ہائے
غم نے لیا ہے گھیر مجھے یاں تلک کہ اب
ملنے کے دن جو اشک نکلتے ہیں کچھ نہ پوچھ
غم نے لیا ہے گھیر مجھے یاں تلک کہ اب
ہاتھ اُس کا لیکہ نازکی سے نہیں لاتا ہے تاب
فصلِ گُل آخر ہوئی کیا دیکھ ہونگے شاد ہم

تجھے صحرا سے اب کیا کام ویرانے سے کیا نسبت
ہرگز اس بات کا ہم پر نہیں ہوتا اثبات
ہوئی آخر کو پروانے کے جلنے کی لگن باعث
ناصح ٹک اُسکو دیکھ سمجھے مت ستا عبث
مے سے ہوتا ہے خمارِ مے پرستاں کا علاج
دیکھ کر تجکو نہ ہو آئینہ حیراں کس طرح
اِٹھوں پہر بھولکر اے دل نہ ہو مجھسے جدا ہرگز
نہیں رہنے کی گلشن میں بہار آخر سدا ہرگز
کہ اِن خوباں سے اے دل جی کو اپنے مت لگا ہرگز
اسقدر جو انکو ہوتی ہے ستانے کی ہوس
وہ نہیں رکھتے مزے سے زندگی کے اِطلاع
خوب رکھتا ہے مرا دل سے تیرے اطلاع
داغ نے میرے کیا روشن محبت کا چراغ
یہ تھوڑا سا لہو اُس تیر مژگاں کے نہیں لائق
جاتا رہا جب ہاتھ سے پھر ہاتھ کب آتا ہے دل
پھر شور و شر کرے گا یہ خانہ خراب دل
دیتا ہے ساتھ دینے سے مجکو جواب دل
نکلے ہے دیکھنے کو ترے ہو کے آب دل
دیتا ہے ساتھ دینے سے مجکو جواب دل
توڑتے ہیں گُل سکے جاتا ہے کچا جیسے شاخِ گُل
کچھ کریں گے اے صبا دا ہونگے نہیں آزاد ہم

زندگانی تلخ ہوجاتی ہے ہم پر کیا کریں
حسرتوں کو اپنی جب کرتے ہیں جی میں یاد ہم

کیوں نہ ہووے شاد ہم سے حضرت مجنوں کی روح
عشق کے صحرا کو رکھتے ہیں حزیں آباد ہم

کچھ نہ آخر چل سکا بس ان زبردستوں سے بنی
لیگئے یہ دل کو اور کرتے رہے فریاد ہم

اُس بے وفا کے عشق سے کچھ مجکو حس نہیں
پاؤں تلک بھی ہائے مجھے دسترس نہیں

ویراں ہوا خزاں سے چمن یاں تلک کہ اب
چاہیں کہ چل مریں تو کہیں خار و خس نہیں

کچھ کہا شاید اُس نے قاصد سے
دل پہ میرے وہ اضطراب نہیں

اِن بتوں کے دیکھنے کا جو کوئی مائل نہیں
زندگانی سے اُسنے واللہ کچھ حاصل نہیں

لطف سے سرسبز کر اپنی محبت کا چمن
خشک رہتا ہے وفا بن جان اُلفت کا چمن

قرض لیویگی صبا تیرے شہیدوں سے لہو
تب کریگی حشر میں رنگیں قیامت کا چمن

لوگ کہتے ہیں ہمیں اس دل کے سمجھانے تئیں
کیونکہ سمجھاویں کہو ہم ایسے دیوانے کے تئیں

بے طرح کرتا ہے دست اندازیاں زلفوں سے یہ
اِس طرح کیوں سر چڑھاتا ہے سجن شانے کے تئیں

نام لے اوروں کا اُس سے حال دل کا جا کہوں
اِس طرح شاید سنے وہ میرے افسانے کے تئیں

حساب ہم سے وفا کا ہمیشہ لیتے ہو
اور اپنے جور و تعدی کا کچھ شمار نہیں

بے طرح دیوانگی پر عشق میں آیا ہے دل
دیکھئے اب زندگی کا کیا مری اسلوب ہو

بے طرح ہم مبتلا پاتے ہیں خوباں کا اسے
دیکھئے اب اس دوانے دل کی کیا تدبیر ہو

کچھ محبت میں نہیں عاشق بیچاروں کا گناہ
دلکی گردن پر ہو سب ان دیکھے ماروں کا گناہ

میں چاہتا ہوں عشق چھپاؤں پہ کیا کروں
رسوا کرے ہے خلق میں یہ چشم تر مجھے

دام اُلفت کی رہائی خوش نہیں آتی مجھے
ایک دم اُس سے جدائی خوش نہیں آتی مجھے

روز باراں کیوں نہ سلئے زاہد کہوں سے کو ملال
اسقدر بھی پارسائی خوش نہیں آتی مجھے

راحت نہ دیکھے ہاتھ میں پاؤں گا ایک دم
حبیب انکنہ کہ میرے ساتھ یہ خانہ خراب ہے

وفا میری اگر جور و جفا تجکو نہ سکھلاتی
تو کیا آرام سے یہ زندگانی ہائے کٹ جاتی

مجھے کہتا ہے تیرا دل کہاں ہے؟	قیامت شوخ میرا بدگماں ہے
آئینہ خوباں کے مُنہ پر خودستائی کیا کرے	جب ضیا عارض کی دیکھے خودنمائی کیا کرے
بے طرح دل پر گراں آنے لگے ہیں جور و ظلم	دیکھئے مجھ سے تری یہ بیوفائی کیا کرے

حزیں

حزیں۔ فخرالمتاخرین شیخ علی حزیں اصفہانی فارسی کے اُن اُستاتذہ میں سے تھے جن کو مرزا غالب جیسے نازک خیال بھی مانتے تھے۔ ناظرین کو حیرت ہوگی کہ ان بزرگ کا تذکرہ اُردو شعرا میں کیسا۔ مگر نہیں گزشتہ زمانے میں اہل فن و کمال کسی وادی میں بند نہ رہتے تھے۔ اور ہر قسم کا مذاق رکھتے تھے۔ آپکی ولادت اصفہان کے ایک صاحب ثروت وجاہ خاندان میں ۱۱۰۳ھ میں ہوئی آپنے آپنے والد کی وفات کے بعد زرِ خطیر جو بزرگوں کا اندوختہ تھا لہو و لعب میں ناعاقبت اندیشی سے برباد کردیا۔ ذاکر شعرا اور نامی مرثیہ گویوں کو دُور دُور سے بلاکر ملازم رکھا اور ہر فن میں اُن سے استفادہ کیا۔ چونکہ خود جوہر قابل تھے کچھ عرصہ میں ملکہ راسخہ ہر فن میں حاصل کرلیا۔ جب تمام سرمایہ ختم ہوگیا تو فکر معاش سے تنگ آکر وطن کو خیرباد کہہ کر ہندوستان کا رُخ کیا۔ ایران اور افغانستان کے مختلف مقامات کی سیر کرتے ہوئے اوّل سندھ آئے پھر وہاں سے ملتان اور لاہور کے راستے سے دہلی وارد ہوئے۔ نادرشاہ اُنھیں ایام میں دارالخلافہ کو لُوٹ کر گیا تھا۔ عام بدنظمی اور بے اطمینانی کیوجہ سے اُنکی لیاقت اور قدر و منزلت کے مُطابق اُنکی مدارات نہ ہوئی تو مبیّت کیوجہ سے لوگ بدظن رہے تاہم اتنا ہوا کہ نواب عمدۃ الملک امیر خان نے بادشاہ کے حضور میں پیش کرکے کچھ جاگیر دلادی یہ واقعہ ۱۱۵۴ھ کا ہے۔ دلی میں ۱۲ سال قیام کے بعد آصف الدولہ کے وقت میں بنارس چلے گئے اور بقیہ عمر عیش و عشرت و کمال فارغ البالی سے بسر کی۔ مشہور ہے کہ وہ جن اُنکے تابع فرمان تھے اور جُملہ ضروریات مہیّا کردیتے تھے۔ مزاج میں نفاست اور دماغ میں بوئے امارت حد درجے کی تھی۔ علمِ موسیقی کے بڑے قدردان تھے۔ شاعری میں اپنے وقت کے صائب سمجھے جاتے تھے مرثیہ گوئی اور مرثیہ خوانی میں درجۂ کمال حاصل تھا۔ سودا اور

خان آرزو وغیرہ اِنکے ہمعصر تھے۔ سودا سے جب ملاقات ہوئی اور شیخ نے مرزا سے شعر پڑھنے کی فرمایش کی اُس وقت مرزا نے اپنا یہ شعر سنایا تھا۔ ؎

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں		تڑپے ہے مُرغ قبلہ نُما آشیانے میں

یہ شعر سُن کر شیخ نے بہت تعریف کی تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ فقرہ کہا تھا "در پوچ گویان ہند بہ نیستی"۔ شیخ نہایت بذلہ سنج اور ظریف تھے۔ اکثر ایک چھوٹی سی پلنگڑی پر بیٹھے رہتے تھے۔ اتفاق سے ایک مرتبہ کوئی معمّر سفید ریش شخص اِنکے پاس آیا۔ شیخ نے بزرگ صورت دیکھکر اپنے پاؤں جو پلنگڑی پر پھیلے ہوئے تھے سمیٹ لیئے اور اُن بزرگ سے نام پوچھا۔ وہ بیچارے اُمّی محض قوم کے جُلاہے تھے اپنے عامیانہ اور اُمیانہ لہجے میں بولے "ایِ سَفْ (یُوسف)" شیخ اِس لہجے میں نام سُنکر مسکرائے اور پاؤں پھیلاتے ہوئے یہ کہا "اگر تو ای سَف ہستی من پائے خود چرا کشیدم"۔ شیخ کی تصانیف سے ایک ضخیم کلیات موجود ہے جس میں کئی دیوان اور مثنویاں وغیرہ مع اپنی سوانح عمری کے درج ہیں۔ ایک اِن کا لکھا ہوا فارسی تذکرہ انگریزی میں بھی ترجمہ ہوا ہے سنہ۱۷۶۶ء میں انتقال کیا اور اپنے بنائے ہوئے حجرے محلّہ فاطمان میں دفن ہوئے جو آجتک زیارت گاہِ انام ہے۔ چند اشعار ریختہ درج کیئے جاتے ہیں ناظرین اِنکی زبان کا خیال نکریں کیونکہ وہ زمانہ نہ تھا یہ دیکھئے کہ خیالات کس قسم کے ہیں۔ وہو ہذا ✤

آوے نہ رشک کیونکہ مجھے برگ پاں ستی	دیگر	لیتا ہے کیا مزے وہ سجن کی زباں ستی
یوں آ پڑے قفس میں نہ پہنچے گلوں تلک		نکلے تھے کس اُمید یہ ہم آشیاں ستی
بیتا ہوں کو عشق کی کیونکر کروں میں ضبط		ہوتا نہیں ہے صبر دلِ ناتواں ستی
ہم جانتے ہیں عشق کے درد و الم کی قید		رہتے ہیں شاد اپنے ہم آہ و فغاں ستی
شب فرقت میں تیج ہی نیند عاشق کی اُچٹتی ہے		غضب کی رات ہوتی ہے بڑی مشکل سے کٹتی ہے
ہمارا حال سُنکر اور بھی غصے میں وہ آئے		بنی باتیں بگڑ جاتی جب قسمت اُلٹتی ہے

لہو روتا ہوں پھروں تیغ ابرو کے تصور میں / نئی صورت سے اپنی آجکل اوقات کٹتی ہے
دکھائے مجمع خوباں میں دلکو کیا کوئی عاشق / یہ وہ بازار ہے قیمت جہاں ہر شے کی گھٹتی ہے
فقیرانہ صدا اسنکر مری درباں سے کہتے ہیں / یہ کیوں آتا ہے در پہ کچھ یہاں خیرات بٹتی ہے
خدا کاٹے یہ دن فرقت کا ہے روز قیامت سے / میں کب سے دیکھتا ہوں رات بڑھتی ہے نہ گھٹتی ہے
زمیں کو نقش پائے یار سے رتبہ ملا ایسا / تبرک کی طرح اب خاک اُس کوچہ کی بٹتی ہے
حزیں جب میں صفائی کو گیا اُن پاس یوں بولے / نہیں ملتے ہیں ہم برسوں طبیعت جس سے ہٹتی ہے

حزیں

حزیں دہلوی۔ میر بہادر علی حزیں خلف میر نجف علی نبیرہ مستقیم الدولہ میر علی بخش خاں خوشنویس شاہی ملازم سرکار میرزا فخرو ولیعہد شاگرد نواب زین العابدین خان عارف۔ عالی خاندان اور عمائد شہر سے تھے۔ وادی شاعری کے شہسوار تھے۔ زبان میں روانی بیان میں سلاست افکار میں رسائی اور بندش میں چستی جیسی ہوتی چاہیئے موجود ہے۔ غدر کے بعد ۱۲۸۵ھ میں انتقال کیا۔ یہ آپکے کلام کا انتخاب ہے ۔

میرا احوال زبوں اُن پہ کھلے گا کیونکر / سامنے آئینگے جب وہ تو سنبھل جاؤں گا
سب ہی رونا تو خط کا ہے کو لکھا جائے گا / جو کہ لکھتے جائینگے اشکوں سے مٹتا جائیگا
اِک تماشا جان کر قاتل اگر ٹھہرا رہا / ہم بھی تڑپے جائینگے جتنا کہ تڑپا جائیگا
نہ مرے ہجر میں زہر سے تو مرینگے کس دن / سخت جاں دہر میں ہم سا کوئی کمتر ہوگا
سب ناز ہیں سب ہیں بے ہجا و بجا اُن کے / جھیلتے تہ حزیں اُن سے گریں بھی جدا ہوتا
جل جل کے آخرش تپش غم کے ہاتھ سے / اک داغ رہگیا مرے پہلو میں جائے دل
دنیا کی حسرتیں ترے گوشہ میں آگئیں ۔ / اللہ رے وسعتیں تری سلنے تنگنائے دل
سبُو منہ سے لگائینگے اب اتنا صبر ہے کسکو / کہ بھر بیٹھے خم سے شیشے میں ور شیشے سے ساغر میں
شعلہ و بسمل و سیماب کو ہم دیکھ چکے / تیرے دل سا تو حزیں ایک بھی بیتاب نہیں
رنج پہنچے جو حزیں اُن سے تو راحت سمجھو / ہے غنیمت کہ تمہیں یاد تو کر لیتے ہیں

یوں کہیے رخنہ ڈالیے اُنکے حجاب میں — آ پہنچے پردے کا حال کُھلے کیا نقاب میں

حزیں کس سے توقع ہو وفا کی — نہ ہو اُمید جب اپنی ہی جان کی

اے سوزِ عشق روز نیا داغ تا بکے — اس سے تو آگ تن میں لگا ایکبار دے

بیخودی کھو کے لیے سر پہ ہزاروں جھگڑے — توبہ مے سے ہوئے ہم تو پشیماں اُلٹے

مرتے مرتے جو اُنھیں دیکھ لیا ایک نظر — پھر جو دیکھا تو نہ دل میں کوئی حسرت پائی

اثر جو آہ میں پایا تو ہو گئی تسکیں ٭ — وہ بیقرار ہوئے آ گیا قرار مجھے

بلا سے گر نگاہوں میں ہیں سبکے — سُبک ہو کر تو ہم اُٹھے یہاں سے

دلِ گم گشتہ ہاں وقتِ مدد ہے — خجل کرنا نہ چشمِ خوں چکاں سے

حزیں **حزیں** - صاحب عالم میرزا خجستہ بخت بہادر دہلوی ۱۲۴۸ھ میں موجود تھے۔ نہایت نرم دل شیریں گفتار اور ستودہ اطوار شخص تھے۔ کبھی کبھی فکر سخن بھی کیا کرتے تھے۔ یہ اُن کے اشعار ہیں

کروں کیا وصف میں اُس شعلہ رو کے قد و قامت کا — بھبوکا ہے دھواں ہے اور ٹکڑا ہے قیامت کا

چھپا مکھڑے کو میری شوق کی آتش کو بھڑکایا — کروں میں کیا بیاں اُس شوخ کی اپنی شرارت کا

ہر اک بال اُسکی زلفوں کا ترا دشمن ہوا ہے اب — مزا ہے اے دلِ محزوں مزا ہے یہ محبت کا

حزیں کو قتل کر تو شوق سے قاتل یہ راضی ہے — نہ لے پر اپنے منہ سے ہر گھڑی تو نام رخصت کا

حزیں **حزیں** لکھنوی - نواب محمد علیخاں بہادر حزیں ابن آغا زین العابدین خان رئیس لکھنؤ شاگرد آتش مرحوم ٭ یہ چند شعر حاضر ہیں۔

کوئی اُس بُت کی خبر لاتا نہیں — اے خدا دم بھی نکل جاتا نہیں

کسقدر دلچسپ ہے ملکِ عدم — جو وہاں جاتا ہے پھر آتا نہیں

پھر لبوں پر آ رہی ہے جانِ زار — جذبۂ دل پھر اُنھیں لاتا نہیں

اُف رے ضعف و صدمۂ دردِ جگر — طائرِ جاں سے اُڑا جاتا نہیں

حزیں **حزیں** - میر علی حسین لکھنوی - صرف اتنا حال معلوم ہے کہ آتش کے شاگرد تھے اور ۱۲۸۴ھ

ہیں لکھنؤ میں زندہ و سلامت موجود تھے۔ اُس زمانے کی مطروحہ غزلوں کا انتخاب درج ذیل ہے

جوبن ڈھلا غرور وہ لے مہربان گیا
خود منتہی ہوئے تو مرا امتحاں گیا۔

گردش میں جائے امن نہ ممکن ہوئی مجھے
سر پہ یہ آسمان رہا میں جہاں گیا

پُہنچایا کھینچ کھانچ کے یاروں نے گور تک
منزل پہ کس عذاب سے میں ناتواں گیا

آتش مرے تو بوسے لئے گل اندام سے حزیں
اب بوستاں سے بلبلِ ہندوستاں گیا

یہ بوالہوس کا کام ہے سونا فراق میں
جھپکے نہ آنکھ اور دلِ پُرغم تمام شب

منزلِ گور کا کچھ دھیان نہ تھا اے منعم
آکے دنیا میں مکاں تو نے جو بنوائے بہت

ملتا ہے روز اُس پہ بھی کہتا ہے آدمی
کل کا بھی رزق دے مجھے پروردگار آج

دستِ وحشت سے جو اُلجھا دامنِ صحرا کوئی
دھجیاں اُڑ جائینگی میرے گریباں کیطرح

رُخِ مہتاب نہ ہے مہر کی تنویر پسند
دل کے آئینے کو ہے یار کی تصویر پسند

اللہ رے لاغری کہ میں بیٹھا ہوں سامنے
مقتل میں ہو رہی ہے گنہگار کی تلاش

دل کو ہمارے ظلم اُٹھانے کا ہے مزہ
رہتی ہے اک نہ ایک ستمگار کی تلاش

حزیں

حزیںؔ۔ صاحبزادہ غلام محی الدین خان حزیںؔ خلف نواب احمد یار خان امیرؔ۔ نواب رامپور کے عزیزوں میں تھے۔ حضرت امیرؔ مینائی لکھنوی نے تذکرۂ انتخاب یادگار میں جوان کا حال و کلام لکھا ہے وہ درج کیا جاتا ہے۔ شاعر خوش مذاق ہیں مضامین عاشقانہ پیدا کرنے میں طاق ہیں۔ چھبیس برس کی عمر ہے۔ اخوندزادے احمد خان مرحوم غفلت کے شاگرد نامور۔ کلام انکا مقبولِ اہلِ ہنر یہ چند شعر اُنکے درج تذکرہ ہوتے ہیں۔ جب کہ سنہ ۱۲۹۱ ہجری میں انکی عمر ۲۶ برس کی تھی تو اس وقت انکی زندگی کی کیا اُمید کی جاسکتی ہے۔ تحقیق کرنے پر بھی کوئی حال معلوم نہیں ہوا۔ یہ اُن کا کلام ہے۔

دیا جو یار نے بوسہ تو اشتیاق بڑھا
دوا سے اور بھی بیمار دردمند ہوا

ایک عالم کو میسّر ہے شب و روزِ وصال
میرا جس دن سے شبِ ہجر نے گھر دیکھ لیا

شبنم کے اشک دیکھ کے رقت ہوئی ہمیں	چٹکا جو کوئی غنچہ کہا ہم نے ہائے دل
بہار آئی چمن میں نہ آپ آئے یہاں	پھرا زمانہ نہ لیکن پھرے ہمارے دن
گنگ بہتر ہے زباں اس نالۂ شبگیر سے	ناک میں دم آگیا ہے آہ بے تاثیر سے

حزین

حزین۔ مولوی صفدر علی بیگ صاحب حزین باشندۂ الور شاگرد میرزا قادر بخش صاحب گورگانی۔ آپ ریاست الور میں مہاراجہ شیودان سنگھ کے وقت میں مدرس فارسی تھے شعرگوئی کا بھی شوق تھا۔ یہ آپ کا کلام ہے:

کہا جو میں نے کہ تم شمع بزم خوبی ہو	تو میرے حال پہ شب بھر وہ اشکبار رہے
نہ دی ادب نے ہمیں رخصت پیام وصال	ہزار بار گئے وہ ہزار بار رہے
گلہ کی جائے نہیں اپنی اپنی قسمت ہے	کہ ہم اُنسے رنج رہے اور عدو سے پیار رہے
حزیں خاک سر کوہکن سے اسکو بنائیں	شکستہ اپنا چراغ سر مزار رہے

گئی نقد بوسے کے بدلے میں جان	ہوس فائدے کی ضرر ہو گئی
خراماں ہوئے تم جدھر ناز سے	قیامت بپا اک اُدھر ہو گئی
ہوا دل سا مونس جو غم میں حزیں	شکستہ ہماری کمر ہو گئی

حزین

حزین۔ شیخ علی حزیں لکھنوی۔ شاگرد جناب اسیر لکھنوی۔ آپکے اس مشہور و معروف نام سے نامزد ہونے کی جو وجہ آپ ہی کی نگارش سے معلوم ہوئی وہ یہ ہے کہ آپ کی ولدیت سے پیشتر بعض وجوہ سے آپکے والدین چند سال کے لئے بنارس میں رہنے پر مجبور ہوئے شیخ علی حزیں اصفہانی کا مزار بھی وہیں فاطمان بنارس میں واقع ہے۔ جب آپکی والدہ حاملہ ہوئیں تو عالم رویا میں کسی بزرگ نے انھیں ہدایت فرمائی کہ جو بچہ تیرے شکم میں ہے اسکا یہی نام رکھیو جو فاطمان میں دفن ہے۔ چنانچہ بعد پیدائش آپ کا یہی نام رکھا گیا آپکے والد مرحوم و مغفور کا نام دراصل شیخ حیدر تھا۔ لیکن نواب روشن آرا بیگم نے جو خاندان شاہی شاہی سے تھیں بوجہ اپنا داماد ہونے کے آپکے والد صاحب کو بجائے شیخ کے نواب کے خطاب

سے مفتخر کیا تھا۔ آپکے بزرگوں نے دلّی سے نکل کر فیض آباد میں سکونت اختیار کی اور اٹھارہ سال وہاں رہکر پھر لکھنؤ چلے گئے۔ اُس وقت سے تا حال وہیں بود و باش ہے۔ آپکی علم عربی کی تحصیل سدرہ تک ہے۔ جب آپ فیض آباد میں تھے تو پندرہ سال کی عمر تک آپنے میزان اور فصولِ اکبری جناب مولانا قاری سیّد امیر علیخاں صاحب اور مولانا حکیم محمد مرزا صاحب سے پڑھیں اسکے بعد جب لکھنؤ پہنچے تو علم نحو عربی کتب درسی شرح جامی تک جناب مرحمت الدولہ سیّد غضنفر علیخاں صاحب حکیم سے پڑھیں۔ اور فارسی حضرت تدبیر الدولہ مدبر الملک سیّد مظفر علیخاں صاحب اسیر سے پڑھی۔ اور فنّ شعر بھی انھیں سے حاصل کیا۔ اُستاد موصوف کی خدمت میں آپ ۲۵ سال تک رہے بلکہ تا زیست جُدا نہ ہوئے۔ منجملہ کلام ایک دیوان غزلوں کا اور ایک سلاموں کا مرتب ہے جو ابھی تک طبع نہیں ہوئے ہیں۔ سفر بھی آپنے ہندوستان کے اضلاع مشرقی و مغربی میں بہت کچھ کیا ہے۔ ملک کے عجائبات اچھی طرح دیکھے بھالے ہیں۔ اِس وقت آپکی عمر تقریباً ساٹھ سال کی ہے شعر گوئی میں اچھی مہارت حاصل ہے کلام میں متانت اور صفائی دونوں چیزیں موجود ہیں۔ جو دو تین غزلیں ہمیں شفیقی مسٹر حامد علیخاں بیرسٹر کی معرفت ملیں اُن کا انتخاب درج ذیل کیا جاتا ہے ٭

تمھارے بام پہ چڑھ جاتے ناتوانی میں ۔۔۔ ہماری آہ اگر ہوتی نردباں کی طرح

اُس تیغ سے بچے کوئی کیا قتل گاہ میں ۔۔۔ رکھتے ہیں سب کو دیدۂ جوہر نگاہ میں

کیونکر نظر پڑے تنِ خاکی میں شکل روح ۔۔۔ صورت سوار کی ہے نہاں گردِ راہ میں

آنکھوں سے دیکھو آئینے میں خطِ سبز کو ۔۔۔ چھوڑو کبھی تو آہوؤں کو اِس گیاہ میں

رہیں پردے میں بھی نیچی نگاہیں ۔۔۔ حیا کہتی ہے چشمِ سرمگیں سے

نگاہِ یار سے بچنے کی راہ مشکل ہے ۔۔۔ یہ تیغ وہ ہے کہ جس سے پناہ مشکل ہے

ہجومِ غم ہے یہاں تک کہ آہ مشکل ہے ۔۔۔ یہ بھیڑ چار طرف ہے کہ راہ مشکل ہے

حیا نے اُن کو بٹھایا ہے ایسے پردے میں ۔۔۔ کہ دیکھنا ہمیں اب اک نگاہ مشکل ہے

یہ حال اب تو ہے شوخی و بد مزاجی کا
کہ چار دن بھی اب اُن سے نباہ مشکل ہے

نجائیگا مرے دل سے خیالِ خط اُن کا
کہ کہربا سے چھُٹے بل کے کاہ مشکل ہے

یہی ہے نالۂ ناقوس کا جہاں میں شور
فروغِ اشہد ان لا الٰہ مشکل ہے

دکھاؤ غیر کو دنداں نہ تم ہنسی ہی کر
اسے تمیزِ سفید و سیاہ مشکل ہے

صراطِ حشر سے باریک تر ہے کوچۂ عشق
سمجھ سمجھ کے قدم رکھیو یہ راہ مشکل ہے

ملا سکے کوئی کیا آفتاب سے آنکھیں
تمہارے چہرے پہ ٹھیرے نگاہ مشکل ہے

کہاں اُمید کہ وہ خود مجھے سلام کریں
جھکے گدا سے سرِ بادشاہ مشکل ہے

سرِ مزار یہ مصرع ہو اے حزیں کندہ
کسی سے اُس سے ہے آساں نباہ مشکل ہے

دیگر

نہیں معلوم یہ کیسی ہنسی تھی زخم بسمل کی
لہو ہر دیدۂ جوہر سے روئی تیغ قاتل کی

سفر میں راہ کٹ جاتی ہے آسانی سے مشکل کی
مسافر کو جو راحت یاد آجاتی ہے منزل کی

ترے در پہ چراغِ داغِ دل کسنے جلایا ہے
ہوئی ہے روشنی پروانہ اُس پر داغِ کامل کی

خیالِ یار جانے پر جو ہو جاتا ہے آمادہ
لپٹ کر روک لیتی ہیں تمنائیں مری دل کی

زمیں پر ذکر کیا ہے آسماں پر ہر جگہ پھیلی
ترے آنے سے رونق بڑھ گئی اس درجہ محفل کی

سمجھتا ہے وہ رشکِ عید گہ میدانِ مقتل کو
گلے جھک جھک کے جس سے ملتی ہو شمشیر قاتل کی

ہوا ہے نور خط سے حسنِ رخ شامِ جوانی میں
سحر ہونے نپائی ہو گئی گل شمعِ محفل کی

اُٹھے دنیا سے رفتہ رفتہ کیا کیا ہمنشیں میرے
پریشانی بڑھی گھٹنے سے جمعیت کے محفل کی

پھڑکنے کا جس گھڑی ہوگی قیامت کیا قیامت پر
بھری ہے صور میں آواز میرے نالۂ دل کی

نظیر اُس کا نہیں ہے بعد احمد کے خدائی میں
کہ جسنے ہر بشر کی اے حزیں آسان مشکل کی

دیگر

مری زباں سے بھی پھول جھڑتے ہیں شمع محفل بھی گلفشاں ہے
روش روش پر جو پھول ہنستے ہیں انہیں کیا شاخِ زعفراں ہے

تمام ذرے بنے ہیں انجم جو جادہ ہے رشکِ کہکشاں ہے
زمیں پہ رکھا ہی پاؤں کسنے کہ سر بلندی سے آسماں ہے

صفِ نعال اپنی جا ہی لیکن ذلیل بھی ہیں جلیل بھی ہیں
اُدھر سے دیکھو تو صدر سمجھو ادھر سے دیکھو تو آستاں ہے

جو کیں تصور میں بند آنکھیں تو سیر ساتوں فلک کی دیکھی
اگرچہ زانو پہ سر ہے لیکن نظر ہماری کہاں کہاں ہے

ہی بزم کثرت کی ایک صورت نہیں ہے تجکو نگاہِ وحدت
کہاں نہیں ہے وہ ماہ طلعت نہ پوچھ مجھسے کہ وہ کہاں ہے

حزیں ہے تا بید ربّ قادر کہ ہو نہیں شاہِ نجف کا زائر
ہوا یہ پیری میں مجکو ظاہر کہ بخت میرا ابھی جواں ہے

حسام — حسام — چودھری حسام الدین ولد چودھری سعادت علی باشندہ سلیم پور پرگنہ گوسائیں گنج توابع لکھنؤ۔ کرامت علیخاں فسرخ کے شاگرد اور صاحب دیوان فارسی و ریختہ تھے ۱۲۷۵ھ سے قبل کربلا جاتے ہوئے راہی عالم بقا ہوئے یہ چند اشعار اُنکے ہیں ؛

وہ لال لال ہیں عنّاب لب ترے اے گل
کہ جنکو دیکھ کے کھٹّے ہوئے ہمارے دانت

تبسکل آئینہ دیکھے تو مُنہ اسمیں نظر آئے
صفا رکھتا ہے وہ یہ غیرتِ مہتاب ناخن پر

شب کو دریا میں جو عکس اُسکے کفِ پا کا پڑے
ہوں حباب بحر جوں فانوس روشن آب میں

حسام — حسام ـ نواب حسام الدولہ حافظ الملک محمد تقی علیخان بہادر شمشیر جنگ مرحوم ملقب بہ نواب مہدی علیخان متخلص بہ حسام شاگرد شیخ امان علی سحر۔ آپ حضرت محمد علیشاہ بادشاہ اودھ کے خویش اور حضرت واجد علیشاہ کے خاص مقرب و معتمد تھے۔ بعد انتزاعِ سلطنت جب واجد علیشاہ کلکتے جانے لگے تو محلات شاہی جواہر خانہ اور دیگر کارخانجات سلطانی کا آپ ہی کو منتظم کر گئے تھے۔ موزونی طبع سے کبھی کبھی شعر و سخن کی طرف بھی متوجہ ہو جاتے تھے۔ کلام یہ ہے۔

رات بھر تارے گنے چاند بھی عاشق ہو کر
تم دکھا دو جو تہِ زلفِ پریشان عارض

عارضی حُسن پر اتنا نہیں لازم ہے غرور
ہوں اگر چاند سے اے ماہ دو چنداں عارض

بیحجابی میں بھی پردہ ہی رہا عاشق سے
رقص میں بھی نظر آئے تہِ داماں عارض

رنگِ عذار یار کبھی ہے کبھی نہیں
دو دن کی ہے بہار کبھی ہے کبھی نہیں

دنیا دو رنگ ہے کبھی غم ہے کبھی خوشی
اِس باغ کی بہار کبھی ہے کبھی نہیں

اتنا گھمنڈ دولتِ حسن دو روزہ پہ
کیا زر کا اعتبار کبھی ہے کبھی نہیں

ہر دم نہ آزمایا کرو تیغِ ناز کو
محفل میں جاں نثار کبھی ہے کبھی نہیں

شب کو ہمیشہ وصل ہے دن کو سدا فراق	پہلو میں اپنے یار کبھی ہے کبھی نہیں

حسام

حسام - خواجہ حسام الدین حسام لکھنوی کاتب اخبار دار السلطنت کلکتہ فضل احمد کیف اور سید محمود سجاد کے شاگرد ہیں۔ کلام اُن کا یہ ہے۔

اللہ رے اضطراب کہ کوسوں پتا نہیں	ہوش و حواس و صبر و شکیب و قرار کا
اے حسام اب آپکا وہ زہد و تقوی کیا ہُوا	ایک کلمے میں وہ بُت بندہ بنا کر لے چلا
تم لاکھ چاہو دل سے بُھلا دو مجھے مگر	جاتا ہے میرے دل سے تمہارا خیال کب
تُو بھی کسی معشوق کی صحبت میں رہا ہے	اے چرخ جو یہ ظلم کی عادت نہیں جاتی
بعد مُردن بھی نہ کی ترکِ رفاقت میری	میری تربت سے لگی بیٹھی ہے حسرت میری

حسام

حسام منشی حسام الدین باشندۂ کاکوری۔ صرف یہ معلوم ہوا ہے کہ جناب امیر مینائی سے تلمذ تھا۔ یہ چند شعر انکے ہیں۔

کچھ کچھ تو کمی درد جگر میں ہے دم نزع	آتا ہے نظر دستِ شفا دستِ قضا میں

کسی شمع تجلّی کے اثر سے	لگی ہے آگ اک دل تک جگر سے
مرے دلکو لیئے جاتا ہے کوئی	بچالے درد ہی اُٹھکر جگر سے
الٰہی خیر ہو یہ درد کم بخت	بڑھا اب دلکی جانب بھی جگر سے
دم آخر حسام اُن کا یہ کہنا	کہو پلٹو گے کبتک اِس سفر سے

حسامی - مرزا حسام الدین حیدر دہلوی خلف مرزا آفاقی۔ انکے بزرگ کسی زمانے میں صاحب اقتدار تھے مگر یہ خود گردش زمانہ کے باعث بے علم رہے۔ بچپن سے فکر معیشت نے سر اٹھانے نہ دیا داستان گوئی اور چلا کاری کو وسیلۂ معاش ٹھیرایا تھا۔ موزونی طبع کے باعث کبھی کبھی شعر گوئی کا اتفاق ہو جاتا تھا۔ خدا بخش خان تنویر سے اصلاح لیتے تھے علم موسیقی میں بھی کچھ دخل تھا چونکہ اکثر اپنا ہی کلام گایا کرتے تھے اکثر غزلیں اُنکی زبان زدِ خاص وعام ہو گئیں۔ ۱۳۲۰ھ ہجری میں بقید حیات تھے اور اُسوقت ۵۲ برس کی عمر تھی یہ اُنکا کلام ہے۔

یارب ہمارے کام تو سارے سنوار دے
تیرے سوا ہے کون جو دلکو قرار دے
ظالم نے ایسے۔ تخت کو برباد کر دیا
یاں موسم خزاں ہے تو جلدی بہار دے
لوٹی گئی ہے اس طرح مخلوق ہند کی
دھمکا کے تیغ سے کہا سب تار تار دے

دیگر

کیا تم سے کہوں لطف ہے جو عشق یار میں
پر اتنی بُرائی ہے کہ آرام نہیں ہے
مرجائینگے گھٹ گھٹ کے یونہیں ہجر میں تیرے
رسوائے جہاں کرنا مرا کام نہیں ہے
کر ذبح مجھے شوق سے اے کافر بدکیش
تڑپوں تہِ خنجر یہ مرا کام نہیں ہے

دیگر

اک لحظہ چین دل کو نہ اک دم قرار ہے
کیا جانے تیغ کسکی لگی کس کا وار ہے
نکل جائے کہیں یہ جان تن سے
چھُٹوں فرقت کے ہیں رنج و محن سے

گئی یک بیک جو ہوا پلٹ نہیں دلکو اپنے قرار ہے
کروں غم ستم کا میں کیا بیاں مرا غم سے سینہ فگار ہے
وہ دیے شہرِ دہلی یہ تھا چمن کہ تھا سب طرحکا یہاں امن
وہ خطاب اسکا تو ہٹ گیا فقط انتو اُجڑا دیار ہے
یہ رعایا ہند تباہ ہوئی کہوں کیا کیا اُنپہ جفا ہوئی
جسے دیکھا حاکم وقت نے کہا یہ تو قابلِ دار ہے
شب و روز پھولوں میں جو تُلیں وہ یوں خار غم سے فگار ہوں
ملے طوق قید میں جب انھیں کہیں ہر گل کے یہ ہار ہے
جو سلوک اوروں سے کرتے تھے وہی اب ہیں کرتے تجھے ذلیل و خوار
وہ ہیں تنگ چرخ کے جور سے رہا اُن پہ اُٹھکے نہ تار ہے
یہ زمانہ ہے وہ بُرا فلک چلو بچ کے سب سے الگ الگ
نہ رفیق کوئی کسی کا یاں کسی کا کوئی بھی یار ہے
کیا حسان ڈر تجھے حشر کا جو خدا رکھے تجھے برملا
تجھے ہے وسیلہ رسول کا وہی تیرا حامی کار ہے

حسان ۔ حسان حکیم عبد الحق حسان۔ اسحٰق پٹن صوبہ مدراس کے رہنے والے اور منشی احمد حسین شوکت کے معتقد ہیں۔ حالات باوجود کوشش دستیاب نہ ہو سکے اِنکے کلام بہم رسیدہ کا انتخاب حاضر ہے۔

ہمکو پلا دے وہ مئے وحدت تو ساقیا
غم دو جہاں کا خاتم دل کا نگین ہو
پیشہ وفا کا کرنا ہے کیوں واعظا اختیار
خائن یہ باطن اور بظاہر امین ہو

خدائی کے نظر آتے ہیں جلوے دیکھ لے آکر
تماشا خانۂ دل تیرے نظارے کے قابل ہے
اسے دل تمام رات تڑپتا ہے درد میں
پہلی ہی شب ہے اور تجھے اضطراب ہے

طلسم آرا حسن ہے اور روشان عشق ہے
حُسن کی یہ جان ہے اور وہ روان عشق ہے

جگر کے داغ ہرے ہوں جو موسمِ گل ہیں
ہیں ارمغاں انھیں لیجاؤں باغباں کے لیئے

حسرت (حاشیہ)

حسرت - میر محمد حیات حسرت ملقب بہ ہیبت قلیخان - انکے والد نواب شوکت جنگ خلف نواب صولت جنگ صوبہ دار پورنیہ بنگال کی رفاقت میں کچھ دن رہے - پھر نواب سراج الدولہ کی سرکار میں داروغگی کی خدمت پر مقرر ہوئے - خود حسرت سنہ ۱۱۹۰ھ میں نواب مبارک الدولہ میر مبارک علیخان صوبۂ بنگال کے ہاں افسروں میں تھے عظیم آباد کے رہنے والے - اور میرزا جانجاناں مظہر کے شاگرد تھے - انکی بدیہہ گوئی - حاضر جوابی - ظرافت اور دقیقہ رسی کا افسانہ فقط تذکروں ہی کے ذریعے سے اب تک باقی ہے شعر صاف اور پاکیزہ کہتے تھے لطف محاورہ کا بہت خیال رکھتے تھے - معاملہ بندی میں روزمرّہ کا برتاؤ اُنکے مذاقِ سلیم کا شاہد ہے اُنکے بعض اشعار ایسے بھی ہیں کہ جو زبانوں پر چڑھے ہوئے ہیں مگر یہ کوئی نہیں جانتا کہ کس شاعر کے ہیں سنہ ۱۲۱۰ھ میں انتقال ہوا - فیلن صاحب لکھتے ہیں کہ دیوان اُردو کے علاوہ ایک قصّہ طوطی نامہ بھی انکی تصنیف سے تھا - ذیل کی چند غزلوں کے منتخب اشعار اُن کے دیوان سے نقل کیئے جاتے ہیں ٭

سیر رکھتا ہے ہمارا شیوۂ دیوانگی
کس ساعت بہ قیدِ قفس میں وہ پڑی تھی
حسرت اُسے بے برگ میں کن آنکھوں سے دیکھوں

عشق نے داغِ جنوں سے ہمکو گلدستہ کیا
بلبل کو نہ پھر ہم نے گلستاں میں دیکھا
جس باغ کو جوشِ گل و ریحان میں دیکھا

نجانوں کرے کیا حنا کا لگانا
چھپاؤں اشک گلگوں کس طرح ہائے
ہم سے وحشت اِسے کیا کہتے ہیں
لی اُٹھا چشمِ مروّت ہم سے
اُسکے دل میں کبھی تاثیر نکی

لہو پانی کرتا ہے یہ پان کھانا
گریباں ہو رہا ہے جابجا سُرخ
سب سے اُلفت اِسے کیا کہتے ہیں
بے مروّت اِسے کیا کہتے ہیں
اسے محبت اِسے کیا کہتے ہیں

بے سبب صاف دلوں سے صاحب
اتنی کلفت اِسے کیا کہتے ہیں

اتنا بھی عشق میں رُسوا ہونا
کہہ تو حسرت اِسے کیا کہتے ہیں

زلف و رخِ یار دیکھتا ہوں
کیا لیل و نہار دیکھتا ہوں

ہم نہوں تو ہو تو سب چرچا کریں
شمع ہے محفل میں پروانہ نہیں

مر گئے انتظار کے ہاتھوں
کب کہیں اپنے یار کے ہاتھوں

سدا بارش میں رہتی ہے ہماری چشم تر ساون
تو اِک دو دن برس کر ہمسے آ سکتا ہو برساون

سُنا ہے آج میخانہ میں جام مے پرستوں نے
لُٹا یا دین و دنیا دونوں تہمت اسکو کہتے ہیں

ہم دوانوں کے نہیں عشق میں گھر سب جلتے ہیں
اِس محبت میں پرندوں کے بھی پر جلتے ہیں

اُڑا دے اے دوانے شورشِ سودا سے سقفِ کو
بہار آئی تو کیدھر دیکھتا ہے پھونک دے گھر کو

زاہد جو نہیں ہے مرے دل سے آگاہ
کہتا ہو کہ کافر ہے تو اے رُوسیاہ ق

ہوں جسکی پرستش میں کہوں کیا یارو
آتا ہے وہ بُت دیکھیو اللہ اللہ

میخانے میں کیا بھرے ہے مٹکی مٹکی
زاہد و واعظ سے دُور بھٹکی بھٹکی ق

قاضی سے ڈرے نہ محتسب سے ہرگز
یہ دختر رز ہے جس سے اٹکی اٹکی

ترا غرور مرے عجز کے مقابل ہے
اُدھر پہاڑ اِدھر ایک شیشۂ دل ہے

یہ گل ہزار اپنے جامے میں پھول بیٹھے
دیسے کھلے نہ دیکھے بندِ قبا کسو کے

جُدائی کی ہوا دہکا گئی ہے آگ سینے کی
لگے اُڑنے بھبھو کے آہ کے کیا طرح جینے کی

عشق میں یار گر وفا نہ کرے
کیا کرے کوئی اور کیا نہ کرے

کسو دشمن کا آشنا بھی خدا
تجھسا بیگانہ آشنا نہ کرے

چاہے سو ہمیں کر تو گنہگار ہیں تیرے
نقد بدبختی اپنی کہ گرفتار ہیں تیرے

عشق میں خواب کا خیال کسے
نہ لگی آنکھ جب سے آنکھ لگی

جتنے خوش چشم ہیں زمانے میں
رہتی ہے سب سے میری آنکھ لگی

ہے خبر آنیکی یاں کون سے دیوانے کی	کچھ ہوا آج جنوں خیز ہے ویرانے کی
تو ہی اے ذوقِ ستم سلسلہ جنباں ہو کبھی	یوں تو ظالم کو مری یاد نہیں آنے کی

حسرت

حسرت - میرزا جعفر علی نام حسرت تخلص باشندہ دہلی - والد انکے میرزا ابو الخیر دہلی میں عطاری کا پیشہ کرتے تھے - اور میرزا حسرت کا بھی اوائل شباب میں یہی پیشہ تھا - دوکان انکی دلی میں اکبری دروازے کے قریب تھی - تعلیم و تربیت بھی انکی یہی ہوئی - مگر پھر دلی سے نکلکر لکھنؤ میں مستقل قیام اختیار کیا تھا - اور عطاری کا پیشہ ترک کرکے مرزا جہاندار شاہ کی رفاقت میں رہنے لگے تھے - آخر عمر میں یہ سلسلہ بھی چھوڑ دیا اور گوشہ نشینی اختیار کرلی - چنانچہ اسی عزلت گزینی اور اطمینان کی حالت میں سنہ ۱۲۱۱ ہجری میں انتقال کیا +

انکا سلسلہ شاعری رائے سرب سنگھ دیوانہ سے شروع ہوتا ہے - یہ بزرگوار اگرچہ ہندی نژاد تھے لیکن اپنی فطری مناسبت اور خداداد قابلیت کی وجہ سے فارسی زبان پر بہت اچھی طرح قادر تھے اور مذاقِ سلیم رکھتے تھے - ان کے زمانے میں اکثر شعرائے لکھنو انھیں سے فنِ شاعری میں فیضیاب سخن ہوئے - چنانچہ حسرت بھی انھیں کے شاگرد تھے اور ایسے شاگرد تھے کہ خود بھی استاد مانے گئے اور انکے بھی بیسیوں شاگرد تھے جن میں شیخ قلندر بخش جرأت انکے شاگرد ایسے مشہور نامور اور صاحبِ دیوان شاعر گزرے ہیں کہ جن پر استاد کو بھی فخر تھا - حسرت کے تذکرے میں یہ بات نہایت دلچسپ اور عجیب ہے کہ انکے فیضانِ سخن کی ابتدا تو مغرب یعنی دلی سے ہوئی اور انتہا مشرق یعنی بنگال و بہار میں - جسکو بالتفصیل یوں کہنا چاہیئے کہ انکے شاگرد رشید جرأت کے رنگ نے تو دلی کی آب وہوا میں پختہ ہوکر لکھنؤ پر اپنا اثر ڈالا اور شاگردانِ جرأت میں سے میاں مجبور صاحب نورتن نے اسکو پوری آب وتاب کے ساتھ چمکایا - رافت کے کلام میں بھی دلی اور لکھنؤ کے ساتھ ساتھ بہار و بنگال کا کچھ اثر پایا جاتا ہے - انکے بعد ضیغم وحشت - نساخ - اور شاگردانِ نساخ ان سب کی نشو ونما بھی مشرق ہی میں ہوئی - اور ان کی شاعری بھی وہیں کی شاعری قرار پائی +

حسرت کے شاگردوں میں شہرت اور قابلیت کے لحاظ سے سب سے اول نمبر تو حضرت جرأت کا ہے اُن کے بعد شاہ قدرت اللہ قدرت۔ نواب محبت خان محبت۔ شہباز جنگ اور خواجہ حسن حسن لکھنوی وغیرہ کا نمبر ہے۔ یہ لوگ صاحبِ دیوان اور مسلّم الثبوت استاد گزرے ہیں۔ حسرت کی تصنیفات میں اُردو کلیات کے سوا اور کوئی کتاب یا تذکرہ مشہور نہیں ہے۔ اِس کلیات میں۔ ساقی نامہ مثنوی۔ واسوخت۔ ترجیع بند۔ ترکیب بند مسدس۔ مخمسات۔ قصائد۔ اور رباعیات غرض اصنافِ سخن کے جملہ نمونے پائے جاتے ہیں۔ اِن کے علاوہ اُسی میں دو دیوان غزلوں کے بھی موجود ہیں۔ اُن کا قلمی دیوان راقم کے کتبخانے میں موجود ہے۔ ابھی کچھ عرصہ ہوا حسرت موہانی نے اُن کا انتخابِ کلام بھی شائع کیا ہے۔ شمس العلماء مولوی محمد حسین صاحب آزاد صاحب آبحیات نے دیوان حسرت کے متعلق تحریر فرمایا ہے کہ "اس میں پھیکے شربت کا مزہ آتا ہے" مگر راقم الحروف کے نزدیک مولانا کا یہ قول قابل تسلیم نہیں ہے۔ غالباً اُنکی نظر سے صرف اُن کا دیوان دوم گزرا ہے۔ اور اُسی پر اُنھوں نے مذکور الصدر رائے قائم کی ہے جو ایک حد تک صحیح ہے۔ اگر پورا کلیات اُنکے سامنے ہوتا تو یقیناً وہ حسرت کے لیئے اس سے بہتر رائے قائم کرتے کیونکہ فی الواقع اُس میں اکثر جگہ بہت کچھ نمکینی اور چاشنی موجود ہے۔ یہ امر مسلّم ہے کہ کسی عمدہ سے عمدہ کہنے والیکا بھی تمام کلام یکرنگ ہونا بہت مشکل بلکہ ناممکن ہے۔

حسرت کا کلام اکثر شعرائے متقدمین کی مانند تصنع اور ناگوار رعایتِ لفظی سے پاک ہے درد اور سادگیِ خیال کی بنیاد پر فی الجملہ میر کے کلام سے مشابہ ہے۔ اگرچہ ترکیبوں کی موزونیت اور الفاظ کی پختگی میں میر تقی کا رتبہ بہت بلند ہے۔

میرزا حسرت کا خاص انداز یہ ہے کہ غزل کو اکثر قطعہ پر ختم کرتے ہیں اور مضمون مسلسل کے اسقدر گرویدہ معلوم ہوتے ہیں کہ بعض غزلوں میں مطلع سے مقطع تک ایک ہی مضمون ہوتا ہے یہ خصوصیت اِن سے گزر کر جرأت اور شاگردانِ جرأت میں بھی پائی جاتی ہے۔ جو بلا شبہہ

قابلِ تقلید ہے۔ حسرت اردو شاعری کے علاوہ فارسی زبان میں بھی کامل دستگاہ رکھتے تھے اور مرزا فاخر مکین سے فارسی میں اصلاح لیا کرتے تھے۔ اب اُنکے کلام کا انتخاب ملاحظہ ہو

زیست میں بادہ کشئ حسن پرستی سے مزا
اس سوا جس نے کیا کام سو بیہودہ کیا

دل تو میرا ہو گیا آشفتہ اُسکی زلف کا
تیرے کیوں مو ہیں پریشان تجکو سنبل کیا ہوا

لا بانہ کوئی چراغ و گل یاں
بیکس ہی رہا مزار اپنا

کی دل نے بھی آہ بے وفائی
کوئی نہیں غمگسار اپنا

کیا سے تھی وہ چشم مست ساقی
ٹوٹا نہ کبھی خمار اپنا

تو آنے کو یاں کے دن گنے ہے
ہم کرتے ہیں دم شمار اپنا

تیرا تو نہ اعتبار کیجیے
جب ہو سکے کچھ اعتبار اپنا

صبحدم نالے سحر کے جتنے تھے خالی گئے
اے دعا ئے نیم شب تیرے اثر کو کیا ہوا

ایک سے اک اس زمانہ میں ہے اس سے خوب تر
کوئی خوش آتا نہیں میری نظر کو کیا ہوا

مجھے ٹک سانس بھی یہ درد و غم لینے نہیں دیتا
عجب کچھ درد یہ دل میں ہے کہ دم لینے نہیں دیتا

اجل سو بار آئی رنج میرا دور کرنے کو
وہ لے احساں مجھے تیرا کرم لینے نہیں دیتا

تمنا خاک کو میری قدمبوسی کی ہے لیکن
چلے ہے بچکے وہ ظالم قدم لینے نہیں دیتا

پھر اُدھر قتل کو آنکھوں سے اشارہ نہ کیا
نیم بسمل ہی رکھا کام ہمارا نہ کیا

بوسۂ لب دل بیمار کی قسمت نہ ہوا
درد کا میرے مسیحا نے بھی چارہ نہ کیا

دیکھ لیتا کوئی دم میں بھی تجھے بھر کے نگاہ
سامنے ہونیکا پر دل ہی نے یارا نہ کیا

اے دل اگر تڑپنا تیرا یہی رہے گا
کاہے کو تو بچے گا کاہے کو جی رہیگا

رہنے دے سے کو ساقی ہم تو چلے یہاں سے
قسمت میں جسکی ہوگا سو جام پی رہیگا

ایک نے بھی نہ کی وفا ہم سے
ہم نے کتنوں سے دل لگا دیکھا

یار رہتے تو کہیں بار رہے غم میں
ہمنے دنیا میں آ کے کیا دیکھا

بھولتا ہی نہیں وہ دل سے اُسے ہم نے سو سو طرح بھلا دیکھا

بہاریں ہمکو بھولیں یاد ہے اِتنا کہ گلشن میں گریباں چاک کرنے کا بھی اک ہنگام آیا تھا
نہیں معلوم کیا تھا جو سحر تک شمع رویا کی کچھ اپنا حال پروانہ سُنانے شام آیا تھا
اجل منت تری کیا ہے وہ ابرو جب سے دیکھے اُسی دم سے ہمیں تو مرگ کا پیغام آیا تھا
وفا سمجھا تھا ہیں پر دل کو لیتے ہی نہ وہ ٹھہرا جو دیکھا تو غرض کو اپنی وہ خود کام آیا تھا

مطلب نہیں ہے شکوہ اِن بیمروتوں کا حسرت مجھے ہے رونا اِس دلکی حسرتوں کا
ہر اشک ہو وہ قاصد ہے جسکے پاس دفتر تیری شکایتوں کا میری حکایتوں کا

گیا دل سو گیا رونے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا اگر رو رو کے جی کھوویں تو پیدا دل نہیں ہوتا
کسکی نگہ کا تیر لگا آہ کیا ہوا تڑپے ہے دل مرا اسے اللہ کیا ہوا

جگر کو چاک قاتل دیکھتا تھا جو میں پوچھا کہا دل دیکھتا تھا
جوں لالہ بہار کر رہا ہے پر سینۂ داغدار اپنا

کاشکے عشق چھپتا تا نہیں اُسکو حسرت میری صورت سے وہ بیزار ہوا کچھ نہ ہوا
بچا تجکو مریضِ عشق سے ملنا حذر آیا کہ آئینے میں شکل اپنی جو دیکھی مجکو ڈر آیا
رقیبوں کے حوالے کر کے خط کو نامہ بر آیا عزیزوں کیا کہوں قاصد تو میرا کام کر آیا
نامہ بر دل سے نہیں بہتر کوئی پہنچ سکے اُسکو بھی بھیجا نہیں نے بدگمانی کے سبب
کیا مجال اسکی کہاں تو اور کہاں میرا غبار لگ چلا دامن سے تیری مہربانی کے سبب
اب نہ لب تو وا کرا سے خندۂ زخمِ جگر چرخ دیگا لاکھ غم اِس شادمانی کے سبب
پتنگے شمع کے صدقے ہوں بلبلیں گل پر کوئی کسی کے فدا ہو میں ہوں فدائے حبیب
بہشت کی مجھے ترغیب تو نہ دے واعظ کسی کی مجکو تمنا نہیں سوائے حبیب

کسی دشمن کو بھی نصیب نہ ہو جیسی تجھ بن کٹی ہماری رات

سینے خنجر یار مرے سینے پہ آیا ہے دین و دنیا کی نہیں مجکو خبر آج کی رات

قطعہ

گر بے وفا ہے قتل ہی کرنے کو آ یہاں
اور باوفا جو ہو تو برائے خدا پہنچ

گر مجھ سے کچھ غرض ہے تو مطلب کو اپنے آ
اور کچھ نہ کام ہووے تو بے مدعا پہنچ

گر بے خطا ہوں میں تو مجھے آکے وصل دے
اور ہو گناہ میرا تو دینے سزا پہنچ

القصہ اب نہیں ہے ذرا تاب انتظار
جس طور جانے پاس تو حسرت کے آ پہنچ

دیکھی نہ ایسی جنگ نہ میں زینہار صلح
سو بار دن میں لڑتے ہو اور سو ہی بار صلح

کہتا ہے تو ملوں گا نہ اس سے پر آج کل
حسرت کرے گا آپ سے بے اختیار صلح

فانوس میں شمع ہے کہاں ایسی خوشنما
جو پیرہن میں دیتا ہے اس کا بدن بہار

مجنوں ترے ہی پاؤں کے ٹوٹے ہیں آبلے
ہر نوک خار سرخ ہے دیتا ہے بن بہار

روز ازل سے حسن کی جلوہ گری ہے تا ہنوز
ہم بھی تبھی سے محو ہیں بے خبری ہے تا ہنوز

میکدے میں نگاہ نے تیری عجب فسوں کیا
شیشوں میں سنتے ہیں ہر طرف قلقل ہی ہوتا ہنوز

بوئے یوسف مگر آئی نہیں کنعاں میں ہنوز
کر چکا باد خوشبو سے ہے اس کو لگتا نہیں ہنوز

قتل کا تو نے جو حسرت کے کیا ہے ساماں
کچھ رہا ہے مگر اس سے سر و ساماں میں ہنوز

اپنی خاطر نہیں منظور رہائی مجھکو
میں ہوں آزاد تو ہو رنج سے آزاد قفس

بسکہ تھا انس قفس سے بعد رہائی صیاد
ہم قفس یاد کریں ہمکو کرے یاد قفس

بوئے گل دور ہی سے دیکھ لیں ہم اے صبا
ٹک تو لیجا کے تو لٹکا سر شمشاد قفس

مانند گل کروں میں گریباں کو چاک چاک
آتا ہے میرے دل میں یہی بار بار جوش

حسرت مجھے ہے ڈر کہیں آنسو ابل نہ جائیں
رکتا ہوں لیکن آج ہی میں ہیں مار مار جوش

دیکھتے ہی شمع کو جاتا ہے پروانے کا ہوش
آہ پھر رہتا ہے کیونکر اسکو جل جانے کا ہوش

مست میں تو ہو گیا تیری نگہ سے ساقیا
اب نہیں مجھ میں رہا ہے اور پیمانے کا ہوش

ہو گئی بلبل قفس کو دیکھتے ہی بیخود اس
کچھ نہیں اسکو رہا ہے آب اور دانے کا ہوش

جونہی ذکر عشق چھیڑا بس ہوا بیہوش میں
آگے حسرت کچھ رہا مجھکو نہ افسانے کا ہوش

کل کب تھے ہم سے خوش کہ نہیں ہو تم آج خوش … ہم نے تو ایک دن بھی نہ پایا مزاج خوش

کوڑیوں کے مول بیچا مصر میں تو نے فلک … ہائے اُس یوسف کو جو تھا سارے کنعاں کی بساط

تو نے اے غم انکو بھی کھویا رُلا کر ہے غضب … تھے کئی ٹکڑے جگر کے چشم گریاں کی بساط

ایک بوسہ دیتے انکا حوصلہ ہوتا ہے تنگ … خوب حسرت دیکھ لی ہم نے بھی خوباں کی بساط

اِتنی مجھے نہیں ہے دل و جاں کی احتیاط … منظور جتنی ہے ترے پیکاں کی احتیاط

کچھ اس سے بہرے پاؤں کے ہیں آبلوں کو کام … اے برق کیجو خار بیاباں کی احتیاط

اے فلک باقی نہیں ہے میرے دل میں جائے داغ … اور کیوں دیتا ہے مجھکو داغ پر بالائے داغ

تجھسا مہرو داغ ہجراں دیکے یوں جاتا رہے … حیف غم افسوس حسرت ہائے حرماں ہائے داغ

سخت بیدردی ہے بیدردوں سے کہنا دردِ دل … منت مرہم نہ لیجے کھینچیے اپنے لئے داغ

قطعہ

حسرت ہزار رنگ سے بولا میں جھوٹ سچ … یعنی کہ نوبت آئے سخن کی قسم تلک

لیکن سمجھ کے بات کو اس نے اڑا دیا … پہنچا سکے ورنہ پانہ ہم اسکے قدم تلک

زندی فرقت میں ہے شام و سحر ہمکو عجب مشکل … جو شب کاٹی تو دن مشکل جو دن کاٹا تو شب مشکل

کرم سے کھول جو عقدے پڑے ہیں کام میں میرے … ترے آگے ہیں سب آساں مگر نزدیک سب مشکل

ظلم کر اور نہ رکھ عاشقِ بدنام سے کام … اپنے تو کام میں رہ کیا ہے مرے کام سے کام

گردش چشم نے ساقی کی چھکایا ہے ہمیں … کچھ نہیں ہمکو رہا گردش ایام سے کام

شیخ کو اس کی بہشتیں ہوں مبارک ہمکو … شیشہ و ساقی و گل یار وہی و جام سے کام

قطعہ

کل روتے ہوئے جو اتفاقاً … حسرت کے مزار پر سے گئے ہم

پڑھتا تھا یہ شعر وہ تہِ خاک … پھر سنتے ہی جسکے مر گئے ہم

وا ماندوں پہ دیکھتے ہو کیا ہو؟ … اپنا تو نباہ کر گئے ہم

نہ ہو وسعت درد کیونکر آہ صبح و شام پہلو میں … کہ دل لیتا نہیں اک آن بھی آرام پہلو میں

ہوئے ہم بت کے جذبے سے جو مشتاق آہ کرتے ہیں … حرم کے رہنے والو تم سے عشق اللہ کرتے ہیں

نہ دیکھ اے شیخ تو اُنکی طرف چشمِ حقارت سے
گدایانِ خرابات اِک نگہ میں شاہ کرتے ہیں

نکلیا ہے کسی دن جی بھی شاید سانس ناکے
ہزاروں رات دن میں نالۂ جانکاہ کرتے ہیں

ہوا سے بال زلفوں کے جو رخساروں پہ پلٹے ہیں
دلِ بیمار اُٹھ بیٹھو کہ دونوں وقت ملتے ہیں

ساقی مے دے کہ اہلِ مجلس
پانی پانی پکارتے ہیں

بسایا ہم نے تو اے ہم صفیرو کنجِ زنداں کو
اب آتش دو چمن کو آہ اور پھونکو گلستاں کو

آ نکلے اگر ادھر کیا کیجیے نثار اُن پر
اِک جان ہے سو وہ اِک سر ہے سو شوریدہ

تجھ سے کیا کہیے دردِ دل لیکن
نہیں رہتی زبان کیا کیجیے

آشیاں ہی اُجڑ گیا اپنا
رہ کے اے باغباں کیا کیجیے

مفت مرتا ہے غم سے حسرت نام
ایک بیکس جوان کیا کیجیے

بہار ہو چکی اور شور بلبلوں کا گیا
مرے دماغ سے اُس گل کی ہائے بو نگئی

مِثالِ نقشِ قدم یاں سے اُٹھ نہیں سکتے
پڑی لگی ہیں نجانا بھلا تھا جانے سے

ق

اُڑ گئی پر سے طاقتِ پرواز
کہیں صیاد اب رہا نہ کرے

تم جو کہتے ہو کہہ دو حسرت سے
آہ و فریاد یاں کیا نہ کرے

آپ کا اِس میں کیا بگڑتا ہے
دردِ دل کی کوئی دوا نہ کرے

تقاضائے غمِ دل سے کب فرصت ہم اپنے غم سے خالی
چلو بس ہو چکا ملنا نہ تم خالی نہ ہم خالی

کہہ بیٹھے بُرا منہ سے بھلا اور بھی کچھ ہے
دشنام ہی سننے جانے ہے یا اور بھی کچھ ہے

فسانہ وصل کا جس سے دلِ بیتاب کہتا ہے
وہ کہتا ہے کہ افسانہ نہیں یہ خواب کہتا ہے

تاراج کیا صبر و دل و جان پھر آپ آ گئے
کیا خاک بچی ہے جسے برباد کرو گے

کس کا ہے جگر جس پہ یہ بیداد کرو گے
لو دل تمہیں ہم دیتے ہیں کیا یاد کرو گے

گر کہئے تو رات تو دن کو کہوں ہیں رات ہے
کفر کچھ اس میں نہیں یہ دل لگی کی بات ہے

جگر سوزاں ہے دل بیتاب اور چشم گریاں ہے
الٰہی دل ستے ہیں سے ترک کا یا قسم ہجراں

یہ کسی نعش جاتی ہے کہ جسکے ساتھ اک گردوں		غم و درد و الم فریاد و افغاں مرثیہ خواں ہے
یہ بھی اک ستم تھا کہ خواب میں مجھے شکل آکے دکھا گئے		کبھی نیند برسوں میں آئی تھی سو اسطرح سے بھگا گئے
ہمارے کام پہ ہر چند آسمان پھرے		تجھے قسم ہے جو تو اس طرف کو آن پھرے
دل درونہاں آہ سے کیونکر نہ کرے	ق	پر آہ نوبت کرے جو اس سے نہ ڈرے
وہ شکل ہے جیسے دشمنوں میں گھائل		دم لیوے تو سر کٹے نہ دم لے تو مرے
ابتو یہ دل اک بت نا آشنا کے ہاتھ ہے		اسکے ہاتھوں چھوٹنا اسکا خدا کے ہاتھ ہے
بزم میں بیٹھے تھے کل جلنے پہ پروہ دور سے		دیکھکر اسکو لگے سینے بلائیں دور سے

حسرت

حسرت - منشی ذوقی رام حسرت - اگروال ویش - قدیم رئیس شاہجہاں آباد - زیادہ تر فارسی شعر کہتے تھے اور صاحب دیوان تھے - فارسی زبان پر بہت اچھی قدرت حاصل تھی شعر میں متانت کے علاوہ محاورہ اس خوبی سے نظم کرتے تھے کہ ایرانیوں کو ان پر اہل زبان ہونیکا دھوکا ہوتا تھا - نہایت خلیق - متواضع - اور نیک نہاد بزرگ تھے - مدتوں ریاست رامپور اور فرخ آباد میں رہے - اساتذہ کا کلام انھیں بہت یاد تھا - کبھی کبھی اردو میں بھی فکر سخن کیا کرتے تھے - مندرجہ ذیل اشعار انھی کی طبع نازک کا نتیجہ ہیں - ملاحظہ ہوں -

یار کرتا ہے سفر گلشن میں آتی ہے بہار	دیکھیں اب کے سال کیا کیا گل کھلاتی ہے بہار
سر اٹھا سکتی نہیں شاخ گلوں کی مطلق	بس کہ ہے حسن سے اس شوخ کے محجوب بہار
حسرت میں کس کس آفت جاں سے بچاؤں دل	عشوہ - ادا - نگاہ - تبسم - خرام ناز
قبا پہنے اگر وہ سیم بر سبز	ہو سرو چمن زنہار سر سبز
عیب معشوق کا کب اہل وفا کہتے ہیں	خوب نہیں کرتے جو خوبوں کو برا کہتے ہیں
گر کوئی لیتا ہے میرا نام اسکے رو برو	دے ہے مجکو سینکڑوں دشنام اسکے روبرو
روز و شب چلتا رہے ہے یاں تو حسرت دور جام	یاد کیا ہے گردش ایام اس کے روبرو
ہائے کس سے کہوں کہ او بد عہد	کیا کہا اور کیا کیا تو نے

ہوشیاری میں جو آرام نہ پایا میں نے
جان کر آپ کو دیوانہ بنایا میں نے

آنکھ تو رو کے چھوٹ جاتی ہے
دل بچارے پہ آفت آتی ہے

شمع کے طور آتش الفت
سر سے پاؤں تلک جلاتی ہے

درد دل کس سے میں کروں اظہار
سن سکے کون کسکی چھاتی ہے

دن تو گزرا پہاڑ سا جوں توں
دیکھئے رات کیسی آتی ہے

غیر کے پاس روز جاتے ہو
اپنے حسرت سے عار آتی ہے

برنگ آبلہ اے وائے کیا یہ زندگانی ہے
کہ جسکے پاؤں پڑتا ہوں اُسیکو سرگرانی ہے

حسرت

حسرت منشی آتما رام صاحب باشندۂ دہلی خلف رائے دولت رام صاحب نبیرۂ راجہ کنول نین بہادر بیشتر بہت مرفہ الحال تھے مگر دلی کی تباہی کے بعد وہ صورت نہ رہی سنہ ۱۹۰۳ء میں ۶۶ - ۶۷ برس کی عمر میں قضا کی۔ آخر عمر میں شعر گوئی بالکل ترک کر دی تھی کامل ۳۰ برس راقم تذکرہ کے والد مرحوم کے پاس ملازم رہے کلام درج ذیل ہے +

وہ دن گئے جو راحت و عشرت نصیب تھی
حسرت تو مبتلائے غم و فکر زماں ہے اب

دیکھا جدھر اُٹھا کے نگہ خاک کر دیا
دل کیا سمجھے کہ تیرے اشارے بلا کے ہیں

گردوں پہ سب شفق جو بتاتے ہیں ہے غلط
بادل رنگے ہوئے ترے رنگ حنا کے ہیں

غمزے ہیں چھیڑ آنکھوں میں شوخی نگہ میں ناز
ہر ہر ادا میں تیری چھلاوے بلا کے ہیں

تیرے رنج جدائی میں ہائے صنم مرا چین گیا مری نیند گئی
کہوں کس سے جو دل پہ ہے میرے الم مرا چین گیا مری نیند گئی

یہی کہتا ہو حسرت خستہ جگر ترے ہجر میں ہے کوئی بدنہ تر
تپ ہجر سے آ گیا لب پہ دم مرا چین گیا مری نیند گئی

تری محفل میں آوے کیوں نہ حسرت شمع رو ہر دم
کہ جس جا شمع ہوتی ہے وہاں پروانہ آتا ہے

اک دل دہی کے جرم پہ جو ہو سزا قبول
یہ ہی سزا تھی مجھ سے گنہگار کے لیے

ہمارا دل ہی یہ جانے ہے کیا کہیں حسرت
خراب جیسے ہوئے شوخ پر جفا کے لیے

حسرت

حسرت ۔ حافظ عبد الرحمٰن حسرت ساکن پانی پت شاگرد معارف دستگاہ قاضی

محمد ثناء اللہ صاحب مرحوم پانی پتی۔ عرصہ ہوا انتقال کر گئے۔ یہ کلام ہے۔

کس لئے چاک قفس بند کیے اے صیاد	کیا ہوا میں نے اگر سوئے گلستاں دیکھا
تم بھی بیٹھو گے دل کو ہمیں سینے کب ہوا!	اگر آئینہ کبھی تم نے نہ حیراں دیکھا
اُس نے حسرت کو کیا قتل کہیں ہائے کہ آج	میں نے اُس شوخ سے ظالم کو پشیماں دیکھا
ہم تو حسرت کو سمجھتے تھے کہ اک عارف ہے	یہ تو اے واعظ نہ کافر نہ مسلماں نکلا
گر نہیں دوست خدایا میری جان کے دشمن	کیوں شب غم مرے جینے کی دعا کرتے ہیں
ہائے کیا جور کشی کی ہمیں عادت ہے کہ آپ	اُس ستمگار کو تحریک جفا کرتے ہیں
کیا ہوا دیکھ تو ناصح کہ ہمارے منہ سے	یا صنم نکلے ہے جب یاد خدا کرتے ہیں
کیونکر کہوں کہ ہجر میں مطلق نہیں خبر	اتنی خبر تو ہے کہ مجھے کچھ خبر نہیں

حسرت

حسرت۔ جناب حکیم غلام رسول صاحب عظیم آبادی شاگرد جناب خان بہادر شاد صاحب حالات باوجود کوشش کچھ معلوم نہیں ہوسکے۔ کلام کا نمونہ ذیل کے دونوں شعر ہیں۔ ملاحظہ ہوں

جس جگہ شام ہوئی اپنا بسیرا ہے وہیں	ہم سے آواروں کا صیاد نشیمن کیسا؟
آفتاب اُسکو کہوں یا گلِ جنت حسرت	کیا بتاؤں کہ ہے اُس کا رُخِ روشن کیسا؟

حسرت

حسرت۔ کنور اعتماد علیخاں بہادر حسرت رئیس اعظم سہس آباد ضلع مظفر نگر۔ آپ کنور ارشاد علیخاں کے بیٹے اور فن سخن میں حضرت فصیح الملک مرزا داغ کے قدیم شاگردوں میں ہیں۔ آپکی زندگی ہی میں صاحب دیوان بھی ہوگئے تھے۔ چنانچہ آپ کا مطبوعہ دیوان موجود ہے۔ شعر فصاحت سے کہتے ہیں۔ زبان۔ بندش۔ صفائی۔ اور روزمرہ کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ ۴۰-۵۰ سال کے درمیان عمر ہے ناتجربہ کاری اور غفلت کیوجہ سے آپکی زمینداری کا بیشتر حصہ تلف ہوگیا۔ اب صرف کچھ معاش باقی ہے۔ کلام کا انتخاب درج ذیل ہے۔ ملاحظہ ہو۔

سہل ہیں دل کے لگانے کو میری جاں سمجھا	ہائے جو کام تھا دشوار وہ آساں سمجھا
بیخودی کا ہو بُرا ہائے کیا کیا میں نے	دامنِ یار کو بھی اپنا گریباں سمجھا

پائے افگار کو لذت ہوئی حاصل کیا کیا
ہر سر خار کو میں تیر کا پیکاں سمجھا

شکر کرتے ہوئے قاتل کو جو دیکھا دمِ قتل
زخمِ دل شورِ تبسّم کو نمکداں سمجھا

مژگاں سے چشم شعبدہ گر دل کو لے گئی
ہے کسقدر یہ ہاتھ کی چالاک دیکھنا

ہے وہ نقشہ تری یکتائی کا
اُڑ گیا رنگ تماشائی کا

ہو گیا دلکی تمناؤں سے
ایک شہرہ مری رسوائی کا

پاسباں نے ہمیں وحشت کیا تھی
پاس تھا آپ کی رسوائی کا

روزِ محشر بھی نہ نکلے وہ ہے
حوصلہ تیرے تمنائی کا

اک نظر دیکھ لیں اسکی صورت
جنکو دعوےٰ ہے شکیبائی کا

خیالِ کینہ و بے رحمیٔ صیّاد بے جا ہے
ہمارے نالۂ دل نے ہمارا آشیاں پھونکا

اثرِ جاذبِ محبت نے خلش ہی رکھی
تیر نکلا مرے پہلو سے نہ پیکاں نکلا

دوست دشمن کا آشنا نہ ہوا
مدعی کا بھی مدعا نہ ہوا

مجکو چاہت کی داد ملجاتی
تو کسی پر بھی مبتلا نہ ہوا

غیر پر بھی اگر ستم ہوتا
شکوہ ہوتا نہ مجکو غم ہوتا

افسوس وقفِ حسرت و اندوہ ہو گیا
دلِ قابلِ تصوّرِ جاناں نہیں رہا

جدا اک دم خیالِ یار جی سے ہو نہیں سکتا
یہ غم سے ہو نہیں سکتا خوشی سے ہو نہیں سکتا

ہمیں کو چاہیئے کرنا ہمیں جو کام کرنا ہے
کسی کا کام یہ سچ ہے کسی سے ہو نہیں سکتا

یہی وہ جنس ہے انسان جو مشکل سے دنیا ہے
متاعِ دلکا سودا دل لگی سے ہو نہیں سکتا

مقدر جب بُرا ہو کچھ کسی سے ہو نہیں سکتا
مثل سچ ہے کہ کچھ بھی آدمی سے ہو نہیں سکتا

تمھارے ہاتھ مرنا ہے تمھارے ہاتھ جینا ہے
جو میرا کام ہے میری خوشی سے ہو نہیں سکتا

خاکساری کا دماغ اب آسماں پہ ہو گیا
کسکے دامن پر لگا دھبّا ہماری خاک کا

چھپے جاتے ہیں پھر دلمیں مرے کچھ آج خنجر سے
مری آنکھوں میں نقشہ پھر رہا ہے اسکی ابرو کا

یہی کمبخت مجھکو رات دن بے چین رکھتا ہے
چیز اچھی ہو تو ہوتے ہیں خریدار بہت

کہ دلبیں ہو گیا ہے دردا ٹھو میرے پہلو کا
تم سے الجھائیں گے لاکھوں جو مرا دل ہوگا

اس بہانے سے موت آنی تھی
ٹال دی بات گالیاں دے کر

نہ ہوا وصل تو وصال نہ ہوا
عرضِ مطلب کا یہ جواب ہوا

ہوش آئے تو کرے خون کا دعویٰ کوئی
لذتِ وصل ملی وصل کی شب بھی نہ مجھے
اس کا ہنسِ پنہاں سے تو خوں ہو کے مرا دل
اٹھتے نہیں وہ بزم عدو سے فغاں فغاں
دشمنوں کا نہیں شکوہ کہ تری الفت میں
سیکڑوں یوں تو مسیحا نے جلا سے مردے
کعبہ و دیر ہوئے شیخ و برہمن کے سپرد

کشتۂ تیغ ادا حشر میں سب بے ہوش رہا
رات بھر جلوۂ دیدار سے بے ہوش رہا
پھر اداجو اشکوں کے نکل جائے تو اچھا
آتی نہیں ہے ہائے قیامت کو کیا ہوا
دوستوں کو انھیں آنکھوں سے بدلتے دیکھا
کوئی بیمار محبت نہ سنبھلتے دیکھا
ہم بھی دیکھیں آئیں ٹھکانا کہیں جا کر اپنا

شکر لازم ہے اس عنایت کا
کوئی امید اب نہیں باقی

وصل میں کام کیا شکایت کا
ولولہ مٹ گیا محبت کا

داد ملنے کی نہیں کوئی تمنا ہمکو
قیامت وصل کی شب میں مجھے یہ انکا کہنا تھا

داور حشر ڈھکا رہنے دے پردہ اٹھا
کہ تم تو منہ لگانے ہی ہوئے بیباک کیا کہنا

تم کو جانا ہے گھر سے چلے جانا
آ تو جاؤ میری عیادت کو
جب گزرنا ہماری تربت پر
جانتے ہیں جان سے ذرا ٹھہرو

شب کی شب ٹھہر کر چلے جانا
اک ذرا دیکھ کر چلے جانا
آنکھ منہ پھیر کر چلے جانا
ہم ادھر تم ادھر چلے جانا

آرزو ہے دلِ بیتاب کا بر آنا تھا
آنکھ پہنچی نہیں ہوئی تھی تمھاری کل تک
تم اپنے دل اپنا نہ قسمت آشنا اپنی
عدو کے ساتھ گزاری ہے تم نے ساری رات

تیر کا سینۂ بسمل میں ترا نشان ہونا
آج کیا ہے جو چھپا لیتے ہو نظر آ کے آپ
یہ میرا طالع واژوں ہے میری نارسا قسمت
خبر ہے کیا تمھیں کیسی کٹی ہماری رات

قاصد سے کہہ رہے ہیں مرا حال سن کے وہ
اسکی طرح سے تجکو بھی آتی ہے جھوٹ سچ

اب یہاں تک تو بڑھا اُنکے ستم کا انداز
میرے دشمن مجھے جینے کی دُعا دیتے ہیں

توبہ کرتا ہوں مگر پھر بھی مرے ہم مشرب
منتیں کر کے مجھے روز پلا دیتے ہیں

وہ نا امید کہ ہو موت سے ہی کچھ تسکیں
جہاں میں جس کا نہ ہو آسرا وہ کون کہ میں

شب فراق بلاؤں بھی تو نہیں آتی
جسے کہ بھول گئی ہو قضا وہ کون کہ میں

نہ موت آتی ہو جسکو نہ رزق ملتا ہو
جسے کہ بھول گیا ہو خدا وہ کون کہ میں

شوخی نہیں شامل جو تری شرم و حیا میں
چُھبتی ہوئی کچھ بات نہیں ناز و ادا میں

کیا قہر ہے مجکو لب جان بخش نے مارا
تو زہر کی تاثیر ہوئی آب بقا میں

اس ظلم و ستم پر بھی کروں مہر و محبت
دُنیا سے نیا چاہنے والا تو نہیں میں

وہ پاس بھی ہیں تو بھی سمجھتا ہوں دور ہیں
فرقت کا بندھ رہا ہے تصور نگاہ میں

ایسے گنہ کیئے ہیں کہ اللہ کی پناہ
لکھنے سے جسکے کاتب اعمال تنگ ہیں

ہر چند اسنے خاک میں مجکو ملا دیا
دل پھر بھی کہہ رہا ہے کہ وہ بیوفا نہیں

دم کچھ ارمان نہیں ہے کہ نکل ہی نہ سکے
موت کچھ تم تو نہیں ہو کہ بلا بھی نہ سکوں

حضرت ناصح یہ مانا بیوفا وہ شوخ ہے
جب نہو بس میں طبیعت پھر کروں تو کیا کروں

عرصۂ حشر میں اسسے وہ تغافل کچھ ہو کہ نہ ہو
جیتے جی تم تو جہنم میں جلا دو مجکو

کسی صورت سے تو ارمان تمھارا نکلے
گالیاں اور بھی دو چار سنا دو مجکو

اور کیا چاہیئے گر اسکو قرار آ جائے
موت سے دل جو بہلتا ہے بہل جانے دو

سوئے گور غریباں گر وہ جائیں تو یہ حالت ہو
نکل آئیں تڑپ کر قبر سے مُردے قیامت ہو

ہوئی وابستہ نا شستنی کیسی کیسی
مجھے حسرت پہ گزرے گماں کیسے کیسے

دل کو غم آشنا کرے کوئی
آپ سے جب وفا کرے کوئی

دل بھی کرنے لگا دغا ہم سے
کس کا اب آسرا کرے کوئی

خوشی گناہ میں اتنی ہے کردگار مجھے
کہ لوگ کہتے ہیں تیرا گناہگار مجھے

اثر یہ جذبۂ دل کا نہیں تو پھر کیا ہے
وہ آور بیٹھ کے روئیں سر مزار مجھے

خراب کر کے دل بیقرار چھوڑے گا
اُبھارتا ہے یہ کمبخت بار بار مجھے

دبی زبان سے کہوں حرف مدعا اُن سے
سنبھلنے دے جو ذرا آج انتشار مجھے

وہ خوش نصیب ہوں آخر پلا ہی دیتے ہیں
چھپا چرا کے حریفان بادہ خوار مجھے

وعدہ ہے اُنکے آنیکا اور موت آگئی
ڈرنا ہوا ہے آج تو دشوار اور بھی

بوسہ لیا تو خوبی تقدیر دیکھئے
کملا گئے وہ پھول سے رخسار اور بھی

جسے نادان کہتے ہیں قیامت
وہی تو تیرے ملنے کی گھڑی ہے

حسرت ۔ منشی احمد علی حسرت برادر صغیر حکیم محمد کبیر صاحب۔ زیادہ حالات معلوم حسرت
نہیں ہوئے نمونۂ کلام میں ذیل کے دو شعر ملاحظہ ہوں۔

تمھاری قدر لوگ کم جانتے ہیں
جو تم ہو پیارے سو ہم جانتے ہیں

شاید وہ شوخ آج پھر اغیار پاس ہے
جو دل پر اضطراب ہے اور جی اُداس ہے

حسرت ۔ مولنا حبیب الرحمن خان شروانی رئیس بھیکم پور ضلع علیگڈھ۔ آپ نواب حسرت
عبد الشکور خان صاحب کے بھتیجے اور محمد تقی خاں کے فرزند رشید ہیں۔ اپنے ضلع کے عمائدین میں گنے جاتے ہیں۔ ۳۸-۴۰ کے درمیان آپ کی عمر ہے۔ عربی فارسی کی استعداد عالمانہ اور اخباری دنیا میں آپکی شہرت معقول ہے۔ علی گڑھ کالج اور دیگر اسلامی مجالس کے رکن ہیں۔ ندوۃ العلماء کا رسالہ کچھ عرصے سے آپ ہی کی زیر نگرانی شائع ہوتا ہے قصبۂ بھیکم پور کے متصل آپنے اپنے نام سے ایک موضع حبیب گنج آباد کیا ہے اور وہیں زیادہ تر قیام رہتا ہے۔ فارسی میں اکثر طبع آزمائی کرتے ہیں۔ اردو میں گاہے ماہے۔ لفظ شروانی جو آپکے نام یا تخلص کے ساتھ لکھا جاتا ہے یہ آپ کا خاندانی اور قومی نام ہے۔ آپکی نگارش سے معلوم ہوا کہ آپکے مورث اعلیٰ سلطنت لودیہ کے عہد میں قندھار کے نواح سے وارد

ہندوستان ہوئے تھے۔ غلزئی۔ لودی۔ اور شروانی۔ تینوں حقیقی بھائی تھے۔ عمر خان شروانی جن کا ذکر سکندر لودی کے حالات میں صاحب تاریخ فرشتہ نے کیا ہے آپکے مورث خاندان تھے۔ اکبری اور شاہجہانی عہد میں اس خاندان کے لوگ دلّی سے نکل کر علیگڈھ کے ضلع میں آباد ہوئے۔ یہاں اپنی قوتِ بازو سے ریاستیں پیدا کیں اور گورنمنٹ کے زیر سایہ انھیں اور وسیع کیا۔ حضرت شروانی کی ولادت ۱۲۸۵ھ میں ہوئی۔ آپکی فارسی تعلیم ابوالفضل مینا بازار اور سہ نثر ظہوری تک ہے۔ عربی میں تمام درس نظامی باستثنائے چند کتب ختم کیا ہے۔ اکثر درسی اور مذہبی کتب عربی مولانا مفتی لطف اللہ صاحب۔ قاری عبد الغنی صاحب اور شیخ حسین صاحب عرب محدث بھوپال وغیرہ علمائے عصر سے پڑھیں اور حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب قدس سرہ سے آپ کو شرف بیعت حاصل ہے۔ انگریزی تعلیم پرائیویٹ اُستادوں سے اور آگرے کے سکول میں انٹرینس تک حاصل کی۔ لغات امیر کے سلسلے میں جناب منشی امیر احمد مینائی سے مراسلت کا آغاز ہوا اور یہی سلسلہ آخر میں تلمذ کا ذریعہ بنا۔ فارسی میں آپ جو کچھ فرماتے ہیں وہ ایک خاص اثر کا نتیجہ ہے۔ آپ نے عربی فارسی اور اُردو کا ایک کتبخانہ بھی وسیع پیمانہ پر جمع کیا ہے جس میں پرشین لٹریچر کا قلمی ذخیرہ بہت کچھ ہے۔ اور عمدہ ہے۔ اساتذہ میں خواجہ حالی۔ خواجہ عزیز لکھنوی۔ اور علامہ شبلی سے آپکے گہرے تعلقات ہیں۔ اپنے ضلع کے درباریوں میں ہیں۔ ایکٹ اسلحہ سے مستثنیٰ ہیں اور اسپیشل مجسٹریٹی کے اختیارات حاصل ہیں۔ کلام کا انتخاب ملاحظہ ہو۔ (ایک نامے کے چند متفرق اشعار)

صبحِ وصل

صُبح کے وقت کا رنگ الاسماں	حُسن کا سب لُٹا ہوا ساماں
آنکھوں میں سُرمے کا یونہی سا اثر	بال بکھرے ہوئے وہ ماتھے پر
خوابِ نوشیں کی آنکھوں میں سُرخی	کچھ کھُلی کچھ بندھی ہوئی چوٹی
باسی پھولوں پہ کچھ اُداسی سی	اور بو اُن کی بگڑی بگڑی سی

صبح رخصت

کیسی دلگیر صبح رخصت تھی
صبح رخصت کہ شام غربت تھی

گلے ملتی تھیں آرزوئیں باہم
دل کو تاراج کر رہا تھا غم

غم کی آمد خوشی کی رخصت تھی
اک تمنا ہزار حسرت تھی

ہر طرف بے کسی برستی تھی
بے کسی پر بھی بیکسی سی تھی

تیرا جانا بلا کا آنا تھا
کیا قیامت کا تیرا جانا تھا

دل پہ اک بے خودی سی تھی طاری
تھیں جنوں کی علامتیں ساری

ایک سکتے کا مجھ پہ تھا عالم
آرزوؤں کا دل میں تھا ماتم

غزل

پھر محبت سے حجاب یاد آیا
مایۂ اضطراب یاد آیا

دل سے رخصت ہوں سب تمنائیں
وہ سراپا حجاب یاد آیا

دل میں کچھ گدگدی سے ہوتی ہے
ہائے کس کا شباب یاد آیا

خود فراموش سے ہو کچھ حسرت
کوئی آج اسے جناب یاد آیا

ولہ

حسرت و یاس کا انبوہ فغاں کی کثرت
میں تری بزم سے کیا بے سر و ساماں نکلا

بدگمانی اس کی کم ہوتی نہیں
کس پہ یارب مجکو شیدا کر دیا

متاع نور سے لبریز اک عالم کی جھولی ہے
گرہ چین جبیں کی کس محبت ہوش نے کھولی ہے

شراب ناز کے جلوے نگاہ ناز پر صدقے
ابھی سوتے سے آنکھ اس فتنۂ دوراں نے کھولی ہے

اشارہ صاف کرتی ہے ترے سینہ کی موزونی
کہ جنس حسن قدرت نے اسی کانٹے میں تولی ہے

حصول مدعا اب کوئی دن کی بات ہے حسرت
نگاہیں مل چکی ہیں گفتگو مطلب کی ہو لی ہے

دل لگی کو ہنسی سمجھتے ہو!
ابھی بچپن کا ہے اثر باقی

چال مستانہ آنکھ متوالی
یہی ساقی یہی پیالہ ہے

حسن تیرا ناز ہے اگر تمکو
اپنے دل پر مجھے بھی دعوی ہے

حسرت

حسرت منشی دلیل الدین احمد آپکے والد مولوی محمد فیض بخش صاحب تعلیم کی ضرورت سے اپنے وطن جہانگیر نگر ڈھاکہ کو چھوڑ کر عنفوان شباب ہی میں کلکتے چلے آئے تھے چنانچہ کچھ دن ہگلی کالج میں پروفیسر رہنے کے بعد مدرسہ کلکتہ میں مدرس رہے۔ آپ ۱۸۷۳ء میں کلکتے میں پیدا ہوئے اور وہیں تعلیم پائی۔ بعدہٗ ۱۸۹۵ء میں مولنا ابو القاسم محمد شمس صاحب مرحوم کو کچھ غزلیں بغرض اصلاح دکھائیں وہ چونکہ آپکے والد کے شاگرد بھی تھے اس لیے انکی آپ پر خاص توجہ رہی۔ اطراف دکن۔ مدراس شمالی ہند کی سیر بھی کر چکے ہیں آپ انگریزوں کو اردو پڑھانے کا مشغلہ ہے۔ طبیعت کا اندازہ مندرجہ ذیل اشعار سے ظاہر ہوگا

کہیں تھے بادیہ پیما کہیں تھے سلسلہ جنباں
جہاں پہنچے ہمارے پاؤں نہیں چکر ہی چکر تھا

تری نیرنگیں ادائی کا وہ عالمگیر نقشہ ہے
کہ ہر ذرے سے کثرت کے عیاں ہے نور وحدت کا

نگاہ ناز کی خاطر ہوئی ہے خانہ بربادی
سدا لٹتے ہوئے دیکھا ہے گھر اہل مروت کا

قتل عاشق پہ اژدحام ہوا
خاص اک راز تھا سو عام ہوا

بے نیازی کا ہے دعوی بیکار
ایک کا ایک ہے انسان محتاج

اٹھائیں ناز دشمن آپ سے یہ کیا تماشا ہے
مری جاں آپ کو زیبا نہیں ہے نازنیں ہو کر

آپ جفا سے بھی آشفتہ ہو گئی نفرت سے ہے
کوئی بھی طرز وفا میرے ستمگر میں نہیں

مری تقدیر کی گردش نے شکلیں ہیں جا بجا گانہ
بھٹکا رہوں ہجر الفت میں بگولہ دشت غربت میں

چشم بلبل میں انتظار ہوں میں
آہ موسم بہار ہوں میں

پھولوں میں نکلوں تمہاری تجمل سے
دل دشمن کا کیا بخار ہوں میں

چکھاتے ہیں جنوں سے وہ مزے فصل بہاری کے
گل و غنچہ سمجھ کر چن رہا ہوں سنگ طفلاں کو

خوشامد سے ہوئیں جنت میں ... بہار کیا کیا
بڑا دعوی تھا ہم پاسباں سمجھے تھے رضواں کو

ہزار رنج اٹھاتے ہیں عیش کی خاطر
خیال نفع نہ ہو گر تو پھر زیاں کیوں ہو

خدا کرے وہ جاناں ہوا اور جبین نیاز
بلند دست دعا سوئے آسماں کیوں ہو

برسنا سیکھ لے ابرِ بہاری دیدۂ تر سے
فلک مثلِ حباب بحر بہتر ہے گر کبھی برسے

نزاکت سے ہو تم مجبور ہم اپنے مقدر سے
نہ خنجر میان سے نکلا نہ دم اس جسم لاغر سے

کہاں صحرا سے جاؤں اب کہ خارِ دشت پیچھے ہیں
یہ دل ہے جوشِ وحشت یہاں بھی اپنے آشنا نکلے

عبث گلشن میں گلکاری ہے رشکِ خوش خرامی سے
گل و غنچہ کا منہ دیکھو حریفِ نقشِ پا نکلے

حسرت

حسرت جناب سید آل حسین صاحب تلمیذ حضرت احسان رامپوری۔ انکے حالات و واقعات بھی باوجود تحقیقات بلیغ ہم سے پوشیدہ ہی رہے لہذا مجبوری ہے۔ نمونۂ کلام درج ذیل ہے۔

اس بانکپن پہ کوئی نہ مرتا ہو تو مرے
خنجر کا کام لیتے ہیں ترچھی نظر سے آپ

دل چرایا ہے بھری محفل میں میرا آپ ہی
اور کہتے ہیں وہ مجھ سے ہم بتا سکتے نہیں

حالِ دل انکو سناؤں تو سناؤں کیونکر
بات تک بھی نہیں کرنے کی اجازت مجھکو

یہ ستم غیر شب و روز ترے پاس رہے
یہ قیامت نہ ہو آنے کی اجازت مجھکو

مجھپہ تا حشر مری جان یہ احسان رہے
نزع کے وقت دکھا جاؤ جو صورت مجھکو

یار کا وصل ہو کب ہمکو میسر دیکھو
کیونکر اس غم سے چھٹے یہ دلِ مضطر دیکھو

وصل کے ذکر پہ وہ ہم سے بگڑ کر بولے
پھر نہ لانا یہ کبھی حرف زباں پر دیکھو

دل لیا تھا مرا جس ناز و ادا سے تمنے
اسی انداز سے پھر آنکھ ملا کر دیکھو

حالِ دل کہنے کو جاتے تو ہیں آپ اپنا حسرت
کیا غضب ڈھاتا ہے مجھپر وہ ستمگر دیکھو

حسرت

حسرت شمس العلما حاجی مولانا محمد سعید صاحب عظیم آبادی۔ آپ ۲۷ ذیقعد ۱۲۳۱ھ میں بمقام عظیم آباد پیدا ہوئے۔ آپکے والد ماجد حاجی مولوی واعظ علی صاحب مرحوم عظیم آباد کے ایک باوقعت رئیس تھے عربی فارسی کے عالم اور فن خوشنویسی کے اچھے استاد تھے۔ مولانا حسرت کی ابتدائی تعلیم تو گھر ہی میں ہوئی مگر پھر کانپور میں مولانا شاہ محمد سلامت اللہ قدس سرہ کی خدمت میں ایک عرصے تک رہکر دستار فضیلت حاصل کی۔ اور تھوڑے ہی عرصے میں اپنی عالمانہ تصنیفات اور صوفیانہ برکات کی بدولت اسقدر مقبول و مشہور ہوئے کہ لوگ اطراف و جوانب سے

آکر شاگرد و مرید ہونے لگے ۱۳۰۲ھ میں گورنمنٹ عالیہ نے شمس العلماء کا خطاب دیا۔ شاعری کی طرف آپ کا میلانِ خاطر اوائل عمری سے تھا۔ مگر عربی فارسی جانتے تھے اور عربی فارسی ہی کہتے تھے۔ اردو سے کچھ شوق نہ تھا۔ کبھی کبھی بتقاضائے احباب کچھ کہہ لیتے تھے۔ چنانچہ باوجود کوشش بلیغ ہمیں اردو کے صرف چار شعر دستیاب ہوئے وہی ہدیۂ ناظرین کیے جاتے ہیں۔ آپ فارسی میں حسرت اور عربی میں سعید تخلص فرماتے تھے :-

دل ترا جور پہ مائل نہ ہُوا تھا سو ہُوا
تجھ سے آزردہ مرا دل ہُوا تھا سو ہُوا

زخمِ دل پر مرے ہنس ہنس کے چھڑکتے ہو نمک
یہ مزا عشق کا حاصل ہُوا تھا سو ہُوا

کیا تڑپ کر دلِ مجروح نے کی بے لطفی
خوں سے تر دامنِ قاتل ہُوا تھا سو ہُوا

پا گیا عشقِ مجازی سے حقیقت کو سعید
للہ الحمد کہ کامل ہُوا تھا سو ہُوا

حسرتی

حسرتی منشی عبداللہ حسرتی۔ وقائع نگار و اڈیٹر ریاض الاخبار و دیگر اخبارات شعر کا بھی شوق ہے اور اوسط درجے کے شاعروں میں بُرے نہیں۔ کچھ عرصے لاہور کے مشہور رئیس پنڈت جنارددن صاحب کی سرکار میں وظیفہ خوار رہے۔ کیفر کردار اور دو تین ناول ان کی تصنیف سے شائع ہو چکے ہیں۔ کلام کا نمونہ درج ذیل ہے +

تم نہ چاہو ہمیں پھر ہم تمھیں چاہیں کیونکر
ایسے بے مہر سے بتلاؤ نباہیں کیونکر

حال دل کہنے سے اُلٹا جو خفا ہوتا ہو
ماجرائے غمِ دل اُسکو سنائیں کیونکر

جو ہنسا کرتا ہو خود کر کے دلوں کو گھائل
زخمِ دل اُسکو کہو اپنے دکھائیں کیونکر

کیا نئی چھیڑ نکالی ہے یہ اُس نے مجھ سے
کہتے ہیں روز بتا مجکو ستاتے ہیں کیونکر

حسرتی تیری خطا تھی دیا بیدرد کو دل
اب کسی کو غلط الزام لگائیں کیونکر

حسن

حسن۔ نواب اقتدار الدولہ محتشم الملک نواب مہدی علیخاں نصیر جنگ خلف میرزا امام الدین حیدر بن شجاع الدولہ بہادر دام اقبالہ داماد حضرت فردوس منزل تخلص بہ حسن شاگرد سعادتخان ناصر صاحب دیوان تھے۔ اکثر چھوٹی بحروں میں فصاحت کی داد دیتے تھے۔ عاشقانہ مضامین

پُر اثر زبان میں باندھ جانتے تھے۔ کلام ذیل کی سطروں میں ملاحظہ کیجیے۔

جُدا تن سے پہلے یہ سر کیجیے	تو پھر آپ یاں سے سفر کیجیے
پریشاں کر دیا زلفیں دکھا کے	کیا عاشق کا خوں مہندی لگا کے
دیا سو منتوں سے ایک بوسہ	یہ غمزے ہیں نئے اُس دلربا کے
کیا مثلِ کتاں سینہ مرا شق	وہ مکھڑا چاند سا مجھ کو دکھا کے
ہیں باتیں سخت تیری اور بت بے پیر پتھر کی	کہاں تک رو کے چوٹیں یہ دلِ دلگیر پتھر کی
جو تو رات دن مجھ پہ کرتا جفا ہے	یہی کیا زمانے میں رسمِ وفا ہے
اگر زندہ ہو تو ارسطو سے پوچھوں	کہیں دردِ دل کی بھی پیدا دوا ہے
نہیں یاں کے رہنے کا اک دم بھروسا	یہ دُنیا نہیں ہے عزیزو سرا ہے
لپٹ جاؤ آکر گلے سے ہمارے	یہی ہے تمنا یہی مدعا ہے
نہیں دیکھتا جس میں اُڑنے کی طاقت	اُسے آج صیاد کرتا رہا ہے
پریشاں ہو کیوں حالِ مرغِ چمن کا	کسی پھول کو کیا صبا نے چھوا ہے
ہم سے صحبت جو یار نے کم کی	ندی جاری ہے چشمِ پُر نم کی
تیری خاطر سے اور ستم ایجاد	باتیں سُنتے ہیں ایک عالم کی
مسّی مَلکر جو خندہ زن وہ ہوا	برق ابرِ سیاہ میں چمکی
آپ نے بیمار کا نہ پوچھا حال	زندگی اُسکی ہے کوئی دم کی
کر دیا غم میں مبتلا تو نے	جس کا ڈر تھا وہی کیا تُو نے
خوں سے آنسو وہ جوئے شہر ہوئی	ہائے فرہاد کیا کیا تُو نے
بات کا ہو وصی تو ایسا ہو	جو کہا مجھ سے وہ کیا تو نے
آیا کس روز اپنے وعدے پر	عہد کس دن وفا کیا تو نے
سب وفا تجھ کو باوفا سمجھے	ہم جو سمجھے سمجھے وہ بُرا سمجھے

حسن

حسن - خواجہ حسن خلف خواجہ ابراہیم از فرزندان میر بھکاری متوطن دہلی - جوان وجیہ عالی حوصلہ بڑے لطیفہ گو اور بذلہ سنج تھے۔ علم موسیقی ہندی سے بخوبی ماہر اور استاد اس فن کی انکی تصانیف سے ظاہر ہے۔ فن شعر میں جعفر علی حسرت کے شاگرد تھے۔ انکی نسبت شوق اپنے تذکرے میں لکھتے ہیں کہ علم نجوم میں بھی بھلا چنگا دخل رکھتے ہیں۔ علم تصوف کے بادشاہ ہیں۔ حسن پرست بھی تھے اکثر مقطعوں میں اپنے معشوق کا نام لایا کرتے تھے۔ امورات دنیا میں مرزا حسن رضا خان نواب سرفراز الدولہ سے تعلق تھا ریختہ میں صاحب دیوان تھے۔ آزادانہ اوقات بسر کرتے تھے۔ قلندر بخش جرأت سے جو انکے بڑے دوست تھے خواجہ حسن اور بخشی طوائف کی داستان عشق ایک مثنوی میں نظم کی ہے ؂

آ گیا تھا حال ہوش میں سے مجھ مست کا	نہ ہوش [illegible] روز الست کا
کیسی صحبت اٹھ گئے کیوں یار کیا تھا کیا ہوا	مٹ گیا [illegible] سب کیا کیا تھا کیا ہوا
جسکے جوہر دوستی کے خوب آتے تھے نظر	[illegible] ان سے [illegible] کیا تھا کیا ہوا
وہ جیتا تک کہ زلفیں سنوار آ گیا	[illegible] جان [illegible] کیا
[illegible] ہر سے کا [illegible] غضب ہو [illegible]	کیا غضب ہوگیا [illegible] دیکھا
رہی بیقراری امیدوں کی یوں ہی	تو صبر [illegible]
پھر [illegible] آ سے گا فقیر تمکو دعا کرے گا	کسو کے دل کو [illegible] خدا تمہارا بھلا کرے گا
[illegible] طرح سے ٹھہرا ہوں میاں	[illegible] کبھی [illegible] ہوتا
مانوں ہیں وعدۂ فردا سے یار	[illegible] فردا ہوتا
[illegible] آنکھوں سے اکبار یہ ٹپکے آنسو	ہنسی ہنسی میں [illegible] داغ [illegible] ہوا
وقت وداع یار دل بیقرار نے	یہ آہ کی کہ عرش [illegible] ہلا دیا
دل دلاسوں سے کرے ہے آہ و زاری بیشتر	خانۂ ماتم میں ہو [illegible] سے زاری بیشتر
جان بخشی کو بھی آیا نہ دم نزع حسن	آ سکے اسوقت [illegible] میں آنکھیں

[illegible]

بھلائیں دوا نہیں پر یہ ناصح !	مرے ساتھ بکتا ہے عاقل کو دیکھو
فقط نقشہ نہیں خوب اس کا عالم سے نرالا ہے	خدا نے اس کو سر سے پاؤں تک سانچے میں ڈھالا ہے
خیال آتا ہے جب تیرا تو ہم جانے نہیں دیتے	ترے ملنے کا ہمنے یار اور ہی ڈھب نکالا ہے
نہ نکلوگے بھلا تم گھر سے کب تک یہ بھی دیکھیں گے	بہانہ کرکے تم نے آج تو بندے کو ٹالا ہے
کس طرح سے زیست ہوویگی بھلا اے دوستو	اب تو قاصد بھی ادھر کو آنے جانے سے رہے
کب میں کہتا ہوں کہ میری جان جانے سے رہے	پر کہیں ایسا ہو کہ یہ دل تلملانے سے رہے
ہمنے ایسی بھی تو کچھ چوری نہ کی تھی آپ کی	بے سبب اب آپ جو ادھر کے آنے سے رہے
تم نے کس کس طرح ٹالا ہمکو اپنے در سے پر	دیکھو تو ہم بھی حسن کس کس بہانے سے رہے
آکر بلا سے قتل ہی کر جائیے مجھے	صورت اسی بہانے سے دکھلائیے مجھے
غم سے اپنا جو اسے صنم بخشی	یہ بھی سرکار کی کرم بخشی

حسن

حسن ۔ سخنور کامل فن میر غلام حسن نام حسن تخلص خلف میر غلام حسین ضاحک۔ آبا و اجداد انکے ہرات کے رہنے والے تھے۔ ایامی ہروی سے لے کر میر حسن کے جد تک انقلاب زمانہ کے ہاتھوں وطن اصلی کو چھوڑ کر پرانی دہلی میں سکونت اختیار کی۔ چنانچہ میر ضاحک دہلی میں پیدا ہوئے اور میر حسن کا بھی ابتدائی زمانہ دہلی میں بسر ہوا۔ انکی وضع اور عادات کے متعلق گارسان دتاسی کا قول ہے کہ میر حسن برخلاف اپنے باپ کی وضع کے ڈاڑھی صفا چٹ کرواتے تھے۔ پگڑی اگلے وقت کے لوگوں کی سی باندھتے اور دوشالہ اپنے باپ کی سی پہنتے تھے یعنی سر پر عمامہ اور بڑا جبہ۔ قد لمبا تھا۔ رنگ تیز نظر آتا۔ خوش خلق بیہودہ اور کلام معیوب کبھی زبان سے نہ نکالتے تھے شیریں گفتار اور پسندیدہ تعلیم یافتہ تھے۔ لیکن بعض کتابوں میں جو انکی تصویر دیکھنے میں آئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بقول صاحب آبحیات انکے سر پر بانکی ٹوپی۔ تن میں تنزیب کا انگرکھا یعنی ہوئی آستینیں۔ کمر سے دوپٹہ بندھا ہوتا تھا۔ گمان غالب یہ ہے کہ دہلی میں انکا طرز لباس وہی ہوگا جو انکے والد کا تھا۔ لیکن قیام لکھنؤ کے زمانے میں اس میں کچھ تبدیلی ہو گئی

ہو گی میر حسن کو لڑکپن ہی سے شعر و شاعری کا بدرجۂ کمال شوق تھا۔ چنانچہ بزمانۂ نوعمری شاہجہاں آباد میں مصلح غزلوں کے خواجہ میر درد صاحب تھے۔ عالم شباب میں مع والد بزرگوار فیض آباد میں آکر آباد ہوئے۔ ضیاء الدین ضیا اصلاح دیتے رہے۔ کبھی کبھی مرزا رفیع السودا سے بھی کہ ضیاء اُن کے ہم مشق تھے مشورہ کا اتفاق ہوا۔

اِس سے معلوم ہوا کہ میر حسن کی اُستادی کا فخر ایک سے زیادہ لوگوں کو حاصل ہے لیکن درد اور سودا کی شاگردی کو عارضی سمجھنا چاہیے۔ کیونکہ درد نے ابتدا میں اور سودا نے آخر میں صرف چند روز اُنھیں اصلاح دی تھی۔ درحقیقت میر حسن مستقل شاگرد میر ضیاء الدین ضیا کے ہیں جن کی نسبت مصحفی اپنے تذکرۂ شعراء میں لکھتے ہیں کہ "میر ضیاء الدین ضیا اُستاد میر حسن شاگرد میر تقی میر۔ میر حسن بسیار ثناخوان و معتقد او بودہ"۔ آزاد نے اُساتذۂ میر حسن کے زمرے میں اُنکے والد میر ضاحک کو بھی شامل کیا ہے جو بالکل قرینِ قیاس ہے۔ میر حسن کی علمی لیاقت فارسی دانی میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ علاوہ متفرق فارسی اشعار کے اُن کی اُردو شاعری میں بھی فارسی ترکیبوں یا اُنکے ترجموں اور عام فارسی اندازِ بیان کی ایسی لطیف مثالیں کثرت کے ساتھ موجود ہیں جن کا کسی فارسی نہ جاننے والے شاعر کے کلام میں موجود ہونا ناممکنات سے ہے۔

حسن نے باوجود کامل اُستاد ہونے کے کسی کو اپنا مستقل شاگرد بنانا پسند نہ کیا۔ حتّٰی کہ آپ نے صاحبزادے میر مستحسن خلیق کو بھی خود اصلاح نہ دی بلکہ مصحفی کے سپرد کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ دُنیائے غزل گوئی میں اُن کا سلسلۂ شاعری بہت جلد ناپید ہو گیا۔ لیکن جو کچھ اُن سے نہ ہوا وہ بامرِ الٰہی اُنکی اولاد سے ظاہر ہوا۔ اور اِس شان سے ظاہر ہوا کہ اُن کے پوتے انیس و مونس و اُنس اُردو زبان کی ایک عزت کے موجب قرار پائے اور فنِ مرثیہ گوئی کا ایک ایسا نمونہ چھوڑ گئے جسکے اِسوقت ہزاروں پیرو موجود ہیں۔

میر حسن کے چار بیٹوں میں سے تین شاعر تھے۔ میر مستحسن خلیق۔ میر احسن خلق اور میر

محسن محسن - ان سب کا قیام فیض آباد میں رہتا تھا - چنانچہ خلیق و محسن بہو بیگم صاحبہ والدۂ نواب آصف الدولہ کے داماد میرزا التقی کی سرکار سے متعلق تھے - اور میر خلق نواب ناظر داراب علیخان کی خدمت میں رہتے تھے - خلیق اور خلق سے ایک ایک دیوان بھی یادگار موجود ہے -

انکی تصانیف سے دیوان حسن مشتمل بر جملہ اقسام سخن اور مثنوی بدر منیر و گلزار ارم اس وقت تک موجود و مشہور ہیں - دیوان چونکہ چھپا نہیں اس لیئے کمیاب ہے - راقم تذکرہ کے کتبخانے میں اُس کا ایک صحیح نسخہ موجود ہے - یہی حال دو اور مثنویوں کا بھی ہے - جن میں سے ایک کا قصہ اس طرح پر ہے کہ ایک موقعہ پر میر حسن مرحوم کا سفر شاہ مدار کی چھڑیوں کے ساتھ مطابق پڑا - چنانچہ سفر مذکور کا حال ایک مثنوی کے قالب میں ڈھالا ہے - اس میں فیض آباد کی تعریف اور لکھنؤ کی ہجو کی ہے - اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت عورتوں کی پوشاک وہاں کیا تھی اور چھڑیوں میں جانے والوں کے جزئیات رسوم کیا کیا تھے - شعرائے ریختہ کا بھی تذکرہ مرتب کیا تھا - مگر اب نہیں ملتا ۔

دہلی چھوڑنے کے بعد میر حسن فیض آباد اور بعد ازاں لکھنؤ میں جا کر مقیم ہوئے جہاں اُنھوں نے بڑی شہرت پائی اور نواب سالار جنگ برادر بہو بیگم صاحبہ نیز اُنکے بیٹے نواب مرزا نوازش علی خان سرفراز جنگ کی مصاحبت میں عزت کے ساتھ زندگی بسر کی اور آخر کار وہیں عشرۂ اولیٰ ماہِ محرم سنہ ۱۲۰۱ھ میں بعہد نواب آصف الدولہ وفات پائی اور عقب باغ نواب قاسم علیخان واقعہ محلہ مفتی گنج میں مدفون ہوئے - انتقال کے وقت آپکی عمر ۵۰ سال سے زیادہ تھی شیخ مصحفی نے تاریخ کہکر حقِ آشنائی آدا کیا -

چوں حسن آں بلبل خوش داستاں | رواز این گلزار رنگ و بو بتافت
بسکہ شیریں بود نطقش مصحفی | شاعر شیریں زبان - تاریخ یافت

حسن کا طرزِ کلام زیادہ تر میر اور کمتر سودا کے اندازِ شاعری سے ملتا جلتا نظر آتا ہے اور ایسا ہونا بھی چاہیئے تھا کیونکہ سودا سے بلا واسطہ اور میر سے ضیا کے واسطے سے اُنکی شاگردی مسلم

ہے۔ بیان سے گزر کر زبان کو دیکھیے تو وہ بھی ان ہی بزرگوں کی سی ثابت ہوتی ہے۔ وہی "میں دیکھا" "میں کیا"، جو میر اور سودا کے کلام میں پایا جاتا ہے ان کے ہاں بھی موجود ہے جسکی سادگی اور شیرینی حسن کے دیوان میں بھی وہی کیفیت پیدا کرتی ہے جسکی بہار میر کے کلام کی جان ہے

اصنافِ سخن میں سے میر حسن قصیدہ کے مرد میدان نہ تھے۔ البتہ غزل سرائی میں ان کا صاحبِ امتیاز اور مثنوی میں یکتائے زمانہ ہونا قطعی طور پر ثابت ہے جس سے کسی شخص کو انکار نہیں ہوسکتا حقیقت میں بقول حضرت آزاد "بے نظیر و بدرِ منیر کا قصہ لاجواب لکھا۔ زمانے نے اُس کی سحر البیانی پر تمام شعرا اور تذکرہ نویسوں سے محضر شہادت لکھوایا۔ اسکی صفائی بیان اور لطفِ محاورہ اور شوخی مضمون اور طرزِ ادا کی نزاکت اور جواب و سوال کی نوک جھوک حدِ توصیف سے باہر ہے۔ باوجود اسکے کہ سحر البیان کی تصنیف کے زمانے کو ۱۲۵ برس سے زیادہ گزر گئے لیکن اسکی زبان قریب قریب وہی ہے جو آجکل مروج ہے" یہی ایک امر اسبات کا کافی ثبوت ہے کہ میر حسن مغفور صد درجے سلیم المذاق شاعر تھے۔ اردو زبان میں صرف ایک ہی اور مثنوی لکھی گئی جسکو اس مثنوی کا ہم پلہ کہا جا سکتا ہے اور جو فی الواقع منصف مزاج مبصروں کے نزدیک اُسی تعریف کی مستحق ہے۔ فی الواقع قبولِ عام کی جو سند سحر البیان اور یادگارِ نسیم کو ملی وہ آجتک کسی تیسری مثنوی کو نصیب نہیں ہوئی۔

میر حسن کی غزلوں کا رتبہ انکی مثنوی کی برابر بلند نہیں ہے۔ پھر بھی بقول صاحبِ آبِ حیات "اُنکے اشعارِ غزل کے اصول میں گلاب کے پھول ہیں اور محاورات کی خوش بیانی مضامین عاشقانہ کے رنگ میں ڈوبی ہوئی ہے۔ نواب مصطفیٰ خان شیفتہ میر حسن کی نسبت لکھتے ہیں "مثنوی سحر البیان شہرتِ تمام دارد قطع نظر از پاسِ غزلہا شاعری محاورہ عام بہ نہ گفتہ بلکہ داد بلاغت دادہ"

اِنکے کلام کا انتخاب درج ذیل ہے:

طرفہ تر ہے کہ اپنا بھی نہ جانا اور یونہیں	اپنا اپنا کہہ کے مجھکو سب سے بیگانہ کیا
رو رو کے کیا ابتر سب کام مرے دل کا	کھویا مری آنکھوں نے آرام مرے دل کا

آغازِ محبت میں دیکھا تو یہ کچھ دیکھا
جب تک میں جیا مجکو تھا صدمہ نہ ملا آخر
کوئی دن کے ہیں مہماں اِس چمن میں یکایک
کیا جانے ہم اُسکے جی پر کیا کچھ خیال گزرا
ایسی ہی آہ باتیں اُس بیوفا نے چھیڑیں
غیروں میں دیکھ تجکو بیٹھے ہوئے کہیں کیا
پر منصفی سے اِتنا فرمائیے کہ یارے
گر کیجے رقم کچھ تری وحدت کے بیاں کا
سر بستہ رہا یوں ہی یہ رازِ حرم و دیر
جس عالمِ ہستی کو سمجھتے تھے بہار آہ
سر دیوے گا جب ہم تو حسن تیغ کو اُسکی
جانا تو ہم نے چھوڑا پر کیا کریں حسن ہائے
تیرے سے ہی غم کا گھر ہے یہ دل جلا نہ اِسکو
بتخانہ ہی میں چل بیٹھ یا کعبہ میں حسن اب
کروں شکوہ تو ہے وسواس اُسکے میں آئیگا
مجھے آتا ہے رونا دیکھ گزرا تو کو آپ اپنے
عشق کبتک آگ سینے میں مرے بھڑکائیگا
کر چکے صحرا میں وحشت پھر چکے گلیوں میں ہم
تو گرفتاری کے باعث مضطرب صیاد ہوں
جب سے جدا ہوا ہے وہ شوخ تب سے مجکو
خدا جانے کہ آخر رفتہ رفتہ حال کیا ہووے

کیا جانیے کیا ہوگا انجام مرے دل کا
آب جی ہی چلا لے کر پیغام مرے دل کا
بمثالِ نکہتِ گل شام جانا یا سحر جانا
کچھ آپ ہی آپ اپنے دل پر ملال گزرا
رونے ہی رونے میں ہیں روزِ وصال گزرا
جو کچھ کہ اپنے دل پہ گزرا خیال گزرا
خدمت میں آپ کی بھی کچھ انفعال گزرا
تو چاہیئے خامہ بھی اُسے ایک زباں کا
معلوم ہوا بھید یہاں کا نہ وہاں کا
آخر کو جو دیکھا تو وہ موسم ہے خزاں کا
اسرار کھلے گا تبھی اِس سرِّ نہاں کا
چھٹتا نہیں ہے دل سے ہرگز خیال اُنکا
ظالم تو پھر کسیکا کاہے کو گھر رہیگا
یوں کب تلک دوا سے تو دربدر رہیگا
نہ ہو وے گا مرے دلمیں گر اُسکے روٹھ جائیگا
کرتا اک وقت میں آنکھ کسی سے پھر جانے کا
راکھ تو میں ہو چکا کیا خاک اب سلگائے گا
دیکھیے اب کام ہمکو عشق کیا فرمائے گا
لگتے لگتے جی قفس میں بھی مرا لگ جائیگا
نت آہ آہ کرنا اور زار زار رونا
نہ ہو اسے بے طرح آنکھوں کو کچھ آزار رونیکا

مت سہم دل مبادا یہ خون سوکھ جاوے
آتا ہے تیر اس کا پیاسا ترے لہو کا

غنچہ ہوں میں نہ گل کا نے گل ہوں میں چمن کا
حسرت کا زخم ہوں میں اور داغ آرزو کا

لایا غرور پر یہ عجز و نیاز تجھکو
تیر افگنہ نہیں کچھ اول سے میں ہی مجھ کا

آہ! کیا جانیے محفل میں یہ کس کی خاطر
شمع روتی ہے جو ری جلتا ہے پروانہ جدا

سیر گلشن کریں ہم اس بن کیا
اب نہ وہ دل نہ وہ دماغ رہا

شاد ہوں میں کہ دیکھ میرا حال
غیر کرنے سے التماس رہا

خار سے پھوٹے پھپھولے پاؤں کے
درد ہی آخر مرا درماں ہوا

کیسی وفا کہاں کی محبت - کدھر کی مہر ؟
واقف ہی تو نہیں ہے کہ ہوتا ہے پیار کیا

نہیں مجکو دشمن سے شکوہ حسن
مرا دوست مجکو ستانے لگا

پھر چھیڑا حسن نے اپنا قصہ
بس آج کی شب بھی سو چکے ہم

بہنے لگا لہو پھر آنکھوں سے کچھ حسن کی
زخم جگر کا شاید سر کا ہے اس کے ٹانکا

آکے وہ بیٹھتا ہے تب ہم پاس
آپ میں جب ہمیں نہیں پاتا

زندگی نے وفا نہ کی ورنہ
میں تماشا وفا کا دکھلاتا

مر گئے کہتے کہتے اپنا حال
کچھ تو تو بھی زباں سے فرماتا

میں تو جاتا ہی آپ سے لیکن
تیرے کہنے سے اب نہیں جاتا

ق
ہے عجب ماجرا کہ اپنا تو
تجھکو مطلق کہا نہیں بھاتا

اور ترا اختلاط ہر اک سے
کیا کریں ہمکو خوش نہیں آتا

ظاہر ہیں گو لکھا نہ لکھا خط تو کیا ہوا
ہوتے نہیں کوئی دل سے فراموش آشنا

مہر و وفا کا میری جور و جفا کا اپنی
میری طرف سے اپنے دل میں حساب رکھنا

بھر بھر کے آہ و نالے غش کر چلی ہے بلبل
پیالی میں گل کی شبنم تھوڑا گلاب رکھنا

خط کا جواب دے گا تو دیگا ہی وہ شوخ
نامہ کو پرزے کرکے ہوا پر اڑا دے گا

تیرا سا دل یہ میرا نہیں اسکو جان رکھ
کسکو کرے گا یاد جو تجھکو بھلائے گا

اظہار خموشی میں ہے سو طرح کی فریاد
ظاہر کا یہ پردہ ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

کیا پوچھے ہے مجھسے میری خاموشی کا باعث
کچھ تو سبب ایسا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

دور سے باغ جہاں دکھلا کے پروانہ کیا
متصل جانے نہ پایا میں کہ ویرانہ کیا

جی اگر اس سے لگا یار رشک سے دل جل گیا
دل اگر اس کو دیا جی ہاتھ سے جاتا رہا

شاد ہووے غلام کا بٹ وہ
کون پوچھے ہے عاشقی میں ذات

وعدہ آنے کا ہے حسن مت رو
ہو نہ اسکو بہانۂ برسات

اس گنجفے کا یہاں کے ہے کھیل اور ہی کچھ
دبتے ہیں جان ناحق ناداں سورتوں پر

ماتھے پہ دلبروں کے افشاں نہیں چنی یہ
تحریر ہے طلائی قرآں کی سورتوں پر

جس طرح ہو کوئی حیراں روئے حیراں دیکھکر
دل پریشاں ہو گیا زلف پریشاں دیکھکر

وصل کی شب کے مزے کو ہمنشیں پوچھیگا وہ
جو کوئی جیتا بچے گا روز ہجراں دیکھکر

پا برہنہ ساتھ ناقے کے چلا آیا ہے قیس
اک طرف کر دے صبا خار مغیلاں دیکھکر

دامن صحرا سے اٹھنے کو حسن کا جی نہیں
پاؤں دیوانے نے پھیلائے بیاباں دیکھکر

اب جو چھوٹے بھی قفس سے تو کیا
ہو چکی واں بہار بھی آخر

میں حشر میں کیا روؤں کہ اٹھ جاتے ہی تیرے
برپا ہوئی اک مجھپہ قیامت تو یہیں اور

گرچہ دلکو ہے یقیں خط کو نہیں پڑھنے کا وہ
پر تقاضا شوق کا لکھنے سے کب رہتا ہے باز

جوں چراغ صبح گاہی اے نسیم
عازم ملک فنا بیٹھے ہیں ہم

پھر چھیڑا حسن نے اپنا قصہ
بس آج کی شب بھی سو چکے ہم

کعبے میں نہ کافر ہو نہ یوں دیر میں دیندار
جس طرح کہ میں در پہ ترے خوار ہوا ہوں

صیاد کی مرضی ہے کہ اب گل کی ہوس میں
نالے نہ کریں مرغ گرفتار قفس میں

پھر کل کے تو وعدے پہ لگا کھانے قسم آج
کیا بھول گئیں اپنی وہ کل کی تجھے قسمیں

وصل ہوتا ہے جن کو دنیا میں
یارب ایسے بھی لوگ ہوتے ہیں

ناز سے غمزے سے عشوے سے لگا لیتے ہیں
جسکو وہ چاہتے ہیں اپنا بنا لیتے ہیں

چل دل اُسکے گلی میں رو آویں
کچھ تو دل کا غبار دھو آویں

گو ابھی آئے ہیں پہ ہے جی میں
پھر بھی ٹک اُسکے پاس ہو آویں

دل کو کھویا ہے کل جہاں جا کر
جی میں ہے کچھ جی بھی کھو آویں

گو خفا سب ہوا کریں پہ ہم
اک ذرا اسکو دیکھ تو آویں

عالم عین ہستی انھیں کو ہوا ہے
جو ہستی کو اپنی عدم دیکھتے ہیں

اگر زندگی ہے تو چل کر حسن ہم
ان آنکھوں سے اُنکے قدم دیکھتے ہیں

نہ لپیٹ اس طرح منہ پر زلف کو بکھرا کر اے ظالم
ذرا منہ ڈھانپ تو اسدم کہ دونوں وقت ملتے ہیں

تھا ہجر ہی بھلا کہ ہمیں تھی اُمید وصل
پھر ہجر کا خیال بندھا وصل یار میں

دیوانے گاہ رُخ کے رہے گاہ زلف کے
یہ عمر کٹ گئی اسی لیل و نہار میں

موئے سفید سے نمک اُس میں ملا دیا
کیفیت اب رہی نہیں جام شراب میں

وہ اور زمانہ تھا کہ خوباں میں تھی اُلفت
ایسا نظر آتا نہیں اب ایک بھی دس میں

غیروں کی بات کیا کہوں اسکی تو یاد میں
اپنا بھی مجکو دھیان کبھی ہے کبھی نہیں

اُسکی جب [illegible] سے [illegible] آتے نہیں
اپنے سائے آپ ہی کرتے ہوئے جنگ آتے ہیں

روٹھا کرے وہ کیوں نہ کسی اور سے حسن
یہ سب بگاڑ چاہ کا ہے اور کچھ نہیں

کل مجھ سے کچھ کیا تھا دیا [illegible]
پھر کہیو تو کہ ہم سے بولتی نہیں زبان

دروازہ لگا کھلا [illegible]
ہم کہیں کہیں آنے کو خدا سے طلب کریں

کہتا ہے [illegible]
تم ہی کہیں ہو تجا میں ہی چاہتا ہوں

مجھ کو یاد ہی نہ آتا تھا بات [illegible] ہے تو
میں [illegible] کیا تجھے اللہ بہت دور ہے تو

غیر کو تم [illegible] ادھر دیکھو!
کیا غضب کرتے ہو ادھر دیکھو

دیکھنا زلف و رخ انھیں ہر وقت
گل ہوئے جاتے ہیں چراغ کی طرح

شام دیکھو نہ تم سحر دیکھو!
ہم کو ٹک جلد آن کر دیکھو!

کلی جس جا کرے بارش تو یہ کہہ دیجیو دہقاں کو
کہ اپنی کشت پر لیجائے میری چشم گریاں کو

رکھے ہے وہ صبا سے اور یہ تیری تیغ کے دم سے
مقابل گل سے کیونکر کیجیے اپنے زخم خنداں کو

نہیں تقصیر کانٹوں کی مرا چھالا ہی پاؤں کا
برنگ کہربا کھینچے ہے خو و خار مغیلاں کو

مری ہے زیست وابستہ اسی سے اسکو ہنسنے دو
نکل جاویگا میرا جی ہی گر کھینچوگے پیکاں کو

گل کہا اس سے کسی نے کہ حسن مرتا ہے
ہنس کے کہنے لگا ہیں کیا کروں مرجا نیدو

عمارت جہاں کی پائداری پہ تو اے منعم
نظر سے مت گرا دینا کسی کے دل کے کونے کو

حسن بھی آدمی ہے کچھ خفا ہوتے ہو تم جس سے
خرابانی - جنونی - باؤلا - سودائی - آوارہ

جو ہوا ہم پہ ستم ایجاد تیرے ہاتھ سے
کیا کریں اب آہ ہم فریاد تیرے ہاتھ سے

درد دل بھی ہے تجھی سے اور تو ہی درماں بھی ہے
داد تیرے ہاتھ سے بیداد تیرے ہاتھ سے

غیر سے شکوہ شکایت کچھ نہیں دل کو ہے
شاد تیرے ہاتھ سے ناشاد تیرے ہاتھ سے

اک جان کے در پے ہیں مری اتنے ستمگر
غمزہ ہے کرشمہ ہے اشارہ ہے ادا ہے

گزشتہ اپنا جا سکے تو اک کام سب کیجیے
سایہ میں اسکی زلف کے آرام کیجیے

وہ دن گئے کہ دل میں رہتا تھا درد اپنے
اب وہ دل نہیں سراپا اک درد ہو گیا ہے

حسن دیتا ہے تو کیوں جی بتوں پر
پاوینگے تجھے پر کیا خدا سے

تیری یہ چھیڑ چھاڑ مرے جی کو بھا گئی
رلی چٹکی اس ادا سے کہ بس جان آگئی

لگاتے ہی لب سے لب بس جی دیا
حسن اور لینے کے دینے پڑے

تعجیل نہ کر اے دل اسنے تو لگا ہے وہ
ملجائے گا بوسہ بھی کیا اسکا تو الد سے

دی تھی یہ دعا کس نے مرے دل کو الٰہی
اجڑے ہے یہ گھر ایسا کہ پھر آباد نہو وے

سکھتی ہیں یہ باتیں کس پہ نہیں گذرتی
پر ایک جان تو سے پہ نہیں گذرتی

جو چاہیے آپکو تو اُسے کیا نچاہیے
اِنصاف کر تو چاہیے یہ یا نچاہیے

عیش و وصال صحبتِ یاراں فراغ دل
اِس ایک جان کے لیے کیا کیا نچاہیے

رات غیروں کا بیانِ آہ و زاری کر گئے
آپ اچھی آکے میری غم گساری کر گئے

کیا ہنسے اب کوئی اور کیا روسکے
دل ٹھکانے ہو تو سب کچھ ہو سکے

ابکے بچھڑے ملو گے پھر کہ نہیں
کچھ تو وعدہ وعید کر لیجے

ہمیں تنہا نہیں اُس شوخ کے کوچے میں کتنے ہی
برنگِ نقشِ پا ہیچو پڑے ہیں جا بجا ہمسے

پھر رو پیو حسن تو نامہ تو دیکھ لے ظالم!
تو نے تو یہ کتابت رو رو کے ساری تر کی

یہ جو کھٹکے ہے دل میں کانٹا سا
مژہ کی نوک خار ہے کیا ہے ؟

چشم بد دور تیری آنکھوں میں
نشہ ہے یا خمار ہے کیا ہے ؟

کیوں گریبان تیرا آج حسنؔ
اِس طرح تار تار ہے کیا ہے ؟

جو دیکھ کے آئینے کو منہ اپنا چھپا لے
اُسکو تو نہ مجھسا ہو نہ باتوں میں لگا لے

جب تک جیئے مصیبت غم کی نہ سر سے سرکی
سر سے گزر کے آخر ہمنے مہم یہ سر کی

اِک داغ ہو گیا اور اک ٹکڑے ہو کے نکلا
یہ کچھ تو ہمنے دیکھی صورت دل و جگر کی

بے سبب رونا نہیں آتا کسیکو ہمنشیں
شمع کے دل میں بھی شاید کچھ غم پروانہ ہے

قمارِ عشق میں پانسہ پڑا برعکس ہی اپنا
کچھ اپنی قسمت نے سے عزیزو ہار ایسی کی

بلا سے اپنے گھر میں گالیاں دیتا تو بہتر تھا
خرابی تو نے کیوں میری سرِ بازار ایسی کی

قیس و فرہاد کے رونے کی جب آتی ہے لہر
کوہ و صحرا پہ گھٹا جا کے برس آتی ہے

زندگی ہے تو خزاں کے بھی گزر جائینگے دن
فصلِ گل جیتوں کو پھر اگلے برس آتی ہے

جب قفس میں تھے تو تھی یادِ چمن ہمکو حسنؔ
اب چمن میں ہیں تو پھر یادِ قفس آتی ہے

ابروے اور مژہ سے عالم کی جان لی ہے
پہلے پہل یہ اُس نے تیر و کمان لی ہے

جان و دل ہیں اُداس سے میرے
اُٹھ گیا کون پاس سے میرے

تم اُدھر دھوتے رہے منہ ہم اِدھر روتے رہے
روتے دھوتے دو گھڑی باہم فریبے کٹ گئی

جی اُڑانے زلف نے دل ہوش غمزے نے لیا
جنس ہستی اپنی سب غارت ہیں آکر لُٹ گئی

حسن

حسنؔ - حاجی سید احمد حسن صاحب لکھنوی - شاگرد نواب معظم الدولہ عرف خواجہ صاحب دہلوی زیادہ حالات و واقعات کا پتہ نہیں چلا - نمونۂ کلام درج ذیل ہے - ملاحظہ ہو -

کسی حجاب سے اِن ابروؤں کو کام نہیں
یہ تیغے وہ ہیں جن کا کوئی نیام نہیں

پھری نگہ نہ کبھی اُسکے طاقِ ابرو سے
یہ وہ نماز ہے جس کے لیئے سلام نہیں

ہوا ہوں بادۂ وحدت سے ای حسن سرمست
جو مے خمار سے ہو پاک وہ حرام نہیں

حسن

حسنؔ - دہلوی - میرزا کاظم حسین حسن عرف میرزا حسنو ولد مرزا عطا بیگ دہلوی نواب محمد سعید خان والی رامپور کی سرکار میں ملازم تھے - مدتِ دراز تک وہیں رہے - تقریباً برس کی عمر پاکر ۱۲۸۲ھ میں انتقال کیا - علم تاریخ میں اچھی مہارت رکھتے تھے - صاحب دیوان گزرے ہیں - یہ اُنکے کلام کا انتخاب ہے -

زبان کٹنے کو واعظوں کے ہو مسلمان حرم میں جاکر
نماز روزہ گلے پڑے گا خدا خدا کر خدا خدا کر

جسے دعویٰ خون کا تھا کئے تھے فرہاد کو
حشر میں بھی حکمراں دیکھا اُسی جلاّد کو

وفورِ شوق میں کسکو خبر ہے
وفا کی اُسنے یا ہم پر جفا کی

یہی اک رند باقی تھا صد افسوس
خدا بخشے حسن نے بھی قضا کی

رہا ہے کون اگلوں میں حسن یا میرزا نوشہ
یہ دو باقی تھے رندوں میں سو بنکر پارسا بیٹھے

صبح ہوتی ہے شبِ غم نہ قضا آتی ہے
چارہ گر کچھ سمجھے مرنے کی دوا آتی ہے

حسن

حسنؔ - منشی سید محمد حسن ولد میر حسن لکھنوی تلمیذ خواجہ وزیر لکھنوی - خود بھی ماموراور صاحب دیوان تھے - جس کا قلمی نسخہ راقم تذکرہ کے کتب خانے میں موجود ہے - امجد علی شاہ اور واجد علی شاہ کے زمانے میں نشو و نما پائی تھی - مگر اکثر شعر دیوان میں ایسے ہیں کہ جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُنھیں شاعری کا مذاقِ سلیم نہ تھا - یا غالباً اُنکے عہد کی سوسائٹی کا اثر ہی

بہرکیف ہم نے اس قسم کے اشعار انتخاب میں نظرانداز کر دیئے ہیں۔ عمدہ کلام درج ذیل ہے

ہم بھول گئے جس کے لیئے یاد خدا کی — وہ بُت بھی ہوا رام نہ اسے برہمن اپنا
کہتی ہے یہ ہمت پس مُردن بھی ہماری — کام آئے کسی اور کے وہ گز کفن اپنا

رہائی ہو مجھے کیونکر بلائے تیرہ بختی سے — [illegible] سے پھنسے زلف و خط و خال زنخداں کا

اس مست ناز کو گر شوق شراب ہوگا — خم آسمان بنے گا جام آفتاب ہوگا

جی سے [illegible] الفت [illegible] جی ہی چلا — [illegible] میں [illegible] لگا

تو خود بینی سے ہے وہ آئینہ رو — حال کیا پوچھے کسی غمناک کا

ہم سے نہ یونہی چھوٹ گیا کوچۂ صنم — جنت کو جیسے ہاتھ سے آدم نے کھو دیا

نہ تو رنگ زلف سیاہ تھا نہ وہ چہرہ غیرت ماہ تھا — کہیں آپ صورت بلبل تھا کہیں آپ شکل بہار تھا
شب ہجر [illegible] تو یہ حسرت [illegible] — جو سحر کو اٹھوں تو دیکھوں کیا مرا آئینہ رخ یار تھا
[illegible] تیرے یار کا [illegible] دونوں کی آرزو — [illegible] اشتیاق [illegible] تھا
وہاں [illegible] میں کنارا [illegible] کر گزری — عشق بازی کا مزا اسے [illegible] دکھا
مر جاؤں میں تو خاک [illegible] کوئے یار — [illegible] مری سے آسمان خراب

خون دل عاشقوں کا حاضر ہے — کیوں حنا ہاتھ میں لگائیں آپ
تیرے لعل لب [illegible] سے خراج — تری زلف [illegible] ختن سے خراج
وہ [illegible] — لیا [illegible] چیں کی تن سے خراج

[illegible] ان کے واسطے [illegible] — [illegible] مکان [illegible]
بلبل کو [illegible] — [illegible] دونوں [illegible] ہے گلشن بہار
جل ہی گیا [illegible] — [illegible] ہمکنار [illegible]
[illegible] — [illegible] اس گلشن کی [illegible]
آنکھیں ہوئے ختن [illegible] — [illegible] تار زلف

سرگشتہ ہوں ایسا کہ پس مرگ بھی اکثر
بنتا ہے مری خاک سے کے چرخ کہن چاک

سنتے ہیں وہ جور و ستم کہوں ماجرائے دل
بیداد پر کسیکا الٰہی نہ آئے دل

پہلو میں دل جو ہو تو وہ لیجائے دلستاں
رکھتا ہوں میں تو پارۂ آتش بجائے دل

عارض پہ حسن اسکے نہیں زلف پریشاں
ہے صبح وطن شام غریباں کے مقابل

واہ رے خوبیٔ قسمت کہ بگڑنے کے سوا
کوئی بنتا نہیں اپنا کسی تدبیر سے کام

تجھ سے اک بوسے کے طالب ہیں فقط اے شہ حسن
نہ غرض مال سے رکھتے ہیں نہ جاگیر سے کام

وصل ممکن نہ ہوا ہو گیا اے جان وصال
رہی آخر یہ مرے دل کی تمنا دل میں

اک دم ٹھہر کہ جان نکلتی ہے جسم سے
جاتا ہے اٹھ کے او بت نامہرباں کہاں

تکتا ہوں ہر طرف نہیں ملتی وطن کی راہ
مجھ ناتواں کو چھوڑ گیا کارواں کہاں

جائے کیونکر تری محفل سے یہ دیوانہ کہیں
شمع کو چھوڑ کے جاتا نہیں پروانہ کہیں

دل ہے کاکل میں پھنسا کیجو نہ تو شانہ کہیں
قید سے چھٹ کے نکل جائے نہ دیوانہ کہیں

ساغر وصل کا طالب جو ہوا میں تو کہا
ہو لبالب نہ تری عمر کا پیمانہ کہیں

دیکھا اس بت کو جو زاہد نے تو یہ حال ہوا
پھینکا عمامہ کہیں سبحۂ صد دانہ کہیں

جو پوچھتا ہوں کہ کیوں تاکتے ہو دل کو مرے
تو کہتے ہیں کہ ہم اپنا شکار دیکھتے ہیں

دکھا دی دور سے مثل ہلال شکل تو کیا
جو آپ پاس بلا لیں تو ہاں کمال کریں

شعلۂ عارض پہ تیرے خط عیاں ہوتا نہیں
شمع روشن ہے وہی جس میں دھواں ہوتا نہیں

بدزبانی کے عوض خنجر لگانا خوب ہے
اندمال زخم شمشیر زباں ہوتا نہیں

جیتے جی اے جان جاں ہم تم جدا ہوں ہے عجب
بے موئے ہرگز فراق جسم و جاں ہوتا نہیں

بخدا تجھ سا حسیں او بت مغرور نہیں
ہمسری تجھ سے کرے حور یہ مقدور نہیں

تیری رسوائی کسی شکل سے منظور نہیں
ورنہ عاشق نہ کرے آہ یہ دستور نہیں

مثل سچ ہے کہ ہوتی ہے بلا ناجنس کی صحبت
الٰہی آدمی کوئی نہ ان پریوں پہ مائل ہو

کام کیا ہے درو درباں سے سبکساروں کو
بوئے گل پھاندتی ہے باغ کی دیواروں کو

فدائیوں میں ہمارا شمار ہونے دو
تم اپنے چاند سے رخ پر نثار ہونے دو

اب تجھ سے کیا کہوں میں کہ یہ چھوٹا منہ بڑ
آنکھوں سے تو تو دیکھ چکا میرے حال کو

وہ باتیں کیں کہ اور بھی آزردہ کر گئے
آئے جو میرے پاس وہ رنج ملال کو

بوسہ دست صنم سے لیتا آرائش کے وقت
کاش میں ہوتا حسن الٹے پشت آئینہ

جس بزم میں وہ آئینہ رو یک بیک گیا
حیراں وہ بزم صورت تصویر ہو گئی

رہا ہوئے ہیں ہزاروں اسیر اے صیاد
ادھر بھی اک نظر بندہ پروری ہو جائے

مرے سوا نہ کسی اور پر کرو بیداد
مجھی پہ ختم تمہاری ستمگری ہو جائے

زلف کو دیکھے تو ہو جائے مسلماں کافر
رخ ترا دیکھے جو کافر وہ مسلماں ہو جائے

حسن — حسن۔ منشی محمد حسن صاحب حسن باشندۂ گوپامئو وکیل عدالت بچھو شاگرد مرزا حاتم علی بیگ مہر مغفور۔ انتقال کیے عرصہ ہوا۔ چند شعر یادگار ہیں۔

ہزار بار اٹھائے گئے مگر نہ اٹھے
مثال نقش کف پا پڑے رہے در پر

مسافران عدم پاؤں کسطرح سے اٹھائیں
لدا ہوا ہے بار گناہ سب کے سر پر

ہمارے کاٹے تو کٹتی نظر نہیں آتی
شب فراق نہیں ہے پہاڑ ہے سر پر

صورت نظر پڑی ہے فلک پر سحاب کی
ساقی ذرا اٹھا دے تو ڈاٹ خم سے شراب کی

حسن — حسن۔ شیخ حسن بخش ولد مخدوم شاہ محمود ساکن ملتان۔ زیادہ حال معلوم نہ ہوا۔

زلف تجھ سے ادھر نہیں ہوتی
کبھی شب تیرے سحر نہیں ہوتی

تیرے دنداں کے روبرو ہرگز
قدر لعل و گہر نہیں ہوتی

بے سبب عشق زلف او کاکل
عمر اپنی بسر نہیں ہوتی

حسن — حسن۔ مولوی سید امیر حسن صاحب مرحوم تخلص حسن ابن حاجی سید اکبر علی صاحب مرحوم ساکن سہارنپور سادات موسوی اثنا عشری تھے۔ انکے جد اعلی سید عبدالہادی صاحب

عرف شاہ چراغ کاشان سے سلطان محمود غزنوی کے ہمراہ ہندوستان میں آئے تھے۔ مولانا حسن نے تقریبًا ۵۰ سال تک سرکار انگریزی کی عدالتہائے ضلع میں وکالت کی جائداد آبائی بھی بہت کچھ تھی۔ نہایت متقی و پرہیزگار۔ عربی و فارسی میں استعدا د کامل رکھتے تھے۔ اس لیئے اوقات فرصت میں شغل درس بھی جاری رہتا تھا۔ اور علمی مباحثات اور اہل علم و فن سے انکی صحبت ہمیشہ گرم رہتی تھی۔ لکھنؤ و دہلی کے باکمال سہارنپور میں وارد ہوتے تو انہی کے مہمان ہوتے۔ خوشنویس بھی اعلیٰ درجہ کے تھے۔ عربی۔ فارسی۔ اردو تینوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ ملک الشعرا مولوی مہدی علی خان صاحب مراد آبادی اکثر انکے یہاں آکر مقیم ہوتے تھے۔ چنانچہ انہیں سے تلمذ اختیار کیا تھا۔ سہارنپور کے مقتدر شرفا اور عمائد میں گنے جاتے تھے۔ دہلی و لکھنؤ بھی گئے اور وہاں کے اہل کمال سے ملکر داد سخن دیتے اور لیتے۔ کا موقع ملا۔ آخر میں بوجہ پیرانہ سالی اور داغ مرگ فرزند جوان کیوجہ سے حواس میں اختلال آگیا تھا۔ سنہ ۱۸۸۹ء میں [illegible] برس کی عمر میں انتقال کیا۔ اور سہارنپور میں دفن ہوئے۔ افسوس کہ کلام مصنف کے امراض دماغ اور ورثا کی کم التفاتی سے تلف ہوگیا۔ اس لیئے جو کچھ دستیاب ہوا حاضر کیا جاتا ہے ؎

جب آسیا کی طرح رات دن رہی گردش — بزیرِ چرخ میسّر تب اک دانہ ہُوا

غیر سے روک لیا مجکو جتانا کیا تھا — عذر بدتر ز گنہ بات بنانا کیا تھا

زلف و رخ انتخاب ہیں دونوں — روز و شب کے جواب ہیں دونوں

سوزِ فرقت سے جل رہا ہوں میں — جگر و دل کباب ہیں دونوں

وصل میں چین ہے نہ فرقت میں — جان کو اک عذاب ہیں دونوں

شرم ادھر ہے نہ کچھ لحاظ ادھر — نشہ میں بے حجاب ہیں دونوں

کام کے آدمی تھے قیس و حسن — عشق میں پر خراب ہیں دونوں

جہاں کی ہوتی ہے وہیں لیجا کے رہتی ہے — حسن پاؤں میں ہے ہر شخص کے زنجیر مٹی کی

وا دریغا عجیب ہستی ہے	موت ہستی پہ اپنی ہنستی ہے
خیال آنکھوں کا اُنکی یاں تاک دل میں سمایا ہے	مجھے سب لوگ کہتے ہیں اسے پریوں کا سایا ہے
حسن سوتا تھا کُنجِ قبر میں آرام و راحت سے	اسے لے شورِ محشر کس لیئے تُو نے جگایا ہے

حسن

حسن ۔ شاہ محمد حسن صابری خلف حکیم حافظ عبداللہ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمہ اللہ کی اولاد میں تھے عموماً کسب کمالات کا شوق رہا خصوصاً فن ڈاکٹری کا بہت ذوق تھا۔ کبھی کبھی شعرگوئی کی طرف بھی توجہ کرتے تھے۔ نواب خلد آشیاں کے عہد میں ریاست رامپور کے متوسّل تھے۔ پہلے حکیم محمد حنیف رضا اپنے ماموں سے پھر اپنے پیر و مرشد سے اصلاح سخن لیتے تھے۔ آخر میں حضرت امیر مینائی مرحوم کو بھی اپنا کلام دکھایا۔ تذکرۂ انتخاب یادگار* کے وقت ستّر برس کی عمر تھی۔ یہ ان کے اشعار ہیں ؎

مِٹی نظر میں اُسکی ہے اکسیر و کیمیا	ہاتھ آئی جسکو روضۂ احمد کی خاکِ پا
وادیٔ غربت میں جا نکلا جو طیبے کیطرف	دیکھ کر گورِ غریباں کو وطن یاد آگیا
بوستاں میں مہک رہے ہیں جو پھول	یہ حبیبِ خدا کی خوشبو ہے

نواب خلد آشیاں کی مدح میں یہ قصیدہ ہے کے چند اشعار ہیں۔

کِس کے اوصاف کا کاغذ پہ کِھلا ہے گلشن	کہ ہر اِک مصرعِ برجستہ ہے شمشادِ چمن
نقطے حرفوں پہ دکھاتے ہیں لطافت کی بہار	گلِ فردوس سے گلچیں کا بھرا ہے دامن
دیکھا یہ رنگ تو خوش ہو کے یہ دل سے پوچھا	کس گلِ تر کی صفت میں یہ کِھلا ہے گلشن
ہنس کے تب بلبلِ دل کو یہ دیا میں نے جواب	میرے ممدوح کا تو نام ہے سب پر روشن
نامورِ کلب علیخان بہادر ہے لقب	معدنِ جود و عطا فیض و سخا کا مخزن
فیض ایسا ہے کہ ادنیٰ کو بنا دے اعلیٰ	خُلق ایسا ہے کہ دشمن بھی جُھکا لے گردن

حسن

حسن ۔ سیّد علی حسن شاہجہاں آبادی۔ آپ شجاع ۔ تیر انداز ۔ خوشنویس ۔ دستکار ۔ فن بانک و پٹہ میں مہارت کامل رکھتے تھے اور باہمہ صفت موصوف تھے۔ صاحب غیرت آپ سے

تھے کہ اگرچہ عدم مساعدت روزگار سے پریشان رہے مگر کسی سے اپنی حاجت کا اظہار نہ کیا۔ طبع موزوں تھی یہ چند اشعار انکی یادگار ہیں۔

ناز آئینے پہ اتنا یہ سکندر مت کر یہ تم جانو ہو بجلی کو سکھائیں کس نے اَچپلیاں	کیا تماشا ہو جو سینے سے دل آوے باہر ہمارے دل ستی تعلیم لے سیکھی ہے بے کلیاں

حسن - مولوی حاجی سید مجتبیٰ حسن ولد سید محمد حسن ساکن مارہرہ ضلع ایٹہ ۱۲۶۷ھ ہجری میں پیدا ہوئے۔ عربی فارسی کی تعلیم کے بعد کچھ دنوں تک محکمہ پرمٹ میں ملازمت کی۔ نہایت ذہین اور طبّاع شخص تھے۔ طبیعت اس فن سے مناسبت رکھتی تھی۔ اور اسی شوق کی وجہ سے ہر دوسرے مہینے اپنے ہاں مشاعرہ کیا کرتے تھے۔ سید علی احسن مارہروی انھیں کے بیٹے ہیں علاوہ شعر گوئی کے تاریخ گوئی میں بھی دخل تھا۔ چنانچہ انکی تاریخوں کا پورا دیوان موجود ہے۔ طبیعت نہایت دقیق اور سخن سنج پائی تھی جب اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد سجادہ نشین ہوئے تو شاعری سے تائب ہو گئے اور اپنے فرائض منصبی میں مصروف رہنے لگے حتیٰ کہ ۱۳۱۱ھ ہجری میں معہ اہل و عیال سفر حجاز اختیار کیا۔ وہاں سے واپسی کے وقت طبیعت زیادہ ناساز ہوئی۔ انکے بیٹے احسن ہمراہ تھے۔ جوں توں ہندوستان پہنچے اور بمبئی پہنچ کر ۱۹ ربیع الاول ۱۳۱۱ھ ہجری کو انتقال کیا۔ ان کا اردو کلام جمع نہ ہو سکا۔ کچھ اشعار انکے احسن مارہروی سے ملے وہ درج ذیل کیئے جاتے ہیں +

مقتل میں جو تلوار پئے قتل نہ گر آیا	لے عاشق جانباز بھی ہاتھوں پہ سر آیا
تقسیم ہوئی رزق کی تو حصے میں میرے	غم کھانے کو اور پینے کو خون جگر آیا
دیکھی نہ جگہ کوئی ترے جلوے سے خالی	جس سمت نظر اٹھ گئی بس تو نظر آیا
یہ عقدہ خال لب سے کھل گیا خوب	دہان تنگ کا بھید ملا خوب
مدینے میں اگر مسکن ہوا اپنا	حسن اوقات گزرے اپنی کیا خوب

حسن - میر محمد حسن ابن میر قلندر علی متوطن سکندر آباد مقیم دہلی منشی ہرگوپال تفتہ

و حکیم آغا جان عیش کے شاگرد تھے۔ روزگار پیشہ تھے اور ۱۸۶۷ء میں دلی میں رہتے تھے یہ ان کا کلام ہے ؎

ناحق اس بت کی دوستی میں حسن
لگ گیا داغ پارسائی میں

حسن گل آبلہ پا وحشیانہ سر کو ٹکراتا
اٹھائے منہ گریباں چاک جاتا تھا بیاباں میں

مجھ سے بنیاد ہے محبت کی
عشق کا خاندان ہے مجھ سے

برا ہو یا الٰہی دل لگی کا
گھٹا کی عمر اور الفت بڑھا کی

رونے سے ایک پل نہیں مہلت فراق میں
جو آنکھ کیا لگی مرے پیچھے بلا لگی

حسن — سید محمد ابو الحسن خان مرحوم خلف جناب رضی الدولہ میر نور الحسن خان صاحب کلام جنگ نبیرۂ امیر الملک والا جاہ مولوی سید محمد صدیق حسن خان صاحب مرحوم ہیں ناکام تمنا او جوانا مرگ کی ولادت سنہ ۱۳۰۰ ہجری میں بمقام بھوپال ظہور میں آئی۔ ابھی نہ پورا سا ہوش سنبھالا تھا۔ نہ درس و تدریس سے فرصت پائی تھی۔ درس عربیہ قریب الاختتام تھیں اور آخری صحاح ستہ کا سبق ہوتا تھا کہ سنہ ۱۳۱۸ ہجری میں عین آغاز شباب کے وقت ماں باپ اور دوستوں کو داغ مفارقت دیکر عالم ہستی سے کوچ کیا۔ کل ۱۸ برس دنیا کی ہوا کھائی۔ مرنے سے ڈھائی تین برس پہلے شعر و شاعری کا شوق ہوا جو بڑھتے بڑھتے اتنا بڑھا کہ بالکل اسی میں منہمک ہو گئے۔ فارسی میں زیادہ محویت تھی۔ حضرت میرزا غالب دہلوی کی روش کو زیادہ پسند کرتے تھے۔ چنانچہ اردو فارسی دونوں زبانوں میں انھیں کا تتبع کیا۔ عرشی اور حسن دو تخلص اختیار کیے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ ہونہار طبیعت پائی تھی۔ مگر افسوس عمر نے وفا نہ کی۔ کل دو ڈھائی سال کی مشق پر یہ عالم ہے کہ وہی فارسی ترکیبوں کے ساتھ میرزا کی طرح لفظوں کو جمع کرتے ہیں اور گویا پر لگا کر اڑنا چاہتے ہیں۔ مگر اکثر تو گر پڑتے ہیں اور کہیں کہیں سنبھل بھی جاتے ہیں۔ پھر دونوں مصرعوں میں یکساں زور قائم نہیں رہتا تاہم ایک آدھ مصرعہ یا کوئی کوئی پورا شعر بھی خاصہ بلکہ اچھا کہہ جاتے ہیں۔ حافظ خان محمد خان صاحب شہیر سے تلمذ تھا۔ اگر کچھ دن مشق

جاری رہتی تو فی الحقیقت اچھا کہتے۔ اِنکے بھائی نے اُنکی بیاض راقم تذکرہ کے پاس بھیجدی تھی بطور یادگار چند شعر درج کیے جاتے ہیں ✦

نمایاں کاکل مشکیں سے ہونا روئے جاناں کا
چمکنا ہے شب تاریک میں مہر درخشاں کا

پہلے کسی سے وعدے کا ہوتا نہ تھا یقین
از بسکہ دل شکستۂ پیمان یار تھا

چشم پروانہ سے خوبان جہاں کو دیکھا
شمع رویوں میں کوئی تجھسا طرحدار نہ تھا

تھا فقط پاس نزاکت ترا مجھکو ورنہ
کھینچ لانا کشش آہ سے دشوار نہ تھا

دیجیے دل تو یہ معلوم ہوا ہمکو حسن
جسکو دلدار سمجھتے تھے وہ دلدار نہ تھا

واصل بحقیقت ہوں جو ہیں عشق بتاں سے
دل زندۂ جاوید ہوا ہے حسن اپنا

ہیولائے متاع عیش تھی آشفتگی دل
جسے سمجھے تھے ہم حنظل اسی کو انگبیں پایا

آہ دل سے جو شرر نکلا وہ خالص زر ہوا
آنکھ سے ٹپکا جو قطرہ میری وہ گوہر ہوا

لب زاہد ہم آغوش شراب تند ہے عرشی
ہوا ہے نذر آتش آج خرقہ پارسائی کا

اندوہ کاوش غم ہجراں عیاں ہے اب
دل محو ذوق پردہ ساز بیاں ہے اب

دل سرد مہریوں سے حسینان دہر کی
سرگرم جوش نالۂ آتش فشاں ہے اب

ہوا ہے شادئ دل کا سبب رنج و الم مجھپر
وہ مجھپر رشک کرتے ہیں جو کرتے ہیں ستم مجھپر

بتوں سے رنجش بے اتفاقی کی کوئی حد ہے
ہوئی ہے سب بے تکلف فرض اب سیر حرم مجھپر

یونہی ہر بات پہ کھنچتی رہی گر تیغ اے عرشی
تو پھر آسان ہے دشواری راہ عدم مجھپر

ہے زخم تیر سینہ میں سرمایۂ طرب
پیکان یار دل میں ہوا رہنمائے عیش

آلودہ سرشک ندامت ہے چشم یار
یہ بھی ادا ستم کی ہے عذر ستم نہیں

جاں بازِ شوق و طالب دیدار یار ہیں
نے دیر سے غرض نہ تعلّق حرم کے ساتھ

سبو ہے اور نہ مینا ہے نہ ساقی ہے نہ پیمانہ
کسیکی نرگس میگوں سے اک عالم ہے مستانہ

مستی فشاں نگہ نگہ مے فروش ہے
پا در رکاب جلوۂ نیرنگ ہوش ہے

وفورِ تشنگانِ شوق سے گردوں بھی حیراں ہے
شفق آئینہ دارِ برقِ شمشیرِ درخشاں ہے

ہے آخر کس لیئے یہ التہابِ آتشِ دوزخ
نہیں غم گر مرا تر عرصۂ محشر میں داماں ہے

نہیں ذوقِ سخن مجکو مگر مجبور ہوں عسکری
کہ منظورِ دلِ غمگیں رضائے مرتضیٰ خاں ہے

سخن میں بھی مرے رنگِ دلِ خونناب افشاں ہے
مرا ہر حرفِ دیواں دانۂ تسبیحِ مرجاں ہے

گدازِ دردِ الفت کیجئے کیونکر بیاں عسکری
مرا دل شمع ہے اور خامشی گویا مری جاں ہے

یہی بس آرزوئے دل تھی ہمنے بھر پایا
کسیکا ہائے یہ کہنا کہ آرزو کیا ہے؟

یہ رنگ لائی ہے نیرنگ سازیٔ الفت
وگرنہ اشک کی جا آنکھ میں لہو کیا ہے؟

سود و سودائے محبت میں کہاں ہوتا ہے
دین و ایمان و دل و جاں کا زیاں ہوتا ہے

دل میں پوشیدہ کہیں عشقِ بتاں ہوتا ہے
آگ جس گھر میں سلگتی ہے دھواں ہوتا ہے

باغباں باغ میں بلبل کو چہک لینے دے
دو ہی دن میں تو یہ تاراجِ خزاں ہوتا ہے

سن کے احوال مرا ہنس کے یہ ظالم نے کہا
اچھا بیمارِ محبت کا کہاں ہوتا ہے

ہم جستجوئے جلوۂ جانانہ کرینگے
طوفِ حرم و کعبہ و بتخانہ کرینگے

طاقِ ابرو کو جب سے دیکھا ہے
ہمنے ڈالی ہے خوئے عبادت کی

نہ غرض دین سے ہے انکو نہ دنیا کی طلب
سب سے فارغ ہیں ترے عشق کی ملت والے

سینہ حریفِ کاوشِ مژگاں نہیں رہا
کسکی دل و جگر کو الٰہی نظر ہوئی

آئے تھے آج پرسشِ زخمِ جگر کو لیک
دل کو بھی ہائے بسملِ مژگاں بنا گئے

حسن - جناب سید حسن عسکری صاحب متخلص بہ حسن - ولدیت اور تلمذ کا حال معلوم نہیں - لکھنؤ وطن ہے - نمونۂ کلام درج ذیل ہے - حسن

خطا دیوانگانِ عشق کی کوئی نہیں نکلی
غلط محشر میں تحریرِ کراماً کاتبیں نکلی

بلا آئی جو کچھ بھی جائے آسائش کہیں نکلی
فلک نے سر پہ وہ ڈالی کہ پاؤں سے زمیں نکلی

جلایا دل بتانِ حور وش کی سرد مہری نے
مری دوزخ سے بھی کیفیتِ خلدِ بریں نکلی

کیا قاتل نے جب کشتہ مجھے شیریں دائی سے — بجائے موجِ خوں شہ رگ میں جوئے انگبیں نکلی
نہ دی جب اُس بتِ نامہرباں نے دادِ دلسوزی — حسن نکلی تو کس مصرف کی آہِ آتشیں نکلی

گئی دل سے نہ اے ناصح خلش سودائے مژگاں کی ؛ ذرا سی پھانس تجھ سے چاہ گر اب تک نہیں نکلی

حسن - حسن تخلص حسن جان خلف شیخ غلام مرتضیٰ مصور ساکن قدیم شہر لکھنو محلہ نادان محل شاگرد خواجہ محمد عبدالرؤف عشرت لکھنوی عمر ۲۵ سال سلسلۂ شاگردی خاندانِ میر سے ملتا ہے ابتدائے سن سے شاعری کا شوق ہے - دیوان ناتمام ہے -

جس جرم کا حقیقت کو خود اعتراف ہو — رحمت تری پکار کے کہہ دے معاف ہو
ہرگز خیالِ گیسوئے جاناں نہ چھوڑیئے — صدمے ہوں لاکھ عشق کا داماں نہ چھوڑیئے
تھک جائیں پاؤں دشت کا داماں نہ چھوڑیئے — مر جائیے پہ ہاتھ سے میداں نہ چھوڑیئے
ہر شب یہ میری قبر پہ کہتی ہے بیکسی — یوں بے چراغ گورِ غریباں نہ چھوڑیئے
آزمانے کے لیے تیغ جو قاتل آئے — کون پھر میرے سوا ہے جو مقابل آئے

حسن - کرنل صاحبزادہ محمد حسن رضا خاں صاحب بہادر کمانڈنگ افواج ریاستِ رامپور آپکے والد احمد رضا خان عرف پیارے صاحب مرحوم نواب خلد آشیاں کے بھانجے تھے - آپکی عمر اب ۳۵ - ۳۶ برس کے قریب ہے - مضطر خیر آبادی سے فن سخن میں استفادہ کرتے ہیں اور ریاست میں ۵۰۰ روپیہ ماہوار کے منصبدار ہیں - اب کلام ملاحظہ ہو -

پھونکتا ہے دل چراغِ روئے جانانہ مرا — رات کیسی دن کو بھی جلتا ہے پروانہ مرا
تو نے پھیری آنکھ چشمِ تر سے آنسو گر پڑے — یاس نے چھلکا دیا لبریز پیمانہ مرا
یہیں لیے پھرتا ہوں دلمیں اک بتِ بیدرد کو — اب تو میرے ساتھ ہی رہتا ہے بتخانہ مرا
دل کی بربادی کا بھی اک روز پھل مل جائیگا — رنگ کچھ لائیگا مل کر خاک میں دانہ مرا
جب تعلق ہے تو اظہارِ تعلق چاہیئے — جب پری تم ہو تو رکھو نام دیوانہ مرا
رکھتے ہیں لاگ ایک نہ اک خوبرو سے ہم — لاچار ہیں مزاج سے - مجبور خو سے ہم
اک حیلہ چاہیئے مجھے لڑنے کے واسطے — امیدِ صلح رکھتے ہیں اُس جنگجو سے ہم

بیتاب کرنا اسے دل ایذا طلب ہمیں — باز آئے تجھ سے اور تری آرزو سے ہم
ایسے ہی تو وہ ہیں کہ چھپا لینگے عشق غیر — سو بار تاڑ لینگے حسن گفتگو سے ہم
وہ خوب جانتے ہیں مرے دل کا مدعا — حالانکہ کچھ زباں سے کہتا نہیں ہوں میں

کوئی عدم کا بھلا کیا سما ملا سمجھے — جو مبتدا کو نہ سمجھا خبر کو کیا سمجھے
کہا جو میں نے کہ تم میرا مدعا سمجھے — تو مسکرا کے وہ بولے مری بلا سمجھے
جو بیخبر تھے وہ گھر جانتے رہے غافل — جو ہوشیار تھے دنیا کو وہ سرا سمجھے
دیا جو رنج کسی نے تو خوش ہوا دلِ زار — اٹھا جو درد کلیجے میں ہم دوا سمجھے

حسن — حسن۔ سخنور خوش بیان ناظم شیریں زبان مولانا حاجی محمد حسن رضا خان صاحب حسن بریلوی خلف مولانا مولوی نقی علیخاں صاحب مرحوم و برادر مولانا مولوی احمد رضا خاں صاحب عالم اہل سنت و شاگرد رشید حضرت نواب فصیح الملک بہادر داغ دہلوی آپکے صاحبزادے نے جو حالات ارسال کیئے انکا خلاصہ یہ ہے۔

آپ ۴ ربیع الاول ۱۲۷۶ھ کو پیدا ہوئے۔ آپکے آبا و اجداد دلی کے رہنے والے تھے آپکے جد امجد محمد سعادت علیخاں صاحب کی وفات تک تو آپکے خاندان کا مسکن اسی شہر میں رہا مگر اسکے بعد مستقل سکونت بریلی میں قرار پائی۔ چنانچہ اب وہی وطن ہے۔ آپکے بزرگوں میں حضرت محمد اعظم علیشاہ صاحب بہت بڑی دولت و ثروت چھوڑ کر تارک الدنیا ہوگئے تھے اور صاحب کشف و کرامات گزرے ہیں۔ علم و فضل آپ کا خاندانی ہے۔ نعت گوئی میں اپنے برادر بزرگ مولوی احمد رضا خاں صاحب سے مستفیض ہیں اور عاشقانہ رنگ میں بلبل ہندوستان سے تلمذ تھا۔ جس زمانے میں حضرت داغ رامپور میں تھے آپ انکے شاگرد ہوئے اور ہر سال ایک دو مہینے انکی خدمت میں رہکر فیض صحبت سے مستفیض ہوتے رہے۔ داغ صاحب کو ان سے خاص انس تھا اور اکثر پیارے شاگرد انھیں کہا کرتے تھے سنہ ۱۳۲۵ھ میں معہ عیال حج کیا اور واپسی پر غزل گوئی ترک کردی۔ محض نعت اور منقبت کو

ہی اپنا مشغلہ ٹھہرایا۔ چنانچہ نعت میں ایک پورا دیوان مرتب کیا اور بہنگام طبع جبکہ صرف دو یا تین ورق آخر کے چھپنے باقی تھے ۲۲ ماہِ رمضان ۱۳۲۶ھ کو ۵۰ سال چھ ماہ کی عمر میں بعارضۂ تپ اس جہانِ فانی سے رحلت کی۔

آپ کا عاشقانہ کلام آپکے بعد طبع ہوا ہے۔ جو فی الحقیقت بہت اچھا ہے۔ صفائی۔ سادگی۔ بندش۔ اور شوکتِ الفاظ کے علاوہ پُر درد اور مؤثر بھی ہے۔ طرزِ بیان میں سادگی کے ساتھ تیکھا پن غضب کا ہے۔ تعقید اور آورد کا شروع سے اخیر تک نام و نشان بھی نہیں ہے۔ اکثر مصرعۂ ثانی کی نسبت مصرعۂ اولیٰ تو آپ غضب ہی کا لکھ جاتے ہیں۔ بعض اشعار میں مصرعۂ اولیٰ کے الفاظ کو الٹ پلٹ کر اس خوبی سے مصرعِ ثانی کا مضمون پیدا کر لیتے ہیں کہ تعریف نہیں ہو سکتی۔ بول چال اور محاورات میں بھی حرف گیری کی کم گنجایش ہے الغرض آپ کا مذاقِ شعر پاکیزہ اور اسلوبِ بیان قابلِ تعریف ہے۔ اس میں شک نہیں کہ نواب فصیح الملک مرزا داغ دہلوی کے تلامذہ میں آپ ایک امتیازی درجہ رکھتے تھے اور کچھ عجب نہیں کہ اگر زندگی مستعار وفا کرتی اور یہ مشغلہ قائم رہتا تو اُنکے نام کو جِلا دیتے۔ دیوانِ مطبوعہ کا انتخاب ملاحظہ ہو۔

کیوں دلِ زارِ محبت کا نتیجہ دیکھا	دردِ فرقت کا کوئی پوچھنے والا دیکھا
بس رخِ یار سے اُٹھتے ہوئے پردہ دیکھا	پھر خبر ہی نہ رہی کیا کہیں پھر کیا دیکھا
کان وہ کان ہے جسنے تری آواز سنی	آنکھ وہ آنکھ ہے جسنے ترا جلوہ دیکھا
آپ کہتے ہیں کہ جا دیکھ لیا دل تیرا	دیکھتے تو اپنے سوا دلمیں مرے کیا دیکھا
شربتِ دید میں کیا جانے مزے ہیں کیسے	جتنا سیراب ہوا اتنا پیاسا دیکھا

حسن جب مقتل کیجانب تیغِ براں لیچلا	عشق اپنے مجرموں کو پابجولاں لے چلا
آرزوئے دیدِ جاناں بزم میں لائی مجھے	بزم سے میں آرزوئے دیدِ جاناں لیچلا
میرے گھر تک پاؤں پڑکر انکو لایا تھا نیاز	جاذ دامن کھینچتا سوئے رقیباں لیچلا

بیمروّت ناوک افگن آفریں صد آفریں
دل کا دل زخمی کیا پیکاں کا پیکاں لیچلا

اِس سے بڑھکر آرزو کیا تو ہو قاتل ہم شہید
پوچھنا کیا ہے ستمگر تیغ براں لے چلا

دل کو جاناں سے حسن سمجھا بجھا کر لائے تھے
دل ہمیں سمجھا بجھا کر سوئے جاناں لیچلا

بسملوں کو زخم زخموں کو مبارک لذتیں
سوئے مقتل پھر کوئی تیغ و نمکداں لیچلا

مَیں کیا پوچھوں کہ ہے میری خطا کیا
عتابِ بے سبب کا پوچھنا کیا؟

داغِ اُلفت جگر میں دیکھ لیجئے
بدگماں اب تو اعتبار ہوا

کیا قیامت ہیں پیار کی نظریں
میٹھی چھریوں سے دل فگار ہوا

دیکھو! نہ دیکھو اسکی طرف چشم مست سے
چھلکا کے گر پڑے گا پیالہ شراب کا

لکھا ہوا ہے پیرِ مغاں کی دوکان پر
کمظرف کو حرام ہے پینا شراب کا

بیخبر ہو سے بے خبر کو کیا خبر اِس درد کی
سنگدل ہو سنگدل پر کیا اثر فریاد کا

خاک میں ملجائیگی قدر شہادت تیرے ساتھ
خونِ ناحق! بچ رہا دامن اگر جلّاد کا

خونِ حسرت! ہاں دکھا رنگیں مزاجی کی بہار
دامنِ گلچیں سے بنے دامن مرے جلّاد کا

جس طرح منہ تکتے ہیں ظالم ترا ہم تو یہی
منہ تکے تو حشر میں ہر شاکیِ بیداد کا

کیوں نہ ہو میرے سخن میں لذّتِ سوز و گداز
اے حسن شاگرد ہوں میں داغ سے استاد کا

ذرا آہِ پُر درد سے بچتے رہنا
نہیں دل لگی دل دکھانا کسی کا

اُس شوخ کے انکار سے دل ٹکڑے ہوا کیوں
یارب کوئی خنجر تو نہ تھا لفظِ "نہیں" کا

جس میں ہے تمہارے رُخِ رنگیں کا تصور
اُس دل کو لقب دیجئے فردوسِ بریں کا

اُس گل کی بو سمائی ہے میرے دماغ میں
پھولوں کی ہے چنگیر مرقع خیال کا

سنگِ غمِ فراق سے دل پر لگا نہ چوٹ
آئینہ ٹوٹ جائے گا تیرے جمال کا

جلوے کی روک تھام کرے گا حجاب کیا
دریا کے آگے آبِ رواں کی نقاب کیا؟

کہتا ہے برق سے یہ مرا بیقرار دل
تڑپے ٹھہر ٹھہر کے تو پھر اضطراب کیا؟

آنکھوں کو روئیں دیکھنے والے جھلک کیساتھ
خوش ہوئے تھے ہم کہ خنجر تو گلے سے مل گیا
آج بیمارِ الم کے طور کچھ بہطور ہیں
گھبرا کے آئے وہ جو سُنا جاں بلب مجھے
اس بات پر خفا ہیں قتیلِ جفا سے وہ
مرے دُکھ دینے والے کیوں وہ قسمیں یاد ہیں مجھ کو

جلوہ حجاب، جلوہ ہے پھر یہ حجاب کیا؟
کیا خبر تھی یہ بھی دم دیگر جُدا ہو جائے گا
تم نظر بھر دیکھ آؤ گے تو کیا ہو جائے گا
لو مرتے مرتے زیست کا سامان ہو گیا
یہ کیوں کہا کہ میں ترے قربان ہو گیا
تری تکلیف تیرا دُکھ گوارا ہو نہیں سکتا

ایسے سے دل کا حال کہیں بھی تو کیا کہیں
آخر حسن وہ روٹھ گئے اُٹھ کے چل دیئے
دردِ الفت میں زندگی کیسی؟
خودی سے جُدا ہو کہ وصلِ خدا ہو
قتل کرنے کی وہ جلدی تھی انھیں
پائے قاتل دامنِ قاتل سے بچ بچ کر اُٹھے

جو بے کہے کہے کہ چلو بس سُنا سُنا
کمبخت اور حالِ دلِ مبتلا سُنا
موت کا کون چارہ گر ہو گا
نہ ہو کر جو ہو گا وہ ہو کر نہ ہو گا
اب تڑپنا نہیں دیکھا جاتا
قتلگہ میں آئے ہیں بے سر نہ اتنا سر اُٹھا

وقتِ جلوہ شرم و شوخی کی کشاکش کیا کہوں
ایسی تری صورت مری آنکھوں میں بسی ہے
سُن لیا ہم نے سوالِ وصلِ دلبر کا جواب
خنجر گلے پہ سر تو زانوئے دل رُبا
حیرت آنکھوں پہ برستی ہے زباں ہیں خاموش
بزمِ محشر، مجمعِ عشاق، جوشِ اشتیاق
بیقراری کل بھی تھی کل سے زیادہ آج ہے
آپ پر جادو بھری آنکھوں کا افسوں چل گیا
چاہا اگر انھیں بہت اچھا، بُرا کیا

پردۂ روئے صنم اُٹھ کر گرا گر کر اُٹھا
جب آئینہ دیکھا تو مجھے تو نظر آیا
نا امیدی کہہ گئی دل سے مقدر کا جواب
اے مجرمانِ عشق تمہارے خوشا نصیب
خود تماشا بنے بیٹھے ہیں تماشائی دوست
تو بھی پردے سے نکل لے جلوۂ جانانہ آج
صبر کا یارا دلِ بیتاب کو کل تھا نہ آج
اے حسن سب کی زباں پر ہے یہی افسانہ آج
بخشو گے بھی خطائے محبت کسی طرح

کہتے ہیں رنجش بھی ہے تو خاص تیری ذات سے ۔ وہ عداوت بھی جتاتے ہیں محبت کس طرح

ق

چپ چاپ دشتِ نجد سے ناقہ نکل چلے ۔ شورِ جرس نہ ہو مرے محمل نشیں بلند

مجنوں کی رُوح خوابِ عدم سے نہ چونک اُٹھے ۔ مَرقد سے ہو نہ شورِ قیامت کہیں بلند

آئے میری قضا ادا ہو کر ۔ دم نکل جائے مدعا ہو کر

چھپ گیا یار خود نما ہو کر ۔ رہ گئی چشمِ شوق وا ہو کر

ہجر کے انقلاب کس سے کہوں ۔ کھائے جاتا ہے غم غذا ہو کر

شورِ محشر جگانے آئے ہمیں ۔ تیری رفتار کی صدا ہو کر

ناتواں زندۂ جاوید ہوئے ۔ ضعف میں جان سے جائیں کیونکر

سیرِ دشمن ہے اور اُن کا زانو ۔ وہ مرے خواب میں آئیں کیونکر

کوچۂ دوست میں کیوں سکئے حسن ۔ زندگی ہو جسے اے یارِ عزیز

نہ پوچھ اب حال لے بیدرد مجھے ۔ بلا سے تیری ہیں غمگین یا خوش

مجھے کیوں خوش نہ کئے پھر مرا غم ۔ مرے غم سے ہے میرا دلربا خوش

آتا ہے خالی ہاتھ حسن نامہ بر ترا ۔ قسمت جواب دے تو کہو کون لا کے خط

موت بھی کیا جانے کچھ بیمار ہے ۔ کیوں نہیں آتی ترے بیمار تک

یار تجکو رحم کس دن آئے گا ۔ اب ترس کھانے لگے اغیار تک

ہم ہیں وہ برگشتہ قسمت جانِ من ۔ تم تو کیا منہ پھیر لے تلوار تک

واہ واہ اے نگہِ یاس ترا کیا کہنا ! ۔ آج جلاد ہے بسمل تو ہی بسمل قاتل

آستیں اُلٹے ہوئے ہاتھ میں تلوار لیے ۔ آج خونریزیِ بسمل پہ ہے مائل قاتل

زہر ہی سے میں کروں چارۂ بیماریِ دل ۔ لاؤں اب اُنکو کہاں سے پئے غمخواریِ دل

آپ کے لطف سے نے تو قہر کیا ۔ خوب تھے جورِ آسماں تک ہم

آئے تھے کیا جانے کیا حسرت لیے ۔ پھر چلے محروم تیرے در سے ہم

ہوائے وصلِ لیلیٰ خاکِ مجنوں کی گرہ میں ہے
بگولے ڈھونڈتے پھرتے ہیں محمل کو بیاباں میں

زبانیں رک گئیں سر جھک گئے خیرہ ہوئیں آنکھیں
نقاب اُلٹے ہوئے کون آگیا محشر کے میداں میں

چمک ہے درد کی یا دل سے آہِ آتشیں نکلی
یہ کیسی روشنی ہے کوچۂ چاکِ گریباں میں

بتانِ حیلہ جو تا بوسے جب باہر نکلتے ہیں
یہ دم دیکر نکلنے والے دم لیکر نکلتے ہیں

ترے آتے ہی تصویرِ قیامت بنتی ہے محفل
فدا ہونے کو عکس آئینوں سے باہر نکلتے ہیں

حسن اس آہ کے اس آہ کی تاثیر کے صدقے
مجھے در سے اُٹھانے گھر سے وہ باہر نکلتے ہیں

وہ اگر یاد کریں ہم کو تو بھولیں کسکو
ہم اگر انکو بھلائیں تو کسے یاد کریں

ادبِ عشق اگر ہاتھ نہ رکھدے منہ پر
چٹکیاں لے جو کلیجے میں وہ فریاد کریں

اے تری شان سنا کر بھی وہ اچھے کہلائیں
ہم بُرے ٹھیریں اگر نالہ و فریاد کریں

دیکھئے دل ہی تو پھر گالیوں کا شکوہ کیا
انکی بن آئی ہے اب چاہیں جو ارشاد کریں

حسرت اُس پہ ہے جو کم بخت انھیں یاد نہ آئے
میں تو مرتا ہوں اگر جور وہ کم کرتے ہیں

اک عندلیب کیا ہے میں کہدوں ہزار میں
بس ایک ہی تو پھول ہے ساری بہار میں

وہ حُسن ہے کہ قبضہ کرے دو جہان پر
وہ عشق ہے کہ کچھ نہ رہے اختیار میں

دل میں خیالِ عارضِ پُر نورِ یار ہے
ہم شمع لیکر آئے ہیں اپنے مزار میں

ہے ستمگر کی بات بات میں چھیڑ
مجھ سے کہتا ہے تم پہ مرتے ہیں

تیغِ جلّاد مشکل آسان کر
دم ترا مدتوں سے بھرتے ہیں

تو خدا کے واسطے اپنا بنا لو اب مجھے
دونوں عالم چھوڑ بیٹھا میں تمہاری یاد میں

بتخانہ و کعبہ میں پتا اُس کا نہ پایا
اب جائیں کدھر آہ کہاں یار کو ڈھونڈیں

پھر کوچۂ دلدار میں ہم خاک کریں جمع
پھر آؤ حسن اپنے دلِ زار کو ڈھونڈیں

مشہور ہے جو دوست کا ہے دوست وہی دوست
جی میں ہے کہ میں اب کسی دشمن ہی کو چاہوں

سیکڑوں ارمان ہیں کچھ فکرِ تنہائی نہیں
یادِ جاناں ہے یہاں کب محفل آرائی نہیں

[illegible] اب تجھ سے [illegible] کے سوا عالم میں شنوائی نہیں
[illegible] تم سے کہیں مشتاق و شیدائی نہیں

[illegible] رسوائیوں میں اُنکی رسوائی نہیں
[illegible] اُنکی شانِ مسیحائی نہیں

[illegible] کے مرنے سے ہمکو بستر ہیں بیاباں میں
[illegible] باقی رہے گا جیب داماں میں

[illegible] ہوا چاک ہوں جیب گریباں میں
[illegible] رگیں ہوں نشتر رگِ جاں میں

[illegible] تنہائی کے دن کاٹے گلستاں میں
[illegible] نہیں دیکھے بیاباں میں

[illegible] کا ماتم کیا کریں
[illegible] کہیں ہم کیا کریں

[illegible] محبت سے ہوش جاتے ہیں
[illegible] زخمِ جگر کھاتے ہیں

[illegible] طالبِ دیدار ہیں دوچار نہیں
[illegible] چھپانے کے اندر خلشِ خار نہیں

[illegible] حسرت مری کہہ دیجئے اکبار نہیں
[illegible] میں کہیں شربتِ دیدار نہیں

[illegible] جس جگہ میں ہوں وہاں در نہیں دیوار نہیں
[illegible] جیب و گریباں میں کہیں تار نہیں

[illegible] محبوب میں اس طرح بتا کرتے ہیں

عاشقی گردشِ قسمت کو کہا کرتے ہیں
سب حسیں ایک ہی عادت کے ہوا کرتے ہیں
آپ تو راضی ہو کہ ہم جینے سے بیٹھے ہیں خفا
اپنے دشمن کو بُرا کون نہیں کہتا ہے؟
جن پہ ہیں لطف وہی ظلم و ستم سہلیں گے

دن کہیں چاہنے والوں کے پھرا کرتے ہیں
پھول بھی نالۂ بلبل پہ ہنسا کرتے ہیں
اب تو خوش ہو کہ تمھارا ہی کہا کرتے ہیں
آپ ہر بات میں کیوں بول اُٹھا کرتے ہیں
آپ اب کیوں مرے جینے کی دعا کرتے ہیں

جئے کس تمنا پہ بیمارِ غم
ہم آئے تھے کہنے کچھ احوالِ دل
تمکو شوخی ہمکو بیتابی کی خو
بن سنور کر نعش پہ آئے تو ہیں

حسینوں میں رسمِ عیادت نہیں
یہاں بولنے کی اجازت نہیں
سچ تو ہے تم کیا کرو ہم کیا کریں
اس سے بڑھکر وہ مرا غم کیا کریں

مرے لاشے پہ وہ کسواسطے بیٹھے ہیں منہ ڈھانپے
قیامت تک دلِ مضطر کو اپنے کل نہ آئیگی
لگایا پار بیڑا سیکڑوں کشتوں کا دم بھر میں
مرا سر اُنکے قدموں پر ہے وہ دامن چھڑاتے ہیں
مثالِ نقشِ پا بستر جما بیٹھے ہیں اُس در پر
مسافر سے دمِ رخصت کوئی روٹھا نہیں کرتا
مرے رونے پہ رحم آیا اُنھیں جب بھی ستم ڈھایا
نہ رحم آئے حسن مجکو اگر اُن کی نزاکت پر

کوئی پوچھے تو اب بھی کیا تجھے زندہ سمجھتے ہیں
اسے بھی ہم تمھارا وعدۂ فردا سمجھتے ہیں
تمھاری تیغ کو ہم فیض کا دریا سمجھتے ہیں
الٰہی کس طرح دنیا میں روٹھوں کو مناتے ہیں
ہمیں بھی دیکھنا ہے آج کیونکر وہ اُٹھاتے ہیں
خدارا اب تو من جاؤ کہ ہم دُنیا سے جاتے ہیں
گلے میں باہیں بھی ڈالی ہیں اور ہنستے بھی جاتے ہیں
ابھی وہ ایک نالہ میں کلیجہ تھامے آتے ہیں

نظارۂ رخِ جاناں کی ہمکو تاب نہیں
جھکا دیا نگہِ مست نے زمانے کو
بہارِ حسن کو شانِ غضب نے چمکایا
لوگ کہتے ہیں عدو سے دوستی اچھی نہیں

وہ بیحجاب ہوئے جب بھی بیحجاب نہیں
تمھارے دور میں کچھ حاجتِ شراب نہیں
رُخِ جمال کا غازہ ہے یہ عتاب نہیں
کیا یہ عادت آپکے نزدیک بھی اچھی نہیں

تم حسیں ہو تمھیں زیبا نہیں چہرہ پہ نقاب ٭ خوبصورت کہیں پردے میں رہا کرتے ہیں ٭

موت اچھی ہے جو دم نکلے تمہارے سامنے
زلف ٹیڑھی ہو مگر عاشق سے تم ٹیڑھے نہ ہو
کیا مزے کی بات ہو دل چھین لو بوسہ نہ دو
آہ اس عیار کا انجان بنکر پوچھنا
بیکسی آکر گلے ملکے مجھی سے روئیں
مانع دید نہ ہو چشم تصور کو حجاب
چشم بسمل کو خدا جانے تمنا کیا تھی
ہمیں تو اپنی کہانی انہیں سنانی تھی
ہنسی کی بات تھی وہ ایک دل ہی کچھ سنتے
ہمارے نالۂ و فریاد پہ یہ شکوے ہیں
یہ چاہتی ہیں عفو و شفاعت کی لذتیں
سچ کہو تسکین دوں میں اپنی جان زار کو
صبح ہونے آئی چین اسکو کسی پہلو نہیں
دیکھنا ہو گر نگاہ مست ساقی کا کمال
وہ چلے ہم پس گئے کیسا جنازہ کس کی گور
دونوں ہاتھوں سے کلیجا تھام کے بیٹھا ہے حسن
جو دم بھر دیکھ لوں میں عارض رنگین کے جوبن
دم گلگشت رنگ تازہ بخشا تو نے گلشن کو
عشق میں جیتا بیاں ہو تو زباں لیکن ہے حسن
نہ دیتا دل کبھی خوش ہوتے مجھسے یا خفا ہوتے
نرالی خود نمائی ہے کہ اک عالم سے پردہ ہے

بیقراری ہجر میں بے اختیاری وصل میں ٭ ہائے ظالم دل کی عادت ایک بھی اچھی نہیں ٭

آنکھ سے اوجھل ہو تم تو زندگی اچھی نہیں
زلف میں اچھی طبیعت میں کجی اچھی نہیں
دل تو اچھا ہی مگر دل کی خوشی اچھی نہیں
سلے حسن کب سے طبیعت آپ کی اچھی نہیں
عید کا روز ہے ہمسے کوئی ملتا ہی نہیں
دیکھنے والوں کو تم نے ابھی دیکھا ہی نہیں
آہ حیا دار نے منہ پھیر کے دیکھا ہی نہیں
وہ اعتبار کریں یا نہ اعتبار کریں
ہزار دل ہوں تو ہم آپ پر نثار کریں
وہ اپنے ظلم و ستم تو ذرا شمار کریں
سب گناہ کاش ہوں میرے حساب میں
سچ کہو سچا ہی سمجھوں وعدۂ دیدار کو
کروٹیں کبتک بدلواؤں دل بیمار کو
شیخ سے آئیں کسی ہشیار سے ہشیار کو
ان بکھیڑوں سے غرض کیا پائمال یار کو
یا خدا اب کون پکڑے دامن دلدار کو
تو داماں نظر پر رشک ہو گلچیں کے دامن کو
ترے جلوے نے پھولوں سے بھرا پھولوں کے دامن کو
جسقدر ہے ہمیں تم ہو اس قدر کوئی نہ ہو
اگر معلوم ہو جاتا کہ ایسے بے وفا تم ہو
نہ پردہ نشینی ہے کہ عالم آشنا تم ہو

شکیبِ جاں ہو قرارِ دلِ حزیں تم ہو
ہمارے درد کی دارو تو بس تمھیں تم ہو

خدا خودی کو مٹائے دوئی اسی کی ہے
جو یہ نہو تو تمھیں ہم ہیں ہم تمھیں تم ہو

نشانہ تیرِ نظر کا بناؤ دل کو مگر
اُٹھا کے پردہ ذرا دیکھ لو یہیں تم ہو

کہتے نہ تھے کہ کوئی بُرا مان جائیگا
سنے اور بیقرار دلِ بیقرار ہو

جب اپنی جان آپ کو سارا جہاں سے
کہئے پھر آپ کا نہیں کیا اعتبار ہو

اللہ بتو داد کو پہنچیں یہ حسرتیں
وہ پوچھتے ہیں کسکے لیئے بیقرار ہو

پہلو میں ایک دم نہیں رہتے قرار سے
میرے لیئے تو تم بھی دلِ بیقرار ہو

ہیں شوخیاں وہاں تو یہاں اضطراب ہو
اب انکی بات بات کا بدل جواب ہو

عاشق کے قلب و چشم میں رہتی ہیں حسرتیں
تم کس کے دیکھے چین کی آنکھوں کے خواب ہو

فرقت میں کچھ تو لطف دکھائیں مصیبتیں
دم کھینچئے سنے ہو جلکے مرا دل کباب ہو

ہنگامہ گرم کن ہوں جو حشر ہیں حسن عشق
تیرا جواب ہو نہ ہمارا جواب ہو

انکی گلی سے دشتِ مصیبت میں لا دھرا
اے وحشتِ جنوں ترا خانہ خراب ہو

کہتے ہیں فتنے خاک نشینوں کی خاک سے
پھیرے ہمارے دن بھی اگر آفتاب ہو

تم جسکے دل کے چین ہو وہ مضطرب رہے
تم جسکی جان ہو اُسے جینا عذاب ہو

کچھ بھی نہ ہو تو دل کو تسلی ہو کس طرح
خوئے کرم نہیں نہ سہی کچھ عتاب ہو

میں تمھیں یاد کروں تم کو مری یاد نہو
اور کہتے ہو کہ مضطر نہ ہو ناشاد نہو

ایک دم چین سے بیٹھا ہو جو دل ہجر کی شب
آپکے وصل سے کم بخت کبھی شاد نہ ہو

پوچھتے کیا ہو کہ دل میں کون ہے
لو یہ آئینہ اُٹھا کر دیکھ لو

اس نزاکت پہ یہ دعوے قتل کے
پہلے خنجر تو اُٹھا کر دیکھ لو

بیچ ویرانے کی تربت پہ میلا کیوں نہو
انکے جلوے کا تماشائی تماشا کیوں نہو

دلبر تمکیں ہوں تو دل کیونکر ٹھکانے سے رہے
دلنشیں صورت ہو تو دل میں ٹھکانا کیوں نہو

خواہشیں اپنی فدا کر دے رضائے دوست پر
پھر میں دیکھوں چاہنے والا کا چاہا کیوں نہ ہو

جو وہ چاہیں گے وہ ہوگا اب وہ جو چاہیں کریں
دل ہی جب چاہے انھیں پھر انکا چاہا کیوں نہ ہو

جب کرم ہو حسن کا جب سب بانی عشق کی
پھر وہ میری کیوں نہ سنیں پھر انکا کہنا کیوں نہ ہو

جب ترے جلوے کو طرز خود نمائی ہے پسند
سیکڑوں پردوں میں چھپکر عالم آرا کیوں نہ ہو

غنچہ لبیا نیا آپ نے ... دام سے
ہو گئے چھوڑ کے گلشن مرے صیاد کیساتھ

اس سے ملتے ہو حسن خیر ہے کیا ٹھانے ہو
کچھ عداوت ہے تمھیں کیا دل ناشاد کیساتھ

مے سے میں نے کب کی توبہ
توبہ توبہ کیسی توبہ

شیشہ اٹھا کر طاق سے ہم نے
طاق پہ رکھ دی ساقی توبہ

حسن لیج چارہ عجب ... ختم ہوا
زخموں میں بھر دیا وہ نمک زخم بھر گئے

ہر دل فگار لائق تیغ ادا نہیں
مژدہ انھیں جو عشق کے مجرم ٹھہر گئے

ان بیقراریوں میں وہ کیا چین پا گئے
ارمان کس امید پہ دل میں ٹھہر گئے

میں جانتا تھا میری ہی الفت کی حد نہیں
لیکن تمھارے ظلم بھی حد سے گزر گئے

اس بدگمان نے یہ کہا میری لاش پر
اللہ رے فریب کوئی جانے مر گئے

میں جانتا ہوں دل پہ جو گزری شب فراق
دل جانتا ہے مجھپہ جو صدمے گزر گئے

ناصح ناداں عبث تو کر رہا ہے دق مجھے
وصل کے قابو میں ہوں میں دل پہ نہیں قابو مجھے

رات دن کی آہ و زاری ہر گھڑی کا اضطراب
کیا دل بیتاب اب جینے نہ دیگا تو مجھے

دل تمنے لیا ہجر نے دم عشق نے راحت
برباد غرض اس طرح ہو دولت بھی کسیکی

موت سے درد جدائی کی دوا ہوتی ہے
یوں ہی بیمار محبت کو شفا ہوتی ہے

دلکے سو ٹکڑے کئے ٹکڑے سے ٹکڑا ہو جدا
پر کہیں تیغ ادا دل سے جدا ہوتی ہے

رات کو آئینگے وہ صبح سے بے چین ہوں میں
شام تک دیکھئے حالت مری کیا ہوتی ہے

دست نازک سے کشاکش میں ہے تلوار کا دم
نہ جدا رگ سے سر کو نہ جدا ہوتی ہے

ایک تم ہو کہ وفا پر بھی جفا کرتے ہو / ایک ہم ہیں کہ جفا پر بھی وفا ہوتی ہے

دل میں تم آنکھوں میں تم چھپتے ہو پھر کس واسطے / تمکو شرم آتی نہیں عاشق سے شرماتے ہوئے

جاں بلب ہوں اک نظر کیواسطے آنکھیں نہ پھیر / جانے والے اک نظر پھر دیکھ لے جاتے ہوئے

سوئے درِ حبیب جو ہم ناتواں سے چلے / بولی یہ نارسائی قسمت کہاں سے چلے

تیغ لیجے قتل کیجے کام چلنے دیجئے / بیگناہی کو سفارش پر مچلنے دیجئے

حضرتِ زاہد نویں جنت دکھا لادیں گے نہ / پھول کھلانے دیجئے چشمے ابلنے دیجئے

ذبح کرنے کے لئے منہ پھیر کر بیٹھیں نہ آپ / دم نکلتے وقت تو حسرت نکلنے دیجئے

قابلِ تعزیر بیکس ہیں جنابِ محتسب! / دور کی تقصیر کیا ہے دور چلنے دیجئے

دعویٰ ہمارا کیا ہے۔ بگڑتا ہے کس لئے / لے دشمنِ وفا ترے محفل سے ہم چلے

چیر کر تم دلِ بسمل کو نہ دیکھو دیکھو! / جن سے نفرت تھی تمھیں آہیں وہ ارماں ہوگئے

تھوڑی تکلیف اٹھائی ہے حسن فرقت میں / اب نہ دل دینگے بتوں کو جو مسلماں ہوگئے

دیکھ آؤ مریضِ فرقت کو / رسمِ دنیا بھی ہے ثواب بھی ہے

شکایت کو گئے تھے شکر کر آئے / یہ کیا تھا کچھ کا کچھ نکلا زباں سے

جو خاص جلوے تھے عشاق کی نظر کیلئے / وہ عام کردیئے تم نے جہان بھر کے لیئے

ہمیں تو دیکھتے دل دینے سے نہ منہ پھیرا / نگاہ پھیر گئے آپ اک نظر کے لیئے

ہماری وصل کی رات انکی ہجر کی شب ہے / وہ آج شام سے بیچین ہیں سحر کے لیئے

دعائے وصل جو کی چرخ سے صدا آئی / یہ التجا تو بنی ہی نہیں اثر کے لیئے

تمھارے جلوے میں ہر جائی ہے کیفیت / سرور دل کے لیئے نور ہے نظر کے لیئے

کیا ہے طولِ شبِ ہجر نے عجب اندھیر / گرا ہے سجدے میں خورشید بھی سحر کے لیئے

کہو تو ہم سے بھی خط کا جواب کیا آیا / حسن جو آج قدم تم نے نامہ بر کے لیئے

کسیکے ہوش کھو دینا کسیکو خاک کر دینا / تجھے کچھ اور بھی اے جلوۂ جانانہ آتا ہے

بہاروں میں ہوں یہ رنگینیاں پھولوں میں یہ جوبن
مگر پردے میں چھپکر جلوۂ جانانہ آتا ہے

آئی کیا جی میں تیغ قاتل کے
کہ جدا ہو گئی گلے مل کے

اب کوئی دم میں نہ ہم ہونگے نہ حسرت ہوگی
آج پوری تری مانی ہوئی منت ہوگی

حشر کو رویت دیدار مسلّم لیکن
ہمپہ تو ہجر کی راتوں میں قیامت ہوگی

دل گرفتارِ بلا۔ جان اسیرِ آفت
آپکے عشق میں ہوگی جسے راحت ہوگی

نقش پا بن کے مٹینگے ترے پامالِ خرام
لاش اٹھیگی نہ اُنکی کہیں تربت ہوگی

اللہ رے بیکسی کہ نہ دل ہے نہ یار ہے
اک جانِ زار ہے بھی تو وہ جانہار ہے

کس درجہ گلفشانِ دہن تنگِ یار ہے
اس غنچے میں ہزار چمن کی بہار ہے

دل بیچ کے لیں ہم تری آنکھوں سے یہ مول
دنیا میں کہیں جنسِ مروت نہیں ملتی

ہر ایک سے سائل نہیں ہوتا ہے زمانہ
ہر ایک کو یہ حسن کی دولت نہیں ملتی

اے عاشقو نوید کہ سنتے ہیں آج وہ
افسانۂ دل جلوں کا زبانِ چراغ سے

بل کھا رہے ہیں چہرے پہ گیسوئے پرشکن
مارِ سیاہ کھیل رہے ہیں چراغ سے

یہ گلفشانیاں تو نہ ہونگی کبھی حسن
تمنے چنے ہیں پھول یہ گلزارِ داغ سے

بیوفا خواب میں بھی تونے تو آنا چھوڑا
یونہی ہوتی ہے دوا ہجر کے بیماروں کی

ندر یا کیجیو پہ کنجِ قفس تک آ کر
کچھ تو تسکین سے لے صرصرِ صیاد گرفتاروں کی

جسے دیکھا پھر اُس کا دل نہیں رہتا ٹھکانے سے
تری ترچھی نگاہوں میں شرارت ہی کچھ ایسی ہے

میں آؤں وعظ میں سو بار جب یہ دل بھی آنے دے
کروں کیا واعظو رندوں کی صحبت ہی کچھ ایسی ہے

بتا کس گنتی میں ہوں اور کس مرد کی حقیقت کیا
ہزاروں جان دیتے ہیں وہ صورت ہی کچھ ایسی ہے

کوئی آئے یہ آتی ہے کوئی جائے یہ جاتی ہے
مرا دل ہی کچھ ایسا ہے طبیعت ہی کچھ ایسی ہے

ہمارا کیا بگڑ جاتا حسن تیری سفارش میں
ہماری آپکی اب صاحب سلامت ہی کچھ ایسی ہے

لے حسن شکر کرو زندہ وہاں سے آئے
دل کو جانا تھا گیا جان سلامت آئی

مریضِ غم کی نہ پوچھو حالت جو تمکو ملنا ہی ہو جلد ملو
نہ ہٹ کرو آؤ مل بھی جاؤ۔ نہ مرنیوالوں سے منہ چھپاؤ
نہ باغِ جنت کی آرزو کر۔ نہ جامِ کوثر کی جستجو کر
یہ ناز و انداز ہیں قیامت اور اسپہ یہ شوخیاں بلا ہیں
جو عالم آشنا ہو وہ تو پردے کی ادا کیوں ہے
جو آنکھوں میں بسا ہو آنکھیں اُسکی منتظر کیوں ہیں
نہ آئیں وہ شبِ وعدہ تو انکی یاد بھی جائے
اگر ہم دیکھ سکتے تھے تو اُسنے کیوں کیا پردہ
تعلق عکس و پرتو سے نہیں جب حسن یکتا کو
کسیکی آنکھ کی پتلی بنے یا دل کا ٹکڑا ہو
ہمارا عشق دلمیں ہے تمھارا حسن پردے میں
اُنھیں ہم جان سمجھیں اُنکو اپنی زندگی جانیں
مرے خوں گشتہ ارماں کی سفارش گر نہیں کرتا
حسن جب دیکھئے دل ہی پھر اِن باتوں کی کیا پروا
ہم رنج و الم سہتے ہیں کیا اپنی خوشی سے
دل چھین کے لیجائے جو ظالم خفگی سے
فرقت میں مجھے روکتے ہو نالہ کشی سے
تم چپکے سے اِک بوسۂ عارض ہمیں دیدو
لاکھ سمجھایا تصور نے تجھے اے دل ہر دم ہی
رہے جس دل میں تجلیِ جمالِ لیلیٰ
صبا! کرم! دلِ بلبل میں شوق باقی ہے

بھری ہیں آنکھیں چھٹی ہیں نبضیں بتاؤں کیا تمکو حال کیا ہے
یہ میہمانوں سے رنج کیوں ہے مسافروں سے ملال کیا ہے
شراب لعنت حرام ٹھیری۔ پھر اور زاہد حلال کیا ہے
زمانہ پامال ہو رہا ہے غضب ہے آفت ہے چال کیا ہے
اگر منظور ہے پردہ تو عالم آشنا کیوں ہے
جو دل میں جلوہ فرما ہو دل اُسکو ڈھونڈتا کیوں ہے
مرے سوئے ہوئے طالع کے گھر یہ رتجگا کیوں ہے
اگر دیدار کی طاقت نہیں تو خود نما کیوں ہے
دلوں کو۔ آئنوں کو حکم دیتا کیا چلا کیوں ہے
ہماری طرح خاک افتادہ اُنکا نقشِ پا کیوں ہے
خدا جانے پھر اِن دونوں کا چرچا جا بجا کیوں ہے
خدا جانے پھر لبوں سے تمنائے دعا کیوں ہے
تو اُنکے پاؤں پر مچلا ہوا رنگِ حنا کیوں ہے
خیالِ غیر کیوں ہے۔ فکرِ طعنِ اقربا کیوں ہے
دُنیا میں غرض اٹکے کسی کی نہ کسی سے
کیا قہر ہو ناصح وہ اگر خوش ہو کسی سے
ناصح! ابھی واقف نہیں تم دلکی لگی سے
کہتے ہیں قسم کھاکے کہیں گے نہ کسی سے
تُو نے سمجھا ہے مسیحا جسے قاتل ہے وہی
حضرت قیس! اگر سمجھو تو محمل ہے وہی
ابھی تو پردۂ رخسارِ گل اُٹھا ہی رہے

قیس کے حال کو سُن سُن کے جگر پھٹتا ہے
کون کہتا ہے کہ آپ آئیں مسیحا بن کر
آپ کی ضد نے مجھے اور پلائی حضرت
حشر بھی انجمن حسن خود آرائی ہے
کیا کریں ہم جو لبوں پر تری جان آئی ہے
دلِ وحشت زدہ مجنوں ہے کہ سودائی ہے
اک جھلک دیکھ لے کیا خاک بتاؤں ناصح
آپ چھے ہوتے ہیں نہ مرتے ہیں تمہارے بیمار
اپنے در پر بھی وہ آنے نہیں دیتا مجکو

ساتھ کھیلے کی محبت بھی بُری ہوتی ہے
کیا مریضوں کی عیادت بھی بُری ہوتی ہے
شیخ جی اِتنی نصیحت بھی بُری ہوتی ہے
عام دربار ہے مخلوق تماشائی ہے
دلِ بیتاب ہماری کہیں شنوائی ہے
خیر وہ کچھ بھی سہی آپ کا شیدائی ہے
کس پہ آئی ہے طبیعت مری کیوں آئی ہے
یہ نئے رنگ نئے ڈھب کی مسیحائی ہے
جسنے رہنے کو مرے دل میں جگہ پائی ہے

حسین

حسین - شاعر فصیح البیان نواب غلام حسین خان حسین مرحوم اِنکے والد نواب شیر دار خان رئیس شاہجہانپور نواب دلیر خان منصبدار دربار شاہجہانی و بانی قصبہ شاہجہانپور کی اولاد میں تھے تمام عمر بڑی عزت و توقیر سے بسر اوقات کرتے رہے زیادہ تر توجہ فارسی نظم کی طرف تھی - اُردو بہت کم کہتے تھے ۱۲۹۶ھ تک حیات تھے - یہ اِنکا کلام ہے -

میں تو تدبیر میں تھا زخم جگر کی مصروف
آگے ملنے کی کوئی راہ نکل آئے گی
تشنۂ آب دم خنجر ہے بسمل اور بھی
مرے اعمال ہیں رونے کے قابل
ناصح مشفق نصیحت کچھ اگر آکر کرے
آگ سے موسیٰ کے ہاتھ آیا چراغ مُدّعا
رشک سے ایکدن کلیجے پر کٹاری مار دئے

دل بھی پہلو میں طپاں تھا مجھے معلوم نہ تھا
بیقراری تو مجھے اُسکے تو در تک پہنچا
دستِ نازک کو ذرا تکلیف قاتل اَور بھی
خدائی سالہا مجھ پہ ہنسا کی
اس میں کیا نقصان ہے اپنا اُسکے ہاں ہاں کیجئے
آشکارا لطف ہے الطاف پنہاں کیجئے
حوصلہ کہتا ہے یوں دشمن پہ احسان کیجئے

حسین

حسین - صاحبزادہ غلام حسین خان حسین متوطن رامپور شاگرد خواجہ آتش لکھنوی - کئی

کئی برس ہوئے۔ ۸۰ برس کی عمر پاکر انتقال فرمایا۔

یہی تقدیر میں یارب لکھا ہو	کہ سر اپنا ہو اُس کا نقش پا ہو
بچھڑ سکنے پر تو ہوں میں اسکا شاخواں	خدا جانے تسلی دے تو کیا ہو
پھری تقدیر تو بھی یہ نہ دیکھا	کہ تھا قاصد کوئے جاناں سے پھرا ہو

حسین

حسین۔ جناب منشی حسین الدین احمد صاحب سب انسپکٹر کوتوالی ہر دوئی زیادہ حالات باوجود تلاش وکوشش معلوم نہیں ہوئے۔ کلام کا نمونہ اشعار ذیل ہیں۔

دست رنگیں جو دکھایا تم نے	رنگ مہندی کا اُڑایا تم نے
دیکھو ہم جی سے گزر جائیں گے	تیر بھر دل پہ لگایا تم نے
یہی اقرار یہی وعدہ تھا	چار ہی دن میں بھلایا تم نے

حسینی

حسینی۔ محمد ماہ ساکن مارہرہ جوان خوبصورت درویش سیرت۔ جہاں دیدہ۔ قید مذہب سے آزاد۔ اگرچہ شاہ برکت اللہ بلگرامی کے مرید تھے مگر اکثر اُنکے منہ سے کلام موحدانہ سُننے میں آتے تھے طبیعت موزوں پائی تھی اور دیوان ضخیم مرتب کیا تھا۔ یہ انکا کلام ہے۔

کبھی آنکھوں سے دور نم نہ ہوا	اشک خونی جگر سے کم نہ ہوا
تیرے پاؤں تلک بھی لے ظالم	سر حسینی کا ہائے خم نہ ہوا
جب سے دیکھی ہے تری بالی تر کان کے بیچ	تب سے ایجان مری جان نہیں جان کے بیچ

حشر

حشر۔ جناب محمد مجتبیٰ حسین صاحب از تحصیل سوار۔ مفصل حالات معلوم نہیں۔ نمونۂ کلام میں تین شعر درج کیے جاتے ہیں۔

خاکساروں کو سدا پھولتے پھلتے دیکھا	دانہ سرسبز ہوا خاک میں پنہاں ہوکر
قصۂ وصل عدو میں نہ لکھوں گا ہرگز	نیچی گردن نہ کریں آپ پشیماں ہوکر
کیا ہوا خیر تو ہے دیکھ لی صورت کس کی	آئینہ دیکھ کے کیوں رہ گئے حیراں ہوکر

حشر

حشر۔ جناب سلطان علیخان صاحب لکھنوی۔ شاگرد جناب جلال۔ آپکے حالات بھی پوشیدہ

ہی ہے۔ نمونۂ کلام ملاحظہ ہو۔

تھے بہت خار راہِ الفت میں	پاؤں ہمکو سنبھل کے دھرنا تھا
چٹکیاں لیکے دستِ نازک سے	دلِ غمگیں کو شاد کرنا تھا
روز اک چال نئی آکے وہ چل جاتے ہیں	وصل کے دن شبِ فرقت سے بدلجاتے ہیں
شوخیِ یار کے آتے ہیں تصور جو کبھی	چٹکیاں لیکے کلیجے ہیں نکل جاتے ہیں

حشر حشر۔ آغا محمد شاہ نام معروف بہ آغا حشر کاشمیری۔ آپکا آبائی وطن تو خطۂ کشمیر ہے۔ مگر اب ایک عرصہ سے اُنکے خاندان کا مسکن شہر بنارس ہے۔ جہاں شال کی تجارت کرتے ہیں آپکا مقام ولادت امرتسر ہے۔ فنِ شعر میں جہانتک ہمیں معلوم ہے آپ کسی کے شاگرد نہیں ہیں۔ عمر تقریباً ۲۴-۲۵ سال کی ہے۔ اک وضعدار۔ خلیق اور بامروّت انسان ہیں۔ طبیعت میں روانی اور آزادی انتہا کی ہے۔ عربی۔ فارسی۔ انگریزی۔ گجراتی۔ اور اُردو کم و بیش پانچ زبانیں جانتے ہیں۔ مذہبی بحث و مباحثے اور وعظ و نصائح کا بیحد شوق ہے۔ شعر و سخن کی قابلیت خداداد ہے۔ نظم و نثر دونوں اصناف میں بہت اچھی دستگاہ رکھتے ہیں۔

فنِ ڈراما نویسی جس کا اصل ماخذ تو سنسکرت زبان ہے۔ مگر ایک عرصہ ہوا کہ زمانے کی دست بُرد نے اُسے ہمارے ہاتھوں سے قریب قریب بالکل چھین لیا اور ایسا چھینا کہ آج ہم سمجھتے ہیں کہ انگلستان کا شکسپیر ہی اس فن کا موجد ہے۔ اگر دیکھا جائے تو ایک حد تک یہ بات درست بھی ہے کیونکہ ہمیں دوبارہ یہ فن فی الحقیقت انگلش لٹریچر ہی کے مطالعہ کی بدولت نصیب ہوا ہے۔ اگرچہ اسکے کچھ پہلے سے مٹے مٹائے نشانات۔ سوانگ۔ راس اور بھگت کی صورت میں ابتک باقی تھے۔ بلکہ ہیں مگر کچھ ایسے بیہودہ اور ذلیل اسلوب سے کہ جنھوں نے اس فن کو اُلٹا اسکے اعلیٰ مرتبہ سے گرا کر ہماری نظر میں بالکل واہیات اور خرافات بنا رکھا تھا گو واجد علی شاہ والی لکھنؤ کے زمانے میں اندر سبھا امانت اور مادر یلال اور چند اور مثنویاں خود شاہ جنت۔ کی تصنیف مرتب ہوئیں اور اچھی تصنیف ہوئیں۔ مگر صرف شاعری

کے لحاظ سے۔ فن ڈراما سے ان کا کوئی تعلق نہ تھا۔ اِسکے بعد جب پارسیوں نے کمپنیاں قائم کرکے انگریزی اصول پر سین سینری کے ساتھ اندر سبھا کے تماشے کرنے شروع کیے تو لوگوں کو اِس کھیل سے ایک قسم کی دلچسپی پیدا ہوئی اور الف لیلیٰ۔ گل بکاؤلی۔ بدر منیر۔ فسانۂ عجائب وغیرہ دیگر قصص کے اُسی ڈھنگ پر تماشے تصنیف ہوگئے جنھیں کمپنیاں اسٹیج پر ایکٹ کرنے لگیں۔ مگر وہ تماشے محض تماشے ہی تھے۔ سوائے تک بندی کے اِن میں زبان اور لٹریچر سے کچھ لگاؤ نہ تھا۔ رفتہ رفتہ۔ رونق۔ ظریف۔ آغا شاعر۔ بیتاب۔ طالب بنارسی۔ احسن لکھنوی۔ مراد اور بہت سے ڈرامائسٹ پیدا ہوگئے۔ جنھوں نے اِس فن میں انگریزی اصول کی تقلید پر ناٹک لکھے۔ دلفروش۔ بزم فانی۔ ظلم اظلم۔ سفید خون۔ نگاہِ غفلت وغیرہ متعدد تماشے مرتب ہوئے مگر لٹریری مذاق کے اعتبار سے چند ہی ڈرامائسٹ کامیاب ہوئے۔ آغا حشر کشمیری نے بھی اِس صنف میں درجۂ کمال حاصل کیا۔ چنانچہ شکسپیر کے چند ناٹک اُردو کے قالب میں اِس خوش اسلوبی سے ڈھالے کہ انھیں دیکھکر کہا جاسکتا ہے کہ ہندوستانی ڈراما نگاری میں بلا دوبارہ اُسکی روح کو تازہ کردیا۔ طالب۔ احسن اور حشر کی تصنیفات نے اسٹیج پر آکر سچ مچ حشر برپا کردیا۔ تماشائی گویا اُسکی مٹھی میں ہوتے ہیں۔ مصنف جہاں چاہتا ہے رُلا دیتا ہے اور جہاں چاہتا ہے ہنسا دیتا ہے۔ رُلاتا ہے تو روتے روتے لوگوں کے رومال تر ہو جاتے ہیں ہنساتا ہے تو تمام اسٹیج میں تماشائیوں کے قہقہے کی آواز گونجنے لگتی ہے گویا سب کچھ اُسی کے قبضہ میں ہوتا ہے۔ اب نمونۂ کلام میں ہم آپکی مشہور تصنیف "اسیر حرص" کا ایک سین یہاں نقل کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو کس ترکیب کی نثر ہے اور کس شان کی نظم۔ اور دونوں کو کس لطف سے دست و گریبان کیا ہے کہ اُسکی تعریف نہیں ہوسکتی۔

دیکھئے ظالم چنگیز کے سامنے اُس کا چچازاد بھائی ناصر پابزنجیر کھڑا ہوا ہے۔ چنگیز بے شرمی اور بیدردی سے اسکو ذلیل کرنا چاہتا ہے مگر بہادر ناصر اپنی جان کا خوف نہ کرکے برابر انصاف کی طرفداری کیے جاتا ہے۔

چنگیز۔ کہیئے اسے شہباز زمانہ! آپنے اِس ناچیز کو پہچانا؟

ناصر- پہچانا! پہچانا!! شیطان کو کون نہیں جانتا ہے- بلکہ ہر شخص پہچانتا ہے-

شکل و صورت دیکھ لی کبر و رعونت دیکھ لی
نام پہلے بھی سنا تھا آج صورت دیکھ لی

چنگیز- مغرور- تو زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے- مگر ابھی تک یوں اکڑا ہوا ہے-

سر سے غرور مسند محمل نہیں گیا
رسّی تمام جل گئی پر بل نہیں گیا

ناصر- عزت والے مصیبت سے کب ڈرتے ہیں- ستارے اکثر رات کے عوض دن کو نکلتے ہیں بھر ہی برسات میں جن ندی نالوں میں روانی ہے- انھیں گرمی میں دیکھو نہ موجیں ہیں نہ پانی ہے ؎

مگر دریا کو اس تابش کا ہرگز غم نہیں ہوتا
لگا دو آگ بھی اس میں تو پانی کم نہیں ہوتا

عطر کی ہٹی میں بھی ملکر مہک جاتی نہیں
توڑ بھی ڈالو تو ہیرے کی چمک جاتی نہیں

سختیاں ہوں لاکھ پر جوہر نہ جائیں گے کبھی
ما- جرائی نہیں کچھ شیر کی شیرانہ خو جاتی نہیں

چنگیز- تو تُو نے بادشاہی اس لیئے چاہی کا بیحد شوق ہے- شعر و سخن تیرا کون تھا؟
...چھی دستگاہ رکھتے ہیں-

ناصر- کون تھا؟

چنگیز- چچا زاد بھائی-

ناصر- بھائی؟؟ اُف بھائی کا نام لیکر تُو نے میرے مرحوم چچا کی روح کو تڑپا دیا- قبر میں سوتے ہوئے کو خواب راحت سے جگا دیا- مجھکو تو کہتا ہے بھائی- اور بھائی کے ساتھ یہ کج ادائی- لعنت ہے اونا سزائی- ؎

جسکی گودوں میں پلا دشمن اُسی کا ہو گیا
تو نہیں پیدا ہوا اک سانپ پیدا ہو گیا

چنگیز- خیر اگر تم جانتے ہو کہ ہوس کا نتیجہ دلگیری ہے- اور شاہی کا انجام فقیری ہے ؎

تو ناحق رنج اُٹھایا بن کے تاج و تخت کا والی
مجھے ہی تم نے ایسی سلطنت پھر کیوں نہ دے ڈالی

چونکہ چنگیز خود غرض ہے ظالم ہے ناصر کے لفظوں سے دل میں جھینپتا ہے- مگر ناحق کی زبان درازی سے ناصر کو دبانا چاہتا ہے اِس لیئے مصنف دکھانا چاہتا ہے کہ اُسکی باتوں میں سلسلہ نہیں ہے- یہی کمال فن ہے-

ناصر۔ او! تم کو؟

چنگیز۔ ہاں ہاں مجھ کو۔

ناصر۔ تمکو سلطنت کا دیدینا ایسا ہے۔ جیسا انصاف کو ظلم کے ہاتھ میں دیدینا ہے یا شیر سے بکریوں کی حفاظت کا کام لینا ہے۔ ع

کر سکو نگا جب میں اس ظلم و جفا کا سامنا	جب نکرنا ہو قیامت میں خدا کا سامنا

چنگیز۔ جب رعیت ہی کی تقدیر میں خراب ہونا ہے تو پھر تمکو کس بات کا رونا ہے۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں

رنج ہو سب کو جو ہمکو غم نہیں تو کچھ نہیں۔	اور روئیں اپنے گھر ماتم نہیں تو کچھ نہیں
آدمی دنیا میں خوش ہر دم نہیں تو کچھ نہیں	دم کے ہیں سب دم دمے جب دم نہیں تو کچھ نہیں

ساری دنیا ہیچ ہے جب ہم نہیں تو کچھ نہیں۔

ناصر۔ بیشک! اگر تمکو جس راحت و آرام کی اُمید ہے۔ اس کا اس دُنیا میں پورا ہونا بعید ہے البتہ اگر خدا کے ہاں جاؤ گے تو پورا آرام پاؤ گے۔

چنگیز۔ تو تُو نے میری موت چاہی۔ اِس لیے کہ تیری قید ٹوٹ جائے اور تو اس عذاب سے چھوٹ جائے

ناصر۔ نہیں نہیں میں کیا تیرے عذاب سے چھوٹوں گا بلکہ دنیا تیرے عذابوں سے چھوٹ جائیگی۔ اور تو دنیا کے عذابوں سے چھوٹ جائیگا۔ او! خونریز! چنگیز۔ ع

کونسا سوچا ہے تُو نے دشمنی سے فائدہ	کیا اُٹھانا چاہتا ہے رہزنی سے فائدہ!

چنگیز۔ فائدہ؟ سلطنت حاصل کرنے کا قاعدہ جس طرح ایک میان میں دو خنجر آبدار نہیں رہ سکتے اسی طرح ایک ملک میں دو شہریار نہیں رہ سکتے۔ ع

بھوک میں ہرگز طبیعت صبر کر سکتی نہیں	ایک روٹی دو بشر کا پیٹ بھر سکتی نہیں

ناصر۔ یہ تو انسانی خصلت کے خلاف ہے۔ ایک انسان ایک روٹی دس آدمیوں کو بانٹ کر کھا سکتا ہے۔ مگر ایک کُتّا ایک ہڈی کو اکیلا ہی چچوڑتا ہے۔ ع

جہاں میں رہ کے جن لوگوں میں ایسی کج ادائی ہے	وہ کتّے ہیں گرچہ شکل انسانوں کی پائی ہے

چنگیز- دیکھ! اب بھی تو اگر اپنی بیہودگی سے باز نہ آئیگا- تو صبح آفتاب نکلنے سے پہلے تیرا دم نکل جائیگا

ناصر- اُف! جہاں تجھ سا کور باطن ہے وہاں آفتاب کا نکلنا ناممکن ہے-

چنگیز- کیوں-؟ کس لیئے؟

ناصر- اِس لیئے کہ تیرے گناہوں کی تاریکی نے تمام دُنیا میں اندھیرا پھیلا دیا ہے- اور آفتاب کی روشنی کو اپنی سیاہی میں چھپا لیا ہے- ؎

پردۂ گور میں جب جسم یہ تیرا ہوگا		اَب اِسی روز زمانے میں سویرا ہوگا

چنگیز- خیر میں نے مانا کہ میں تیری نظر میں خار ہوں- مکار ہوں- بدکار ہوں- عیار ہوں

مگر یہ دیکھ تو کیسا اسیرِ رنج و آفت ہے		خلاف اِسکے یہاں عشرت ہے راحت ہے مسرت ہے

ناصر- او مغرور! یہ کیا بڑی بات ہے- عزت اور ذلت دینا تو خدا کے ہاتھ ہے- ایک شاخ میں دو پھول ہوتے ہیں- ایک کو شادی کے وقت سہرے میں لگاتے ہیں- دوسرے کو قبر پر چڑھاتے ہیں- ایک صدف میں دو موتی ہوتے ہیں- ایک سے تاجِ شاہی کو زینت دیتے ہیں اور دوسرے کو کھرل میں پیس کر خاکِ سیاہ بناتے ہیں-

چنگیز- تو وہ شرافت کس کام کی جو وقت پر کام نہ آئے- ؎

جوہر اگر دکھاتے مشکل پڑی نہوتی		ہاتھوں میں آجکے دن یوں ہتکڑی نہوتی

ناصر- ہتکڑی-؟

چنگیز- ہاں ہتکڑی؟

ناصر- جن بہادروں کو اپنی عزت عزیز ہوتی ہے اُنکے ہاتھوں میں ہمیشہ دو چیز ہوتی ہیں-

چنگیز- دو چیز؟

ناصر- ہاں دو چیز

چنگیز- کیا؟

ناصر- تیغ و شمشیر- یا ہتکڑی و زنجیر- البتہ جو طبیعت کا عورت ہو اُسکے ہاتھوں کے لیئے چوڑیاں

کی ضرورت ہے۔

چنگیز ؎ بزباں کم نہیں ہوتی ہے حماقت تیری + خیر معلوم ہوا۔ آگئی شامت تیری

ارے کوئی حاضر ہے ؟ ؎

لے کے لیجاؤ اِسے قید رکھو آج کی رات | خون پی لونگا صبح۔ ناشتۂ صبح کے ساتھ

حشمت۔ جناب نواب محمد مرزا خان صاحب شاگرد جناب جلال لکھنوی آپکا کلام بہت صاف اور پاکیزہ ہے۔ دل میں درد معلوم ہوتا ہے۔ مضمون میں بھی شوخی پائی جاتی ہے لیکن افسوس کل یہی شعر دستیاب ہو سکے۔

غیر ہی کو تم بناؤ قصہ خوان اہل درد | کچھ کہیں سے سُن تو لوگے داستانِ اہلِ درد
رحم اُس ظالم کے دلمیں ڈالدے تو یا کریم | یا مٹا ہی دے زمانے سے نشانِ اہلِ درد
دل دیا ہے جس طرح وہ جان بھی دیکے یونہی | اوستمگر لے کبھی تو امتحانِ اہلِ درد
خوش جو ہوتے ہیں تو مجھپر وہ جفا کرتے ہیں | غیر سے ہو کے خفا دیکھئے کیا کرتے ہیں
آپ اچھے رہکے خواہاں ہیں یہ کہتا ہو وہ بت | کبھی بھولے سے جو ہم یادِ خدا کرتے ہیں
نیاز آیا ہمیں تیری بدولت | بتا دے تجکو ناز آیا کہاں سے

حشمت۔ ڈاکٹر کرپا شنکر صاحب حشمت۔ مرزا قربان علی بیگ سالک مرحوم سے تلمذ رکھتے تھے۔ کلام بھی اچھا ہے۔

رہتی ہے تیری زلف پریشان آٹھ دن | کیا صبر پڑ گیا مرے حالِ تباہ کا
پیرِ مغاں کے لیجے قدم چلکے میکدے | زاہد جو آج بند ہے در خانقاہ کا
مجکو حکمت میں بہت دخل ہے لیکن اپنے | دردِ دل کا نہیں پاتا کوئی درماں ابتک
تیرے قاصدوں کو نچھوڑا مرے ہاتھوں نے کبھی | نہ گیا ہاتھ سے پیر مرا ایماں ابتک
ہاتھ سے تیغ سے دامن سے ترے ہا او قاتل | ہائے چھوٹا ہی نہیں خونِ شہیداں ابتک
زندہ کو جاوید کشتوں کو کیا | ہیں خجل عیسیٰ ترے اعجاز سے

حشمؔ

حشمؔ - جناب شیر محمد خاں صاحب خلفِ اکبر نواب سید محمد خان صاحب رئیس دولت پور ضلع بلند شہر صاحبِ دیوان تھے۔ آپکے دیوان کے دیباچے میں کچھ حالاتِ زندگی بھی درج ہیں اُس میں سے چند سطریں انتخاب کیجاتی ہیں۔ آپ کو ابتدائے عمر سے شعر گوئی کا شوق تھا۔ باوجود کثرتِ کاروبار مشقِ سخن مدت العمر جاری رہی۔ دیوان کے طبع کرانے کا ارادہ تھا کہ سنہ ۱۸۹۵ء میں بقضائے الٰہی اِس دارِ فانی سے رحلت کی اور یہ حسرت پوری نہوئی آپکے بعد آپکے صاحبزادوں نے سنہ ۱۹۰۶ء میں آپ کا دیوان بلند شہر میں طبع کرایا۔ مگر تمام حالات میں آپکے اُستاد کا کہیں ذکر تک نہیں ہے۔ البتہ اِس شعر سے کچھ پتہ چلتا ہے

فیضِ طپش سے اپنا وہ لہجہ درست ہے
اہلِ حسد کو بند میں تقریر سے کریں

کلام خاصہ ہے بندش صاف ہے۔ انتخاب ملاحظہ ہو۔

بے نقاب اُن کا رُخِ روشن اگر ہو جائیگا
ماہ کا شکلِ کتاں ٹکڑے جگر ہو جائے گا

تمھاری زلف کے خم میں جو پیچ و تاب آیا
بلائیں لینے مرے دل کو اضطراب آیا

قصۂ فرہاد و مجنوں کو بتاتے ہیں وہ جھوٹ
اضطرابِ دل پہ میرے پھر یقین لائینگے کیا

آج پھر کھجلاتے ہیں تلوے مرے وحشت سہی
آبلے پھر روئے خارِ دشت دکھلائینگے کیا

اُنکی باتوں ہی سے آزردہ دلی ہے آشکار
مجھسے ملنے کی حشمؔ اب وہ قسم کھائینگے کیا

بال کب زلفوں کے ابروے عرقناک پہ ہیں
پانی پیتے ہیں یہ آبِ دمِ شمشیر میں سانپ

ہمسری کرتے ہیں اکثر جو تری کاکل سے
سیکڑوں مارے گئے ہیں اسی تقصیر میں سانپ

چشمِ پُرخوں ہجر میں ہے غمگسارِ آستین
دید کے قابل ہے اے گُل اب بہارِ آستین

نہیں ابروئے یار زلفِ دوتا میں
مہِ نو چمکتا ہے کالی گھٹا میں

لحد میں برابر ہے اعلیٰ و ادنیٰ
پسِ مرگ کیا فرق شاہ و گدا میں

تمھارے عارضِ پُرنور پر نہیں زلفیں
متاعِ حسن پہ دو مار آکے بیٹھے ہیں

وفورِ رنج سے چہرہ اُتر گیا میرا
حضور آپ جو تیوری چڑھاکے بیٹھے ہیں

ناتوانی نے بچا رکھی ہے اب تک جانِ زار
لاغری سے ہم اجل کو بھی نظر آتے نہیں

گُل کی طرح خوشی سے دلِ تنگ کھِل گیا
لائی صبا جو اُس بُتِ غنچہ دہن کی بُو

مصروف جو وصفِ دُرِ دندانِ زباں ہو
مچھلی بنے پھر آبِ گہر میں وہ رواں ہو

وصفِ غزالِ چشم تو لکھ جلد اے قلم
آنکھوں کے آگے سے کوئی مضموں ہرن نہ ہو

پوشاکِ فاخرہ جو پہنتے تھے رات دِن
عبرت کی جا ہے اُن کو میسر کفن نہ ہو

منتظر ہیں نگاہِ مہر کے ہم
تم خدا کے لیئے اِدھر دیکھو!

پاس عارض کے زلفِ مشکیں ہے
متصل شام اور سحر دیکھو!

حور و غلماں شیفتہ جن و ملک مشتاقِ دید
حق نے وہ رُتبہ دیا ہے حسنِ آدم زاد کو

تیرہ دل کیا خاک سمجھے عزتِ اہلِ صفا
قدرِ آئینہ ہو کیونکر کورِ مادر زاد کو

دل لگی خوش آئے کیا ہجرِ بُتِ عیار میں
جب موسا رہے تعلق ہیں سروریِ دل کیسا تھا

ہے جی میں چوسیئے بتِ شیریں دہاں کے ہاتھ
کیا غم جو اس خطا پہ کٹیں مبتلا کے ہاتھ

مانگیں تمام رات دعائیں اٹھا کے ہاتھ
مَر کے مگر نہ چہرے سے اُس مہ لقا کے ہاتھ

تیرے سوزِ عشق سے اے گل جو ہاتھ آیا ہے داغ
عندلیبِ دل یہ کہتا ہے کہ باغ آیا ہے ہاتھ

پہلو سے جُدا وہ بتِ عیار نہ ہو جائے
یارب کہیں جینا مجھے دشوار نہ ہو جائے

ابر کہتا ہے کوئی - دریا کوئی - کوثر مجھے
دیکھیئے کیا کیا بنائے گی یہ چشمِ تر مجھے

اب نہ ترساؤ خدا کے واسطے
شکل دکھلاؤ خدا کے واسطے

رُخ میں ضوِ آفتاب کی سی ہے
جسم میں بُو گلاب کی سی ہے

خیال تھا ہمیں تیرے جو آتشیں رُخ کا
فنا کے بعد ہمارے کفن میں آگ لگی

جو آکے باغ میں دم بھر مرا گلگوں قبا ٹھیرے
تو روئے گُل پہ رنگ اصلا نہ اے بادِ صبا ٹھیرے

حشمت

حشمت - میر حشمت علی خلف میر حیدر علی - حیدر آباد دکن کے رہنے والے اور حیدر حسین خان حیدر کے شاگرد ہیں - اُردو فارسی دونوں زبانوں میں فکرِ سخن کرتے ہیں - کلام خاصہ

ہے اِنکے اُستاد بھی نامی شعرائے دکن میں شمار ہوتے تھے۔ خود میر حشمت علی فی الحال محکمۂ نظامت پٹہ خانجات میں ملازم ہیں۔ یہ اُن کا کلام ہے۔

کرکے ابرو کا اشارہ غیر کو وہ رُک گئے	خنجرِ بُرّاں میری گردن پہ چلکر رُک گیا
مرگِ عاشق پر اجی اِس طرح غم کھاتے نہیں	صبر کی جا ہے مرے کے ساتھ مرجاتے نہیں
ہوگئے ہیں جاکے شاید کوئے جاناں میں مقیم	حضرتِ دل آج پہلو میں نظر آتے نہیں
یادِ مژۂ یار ہے ایسی کہ نہ پوچھو	دل میں خلشِ خار ہے ایسی کہ نہ پوچھو
ہے جان و دل پہ ہمارے تو آپ کا قبضہ	ہمارا آپ پہ کچھ اختیار ہو کہ نہ ہو
ہجر میں ہم اسی اُمید پہ جیتے ہیں فقط	یار باقی ہے تو دنیا میں ہے صحبت باقی

حشمت

حشمت - محمد علیخاں حشمت۔ شاہجہاں آباد کے خوشحال لوگوں میں تھے۔ اور میرزا مظہر میر تقی میر۔ اور سودا کے ہمعصر عبد الحی تاباں اِنکے شاگرد تھے۔ اِنکے دو بھائی عابد یار خاں اور مراد علیخان شاہ عالم ثانی کی سرکار میں داروغۂ جواہر خانۂ شاہی تھے۔ جناب حشمت بڑے جری اور بہادر اور قوی ہیکل شخص تھے۔ اور فنونِ سپہ گری میں طاق۔ پہلوانی پھینکیتی میں شہرۂ آفاق تھے ۱۱۸۸ھ میں روہیلوں کی لڑائی میں نواب قطب الدین خان نبیرۂ نواب نعمت اللہ خان رئیس مراد آباد کے ہمراہ شریک ہوئے اور دادِ شجاعت اور مردانگی دیکر اُسی معرکے میں کام آئے۔ میر تاباں اُس وقت حیات تھے اُنھیں بہت صدمہ ہوا اور اُنکے غمِ مہاجرت میں اُنھوں نے ایک درد انگیز مخمس بھی لکھا جو اُنکے دیوان میں موجود ہے جناب حشمت فضیلت علمی کے ساتھ شعر بھی خوب کہتے تھے مگر اِس فن میں اپنی شہرت نہیں چاہتے تھے۔ غنی بیگ کشمیری سے تلمذ تھا۔ کلام میں سے ذیل کے دو شعر ہمیں ملے۔ درج کیے جاتے ہیں۔

خط سے تیرا حُسن سب اُڑا آیا	یہ سبز قدم کہاں سے آیا
غم نے لیا ہے گھیر مجھے یاں تلک کہ اب	دیتا ہے سانس دینے سے مجکو جواب دل

حشمت

حشمت - میرزا غلام فخر الدین حشمت مرحوم نبیرۂ حضرت شاہ عالم ثانی۔ حافظ عبد الرحمن خان

احسان مغفور کے شاگرد رشید تھے اور اپنے اُستاد سے ایسی محبت کرتے تھے کہ اکثر یہ دعا کیا کرتے تھے کہ میرا سینہ اُستاد کے داغ کا گنجینہ ہو۔ چونکہ یہ دعا صدق دل سے تھی مقبول بارگاہ خدا ہوئی اور اتفاق سے حضرت احسان کے انتقال سے ایک ہی روز پیشتر ۴۸ سال کی عمر میں قضا کی۔ کلام کا نمونہ ملاحظہ ہو۔

زلفوں کے بنانے کا پردہ تھا بہانا تھا	تم نہ پردہ نشیں ہم سے پردے میں چھپایا تھا
گھر دو ہی قدم پر تو ہے اِن قدموں کے میں صدقے	بڑھیے کوئی دو چار قدم اور زیادہ
مجھے روتے جو دیکھا ہنس کے بولے	تری حشمت بتا کیوں چشم تر ہے
پلا آبِ دمِ شمشیر قاتل	ترا بسمل تڑپتا خاک پر ہے

حشمت　**حشمت**۔ عالیجناب فضیلت مآب کمالات انتساب مسٹر حشمت اللہ صاحب ایم اے ممبر سول سروس صوبۂ متحدہ آگرہ و اودھ۔ آپ علیگڈھ کالج کے تعلیم یافتہ ہیں۔ سن شریف اب ۴۴ و ۴۵ برس کے قریب ہے۔ جب دہلی میں اول مرتبہ سنہ ۱۸۹۲ء میں محمڈن کانفرنس کا اجلاس ہوا تو آپ ہی اُسکی صدر نشینی کے لیے منتخب ہوئے تھے۔ تکمیل علوم مغربی کے ساتھ ساتھ شعر و سخن کا مذاق بھی اعلیٰ درجے کا موجود ہے اور خود بھی خوب کہتے ہیں۔ راقم تذکرہ کو انہیں ایّام میں شرفِ نیاز حاصل ہوا تھا اور جناب نے چند غزلیں بھی سُنائی تھیں۔ بیان میں شوخی صفائی اور خیالات میں جدّت اور بلندی سارے وصف باحسن وجوہ موجود ہیں۔ عرصۂ دراز سے کلکٹری کے عہدے پر فائز ہیں۔ تازہ کلام باوجود کوشش دستیاب نہو سکا۔ لہذا وہی چند شعر جو عرصہ ہوا سُنے تھے درج کر دیئے گئے۔

تیرا دیوانہ جو نہو وہ اسیراں میں نہیں	آج ہی شور و فغان گوشۂ زنداں میں نہیں
جلوہ دیکھا ہے جہاں آنکھ وہیں پڑتی ہے	گو یہ معلوم ہے نظّارہ اب امکاں میں نہیں
آپ سے وعدہ نہ ایفا ہو تو جانے دیجیے	ہم کو شکوہ نہیں گر آپکے امکان میں نہیں
شکوۂ رنج و غم عبث۔ حجّتِ کشاکش دروغ	خانہ نشین عاقبت بزم جہاں ہو آئے کیوں

حشمت خستۂ ہجر سے ۔ چشمِ کرم بجا نہیں
گریۂ غم کو کیا غرض آتشِ دل بجھائے کیوں

دل و دین و دولت لٹائے ہوئے ہیں
سزا جرمِ اُلفت کی پائے ہوئے ہیں

تمھیں کیا بتائیں کہ ارمان والے
تصوّر میں کیا لُطف پائے ہوئے ہیں

نسیمِ چمن میں کہاں قابلیت
یہ سب گُل تمھارے کھلائے ہوئے ہیں

قدم رنجہ فرمایئے بے تکلّف
سرِ رہ ہم آنکھیں بچھائے ہوئے ہیں

فلک کی یہ نیرنگیاں کب ہیں حشمت
پسِ پردہ وہ آپ آئے ہوئے ہیں

حیاتِ ابد کی تمنّا نہیں ہے
مرا جیتے رہنے میں تنہا نہیں ہے

مریضِ محبّت کو پروا نہیں ہے
ترے ہوتے کیا غم جو عیسیٰ نہیں ہے

بنو لاکھ بیگانے صحبت میں لیکن
تعلّق نگاہوں سے چھپتا نہیں ہے

مریضِ محبت کو ہم نے بھی دیکھا
نصیبِ عدو حال اچھا نہیں ہے

خیالِ خط و خال جانے دو حشمت
طبیعت میں وہ جوشِ سودا نہیں ہے

حوصلے بڑھ بڑھ کے آخر آفتِ جاں ہوگئے
کچھ دنوں ارماں رہے پھر دشمنِ جاں ہوگئے

پردہ و درباں رہے رکھّے کے رکھے طاق پر
آنکھیں ملنا تھیں کہ مشتاقوں کے پیماں ہوگئے

جلوہ بینانِ حقیقت ہی رہے اِک بُت پرست
باقی امیدِ قیامت پر مسلماں ہوگئے

مہربانوں کو چھڑا یا ایک رشکِ وصل نے
کچھ مرے ناصح بنے کچھ اُسکے درباں ہوگئے

حشمت ۔ تفتشم علیخان حشمت سیّد صحیح النسب متواضع و خلیق ۔ ہر شخص کے دل میں اُنکی جگہ تھی ۔ منگلپورہ کے رہنے والے ۔ فارسی و ریختہ کے زبردست شاعر ہیں ۔ یہ دو شعر اُنکے حسنِ فکر کا نتیجہ ہیں ۔ حشمت

نکہتِ گُل نے جگایا کسی زنداں کے بیچ
سرِ زنجیر کی جھنکار پڑی کان کے بیچ

بہار آئی و ہوا سے کی خبر لو
اگر زنجیر کرنا ہے تو کر لو

حصین ۔ احسن الدولہ محسن الملک محمد حسین علیخاں بہادر خواجہ سرا تخلص حصین امجد علیشاہ حسین

والیٔ لکھنؤ کے زمانے میں حضور رس اور مقرب بارگاہ تھے۔ عرصہ ہوا کہ اس عالم فانی سے بعالم جاودانی رحلت فرما گئے۔ یہ چار شعر انکی یادگار باقی ہیں جو تذکرہ سراپا سخن سے نقل کیئے جاتے ہیں

تو ہی کر انصاف ظالم غیر جب سلجھائے زلف
کیوں نہ پیچ و تاب میں الجھائے شیدائے زلف

یک بیک پھر اٹھ گیا دل سے مرے صبر و قرار
ہو گیا بیٹھے بٹھائے پھر مجھے سودائے زلف

حشر تک مجموعۂ خاطر رہے گا منتشر
اے صنم یونہی رہا گر منہ تو بکھرائے زلف

نور رخ چمکا جو اسنے بال باندھے ای حضورؔ
بڑھ گیا دن گھٹ گئی جب شب بیلدائے زلف

حضور۔ لالہ بالمکند۔ قوم کے کھتری دلی کے رہنے والے حضور تخلص اور خواجہ میر درد کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ عربی اچھی جانتے تھے۔ آخر عمر میں گجرات چلے گئے تھے۔ غدر سے پیشتر ہی انتقال فرمایا۔ یہ اُنکے کلام کا نمونہ ہے۔

نہ پاؤں میں جنبش نہ ہاتھوں میں طاقت
جو اُٹھ کھینچوں میں دامن اُس دل رُبا کا

سرِ راہ بیٹھے صدا ہے یہ اپنی
کہ اللہ یاور ہے بیدست و پا کا

واں رشتۂ محبت معشوق توڑتے ہیں
یاں ٹکڑے ٹکڑے دل کے ہم بیٹھے جوڑتے ہیں

سچلے ہیں آپ جو اس بُت سے ساز کرنے کو
حضورؔ! پاس بھی ہے کچھ نیاز کرنے کو؟

یاں مجھ میں نہیں ہے جان باقی
واں اب بھی ہے امتحان باقی

جفا کو ہم وفا سمجھے ستم کو ہم کرم سمجھے
ادھر کچھ دل میں تم سمجھے ادھر کچھ دل میں ہم سمجھے

حضور۔ محسن مرزا معروف بہ اچھے مرزا مولد و مسکن لکھنؤ منشی مظفر علیخاں اسیر مغفور کے شاگرد اور اچھا کہنے والوں میں تھے ۱۲۷۶ھ کے گلدستۂ شعرا وغیرہ سے ذیل کے اشعار انتخاب کیئے گئے ہیں جس سے پایا جاتا ہے کہ اس وقت زندہ تھے اور مشاعروں میں شرکت کرتے تھے۔

میں ہوں وہ عندلیب گلستانِ دہر میں
صیّاد دیکھے دام گیا میں جہاں گیا

تا لِطف کی طرح نہ آیا کہیں نظر
سو بار بزم یار میں میں ناتواں گیا

کیونکر رہے نہ تازہ گلِ زخم دل مرا
ٹپکے ہیں اشک صورت شبنم تمام شب

کوچۂ زلف میں ہم دن کو جو گھبرائے بہت — رات بھر خواب پریشان نظر آئے بہت
نقل کرتے تھے مرے رونے کی خوش ہو کر — آئینہ میں نے دکھایا تو وہ شرمائے بہت

پسند زیست میں ایجاد ہیں تو مرگ کے بعد — بشکل نقش کف پا ہو قبر پر تعویذ
حضور! ہجر صنم میں نہ کوئی کام آیا — پئے وصال لکھے ہم نے عمر بھر تعویذ
حضور! زیست میں مصروف سیر باغ رہے — ہماری قبر کے بھی گرد ہو چمن کی بہار
باتیں سنتا ہوں تو جلتا ہے مرا خرمن صبر — برق بن جاتی ہے اُس رشک قمر کی آواز
دیکھوں گا فال بوسہ ملے گا کبھی مجھے — اِس واسطے ہے مصحف رخسار کی تلاش
کیوں سنتے ہیں پھر وامق و مجنوں کا فسانہ — عشّاق کی باتوں سے جو گھبراتے ہیں معشوق
بل کی لینے لگے عاشق سے سراسر گیسو — ٹھنڈی آہوں سے ہوئے اور ہوا پر گیسو
درج اخبار ہوا حال پریشانوں کا — چڑھ گئے مشق جفا میں سر دفتر گیسو

حضور

حضور - مولوی منشی سیّد محمد عبد البصیر خلف مولوی عبد الغنی صاحب سنہ ۱۲۴۹ ہجری میں بمقام بلگرام پیدا ہوئے۔ آپکا بیان ہے کہ آپ کا شجرۂ نسب نواب امیر الحسّام مجاہد بغدادی سے ملتا ہے جو افواج محمود غزنوی کے سپہ سالار تھے۔ اُسی زمانے میں آپکے بزرگ اشاعت اسلام کی غرض سے ہندوستان میں آکر فروکش ہوئے تھے۔ منشی صاحب موصوف عالم کمسنی میں شفقت پدری سے محروم ہو گئے تھے اور یہ وہ زمانہ تھا جبکہ بلگرام میں علم کا آفتاب غروب ہو چکا تھا۔ درس و تدریس کی راہیں تقریباً مسدود تھیں منشی صاحب نے اُس پُر آشوب زمانے میں ابتدائی تعلیم اس طرح حاصل کی کہ صبح ہوئی اور یہ اپنی کتاب لیکر گھر سے نکل آئے۔ آیندہ وروند میں سے جس شخص کو اپنے قیافے سے ذی علم سمجھا اُسی سے اپنا سبق پوچھنا شروع کر دیا اور اُس وقت تک برابر پوچھتے چلے گئے جب تک کہ اُسکی تیوری پر بل نہ آیا۔ اسیطرح شوق کی تائید اور ذوق کی رہبری سے برسوں کی کدّ و کاوش میں عربی فارسی کی اچھّی خاصی لیاقت حاصل کر لی۔ جب سن بلوغ کو پہنچے تو تحصیل علم کے لیئے بلگرام چھوڑ کر لکھنو چلے آئے۔ طبّاعی اور ذہانت تو

فطرتی تھی۔ طبیعت شعر گوئی کیطرف راغب ہوئی۔ اُس وقت خواجہ حیدر علی آتش کی سحر بیانی کے گیت لکھنؤ کے ہر گلی کوچے میں گائے جاتے تھے۔ چنانچہ منشی صاحب بھی اُنھیں کے حلقہ بگوش ہوگئے۔ مگر وہ حضرت آتش کی عمر کا آخری زمانہ تھا۔ اِس لیئے منشی صاحب اُن سے بہت ہی کم استفادہ کرسکے۔ اُنکی وفات کے بعد میر وزیر علی صبا سے مشورۂ سخن کرنے لگے چونکہ اُردو کی نسبت فارسی کی طرف زیادہ توجہ رہی اس لیئے فارسی شعر خوب کہتے ہیں بولتے بھی بیساختہ ہیں۔ اخباری دُنیا میں بھی آپکے مضامین کی خاصی شہرت ہے۔ غزل کے سوا اور بھی جملہ اصنافِ شاعری میں آپ کو یکساں ملکہ حاصل ہے۔ تاریخ گوئی میں بھی بڑے مشاق ہیں عرصۂ دراز تک نامہ نگاری کرتے رہے۔ اخبار روزنامچہ کے اڈیٹر بھی رہے۔ انجمن رفاہِ عام کے جوائنٹ سکرٹری رہے۔ آجکل گوالیار کالج میں عربی فارسی کے پروفیسر ہیں۔ افسوس یہ ہے کہ آپکا کلام بہت ہی کم نظر سے گزرا۔ اِنکے بیٹے محمد سعید ناطق بھی مشہور نامہ نگار اور ناولسٹ ہیں۔ نمونۂ کلام درج ذیل ہے۔

زندہ چمن میں ایک بھی بلبل نہ چھوڑنا
گلچیں تجھے قسم ہے کوئی گل نہ چھوڑنا

رُخ سے نقاب آج وہ اُلٹے گا زاہدو
گر مرد ہو تو صبر و تحمل نہ چھوڑنا

سات پردوں میں کیا حسنِ ابنِ یوسف کو چھپا
کیا زلیخا کی سرِ بازار رسوائی ہوئی

حُسن کو بدنام دُنیا بھر میں اُلفت نے کیا
قیس کو سودا ہوا لیلیٰ کی رسوائی ہوئی

حضور

حضور۔ حافظ شیخ حضور احمد صدیقی مُرادآبادی۔ حضور تخلص کرتے ہیں۔ زمانۂ حال کے شاعروں میں خاصے ہیں۔ چند غزلیں جو نظر سے گزریں اُن کا انتخاب درج ذیل ہے۔

گرمیِ سوزِ محبت قتل میں ایسی بڑھی
پڑ گئے چھالے مرے خوں سے لبِ شمشیر پر

اُس نے کہا تھا شام کو آئیں گے گھر ترے
بیٹھا سحر سے ہوں میں اسی انتظار میں

نہ وہ پہلی سی محبت نہ وہ پہلا سا کرم
غیر نے پھونک دیا آپکے کیا کانوں میں

حشر تک گزرے گی مرقد میں تڑپتے ہی مجھے
ہو گئی کوچے میں اُس مہ کے جو تربت میری

حضیر - حافظ عبدالرحیم صاحب عظیم آبادی - باوجود تلاش صرف یہ بات معلوم ہے کہ زمانہ حال کے شعرا میں ہیں - کلام کا رنگ مندرجۂ ذیل اشعار سے معلوم ہو سکتا ہے - طبیعت میں تلاش اور بات پیدا کرنے کا شوق صاف جھلکتا ہے - ملاحظہ ہو

بتا دیں ہم تمھارے کاکل و عارض کو کیا سمجھے	اِسے ہم سانپ سمجھے اور اُسے من سانپ کا سمجھے
یہ کیا تشبیہ بیہودہ ہے کیوں موذی سے نسبت دیں	ہُما عارض کو اور کاکل کو ہم ظلِ ہما سمجھے
غلط یہ ہو گئی تشبیہ بھی کیا ایک طائر سے	اِسے برق اور اُسے ساون کی ہم کالی گھٹا سمجھے
گھٹا اور برق کیسی کیوں گھٹا کر ان کو نسبت دوں	اِسے برگِ سمن اور اسکو سنبل کی جٹا سمجھے
نباتاتِ زمیں سے انکو کیا نسبت معاذ اللہ	اِسے ظلمات اسکو چشمۂ آبِ بقا سمجھے
اگر کیجیے یہی مقصود تھے خضر و سکندر کے	یدِ بیضا اُسے اور اسکو موسیٰ کا عصا سمجھے
گر اس تشبیہ سے بھی حرف اُن دونوں پہ آتا ہو	اِسے قندیلِ کعبہ اسکو کعبے کی ردا سمجھے
اگر یہ بھی پسندِ خاطرِ والا نہ ہو تو پھر	اِسے وقتِ نمازِ صبح اور اسکو عشا سمجھے
حضیر - اب ساری تشبیہوں کو یوں ذکر کے کہتے ہیں	سُویدا اسکو سمجھے اور اُسے نورِ خدا سمجھے

حفیظ

حفیظ - محمد حفیظ حفیظ دہلوی مرثیہ گو - اِنکے بزرگ تو کشمیر کے رہنے والے تھے - مگر یہ خود دلّی میں پیدا ہوئے اور یہیں پرورش پائی - مرثیہ گو اچھے تھے - جس مجلسِ عزا میں شریک ہوتے تھے - اپنی خوش بیانی اور مضمون آفرینی کیوجہ سے خاطر خواہ داد پاتے تھے - اِنکے مرثیوں میں روایات دیگر مرثیہ گویوں کی طرح جھوٹی اور بناوٹی نہیں ہوتی تھیں - اور واقعات کو صفائی کے ساتھ بیان کرتے تھے - دلّی میں درگاہ شاہ مردان کے راستے میں انکا مزار ہے اور اس پر یہ شعر کندہ تھا - ؎

شاہِ مرداں جو کوئی اس راہ سے جایا کرے	فاتحہ اس قبر پر لِلّٰہ پڑھ جایا کرے

فنِ شعر میں حکیم قدرت اللہ خاں قاسم اور ثناء اللہ خان فراق سے تلمذ تھا - خود بھی صاحب دیوان تھے سنہ ۱۲۵۰ھ میں راہی عدم ہوئے - ردیف کلام یہ ہے -

مَیں تو بدنام ہوا عشق میں اللہ کرے	وہ بھی بدنام ہو جس نے مجھے بدنام کیا
محبت آہ کیا کیا رنگ عاشق کو دکھاتی ہے	اگر اک دم ہنساتی ہے تو پھر پہروں رُلاتی ہے
جو بیوفا ہیں اُن سے وفا ڈھونڈتا ہے تو	حیراں ہوں میں حفیظ تری عقل کیا ہوئی
حضرت دل میرے حق میں دیکھئے کرتی ہے کیا	بیقراری آپ کی بے اختیاری آپکی
رُوبرُو غیروں کے کیا شکوہ کریں ہم آپکا	ہو رہینگی پھر کبھی باتیں ہماری آپکی

حفیظ۔ حافظ محمد علی جونپوری۔ آپنے اپنے مطبوعہ دیوان میں کچھ اپنے حالات درج کیے ہیں اُن کا خلاصہ یہ ہے۔ مَیں ۱۸۶۵ء میں پیدا ہوا۔ ۱۴ برس کی عمر تک معمولی تعلیم پائی اور فارسی شیخ محمد تقی صاحب سے پڑھی۔ وہ شاعر بھی تھے۔ اِس طرح بچپن سے مجھے شعر وسخن کا مذاق ہوگیا اور صدہا شعر اساتذہ کے میرے حافظے میں محفوظ ہوگئے۔ ۱۸۸۳ء میں لسلسلۂ تجارت پٹنہ کا سفر کیا۔ اُن ایام میں وہاں شعر وسخن کا بڑا چرچا تھا میرے دل میں جو اس مذاق کی آگ دبی ہوئی تھی اُسکے نشوونما کا وہاں خوب موقعہ ہاتھ آگیا۔ چنانچہ وہاں مَیں نے غزل کہنی شروع کی ۱۸۸۹ء میں جناب وسیم کا شاگرد ہوا۔ وہ مجھ پر خاص نظرِ عنایت رکھتے تھے۔ کامل ۶ برس میرا اُنکا ساتھ رہا۔ پھر اُنھیں کے ارشاد کے بموجب مَیں امیر مینائی مرحوم کے زمرۂ شاگردان میں داخل ہوا۔ جناب حفیظ دورِ موجودہ کے شعرا میں متوسط درجے میں امتیازی پایہ رکھتے ہیں۔ آپکا کلام بحیثیت زبان بندش۔ درد اور صفائی روزمرّہ قابلِ تحسین ہوتا ہے۔ اگرچہ علمی استعداد زیادہ نہیں مگر کثرتِ مشق اور خداداد ذہانت سے اِس فن میں اچھی قابلیت حاصل کرلی ہے۔ اور آپکے کلام کا اُن نواح میں اچھا شہرہ ہے۔ کلام میں مزا اور بندش کا اسلوب قابلِ داد ہے آپکی طبیعت روزافزوں ترقی پر ہے اور اُمید ہے کہ اسی طرح مشق جاری رہی تو اپنے استاد کا نام روشن کریں گے۔ پہلے سید ظفر حسن خاں صاحب ظفر رئیس رسولپور کے یہاں کچھ مدت مصاحب رہے اب کئی برس سے راجہ سعادت علیخاں رئیس منجھیر پور کی سرکار میں

لازم ہیں۔ دیوانِ مطبوعہ کا انتخاب ملاحظہ ہو۔

کلیم غش میں گھڑی دو گھڑی رہے ہونگے
یہاں تو جا کے نہ پھر ہوش عمر بھر آیا

مصوری مرے صورتگرِ خیال کی ہے
جدھر نگاہ کی نقشہ ترا اتر آیا

کیا ہے دستِ تسلّی نے کام مرہم کا
دھرا جو ہاتھ مٹا درد زخم بھر آیا

کام چھوٹوں سے نکلتا ہے بڑا
یہ سبق بھی آنکھ کے تِل سے مِلا

چھوڑ کر سب کچھ ادھر ہو جا رجوع
بابِ عرفاں ہے در دل سے مِلا

عصیاں کے داغ مٹ گئے دل پاک ہو گیا
ٹپکے جو اشک نامۂ اعمال دھو گیا

دل بچ گیا تڑپ کے ترے آگے آئینہ
جس پر نگاہ پڑ گئی بیتاب ہو گیا

دشمن نہ تھا شباب تو نادان دوست تھا
بدنام کر گیا مجھے بدنام ہو گیا

مصروف کب ہوئے ہیں وہ فکرِ علاج میں
سب داغِ دل کلیجہ کا ناسور ہو گیا

دل بجھ گیا جو رات جوانی کی ڈھل گئی
جاگا تمام شب کا سحر ہوتے سو گیا

دمِ رخصت تو دل بیٹھنے لگے آپ
تڑپتا چھوڑ کر مجکو چلے آپ

فروغِ حسن کیا ایسا بھی اے شمع
کہ اپنی آگ میں کوئی جلے آپ

ایسا ادا شناس تو ہو آشنائے دوست
دل ہے کہ ہو رہا ہے سراپا ادائے دوست

کہتے ہیں یہ بُت ستا ستا کر
جا اپنے خدا سے التجا کر

دل ہی میں وہ ہوگا دیکھ زاہد
کعبے میں خدا خدا خدا کر

رہتے ہیں جو یہاں انھیں دنیا کا غم نہیں
اے شیخ میکدہ بھی تو جنت سے کم نہیں

وہ ہے عدوئے عیش تو تو ہے عدوئے جاں
تیرا ستم فلک سے زیادہ ہے کم نہیں

ستم کی آنکھ یہ ہے لطف کی نگاہ یہ ہے
نظر شناس تری ہر ادا سمجھتے ہیں

یہ سچ کہا ہے زمانے کو اعتدال نہیں
کہ ایک حال پہ رہنا کسی کا حال نہیں

قضا کے ہاتھ میں کنجی متاعِ عمر کی ہے
جو ساتھ لائے ہیں قبضے میں وہ بھی مال نہیں

یہ کہہ رہا ہے اُمیدوں کا گھر کے رہ جانا
چھپائے سے کبھی چھپتا نہیں ہے رنجِ دل

کوئی طلسم تو یہ عالمِ خیال نہیں
ہزار منہ سے کہے جا کہ وہ ملال نہیں

ابھی پہنچ تو یہ سنتے کہ ہم سے خفا تم ہو
بڑے ہی بے مروت خود غرض ناآشنا تم ہو

گلے پہ اُن کے چھری جا کے پھیر دے صیاد
تڑپ رہے ہیں اسیرِ قفس رہائی کو

آدمی کے لیے اُمید ہے اک باغِ طلسم
دم میں کر دیتی ہے سامان ہم کیا کیا کچھ

اللہ رے شانِ کبریائی
مٹھی میں بتوں کی ہے خدائی

باطن میں ہیں ایک جان دو قالب
ظاہر کی فقط ہے یہ جدائی

برساتی ہے آگ حشر کی دھوپ
اے ابرِ کرم تری دہائی

دیکھا ہمیں دیکھ کر عدو کو
آنکھوں کو بھی کچھ حیا نہ آئی

دل صاف نہ ہو تو کیا صفائی
اس میل سے خوب تھی لڑائی

انصاف کی اب کہاں توقع
برہم تم منحرف خدائی

ساقی ہی کے ہاتھ سے پئیں گے
بجھ جائیگی ضد میں پارسائی

بگڑا نہیں اب بھی کچھ ہے مل جاؤ
ہے بات ابھی نئی بنائی

ابھی سے صاف تم کہہ دو وہ کہنا ہم نہ مانینگے
کیا جو وقت پہ کچھ عذرِ بیجا ہم نہ مانیں گے

محبت ہے یہ فعلِ اختیاری تو نہیں ناصح
کوئی خود روگ پالے اپنے جی کا ہم نہ مانینگے

ابھی جس طرح چاہو تم دکھا لو دیکھ لو دل کو
دکھاؤ گے جو پھر کوئی بکھیڑا ہم نہ مانینگے

زمانے بھر کی باتیں مان لینگے وہ جو کہتے ہیں
مگر کہنا فقط اک آپ ہی کا ہم نہ مانینگے

قابلِ دید ہے یہ رسوائی
ہم تماشا ہیں وہ تماشائی

اب کے یہ جوشِ گل کا عالم ہے
ہو رہی ہے بہار سودائی

تم کو مژدہ ہو میکدے والو
اودی اودی ہے پھر گھٹا چھائی

ہے یہ فیضِ بہار جوشِ نمو
جم گئی سطحِ آب پر کائی

ہیں کسی کے خیال سے باتیں
قابلِ دادِ شعر اپنے حفیظ

یوں پسند آگئی ہے تنہائی
لوگ کرتے ہیں عزت افزائی

کل مُکر جائیں گے تیور یہ کہے دیتے ہیں
یوں ہی غفلت میں جو گزرنی تھی
دردِ دل کی دوا نہ تھی ممکن
یہاں تو بیچکر گھر جشنِ جمشیدی مناتے ہیں
وفا کا ذکر جب آتا ہی پہروں ہاتھ ملتے ہیں
مآلِ زندگی کو سوچکر دُھنتا ہوں سر پہروں
دے جگہ خلد میں یا بھیجدے وہ دوزخ میں
لامکاں تک ہو رسائی جو بشر کی تو کیا
بعد توبہ بھی وہی یاد ہے میخانے کی
اسلئے وعدہ پہ وعدہ ہیں کہ بیچین رہوں
ہائے رے موت جوانی کی کوئی میّت پر
آدمی سے جو محبت میں نہ ہو تھوڑا ہے
شام ہوتے ہی تری یاد نے بیچین کیا
شمع سر دھنتی ہے روتی ہی کھڑی بالیں پر
آبرو ہاتھ سے جائے نہ محبت میں حفیظ
کسی کا ہائے کہنا تنگ آکر میرے نالوں سے
میری حیرت سے اُسکے حُسن کا اندازہ کرتے ہیں
جو آبرو رہی تر دامنوں کی حشر میں شیخ
جدائی میں بھی ہر دم مجکو وصلِ یار حاصل ہے

آج کھا کھا کے قسم عہدِ وفا ہوتا ہے
عمر میخانے میں بسر ہوتی
ایک دنیا جو چارہ گر ہوتی
بہار آتے ہی دستاویز اک مرقوم ہوتی ہے
وہاں اب یادِ تیری اے دلِ مرحوم ہوتی ہے
وہ کیسے لوگ ہیں یارب جنھیں جینے کا ارماں ہے
اپنا مشرب تو ہے راضی برضا کیا کیجے
پھر اُسے خاک میں ملنا ہے کہ وہ خاکی ہے
گردش آنکھوں میں پھرا کرتی ہے پیمانے کی
ایک ترکیب ہے یہ بھی مرے تڑپانے کی
رو کے کہتا ہے کہ یہ عمر تھی مرجانے کی
اتنی سی جان پہ ہمت ہے یہ پروانے کی
رات بھر آج ہمیں نیند نہیں آنے کی
زندگی سے کہیں موت اچھی ہی پروانے کی
آدمی کے لیئے یہ بات ہے مرجانے کی
غضب میں جان ہے اللہ سمجھے مرنیوالوں سے
کہاں پہنچے کہاں سے میری حالت دیکھنے والے
تو پائی پائی تری پاک دامنی ہوگی
تصوّر میں وہ صورت میری آنکھوں کے مقابل ہے

ناز دل جا حسینوں کی تو بیٹھی ہاتھوں پہ
کہ یہ شیریں زبانی تیرے حق میں سمِ قاتل ہے

منتخب چُن لینے دستہ ایک ایک سب مجھ سے
دل کے ٹکڑے ہیں یا یہ ٹکڑے ہیں جام کے

حشر ہے وعدۂ دیدار وفا ہوتا ہے
بے نقاب آج وہ ہیں دیکھئے کیا ہوتا ہے

کچھ بنائے نہیں بنتی جو بگڑتا ہے نصیب
چارہ گر ہو جو مسیحا بھی تو کیا ہوتا ہے

ادا پریوں کی جوبن حور کا شوخی غزالوں کی
غرض مانگے کی ہر اک چیز ہے ان حسن والوں کی

ترے ہوتے یہ کیسی بات غیرت کی ہے او ظالم
اڑائے آسماں یوں خاک تیرے پائمالوں کی

حاجت نہیں ہے چاند سے مُنہ کو نقاب کی
چھوڑی ہے رُخ پہ نور نے چادر حجاب کی

ان لوگوں سے کہ مشرب ہیں زمانے سے نرالے
دنیا میں ہیں دنیا سے الگ میکدے والے

وہ یادِ وطن کی ہے یہ غربت کی نشانی
کچھ داغ کلیجے میں ہیں کچھ پاؤں میں چھالے

چارہ فرما جو مرے دردِ نہاں کے آئے
دل پکارا کہ یہ دشمن مری جاں کے آئے

تیسؔ دن خوب رہا فاقہ کشی کا پردہ
ہوگئی عید جو روزے رمضاں کے آئے

اور مجھ بےکس کی بالیں پر اب آتا کون ہے
جب ہوا غش سے افاقہ یاد آئی آپ کی

غیروں سے بھی رسم و راہ دیکھی
دیکھی دو دن کی چاہ دیکھی

دونوں جہاں میں حسن و محبت کی دھوم ہے
جلوہ جہاں جہاں ہے ترا اک ہجوم ہے

تمہیں سے دیدہ و دل ہیں منوّر
تمہیں سے شان ہے دیر و حرم کی

مزہ ہے جوشِ جوانی میں پارسائی کا
وہ ناخدا ہے جو کشتی بچائے طوفان سے

حفیظ

حفیظ مولوی حاجی حافظ شاہ سیّد نذر الرحمن رئیس عظیم آباد و پٹنہ نبیرہ و سجّادہ نشین حضرت مولانا محمد سعید متخلص بہ حسرت المخاطب بہ شمس العلماء مغفور۔ فضیلت و شہرتِ خاندانی کے سوا دولتِ علم سے مالا مال ہیں۔ فنِ سخن میں دستگاہِ کامل رکھتے ہیں۔ حکیم آغا حسن ازل لکھنوی شاگرد میر وزیر علی صبا مرحوم سے تلمّذ حاصل ہے۔ ۴۰۔۵۰ سال کے درمیان آپکی عمر ہے۔ فنِ شعر کا شوق ابتدا ہی سے ہے۔ عظیم آباد کے سربرآوردہ شعرا میں آپ کا

شمار ہے سنہ ۱۹۰۴ء میں آپ نے عظیم آباد میں انجمن اردوئے معلّی کی بنا ڈالی اور ایک ماہوار رسالہ موسوم بہ "بہار" اپنی زیر نگرانی شائع کرنا شروع کیا ہے سنہ ۱۳۱۹ھ ہجری میں آپ کا ایک مبسوط دیوان بھی طبع ہو کر شائع ہوا ہے جو اپنے رنگ میں ہر طرح قابل تعریف ہے۔ جدّت پسندی۔ مضمون آفرینی۔ پرداز صوفیانہ۔ کہنہ مشقی۔ سلاست زبان۔ غرض اسکے دیکھنے سے ہر ایک بات کا پتا چلتا ہے۔ راقم تذکرہ کے عنایت فرما ہیں۔ وہ دیوان آپ ہی کا عطیہ ہمارے کتبخانے میں بھی موجود ہے۔ اب کچھ کلام کا انتخاب لکھا جاتا ہے۔

خوشا وہ سر کہ جس میں ازل سے ہے تیرا سودا — خوشا وہ دل جو مخزن ہے تیرے اسرار ہی کا
یاں تو قابو نہ ہوا اپنے بھی دل پر اپنا — یہ جسے غیر کو کر لیتے ہیں کیونکر اپنا
رات بھر غیر کے ہمراہ بسر کی اس نے — تجھ سے بھی سلے فلک شعبدہ گر کچھ نہ ہوا
ایک بیمار محبّت کی دوا ہو نہ سکی — آپ کے لب میں ہے اعجاز مسیحا کیسا

ہائے یہ کیا حشر بپا ہو گیا — آج وہ پھر مجھ سے خفا ہو گیا
ایک دم کے لیے آ جائیے گا — نزع کے وقت نہ ترسائیے گا
دیکھ کر لاش مری کہتے ہیں — یہ نہ سمجھے تھے کہ مر جائیے گا

موت کب آئی کہ جب وصل کے دن آئے قریب — شب فرقت میں تو کم بخت سے آیا نہ گیا

ہم بھی ہیں مستحق تری رحمت کے ہو گئے — اچھا ہوا لقب جو گنہگار ہو گیا
مجھ پر جو مہرباں نہیں ہے نہ ہو مگر — یہ تو نہیں کہ غیر کا وہ یار ہو گیا
وہ کون دن تھا کہ گردش میں آسماں نہ رہا — مجھے ستا کے یہ ظالم بھی شادماں نہ رہا
لحد میں بعد فنا بھی یہ شادماں نہ رہا — زمین پیس ہی سے جو آسماں نہ رہا
آج تک لایا نہ نامے کا جواب — نامہ بر ہم کو ملا کیا لاجواب
ہم تصور میں رخ آپ کا کس طرح نہ چومیں — کافر ہے وہ جسکو نہیں قرآں کی محبّت
کیوں زلف رہا کرتی ہے رخ پہ تیرے ہر دم — کیا ہو گئی کافر کو بھی قرآں کی محبّت

یہ اشارے ابروؤں کے غیر سے
دیکھیے چل جائے گی تلوار آج

وہ سن کے دعا وصل کی فرماتے ہیں ہنس کر
کیا ہو اگر آ جائے اگر اسمیں اثر آج

دونوں یکساں ہیں تلوّن ہو کہ بیتابیٔ دل
میری وحشت کی طرح اُنکی طبیعت کیطرح

دے رہا ہے شبِ فرقت میں مجھے کیوں ایذا
شام سے چاند بھی خورشیدِ قیامت کیطرح

تہنیتوں سے جو ہو بیزار خوشامد سے خفا
ہائے اُس رُوٹھنے والے کو منائیں کیونکر

جذبۂ دل فزوں ہوا کوچۂ یار دیکھ کر
بک گئے ہم جنوں کے ہاتھ جوشِ بہار دیکھکر

بادہ پرست ہیں ولے دل پہ بھی اختیار ہے
توبہ کریں گے ہم مگر آب کی بہار دیکھکر

ہجر کی شب کی آفتیں درد کی سب اذیتیں
بھول گئیں وہ حالتیں روئے نگار دیکھکر

لینگے ہم بوسۂ ابرو وہ لگائے تلوار
مردِ میداں ہے وہی منہ پہ جو کھائے تلوار

جھک کے ملتے ہیں گلا کاٹنے والے سب سے
کیوں نہ ہر وقت رہے سر کو جھکائے تلوار

المدد جوشِ جنوں پھر آ گئی فصلِ بہار
دستِ وحشت پھر بڑھا جیب و گریباں کیطرف

بیوفائی کی جب شکایت کی
ہنسکے بولے کہ آزماتے ہیں

اسلئے اتنے گنہ روز کیا کرتا ہوں
دیکھنا ہے تیری قدرت کا تماشا ہمکو

نہ دل میں آکے رہتے ہو نہ آنکھوں میں ٹھہرتے ہو
وہ بے پروا ہو رکھتے ہو خبر گھر کی نہ باہر کی

دیکھکر خلوت میں اُن کو بیحجاب
شرم پاس آتے ہوئے شرمائیگی

رہا کرے بھی جو صیاد تو کہاں جائیں
اسیر وہ ہیں کہ ہم بال و پر نہیں رکھتے

وہ سوزاں ہیں تپِ فرقت سے ہم گر فصد لیجئے
بجائے خوں ہماری ہر رگ سے دھواں نکلے

جب میں کہتا ہوں لقب کیوں آپکا لیلیٰ ہوا
ہنسکے کہتے ہیں تمہیں مجنوں بنانے کیلئے

بوسۂ رخسار پر تکرار رہنے دیجئے
لیجئے یا دیجئے انکار رہنے دیجئے

چھوٹی شیخی تو سمجھے یا ورنہیں ناز نو
آپ او رہونگے مرے غمخوار بننے دیجئے

پیچھے پڑے دیکھئے کرکے عدو سے غافل
ہمیں سے پوچھ رہے ہیں کہ کیا کہا سمجھے

تم وہ ہو پس مرگ بھی بیداد کروگے	تم وہ ہو کہ مٹی مری برباد کروگے

حفیظ

حفیظ۔منشی عبدالحفیظ حفیظ باپ کا نام محمد سمیع ہے قصبہ نارہ پرگنہ کرڑا ضلع الہ آباد کے رہنے والے ہیں اِنکی عمر تخمیناً ۳۵ برس کی ہوگی۔طبیعت خاصی پائی ہے ابھی شاعری کی ابتدا ہے منشی محمد نوح ناروی سے اصلاح لیتے ہیں پہلے پولیس میں بمقام آگرہ ملازم تھے اب آجکل خانہ نشین ہیں۔معمولی استعداد معلوم ہوتی ہے یہ اُنکا کلام ہے۔

شکایت کچھ نہیں اُنکی جفا کی	اگر ہے بھی تو بخت نارسا کی
محبت ہے مجھے اُس دلربا کی	قیامت جسکے قامت نے بپا کی
بہت کچھ سیر کی باغ جہاں میں	کسی گل میں نہ پائی بُو وفا کی
نقاب اُس شوخ نے رُخ سے اُٹھاکر	کہا لو دیکھ لو قدرت خدا کی
یا خدا ملجاہیں کچھ دن کے لیئے	چھانتے ہیں خاک ہم جسکے لیئے
کیا اُجاڑا آشیاں صیاد نے	بلبلیں پھرتی ہیں کیوں تنکے لیئے
میرے سینہ پہلو سے جناب دل گئے	ہائے یہ بھی اُن سے جاکر مل گئے
فاتحہ کو وہ نہ آئے قبر پر	خاک میں ملنا تھا ہمکو مِل گئے

حفیظ

حفیظ۔حفیظ الدین نام ملیح آباد کے رہنے والے شیخ منتظم الدین تحصیلدار کے فرزند ابھی طالب علمی کی حالت میں ہیں۔طب پڑھتے ہیں۔اُردو میں اکثر اور فارسی میں کبھی کبھی شعر کہتے ہیں۔ذیل کے چاروں شعر اُنھیں کے نتیجہ فکر سے ہیں۔

میں تدتوں تری اُلفت میں یوں خراب رہا	کہ گاہ شورش دل گاہ اضطراب رہا
وہ مجکو صفحہ ہستی پہ مثل حرف غلط	بناکے ہاتھ سے اپنے مٹائے جاتے ہیں
خاک تن اپنا کر دیا لیکن	ہائے کوئی وفا شعار نہیں
میری تربت کا مت پتہ پوچھو	عاشقوں کا کہیں مزار نہیں۔

حقانی

حقانی۔سید عبدالحی حقانی باشندہ حیدرآباد و منصب دار سرکار نظام۔دورِ

موجودہ کے شاعر ہیں رسالۂ محبوب الکلام میں چند غزلیں نظر سے گزریں اُن کا انتخاب ضبط تحریر میں آیا - ملاحظہ ہو -

روتا کبھی نہ نعش پہ دشمن کی میں مگر — رونا یہ ہے کہ آپکو کیوں اتنا غم ہوا

جبتک ہو شاہِ گُل کو تختِ چمن مبارک — آصف تمہیں تمھارا ملکِ دکن مبارک
یوم سعید ہے یہ مولود بادشہ کا — کہتے ہیں سب ملکے باہم اہل دکن مبارک
جو لوگ اِس خوشی سے ہوتے ہیں چیں برو — اُنکی جبیں کو دائم غم کی شکن مبارک

حقیر - میر امام الدین معروف بہ کلّو - مرد متین حلیم الطبع سرد و گرم سے واقف صاف دل پاک باطن خلیق اور بہت مسکین بزرگ تھے - ملک الشعرا خاقانی ہند ذوقؔ کے عالم تو مشقی میں ہمیشہ ممد و معاون رہتے تھے اور اُنکے کمال کے باوجود مشتاق و پیرانہ سالی معتقد تھے مکتب پڑھا کر اوقات بسر کرتے تھے - اور درگاہ قدم شریف دہلی کے خادموں میں منسلک تھے - غدر سے بیس بائیس سال پیشتر انتقال فرمایا - ایک دیوان اُنکی یادگار ہے اُنکے کلام کا انتخاب یہ ہے -

چڑھی جو شیخ کو افیون تو دانۂ تسبیح — ہوں ہست و نیست عالم تصویر کیطرح
سبحہ الائچی دانہ تمام ٹھونگا گیا — گویا ہوں اور خموش ہوں تصویر کیطرح

دل میں ہے بیٹھ رہیں در پہ صنم کے ہی حقیر — راہ کعبہ کی تو آتی ہے نظر دور ہمیں
یاد میں اُس بُت کافر کی ہوں ایسا مصروف — کہ خودی بھول گئی اور خدائی مجکو
دل شوریدہ اشکوں نے تو ہر چند بجھایا — پر شعلۂ دل آہ مرے اور بھی بھڑکے
پہنچا نہ کوئی منزل مقصود کو کوئی — ہیہات یونہیں مر گئے سب پاؤں رگڑ کے
پامال ہوئے تم تو حقیر آہ جہاں میں — جوں نقش قدم یار کے قدموں سے بچھڑ کے
دل کو لپیٹا گیسو نے خمدار پیچلے — قرآن چھین گیسو کا رسی پیچلے
سب سے نکلنے لگی تیری شمشیر کس لیے — پر ہم سے وہ کھنچی رہی سب سے پیر کس لیے

حقیر

حقیر ۔ اکبرآبادی ۔ منشی نبی بخش ولد منشی حسین بخش سررشتہ دار عدالت فوجداری علیگڈھ ۔ فنِ سخن میں خلیفہ گلزار علی سے استفادہ کرتے تھے ۔ فارسی میں معقول دستگاہ رکھتے تھے ۔ کبھی کبھی اُردو میں بھی کہہ لیتے تھے ۔ انکے نتائج افکار سے چند اشعار نقل کیئے جاتے ہیں ۔

سایۂ قصر ترا یاد آیا
پھر ہمیں ظلِ ہما یاد آیا

زخم کے مُنہ میں بھر آیا پانی
جبکہ پیکان کا مزا یاد آیا

بسکہ مصنوع ہے صانع کی صفت
بُت کو دیکھا تو خدا یاد آیا

پھر گریباں کے اُڑینگے ٹکڑے
پھر وہی چاکِ قبا یاد آیا

سُنتے ہیں گئے مانی و بہزاد عدم کو
اب کھینچیں تو کھینچیں کسے یار کی تصویر

ہاتھ دوڑائے جنوں نے پھر گریباں دیکھکر
پاؤں پھر وحشت نے پھیلائے بیاباں دیکھکر

وہ نگاہیں جن سے تھی مجکو تسلی کی اُمید
تشنۂ خوں آفتِ دل دشمنِ جاں ہوگئیں

قتل تم ہنس کے کروگے تو مرینگے لاکھوں
کُشتہ ہر کشتہ کے ہمراہ ہزاراں ہونگے

حقیر

حقیر ۔ منشی سید ولایت حسین صاحب باشندۂ رودولی ۔ طبیعت کا مذاق خاصہ معلوم ہوتا ہے زبان اور بندش بھی صاف ہے ۔ یہ کلام کا نمونہ ہے ۔

لبِ رنگیں سے دل خوں ہوگیا ہے
کرے دیکھیں وہ چشم سرمہ سا کیا

شرارت یہ تو دیکھو شش کے سب کچھ
وہ بولے ہے تمھارا مدعا کیا

اب کچھ اُمیدِ وصل ہوئی ہجر فراق میں
گھسکر جبین نوشتہ قسمت مٹا دیا

چھیڑنا اُس پری شمائل کا
اور دیوانہ پن بڑھا دل کا

ہم بھی انساں ہیں نہیں اب ضبط کا یارا ہمیں
ظلم ہم پر آپ کے بے انتہا ہونے لگے

حقیقت

حقیقت ۔ سید حسین شاہ مرحوم حقیقت تخلص خلف سید عرب شاہ متوطن خوست نواح غور ۔ سید امیر برہان حسب الطلب فرخ سیر بادشاہ مع تبر کات خوست سے لاہور آئے

اور سید مہر کشاہ حقیقت کے دادا شاہ عالم کے عہد میں دلّی میں وارد ہوئے یہیں پیدا ہوئے اور تربیت بھی یہیں پائی۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد اپنے نانا کے ہمراہ لکھنؤ چلے گئے اور وہاں جاکر شیخ قلندر بخش جرأت کے تلامذہ میں داخل ہوئے پھر کارکٹ صاحب کے ہمراہ میر منشی ہوکر چناپٹن اساطہ مدراس کو چلے گئے اور وہیں وفات پائی۔ دیوان ریختہ و تحفۃ العجم، خزینۃ الامثال، صنم کدہ چین، مثنوی ہشت گلزار، جام عشق وغیرہ آٹھ کتابیں اپنی یادگار چھوڑیں سنہ ۱۲۴۲ھ میں حیات تھے۔ کلام کا انتخاب درج ذیل ہے۔

کیا ترے عشق میں سوائے ضرر جو ہاتھ لگا
زیست سے ہاتھ بھی دھویا پہ نہ تو ہاتھ لگا

جنس دل بیچنے میں نفع جو کچھ ہو ہمکو
ہاتھ اپنے کوئی ایسا نہ خریدار لگا

سب حقیقت مجھے کہتے ہیں بقول جرأت
ہائے کیا اسکو جوانی میں یہ آزار لگا

کیونکر نہ قفس میں وہ پڑا تڑپے گرفتار
جس صید کو دل سے کرے صیّاد فراموش

ہر لحظہ حقیقت تو تری یاد میں ہے آہ
کیوں تو نے کیا اے ستم ایجاد فراموش

باہر ہے گفتگو سے جو اپنا بیان عشق
کس طرح پھر بیاں کریں داستان عشق

ٹک آکے دیکھ سینے کے ہر داغ کو مرے
پھولا ہزار رنگ سے ہے گلستان عشق

پہنچے نہ واں ہزار اڑے طائر خیال
عرش بریں سے بھی ہے بلند آشیان عشق

دل اب دونوں مل کاٹیں گے اوقات آہ و زاری میں
ہوئے بیمار سے ہم بھی تری بیمار داری میں

ہوگئی ایک نگہ میں مجھے صحت حاصل
گرچہ بیمار ہیں لیکن ہیں مسیحا آنکھیں

سب یہاں جبہہ سائی کرتے ہیں
یہ بتاں بھی خدائی کرتے ہیں

بدگمانی کیا کہوں وہ مجھ کو وقت نزع بھی
آکے یوں کہنے لگے یہ سخت مکّار و بہانہ ہے

بات کرنی جو ترک کی ہم سے
کہیے تقصیر کیا ہماری ہے

اور کچھ ذکر خوش نہیں آتا
نام تیرا زباں پہ جاری ہے

جو عدو ہیں مرے تم انکے ہو دوست
واہ کیا اچھی دوستداری ہے

جان گر تن سے نکل جائے تو ہے مجکو قبول	آہ پر دل سے نہ اُس تیر کا پیکان نکلے
روز و شب رہتی ہے سوزش سی جگر میں میرے	دل ہے یا پارۂ آتش ہے یہ تن میں میرے
شمع ساں آگ لگائی ہے یہ غم نے کہ مدام	شعلے اُٹھتے ہیں پڑے دیدۂ تر سے میرے

حکیم — حکیم۔ نواب عباد اللہ خاں خلف الرشید نواب عظیم جاہ بہادر مغفور پرنس آف ارکاٹ شیخ فاروقی و رئیس مدراس ہیں فن سخن میں شریف مدراسی سے مستفید ہوئے ہیں ۱۳۰۲ھ میں ۴۰ برس کا سن تھا۔ یہ دو شعر آپکے نتائج افکار سے ہیں۔

وہ کی زبان چلتی ہے تلوار کی طرح	اور ہم ادب سے چُپ ہیں گنہگار کی طرح
تنہائی میں غم اُسکا ہے غمخوار کی طرح	پہلو میں درد و رنج ہے دلدار کی طرح

حکیم — حکیم۔ مسیح الزمان حکیم محمد اشرف خان حکیم دہلوی ابن حاذق الزمان حکیم محمد شریف خان مغفور شاہجہاں آبادی اپنے عہد کے اطبا میں بے نظیر تھے اور اکبر شاہ ثانی کے دربار میں شاہی طبیب تھے اُنھیں کے حسب الحکم مرزا جہانگیر کے ہمراہ الہ آباد گئے اور جبتک شاہزادۂ موصوف زندہ رہے اُنکے پاس رہے بعد اُنکی وفات کے وطن کو معاودت کی۔ اکبر شاہ ثانی کے عہد میں قضا کی۔ آپ حکیم محمود خاں صاحب مرحوم کے حقیقی چچا تھے حکیم اسد علیخاں صاحب مضطر اُنکے پوتے بڑے نازکخیال اور مشتاق شاعر ہیں۔

مرے رونے اسکو مجھ سے کھویا	مجھے اِس دیدۂ تر نے ڈبویا
کہوں میں کیا برنگ زخم ناسور	ہنسا یکبار گر سو بار رویا

کہے ہے لخت جگر اشک سے کہ ای ہمدم	ذرا تو ٹھیر کہیں لیویں بیٹھکر ہم دم
نہ تاگے سے سیا جاوے نہ ریشم کا لگے ٹانکا	کہاں سے لائیں سینے کو دل صد چاک کے ڈورے

حکیم — حکیم۔ حکیم محمد پناہ خاں حکیم دہلوی فرزند سید محمد شریف خان المشہور بہ بزرگ بخش۔ خواجہ میر درد علیہ الرحمۃ کے شاگرد تھے۔ پہلے نثار تخلص کرتے تھے پھر فن طب کی رعایت سے حکیم تخلص اختیار کیا۔ حکمت۔ تاریخ موسیقی اور دیگر علوم شریفہ میں رتبہ کمال حاصل

تھا۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو ؎

پوچھتے کیا ہو حکیمؔ جگر افگار کا گھر — ایک تکیہ سا ہے اُس شوخ کی دیوار کے پاس
کہتے ہیں حکیمؔ آیا میخانے سے مسجد میں — ہمکو تو تعجب ہے وہ گبر مسلماں ہو

تیرے سبئے خلق در بدر ہے — اے خانہ خراب تُو کدھر ہے
ہم ہی صنم کے غم میں نہ ایمان سے گئے — کتنے ہی بندگانِ خدا جان سے گئے
ہمنتو کبھو نکر کہیں کہ بوسہ دو — گر عنایت کرو عنایت ہے
جی کے جانے کی یہ علامت ہے — دل کا آنا نہیں قیامت ہے

حکیم ۔ میر محمد علی ابن میر احمد علی۔ باشندۂ لکھنؤ فتح الدولہ محمد رضا خان برقؔ کے شاگرد تھے۔ یہ چند شعر اُن سے یادگار ہیں۔

زندگانی کا بھروسا نہیں نیکی کر لے — ہے بُری بات جو لیجائے بُرائی سر پر
آئی پیری گئی ہنگام جوانی ہیہات — اب تو ہشیار رہو غافل اجل آئی سر پر
روتے جب دیکھتے ہیں کہتے ہیں ہنسکر وہ حکیمؔ — تُو نے نالوں سے اُٹھائی ہے خدائی سر پر

حکیم ۔ مرحمت الدولہ بہادر الملک منشی سید غضنفر علی خان صولت جنگ بہادر مرحوم۔ اونریری مجسٹریٹ و رئیس لکھنؤ خلف اکبر و شاگرد رشید تدبیر الدولہ حضرت اسیر مغفور ان کا عرف بڑے بھیا تھا۔ اصولِ شاعری سے بخوبی واقف اور بڑے مشہور عروضی میونسپل کمشنری اور اونریری مجسٹریٹی کے عہدے پر ممتاز تھے۔ چھوٹی سی عمر میں فنِ سخن میں اچھی دستگاہ اور معلومات و شہرت حاصل کی تھی۔ اپنے باپ کے نام نامی کو خوب چمکایا۔ انتزاعِ سلطنتِ اودھ سے پیشتر واجد علیشاہ کی سرکار سے مخاطب بخطاب مذکور الصدر ہوئے تھے۔ انکے شاگردوں میں پنڈت بشن نراین صاحب آبرؔ بیرسٹر اور ڈپٹی تجمل حسین خان صاحب تجملؔ مشہور شاعر ہوئے۔ آپنے سنہ ۱۳ھ میں انتقال کیا۔ دیوان مرتب ہوگیا تھا مگر شائع نہیں ہوا۔ مذاقِ طبیعت

درست۔ الفاظ پاکیزہ۔ زبان نہایت شستہ۔ صاف اور ٹکسالی۔ مضامین عمدہ۔ خیالات بلند۔ اور مشاقی اعلیٰ درجے کی پائی جاتی ہے۔ متروکات زبان قدیمہ کا بہت خیال کرتے تھے کلام سنجیدگی اور متانت سے مملو اور عیوب شاعری سے پاک و مبرا ہے افسوس کہ باوجود بہم کوششوں کے چند ہی غزلیں مل سکیں۔

مے پی بپاس خاطر ساقی تو کیا ہوا
دل توڑنا کسی کا مروت سے دور تھا

گیسو کو پیچ چشم کو جادو کمر کو بل
بخشا وہی خدا نے جسے جو ضرور تھا

کوچہ میں اُس کے دفن ہوئی لاش غیر کی
شداد مر کے داخل باغ ارم ہوا

حسرت حکیم زخم مکرر کی رہ گئی
قاتل ہوا ستم سے پشیماں ستم ہوا

صاف اس درجے دل کا آئینہ
اور بے عکس روئے یار افسوس

آپ کو دھیان مرے وعدے کا رہتا تو یہ
ہو بھی کیا غیر کا وعدہ تھا کہ ٹلتا ہی نہیں

ہے آخر فصل گل کرتے رہا صیاد بلبل کو
ہوئی ہے سوکھ کر کانٹا یہ پھولوں کی جدائی میں

تیرا کیا کام ہے مے نوشوں میں میخوار ہیں
دیکھیے ایسے تو یہ نہ شامل ہو گنہگار ہیں

دل ہے مرا سیاہی جرم گناہ میں
یا کعبۂ خلیل لباس سیاہ میں

بانگ درا کی طرح ہو نہیں قافلے کے ساتھ
جاتا ہوں آگے پیچھے ہوں اتنا ہی راہ میں

چھڑکا نمک اُسی جا مسیحا نے بھی
زخم غم جوانی جس جس جگہ تھے تن میں

دیکھیے کیا رہ اقلیم عدم میں گزرے
دور منزل ہے بہت زاد سفر کچھ بھی نہیں

ہو کے بیتاب چلے آتے ہو کیوں میرے پاس
تو تو کہتے تھے کہ نالوں میں اثر کچھ بھی نہیں

صورت آئینہ اس بزم گہ حیرت ہیں
محو نظارہ ہوں پر تاب نظر کچھ بھی نہیں

موت نے آ کے زمانے کے چکائے قضیے
اقربا روتے ہیں یاں مرنے کی خبر کچھ بھی نہیں

باغ میں دیکھ کے لالے کو یہ آیا ہے دھیان
حاصل عمر بجز داغ جگر کچھ بھی نہیں

وصل میں ہجر کا کیوں فکر نہ ہو کھٹکا ہر دم
موت کب آئیگی انسان کو خبر کچھ بھی نہیں

شکل ہستی و عدم آئینہ دکھلاتا ہے
کہ ادھر سب نظر آتا ہے اُدھر کچھ بھی نہیں

چشمِ ظاہر کو مبارک ہے دیدِ رخِ زلف
میں وہاں ہوں کہ جہاں شام و سحر کچھ بھی نہیں

شکوۂ بیداد ہمدم کیا کریں
دل میں ہیں شرمندہ اُس سے ہم کیا کریں

صبر پر مجبور ہے تم جب پر
حق یہ ہے تم کیا کرو ہم کیا کریں

روئیں کیا اوروں کو جب فانی ہیں خود
اپنے ہونے غیب کا غم کیا کریں

ہم بتائیں وصل میں تم کیا کرو
تم بتاؤ ہجر میں ہم کیا کریں

سمجھے ہم برہمن و شیخ کی سنکر تقریر
حشر تک ختم یہ جھگڑے نہیں ہونیوالے

زاہد عبث نمازِ ریائی پہ ناز ہے
سجدے کے داغ میں ہے سیاہی گناہ کی

زاہد کا بخل صاف ہے تسبیح سے عیاں
رکھا ہے کیا بخیل نے دانوں کو جوڑ کے

قہر حیران کہ مجرم کو کدھر لے جائے
سارے دوزخ کو ہے گھیرے ہوئے رحمت تیری

غیر کو پھر طلب کیوں آپ نے تکلیف دی
بھیجا ہے موت کو میرے بلانے کے لیئے

ہے دوراہہ نیستی و ہستی عالم ضرور
ایک آنے کے لیئے ایک جانے کے لیئے

نکرے بھول کے دولت کی تمنا کوئی
ہو بشر ہو کے نہ یارب سگِ دنیا کوئی

دل سے وہ ناوکِ بیداد نہ نکلے یارب
کہ نہیں درد کے اُٹھنے کا سہارا کوئی

وہاں لطف و غضب دونوں یہاں تو قہر ہی تنہا
خدا سے عشق آساں ہے بتوں سے سخت مشکل ہے

روزِ محشر بہرِ عفوِ جرم کافی ہے پشیم
پھرتی ہے آنکھوں میں صورت اُسکی ترسائی ہوئی

ہر بلا کے گھر میں آنے کا یہ ہے مجکو یقین
جو نہیں آئی ہے سمجھا ہوں اُسے آئی ہوئی

وعدۂ وصلت کو جھوٹا کس طرح سمجھیں ہم
وہ قسم کھائی ہے اسکے بھی جو ہے کھائی ہوئی

آئینہ رو ہیں وہ مشاطہ نہ آئینہ دکھا
فائدہ آئینے کو آئینہ دکھلانے سے

یہی فرہاد یہی نل یہی مجنوں کا سا حال
لاکھ افسانے ہیں پیدا مرے افسانے سے

ڈھونڈے سے نہیں ملتا ملک الموت کو رستہ
کیا بھیڑ عدم تک درِ قاتل سے لگی ہے

حکیم — سید جعفر حسین نام حکیم تخلص لکھنؤ کے رہنے والے اور حضرت ہوش کے شاگرد

ہیں ۱۲۸۰ھ میں زندہ تھے - اسکے سوا کچھ حال باوجود تلاش معلوم نہیں ہوا - کلام خاصہ ہے چند شعر اُنکے یہاں نقل کیئے جاتے ہیں -

بنا قاتل جو اپنا دھیان اُس ترکِ ستمگر کا
خیالِ ابروئے قاتل میں تھا کیا کاٹ خنجر کا

دلِ عاشق جو نہ جلتا تو نہ ہوتا مشہور
شمع کا نام ہوا بزم میں روشن ہو کر

دیکھئے پہلے ہی صبر و خرد و ہوش جواب
اب فقط جان سے ہے لیلے نہیں انکار صنم

سلسلہ اُنکو رہائی کا نہ ہاتھ آئیگا
دامِ گیسو میں ہیں جو لوگ گرفتار صنم

تُو وہ یوسف ہے کہ تجھ سے نکریں عار ذرا
بیچ دے ہمکو اگر تو سرِ بازار صنم

صبا پہنائی ہے زنجیرِ موجِ نکہتِ گل
عجب بہار کی وحشت مجھے بہار میں ہے

جو دیکھ لے تو ابھی سحر سامری بھولے
بھرا یہ کوٹ کے جادو نگاہِ یار میں ہے

خدا ہی خیر کرے کس بلا میں اُلجھا ہوں
کہ پیچ و تاب عجب یادِ زلفِ یار میں ہے

حکیم حکیم سیّد ظہور علی صاحب خلفِ سیّد محرّم علی صاحب ضلع بجنور میں دھام پور کے قریب ایک قریہ رسولپور کے نام سے مشہور ہے - سادات رضویہ کی کچھ باقیات اِس میں آباد ہے حکیم صاحب بھی اسی قریہ کے رہنے والے ہیں ۱۸۵۸ء میں پیدا ہوئے بارہ سال کی عمر میں بغرض تعلیم نگینے گئے اور قاضی احسن الدین صاحب کی خدمت میں کچھ عرصے رہکر عربی فارسی میں کافی دسترس بہم پہنچائی - پھر دلی - لکھنؤ اور مُرادآباد وغیرہ کا سفر کیا اور دیگر علمار و کملار کی صحبت میں رہکر اپنے علم و کمال کو ترقی دی - اب منحصر ابن طبابت کے ذریعے سے بسر اوقات کرتے ہیں - کبھی کبھی شعر بھی کہہ لیتے ہیں - مگر نہ مذہب میں کسی امام کے معتقد ہیں نہ فنِ شعر میں کسی شاعر کے شاگرد ہیں ذیل کے اشعار اُنھیں کے نتیجہ فکر سے ہیں - ملاحظہ ہوں ؛ حکیم

شمعِ مدفن سے نہ ہے پھولوں کی چادر دیکھنا
قبرِ دارا دیکھنا - گورِ سکندر دیکھنا

تیرے دیوانوں سے صحرائے قیامت تنگ ہے
سو جگہ سے چاک یا دامانِ محشر دیکھنا

مرے دل کی دورنگی بھی کسی کا رازِ پنہاں تھا / اسی میں کفر تھا واعظ اسی میں نورِ ایماں تھا
پی لے اسے شیخ اسے نام خدا کا لے کر / مے پلاتے ہیں تجھے رند کہ قسم دیتے ہیں
معلوم ہے ہمکو جو بتائیں گے مسیحا / وہ اور علاجِ دلِ دیوانہ کرینگے
حکیم اُس لبِ ناز کے سامنے پھر / جِلانے کا دعویٰ مسیحا کریں گے
جوشِ گریہ سے زمین باغ ارم بنکر رہے / گو بجو مارے پھریں تسنیم و کوثر تو سہی

حکیم

حکیم ۔ سید محمد عبد الحکیم ۔ اردلی حضور نواب صاحب والیٔ رامپور ۔ شعر گوئی کا بھی شوق ہے زیادہ حالات معلوم نہیں ہوئے ۔ یہ تین شعر اُنکے کلام کا نمونہ ہیں ۔

جب کہا میں نے تڑپ دیکھ لی دل کی دمِ قتل / بولے جھنجھلا کے کہ ہاں تیرا کلیجا دیکھا
جلوہ فرما ہے بصد ناز وہ گلرو دل میں / بند کی آنکھ تو میں نے یہ تماشا دیکھا
جاں فروشوں میں دمِ قتل عجب شورش تھی / تم نے مقتل میں نہ آ کر یہ تماشا دیکھا

حلم

حلم ۔ شاہزادہ مرزا سعید الدین عرف مرزا فیاض الدین حلم خلف الرشید مرزا محمد ریاض الدین بن مرزا خرّم بخت بہادر بن مرزا جہاندار شاہ ولیعہد مقیم بنارس صاحب دیوان تھے ۔ میر نواب نوابؔ سے تلمّذ تھا ۔ ڈپٹی عبد الغفور خان نے اپنے تذکرہ میں ان کا ذکر کیا ہے اور حکم تخلّص لکھا ہے ۔ مرزا قادر بخش صاحب صابر گورگانی کے سمدھی تھے ۔ اور غزل گوئی میں اُن سے مشورہ بھی کر لیتے تھے مگر کوئی خاص بات کلام میں نہیں ہے عرصہ ہوا انتقال کر گئے ۔

گرچہ ہے سیرِ چمن میں گل کا مدفن زیرِ پا / گاہ چھوسے سے ہی لا عاشق کا مدفن زیرِ پا
نازکی کہتے ہیں اسکو وہ چبھے مانندِ خار / آئے اُس گل کے جو فرشِ کارِ سوزن زیرِ پا
دیکھ مستی کی اُداہٹ لعلِ لب پر یار کے / بلبلیں ملنے لگیں گلہائے سوسن زیرِ پا
کب حنا کے رنگ سے اُسکی کفِ پا سرخ ہو / لعل کی رکھتا ہے اپنے یار معدن زیرِ پا
جائیں کیوں ہم گلستاں کو نازِ گلچیں کیوں سہیں / زخم سے تلووں کے خود رکھتے ہیں گلشن زیرِ پا

کس طرح کوئے صنم کو حلم جائے وحشت سے	آبلہ پڑ کر کرے گا کارِ رہزن زیرِ پا

حلم

حلم، منشی دوارکا پرشاد حلم خلف اکبر منشی منگی لال صاحب۔ آپ قوم کے کایستھ اور اک شریف معزز خاندان معروف بہ خاندانِ اخبار نویسان سے ہیں ۱۳۰۳ھ میں آپ پیدا ہوئے۔ مولد و مسکن شہر بریلی ہے۔ سات سال کی عمر میں اردو فارسی کی تعلیم شروع ہوئی۔ دس سال کی عمر میں معمولی اردو لکھنا پڑھنا آ گیا۔ پندرہ سال کی عمر میں انگریزی کی تعلیم کا آغاز ہوا جس کا انٹرنس تک پہنچ کر خاتمہ ہو گیا۔ اسی اثنا میں ناول خوانی کا شوق پیدا ہوا اور پڑھتے پڑھتے تصنیف کو جی چاہا تو ایک ناول مسمّیٰ بہ "حسن و عشق" لکھا مگر چھپا نہیں بعدہ یہی شوق و ذوق شعر گوئی کا محرک ہوا اور حضرت داغ کے مشہور شاگرد مولنا حسن رضا خاں صاحب بریلوی کے شاگرد ہوئے۔ استاد کی مہربانی سے چند ہی روز میں اچھا خاصہ کہنے لگے۔ نمونہ کلام درج ذیل ہے +

بسمل کی یہ حالت ہے کہ تڑپا نہیں جاتا	قاتل کا ابھی شوقِ تماشا نہیں جاتا
وہ خاک سنبھالینگے دلِ زار کو میرے	جب اپنا دوپٹہ بھی سنبھالا نہیں جاتا
کس عجز سے وہ وصل کی شب کہتے ہیں مجھسے	اس طرح تو دشمن بھی ستایا نہیں جاتا
وہ وعدہ خلافی کریں دشمن پہ فدا ہوں	ہمسے تو کسی اور کو چاہا نہیں جاتا
وہ لطف ملا ہمکو تہِ خنجرِ قاتل	ہم دفن ہوئے پھر بھی تڑپنا نہیں جاتا
ناکامیٔ قسمت پہ ہنسی آئے نہ کیونکر	رونا تو اسی کا ہے کہ رونا نہیں جاتا
بالیں سے مری اٹھ گئے وہ کہکے دمِ نزع	اب حال کچھ ایسا ہے کہ دیکھا نہیں جاتا
عشق نے معشوق و عاشق میں لگا دی ایک آگ	شمع بجھ کر مٹ گئی پروانہ جل کر رہ گیا
سنائیں عرضِ تمنا پہ لاکھوں صلواتیں	مرا سوال تھا کیا اس جواب کے قابل
نبھے گا ساتھ نہ زاہد سے دخترِ رز کا	یہ نوجوان وہ بوڑھا خضاب کے قابل

اُلجھا ہو گیا ہے ہوش کیا اُسنے سنبھالے ہیں
ادائیں برچھیاں شوخی چھری انداز بھالے ہیں

ڈرانے کو یا ہو کہہ کر یہ خنجر ہیں یہ بھالے ہیں
یہ خنجر اور یہ بھالے سب ہمارے دیکھے بھالے ہیں

کسی کے پاس رسوائی میں کیا ہی کھو کے گزرے ہیں
جو چاہا آنسو بہائے بھی تو فوراً پونچھ ڈالے ہیں

لگی ہو میری قسمت کی کرو باتیں تیری زلفوں سے
نہ یہ کچھ جانیوالے ہیں نہ وہ کچھ جانیوالے ہیں

خدا سمجھے تجھے صیاد چھوڑا ابھی تو کب چھوڑا
اسیرانِ قفس سے بال و پر سب نوچ ڈالے ہیں

لٹھائے اُٹھتے جوبن کو ڈوپٹہ کیا چھپا لیگا
یہ دو سرکش بلا کے ایک سے کیا تھمنے والے ہیں

اُلٹ اپنا نمکداں کیوں ستمگر کرتا ہے اے قاتل
دہانِ زخم دل کیا چٹکیوں سے بھرنیوالے ہیں

خیالِ پائے جاناں ہوشیاری سے قدم رکھنا
کہیں ٹھوکر نہ لگجائے ہمارے دلمیں چھالے ہیں

جنابِ حلمؔ جیسے نظرتی ہیں کوئی کیا جانے
تخلص جو نے گا کہیگا اُٹھیگا بھولے بھالے ہیں

وہ کہتے ہیں غضب ہیں جان کر تیکھی چتونوں والوں سے
خدا ہی سمجھے ان ظالم محبت کرنیوالوں سے

بگڑے بیٹھے ہیں جب چھوٹے غضب کا سامنا ہوگا
خدنگِ ناز چھیڑا اچھی نہیں سینے کے چھالوں سے

طریقِ حق پرستی عشق والوں کا نرالا ہے
نہ پروا سچ دل کی ہے نہ مطلب شوالوں سے

شبِ وعدہ خوشامد پر وہ آمادہ ہوئے آخر
جو دیکھا کام اب چلتا نہیں حیلے حوالوں سے

لگایا تم اور بوسے دو گے دل لیکر معاذ اللہ
یہ فقرہ اسکو دینا جو نہو آگاہ چالوں سے

یہی ہے آنکھ کی خواہش کہ دیکھے نازنینوں ہیں
یہی دل کا تقاضا ہے کہ ملیئے خوش جمالوں سے

حلیم

حلیم حضرت عبدالحلیم شاہ صاحب متخلص بہ حلیم امروہے کے شیوخ عباسی سے ہیں۔ مظہر الہادی صاحب سہیل نے جو اُنکے حالات بھیجے اُنکا خلاصہ یہ ہے کہ بچپن ہی سے طبیعت میں سلامتی اور اطوار میں سنجیدگی تھی۔ آغازِ جوانی میں وطن سے نکلکر حیدرآباد پہنچے اور بعہدہ منصبداری محکمہ فوج ملازمت اختیار کی۔ چونکہ اوراد و وظائف کی طرف شروع سے میلانِ خاطر تھا وقتاً فوقتاً تلاشِ مرشدِ کامل میں سفر ہائے دور دراز کیے۔ آخرکار گھر بیٹھے جیپور ہی میں خاندانِ نقشبندیہ میں مرید ہوئے مگر سماع سے بہت ہی

شائق ہیں۔ مُرید ہونے کے بعد طبیعت کا رنگ بالکل ہی بدل گیا۔ شہرت اور ناموری سے گریز، اہلِ دنیا سے بے تعلقی اور ملازمت کی پابندیوں سے نفرت ہونے لگی۔ ترکِ تجرید نے غلبہ کیا لیکن ایک عرصہ تک ضبط سے کام لیتے رہے۔ جب وفورِ شوق و غلبۂ ذوق اتنا بڑھا کہ بیخود ہو گئے تو قیودِ ملازمت سے قطعاً دست بردار ہونا پڑا۔ چونکہ شادی کی نہیں تھی اہل و عیال کا کچھ غم نہ تھا۔ اب آپ سراپا توکل ہیں۔ محض صبر و قناعت ہی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا ہے۔ ابتدائے عمر سے نظم اور فنِ شعر سے دلچسپی ہے۔ ضخیم دیوان تیار ہے۔ پیسہ اخبار پریس لاہور میں چھپنے کے لئے گیا ہوا ہے۔ اکثر جے پور و کوٹے میں قیام رہتا ہے۔ کلام صاف ہے۔ بندش و اسلوب بیان بھی خوب ہے اکثر شعر توحید اور تصوف میں کہتے ہیں کھلا ہوا رنگ ہے۔ انتخاب ملاحظہ ہو:

کیا پوچھتا ہے چشمِ حقیقت طراز کا
جمتا نہیں نگاہ میں نقشہ مجاز کا

نہ جفاؤں کی شکایت نہ وفا سے مطلب
اُسکے طالب کو ہے تسلیم و رضا سے مطلب

صد شکر کہ فرماتے ہیں وہ ناز و ادا سے
ہم جانتے ہیں اس شخص میں آثار محبت

پامال ہو چکا ہے خونِ جگر آرزو کے ساتھ
اب تک سمجھ رہے ہیں مرے غمگسار جھوٹ

بیکسی تربتِ عاشق کا پتہ دیتی ہے
نہ ضرورت اسے کتبے کی نہ زیبا تعویذ

بوالہوس کے لئے درکار ہے نقشِ تسخیر
جذبِ صادق کے لئے چاہیئے کسکا تعویذ

مرے دل میں مری آنکھوں میں آ کر
رہو تم بے تکلف گھر بنا کر

مدعی کیوں ہو مدعا ہو کر
غیر بنتے ہو آشنا ہو کر

اللہ رے خود رفتگی اتنا بھی نہیں ہوش
خُم منہ سے لگا لیتے ہیں پیمانہ سمجھکر

انجمن ہو یا نہ ہو اُسکی بلا سے کچھ بھی ہو
زندگی کا کر چکی لبریز جب پیمانہ شمع

یہ ہوا ہے اور نہ ہوگا تم سے روشن صبح تک
یہ نہیں ہے بزمِ جاناں ہے مرا غمخانہ شمع

مصیبت جھیل صبر و شکر کے ساتھ
مرے مجنوں مرے درد آشنا دل

وہ اپنی جفاؤں پہ شرما رہے ہیں
تسلّی مجھے دیکے تڑپا رہے ہیں

الٰہی وہ دلِ مضطر عطا ہو
کہ جس میں درد سر تا پا بھرا ہو
اگر دل محوِ تسلیم و رضا ہو
تو ہر درد و الم راحت فزا ہو

ہاں تو نہیں تو لذتِ زخم جگر نہیں
لے درد دلنواز عجب دل رُبا ہے تو
دل بنے چشمِ حقیقت تو کہیں دیکھے اُسے
آنکھ کیا دیکھے تجلّی جمالِ یار کو

خاک کو تو نے مُشتو کر دیا
اے محبّت کیمیا دیکھا تجھے

وفا پرست شکایت کیا نہیں کرتے
جفا اُٹھاتے ہیں لیکن گلہ نہیں کرتے
عجب مزا انھیں ملتا ہے درد کلفت میں
مریضِ دردِ محبت دوا نہیں کرتے
اشک دامن تک نہ پہنچا تھا کہ دامن پاک تھا
زنگِ عصیاں کے لیئے آنکھوں کا دریا چاہیئے
لذتِ ناز و نیازِ عشق تو مجھ سے نہ پوچھ
دامن یوسف گریبانِ زلیخا چاہیئے
کیا کھنچے میکدہ تو مسجد بنا ہوا ہے
ہر مست بیخودی میں گردن جھکا رہا ہے

رنگ لائی یہ عاشقی دل کی
مٹ گئی سب بہار ہی دل کی
دل کے ہمراہ آرزو بھی گئی
آج حسرت نکل گئی دل کی
اُنکے کوچے میں جاکے خاک ہوئی
آبرو سب رہی سہی دل کی
میری آنکھیں تو ہیں انھیں کیطرف
اُنکی مجھ پر نظر نہیں نہ سہی
موت تو ہے علاج دردِ فراق
اُنکے در تک گزر نہیں نہ سہی

حمد حضرت حمد لکھنوی کا نام نامی محمد محمود ہے اور رفیق الدولہ دبیر الانشا منشی محمد ظہیر الدین خاں بہادر میر منشی واجد علیشاہ کے خلف الصدق ہیں۔ قوم کے شیخ اور حنفی المذہب ہیں نسب کا سلسلہ حضرت عثمان غنی سے ملتا ہے آپکے آبا و اجداد کا قدیمی وطن شہر قنوج تھا وہاں سے عہد نواب سعادت علیخاں بہادر میں لکھنو آئے اور دربار نواب میں باریاب ہوکر عہدہ ہائے جلیلہ پر ممتاز ہو گئے۔ آپکی پیدائش ۲۴ ماہ جمادی الاولی

سنہ ۱۲۷۴ھ میں بمقام لکھنؤ ہوئی اور وہیں زیر سایہ اپنے والد بزرگوار کے تعلیم و تربیت پائی - آپ کی طبیعت بچپن ہی سے اسقدر موزوں واقع ہوئی تھی کہ کبھی دھوکے سے بھی کوئی شعر ناموزوں نہیں پڑھا - دس برس کی عمر میں اچھی خاصی غزل کہنے لگے تھے آپکے والد صاحب کو اُردو شاعری اور خصوصًا طرز عاشقانہ سے بالکل رغبت نہ تھی لیکن جب اِنکی طبیعت کا میلان خاطر ادھر دیکھا تو مخالفت بھی نہ کی - آخر اُنھیں کے ایما سے جناب شیخ امداد علی صاحب بحر لکھنوی کے شاگرد ہوئے اُنکے اِنتقال کے بعد حضرت قادر بلگرامی کی خدمت میں آکر اُن سے استفادہ کرنے لگے - رفتہ رفتہ آپ کا کلام عیوب شاعری سے پاک ہونے لگا - اور جب آپکی مشق سخن اِس حد کو پونہچ گئی تو قادر مرحوم نے اپنے بعض تلامذہ کی اصلاح آپ ہی کے متعلق کردی - چنانچہ قادر مرحوم کے بعض شاگرد اب تک شعر و سخن میں آپ ہی سے مشورہ کرتے ہیں - آپ ایک مستغنی المزاج کم سخن اور آزاد منش آدمی ہیں - عزلت گزینی پسند ہے - سلسلۂ تصنیف و تالیف برابر جاری ہے اور شعر و سخن کی طرف طبیعت کچھ ایسی محو ہے کہ اُسکے سوا دوسری فکر ہی نہیں ہے - علاوہ دیگر تصانیف کے دیوان موسوم باسم تاریخی "ارمغان جاوید" و رسالۂ متروکات موسوم بہ "مخزن التحقیق" بھی لکھا ہے - جس میں تمام اپنے اور دیگر فصحا کے متروکات و غیر فصیح الفاظ مع عیوب شعر و غلطی املا و قواعد نہایت تحقیق کے ساتھ درج کیئے ہیں - آپکے کلام سے شوخی اور فصاحت ٹپکتی ہے - زبان کی صفائی اور روزمرّہ بھی قابل داد ہے - آجکل لکھنؤ کے نامور کہنے والوں میں شمار ہوتے ہیں - آپکے کلام کا رنگ اپنے اُستاد حضرت بحر مرحوم لکھنوی سے بہت ملتا ہے - ملاحظۂ شائقین کے لیئے اُنکے کلام کا انتخاب درج ذیل کیا جاتا ہے ؎

عکس ساقی شراب میں دیکھا	ماہتاب آفتاب میں دیکھا
تم نے ڈھا دیا کعبۂ دل کا	اے بتو کس کتاب میں دیکھا

رہ گیا طائرِ جاں بُلبلِ شیدا بن کر
کچھ اعتبار نہیں تم پہ مرنے والوں کا
بڑا گھمنڈ تھا بس دیکھ لی مسیحائی
تمھارے کوچے میں چھکے قضا کے چھُٹتے ہیں
کھڑے ہیں سہرا چڑھانیکو شہر کے گرد
کھُلا اگر کہیں جُوڑا تمھارے بالوں کا
ہجوم یاس ہے وہ فاتحہ کہاں پہ پڑھیں
غیروں سے بگڑے ہم تو ہمارے ہو رہے تھے وہ
چلا نہ زور وہ دنداں شکن جواب ملا
ہنس دیتے ہیں وہ سوزِ جگر کے بیان پر
دخترِ رز پر لوٹے ہیں پرہیزگار اب کے برس
ایسے یہاں ہیں غنچۂ دل میں ہزار داغ
فرحت دلوں کو دیتے ہیں اشعار بن کے پھول
یہ جو سُنا کہ ہار نئے گوندھے ہوئے مرے
اللہ آپ سیر کو نکلیں پہن کے پھول
ہے روزِ حشر اور شبِ غم کا طول ایک
اللہ رے بیخودی کہ وہ پہلو میں بیٹھکر
آ گئی فصلِ جنوں میلے ہیں ویرانوں میں
یہ بیموقع تمھاری ہر گھڑی کی دل لگی کیسی
دکھا دوں ایک دن آنکو تو پھر ہو دل لگی کیسی
نہیں اک رنگ پر رہتی طبیعت ہے تری کیسی

جوہرِ تیغ میں قاتل کے گلستاں نکلا
سنبھلنے میں بھی ہے شک موت کے سنبھالوں کا
کبھی پکڑا نہ لیا ہاتھ مرنے والوں کا
ہجوم دیکھ کے بے موت مرنے والوں کا
مرے مزار پہ میلا ہے پھول والوں کا
چلیگا ایک بھی منتر نہ سانپ والوں کا
کہیں نظر بھی تو آئے مزار کی صورت
اِس پر حضورِ بزم سے اُٹھکر چلے عبث
اُلجھ کے زلف سے شانے نے منہ کی کھائی آج
بجلی چمک کے گرتی ہے دیپک کی تان پر
زُہد میں بٹّا لگائے گی بہار اب کے برس
لالہ مقابلے کو چلا لیکے چار داغ
کیا کیا مہک رہے ہیں ریاضِ سخن کے پھول
سب پھینکے نوچ نوچ کے مارے جلن کے پھول
تقدیر اُس چمن کی یہ ہیں جس چمن کے پھول
اُسکی نہیں ہے شام تو اُسکی سحر نہیں
دل لیگئے نکال کے ہمکو خبر نہیں
غزالی پھرتی ہے وہ بھیڑیں ہیں بیابانوں میں
طبیعت آدمی کی ہے کبھی کیسی کبھی کیسی
جو کہتے ہیں کہ دیکھیں ہوتی ہے دل کی لگی کیسی
کبھی ایسی کبھی ویسی کبھی کیسی کبھی کیسی

بیانِ سوزِ دل رو رو کے کرتا ہوں تو کہتے ہیں
لگی ہے آگ جب دل میں تو یہ آنکھوں میں تری کیسی

یہ قدرت قاف والوں کی کریں جو حسن کا دعویٰ
مقابل آ کے پہلے حور تو ہو لے پری کیسی

بے وجہ کب یہ دلکی مرے دیکھ بھال ہے
کہئے نہ کہئے آپ کی صورت سوال ہے

رونے لگے سن سن کے پیام اپنے پر آئے
اس درد سے نالے کیئے دل سب کے بھر آئے

اس بات پہ تاثیر دکھا دینگے فغاں کی
کہتے ہو نہیں آئیں گے؟ اچھا اگر آئے

ناصح اثر ان کو نہیں کرنے کی نصیحت
یہ حضرت دل ہیں جدھر گئے اُدھر آئے

شیخ جی لائے تھے تشریف نصیحت کرنے
کیا بُری طرح نکالے گئے میخانے سے

مست کر دیتی ہے میخواروں کو اسکی جھنکار
شیشہ جب بزم میں لڑ جاتا ہے پیمانے سے

آنے جانے کی یہاں آڑ تو اچھی ہوتی
کاش مسجد ملی ہوتی کوئی میخانے سے

عشق بازی میں لڑائی بھی تو ہے عین ملاپ
صاف ملجاتا ہے دل آنکھ کے لڑ جانے سے

کہا جو آپ پہ مرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں
سُنا کیئے یونہیں دیکھا کبھی نہ مرجاتے

کیا ناوکِ مژگاں سے اڑائے ہیں نشانے
دل اور جگر دونوں لگائے ہیں ٹھکانے

ساقی سفید ریش پہ ہلکا سا ہو خضاب
زاہد کے منہ پہ پھینک دے ساغر گلنگال کے

حمد — منشی احمد حسین حمد سوداگر ساکن لال کرتی بازار چھاؤنی میرٹھ مولانا شوکت سے ارادت رکھتے ہیں اور زمانۂ حال کے خوشگو شعرا میں ہیں۔ چند شعر حاضر ہیں ؏

سوزِ پنہانی میں ہے کیا چشمِ حیواں کا اثر
آگ میں جلکے بھی عاشق ترا ٹھنڈا ہوا

یہ حسرت تھی کہ بنتا کاش احسان تیغِ قاتل کا
رہا کیوں سخت جانی تیرا احسان میری گردن پر

نہ سنبھالا دامنِ عصمت ہی اپنا تجھ سے نادان
زلیخا خاک بس چلتا ترا یوسف کے داماں پر

حلقۂ گیسو کا ہے اب گھیرے سے ہوئے سر سو ہیں
جس طرف دیکھیں نظر آتا ہے تو ہی تو ہیں

جو دل تیرا بُرا ہو دیکھ بزم یار سے
کیوں اٹھاتا ہے بھلا بیٹھے بٹھاتے تو ہیں

حمید — خواجہ حمید بیان عرصہ پیار سے نواب صاحب رئیس گیا حکیم سید عابد علی کو نڑ

خیرآبادی کے تلامذہ میں ایک خوش گو شاعر ہیں۔ مذاق ستھرا اور زبان صاف ہے شعر اچھا کہتے ہیں نمونۂ کلام ملاحظہ ہو۔

بلائیں جسقدر تھیں آسمان پر — وہ سب نازل ہوئیں مجھ خستہ جاں پر
میرے نالوں سے برپا کی قیامت — زمیں سے بھی زیادہ آسماں پر
وہ روٹھ کر چلے بھی گئے ہیں تو کیا ہوا — حاصل ہمیشہ وصل ہے ہمکو خیال میں
لاکھوں شکار رستے تھے مگر ایسے نصیب — میرا ہی دل پھنسا تری زلفوں کے جال میں
جھگڑا مٹا رقیب موا جانے دیجئے — بیکار آپ بیٹھے ہیں رنج و ملال میں
ایسے دل بھول گئے ہمکو یہ حال انکا ہے — ہمکو یہ خبط کہ ہر وقت خیال انکا ہے
آخر اس بیخودئی غم سے کہیں کے نہ رہے — اب نہ ہوش اپنا ہے ہمکو نہ خیال انکا ہے

حمید — **حمید** تخلص محمد اللہ نام قوم پٹھان متوطن قصبہ اورنگ آباد ضلع گیا پیشہ زمینداری داروغہ پولیس فارسی کی لیاقت اچھی اور جناب حکیم عابد علی کوثر کے شاگرد تھے۔ کئی برس ہوئے کہ آپنے انتقال کیا۔ زیادہ حال باوجود تلاش نہ مل سکا۔ چند شعر گلدستہ فصاحت سے منتخب ہوکر درج ہوئے ؛

عبث عاشقوں کو امید وفا ہے — ہوا ہے نہ ہوگا ستمگر کسیکا
لئے تیغ ہاتھوں میں نکلا ہے قاتل — لہو چاہتا ہے مقدر کسیکا
خلش نوکِ مژگاں کی جاتی نہیں ہے — رگِ جاں میں چبھتا ہے نشتر کسیکا
کسیکا نہ ہو فاش پردہ خدایا — نہو سامنا روزِ محشر کسیکا
بلا دیکھئے کسکے سر پہ ہو نازل — حمید آج بدلا ہے تیور کسیکا

صفائی آئینہ کی سی ہے آب تیغ قاتل میں — نئے جوہر نکالے ہیں نہا کر خون بسمل میں
شب ہجراں سکون و صبر و طاقت ہوگئے رخصت — رفیق و مونس و ہمدم خیال یار ہے دل میں
کھچی رہتی ہے گو پھر بھی گلے سے آ لپٹتی ہے — ادا و ناز معشوقانہ ہے شمشیر قاتل میں

[illegible]

سر مقتل کسی کی تیغ عریاں آج کہتی ہے	کہ جوڑا سرخ پہنونگی نہا کر خون بسمل میں
پسیجے دل بتوں کا رحم کھا کر موم ہو جائیں	اثر ہو لحن داؤدی کا یارب نالۂ دل میں
ادھر آباد گھر میرا ادھر آباد گھر تیرا	تو میرے دل میں ہے اور غیر بستا ہے ترے دل میں
خزاں کے دن گئے گلشن میں گل پھولے بہار آئی	نوید جانفزا پہنچا صبا گوش عنادل میں

وہ آئے بھی تو غیر کے ساتھ آئے	بھلا ایسی حالت میں کیا بات ہوتی
شب وصل دل کی تمنا ہی تھی	ترے گیسوؤں سے بڑی رات ہوتی
غم ہجر میں جان پر بن گئی ہے	نہ ملتے کاش اُس سے ملاقات ہوتی

حمید

حمید - سید باقر مرزا حمید - برادر زادہ و شاگرد حضرت عشق مرحوم لکھنوی - انکی زبان کی تعریف فضول ہے کیونکہ ان کا خاندان لکھنؤ میں باعتبار زبان مستند مانا جاتا ہے اور شاعری انکے خاندان میں موروثی ہے - یہ خود بھی اِس فن میں اچھا دخل رکھتے ہیں - حالات اور کلام کے لیے بارہا لکھا گیا - مگر کسر نفسی نے جواب کی اجازت ہی نہیں دی - جو کلام گلدستوں میں نظر سے گزرا اُس کا انتخاب درج ذیل ہے +

شوق دیدار اسکو کہتے ہیں تصور نے مرے	ہر در و دیوار پر کھینچا ہے نقشہ یار کا
حشر کا روز ہے ملے یار دکھائے صورت	چاہیے آج تو وعدہ کا وفا ہو جانا
نہیں ہے خوف ہمیں تیرگی مدفن کا	کہ دل کے داغ میں عالم ہے شمع روشن کا
عجب مزاج ہے کچھ میرے یار پرفن کا	کہ اپنے دوست کا دشمن ہے دوست دشمن کا
کرو نہ جھاڑ کے برباد عاشقوں کی خاک	خیال چاہیے وابستگان دامن کا
سدا ہو عمر خدا انکے نام کو رکھے	نشاں مٹا تو گئے آ کے میرے مدفن کا
کریں تدبیر کچھ آیا ہے دل گیسوئے جاناں پہ	عبث احباب روتے ہیں مرے حال پریشاں پر
طالب نہ ہوتے تم تو انہیں کون پوچھتا	کچھ اصل بھی جگر کی نہ تھا کچھ وقار دل
کیوں پھر رہے ہو بال پریشاں کیے ہوئے	کیا چاہتے ہو اور بڑھے انتشار دل

تمہاری چال سے ہوتا ہے حشر عالم میں — کہ محو خواب اجل ہوشیار ہوتے ہیں
لحد ہے کون سے محبوب کے مکان کی راہ — پیادہ ہوتے ہیں وہ جو سوار ہوتے ہیں
ہوائے عشق سے تفریح کیوں نہ ہو دلکو — کہ جھونکے اِسکے عجب خوشگوار ہوتے ہیں
جینے کی کچھ خوشی نہیں مرنے کا غم نہیں — مدت ہوئی کہ آپ میں اے یار ہم نہیں
اے خفتگانِ خاک یہ کس وقت غم نہیں — تم سب کے سب ہو ایک جگہ اور ہم نہیں
بند وہ آنکھیں ہوئیں پر نہ تھا جنکی وجہ سے — شرم کیوں کرتے ہو میری لاش پر آتے ہوئے
مرکے خواہش ہے اسے سفاک زخمِ تیر کی — کہہ رہی ہے صاف حسرت دیدۂ نخچیر کی
مجکو ملے سفاک ایسا زخم کھانیکا ہے شوق — دل مرا لوٹے جو لوٹے نوک تیرے تیر کی
ہمارا صبر ذرا دیکھ جاں نثاری دیکھ — گلا ہے تیغ کے نیچے گلا نہیں کرتے

حمید — حمید ۔ حاجی حافظ مولوی عبد الحمید صاحب متخلص بہ حمید خلف سید محمد عثمان ڈرفتمین دفتر چیف انجینئر ایسٹ انڈین ریلوے باشندۂ کلکتہ نساخ مرحوم کے تلامذہ میں آپ یگانہ ہیں کچھ دنوں انسخ سے بھی مشورہ سخن کیا ہے ۔ زود گوئی میں اچھی مہارت حاصل ہے شعر اسقدر جلد لکھتے ہیں جیسے کوئی نثر لکھتا ہے ۔ کلام میں متانت اور پختگی ہے ۔ ملاحظہ ہو ۔

درد سے چارۂ دردِ دل شیدا ہوگا — جوشِ حرماں سببِ ترک تمنا ہوگا
پاس میرے بھی کبھی آیئے گا؟ — تا بکے دور سے ترسایئے گا؟
ہوگیا ہے عشق دلکو اُس بت طناز کا — یا الٰہی ہو بخیر انجام اِس آغاز کا

ہجر میں آساں ہے مرنا گر کوئی اُمید ہو — تم سے رکھا بھی نجائیگا سر مدفن چراغ
ممکن ہے ہوں وہ رونقِ کاشانہ خواب میں — لوں وام بختِ خفتہ سے اک رات خواب کو
اُمید تیری دید کی پیر و جوان کو ہے — ارمان تیرے وصل کا ہے شیخ و شاب کو
واقف ہوں اسقدر کہ تری ذات ہے کریم — کچھ جانتا نہیں میں عذاب و ثواب کو
جسکی اُمید میں مے و معشوق ہو حرام — دوزخ میں لیکے ڈال دو ایسے ثواب کو

ترکِ خیالِ یار کا دل کو خیال ہے
ایسا خیال ہے مگر امرِ محال ہے

گزرے برسوں لیکن اُس کا سوگ ہے تازہ ابھی
دیکھئے کب تک وفاتِ غیبر کا ماتم رہے

ہم وہ قطرے ہیں کہ پہلے قلزمِ ذخّار تھے
ہم وہ ذرّے ہیں کہ پہلے نیّرِ اعظم رہے

حمید - حمید منشی عبد الحمید - حمید وعطار ولد منشی عبد الرشید آپ منشی محمد نوح متخلص بہ نوح کے چچا زاد بھائی اور شاگرد ہیں - قصبۂ تارہ پرگنہ کرّا ضلع الہ آباد وغیرہ میں مکان ہے طبیعت بہت موزوں واقع ہوئی ہے - نمونہ کلام ملاحظہ ہو:-

اُڑا لائی ہے تو زلف دوتا کی
بلائیں کیوں نہ لوں بادِ صبا کی

چھپایا منہ جو عاشق سے مریجان
ادا کی - یا حیا کی - یا جفا کی

ہوئی وہ سرخرو پامال ہو کر
عجب تقدیر ہے اُلٹی حنا کی

نہ تسکیں دی کسی نے ہجر کی شب
مگر کچھ شمع دل سوزی کیا کی

بتوں کی کیا نظر سے پھری ہے
خدائی پھر گئی قدرت خدا کی

جو گزرے گی گزر جائیگی ہم پر
ہمیں حسرت نہ بچ جائے جفا کی

خدا کے روبرو انصاف ہوگا
وفا کی کس نے اور کس نے جفا کی

کسی دن تجکو لے ڈوبے گی اے دل
محبت اُس بتِ نا آشنا کی

حسیں پھیلائیں اُسکے سامنے ہاتھ
زہے طالع زہے قسمت حنا کی

حمید - حمید منشی رمضان علی خاں لکھنوی اوائل مشق سخن میں چند غزلیں جناب تدبیر الدولہ اسیر مرحوم کو دکھائی تھیں - پھر جناب اُنس مرحوم سے تلمذ اختیار کیا - یہ اُنکے اشعار ہیں

روز ہم اُن کے تقت پر کو رو جاتے ہیں
وہ کہانی میری سنتے ہیں تو سو جاتے ہیں

عملِ نیک ہے وہ تخم کہ پھلتا ہے سدا
اسی دانے کو جو داتا ہیں وہ بو جاتے ہیں

ہوکے ناراض برا مجکو کہو گالیاں دو
سب کہو پر نہ یہ تم منہ سے کہو جاتے ہیں

بے رخی کی بھی کوئی حد ہے نہیں منصف ہو
منتیں ہم تو کریں تم یہ کہو جاتے ہیں

رہا بستہ سدا کوئے بتاں میں ... لگے گا خاک دل باغِ جناں میں
ہم اور ظلم کا اُنکے شکوہ کرینگے ... وہ جو کچھ کرینگے سو اچھا کرینگے

حمید

حمید۔ قاضی حمید الدین پروفیسر باشندۂ علی پور نواح کلکتہ۔ نہ زیادہ حالات کا پتہ ملا نہ کچھ کلام ہی دستیاب ہوا صرف تین شعر ہاتھ لگے جو زیبِ تذکرہ کیے جاتے ہیں۔

غمزہ یہ کہہ رہا ہے کسیکی نگاہ سے ... بچکر نجانے پائے کوئی جلوہ گاہ سے
آنکھوں میں ہے خمار پریشاں ہیں موئے سر ... نکلا ہے کس ادا سے کوئی خوابگاہ سے
پیرِ مغاں کے وصف سنائینگے بادہ خوار ... کیا پوچھتے ہو زاہدِ گم کردہ راہ سے

حمید

حمید۔ عبد الحمید خان نام ملیح آباد کے رہنے والے۔ غزل نہیں کہتے مگر فارسی مثنویات کے اکثر تراجم اُردو اور پشتو زبان میں آپنے کیئے ہیں۔ فارسی اور پشتو کی مہارت خوب ہے مثنوی معنوی کا ترجمہ بھی مُرتب کیا ہے مگر چھپا نہیں ہے۔ مثنوی بو علی قلندر کا ترجمہ چھپ گیا ہے اُسی کے چند شعر نمونۃً لکھے جاتے ہیں۔

آفریں اے بلبلِ باغِ کہن ... مجکو باور ہے سبھی تیرا سخن
اے مرے بلبل کرم کی کر نظر ... اُس گلِ رعنا کی دے مجکو خبر
آفریں اے میرے قاصد آفریں ... تجھسے پہنچا مجکو عالِ نازنیں
ہُدہُدِ فرخ نشاں صد آفریں ... طوطیِ شیریں بیاں صد آفریں
دم میں تو ہفت آسماں کو طے کرے ... مرکبِ حرص و ہوا کو پے کرے
دم بدم روشن کرے دل میں چراغ ... عشق کا تو ہی لگائے دل میں باغ

حنا

حنا۔ منشی عبد الکریم خان لکھنوی شاگرد میر [illegible] صبا واجد علیشاہ کے زمانے میں تھے سُنا ہے کہ دیوان بھی مُرتب ہوگیا تھا۔ بہر حال یہ کلام بہم رسیدہ کا انتخاب حاضر ہے ؛

یہاں نہ تلک عدہ فردا ہیں فردا ٹھیرا ... حشر پر وصل بُت حور لقا کا ٹھیرا

لیگئی کھینچ کے وحشت مجھے اُس وادی میں
آدمی کیا نہ جہاں خوف سے سایہ ٹھیرا

اللہ رے صعوبتِ طولِ شبِ فراق
کھچتا رہا رگوں سے مری دم تمام شب

سیر کیجے تو ذرا خانۂ دل کی میرے
کیا عجب ہے تمہیں آجائے یہ تعمیر پسند

جب سے اُس یوسف لقا کو دل و یا ہے اخنا
سورۂ یوسف زباں پر ہے زلیخا آتے ہیں

ہو کبھی دشمن کو بھی یارب نہ دشمن سے نصیب
رنج جو پہنچے ہیں مجکو دلربا کے ہاتھ سے

حنیف — **حنیف** - صاحبزادہ محمد حنیف خان خلف ارشد صاحبزادہ محمد محمود خاں صاحب بہادر جنگ عزیز والئی ٹونک تلمیذ حضرت مضطر - ان کے والد ناظم سائرات ریاست ہیں اور یہ خود بھی حاکمِ عدالتِ دیوانی ہیں ۳۵ - ۳۶ برس کی عمر ہے - خوش وضع زندہ دل شخص ہیں - نمونۂ کلام یہ ہے -

بلبل کے جذبِ عشق نے کچھ تو اثر کیا
صیاد نے قفس پہ چڑھائے چمن کے پھول

بیٹھے ہیں بزمِ یار میں اغیار اے حنیف
قدرت خدا کی خار بنے ہیں چمن کے پھول

عجب کیا ہے وفا کا نام ہی اُٹھ جائے دنیا سے
اگر دو چار بھی ایسے ہوں جیسے بیوفا تم ہو

حقیقت میں تمہیں سے لذتیں ہیں عشق کی ورنہ
محبت میں دھرا کیا ہے محبت کا مزا تم ہو

وفائے وعدۂ دیدار کا وہ کون موقع ہے
قیامت میں تو لاکھوں ہونگے صورت دیکھنے والے

حیا — **حیا** - طوطیِ شکرستان خوش مقالی - بلبلِ بُستانِ نازک خیالی - فروغ دودۂ شاہی جہانبانی ضیائے خانوادۂ گورگانی - صاحبِ عالم و عالمیان میرزا رحیم الدین حیا دہلوی مرحوم و مغفور - دلی کا قلعۂ معلی جہاں اُردو نے جنم لیا تھا وہیں آپ سنہ ۱۲۱۲ ہجری میں پیدا ہوئے میرزا کریم الدین رسا نبیرۂ شاہ عالم ثانی آپکے والد ماجد تھے - جو خود بھی ایک نہایت کہنہ مشق اور خوش گو شاعر گزرے ہیں - چنانچہ آپ کو بھی اوائل عمری سے شعر و سخن کا ذوق پیدا ہوا اور حضرت شاہ نصیر رحمت اللہ علیہ کے سلسلۂ تلامذہ میں داخل ہو گئے -

خاندانِ تیموریہ میں آپ بہت اچھا کہنے والے شاعر نہیں تھے - طبیعت کی شوخی اور مضمون

آفرینی کے ساتھ زود گوئی اور فکرِ رسا بھی رکھتے تھے۔ اسکے علاوہ نہایت نیک طینت خلیق اور با مروّت انسان تھے۔ کلام میں عالمِ ضعیفی تک جوانی کا سا زورِ طبع دکھاتے رہے اِنکے جوش میں دریا کی سی روانی تھی۔ اور کسی وقت فکرِ سخن سے خالی نہ رہتے تھے۔ بلند پروازی کے علاوہ کلام میں ایک خاص بات قابلِ ذکر یہ تھی کہ شعر میں قافیے اور ردیف کی چسپیدگی کے ساتھ اکثر ردیف کا کوئی نہ کوئی ایسا نیا پہلو چمکاتے تھے جس سے سامعین داد دینے پر مجبور ہو جاتے تھے۔ طبیعت کچھ ایسی جدّت خیز اور معانی آفرین پائی تھی کہ جس میں شوخی اور سادگی دونو متضاد صفتیں جمع ہو گئی تھیں۔ شطرنج بمثِل کھیلتے تھے ولایت سے جسقدر مشکل نقشے آئے آپنے اُنکو حل کیا۔ اس فن میں حکیم شرافت علیخاں سے آپ مستفیض ہوئے تھے۔ ستار نوازی میں بھی کمال حاصل تھا۔ غدر سے کچھ پیشتر بنارس کا سفر کیا۔ رستے میں کچھ روز نواب یوسف علیخان والیٔ رامپور کے ہاں بھی مہمان رہے اور نواب نے بڑے تکلّف سے میزبانی کی۔ پہلا دیوان جسپر میرزا غالب اور صہبائی مغفور نے تقریظیں لکھی ہیں غدر سے پہلے دلّی میں چھپا تھا۔ جو راقم السّطور کے کتبخانے میں موجود ہے۔ غدر کے بعد جب قلعہ کا نقشہ ہی بگڑ گیا تو صاحبِ [illegible] مستقل طور سے رامپور چلے گئے۔ نواب کلب علیخاں نے بھی بڑی تو اضع کا برتاؤ کیا اور اپنا مصاحب خاص بنا لیا آپ مدۃ العمر وہیں رہے۔ چنانچہ دوسرا دیوان نواب محمود علیخاں نے مرتب کرایا۔ اب دو دیوان اور ایک واسوخت آپکی یادگار سے موجود ہیں۔ نواب کلب علیخاں کی وفات کے آٹھ یوم بعد ۱۳۰۴ھ میں ۹۴ سال کی عمر پاکر اِس جہانِ فانی سے رحلت کی۔ میرزا سے مرحوم کثیر العیال تھے۔ میرزا منیر الدّین ضیا اور میرزا ولی الدین فدا وغیرہ ۱۵ صاحبزادے اب تک حیات ہیں جن میں سے اکثر کو اب بھی سرکارِ رامپور سے وظیفہ ملتا ہے۔ آپکے خاندان میں شعر گوئی اور شطرنج بازی کا شوق ابتک جاری ہے اور خوب ہے۔ سُنا ہے کہ میرزا حیا کا ایک تیسرا دیوان راجپوتانے کے سفر میں تلف ہو گیا تھا۔ اور آخر عمر میں اُنھوں نے

جو کچھ لکھا ہے وہ بھی ایک دیوان سے کم نہیں ہے۔ مگر اُسکے چھپنے کی اب کوئی ظاہرا امید نہیں ہے۔ راقم تذکرہ نے بے انتہا کوشش اور تلاش کے بعد دیوان دوم کی کچھ غزلیں دستیاب کیں۔ چنانچہ دونوں دیوانوں کا انتخاب ضیافتِ طبع شائقین نکتہ سنج کے لیے درج ذیل کیا جاتا ہے ✤ (از دیوان اوّل مطبوعہ ۱۲۷۰ھ)

خالق نے اپنا جلوۂ قدرت دکھا دیا
سینہ سے داغِ عشقِ مجازی مٹا دیا

اللہ رے دستگیری پیدا کیے کی شرم
بخشا اُسی کو جس نے سر اپنا جھکا دیا

نہ پوچھو ہمدمو کٹنا شبِ تاریکِ ہجراں کا
دمِ شمشیر تھا گردن پہ ہر دم خم گریباں کا

جنوں یہ کشمکش ہمسے عبث ہے تجکو زنداں میں
چھڑا دے قید سے ہمکو تو رستہ لیں بیاباں کا

عدو کیا جانے کیا کہتے ہیں اِسکو اور وہ کیا ہے
ہمارے دل سے پوچھو لطف کاوشہائے پنہاں کا

دیکھنے پائے نہ دل بھر کے قیامت میں اُسے
روزِ محشر وصل کی شب کے برابر ہو گیا

التجائے غیر بھی کی ظلم بھی اُسکے سہے
اُس پہ کہتے ہیں کہ تو کہنے سے باہر ہو گیا

کون کہتا ہے کہ لیلیٰ سے محبت تھی اُسے
قیس دیوانہ مرا افسانہ سن کر ہو گیا

اب نہیں کوئیکے الفت جانے دے انساں ہیں
اے فلک یہ جرم ہمسے ہو گیا گر گیا

اک نہ اک دن جان جان جانی آخرش لیوہی جیا
مر گئے اُس پر تو اُسکے دل ہی میں گھر ہو گیا

بن ترے کل قتل کا گلشن میں سامان ہو گیا
شاخِ گل ناوک بنی ہر غنچہ پیکان ہو گیا

دن میں سو سو مرتبہ ہوتا ہے ٹکڑے چارہ گر
کیا بلا چاکِ جگر چاکِ گریبان ہو گیا

جی کو تسکیں دیں جگر پر ہاتھ رکھیں کیا کریں
دل کے ہاتھوں غم پہ غم ارماں پہ ارماں ہو گیا

مل گیا تو غیر سے یاں دلکی حسرت مٹ گئی
آپ تیرا ملنا نہ ملنا ہمکو یکساں ہو گیا

سایہ در و دیوار کا دشمن ہے ہمارا
اُس پر بھی گلی میں تری مسکن ہے ہمارا

ملا کے خاک میں کہتے ہیں مجکو۔ تھا یہ کون؟
جو رہگذر میں مرے آ کے پائمال ہوا

عدو کے ہاتھ سے پینے لگے وہ مے افسو
حرام موت بھی مرنا ہمیں ملال ہوا

دمِ موت ہجر میں آئی نہ مجھکو خواب آیا
یہ کس عذاب میں ہوں میں یہ کیا عذاب آیا

پس از فنا مرے لاشہ کو پائمال کیا
یہ دل میں کیا ترے اسے تھا تماں خراب آیا

تصویر رات بھر تری دل پر دھری رہی
سینہ پہ بھی لٹانے کا ارمان نکل گیا

یہاں پیکِ قضا کا ہے تقاضا مرے سر پر
قاصد ابھی وہاں سے نظر آتا نہیں آتا

نہیں ہیں قابلِ لطف و کرم تو لے ظالم
ستم بھی مجھپہ تُو کر رحم گر نہیں آتا

مریضِ دردِ محبت کا دل نہ توڑ اپنے
نہیں تو مُنہ سے نہ کر تو اگر نہیں آتا

مسیح ہے پہ چلانا مرا نہیں منظور
مرے جنازے پہ وہ جان کر نہیں آتا

بوسۂ لب بھی لیا جان بھرا سینہ تپی
آبحیواں کے بھی پینے سے میں زندا رہا

حاصلِ دل بیتاب تڑپنے سے نہیں کچھ
معشوق کے آنے پہ اجارا نہیں ہوتا

کیوں محوِ تماشا ہے مری لاش پہ عالم
کہدو کوئی مرتا ہے تماشا نہیں ہوتا

لاشِ عدو کے کل آنکھیں ہمراہ دیکھکر
کیا کیا نہ ہمکو مرنے کا ارمان آگیا

کھلی نہ آنکھ ترے کشتۂ تغافل کی
ہزار شورِ قیامت اُسے پکار آیا

بھری ہیں آن کے سینہ میں حسرتیں ایسی
کہ اب ٹھکانا نہیں دم کے بھی سمانے کا

قرار آہی گیا غم میں دل سنبھل ہی گیا
گئے وہ دن کہ جو تھا فکر جان جانے کا

خدا ہی سے کہ رہے توبہ کعبے جانے تک
قدم قدم ہے تصوّر شرابخانے کا

سزا ہی تھی کہ چھڑکا بتوں نے اور نمک
مزا ہی تھا مرے زخمِ دل دکھانے کا

وہ بات ہی نہ رہی ذکرِ غیر آتے ہی
وہ وقت ہی نہ رہا اُلفت آزمانے کا

یہانتک ہیں دل کے ہاتھ سے مجبور ہوگیا
جو جس نے کہدیا سب مجھے منظور ہوگیا

ہاتھوں سے تیرے کاوشِ مژگانِ خنجرگر
جس جس جگہ پہ داغ تھا ناسور ہوگیا

آہ جاتی ہے مگر عقدۂ وابستۂ دل
جز صبا کس پہ کھلے رنج و محن غنچے کا

حکمِ گویائی نہیں اسکو نسیمِ سحری
ورنہ لبریزِ شکایت ہے دہن غنچہ کا

جوابِ نامہ فرشتوں سے گور میں مانگا
پس از فنا بھی مرادِ صیادن نامہ بریں رہا

بدلہ عدو سے لوں ستمِ بے شمار کا
گر آسماں بنے مرے مشتِ غبار کا

بُت پرستی میں میسّر ہے خدا کا دیدار
کچھ نہیں ہے مرے نزدیک مسلماں ہونا

ناصحا عشق نہ ہوتا تو مجھے سودا ہوتا
ہر طرح گھر سے نکلنا مری تقدیر میں تھا

لاغری سے اب تو یہ عالم ہے جسمِ زار کا
اپنے سایہ میں چھُپا لے مجھکو سایہ خار کا

جرمِ بیچارہ اور بھی ہیں اک گنہ یہ بھی سہی
میری ہی گردن پہ ہوا ای کاش خونِ غیار کا

چین کا ہیکو پڑیگا بعدِ مردن گور میں
یاد آئیگا ترٹپنا دن میں سو سو بار کا

ہوئی لبوں کو جو جنبش کہ بس عتاب ہوا
تمھارا نام نہ لینا ہوا عذاب ہوا

وہ پوچھتے ہیں کہ ہوتی ہے آشنائی کیا؟
بتا! وفا کسے کہتے ہیں یہ بیوفائی کیا؟

چراغِ تربتِ مجنوں پہ آج روشن ہے
جنوں! بتا تو کسی کی مراد آئی کیا؟

کہے سُنے سے یہ لے حیا وہ آئینہ رو
ہوئی صفائی نہ دل سے تو پھر صفائی کیا؟

الاماں کی در و دیوار سے آتی ہے صدا
کس نے زخمِ جگرِ عاشقِ بیدل کھولا

ہوسِ عشق نہ تھی دلمیں تو کیوں لیلی نے
قیس کے دیکھنے کو پردۂ محمل کھولا

عجب نہیں ہے جو وقتِ مردن ہماری موت آئے حور بنکر
کہ ہم بھی رکھتے ہیں عشق درپردہ دلمیں اِک شوخ نازنیں کا

خدا کی اسوقت ہو محبت نہیں ہے یہ مقتضائے اُلفت
کہ اپنی آنکھوں میں وقتِ رحلت جمال پھرتا ہی اک حسیں کا

جب تک مریضِ غم کی تری زندگی رہی
خونِ جگر کا چشم سے ٹپکا لگا رہا

سفرِ ملکِ عدم راس تو لے دل آیا
کہ وہ پہنچانے مجھے اوّلِ منزل آیا

ابتدائے صدمۂ فرقت میں لینی تھی خبر
نبگئی جب جان پر اب پوچھتے ہو کیا ہوا

پھانس سا دل میں کھٹکتا ہی ہر اک تارِ نفس
سانس بھی سینے میں تجھ بن نوکِ سوزن ہوگیا

سوزِ دل ہی کام آیا کنجِ تنہائی میں رات
کیا خدا لگتی کہے کوئی کہ ہے انصاف شرط
کرکے توبہ تو ابھی اسلام لایا تھا دلا
طائرِ فکرِ سخن کی نغمہ سنجی کو حیا
رہ چکی اب شبِ غم جان کہ اس ظالم نے
دلِ بیتاب نے تجھ بن نہ دیا چین مجھے
اور بھی ڈھنگ نکالا کوئی ملنے کا حیا
ہم بھی دیکھیں گے کہ آنا ترا کیونکر نہ ہوا
خدا کے نام پہ کیا کیا اُسے گماں ہوتا
زاہدا! تجکو مبارک ہو طوافِ کعبہ
مر مر کے ہمنے رشکِ مسیحا کیا تمھیں
کبھی مجکو بھی یارب چین ہوگا
بس وصال میت مجھے وصال ہوا
جگر کو تھام کے دلکو دیا جو صبر تو کیا
وہ ناتواں ہوں کہ آیا نظر نہ موت کو میں
سیج بنا کیا تجھے آیا غمِ دلدار پسند
کھُلیگی حشر کو بلبل کی جب زبان صیاد
اسیرِ دامِ محبت ہے سو بلا میں اسیر
کیا اعتبار دین کا عاشق کے زاہدا
نظارہ بھی کرنے دے دم بھر تہِ خنجر
رسوا نہ کیا خون میں بھر کر تجھے قاتل

نالۂ سوزاں ہمارا شمع روشن بنگیا
یک نگاہِ ناز و صد عالم برہمن بنگیا
اور ابھی کیا اسمیں دیکھا جو برہمن بنگیا
مصرعۂ موزوں مرا شاخِ نشیمن بنگیا
وعدۂ وصل قیامت کی سحر پر رکھا
رات بھر شورِ قیامت مرے سر پر رکھا
یا فقط جذبۂ اُلفت کے اثر پر رکھا
یہ بھی اک کھیل ہوا فتنۂ محشر نہ ہوا
قیامت آتی دمِ نزع گر وہ یہاں ہوتا
پھرنا کافی ہی ہمیں بیٹھ وہیں جامِ شراب
ہم سے رکھیں دماغ سرِ آسمان آپ
یہ جائیگی مری بےتابیاں کب
مرے جنازے پہ بیٹھے رہے وہ ساری رات
تڑپ تڑپ کے گزاری تو کیا گزاری رات
قضا پھری مرے بستر کے گرد ساری رات
جانِ ناشاد خوش آئی کہ دلِ زار پسند
تو اپنی جان چھپائیگا تو کہاں صیاد
قفس سے کم نہیں بلبل کو آشیاں صیاد
یاد آئے ہے خدا بھی تو کافر کو دیکھکر
آنکھوں پہ نہ رکھ ہاتھ ستمگر تہِ خنجر
تڑپا نہ مرا لاشۂ بےسر تہِ خنجر

انتقامِ ظلم کا محشر کو دعویٰ ہے مگر
وائے حالِ اُسکا کہ جسکو تنہیں یونہی ہوئیں
پاسِ ناموسِ محبت ہو تو غیرت کی ہے جا
تیرے نزدیک اے زاہد بتانِ ہند کافر ہیں
الفت کا امتحاں ہے اگر انتظار پر
آئی تھی دل میں آئے تو جانے نہ دیجئے
اب بجز یاس نہیں کوئی دلِ زار کے پاس
کس گھڑی سے تجھے چاہا تھا ستمگر میں نے
کوئی اتنا نہیں کہنے کو اُلفت کس کو کہتے ہیں

چھپکے ہی رہ جائینگے صورت تمھاری دیکھکر
تم ابھی گھبرا گئے دل کی بیقراری دیکھکر
اور کو چاہے مرا چاہنے والا ہوکر
مرے آگے خدا کا سجدہ ہو تو نکلے دم
سو جان نثار وعدۂ دیدارِ یار پر
یہ بھی پہنچ گئی خبر اُس بیخبر کے پاس
آنا باقی ہے قضا کا ترے بیمار کے پاس
کہ کبھی چین نہ آیا دلِ غمخوار کے پاس
پھر چاہے محبت کا ترے بیمارِ ہجراں تک

کہو کہ الفت نبھے یہ کیونکر کہ ضد ہے دونوں طرف برابر
وہاں قرارِ وصال آخر یہاں قرارِ وصال اوّل

ملے جو ٹھوکر سے خاک میں ہم تو اُس کا باعث ہوا یہ عالم
وگرنہ کب دیکھتے تھے ہر دم تم اپنی مڑ مڑ کے چال اوّل

اِک گفتۂ رقیب اور اک آپ کی سمجھ
قتل کر جلد کہ پُرحسرت و ارماں ہوگئیں
ہائے کیا محوِ جمالِ رخِ جاناں ہوگئیں
ناز اُٹھائے نہ ترے کیا جو یہ تو کہتا ہے
خوش اپنی آہِ سرد سے کیا کیا نہیں ہیں ہم
نفس کی آمد و شد سے کشاکش تھی اُلجھن ہے
میں نہاں جاؤں وہ یاں آئیں یہ نہیں تو وہ واں
تم جو کہتے ہو کہ غیر آپکو کیا کہتے ہیں؟

دشمن سے جاکے شکوہ تمہارا کیجئے ہم
اے مری جان کے خواہاں ترا خواہاں ہوں میں
آپ ہی آئینہ ہوں آپ ہی حیراں ہوں میں
چاہنے والوں کے منہ اور ہوا کرتے ہیں
دوزخ ملا تو اُس میں بھی جلنا نہیں ہوں میں
قیامت تھی مرے سر پر شبِ تاریک ہجراں ہے
شوق دونوں کو ملاقات سے مفقود نہیں
اپنی عادت سے ہیں لاچار بجا کہتے ہیں

قتل ہونے کو سمجھتے ہیں حیاتِ جاوید
ہم پئیں خونِ جگر غیر پئے ساغرِ مے
کس کے پالے مجھے ڈالا ہے خدایا تو نے
پھر کہو گے کہ مرا دھیان نہیں اور طرف
اے جذبِ عشق جان ہی تجھ پر فدا کروں
جستجو ہے مجھے اسکی جسے پا بھی نسکوں
آدمی ہوں نہیں پتھر کا کلیجہ میرا
زندہ ہوں مُردہ سے بدتر کہ بجز دوشِ صبا
دی ہے کس بت کی محبت یہ خدایا تو نے
حلقہ ہائے خمِ زنجیرِ محبت تیرے
ہمکو تو صبر کبھی آئیگا اے جذبۂ دل
ہر شبِ عیش نہیں چارۂ دردِ ہجران
وعدۂ وصل کرے کیوں وہ ستمگر کہ اسے
دل مرا الفت میں سراپا تمنا بن گیا
جو جفائیں غیر پر کرنی اُنھیں منظور تھیں
چارہ گر نے جو مرے سینہ سے کھینچا پیکان
ہنگامہ نہ کیوں ہو تری رفتار سے برپا
مرنے کی جو ٹھانونگا تو میں آپ پہ مرونگا
بادہ نوشوں کو نہ ترسوا میکدے کو توڑ کر
ہزار توبہ کروں اسکا کیا علاج کروں
روزِ محشر کی درازی اسقدر تھی مختصر

آبِ شمشیر کو ہم آبِ بقا کہتے ہیں
اسے کیا کہتے ہیں ظالم اسے کیا کہتے ہیں
گھولکر زہر پلاتے ہیں دوا کہتے ہیں
آپ کیا سنتے ہیں ہم آپ سے کیا کہتے ہیں
گر اُنکے دل میں آئے کہ وعدہ وفا کروں
وہ تمنا ہے کہ جو دل سے مٹا بھی نسکوں
اسقدر تو نہ ستم کر کہ اُٹھا بھی نسکوں
ہیں درِ یار تلک آپ سے جا بھی نسکوں
وہ مجھے دل سے بھلا دے میں بھلا بھی نسکوں
پاؤں پڑ کر ہمیں لائے ہیں تو ہم آئے ہیں
وہ کہیں آئیں ہم اور ہم کہیں منظور نہیں
جز وصال اور علاجِ دلِ رنجور نہیں
دل کسی طرح سے رکھنا مرا منظور نہیں
رنجشیں غم کی بھری جتنی سب ارماں ہوگئیں
وہ بھی قسمت سے ہمیں پر روزِ ہجراں ہوگئیں
لختِ دل ساتھ نکل آئے لپٹ کر لاکھوں
محشر جو خدا کو یونہی منظورِ نظر ہو
اے موت سمجھے کیا نہ تو اتنا مرے سر ہے
کوئی دن رہنے دے زاہد کعبہ کی بنیاد کو
جھکاؤں سجدے میں سر دل خمِ شراب میں تھی
دیکھنے پائے نظر بھر کر نہ ہم دلدار کو

ہمسے بیتاب تمنا حشر میں گر جائینگے
ایک کی سننے نہ دینگے داورِ داور کو

نہ بلائے اُس سے مجھے خدا ہی آپکا تو کلام خفا
وہی اب ہیں آپ ہی حیا متقین یاد ہو کہ نہ یاد ہو

یاں نالے میں اثر ہے تو ہونیکا کچھ نہیں
واں اُنکے دلمیں غیر کی اُلفت ہے جی تو ہو

رہنے بھی دو یونہی مرے حالِ خراب کو
جینے دو کوئی دن کسی حسرت مآب کو

جیتا نہ پائے گر تو مجھے آ کے نامہ بر
پڑھیو بجائے فاتحہ خط کے جواب کو

لبوں تک آئے ہیں نالے وہ آ نہیں سکتے
اُنھیں کو راز کا پردہ نہو تو کیوں کر ہو

کہاں وہ شوخِ ستمگر کہاں مرا پہلو
سمجھ سے بات ہے باہر یہ ہو تو کیونکر ہو

تمھارے وعدے سے تسکین ہے گو وہ جھوٹ سہی
اگر نہ اتنا بھی تم دل رکھو تو کیونکر ہو

محبت اِسکو کہتے ہیں تری خاطر سے اے ظالم
اُٹھا لیتے ہیں ہم احسان سمجھکر ظلمِ دشمن کو

بتوں سے اب رہ و رسم پیام کیونکر ہو
خدا جو کام بگاڑے وہ کام کیونکر ہو

زمیں سے اُگتا وہاں لالہ زار کیوں نہ رہے
جہاں گڑیں ترے کشتے بہار کیوں نہ رہے

رہے جو پاس تو چشم اشکبار کیوں نہ رہے
بنے جو دل پہ تو جاں بیقرار کیوں نہ رہے

جفا سہی تھی تو دشمن سے کیوں بنے دشمن
وہ چاہتے تھے تو تم دوستدار کیوں نہ رہے

مل گئے گر خاک میں تو کیا ہوا
بے نشانوں کی نشانی اور ہے

ستم یہ ہے کہ وہ ہم پر تمام ہوتے ہیں
ستم جو چاہئیں دشمن کے امتحان کیلیے

آئینہ دیکھتے ہو تم مجھے ڈر رہتا ہے
اسکے پرتو سے کہیں رنگ نہ میلا ہو جائے

دامن اُس شوخ ستمگر کا نہ چھوڑونگا میں
آج جو ہو مری تقدیر کا ہونا ہو جائے

لے صبا خاک ہماری بھی وہاں تک پہنچا
بے ٹھکانے ہیں ہمارا بھی ٹھکانا ہو جائے

دل ترا غیر پہ اے کاش کہ شیدا ہو جائے
میرا سا حال ہو میری سی تمنا ہو جائے

عشق وہ شے ہے کہ تاثیر کسے ہو وہ ہو وہ
ہوں میں ناپید تو اُلفت مری پیدا ہو جائے

جا چکے جان شبِ غم میں کہیں جائے عذاب
کام تیرا دلِ ناکام تمنا ہو جائے

دل جگر سینے میں بے آگ جلے جاتے ہیں — پھونکے دیتی ہے مری آہ شرربار مجھے
شوقِ نظارہ دمِ نزع بھی ہے یار مجھے — مرنے دیتی ہی نہیں حسرتِ دیدار مجھے
خاک ہو کر ترے کوچہ میں اڑا پھرتا ہوں — اب بھی پھرتی ہے لیے حسرتِ دیدار مجھے
گر یہی دل کی طپش ہے تو خدا خیر کرے — رات کٹتی نظر آتی نہیں زنہار مجھے
نازبردارِ محبت کا نہ دل توڑنا تھا — ترک کرنا تھا جفا کو نہ کہ لے یار مجھے
کھوٹے داموں کوئی لیوے تو میں دوں تجکو — کہ بہت تو نے ستایا ہے دلِ زار مجھے
پوچھے گر حال مرا داورِ محشر سو بار — تو بھی شکوہ نہ ترا مجھ سے ستمگر ہووے
دشمنِ جان تو اپنے تھے نہ بیگانے تھے — دلِ بیتاب کو ٹکڑے مرے اڑوا نے تھے
دستِ گل خوردہ خدا کو ہمیں دکھلانے تھے — ہاتھ خالی تھی تو دنیا سے نہ لیجانے تھے
ہائے اسکی در و دیوار سے باتیں کرنی — ہمنوا اپنے دلِ بیتاب کے دیوانے تھے
شعلۂ آتش فشاں ہے برق ہی سیماب ہے — دیکھو تم لیلو کہ یہ بھی چیز اک نایاب ہے
آئینہ دشمن کو دکھلاؤ کہ ہو غیرت سے عرق — تم نہ دیکھو اسکو اس میں قدِ آدم آب ہے
آ دیدۂ تر سر سے گزرنے کو ہے پانی — میرا ہی ڈبونا تجھے منظورِ نظر ہے
پہنچانے چلے وہ تو ہوا ساتھ زمانہ — ہنگامۂ محشر مرے ہنگامِ سفر ہے
گو آپ یہ کہویں کہ نہیں کچھ مجھے منظور — وہ میری نظر میں ہے جو منظورِ نظر ہے
قرارِ وصل پہ منہ سے نہیں تو کی تو نے — ہزار شکر کہ لائق تری نہیں کے ہوئے
دم تو لیا جو ملکِ عدم کو پہنچ گئے — چکر سے تیرے گردشِ دوراں نکل گئے
ہنستے ہوئے ہستی کے چمن سے نکل آئے — اچھا ہوا ہم رنج و محن سے نکل آئے
وحشت اسے کہتے ہیں پس از مرگ بھی ہیں — تار اپنے گریبانِ کفن سے نکل آئے
سختِ جگرِ اشک کی سنکر مرے تعریف — معدن سے گہر لعل یمن سے نکل آئے
دیکھا نہ گیا چشمِ عدو پر ترا دامن — منہ ڈھانک کے ہم اپنا کفن سے نکل آئے

آتے ہی آتے موت کے یہاں عمر ہو چکی
جو ہے سو میری جان کو غفلت شعار ہے

دل میرا دیکھنا کہ ترے رنج کے لیئے
مرنا رقیب کا بھی مجھے ناگوار ہے

پہنچا دیا مراد کو حسرت نے دید کی
آنکھوں کی راہ جانِ پُر ارمان نکل گئی

دشمن کو لاکھ طرح کا ہو عیش ای حیا
پر دیکھئے تو شاکی تقدیر دیکھئے

یہاں رنجِ ہجر تھا تو لحد میں ہے خوفِ حشر
ہم تو کسی طرح سے نہ چھوٹے عذاب سے

دیا فراق سدا وصلِ یار کے بدلے
لیئے فلک نے یہ کس روزگار کے بدلے

مر جائینگے پر عشق ہم اصلا نہ کرینگے
جیتے ہیں تو دل کا کبھی کہنا نہ کرینگے

لب تر کیا نہ آبلۂ پا سے نے خار کا
شرمندگی ہوئی مجھے صحرا کے سامنے

کافر ہوں گرچہ دل میں ہو جینے کی آرزو
ہم کیا کرینگے جا کے مسیحا کے سامنے

تکا غور سے گر سینے میں دیکھئے دل کو
کبھی لیلیٰ سے نہ مجنوں پس محمل آئے

ناتوانی کے سبب بیٹھتے اٹھتے ہر بار
ہم ترے کوچہ میں ای یار بمشکل آئے

مژدہ اے ولولۂ جوشِ جنوں آئی مراد
کہ وہ میرے لیئے خود ہی لیکے سلاسل آئے

شعلہ رو گھر سے نکلتے نہیں از خود انکو
ہوسِ گرمیٔ بازار لیئے پھرتی ہے

پڑے اس میں جو مشتِ خاکِ عاشق
تو دریا بوند بھر پانی کو ترسے

دیا آگے رقیبوں کے خط اسکو
خدا سمجھے ہمارے نامہ بر سے

موت ہی چارہ سازِ فرقت ہے
رنج مرنے کا مجکو راحت ہے

حرفِ تیر لوحِ تربت ہے
بعد مردن بھی یہ عداوت ہے

ہو چکا وصل وقتِ رخصت ہے
لے اجل جلد آ کہ فرصت ہے

روز کی داد کون دیوے گا
ظلم کرنا تمھاری عادت ہے

کارواں عمر کا ہے رخت بدوش
ہر نفس بانگِ کوسِ رحلت ہے

سانس اک پھانس سی کھٹکتی ہے
دم نکلتا نہیں مصیبت ہے

تم بھی اپنے حیا کو دیکھے آؤ	آج اِسکی کچھ اور حالت ہے
ہزار جان سے صدقے تھے ہزار دل سے فدا	ہم اپنے شوخ بتِ شرمگیں کے اوپر سے
یارب وہ دن دکھا کہ منت بلائیں وہ	اور ہم کہیں کہ شوخِ سمن بر پھر آئیں گے
عیسٰی نے پہلے کشتے ترے کون ہے جِلائے	ناحق اب آسماں سے اُتر کر پھر آئینگے
جانید سے جاتے ہیں جو گھر اپنے وہ خذبِ دل	تاثیر تجھ میں ہے تو پلٹ کر پھر آئینگے
یونہیں مٹانا ہے خوب شر کا وگرنہ دیکھے گا وان زمانہ	چلیگی جو کچھ کہ روزِ محشر ہماری تمسے تمہاری ہمسے
حیا کہو اب تابِ چین سے تم اپنے گھر خوش ہم اپنے گھر خوش	کہ دوستی اب تلک تھی بے ثمر ہماری تمسے تمہاری ہمسے
تجھے غرض منہ پکر بیسے کیا مگر یہ مطلب اِس بہانے	اُٹھانے آیا ہے ناصحا تو بھی رسمِ الفت کے ڈھنگ ہمسے
مصیبتیں بھی سہی ہیں سب نے ہوئی ہے الفت میں سب کو حسرت	الٰہی میں کس غضب میں ہوں کہ فرصت اک دم نہیں ہے غم سے
حیا کی جان جگر پہ کسنے نہ ظلم توڑا تری گلی میں	کسی کو لا نہ مرتے مرتے وہ تنہا ہی کچھ خوب تنہا دم سے
چشمِ حسرت سے عدو کیا سربسر دیکھا کیے	دیر تک زخمِ جگر کو چارہ گر دیکھا کیے
اک سہارا وعدۂ امروز و فردا کا رہا	ہم تو یوں ہی جاذبہ دل کا اثر دیکھا کیے
غیر وفا پہ لطف کرکے نہ ہر دم دکھا مجھے	کھوتا ہے اپنے ہاتھ سے کیوں دلربا مجھے
دیتا ہے امتحانِ محبت مزا سے مجھے	جی چاہے جب تلک ترا تو آزما مجھے
شوقِ وصالِ یار نہ ہر دم دلا سے مجھے	جینے دے کوئی دن فلکِ فتنہ زا مجھے
میں جانتا تھا یہ کہ مرے ساتھ ہی یہ وضع	حالِ رقیب دیکھ کے صبر آگیا مجھے
لوٹا کروں میں بسترِ ہجراں پہ تا بکے	اے چرخ اس سے خاک ہی میں دے ملا مجھے
دلِ حیرت زدہ جھپکائے ہمارا کیا آنکھ	چشمِ آئینہ میں خواب آئے یہ کیا ممکن ہے
آتے اُسے دیکھا تو اک آفت نظر آئی	مرنے بھی نہ پائے کہ قیامت نظر آئی
وہ بُت نمک افشاں جو ہوا سینہ پہ میرے	زخموں کی جراحت مجھے راحت نظر آئی
اس بت کی تہِ تیغ جو ہیں سر کو جھکایا	جنت مجھے ہنگامِ شہادت نظر آئی

رہتے ہو کہاں ہمکو تو بتلاؤ حیا تم
سُنوائی ہمدموں نے تو لیسین وقتِ نزع
اے چرخ اور بھی تو ہیں عاشق جہان ہیں
دکھلاتے پھرتے ہیں وہ زمانہ کو میری لاش
اب جانِ پر ملال کے لاے ہیں ای حیا
قسم کھاتا ہوں ہیں تمکو محبت ہی رقیبوں سے
ہنگام نزع دیتے ہیں تسکیں ہمیشہ رفیق
مڑ مڑ کے دیکھتے ہیں وہ حسرت سے اپنی چال
اُلٹی چھری سے ایک تو کاٹا گلا مرا
تو بہ دھری رہے جو وہ آ بیٹھے اسے حیا
حالت نہ کیوں ہو غیر دلِ بے قرار کی
اب کیا دھرا ہے دینے کو تیغ نگاہ یار
اللہ رے سوزشیں نفس شعلہ بار کی
اے چرخ ابھی ملا نہ مری خاک خاک میں
رہ رہ کے دشت گردی کی آتی ہے جی میں لہر
کس کس سے روزِ حشر کو دامن چھپاؤ گے
ناکام تمنا ہوں مری آس نہ توڑو
اُلفت اسے کہتے ہیں کہ آپے میں نہیں تُم
وعدہ کیا ہے ایکدن آنیکا یار نے
کیا جانے روزِ حشر کو کھلتی نہ کھلتی آنکھ
رہا نہ داغ سے خالی کبھی ہمارا جگر

مدت میں ہے آج آپکی صورت نظر آئی
اور ہم یہ دل میں سمجھے کہ خط کا جواب ہے
یا کچھ ہمارے جی کا جلانا ثواب ہے
کہیا گلی گلی مرا مُردہ خراب ہے
کہتے نہ تھے کہ دل کا لگانا عذاب ہے
نگاہِ شرمگیں رمزیں کہے دیتی ہے چاہت کی
اب وہ کب آئے کب مرے عقدہ کشا ہوئے
اپنے خرام ناز پہ آپ بھی فدا ہوئے
تڑپا جو میں تو اور وہ اُلٹے خفا ہوئے
ہے کس کراعت بار کہ تم پارسا ہوئے
آنکھوں کے آگے پھرتی ہے تصویر یار کی
اِک جان تھی سو پہلے ہی تجھ پر نثار کی
پھونکیں ہیں ہڈیاں مرے جسمِ نزار کی
کھا لینے دے ہوا کوئی دن کوئے یار کی
بے چین کرتی ہیں مجھے موجیں بہار کی
لی ہیں تمھارے ناز نے جانیں ہزار کی
ٹھیرو کہ کوئی دم کے دم اور آہ و فغاں ہے
بیٹھے مرے پہلو میں ہو دشمن کا بیاں ہے
دوبھر نہیں ہیں اب ہمیں برسوں گزارنے
اچھا ہوا اُڑا دی جو نیند انتظار نے
چراغ عشق کا جلتا رہا سدا ہم سے

لبوں پہ جان ہے اسپر یہ کہہ نہیں سکتے ۔ کہ اب سہا نہیں جاتا ستم ترا ہمسے
جیئے تو ہم شبِ فرقت میں پر بُرے احوال ۔ بنی یہ شکل کہ ڈرنے لگی قضا ہم سے
محبت اب نہیں کرنیکے چرخ جا لے لُوٹے ۔ کہ آدمی ہی تو ٹھیرے ہوگئی خطا ہم سے
حیا بتوں کو ہم ایمان تک تو دے بیٹھے ۔ رہا وہ کیا کہ جو راضی رہے خدا ہمسے
دُنیا نہیں کہ جامے سے باہر نکل پڑے ۔ مشکل پڑے گی حشر میں گر ہم مچل پڑے
یوں سہنے کو ستم ترے سہتے ہیں غیر بھی ۔ میری طرح سہیں تو کلیجہ نکل پڑے
وہ آنکھ کیا جو روئے ہر اک بت کیواسطے ۔ کس کام کا وہ دل کہ ہر اک جا پھسل پڑے

انتخاب از دیوانِ دوم مرزا حیا دہلوی غیر مطبوعہ

یہ جمال گر نہ ہوتا تو یہ بات بھی نہ ہوتی ۔ کہ پرائے دل پہ ظالم تجھے اختیار ہوتا
حشر کچھ دنیا نہیں جو ظلم وہاں ہوجائیگا ۔ ہم بھی ہونگے تم بھی ہوگے سب عیاں ہوجائیگا
سُنتے ہیں موقوف ہونے کو ہے کعبہ کا سفر ۔ سنگِ اسود اسکا سنگِ آستان ہوجائیگا
یہاں تو یہ بھی تھا جفا کی چلا یا گھر چھپ رہا ۔ عرصۂ محشر میں ظالم گُم کہاں ہوجائیگا
ہم بتا دیں غیر کے ملنے کی تدبیر آپ کو ۔ گر پڑو پاؤں پہ جا کر مہرباں ہوجائیگا
وسلے ارمان جان کے ہمراہ لیجا لے اجل ۔ یہ اگر رہ جائینگے مُردہ گراں ہوجائیگا
جسنے کاٹا ہی گلا محشر میں کہہ بیگا وہی ۔ یہ جو خنجر ہے ترا تیری زباں ہوجائیگا
آنکھوں آنکھوں میں اشارے حشر میں ہوجائینگے ۔ دل ہی دلمیں سب حساب و داستاں ہوجائیگا
دل تو اندھا ہوگیا ہی اسکی اُلفت میں حیا ۔ اِسکی باتوں میں نہ آجی کا زیاں ہوجائیگا
مجھے بھی قیس جانا ہے جنونِ عشق نے شاید ۔ زباں پر نام تو لائے مرے چاکِ گریباں کا
ہماری سخت جانی نے یہ صورت کی دمِ کشتن ۔ کہ دانتے پڑ گئے مُنہ پھر گیا شمشیرِ بُرّاں کا
اسیرانِ محبت کی الٰہی خیر تو کیجیو ۔ کہ بیوقت آج اُس ظالم نے کھولا قفل زنداں کا
وہ اپنی جنبشِ ابرو پہ اب افسوس کرتے ہیں ۔ سمجھنے والا ٹکڑے ہوگیا اس رمزِ پنہاں کا

مرا رازِ دل نجاتا کبھی گوشِ آسماں تک ۔ جو نہیں دل سے باتیں کرتا نہ یہ آشکار ہوتا

محبت میں عدو کی کچھ نہیں ہوش اے حیا انکو / بیان کرتے ہیں وہ ہم سے شبِ عشرت کے ساماں کا

دل میں سہنے کا تکلر ہیں زباں اپنی بھیجوں / پیغامبر سے حال سنایا نہ جائے گا

کیا مانگتے ہو سینے میں کیا ہے دھرا ہوا / اک داغ ہے سو وہ بھی تمہارا دیا ہوا

اُنس کہتے ہیں اسے ساتھ لیے کہتے ہیں / دم ہمارا نزع سے پیکاں کے برابر نکلا

جب نالہ کھینچا آگ سی سینہ میں لگ گئی / جب آہ کی دھواں سا دہن سے نکل گیا

اپنے شکستِ عہد کا کچھ بھی نہیں خیال / ہم پر ستم جو شکوہ دہن سے نکل گیا

سینہ میں آج از سرِ نو پھر خراش ہے / شاید کہ تیر زخمِ کہن سے نکل گیا

اقرارِ وصل کیسا وہ انکار کر چکے / جو دل میں تھا وہ اُنکے دہن سے نکل گیا

برچھیاں دل میں لگاتی ہیں نگاہیں نیچی / دیکھیے اُٹھے جو اندازِ نظر کیا ہوگا

لاگ وہ آگ نہیں ہے کہ بجھا دے مجھے / عشق وہ شعلہ نہیں ہے کہ جو پنہاں ہوگا

وہ جفا کیش خبر بھی نہ ہوا اور ہم نے / جان دی تھی یہ سمجھ کر کہ پشیماں ہوگا

شیطان کو پیر جان کے بیعت کی شیخ نے / مرشد وہ تھے کہ لیگئے ایمان مرید کا

اب کوئی دم کی ہے مہمان مری ناکامی / مژدہ اسے شوقِ شہادت کہ وہ جلاد آیا

اے حیا ہم تو نہ محشر میں بھی منہ سے بولے / پاسِ رسوائیِ قاتل دمِ فریاد آیا

کیا ہوا اگر وصالِ یار ہوا / زیست کی طرح مستعار ہوا

وصل سے اور بڑھ گئی حسرت / صبر آیا تو بے قرار ہوا

ملتے ہیں وہ کیا کیا کفِ افسوس مرے بعد / ناپید بھی ایسا ہوں کہ پیدا نہیں ہوتا

دل وصل کا جویا ہے تو نظارہ کی آنکھیں / کس کس کا حیا مجھ پہ تقاضا نہیں ہوتا

جب وصل کا خیال کیا ہو گیا وصال / جب آنکھ ہم نے بند کی دیدار ہو گیا

تھی اک نگاہ میں مرے عقدے تمام حل / اتنا سا کام آپ کو دشوار ہو گیا

واللہ بس کہ درازیِ افسانہائے غم / محشر بھی ہو چکا مرا قصہ نہ ہو چکا

ہاتھ سینے پہ رہا بعد فنا بھی تا حشر
کرلیا وعدۂ وصل اور ملائی نہ نگاہ
یہ بات کیا ہے! جو ہر بات پر بگڑتے ہو
نہ ہو قتل کا حشر میں کوئی شاہد
کہاں تھی سر طور برق تجلّی
آج تو قامت ہے کیوں مجھے دم دیتے ہو
ہم بھی ہنگامۂ محشر میں دہائی دینگے
نہ موت ہجر میں آئی نہ مجھکو خواب آیا
آنسو نہ پوچھنے کوئی غمخوار آئے گا
کس کس کے منہ پہ حشر میں رکھتے پھروگے ہاتھ
دیکھینگے کیا تو حشر میں اور کیا کہینگے ہم
جاگے ہوئے فراق کے چونکینگے حشر کو
اِتنے پڑینگے ہاتھ گریباں میں حشر کو
بتخانہ وہ مقام عبادت ہے زاہدا
روز جزا ہے آج تو ظالم نہ چوکیو
شام شب فراق مجھے موت آگئی
خاک آسماں کی آنکھوں میں ڈالی غضب کیا
ساتھ ہی دل کے جگر بھی کہ ہے جدا
ہے یہ عصائے سبز جو اخط کے ہاتھ میں
خواب میں رات وہ گیسو نظر آئے پیچیا
کہاں یہ انداز حسن اے خدا لگتی بھی کبھی کہا کر

گور میں بھی دل بیتاب سے ہشیار رہا
دل سے اقرار رہا آنکھ سے انکار رہا
یہ شیوہ کیا ہے کہ جو تم نے اختیار کیا
مگر ہم نہ چھوڑینگے دامن کسیکا
وہ تھا سایۂ روئے روشن کسیکا
ہو چکا حشر تو پھر وعدۂ فردا کیسا
تم بھی دیکھوگے کہ ہوتا ہے تماشا کیسا
یہ کس عذاب میں ہوں ہیچ کیا عذاب آیا
پھر کام آئے گا تو دل زار آئیگا
ہر شخص وا کئے لب اظہار آئیگا
اُس دن کی کیا خوشی کہ جو اک بار آئیگا
جو آئیگا وہ نیند میں سرشار آئیگا
ہر غمزدہ کے حصہ میں اک دار آئیگا
تُو بھی گلے میں ڈال کے زنّار آئیگا
ہاتھ آئے حیا نہ وقت یہ زنہار آئیگا
اچھا ہوا کہ ہونے نہ پائی تمام رات
پہنچا گلی میں اُسکی ہمارا غبار آج
اور اک ترکش سے ظالم تیر کھینچ
اِک یہ بھی ہے حیا شجر مکر و فن کی شاخ
صبح اٹھتے ہی مرے سامنے آئی زنجیر
کہاں خدا اور کہاں وہ کافر خدا خدا کر خدا خدا کر

ملے ہم جو دوزخ میں جاکر بتوں سے
تو زاہد ہُوا خاک جنت میں جل کر

کون کہتا ہے کہ تم گھر سے نہ نکلو باہر
ہم تو کہتے ہیں کہیں جاؤ مگر یاں ہوکر

یہ میدان محشر ہے دُنیا نہیں ہے
کہ ٹکڑے اُڑا دو گے گھر سے نکل کر

ادا سے جان لیتے ہیں اجل کا کام کرتے ہیں
وہ اپنے سر کی یہ تہمت پرائے سر پہ دھرتے ہیں

وحشت کے ہاتھ ٹوٹیں جب دلکو چین آئے
سو چاک ہیں جگر میں سو چاک پیرہن میں

دریائے غم کی لہریں ای دل بُری بلا ہیں
رکھنا قدم سنبھل کر اس بحر موجزن میں

ہم سے زنداں میں عدو کو نہیں دیکھا جاتا
اُسکو گر فتنہ کیا ہے ہمیں آزاد کریں

جان و دل کر چکے پہلے ہی فدا اُسپہ حیا
اب دھرا کیا ہے جو ہم خاطر صیاد کریں

یارب مرے سیئے تو قیامت ہو چند بار
یعنی مرا بیان ستم مختصر نہیں

شب غم کچھ تو یہ حالت ہے کہ سب گریاں ہیں
منہ مرا دیدم ارباب وطن دیکھتے ہیں

بولتے منہ سے نہ کچھ یار کے منہ کو تکتے
آئینہ ہی تو خدا نے نہ بنایا ہمکو

اک بات پوچھتا ہوں اگر تم خفا نہ ہو
انسان کیا جو وعدہ کرے اور وفا نہ ہو

سو بار حشر ہو مرا جھگڑا ادا نہ ہو
سو بار فیصلہ ہو مگر فیصلہ نہ ہو

تم آؤ تو سہی مجھے صبر آہی جائیگا
ممکن نہیں مرض کی دوا ہو شفا نہ ہو

ضرب المثل ہے ہوتے ہیں معشوق بیوفا
یہ کچھ تمہارا ذکر نہیں ہے خفا نہ ہو

حور بنکر مرے لینے کو قضا آتی ہے
نفس سرد سے جنت کی ہوا آتی ہے

آج ہی دل کی نکالو حسرت
کل تو سُنتے ہیں قیامت ہوگی

بالیں سے ساری رات نہ جانے دیا اُسے
صد آفریں ہے ای نفس واپسیں تجھے

سکھیئے کہ بازپرس قیامت میں کس سے ہے
اب کون آنکھ نیچے کیئے شرمسار ہے

ٹھنڈے سانسوں نے بھی نہ کی تاثیر
کم مری سوزش جگر نہ ہوئی

کوئی دن رو دیا نہ میری مصیبت پر
لیکن اس بت کی چشم تر نہ ہوئی

علاج اس کا نہ ہو گا چارہ گر سے
رلا ہے چاک دل چاکِ جگر سے
نہ سینہ چاک ہے میرا نہ پہلو
نگاہیں لگ گئیں دلکو کدھر سے

اُسکے کوچے میں سمانا مری تقدیر میں تھا
ورنہ کیا بوجھ تھا مجھ میں کہ زمیں بیٹھ گئی
صدمہ ہجر سے گو جانِ حزیں بیٹھ گئی
دل سلامت رہے ہمت تو نہیں بیٹھ گئی
آج کل موت کو جادا کہیں پڑتا ہی نہیں
آئی اور کوچۂ قاتل کے قریں بیٹھ گئی
جان پر کھیل کے ارمان نکالا دل کا
آج ہم خنجرِ قاتل کے گلے سے مل آئے
ابھی وہ گئے ہیں دلکو قلق ابھی سے ہے
ابھی گئے بھی نہیں رنگ فق ابھی سے ہے

داغ سینے کے آبلے دل کے
پکے پھوٹے ہوئے ہیں چھل چھل کے
ایسے ہوتے ہیں ولولے دل کے
کیسے ٹکڑے کیے سلاسل کے
داغ سینے کے دل کے سوکھ گئے
پھول پژمردہ ہو گئے کِھل کے
رفتہ رفتہ عدم کو پہنچیں گے
سب مسافر ہیں ایک منزل کے
دوست کیسے قضا نہ آ کے پھری
کوئی آیا نہ وقت مشکل کے
ہو لیا ساتھ اس ستمگر کے
دل نے مارا مجھے حیا دل کے

آہ نکلی نہ وہ ہوئے گھائل ٭ دل میں ارمان رہ گئے دل کے

جگر پر کبھی ہاتھ دل پر کبھی
یونہی پیٹتے عمر بھر ہو گئی
نگاہِ وفا کا کسے اعتبار
جدھر تم نے دیکھا اُدھر ہو گئی
دمِ قتل دیکھی جو حسرت مری
تو قاتل کی بھی چشم تر ہو گئی
محبت میں وعدے سے پھرتے نہیں
ہوئی بات جو فتنہ گر ہو گئی
محبت بلا جی کی ہو جائے گی
حیا گر فلک کو خبر ہو گئی

حیات۔ مولوی محمد حیات خان ولد سید احمد خان رامپور کے رہنے والے پڑھے لکھے آدمی تھے۔ فن سخن میں ملک الشعرا خاقانی ہند ذوق دہلوی کے شاگرد تھے۔ اکثر نعتیہ کہتے تھے۔ فارسی میں بھی شعر کہنے کا شوق تھا سنہ ۱۲۸۹ھ میں انتقال

حیات

ہمارے نامۂ اعمال کی یہ صورت ہے

کیا۔ تین شعر درج ذیل ہیں۔

دیا ہے خلعتِ نور اُسکو حق نے	نچھوڑا جس نے دامانِ محمدؐ
مجھکو اُس چاند کے تصور نے	شب دیجور میں دکھایا چاند
جو نکہت اُس گلِ رعنا کے پیرہن میں ہے	نہ نسترن میں نہ گل میں نہ یاسمن میں ہے

حیدر

حیدر۔ نواب علی حیدر خان صاحب حیدر بریلوی شاگرد حضرت عبد القادر خان صاحب وحشی رامپوری۔ زیادہ حالات معلوم نہیں۔ دو شعر لطور نمونۂ کلام درج ذیل ہیں:

کثرتِ عشاق کا احوال کیا کیجے بیان	کوئے جاناں پر گماں ہے مصر کے بازار کا
محتسب بھی مست ہو کر توڑتا ہے جام مے	شیخ جی! دیکھا اثر یہ خانۂ خمار کا

حیدر

حیدر۔ میر حیدر علی خان لاہوری حضرت محبوب سبحانی شیخ عبد القادر جیلانیؒ کی اولاد میں تھے عیش و آرام سے زندگی بسر کرتے تھے۔ لبسا اوقات دہلی میں بھی رہا کرتے تھے۔ ایک مدت شاہزادہ شگفتہ بخت کے ساتھ بنارس میں مقیم رہے۔ زیادہ حال معلوم نہیں طبقہ دوم کے آخر شعرا میں تھے۔ یہ اُن کے اشعار ہیں۔

یہ رُتبہ رفتہ رفتہ عشق نے پہنچا دیا اپنا	کہ رونے پر مرے اب چاک ہنستا ہے گریباں کا
ارادہ ہے بجا سب کچھ اس چشم تر کا	خدا حافظ آج اپنے دیوار و در کا
لے سنگِ وحشت مجھپہ ہر خاص و عام نکلا	بارے جنوں کی دولت اپنا تو کام نکلا
دل سلامت رہے پھر ہمکو ہیں دلدار بہت	جب ہوئی جنس بکاؤ تو خریدار بہت

حیدر

حیدر۔ دلیر الدولہ محمد علیخاں فیروز جنگ بہادر نینتا پوری۔ معروف بہ مرزا حیدر شاگرد نواب رستم الملک مرزا محمد تقی خان ترقی۔ باشندہ فیض آباد مقیم لکھنؤ محمد رضا برق کے شاگرد تھے۔ بڑے ذی علم۔ ذکی۔ فہیم۔ اور نکتہ نواز فیاض رئیس تھے۔ شعرا اور دیگر باکمالوں کے بڑے قدر دان تھے۔ لطف النسا بیگم جنھیں نواب بیگم

صاحبہ مادر آصف الدولہ نے بیٹی بنا لیا تھا ان سے منسوب تھیں۔ ان کی اولاد لکھنؤ میں اب تک موجود ہے اور بیش قرار وثیقہ پاتی ہے سنہ ۱۲۶۷ھ میں انتقال کیا۔ شعر و شاعری کا بہت شوق تھا۔ مرزا اعلیٰ جاہ اور مرزا والا جاہ ان کے صاحبزادے تھے نواب مہدی حسین خاں آغا ابو صاحب مرزا اعلیٰ جاہ کے لڑکے ہیں۔ چند اشعار ان کے انتخاباً درج ذیل کئے ہیں ٭

اسے بچپن میں ہی کہتے تھے یوں ہم شادماں ہو کر	کہ یہ اک آفتِ جانِ جہاں ہوگا جوان ہو کر
جگہ دی چشم و دل میں آپ کو ہم نے نہ یہ سمجھے	کہ اک دن آپ بن بیٹھیں گے گھر میں میہماں ہو کر
سخاوت دشت گردی میں قدم کے ساتھ ہے اپنے	ہوا خاروں کو خلعت اپنا دامن دھجیاں ہو کر
نہ ہوتا تو کبھی گر برق کا شاگرد اے حیدر	جلاتا دشمنوں کو کس طرح آتش زباں ہو کر
کبھی بتخانے میں جاتے ہیں کبھی کعبے میں	دل ہی جائیگا ترے گھر کا پتہ ایک نہ ایک
وہ یہ کہتا ہے کہ ہے پاس تمہارے دل و دیں	دو تم ان دو میں سے ہم کو بھی بھلا ایک نہ ایک
ایک سے اشک گرے دوسری میں بھر آئے	چشم کا جام رہا اپنے بھرا ایک نہ ایک
لاکھوں بسمل ترے کوچے میں تڑپتے ہیں مگر	سر بکف اس پہ بھی آتا ہے نیا ایک نہ ایک
قیس و فرہاد پہ کیا عشق ہوا ور دنیا ہو	اب بھی کر جاتا ہے یاں نام وفا ایک نہ ایک

حیدر — حیدر۔ میرزا حیدر شکوہ حیدر گورگانی نبیرۂ مرزا سلیمان شکوہ خلف شاہ عالم ثانی غدر سے آٹھ دس سال پیشتر اپنے بھائی مرزا نور الدین شاہی کے ہمراہ لکھنؤ سے دہلی آئے تھے۔ حضرت بہادر شاہ کے مزاج میں بہت دخل کر لیا تھا۔ انہیں کی تحریک و صحبت سے بادشاہ کے خیالات شیعہ مذہب کی طرف رجوع ہو گئے تھے کچھ عرصہ قیام کے بعد لکھنؤ چلے گئے۔ فن سخن سے رغبت تھی۔ چند شعر نظر سے گزرے ان میں سے ایک شعر انتخاب کر کے درج کیا جاتا ہے ٭

ناز سے جب وہ چلتے ہیں پازیب سے آتی ہے یہ صدا	کافر کہتے ہیں اُنکو جو انکار قیامت رکھتے ہیں

حیدر — حیدر۔ آغا سید برہان الدین حیدر خان حیدر نبیرۂ صمصام الدولہ سید علی نقی خان

نیشاپوری - بعد انتزاع سلطنت اودھ نواب کلب علیخان والئ رامپور کی مصاحبت میں داخل ہو گئے تھے - منیر شکوہ آبادی سے تلمذ تھا - ۱۲۹۰؁ھ میں ۵۲ برس کی عمر تھی انکے بیٹے نتھے آغا جمیل تخلص کرتے تھے - یہ انکا کلام ہے ؎

اب سمجھے ہم کہ ہجر ہی کا نام تھا اجل	ننھے چھٹے تو تفرقۂ جان و تن ہوا
شکر ہے ظاہر و باطن میں نہ کچھ فرق رہا	ہو گیا چاک گریباں بھی جگر کی صورت
ہم بھی تو ہیں سرہانے پہ رکھے ہوئے حیلہ	کیا ڈر ہے جو سیدھی نہیں قاتل کی نظر آج
گریاں رہے کل تک دلِ گم گشتہ کی خاطر	کیا چاک کو روئیں گے مرے دیدۂ تر آج
کس طرح رہا یاد مجھیں خانۂ عاشق	لے جان جہاں بھول کے آئے ہو کدھر آج
دوستی داغ سے جگر کو ہے	درد سے دل نے آشنائی کی

حیدر - عالیجناب نواب حیدر علیخاں بہادر خلف اصغر نواب یوسف علیخاں بہادر والئ رامپور - آپ ۱۲۶۳؁ھ میں پیدا ہوئے تھے - نواب فردوس مکان نے نہایت توجہ سے جملہ علوم و فنون انھیں تعلیم کرائے بیس برس کی عمر تھی کہ سایۂ پدری سر سے اُٹھ گیا اور انکے بڑے بھائی نواب کلب علیخاں مسند نشین ہوئے - تھوڑے ہی دنوں میں اُن سے ناچاقی ہو گئی اور مخاصمت اس حد کو پہنچی کہ انھیں ریاست چھوڑنی پڑی - مدتوں کلکتے مرشدآباد دکن مختلف مقامات میں پھرتے رہے - بالآخر بعض اعلیٰ حکام کی وساطت سے نواب کلب علیخاں سے مصالحت ہو گئی اور ریاست میں چلے آئے - پھر چند سال بعد ضلع بدایوں میں ایک وسیع قطعۂ اراضی خرید کر (جسکا ملسی نام ہے) اُسے اپنا ٹھکانا بنایا اور تادم آخر وہیں رہے - علمی استعداد نہایت معقول تھی - نظم و نثر دونوں میں اچھا ملکہ حاصل تھا - جاودِ تسخیر نام افسانہ آپ ہی کی تصنیف سے ہے - فن سخن میں آپ زکی کے شاگرد تھے اور فی الجملہ نہایت طبیعت دار ذہین رئیس تھے - انکی تصانیف میں نازک خیالی بندش کی نفاست - اور زبان کی صفائی کے علاوہ بیان کا طریقہ نہایت دلکش اور موثر

ہے۔ آپنے سنہ ۱۹۰۲ء میں بعمر ۷۰ سال انتقال فرمایا۔ ۴ صاحبزادے یادگار چھوڑے خلف اکبر چھمن صاحب راقم سے ملاقاتی ہیں۔ افسوس کہ صرف چند شعر ملے حاضر کیے جاتے ہیں

بامزہ زیست کا قسمت میں جو ساماں ہوتا	درد ہی ہر رگ و پے میں ہے عوضِ جاں ہوتا
سادے انداز پہ قاتل کے ہیں کتنے مرتے	کیسی ٹھیرے گی اگر ہاتھ میں خنجر آیا
ہے نزاکت آنکھ سے دیکھی نہ کانوں سے سُنی	دل میں آسکتے نہیں آنکھوں میں پھر سکتے نہیں
ذرا انصاف کر یہ شرم ہے او بیوفا کیسی	پھر آ آنکھوں میں جب تو بے تکلف پھر چکا کیسی

ظلم سہنا اسقدر اچھا نہ تھا	ہمنے خود عادت بگاڑی آپکی
تھی مقدر میں اگر گردشِ افلاک ہی تھی	اُسکے کوچے میں بھی اک روز رسائی ہوتی

قصیدہ در تعلی خود

اللہ نے بخشی ہے زباں کو مری تاثیر	الہام کے مضموں میں اعجاز کی تقریر
ہیں طوطی شکر شکن ہند ہوں گویا	ہے بلبل شیراز کو واجب مری توقیر
سلطانِ فصاحت ہوں شہنشاہ بلاغت	باتیں مری جوہر ہیں زباں ہے مری شمشیر
ہمنام ہوں اُس کا جو ہے اژدر کا درندہ	گردوں کو بلا تی ہے مرے نام کی تاثیر

حیدر — حیدر۔ منشی حیدر علی مرحوم خلف منشی غلام نبی مرحوم بن سند خان مرحوم جو ولندیزوں کے عہد میں دہلی سے ہوگلی آئے تھے اور پھر وہیں سکونت اختیار کر لی تھی۔ بڑے ظریف آدمی تھے۔ فن سخن سے طبیعت کو لگاؤ تھا۔ سنہ ۱۲۷۵ھ سے پیشتر انتقال کر چکے تھے۔ یہ اُنکے اشعار ہیں +

کھڑا ہو کر مری بالیں پہ وہ رخصت جو ہوتا ہے	نظر آتا ہے حیدر نزع میں جلوہ قیامت کا
حالِ دل گر کہوں تو کہتا ہے	شوق مجکو نہیں کہانی کا
سست پیری میں کیوں ہوا حیدر	کیا ہوا ولولہ جوانی کا
سنگ ہاتھوں میں لیے ہیں ساتھ طفلاں جسمیں	میں وہ دیوانہ ہوں پریوں کا اکھاڑا ساتھ ہے

ایک بوسے کے لیئے اتنا بگڑتا ہے کوئی
توہی منصف ہو بھلا انصاف تیرے ہاتھ ہے

حیدر

حیدر - جناب نواب حیدر علیخان صاحب بہادر رئیس قلعہ شاہجہانپور - آپکو حضرت جلال لکھنوی سے تلمذ رہا ہے - زیادہ حالات معلوم نہیں نمونہ کلام درج ذیل ہے -

یہ در پردہ ہے حسرت محرم کی خواہش
کہ سانچے میں ڈھلجائے جوبن کسیکا

ارادہ ہے یہ خونِ ناحق کا اپنے
نہ چھوڑوں گا تا حشر دامن کسیکا

کوئی چھپکی ہی سے کلیجے ہیں
یونہی پھوٹیں کچھ آبلے دل کے

اُسے کیونکر ہیں دیکھوں بے تکلف
نظر کا ڈر ہے اپنی بھی نظر سے

راہ کب دیکھتے ہیں جان سے جانیوالے
یار تو چلدیئے آتے رہیں آنے والے

امتحاں آور کا تو ہم نہیں ڈرنے والے
تُم نے شاید ابھی دیکھے نہیں مرنیوالے

ہوش تھم کر کے نہ گھبرائے ذرا جاؤ تو پاؤ
آہی جاوینگے کبھی آپ ہیں آنیوالے

دل کو تھام لیں مضبوط جگر کو کرلیں
ہاتھ روکے ہوئے اور پردہ اُٹھانیوالے

ایک الزام مجسم ہیں تمہارے بیمار
لیئے مرتے ہیں مسیحا کو بھی مرنے والے

حیدر

حیدر - جناب شیخ حیدر خیر صاحب ساکن بارولہ - آپکے حالات کچھ معلوم نہیں نمونہ کلام ملاحظہ کیجیے

عطا و فیض کا یارب ترے حساب نہیں
وہ کون ہے جو زمانے میں فیضیاب نہیں

یہاں تو وصل کا یہ شوق ہے کہ تاب نہیں
سوا نہیں اُسکے وہاں اور کچھ جواب نہیں

نہ توڑ سخت کلامی سے محتسب اس کو
یہ مسکینوں کا ہے دل شیشۂ شراب نہیں

ہزاروں پھرتے ہیں دیر و حرم میں آوارہ
ہمیں کچھ ایک رہِ عشق میں خراب نہیں

عرق آگیا ہے جو بلبل کو رحم کر صیاد
چھڑک دے پانی بہتر اگر گلاب نہیں

عبث نہ خوفِ عقوبت دلا مجھے ناصح
فراقِ یار سے بڑھکر کوئی عذاب نہیں

یہ دل میں فکر ہے تشبیہ دیں تو کس سے دیں
کمر کا مثل دہن کا ترے جواب نہیں

بہار میں سر توبہ کو مسکینو! توڑ دو!!
کہ اس سے بڑھکے کسی کام میں ثواب نہیں

خدا کے واسطے منہ سے کبھی تو کہتے ہاں
ہر اک سوال کا میرے ہے کیوں جواب نہیں

نہیں شمار ہے جس طرح تیری رحمت کا
یونہیں ہمارے گناہوں کا بھی حساب نہیں

حیدر

حیدر۔ حیدر نواب نام۔ نواب مرزا ثریا قدر خلف شاہزادہ سلیما نقدر برادر واجد علیشاہ کے ہاں ملازم تھے سنہ ۱۳۱۴ھ میں شاید حیات تھے۔ یہ تین شعر انکے کلام کا نمونہ ہیں

نکی کچھ قدر جیتے جی سنا جب مر گیا مجنوں
گریباں چاک کر کے لیلیٰ بے پردہ نشیں نکلی

پس مردن خدا سے کس طرح چھپتے گنہ میرے
سند لکھی ہوئی پیش کراماً کاتبیں نکلی

پس مردن مری تربت پہ پڑھنے فاتحہ آئے
یہ دلکی آرزو بعد فنا زیر زمیں نکلی

حیدر

حیدر۔ منشی مصطفےٰ حیدر۔ حیدر خلف مولوی غلام حیدر مدرس مدرسہ عالیہ کلکتہ و سررشتہ دار کالج فورٹ ولیم وطن انکا چاٹگام تھا اور مولوی عبدالغفور نساخ کے شاگرد تھے سنہ ۱۲۷۵ھ میں کلکتہ میں ملازم تھے نمونہ کلام ہے

دل سب کے مرا صاف نکر جاتے ہیں کیسا
جب مانگوں تو جھنجھلا کے یہ فرماتے ہیں کیسا

ذرا سینے پہ میرے ہاتھ دھر کر دیکھتے جاؤ
دھڑکتا ہے کلیجہ دل ہے مضطر دیکھتے جاؤ

غنچوں نے کان بھی نہ رکھا آہ و نالہ پر
بلبل کو چٹکیوں میں اڑائے چلے گئے

ادھر تو دیکھو نہ بولو ذرا سنو تو سہی
شب وصال ہے کیسی حیا سنو تو سہی

بس قتل عاشقاں پہ نہ بیڑا اٹھائیے
لاکھوں کا خون ہوگا نہ لاکھا جمائیے

حیران۔ میر حیدر علی حیران شاہجہاں آبادی۔ آپ راجہ نکبت رائے رئیس لکھنو کی سرکار میں ملازم اور منشی سروپ سنگھ دیوانہ کے شاگرد تھے۔ صوبہ بہار میں آصف الدولہ کے زمانے میں قتل ہوئے اور اپنے قاتل کو بھی اپنے ہمراہ لیگئے۔ شوق سنہ ۱۲۱۰ھ میں لکھتے ہیں کہ آصف الدولہ کی سرکار کے واصلباقی نویس رائے میکولال سے توسل رکھتے تھے۔ رائے مذکور کی وفات کے بعد برس چھ مہینے روزگار کی طرف سے پریشان رہے لیکن حسن اتفاق سے نواب آصف الدولہ ان پر اسقدر مہربان ہوئے کہ بجائے ۳۰ کے ۱۰۰ روپیہ مشاہرہ کر دیا اور سو سوار انکے تحت میں کر دیئے جس سے انکی بسر اوقات بخوبی ہونے لگی۔ کلام انکا یہ ہے

ہم لبِ گور ہوئے خوں ہو جگر اس غم سے
صبح ہر روز اسی غم میں ہمیں ہوتی ہے شام
دکھ اس سے کون کہے تاب التماس کہاں
ہوا ہے اب تو نئے دوستوں سے ربطِ دلی
یہ کب کہتا ہوں میں تمکو نہ لے آرام جان جاؤ
ترے کوچے کی ہیرا پھیری میں دن اپنا کٹتا ہے
لگا جو حال کہنے اس سے ہیں منہ سے وہ یوں بولا

کرنی اس غنچہ دہن سے نہ ہوئی بات نصیب
آہ جاگیں گے مرے کون سے اب رات نصیب
کہاں ہیں ہوش بجا۔ دل کہ پھر حواس کہاں
نہیں اب آنے کو فرصت ہمارے پاس کہاں
مرا جی ٹک نکل سے پھر جہاں چاہے تہاں جاؤ
وہاں جاؤ یہاں آؤ۔ یہاں آؤ وہاں جاؤ
مجھے آتی ہے نیند اب کہہ چکے تم داستان جاؤ

کل کہا میں نے میرے گھر چلئے
سُن کے تیوری بدل لگا کہنے
مجھ سے کہتا ہے میرے گھر چلئے

اس میں کچھ کم نہ ہوگی محبوبی
رسم و راہِ ادب تو سب ڈوبی
دیکھنا اختلاط کی خوبی

حیران

حیران۔ حافظ بقاء اللہ خلف حافظ ابراہیم۔ یہ دونوں باپ بیٹے خط نسخ و نستعلیق خوب لکھتے تھے شعر و سخن کا بھی مذاق تھا ۱۲۴۸ھ میں زندہ تھے۔ یہ اُنکے کلام کا انتخاب ہے

جان بلب ہیں جی چلا جاتا ہے غش طاری ہے آہ
تا فلک پہنچی وے کچھ دل میں نہ سکے جا لگی
بعد مرنے کے یہ خواہش ہے مری اے دوستو
گرد تربت کے ہو اک آئینہ اور طوطی یک بیک
کہدو مرے مزار پہ کوئی نہ لائے گل
حیراں کو بعد مرگ تکلف نہیں ضرور

ق

جلد آ ظالم نہیں ہے وقت یہ تاخیر کا
آہ یہ دیکھا اثر اس آہِ بے تاثیر کا
کچھ نہ خواہش مند ہوں عزت کا نے توقیر کا
تا کہ جانے ڈھیر ہے حیرانِ خوش تقریر کا
چھاتی پہ میری داغ ہیں کافی بجائے گل
اک مشت استخواں ہے کہیں پیکے داب دو

حیران

حیران۔ قاضی محمد خلیل خلف خان بہادر مولوی قاضی عبد الجمیل صاحب مرحوم متخلص بہ جنوں رئیس اعظم بریلی ۲۷ صفر ۱۲۸۶ھ کو پیدا ہوئے ۲۱ سال کی عمر تک علوم درسیہ کی تحقیل کی اُسکے بعد ریاست کے انتظام میں مصروف ہوگئے۔ گورنمنٹ اور پبلک کے

بھی اکثر انتظام آپکے سپرد ہیں۔ شہر میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ فارسی اور عربی میں کافی دستگاہ ہے۔ معقول و منقول پر اچھی طرح عبور ہے۔ شاعری کا ابتدائی عمر سے شوق ہے۔ قاضی خلیل الدین حسن صاحب حافظ۔ حافظ آبادی کے تلمیذ رشید ہیں۔ نثر لکھنے میں خاص کمال حاصل ہے۔ نامہ نگاری کا بھی شوق رہا ہے۔ نثر میں شوخ بیجاپن بریلوی کے شاگرد ہیں۔ صنعت و حرفت میں خاص مذاق ہے۔ اکثر فنون میں دخل ہے۔ ۱۸۹۸ء میں حاذق الملک حکیم عبد المجید خاں صاحب کے طلب و تقاضے پر بغرض علاج و سیر دہلی تشریف لائے تھے اور انکے علمی جلسوں اور بے تکلف صحبتوں میں ہر وقت شریک رہتے تھے ایک روز چند شاعر جمع تھے جن میں سیّد مہدی حسین صاحب مجروح قابل ذکر ہیں۔ شاعری کا تذکرہ ہوا۔ سب صاحبوں نے کچھ نہ کچھ نظم کیا قاضی صاحب نے بھی چند رباعیات فی البدیہہ لکھیں جن میں سے ایک ہدیۂ ناظرین ہے ؛

اے بوسعید حاذق ملک و وحید خلق	یکتا توئی۔ وحید زمان و فرید خلق
محمود دہر و صادق عہد و شریف وقت	عبد المجید۔ عبد مجید و مجید خلق

اسی طرح پھر ایک مرتبہ چند شعرا کا مجمع تھا۔ منشی اسمٰعیل حسین منیر کے قصیدہ فریاد زندانی کا تذکرہ تھا۔ احباب نے قاضی صاحب سے بھی فکر فرمانے کا اصرار کیا۔ چنانچہ آپنے ایک بہت طویل قصیدہ اسی زمین میں رقم فرمایا۔ راقم تذکرہ سے دو بار ہنگام قیام دہلی ملاقات ہوئی۔ بڑے خلیق۔ ملنسار۔ نیک طینت شخص ہیں۔ قاضی صاحب نے اپنے کلام کا جو انتخاب عنایت کیا تھا درج ذیل کیا جاتا ہے۔

جہاں دیکھا نئے انداز سے وہ شوخ عریاں تھا	نگہ میں نور تھا۔ پہلو میں دل تھا دلمیں ارماں تھا
نہ تھا پردہ دست شوق نے ٹکڑے اڑادیے	حجاب روئے روشن دم میں عاشق کا گریباں تھا
ہوا ترک تعلق اب کہاں وہ لطف بے لطفی	مزہ عالم کا اے ظالم تری کاوش میں پنہاں تھا

نہ دیکھا آنکھ اٹھا کر بھی کسی نے وائے ناکامی
ہمارا دستِ وحشت بھی کہیں بیکار رہتا ہے
ہماری کشتئ عمرِ رواں پہنچی تو کیا پہنچی
ہمارے سامنے ای قیس کیوں لیتا ہے وحشت کی
اڑائیں دھجیاں ایسی جنھوں نے دستِ وحشت سے
بجز خارِ تمنا کچھ نہ پایا باغِ عالم میں
کیا رازِ حقیقت نے مجھے حیراں اے حیراں
پردہ عارضِ محبوب تو اٹھتا دیکھا
کیا خطا مجھ سے ہوئی کس لیے اتنا بگڑے
یہ عیادت بھی زمانے سے نرالی پائی
بند کی آنکھ تصور میں تو پردے اٹھے
برقِ دیدار کی شوخی کو کہوں کیا حیراں
بادِ صرصر لے چلی میرا جنازہ دوش پر
خود جھکا دی میں نے گردن جب کھنچی تیغِ ادا
رو دیئے ناسور جب سینے سے نکلا تیر یار
ہیں قیامت ہجر کی افتاد کی بے تابیاں
جلوۂ دیدار سے اپنی تو آنکھیں کھل گئیں
دامنِ صحرائے وحشت کی اڑا دیں دھجیاں
اور بڑھائیں کسی زلفِ گرہ گیر کے پیچ
انھیں ٹھیرنے نہیں دیتیں شوخیاں انکی
بنا دیا ہے زمانے کو وادیئے ایمن

کوئی پہچان نہ تھا۔ بیتاب تھا مضطر تھا حیراں تھا
نہ جب باقی رہا اپنا۔ تو ناصح کا گریباں تھا
شبِ فرقت کا رونا تھا کہ اک سچ مچ کا طوفاں تھا
گریباں ہم بھی رکھتے تھے کبھی اپنا بھی داماں تھا
گماں تک بھی نہیں ہوتا گریباں تھا کہ داماں تھا
گلوں کا ذکر کیا کانٹوں سے بھی محرومِ داماں تھا
جو ہر ذرہ میں ظاہر تھا وہی آنکھوں سے پنہاں تھا
اب کسے ہوش رہے جو یہ کہے کیا دیکھا
کیا کہا کس نے کہا کس نے سنا کیا دیکھا
بگڑے بیٹھے ہیں کہ ہمنے تمھیں اچھا دیکھا
چشمِ مشتاق سے چھپکر ترا جلوہ دیکھا
بن گئے آپ تماشا وہ تماشا دیکھا
خاک ہو کر جب میں بیٹھا خاک ہی ہو کر اٹھا
خود گلے لپٹا لیا جب ناز سے خنجر اٹھا
ہنس دیئے زخمِ جگر جب چھیڑ کر نشتر اٹھا
اشکِ غم پیکر گرا میں دردِ دل پیکر اٹھا
کیا ہی تھی حضرت موسیٰ کے غش آنیکی بات
رہ گئی خوش قسمتی سے تیرے دیوانے کی بات
کام آجائیں الٰہی مری تقدیر کے پیچ
جو سکے دلکی طرح بھر گئے نظر کی طرح
نہ برقِ طور بھی چمکی تری نظر کی طرح

نصیب سے وہ دلِ دردآشنا پایا
تم وہ تمھارے ہاتھ میں عالم کی جان ہے
گریہ ہمارا مانع دیدار ہو گیا
نالہ و آہ سے چھائی وہ دھواں دھار گھٹا
دیکھ پردہ نہ اٹھا۔ جلوۂ تاباں نہ دکھا
انکی باتیں سخت اپنا قلبِ مضطر آئینہ
سامنے سے جو بلا آئی وہ گویا اس میں تھی
لاکھ الفت کو چھپاؤ پھر بھی صورت شکل سے
جس طرف دیکھا اسی کا عکس ہے جلوہ فگن
ہو گیا آخر وہ خود بھی حسن کے نشہ میں مست
طور ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا موسیٰ کو غش آ گیا
یہ اگر سچ ہے کہ دلکی دلکو ہوتی ہے خبر
ہم جلائے دل پہ نازاں تم صفائے رخ پہ غش
اور کیا آئینہ بندی ہو در و دیوار کی
رازِ الفت کیا چھپے جب اشکِ حسرت ہو رواں
موت کی صورت نظر آنے لگی تلوار میں
تمھارے مرنیوالوں کی تمنا بھی کہیں نکلی
مسخر کر لیا تیری محبت نے ارادوں کو
گئے تم غیر کے گھر یہ نہ آئی دل سے تک بھی
نہ ہو مجھسا بھی بدقسمت کہ مرتے دم تک آخر نہ آپ
دیوانے ہیں جو لیتے نہیں جنسِ محبت

جو بات بات میں بھر آئے چشمِ تر کی
ہم وہ کہ اپنا دل بھی نہیں اختیار میں
تارِ نگاہ الجھے ہیں اشکوں کے تار میں
سحرِ غم پہ یہ دھوکا ہے کہیں شام نہ ہو
پرتوِ رخ سے کہیں طور ترا بام نہ ہو
ٹکڑے ٹکڑے کیوں نہ ہوتا چوٹ کھا کر آئینہ
کس بلا میں ہوں صفائے دل سے بنکر آئینہ
دلکی باتیں ہو ہی جاتی ہیں عیاں ہر آئینہ
دو جہاں جلووں سے اسکے ہے سراسر آئینہ
گر گیا ہاتھوں میں اسکے کارِ ساغر آئینہ
تاب لایا انکے نظارہ کی کیونکر آئینہ
کیوں نہیں ہے تم پہ حالِ قلبِ مضطر آئینہ
ہے تمھیں پر منصفی کس کا ہے بہتر آئینہ
انکی محفل آئینہ۔ وہ آئینہ۔ گھر آئینہ
دیدۂ تر آئینہ ہے۔ دامنِ تر آئینہ
بنگیا لوہا کفِ قاتل میں آ کر آئینہ
اگر نکلا تو دم نکلا مگر حسرت نہیں نکلی
ہوئے جب شکوہ کرنیکو زباں سے آفریں نکلی
تمھاری آرزو مٹنے زیادہ شرمگیں نکلی
نہیں نکلی نہیں نکلی مری حسرت نہیں نکلی
سودا ہے جو اس سودے کا سودا نہیں کرتے

بوسے کا سوال اُن سے میں کرتا تو ہوں حیراں
سچ ہے مثل کہ سو کو ہرا تی ہے ایک چپ
پردہ اُٹھا تو اور بڑھا رعب حسن کا
اس پہ گمانِ جور ہو یا رحم کا یقین
میرے ضمیر میں جو ملا یا ضمیرِ عشق

اب دیکھئے ہاں کرتے ہیں وہ یا نہیں کرتے
کیا بات ہے ترے دہن لاجواب کی
ہے بیحجابیوں میں بھی صورت حجاب کی
انداز مہر کے ہیں ۔ نگاہیں عتاب کی
مٹی پکار اُٹھی مری مٹی خراب کی

شوخ کچھ ایسی نگاہِ یار ہے
التجا ۔ منت ۔ سماجت ۔ عاجزی
داد خواہی کے لیئے آیا ہے کون
سجدہ کیا ہو وہ قدم ملتے نہیں
حشر میں بے پردہ آنا ہی پڑا
اُسکے چہرہ کی تجلی ہے غضب

پیار میں بھی لڑنے کو تیار ہے
سامنے اُس بُت کے سب بیکار ہے
حشر میں بھی خواہشِ دیدار ہے
نقشِ پا میں شوخیٔ رفتار ہے
انتقام حسرتِ دیدار ہے
پردہ دار جلوۂ دیدار ہے

حیران

حیران ۔ شاعر فصیح البیان منشی رام نراین صاحب حیرآن دہلوی ۔ آپ قوم کے کھتری اور منشی میگو سنگھ کے فرزند ہیں ۔ شعر خوب کہتے ہیں اور اس فن میں نواب فصیح الملک بہادر سے ارادت رکھتے ہیں ۔ علمی استعداد بہت معقول ہے ۔ فنِ طب میں بھی اعلیٰ درجے کی دستگاہ حاصل ہے حکیم بہار الدین خان سے اس فن میں استفادہ کیا ہے اجمیر میں مطب کرتے ہیں ۔ راقم السطور سے دہلی اور اجمیر میں بارہا ملاقات ہوئی ۔ مذاق سلیم اور فکر رسا کے ساتھ خلیق بھی انتہا کے ہیں ۔ ۴۵ ۔ ۴۶ برس کی عمر ہوگی ۔ طبابت کے علاوہ ریلوے کے دفتر میں ملازمت کا سلسلہ بھی ہے ۔ کلام سے معاملہ بندی کے دلدادہ معلوم ہوتے ہیں ۔ زبان پاکیزہ اور ٹکسالی ہے ۔ اسلوب بیان بھی اچھا ہے ۔ کہیں کہیں مضمون کی طرف بھی میلان طبع پایا جاتا ہے غرض ایک حد تک تمام خوبیاں آپکے کلام میں موجود ہیں اشعار موصولہ کا انتخاب ملاحظہ ہو ؛؛

یوں تو ہونے کو کیا نہیں ہوتا
ایک میرا کہا نہیں ہوتا

اپنی عادت نہیں شکایت کی
اپنے منہ سے گلہ نہیں ہوتا

یار سے خوب ہے تصورِ یار
مجھسے دم بھر جدا نہیں ہوتا

غیر تو غیر ہیں مصیبت میں
آشنا آشنا نہیں ہوتا

شکلِ تصویر چپ ہو کیوں حیران
کوئی فقرہ نیا نہیں ہوتا

ہرگز نہ بات طنز کی لانا زبان پر
جانباز کھیل جاتے ہیں باتوں میں جان پر

للہ کان دیجے اسے آپ سن تو لیں
اک حرفِ آرزو ہے کسی کی زبان پر

حیراں ہے فکر کیا تجھے کچھ منہ سے پھوٹ تو
کیوں آج مہر لگ گئی تیری زبان پر

کبھی لائے نہ خاطر میں نہ اب خاطر میں لاتے ہیں
مجھے تو چٹکیوں میں آپ ہنس ہنس کر اڑاتے ہیں

نہ اب وعدہ بھی دیکھیں وہ نہیں آتے کہ آتے ہیں
تجھے اے جذبِ الفت آج ہم اور آزماتے ہیں

مضامیں صاف ہوں ستھری زباں ہو حضرتِ حیراں
غزل بزمِ سخن میں آئینہ رو سننے آتے ہیں

مجھ سے اقرار نہیں غیر سے وعدہ بھی نہیں
پھر سرِ شام یہ کیوں تم نے نکھارا جوبن

دیکھ کر آئینہ کہتے ہیں مرے دیکھنے پر
ڈھل گیا دیکھتے ہی دیکھتے سارا جوبن

مال و دولت کا تو ہوتا ہے بھروسا سب کو
ان حسینوں کا ہے لے دیکے سہارا جوبن

سمجھنے والے دل ہی دل میں اپنے خود سمجھ لیں گے
زباں سے کچھ نہیں کہتے تو کہہ دیتے اشارے ہیں

کلامِ حضرتِ حیراں کی جب تعریف کی ہم نے
تو فرمایا وہی حیراں! ہمارے جاں نثاروں میں

گلرخوں کے ہیں عجب ڈھنگ نرالے انداز
جس سے ملتے ہیں اسے رنج سوا دیتے ہیں

وہ دل ہی کیا جو عشق کی چیٹک لگی نہ ہو
وہ زندگی ہی کیا ہے جو دلبستگی نہ ہو

پہلو میں بیٹھ کر مرے لیتے ہیں چٹکیاں
وہ بات کر رہے ہیں کسی نے جو کی نہ ہو

کوئی کسی سے اوپری دل سے ملا تو کیا
ملنے کا لطف جب ہے کہ دلمیں دوئی نہ ہو

کہنا کسی کا مانئے وہ عرضِ وصال پر
ہمسے تو آج تک کبھی ایسی ہوئی نہ ہو

بیداد ایسی کیجئے وہ کیجئے جفا
حیراں یہی شعار ہوا اپنا تو خوب ہو

دیکھی نہ ہو جو آنکھ سے کانوں سُنی نہ ہو
نیکی نہ ہو سکے تو کسی سے بدی نہ ہو

مر گئے تو مٹیں تمنائیں
نکلے ارمان خاک میں مل کے

اک بت کافر کو دل دیکر پشیمانی ہوئی
ہو گئی عشقِ بتاں میں اسقدر حالت زبوں

ہمنشیں اٹھو جو ہونی تھی وہ نادانی ہوئی
دیکھکر حیراں کی صورت سخت حیرانی ہوئی

وہ مرے پہلو میں ہنستے آئے ہیں
آگئے نا- چال میں اغیار کی

رات دن روتا تھا میں جنکے لیے
ہم تو روتے تھے اسی دن کے لیے

کیوں نہ دلکو رنج ہو کیونکر نہ دل پر غم رہے
ایسی کیا خوبی ہے دنیا ایسی تجھ میں کیا ہے بات
جس طرح بتیس دانتوں میں یہ رہتی ہے زباں
دشمنوں پر بھی نہ مانے تم دلِ ناشاد کی
مر گئے تو جان سے اپنی گئے پروا نہیں

آپ صاحب مہرباں یوں بے سبب برہم رہے
چھوڑ کر جنت کو آخر حضرتِ آدم رہے
آپکی خاطر سے بزمِ غیر میں یوں ہم رہے
پھر وہی تم نے جفا کی پھر وہی بیداد کی
ہو گئی تعمیل لیکن آپ کے ارشاد کی

مری آہ کیوں بے اثر ہو گئی
بہت دلکو حیراں بچایا مگر
برچھیاں جب نگہ کی چلتی ہیں
دل ہی جب اپنا جا ملا اُن سے
وہ چمن ہی نہیں رہا حیران
ایک سر سینکڑوں ستم کے لیے
رنجِ فرقت بھی رشکِ دشمن بھی

اسے بھی کسیکی نظر ہو گئی
وہ ترچھی نظر کارگر ہو گئی
دل پہ رہتا ہے اختیار کسے
غیر کا پاس و اعتبار کسے
دے صبا مژدۂ بہار کسے
ایک جاں ہے ہزار غم کے لیے
کیا مصیبت ہے ایک دم کے لیے

منہ اٹھائے دلِ بیتاب کدھر جاتا ہے
سر کھپانے سے تجھے ناصحِ ناداں حاصل

کوئے قاتل ہے یہاں بات پہ سر جاتا ہے
اس سے سودائے محبت کا اثر جاتا ہے!

درد اٹھتا ہے مرے پہلو میں کیوں تھم تھم کر
آج مہمان کوئی غیر کے گھر جاتا ہے

تم نہ آئے شب وعدہ تو کوئی مر نہ گیا
بات رہ جاتی ہے اور وقت گزر جاتا ہے

غیر اور آپکے حیراں کو دکھائیں آنکھیں
آپکا منہ ہے جو کچھ پاس وہ کر جاتا ہے

قرینہ کا مذاق اچھا سلیقہ کی ہنسی اچھی
پسند خاطر احباب ہو وہ دل لگی اچھی

نگہ شرمیلی اچھی ہے طبیعت چلبلی اچھی
گلہ در پردہ اچھا اور زیر لب ہنسی اچھی

کھٹک ہو درد الفت کی وہ غم اے ہمنشیں اچھا
خوشی جسمیں کسیکی مہرباں وہ ہی خوشی اچھی

وہ آئیں یا نہ آئیں مشغلہ اچھا ہے رہنے دو
تصور ہی سے آنکھے ہو رہی ہے دل لگی اچھی

جو اشہر خموشاں ہو گیا آباد قدرت سے
خدا کی شان ویرانے میں یہ بستی بسی اچھی

یہ ہیں دونوں کے دونوں عاشق ناشاد کے دشمن
نہ صبح وصل اچھی ہے نہ شام بیکسی اچھی

ہمیشہ خوف کھانا چاہیئے ابرو و مژگاں سے
کماں کی راستی اچھی نہ تیروں کی کجی اچھی

ہے مے مغرور اک عالم ہو اپنی کسر شان سمجھیں
نہ اتنی سرکشی اچھی نہ اتنی عاجزی اچھی

جہاں اک جام مے بھر کر پیا جلوے نظر آئے
یہ شغل اچھا مرا زاہد کہ تیری بندگی اچھی

یہ جو کچھ ہے جناب داغ کا ہی فیض سب حیران
سخنور سنکے کہتے ہیں غزل تو نے لکھی اچھی

کچھ اچھی میری پھر برگشتہ قسمت ہونیوالی ہے
کسی اچھے سے پھر صاحب سلامت ہونیوالی ہے

کبھی تو دو قدم تم ناز سے چلکر دکھا دیتے
بہت مدت سے سنتا ہوں قیامت ہونیوالی ہے

عدو کی ذلتیں سنکر نہ حیراں دلمیں خوش ہونا
تمہارے حال پر بھی کچھ عنایت ہونیوالی ہے

حیران

حیران۔ منشی محمد حسین خانصاحب تنکوہ آبادی ملازم ریلوے گورنمنٹ پولیس اندور خلف منشی محمد اعظم خانصاحب داروغۂ آبکاری شاگرد نواب فصیح الملک بہادر داغ دہلوی۔ آپ ناولسٹ بھی ہیں "شاہد رعنا" اور "کرشمۂ شباب" وغیرہ کئی ناول شائع کرچکے ہیں۔ رسالہ "جلوۂ حیراں" کے اڈیٹر ہیں۔ عنفوان شباب سے آپ کو شعر و شاعری کا شوق ہے۔ صاحب دیوان ہیں مگر دیوان ہنوز غیر مطبوعہ ہے کلام سادہ ہے اور خاصہ کہہ لیتے ہیں۔ نمونۂ کلام ہنگام

ترتیب و حصول ہوا اُس کا انتخاب ملاحظہ ہو۔

آئینہ پر غبار جو دیکھا ہے خواب میں
دشمن کا سر نہ ہو کہیں زانوئے یار پر

نہ وہ اگلی سی ہے صحبت نہ وہ اگلا سا مزاج
کچھ سے کچھ ہو گیا اب تو ترے دربار کا رنگ

خونِ ناحق بھی چھپائے سے کہیں چھپتا ہے
حشر کو دیگا شہادت تری تلوار کا رنگ

تصور سے ہماری بن پڑی ہے
زیارت اُنکی دلکو ہر گھڑی ہے

ہزاروں رہتے ہیں ارماں دلمیں
جگہ تھوڑی سی گنجایش بڑی ہے

چین دن کو نہ شب کو راحت ہے
عاشقی کیا ہے اک مصیبت ہے

ہم اُسکے جلوے کو ڈھونڈتے ہیں وہ اپنے رخ کو چھپا رہا ہے
صدا ہماری ہے رب ارنی وہ لن ترانی سنا رہا ہے

ہوا ہے جو جلکے طور سرمہ گرے ہیں بیہوش ہو کے موسیٰ
یہ کس کے رخ سے نقاب سرکی۔ یہ کون جلوہ دکھا رہا ہے

شرمگیں آنکھوں سے ہوتا ہے کبھی ظاہر
ہو نہ ہو آج تو دشمن کا کہا مان گئے

تمھاری دید کی خواہش وہاں بھی ظاہر کی
فرشتے لیگئے جب سامنے خدا کے مجھے

کیا کرونگا حور کا میں اے خدا
دل تو اُس کا طالب دیدار ہے

مسجد و مندر سے کیا حیراں کو کام
نشۂ الفت میں وہ سرشار ہے

حیرت۔ پنڈت اجودھیا پرشاد کاشمیری حضرت جرأت کے شاگرد تھے۔ شیفتہ انکی بابت لکھتے ہیں کہ پنڈت صاحب نے چند مثنویاں بھی کہی تھیں اور ایک مختصر سا دیوان بھی مرتب کر لیا تھا۔ فنِ موسیقی میں اپنے زمانے میں لاجواب تھے۔ اکثر لکھنو اور گاہ گاہ دلی میں رہا کرتے تھے سنہ ۱۲۳۴ھ میں ۳۵ سال کی عمر پا کر انتقال ایک شعر اُسکا بطور یادگار اور نمونہ کلام درج کیا جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو حیرت

برنگِ نقشِ پا اُسکی گلی سے اُٹھ نہیں سکتا
ہوا ممنونِ احسان خوب اپنی ناتوانی کا

حیرت

حیرت - میر مراد علی تاجر مراد آبادی - شاہ عالم بادشاہ کے عہد میں تھے - اور تذکرۂ مصحفی سے پیشتر انتقال کر چکے تھے - کوہستان کی طرف بغرض تجارت گئے تھے اُسی سفر میں قضا کی - فن سخن سے طبیعت کو لگاؤ تھا اور اچھا کہتے تھے یہ چند اشعار اُنکے لکھے جاتے ہیں ◆

سمجھ کے دیکھا تو بیجا تھا سب گلہ دل کا
یہ چشم تر نے ڈبو یا معاملہ دل کا

شریک آہ ہے شور جنوں ہے - وحشت ہے
عجب جلوس سے جاتا ہے قافلہ دل کا

کہاں ہے شیشۂ مے محتسب خدا سے تو ڈر
مری بغل میں چھلکتا ہے آبلہ دل کا

کیا کہیئے ترے حسن خداداد کی خوبی
حیرت سے ہے نہ مقدور قلم کا نہ زباں کا

نظر آیا یہ جہاں نقش بر آب آخر کار
تاج سر پر سے گرا مثل حباب آخر کار

سادہ رویوں کی دلا مہر و محبت پہ نہ بھول
منہ پہ دیوینگے تجھے صاف جواب آخر کار

رخسار کیا جھلکتے ہیں حلقہ میں زلف کے
آپس میں ہو رہے ہیں بہم کفر و دیں گرہ

حیرت کے دل میں ہائے کوئی آرزو رہی
لکنت سی ہے زباں پہ دم واپسیں گرہ

اب چھوڑ کر کنشت جو کعبہ کو جائیے
وہاں بھی یہی صنم ہو تو کیا منہ دکھائیے

کیا پوچھتے ہو زلف سیہ من میں ڈسے ہے
یاں جان چلی جاتی ہے واں اُنکی ہنسی ہے

ہم تو اک شیشۂ ساعت کی طرح سے حیرت
خاک چھانا کیئے دنیا میں اور آزاد رہے

حیرت

حیرت دہلوی - میرزا رمضانی - پسر مرزا صمصام الدین اولاد امجاد حضرت شاہجہاں بادشاہ نیک مزاج اور خوش خلق شخص تھے - مرزا رحیم الدین حیا کے شاگرد تھے - یہ اُنکے اشعار ہیں

کیوں خفا غیر کے کہنے سے ہوئے
کہا سُنا تُنے اور کیا دیکھا

وہ خار ہوں کسی سے اُلجھتا نہیں ہوں میں
دشمن کی آنکھ میں بھی کھٹکتا نہیں ہوں میں

دل لگتے ہی یاں جان کے لالے پڑے حیرت
آویگا ابھی دیکھیئے کیا کیا مرے آگے

حیرت اب یار سے کیوں ترک وفا کرتے ہو
پہلے ہی تم نے محبت نہ بڑھائی ہوتی

ابکے گر جی بچے تو اے ناصح
ہاتھ اُٹھائیں گے دل لگانے سے

حیرت

حیرت - میر غلام فخر الدین صاحب حیرت دہلوی۔ اعتماد الدولہ قمر الدین خان شہید کے بیٹے اور میر منّو کے پوتے تھے فارسی شعر بیشتر کہتے تھے بسا اوقات کالپی میں رہایش رکھتے تھے شاہ عالم ثانی کے زمانے میں انتقال کیا۔ چند شعر ملے ہدیۂ ناظرین ہیں۔

اوّل عشق ہے اور تازہ بہار آئی ہے	اب مرا ہاتھ ہے اور دامن رسوائی ہے
یہ ستم دیکھوں میں کن آنکھوں سے ای غیرتِ عشق	ایک عالم اُسی کوچے کا تماشائی ہے
ہم اُس بزم سے یوں پُر ارمان نکلے	جوانی میں جس طرح سے جان نکلے
میں ڈھونڈا جو سینے میں دل اُسکے بدلے	کئی اُسکے تیروں کے پیکان نکلے

حیرت

حیرت - حافظ عبد الرحمن حیرت ساکن جھنجھانہ ضلع مظفر نگر۔ آپنے مولوی امام بخش صہبائی سے فنِ شعر میں استفادہ کیا اور فن طب کی تکمیل حکیم احسن اللہ خان دہلوی کے مطب میں رہکر کی۔ محکمۂ دیوانی میں ملازم ہوئے اور عرصے تک دہلی میرٹھ اور مراد آباد میں متعین رہے۔ سرسید احمد خان مغفور آپ کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ چنانچہ ملازمت سے استعفا دلواکر اپنے پاس رکھکر علیگڈھ سوسائٹی کے مطبع کا کام انکے سپرد کر دیا۔ مشہور رسالہ تہذیب الاخلاق کی بنیاد بھی آپ ہی کے ہاتھوں قائم ہوئی تھی۔ آپ کا سرسید سے نہایت ارتباط بڑھا ہوا تھا۔ اور سید محمود کے بچپن سے یہی اُستاد تھے الغرض ۴۵ برس تک سرسید مرحوم کے پاس رہے اور تا دم مرگ اِن سے جُدا نہ ہوئے۔ اُردو میں چند مثنویاں اور ایک ساقی نامہ موسوم بہ "ساقی نامہ حیرت" آپکی یادگار ہے۔ آپکی استعداد علمی بہت معقول تھی اور فنِ شعر کے اُصولوں سے خوب واقف تھے۔ صفائی اور سادگی کے ساتھ انکے کلام میں مزہ بھی ہے۔ اعلیٰ درجے کے مشاق تھے اور کیوں نہو بڑے بڑے اُستادوں کی آنکھیں دیکھیں تھیں۔ چند شعر جو دستیاب ہوئے ہدیۂ ناظرین کیے جاتے ہیں۔

کچھ دلمیں بیکلی ہے کچھ ہے جگر میں سوزش	ہیں عشق کی بدولت مجھ پر عذاب کیا کیا
پہلو میں اک کسک سے چلی جاتی ہے مدام	یہ دل ہے یا چھپا ہے کوئی خار دیکھنا

گر شربتِ وصال نہیں موت ہی سہی
کوئی تو نکلے اس دلِ بیمار کی ہوس

دہن کو زلف و خط و خال و مژہ سے چھپانا
دل بھی غالب ہے کہ ہوگا یہی دو چار کے پاس

نہ دکھلا ہائے مرا غنچۂ امید کبھی
حسرتیں دل کی رہیں دل ہی میں کیا کیا باقی

اس زرد ہی چہرہ کا کہو حال تو حیرت
کیا دلکو لگا بیٹھے کسی رشک قمر سے

حیرت منشی محمد جان خان خلف بایزید خان - آپ الہ آباد کے رہنے والے اور خواجہ آتش کے مشہور شاگرد مرزا اعظم علی اعظم سے ارادت رکھتے تھے - آپکا مطبوعہ دیوان موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصناف سخن میں اچھی دستگاہ حاصل تھی اور ضروریات شاعری کے موافق استعداد علمی بھی معقول تھی - زبان کی طرف البتہ توجہ کم تھی - چنانچہ اکثر متروک الفاظ اور محاورات نظم کر جاتے تھے مگر اسکے مشاق سخن سنج ہونے میں شبہہ نہیں بعض بعض شعر تو بے مثل کہہ جاتے تھے سنہ ۱۲۷۵ھ کے قریب انتقال فرمایا - اب دیوان مطبوعہ کا انتخاب ملاحظہ ہو -

کیوں قالبِ خاکی میں ہوا روح کا مسکن
عقدہ نہیں کھلتا ترے اسرارِ نہاں کا

بیوجہ میرا دل نہیں مجھ سے بدل گیا
افسوں تمہاری چشم فسونگر کا چل گیا

اللہ رے شعلۂ رخِ روشن ترا فروغ
نظارہ جا کے صورتِ پروانہ جل گیا

دل کیحالت ہے جو کچھ تم کو دکھاؤں کیونکر
داغ دیکھا ہے کبھی لالۂ صحرائی کا

نہ تو بلبل کا ٹھکانا نہ کہیں گل کا پتا
اے خزاں تو نے اجاڑے ہیں گلستاں کیا کیا

شریک روح ہے قالب میں آپکی الفت
یہ جب تلک ہے مرا دم نکل نہیں سکتا

خود بخود آج رگِ جان کا لہو جوش میں ہے
یاد آیا ہے اسے نشترِ مژگاں کسکا

دکھلائے خدا اس بتِ گلفام کی صورت
دنیا میں یہی ہے مری آرام کی صورت

پڑی کشتئ عمرِ رواں بحرِ طلاطم میں
یہ عشق آیا ہے جسدن سے بلائے ناگہاں ہوکر

مجال کیا جو کریں عذر حکمِ یار میں ہم
دل اسکی قید میں ہے دل کے اختیار میں ہم

اُن کو تم اپنا فتنۂ قامت دکھا نہ دو
جن جن کو گفتگو ہے قیامت کے باب میں

بلا کی حسن میں آرایش و ایجاد کرتے ہیں
پری زادوں کو دیوانہ یہ آدم زاد کرتے ہیں

وہ خود کیسا ہے جس نے ان حسینوں کو بنایا ہے
انھیں جب دیکھتے ہیں ہم تو اُسکو یاد کرتے ہیں

تم بھی رہو جو پاس تو ہو لطف ورنہ یار
ہم رہ کے کیا کرینگے اکیلے بہشت میں

حسینانِ جہاں جسکو نگاہِ ناز کہتے ہیں
جو عاشق ہیں اُسی کو تیرِ بے آواز کہتے ہیں

نگاہِ قہر نے مارا جلایا مسکراہٹ نے
کرامت اسکو کہتے ہیں اسے اعجاز کہتے ہیں

کچھ سوئے مردمِ بیمار نظر ہے کہ نہیں
پھر بھی روتا ہے تجھے اے دیدۂ تر ہی کہ نہیں

آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں
سامان سو برس کے ہیں کل کی خبر نہیں

نہ چاہیں پائے کسی طرح سے دلِ عاشق
یہی تو ایک وہ کارِ ثواب سمجھے ہیں

چلتے ہیں عبث چال قیامت کی یہ گلرو
پامال کیے دیتے ہیں ہستی کے چمن کو

اُٹھاؤ خونِ ناحق سے مرے ہاتھ
یہ ہو جائے گا دامنگیر دیکھو

دیکھتے دیکھتے مر جائینگے ہم یار کی راہ
دم بھی نکلیگا تو اس دیدۂ بیدار کی راہ

بیدردہیں وہ پھینک مدیں پاؤں سے مل کر
پچھتائیگا لے دل مرے پہلو سے نکل کر

جاتی تو ہے یہ عمرِ رواں راہِ طلب میں
دیکھیں اسے کب عشق کی منزل نظر آئے

دیدۂ بیدار جو کچھ دیکھنا ہے دیکھ لے
حشر تک جس سے نہ جاگے گا وہ خواب آنے کو ہے

سُنا ہے زخمیِ تیغِ ادا کا دم نکلتا ہے
ترا احسان ہے اے قاتلِ عالم نکلتا ہے

مرقد سے میرے اُٹھ کے بگولا جو رہ گیا
کہنے لگے یہ خاک کسی ناتواں کی ہے

وہی دل اپنے قابو میں نہیں ہے
جسے پالا کیے خونِ جگر سے

نہالِ دل ابھی سرسبز ہو جائے
جو تیرا ابرِ رحمت آ کے برسے

پڑا ہے بسترِ غم پہ نہ دانہ ہے نہ پانی ہے
تمھارے عاشقِ شیدا کی طرفہ زندگانی ہے

تری آنکھوں کی سُرخی دیکھکر میخوار کہتے ہیں
بلوریں جام میں شاید شرابِ ارغوانی ہے

جو ذکرِ بیقراری کیجیے اُن سے تو کہتے ہیں ✤ یہ بیتابی نہیں ہے موجِ آبِ زندگانی ہے ✤

اُس جگہ دل کو لیگئی تقدیر
کہ تصور جہاں گذر نہ کرے

دن کو خیالِ رخ ہے تو شب کو ہے یادِ زلف
بس ہمنو ہو گئے اسی لیل و نہار کے

باز آؤ ظلم سے کہ یہ ظلم دو روزہ ہے
اُڑ جائینگے ہوا کی طرح دن بہار کے

نرگس کے پھول قبر پہ دیکھے تو بول اُٹھے
مرنے پہ گل کھلے نگہِ انتظار کے

اُس کا تو نور جلوہ نما ہر بشر میں ہے
اَے غافلو! فتور تمھاری نظر میں ہے

تلخی اگرچہ صبر کی شاخ و شجر میں ہے
شیرینی انتہا کی پر اُسکے ثمر میں ہے

تب حال کھلے گا مری بیتابیٔ دل کا
پڑ جاؤگے جسدن کسی بیرحم کے پالے

اَے گل صدائے نالہ مرے ہر نفس میں ہے
سینہ میں دل ہے یا کوئی بلبل قفس میں ہے

درپیش ہیں جو رنج و الم کہہ نہیں سکتے
ہم پہ جو گزرتی ہے وہ ہم کہہ نہیں سکتے

دسترسِ یار یہ کیونکر مجھے حاصل ہو جائے
اُس سے کیا زور چلے جسکی طرف دل ہو جائے

دعوئ حُسن بہت چودھویں کے چاند کو ہے
زلف اُلٹو تو جوابِ مہِ کامل ہو جائے

مُرغِ دل ہی نہیں کچھ تیرِ نگہ سے بسمل
طائرِ جاں بھی تو صیاد ترے دام میں ہے

چشمِ میگوں کے اشارے سے یہ فرماتے ہیں
بیخودی نام ہے جس کا وہ اسی جام میں ہے

مذہبِ عشق میں عاشق کو عجب لطف ملا
کہ نہ وہ کفر میں حاصل ہے نہ اسلام میں ہے

جینے جی عشق سے راحت نہیں مرگ نجات
اسکے آغاز میں جو ہے وہی انجام میں ہے

حیرت

حیرت۔ جناب بابو عبد القدیر خان صاحب پانی پتی۔ آپکو کوثر خیرآبادی سے تلمذ حاصل ہے بھنڈارے میں زیادہ تر سکونت رہتی ہے حالات باوجود تلاش نہیں ملے کچھ کلام نظر سے گزرا۔ اس میں سے یہ چند شعر منتخب ہوئے۔

رک گئی چلکے ذرا تیغ جو گردن پہ مری
زخم کو خوبیٔ تقدیر پہ خنداں دیکھا

وہ دل ہے کیا جو شیفتۂ مہ وشاں نہیں
وہ جان کیا جو وقفِ نثارِ بتاں نہیں

فتنے قدم قدم پہ اُٹھاتا ہے لاکھ لاکھ
انداز اُسکی چال کے محشر سے پوچھ لو

حیرت کو آج قسمتِ جمشید مل گئی	جام شراب ہاتھ میں دلبر بغل میں ہے
دل کے داغوں سے ہے یاں سرو چراغاں روشن	شمع تربت پہ ہماری نہ جلائے کوئی
ضد تو جب ہے کہ ابھی میری بغل میں آ جاؤ	کہہ رہا ہوں کہ میرے پاس نہ آئے کوئی

حیرت

حیرت - محمد اسحٰق نام مراد آباد کے رہنے والے اور حضرت قمر مراد آبادی کے شاگرد صرف یہ معلوم ہے کہ ۱۸۷۰ء میں زندہ تھے نمونۂ کلام میں صرف دو شعر درج ذیل کیے جاتے ہیں

یاد آتی ہے تری جنبشِ مژگان جو مجھے	تیر سا اک مرے پہلو میں کھٹک جاتا ہے
غل یہ ہوتا ہے کہ خورشیدِ قیامت نکلا	داغِ دل سے مرے پھاہا جو سرک جاتا ہے

حیرت

حیرت - مولوی احمد کبیر وکیل عدالت پٹنہ - صرف اتنا معلوم ہوا ہے کہ آپ ۱۸۷۰ء کے قریب زندہ سلامت موجود تھے اور پٹنہ کے مشاعروں میں شریک ہوتے تھے یہ چند شعر انکے نتائج افکار سے ہیں -

منصب ملا نہ فقر کا منشا نہ جاہ کا	یارب برا ہو اخترِ بختِ سیاہ کا
خرقہ وہی ہے خوب جو بھٹی میں رہن ہو	مشرب بدل دو زاہد واب خانقاہ کا
تارے ہوئے غروب حسینانِ دہر کے	کوکب ہوا طلوع جو اس رشکِ ماہ کا
کیا راہِ پُر خطر سے گیا بے خطر وہ شخص	جو شخص معترف ہوا اپنے گناہ کا
کیوں تلخیٔ گناہ کو شیریں کرے نہ عفو	ہے عفوِ حق خاص دلِ عذر خواہ کا

حیرت

حیرت - مولوی سید عنایت احمد صاحب ابن مولوی سید مطیع احمد صاحب مرحوم بدایوں کے رہنے والے ہیں - آپکی تحریر سے معلوم ہوا کہ آپ کا سلسلۂ نسب حضرت سید شرف الدین محمد علی نقوی قبائی سے ملتا ہے جو ساتویں صدی ہجری کے اوائل میں مسجدِ قبا سے قبۃ الاسلام بغداد سے بدایوں میں آکر آباد ہوئے اور ۶۵۶ ہجری میں انتقال کرکے خاک چندوسی میں مدفون ہوئے انکے بعد سید علاؤالدین علی رضوی حضرت سلطان المشائخ سید نظام الدین بدایونی کے پیر تھے انکے جانشین ہوئے - اسیطرح انکے بعد دیگرے

سید حمزہ دانشمند بدایونی مصنف میزان الصرف وغیرہ بہت سے بزرگ اِس سلسلہ میں جانشین ہوتے رہے جو دانشمند کے خطاب سے ممتاز کیے جاتے تھے (لفظ دانشمند شاہی زمانے میں آجکل کے ایم اے کا ہم معنی سمجھا جاتا تھا) چنانچہ آخر میں آپکے والدِ ماجد اسی سلسلہ میں اپنے اسلاف کے جانشین ہوئے۔

آپکا مقامِ ولادت لشکر گوالیار ہے ۲۷ رجب سنہ ۱۲۷۹ ہجری کو آپ پیدا ہوئے۔ چودہ سال کی عمر تک پرانے اصولوں پر فارسی پڑھتے رہے اسکے بعد عربی شروع کی اور میزان سے لیکر تمام علوم عقلی و نقلی درسِ نظامی کے مطابق اُن سے حاصل کیے۔ اِسکے بعد آپکے والد ماجد صاحب نے آپکو انگریزی پڑھانی چاہی مگر اُسوقت آپکے نزدیک انگریزی پڑھنا گویا کفر تھا۔ لہذا ایک سال ضائع بھی کیا مگر بجز پرائمری کے اور کچھ نہ پڑھا۔ لیکن اب اُس ضائع شدہ وقت اور اپنے خام خیال کا آپ کو نہایت افسوس ہے۔

اسکے بعد آپ کو شعر گوئی کا شوق پیدا ہوا اور اپنے عمّ بزرگ مولانا مولوی دلدار علیصاحب مذاقؔ کو کلام دکھانا شروع کیا جو خاقانی ہند اُستاد ذوقؔ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے مگر آخر عمر میں اُن کا دل و دماغ چونکہ ضعیف ہو گیا اُنکو اصلاح کی تکلیف دینا مناسب نہ سمجھکر آپ حضرت داغؔ دہلوی کے حلقہ بگوش ہو گئے۔ مگر آپکے کلام کا بدقسمتی سے بہت سا حصّہ ضائع ہو گیا۔ اب چند غزلیں اور دو ایک قصیدے باقی ہیں جو آپنے بطور سندِ تفاخر اپنے پاس رکھ چھوڑے ہیں اور جن پر اُستاد نے کہیں کہیں اصلاح فرمانے کے بعد آپکے کلام کی تحریری داد بھی دی ہے۔ آپنے اُن قصائد اور غزلوں کی نقلیں درج تذکرہ ہونے کی غرض سے قاضی مقصود حسن صاحب حیرتؔ کی معرفت بھیجی بھی تھیں مگر افسوس قاضی صاحب کے دفعۃً انتقال ہو جانے کی وجہ سے راقم تک نہ پہنچیں۔ سُنا ہے کہ آپنے چند ایسی کتابوں پر حواشی اور شرحیں بھی لکھی ہیں جو اُردو کے لیے نہایت مفید ہیں مگر افسوس وہ ابھی تک شائع نہیں ہوئی ہیں۔ آپ سابق میں پانچ ورہ کے مجسٹریٹ بھی رہ چکے ہیں اب پولیس کمشنری کے

معزز عہدے پر ممتاز ہیں۔ شعر خوب کہتے ہیں۔ شوخیِ مضمون اور معاملہ بندی میں اپنے استاد کی تقلید خوب کرتے ہیں۔ اب کوئی ۵۲ سال کی عمر ہوگی خلیق اور با مروت انسان ہیں جو کلام ہنگامِ ترتیب ہمیں موصول ہوا ہے اُس کا انتخاب ملاحظہ فرمایئے۔

تاک میں ہے آنکھ چوکی ال یاروں کا ہوا ۔۔۔ ورنہ کیوں اکثر اٹھایا دل کو اکثر رکھ دیا
یوں تسلی دیجئے تڑپا پا ہے اُف رے شوخیاں ۔۔۔ اور مضطر کر دیا جب ہاتھ دل پر رکھ دیا
یہ کوئی میٹھی چھری تھی یا نگاہِ ناز تھی ۔۔۔ ہیں ترے قربان یہ کیا دل کے اندر رکھ دیا
ایسے افسانے ہیں واعظ سینکڑوں حیرت کو یاد ۔۔۔ ساغرِ مے تیرے کہنے سے مقرر رکھ دیا
عبث دستِ جنوں ہے مبتلا سودائے ساماں ہیں ۔۔۔ کفن کو بھی نہیں ہے تار باقی اب گریباں ہیں
چھپائے سے چھپیں گے ہیں جو رخنے جیب داماں ہیں ۔۔۔ ذرا منہ ڈال کر دیکھو تو تم اپنے گریباں ہیں
ٹھہرنے کیوں لگے وہ پردہ ہائے چشمِ گریاں ہیں ۔۔۔ رہے ہے پاپوش انکی ایسے پر آشوب زنداں ہیں
طرائے پھر رہی ہیں حسرتیں آوارہ گردی کی ۔۔۔ بیاباں ہے مرے دل میں مرا دل ہے بیاباں ہیں
کشش کا لطف کاوش کا مزہ پایا کہ رہتا ہے ۔۔۔ ترا پیکاں مرے دل میں مرا دل تیرے پیکاں ہیں
بڑا ہی تیر مارا آنکھ اٹھا کر مجکو کیا دیکھا ۔۔۔ یہ کچھ پشت ہے منت ہیں یہ کچھ احسان ہے احساں ہیں
عبث ہذیاں سرائی کی سفر ہیں تم نے اے حیرت ۔۔۔ نہایت خوب تھا خاموش رہتے بزمِ یاراں ہیں
کھلیں آنکھیں تو آنکھیں بند ہو جانیکا وقت آیا ۔۔۔ مجھے زندہ سمجھیں تک جانیو جبتک کہ غافل ہوں
ہوا کرتے ہیں ناز انداز یونتو سب حسینوں ہیں ۔۔۔ کہاں سے لائے کوئی آپکے بیساختہ پن کو
امنگیں حسن کی اُسپر تقاضا خود نمائی کا ۔۔۔ چھپا رکھیں چھپا سکتے ہیں گر وہ اپنے جوبن کو
خلش نوکِ مژہ کی زخمِ دل کو یاد آئی ہے ۔۔۔ ذرا قابو میں رکھنا بخیہ گر تو نوکِ سوزن کو
یہی شادی ہوائے جوشِ جنوں جی کچھ تو ٹھنڈا ہو ۔۔۔ مرے دامن کا آنچل ہو مرے اشکوں کا سہرا ہو
خیال اسکا عبث ہے مجکو کیوں غیروں سے شکوا ہو ۔۔۔ اُسے دشمن کی کیا حاجت ہے جس کا دوست میرا ہو
یہ مانا آپ اچھے آپکی آنکھیں بہت اچھی ۔۔۔ کوئی بیمار اچھا ہو تو ہم سمجھیں مسیحا ہو

سنا جائیے باتیں دکھائے جائیے آنکھیں — قسم ہے میں سنے گر کچھ بھی سنا ہو کچھ بھی دیکھا ہو

نہ ٹھکراؤ مرا سر بختِ خفتہ جاگ اُٹھے گا — جگانا منع ہے اُسکا جو میٹھی نیند سوتا ہو

ہوئے جاتے ہیں باہر آپ تو جامے سے غصے میں — اگر اس طرح کوئی دیکھ لے فرمائیے کیا ہو

مریجاں اسقدر پرہیز کیوں کرتے ہو حیرت سے — مرے دلمیں رہو تم تو مرے دلکی تمنا ہو

دیکھکر شائستۂ طوقِ گراں جانی مجھے — کردیا پابندِ قیدِ ہستیِ فانی مجھے

کیوں دکھاتے ہو عرق آلودہ پیشانی مجھے — اِس پشیمانی سے ہوتی ہے پشیمانی مجھے

غیر کو آنے ندوں تمکو کہیں جانے ندوں — کاش ملجائے تمھارے گھر کی دربانی مجھے

میری تنہائی ہوئی یا اُنکی یکتائی ہوئی — ایک دونوں کا نظر آتا نہیں ثانی مجھے

دوستی ناداں سے کی ہو گیا جی کا زیاں — اب مزا دیتی ہے کیا کیا میری نادانی مجھے

ہو اگر گھر در تو کچھ اندیشۂ وحشت نہیں — ہیں بیاباں گرد ہوں کیا فکرِ ویرانی مجھے

عقل سے کیا واسطہ سرشارِ جامِ عشق کو — کوئی دیوانہ سمجھتی ہے یہ دیوانی مجھے

ملگیا جو کچھ کہ ملنا تھا ہمیں روزِ ازل — پاک دامانی تجھے اور چاک دامانی مجھے

دیکھئے حیرت کی صورت کیا خدا کی شان ہے — جی رہا ہے کیونکر ابتک ہے یہ حیرانی مجھے

دوست ہو میرے مگر کس کام کے — غیر کے دشمن ہو لیکن نام کے

یہ قدم سر پر ہوں یا قدموں پہ سر — ہیں یہی دو ڈھب مرے آرام کے

ساقیِ سرمست میخانے کی خیر — دیر سے سائل ہیں ہم بھی جام کے

دوست دشمن کا نہیں کچھ امتیاز — خاص حصے ہیں اُنکے لطفِ عام کے

کرگئی آخر کو رسوا تاک جھانک — ہیں نتیجے ہی بُرے بد کام کے

رات دن ہے کام تمکو غیر سے — دن پھریں کیونکر کسی ناکام کے

کُنجِ گمنامی میں حیرت چھپ رہو — مرحلے طے کرلیے ننگ و نام کے

کیا اب نہ ہوگی میری طرف کو نگاہ بھی — آخر کوئی خطا بھی ہے کوئی گناہ بھی

منہ تاکتی ہی رہ گئی عاشق کی آہ بھی | نکلا نہ منہ سے آپکے جھوٹوں کو واہ بھی
حیرت بڑی بلا ہے حقیقت میں چاہ بھی | اُنکو نباہتے ہی بنیگی نباہ بھی
یہ بھیڑ بھاڑ اور یہ قیامت کی آب تاب | محشر سے کم نہیں ہے تری جلوہ گاہ بھی
چاہا تمھیں خطا ہوئی فرمائیے معاف | ہوتا ہے آدمی ہی سے آخر گناہ بھی
اُنکی طرف ہے آنکھ اُنھیں کیطرف ہے دل | ساتھی نہیں ہمارے ہمارے گواہ بھی

ہے بلا خنجر کو حیرت قاتل | سبکو پروا ہے سر نہو جائے
بیطرح گھات میں ہے دزدِ نگہ | کہیں ادھر کا اُدھر نہو جائے
ہے قیامت کی دھوپ محشر میں | خشک دامانِ تر نہو جائے

حیرت

حیرت سخنور خوش فکر و ماہر فن قاضی مقصود حسن خلف حاجی ارشاد علی صاحب آپکی مرسلہ تحریر سے معلوم ہوا کہ آپکے آبا و اجداد کا اصلی وطن یمن تھا۔ پھر دلّی ہوا۔ اب شاہجہانپور رہیلکھنڈ ہے جس وقت ہندوستان میں اسلامی حکومت زوروں پر تھی اور دلّی دار الخلافہ ہونیکی وجہ سے ہنرمندوں کا مرجع و ستم رسیدوں کا ملجا و ماویٰ تھا آپکے بزرگ قاضی سید مہدی صاحب دلّی میں تشریف لائے اور بتائید اقبال بحکم شاہی سے خدمتِ قضا پر مامور ہو گئے۔ زمانہ جبتک موافق رہا آپکے بزرگ دہلوی ہونے پر فخر کرتے رہے مگر انقلابِ زمانہ اور اتفاقات وقت نے ہمیشہ دلّی میں رہنے نہ دیا چنانچہ حکمِ شاہی سے شاہجہانپور گئے اور عہدۂ قضا کا فرمان بھی ساتھ لیتے گئے۔ اُسوقت سے وہیں ہیں اور یہ عہدہ بھی ابتک آپکے خاندان میں چلا آتا ہے۔

آپ ۱۸۶۹ء میں پیدا ہوئے چودہ برس کی عمر تک اپنے چچازاد بھائی سید محمد حسن میاں سے فارسی اور عربی کی صرف و نحو پڑھتے رہے۔ موزونی طبع اور شاعرانہ مذاق ازل سے اپنے ساتھ لائے تھے اس لیئے تعلیم و مطالعہ میں اکثر نظم اور فنِ نظم ہی کی کتابیں رہیں۔ مولٰنا جامی۔ حضرت نظامی۔ امیر خسرو۔ اور علامہ فیضی کے علاوہ دیگر باکمال

اساتذہ اور مشاہیر شعرائے اردو کی تصنیفات سے بھی استفادہ کرتے رہے۔ اِس اثنا میں جب کبھی آپکا فطری جوش اُبھارتا تھا تو فارسی یا اُردو کچھ کہہ بھی لیتے تھے۔ مگر بزرگوں کے خوف اور لوگوں کی ہنسی کی شرم سے جو کچھ کہتے تھے اُسکو مخفی رکھتے تھے۔ رفتہ رفتہ بزرگوں کی چشم پوشی اور ہمنشینوں کی تحریک سے وطن کے مشاعروں میں جانے لگے۔ مگر کیفیت یہ رہی کہ اپنی غزل جو بڑے ذوق و شوق سے لکھتے تھے وہ یونہی بے پڑھے واپس لے آتے تھے تاہم اِن جلسوں کے اثر سے روز بروز اِس شوق کو ترقی ہوتی گئی۔ طبیعت قدرتی طور سے تشبیہ و استعارہ سے بے لگاؤ تھی اور زبان کی سادگی۔ بندش کی چستی اور محاورات کی چسپیدگی پر مٹی ہوئی تھی۔ لہٰذا جو کچھ کہتے تھے اپنے رنگ میں کہتے تھے اور خود ہی کہکر اپنا دل خوش کر لیتے تھے یہ طریقہ بہت دن تک جاری رہا۔ پھر بعض شفیق دوستوں کے اُبھارنے سے مشاعروں میں غزل پڑھنی شروع کر دی۔ کچھ عرصہ بعد آپ بہ تلاشِ روزگار عازم گوالیار ہوئے اور منشی سوہن لال صاحب چیف جسٹس کی عنایت سے صدر عدالت گوالیار میں ملازم ہو گئے انھیں ایام میں آپکے دوست مولوی غلام غوث صاحب توجہ اور منشی کفایت علیخاں صاحب رُسوا نے انھیں ایک باقاعدہ اور بالالتزام شاعر بننے کی صلاح دی اور نواب فصیح الملک بہادر حضرت داغ دہلوی کا کلام بھی اکثر سُنایا۔ آپ اِس طرز و ادا کے دلدادہ تھے ہی بلا تامل حضرت ممدوح کے حلقہ بگوش ہو گئے ۱۸۹۳ء میں اصلاح کے لئے غزل بھیجی اور تلامذہ کی فہرست میں نام درج ہونے کا فخر حاصل کیا۔ دربار تاجپوشی ۱۹۰۳ء کے موقع پر آپ دلی بھی تشریف لائے تھے۔ اور منشی رام پرشاد صاحب ظاہر دہلوی کے ہمراہ راقم سے ملاقی بھی ہوئے تھے۔ اُن ایام میں حضرت داغ بھی دلی میں تشریف فرما تھے۔ چنانچہ آپ روزانہ حضرت داغ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور بڑی عقیدت و ارادت مندی سے پیش آتے تھے۔ آپنے ۲۰ سال کا مشق سخن کی اور فطری ذہانت

کیونکہ جوش سے بہت اچھا ملکہ پیدا کر لیا تھا۔ مشہور زمینوں میں ایسے ایسے شعر نکال لیجاتے تھے کہ مستند استادوں کے کلام میں ملا دیتے تھے۔ نظر ثانی، ۵ اغزلیں اور متفرق قطعات رباعیات، مسدسات اور مخمسات حضرت استاد کی نظر سے گزرے ہوئے اور اصلاح شدہ آپکے پاس موجود تھے۔ روزمرہ کی صفائی۔ مذاق اور خیال دونوں پاکیزہ۔ مضمون کیطرف بھی میلان خاطر تھا اور بندش کی ندرت اور چستی آپکے کلام کا خاص جوہر تھی۔ مگر افسوس صد افسوس بعالم شباب ۳۷ یا ۳۸ سال کی عمر پا کر ۱۹۲۶ء میں انتقال کیا۔ دس بارہ برس ہوئے آپنے اپنے دیوان کا انتخاب راقم تذکرہ کو بھیجا تھا اُس میں سے مفصلۂ ذیل شعر انتخاب کرکے پیش کش ناظرین کیے جاتے ہیں *

ہم سے تو شکر بھی ہے ہونا محال تیرا
وہ لطف وہ کرم ہے اے ذوالجلال تیرا

تو جان کا بھی مالک ایمان کا بھی مالک
یہ بھی ہے مال تیرا وہ بھی ہے مال تیرا

آنکھوں کو نور بخشے دل کو سرور بخشے
کیا جلوہ جانفزا ہے اے ذوالجلال تیرا

کیفیتیں طلب کی اس دل سے کوئی پوچھے
جس دل میں بس رہا ہے شوق وصال تیرا

ہر شے میں دیکھتے ہیں تیری تجلیاں ہم
آنکھوں کے سامنے ہے ہر دم خیال تیرا

حیرت کی یہ دعا ہے جبتک جیوں الٰہی
ہر وقت دھن ہو تیری ہر دم خیال تیرا

خانۂ دل میں نہ ڈھونڈا یونہیں بھٹکے گھر گھر
لگ چکا تم کو پتہ شیخ و برہمن اُنکا

کیا قیامت تھا وعدۂ دیدار
مدت العمر میں وفا ہوا

غم عشق راحت فزا ہو گیا
مرا درد میری دوا ہو گیا

ستم کر کے اب دل میں نادم نہ ہو
مری جان جو کچھ ہوا ہو گیا

ہوا غیر جب سے شریک ستم
تمہارا ستم بے مزا ہو گیا

وہ جادو بھری ہے کسی کی نگاہ
جدھر پھر گئی فیصلہ ہو گیا

حسین آشنا اپنے مطلب کے ہیں
ہمیں خوب یہ تجربہ ہو گیا

کیوں کیا تم نے نہ آکر پائمال
میرا لاشہ خاک پر لوٹا کیا

ذبح تو کر ڈالا تیغِ ناز سے
اور پھر کہتے ہو میں نے کیا کیا

آہ بیکار ہی گئی آخر
دلِ ناکامیاب دیکھ لیا

آپ نے پی کے حضرتِ واعظ
لطفِ جامِ شراب دیکھ لیا

بیخودی کیوں ہے اے دلِ ناداں
کسکو خانہ خراب دیکھ لیا

آرزوؤں سے جو ٹھیرے وہی مہماں اچھا
ڈھیٹ بنکر نہیں رہنا شبِ ہجراں اچھا

دشمنِ جاں بھی غارتگرِ ایماں بھی ہے
ان بتوں سے جو رہے دور وہ انساں اچھا

وہ اگر تیز کیے بیٹھے ہیں خنجر اپنا
ہم بھی پھرتے ہیں ہتیلی پہ لیے سر اپنا

مژدۂ قتل مبارک ہو مرے دشمن کو
آپ احسان نہ رکھیے مرے سر پر اپنا

قتل نامہ مرا یوں تو نہ مکمّل ہوگا
پہلے تم نام تو لکھو سرِ محضر اپنا

ابھی ٹھیرو کہ مٹی جاتی ہے بیتابیِ دل
ابھی رہنے دو ذرا ہاتھ جگر پر اپنا

تم سمجھتے ہو کہ محشر میں رعایت ہوگی
گر طرفدار ہوا داورِ محشر اپنا

ہوگئی حشر میں سب خلقِ خدا انکی طرف
ہائے کوئی بھی نہیں ہے سرِ محشر اپنا

اور دم بھر رہے مصروفِ تماشا قاتل
دو گھڑی اور بھی تڑپے دلِ مضطر اپنا

اُسنے پہچان لیا بزم میں ہمکو **حیرت**
کیا پشیمان ہوئے بھیس بدلکر اپنا

ستم کر گیا اور بھی وقتِ رخصت
وہ مُڑ مُڑ کے اُنکا اِدھر دیکھ لینا

میرے مرنیکا یقیں جب اُنکو پورا ہوگیا
ہاتھ مل مل کر کہا افسوس یہ کیا ہوگیا

سرگذشتِ ہجر میں بھی تو مزا آنے لگا
ہم مصیبت کہنے بیٹھے اُنکو قصہ ہوگیا

شوق کے پہلو بچا کر اُسنے کی تھی گفتگو
چھپ سکا لیکن نہ اظہارِ تمنا ہوگیا

کیا کہیں کس سے کہیں غمخوار اپنا کون ہے
ایک دل اپنوں میں تھا وہ بھی پرایا ہوگیا

کیوں بگڑتے ہو نہیں تھے غیر کے ہمراہ تم!
میری ہی تقصیر ہے مجکو ہی دھوکا ہوگیا

مال ہی کیا تھا جو تم دلکو اڑا کر لیگئے — امتحاں ہمکو اسی میں بس تمھارا ہو گیا

اپنو جانا تم نے حیرت کو وفادار و نہیں فرد — امتحاں کا تھا ارادہ وہ بھی پورا ہو گیا

حالِ دلِ مہجور کا نقشا نہیں دیکھا — دیکھو تو ادھر پھر تو کہو کیا نہیں دیکھا

کیا لاکھوں حسیں اپنی نظر سے نہیں گزرے — اس وضع کا اِس طرز کا ایسا نہیں دیکھا

دشمن کی مدح اور ہماری مذمتیں — اسکے سوا ہے اور تمھارے دہن میں کیا

ظالم کی جو ادا ہے غرض دلفریب ہے — شوخی میں کیا ہے ناز میں کیا سادہ پن میں کیا

جھونکے غضب کے تھے مجھے بیچین کر گئے — یارب بھرا ہوا تھا ہوائے وطن میں کیا

مجھ میں بہت ہے دم ترے خنجر کیواسطے — اتنی بھی جان اب نہیں مجھ خستہ تن میں کیا

یہ کہکے وہ تو داورِ محشر سے چلدیئے — کیا جانے بک رہا ہے یہ دیوانہ پن میں کیا

مایوس ہے کہ پوچھتے ہیں مجھ سے اہلِ بزم — حیرت جناب داغ ہے اب کن میں کیا

تقصیروار کون ہے انصاف سے کہو — مجھ پر عتاب ہے کہ دلِ بیقرار پر

نہ قبضہ دل پہ ہے اپنا نہ قابو جانِ مضطر پر — الٰہی کیا کروں دل لوٹ کر آیا ہے دلبر پر

ترے بیمارِ غم کے واسطے آبِ بقا سم ہے — کہ اِسکی زندگی تو منحصر ہے آبِ خنجر پر

یہ جھگڑا تو یہیں کا تھا یہیں اسکو مٹا دیتے — ہمارا فیصلہ کیوں منحصر رکھا ہے محشر پر

خیالِ چشمِ میگوں میں یہ کیفیت ہے حیرت کی — کبھی گرتا ہے شیشہ پر کبھی گرتا ہے ساغر پر

جلوۂ یار عجب شان سے ہم دیکھتے ہیں — صورتِ آئینہ حیران سے ہم دیکھتے ہیں

ترکِ الفت تو کرے سینہ سے ممکن ہی نہیں — یہ تو باہر ترے اِمکان سے ہم دیکھتے ہیں

سینہ و دل کبھی آباد تھے ارمانوں سے — اب وہی گھر ہیں کہ ویران سے ہم دیکھتے ہیں

خنجرِ مقتل سے کوئی دم میں ہوا ہوتا ہے — پاؤں اکھڑے ہوئے میدان سے ہم دیکھتے ہیں

اے اجل اب تو یہیں ڈھیر ہمارا ہو گا — پاؤں اٹھتا نہیں میدان سے ہم دیکھتے ہیں

دیکھنے دو ہمیں چہرے کو چھپاتے کیوں ہو — کیا خبر تمکو کس ارمان سے ہم دیکھتے ہیں

وہ ترے شعر سنا کرتے ہیں اکثر حیرت
ذوق ہے کچھ ترے دیوان سے ہم دیکھتے ہیں

وصل کے وعدے پہ وہ اچھی طرح جیتے ہیں
عہد کچھ یونہی سے ہیں پیمان کچھ یونہی سے ہیں

ذاتِ والا ہیں تو ہیں سارے فرشتوں کے صفات
شیخ صاحب آپ تو انسان کچھ یونہی سے ہیں

اپنا یہ حال جان چلی اضطراب میں
انکا یہ قول ٹالیے برسوں جواب میں

بے التفاتیوں کا گلہ اُن سے کیا کروں
کیا کم عنایتیں ہوئیں مجھ پر عتاب میں

عاشق بھی کہیئے مجکو کہا ہے جو نامُراد
اتنا اضافہ اور ہو میرے خطاب میں

ہر روز ایک کشمکشِ تازہ پیش ہے
حیرت کی جان عشق نے ڈالی عذاب میں

نکلنا دل سے تیروں کا ترے مشکل سمجھتے ہیں
بتِ ناوک فگن ہم انکو جزوِ دل سمجھتے ہیں

دمِ تقریر سو پہلو بچاؤں ہیں تو مطلب کے
غضب یہ ہے وہ میرا مدعائے دل سمجھتے ہیں

بڑے بیلوث ہیں جتنے چڑھا جو انکے آگے ہے
پرایا دل سمجھتے ہیں نہ اپنا دل سمجھتے ہیں

تمھاری طرح یہ بھی خون ارمانوں کے کرتا ہے
تمھیں قاتل نہیں ہم دلکو بھی قاتل سمجھتے ہیں

تجھی کو مانگتے ہیں تجھسے تیرے مانگنے والے
حقیقت دو جہاں کی کیا ترے سائل سمجھتے ہیں

بڑی بیڈھب جگہ آ اٹکے ہو ابکی بار لے حیرت
تمھارے داؤں میں وہ آگئے ہم مشکل سمجھتے ہیں

سینہ و دل میں چلا کرتی ہیں چھریاں کیا کیا
جب دم آتا ہے خیالِ خمِ ابرو دل میں

ناوک انداز میں قربان تری آنکھوں کے
تیر تیرے ہوئے سب آ کے ترازو دل میں

نہ وعدوں ہی سے ملتے ہیں نہ اقراروں سے ملتے ہیں
خدا جانے یہ بت کیونکر طلبگاروں سے ملتے ہیں

جناب شیخ اب چھپ چھپکے میخواروں سے ملتے ہیں
یہ اپنی وضع کے پابند ہیں یاروں سے ملتے ہیں

ملاقاتوں سے نیت کوئی مشتاقوں کی بھرتی ہے
تمنا اور بڑھتی ہے جو دلداروں سے ملتے ہیں

مزا ملتا ہی اسمیں دے کسیکو بے طلب کوئی
یہ کیا ملنا ہے دو بوسے جو تکراروں سے ملتے ہیں

یہ حسن و عشق کی دولت ہی جتنے داغ ہیں دلپر
یہی انعام ان فیاض سرکاروں سے ملتے ہیں

نہ جلوہ دلربا تجھسا نہ بوتے جانفزا تجھ سی
یہ گل رنگت میں کچھ کچھ تیرے رخساروں سے ملتے ہیں

مزے کی چھیڑ ہوتی جاتی ہے صحرا نوردی میں
قدم کے آبلے سب پھوٹکر خاروں سے ملتے ہیں

مری حالت پہ وقتِ واپسیں کیا اُنکو رحم آیا
الٰہی خیر وہ کیوں میرے غمخواروں سے ملتے ہیں

اے چارہ گر نہ پوچھ کہاں ہے کہاں نہیں
قابل علاج ہی کے یہ دردِ نہاں نہیں

تھا اُن شرارتوں کا مزہ کم سنی کے ساتھ
پہلے جو شوخیاں تھیں وہ اب شوخیاں نہیں

بدلی ہوئی نگاہ کو پہچانتے ہیں ہم
یوں آپ لاکھ کہیے کہ ہم بدگماں نہیں

امیدِ لطف تم سے ہو تو کسی سے کیا
کون اپنا مہرباں جو تمھیں مہرباں نہیں

حیرت کسی نے یاد کیا ہے ہمیں ضرور
ہو جب ہجر یار میں یہ ہچکیاں نہیں

مری تصویر کا سر کاٹتے بیٹھے ہیں خنجر سے
اُنھیں ہر دم یہی دُھن ہے ستم ہو اور نرالا ہو

جفائے غیر کا شکوہ کیا میں نے تو وہ بولے
ہمارے چاہنے والے کا پتھر کا کلیجا ہو

مرے نالے وہ سنکر حشر میں کہنے لگے چپ چپ
یہ کیا کہتا ہے ظالم وا اور محشر نہ سنتا ہو

نگہ یاس بھی قیامت تھی
کچھ نہ پوچھو جو اُنکی حالت تھی

آج دیکھا تھا بے حجاب اُنھیں
ہائے کیا دلفریب صورت تھی

دردِ الفت کی سختیاں اُف اُف
رات بھر نزع کی سی حالت تھی

ہوش جاتے رہے خدا کی قسم
اُنکا جلوہ تھا یا قیامت تھی

کون کرتا ہے گلہ تم سے شکایت کیسی
مہرباں خوب کرو ظلم رعایت کیسی

بات میں بات نئی فقرہ پہ فقرہ تازہ
چلبلی پائی ہے ظالم نے طبیعت کیسی

اُن سے پوچھا کہ تمھیں رسم وفا آتی ہے
ہنسکے فرمایا نہیں ہمکو جفا آتی ہے

جلوۂ روئے بتاں ہے وہ جناب زاہد
جسکے نظارہ سے آنکھوں میں حیا آتی ہے

شبِ غم نالہ ہو۔ فریاد ہو۔ یا آہ و فغاں
شغل ہو کوئی غرض دل کے بہلنے کے لیئے

شکوۂ رشک عدو پر یہ ملا ہمکو جواب
تجھے اللہ نے پیدا کیا جلنے کے لیئے

ہمارے حق میں جو ہا شک ہو آپ سے ہرگز
اُٹھا نہ رکھنا کوئی بات مہرباں باقی

جلوۂ ہوش رُبا دیکھ کے اوسان گئے
ہائے کیا بزم تھی کیا لوگ تھے کیا جلسے تھے

منصف ہو تو دشمن کے طرفدار نہ ہونا
ظالم تری تصویر میں جادو کا اثر ہے

گھبرا کے وہ کہنے لگے فریادِ ستم پر
تغافل کی ادا ظالم کی دنیا سے نرالی ہے

الٰہی خیر یہ ہلچل مچی ہے کسکے آنے کی
کیا اپنے فن میں دزدِ حنا کو کمال ہے

افسانۂ عدو میں یہ دلچسپیاں کہاں؟
کسکی اُڑائی طرزِ روش تو نے فتنہ گر

کچھ بھی پلے نہ پڑا داغِ تمنا کے سوا
مہرباں بوسۂ لب کوئی بڑی بات نہیں

مختصر جملے ہیں وہ شوق کی تحریروں کے
کیا کہیں آپ سے حیرت کا بُرا حال ہے کیوں

کلمہ پڑھتے ہوئے اُس بُت کا مسلمان گئے
یا الٰہی وہ کدھر عیش کے سامان گئے

انصاف وہ کیا جس میں رعایت ہو کسیکی
جچتی ہی نہیں آنکھ میں صورت ہو کسیکی

اچھا جو ستانے ہی کی عادت ہو کسیکی
قیامت توڑ دی ہے جب نظر چل پھر کے ڈالی ہے

سرِ گورِ غریباں کیا قیامت اُٹھنے والی ہے
چُوکی ذرا نگاہ کہ یاروں کا مال ہے

آپ اسکو سُنیے سننے کے قابل یہ حال ہے
یہ تو نہ چرخ کی نہ قیامت کی چال ہے

ایسی کمبخت تھی پھوٹی ہوئی قسمت دلکی
آپ گھبرا گئے کیوں سُنتے ہی قیمت دلکی

شکریہ آپ کا ہے اور شکایت دلکی
کچھ کرم آپکا ہے کچھ ہے عنایت دلکی

ہزاروں میں نکلتا ہے کوئی شخص
مزے دیتا ہے کیا کیا خارِ اُلفت

نہ خواہاں وفا کے ہر بشر سے
کھٹک اسکی کوئی پوچھے جگر سے

میرے جھگڑوں کے لیئے کافی نہیں روزِ جزا
غیر سے تجھ سے زیادہ باوفا یہ کیا کہا
حیرت اُسکے چاہنے والے ہزاروں ہوں تو ہوا

یا الٰہی دوسرا اک اور محشر چاہیئے
دل میں کچھ انصاف بھی اے بندہ پرور چاہیئے
اپنی قسمت چاہیئے اپنا مقدر چاہیئے

یہ شباب یہ حُسن یہ حسنِ شباب
ایک دن دو دن نہایت تین دن

حشر تک تجھ پہ بھی عالم رہے
عمر بھر کیوں غیر کا ماتم رہے

حیرت

حیرت منشی نور احمد خان دہلوی محرر سارجنٹ پولیس زیادہ حال معلوم نہ ہو سکا۔ چند شعر ملے درج کیے جاتے ہیں ؀

منظور اگر ترکِ ملاقات ہے بہتر — حاصل تمہیں کیا روز کے بیفائدہ شر میں

چھائی ہے گھٹا سر پہ غم و رنج و الم کی — ہر روز برستی ہیں بلائیں مرے گھر میں

عاشق ہو کہ معشوق اسے مان تو حیرت — ہے جلوۂ ذات ایک جو آتا ہے نظر میں

حیرتی

حیرتی منشی محمد علیخان باشندۂ عظیم آباد پٹنہ۔ راجہ پیارے لال الفتی دہلوی مقیم پٹنہ اور میر وزیر علی حیرتی سے فن سخن میں فیض پایا تھا۔ عرصہ ہوا انتقال کیا۔ یہ انکا کلام ہے

نہ پوچھو ہم سے نام و نشاں میرا بتاؤں کیا — میں اک لیلیٰ کا مجنوں ہوں بیاباں ہے وطن میرا

ہمارے لختِ دل ہیں اسطرح اشکِ مسلسل میں — پڑے ہوں دانۂ یاقوت جیسے سلکِ گوہر میں

اے ماہ جب آنکھوں میں تو ہی جلوہ نما ہو — پھر مردمِ دیدہ کی کہاں آنکھوں میں جا ہو

اس طرح مری پیاس بجھا اے مرے قاتل — آب دمِ شمشیر ہو اور میرا گلا ہو

کس طرح دکھائے وہ کسی غیر کو صورت — آئینہ نہ دیکھا کبھی جسنے یہ حیا ہو

ادھر تو کشورِ دل لوٹتا ہے ترکِ نگاہ — ادھر ہے لشکرِ مژگاں پرا جمائے ہوئے

حیف

حیف میر چراغ علی حیف لکھنوی شاگرد میر شبیر علی افسوس۔ آخر اٹھارھویں صدی کے شعرا میں تھے۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو ؀

جبکہ ہر اک امید مبدل بہ یاس ہو — کیا اس مریضِ عشق کے جینے کی آس ہو

ق

ملنے بھی نہ پائی اس جواں سے — حسرت زدہ ہم چلے جہاں سے

کافی ہے ترا ہی دید مجھکو — کیا کام بہار و بوستان سے

کیا پوچھے ہے حیف کی حقیقت — ناشاد گیا وہ اس جہاں سے

وہ مہر جہانتاب اگر بام پر آوے — تابندگی نیرِ اعظم نظر آوے

ہے اپنے تو نزدیک یہ ناخوب لیکن — ہو لطف جو تیری بھی طبیعت ادھر آوے

کہتا ہے کوئی بال اُسے کوئی رگِ گُل | کچھ میں بھی کہوں تیری کمر جو نظر آوے
کانوں میں نہیں ہیں اُسکے بالے | اک چاند کے دو ہوتے ہیں ہالے

حیف

حیف شیخ محمد حاجی متوطن شاہجہان آباد متخلص بہ حیف۔ آخر اٹھارہ صدی میں حیات تھے شوق نے اپنے تذکرہ میں انکا ذکر کیا ہے۔ یہ کلام کا خلاصہ ہے؂

نظر آیا جو سمجھ زارت کو اس مہِ تاباں کا | خجل ہو ماہ نے منہ چادرِ مہتاب میں ڈھانکا
اکیلا بیٹھکر روتا ہوں سر زانو پہ رکھ ہمدم | اُٹھانا یاد جب آتا ہے مجھکو اُسکے داماں کا
اُسنے چھپا کر مجھے لکھی تھی حقیقت جس میں | وائے قسمت وہ کتابت لگی اغیار کے ہاتھ
حیف کا قتل ترے ہاتھ سے ہوگا ظالم | یہ کہا دیکھ برہمن نے مرے یار کے ہاتھ
آتا نظر نہیں کوئی ہمدرد یاں مجھے | اے گردشِ سپہر لے آئی کہاں مجھے

حیف

حیف منشی عبدالمجید حیف باشندۂ خان پورہ شاگرد شوکت۔ کلام صاف ستھرا ہے استعداد بھی خاصی معلوم ہوتی ہے۔ طبیعت میں جدت ہے اور مضمون پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ چند شعر حاضر ہیں؂

کیوں بارِ عشق تو نے رقیبوں کے سر دھرا | اتنا تو ناتواں یہ ترا ناتواں نہ تھا
اُٹھا کر بارِ احساں سے بہت بھاری ہی سرِ تیغ | وگرنہ بوجھ محشر تک رہیگا تیری گردن پر
ہو تسلی دلکو اے وعدہ شکن اقرار میں | فرق تب معلوم ہو اقرار اور انکار میں
اللہ اللہ کیا ہے نزاکت آپ میں سکتا نہیں [illegible] | تیر کی جا آپکے دل خود جا لگا سوفار تیر [illegible]
نوکِ مژگاں لگتی ہیں دل پر تیغِ ابرو تاک میں | دل کی کچھ [illegible] آپڑی ہے تیر [illegible]
[illegible] | [illegible]
[illegible] گردشِ قسمت اسکو | جوش پر [illegible]
[illegible] | [illegible]
[illegible] | [illegible]

ہماری تشنہ کامی کو ہے کافی تیغِ لب قاتل	دکھا خنجر اُسے جو آبِ خنجر کا پیاسا ہو
تماشائے جمالِ یار پر غش ہیں تماشائی	تماشا اُسکا خود جو تماشا ہو تو پھر کیا ہو
کہاں سے بھر گئیں نوکِ سناں میں لذتیں یہی	کہ ابتک ہر لب زخم جگر کو کاٹتا دل ہے
ہیں کیوں مجنوں صفت وحشت میں صحرا کو نکلجاویں	کہ میرے خلوتِ دل لیلئِ عرفاں کا محمل ہے

حیف

حیف - وجیہ الدین احمد خان ولد سعید الدین احمد خان - ریاست رامپور کے رہنے والے ایک خوشخو اور خوش رو نوجوان ہیں - آبائی پیشہ مالگذاری تھا - مگر آپنے اُسے ترک کر کے چندوسی ضلع مراد آباد میں شکر کا کارخانہ جاری کیا - گردشِ زمانہ سے وہ بھی نہ چلا پھر ۱۸۹۸ء سے ۱۹۰۱ء تک جھالاوار کی ریاست میں اُمیدوار ملازمت رہے - محفلِ غزل گوئی اور مدح سرائی سے شغل رہا پھر ریاست کوٹہ میں ملازمت اختیار کی اب وہاں سب انسپکٹر ہیں - شروع مشق میں مولوی عبد النبی خانصاحب جاوید تلمیذ منیر سے اصلاح لیتے رہے اُنکے انتقال کے بعد امیر مینائی کے سلسلۂ تلامذہ میں داخل ہوئے - کلام اچھا ہے صفائی سادگی بندش ہر ایک صفت ایک حد تک موجود ہے - انتخاب ملاحظہ ہو ؎

ہرا دیا یار کی ہے دل کی اُم ٹہلنے والی	چور ہیں گھات میں مشکل ہے بچانا دل کا
کیا بُرا حال ہوا عشق بتاں میں اے حیف	ہم نہ کہتے تھے کہ اچھا نہیں آنا دل کا
اور کس سے ہو اُمیدِ دوستی	دل جو اپنا تھا پرایا ہو گیا
واں شامِ شبِ وعدہ لگی پاؤں میں مہندی	ہاں رنگ اُڑا روئے دعا سے سحری کا
لاتے ہیں مجھے ہوش میں یہ کہکے وہ آئے	ممنوں ہوں احباب کی اس چارہ گری کا
وہ آکے گئے بھی نہ مجھے کچھ ہوش نہ آیا	اے حیف ٹھکانا ہے تری بے خبری کا
ہماری چال ہم سے چل گئے وہ	ہمیں کو دے گئے فقرہ ہمارا
کچھ اشاروں میں بتایا کچھ نگاہوں میں کہا	کہہ دیا سب کچھ مگر منہ سے کہا کچھ بھی نہیں
غیر کی جان ہے یا یوں ہجر کے صدمے جھیلے	میری ہمت - مرا دل - میرا کلیجا دیکھو

آپنے اپنے ہی خنجر کی روانی دیکھی
ٹھیرو ٹھیرو تنِ بے سر کا تماشا دیکھو

پر تو نگن جو سبزۂ رخسارِ یار ہو
لوحِ زمرّدیں مری لوحِ مزار ہو

پسند آیا لباس میں خاکساری
مجھے ریگِ رواں آبِ رواں ہے

نگوں بختِ ازل سے کیا ملے گا
بہت اونچا مزاجِ آسمان ہے

ہر سعادت کا مری چہرہ سیہ ہو جائیگا
تیرہ بختی یہ ترا کاجل سلامت چاہیئے

لڑکھڑاتے ہیں رہِ شوق میں جب پائے طلب
تھامنے مجکو مری لغزشِ پا آتی ہے

شوخی کی چھیڑ چھاڑ ہے شرم و حجاب سے
الجھا ہوا ہے انکا لڑکپن شباب سے

حیفی

حیفی منشی محب الدین احمد دہلوی خلف منشی چندن لال کایستھ تحصیلدار تخلص حیفی تلمیذ منشی ہرگوپال تفتہ۔ سابق میں نواب کلب علیخان والی رامپور کے ملازم تھے۔ اور وہیں مذہب آبائی کو چھوڑ کر مسلمان ہوئے اب خانہ نشین ہیں۔ فارسی میں بھی سخن طرازی کرتے ہیں اور اردو میں بھی۔ دونوں میں صاحب دیوان ہیں۔ قصیدہ و تاریخ گوئی میں بھی مہارتِ تامہ حاصل ہے اب ۷۰ برس کی عمر ہے یہ چند شعر انکے ہیں ۔

مثلِ نکہت جب وہ گل زیبِ گلشن ہو گیا
خندۂ شادی ہر اک بلبل کا شیون ہو گیا

غیر اس بزم سے ہو کر جو پشیمان نکلا
حسرتِ دل یہ پکاری مرا ارمان نکلا

کشتہ سمجھ کے گردشِ چشمِ نگار کا
آہو طواف کرتے ہیں میرے مزار کا

افسردہ دل کو وہ ہی جلن بعد مرگ ہے
گل بھی ہوا نصیب تو شمعِ مزار کا

دجلہ بار آج ہے پھر دیدۂ حیفی افسوس
ساتھ غیروں کے وہ شاید لبِ دریا پہنچے

ق

مانگیے گر شوقِ جفا مانگیے
چاہیئے گر دردِ جگر چاہیئے

پوچھتا قسّامِ ازل ہم سے گر
کیا تجھے اے خاک بسر چاہیئے

ہم بھی سرگشتہ بہم سے وہ آہ
داغِ دل و داغِ جگر چاہیئے

بس اک عیشی قفس پہ مر گیا ہوں
مرتے ہیں عمرِ جاوداں ہے

دیکھئے خاک میں کس کسکو ملائے تقدیر — آج اِک آئینہ رو محو خود آرائی ہے

مندرجہ ذیل شاعر کا کلام بعد ترتیب بہم پہنچا اسلیے آخر میں درج کیا گیا

حیا ۔ منشی عبد الغفور باشندہ علیگڑھ حال مقیم اجمیر ۔ آپکی عمر ۳۰ برس کے قریب ہے اور کئی برس سے منشی امیر مرزا زاہد اکبر آبادی کے شاگرد ہیں ۔ عین ہنگام کتابت میں چند غزلیں ملیں اُن میں سے اشعار ذیل منتخب ہوئے ۔ حیا

اب کیا وعدہ وفا تم سے تو کیا — جب نہ کچھ باقی رہا بیمار میں

بس رہ جاتا ہوں اسدم کو سکر اپنے مقدر کو — ادا سے جبکہ کہتے ہیں پرے ہو دور ہو سر کو

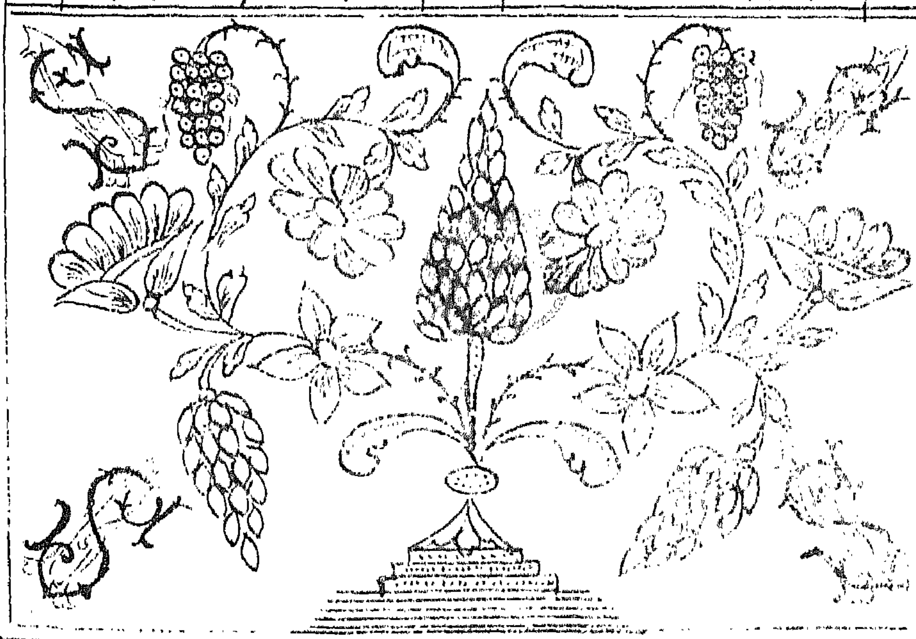
کبھی مٹنا کبھی بننا بگڑ جانا تماشا ہے — پھر اسپر کہتے جاتے ہیں بڑھاتے ہو مجھیں شر کو

حالِ دل اسکو تا رنے کی بنے کیا صورت — جب وہ صورت ہی دکھا نیکا روادار نہو

دلِ بیتاب کو کیونکر ہو تسلی ظالم — خواب میں بھی جو میسر ترا دیدار نہو

آج پہلو سب وہ بگڑے بیٹھے ہیں — دل میں کیا جانے کیا سمائی ہے

چھپکے پینا شراب کا زاہد — واہ کیا خوب پارسائی ہے



تقاریظ

خمخانۂ جاوید جلد دوم

تقریظ از نتایج افکارِ گہربار فخر شعراے زمان سعدی ہندوستان سلطان قلم و فصاحت موجد طرز نوی شمس العلما مولٰنا الطاف حسین حالی مدظلہ از ارشد تلامذہ حضرت غالب مرحوم

خمخانۂ جاوید یعنی تذکرۂ شعرائے اُردو زبان مرتبہ جناب لالہ سری رام صاحب ایم - اے - رئیس دہلی خلف الصدق جناب آنریبل رائے بہادر لالہ مدن گوپال صاحب مُرگباشی اِس تذکرے کی جو اہمیت میرے دل میں ہے اور جو خصوصیت مجکو صاحب تذکرہ اور اُنکے معزز خاندان سے حاصل ہے اُسکے لحاظ سے مجکو اُسکی پہلی جلد پر سب سے پہلے اپنے خیالات ظاہر کرنے چاہئیں تھے - مگر بدقسمتی سے ایسے مکروہات پیش آتے رہے کہ میں اطمینان کے ساتھ اُسکی نسبت کچھ نہ لکھ سکا - اگرچہ کافی اطمینان اب بھی میسّر نہیں ہے لیکن چونکہ تذکرے کی دوسرے جلد بھی عنقریب چھپکر شائع ہونے والی ہے اسلیے میں نے خیال کیا کہ مبادا اس اہم تالیف کی نسبت پھر مجکو اپنے دلی خیالات ظاہر کرنے کا موقع نہ ملے لہذا میں نے نہایت ضروری سمجھا کہ اپنی ناچیز رائے اُسکے متعلق ظاہر کرنے میں اب دیر نکروں ⁂

اِس تذکرے کی پہلی جلد کو چھپے ہوئے تین برس گزر چکے ہیں - دہلی و لکھنؤ و اطراف

ہندوستان کے بڑے بڑے نامور شعرا اور اہلِ کمال نے اُس پر نہایت عمدہ رائیں ظاہر کی ہیں جس صفائی اور سلاست سے اُس میں شعرا کے تراجم لکھے گئے ہیں اور جس سلیقہ سے اُن کا کلام انتخاب کیا گیا ہے اور جس کوشش و جانفشانی سے اُنکے حالات اور اُن کا کلام بہم پہنچایا گیا ہے اور جس ادب و احترام کے ساتھ قدما سے لیکر معاصرین تک سب کا نام لیا گیا ہے اِن سب باتوں کو تقریباً تمام تقریظ نگاروں نے تسلیم کیا ہے اور سب سے بڑھکر میں نہایت صدق دل سے تسلیم کرتا ہوں۔ پس تذکرہ یا تذکرہ نویس کو پبلک سے روشناس کرانے کی اب زیادہ ضرورت نہیں ہے میں اس موقع پر صرف تذکرے کی جامعیت کی نسبت چند الفاظ لکھنے چاہتا ہوں ؂

اب تک اِس تذکرے کی صرف پہلے جلد راقم کی نظر سے گزری ہے جو ۹۸۶ صفحوں پر ختم ہوئی ہے۔ اُسکے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ اس جلد میں صرف اُن شاعروں کا کلام اور اُنکے حالات درج ہوئے ہیں جن کا تخلص الف یا بے سے شروع ہوتا ہے۔ اِس سے ظاہر ہے کہ منجملہ ۳۰ کے صرف دو ردیفیں اِس جلد میں قلم بند ہوئی ہیں اور کم سے کم ۲۸ ردیفیں باقی ہیں۔ اِس سے بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے کہ اگر سب ردیفیں اِسی شرح و بسط کے ساتھ لکھی گئیں جیسی کہ الف اور بے کی ردیفیں لکھی گئی ہیں تو یہ تذکرہ جامعیت کے لحاظ سے بلا مبالغہ شعرائے اُردو زبان کی ایک ایسی سائیکلو پیڈیا ہوگی جسکی نظیر اُردو تذکروں میں نایاب سمجھی جائیگی۔ اور اُردو زبان میں یہ ایک ایسا اضافہ ہے جس کا تمام اہلِ ملک کو ممنون ہونا چاہیئے۔ آجکل اہلِ ملک کی بدقسمتی سے جو اختلاف ہندو مسلمانوں میں اُردو زبان کی مخالفت یا اُسکی حمایت کی وجہ سے برپا ہے اُسکی رفع دفع اگر ہوسکتی ہے تو اسی طریقے سے ہوسکتی ہے کہ ہندو تعلیم یافتہ اصحاب کشادہ دلی اور فیاضی کے ساتھ اُردو زبان میں جو درحقیقت برج بھاشا کی ایک ترقی یافتہ صورت اور اُسکی ایک پروان چڑھی ہوئی اولاد ہے اِسی طرح تصنیف و تالیف کریں جس طرح ہمارے ہردل عزیز ہیرو نے اِس

طولانی تذکرے کو ختم کرنے کا ارادہ کیا ہے اور مسلمان مصنفین بے ضرورت اُردو میں عربی فارسی کے غیر مانوس الفاظ استعمال کرنے سے جہانتک ہو سکے پرہیز کریں اور اُنکی جگہ برج بھاشا کے مانوس اور عام فہم الفاظ سے اُردو کو مالا مال کرنے میں کوشش کریں - اور اس طرح دونوں قوموں میں آشتی اور صلح کی بنیاد ڈالیں اور ایک متنازع فیہ زبان کو مقبولۂ فریقین بنائیں - جیسی کہ لکھنؤ جانے سے پہلے تقریبًا اہل دہلی کی زبان تھی - مذکورۂ بالا اختلاف کے متعلق جو تعصب اور ناگواری کا الزام ہندوؤں پر لگایا جاتا ہے اسی قسم کا بلکہ اس سے زیادہ سخت الزام مسلمانوں پر لگایا جا سکتا ہے کون نہیں جانتا کہ مسلمان باوجودیکہ تقریبًا ایک ہزار برس سے ہندوستان میں آباد ہیں مگر اس طول طویل مدت میں اُنھوں نے چند مستثنیات کو چھوڑ کر کبھی سنسکرت یا برج بھاشا کی طرف باوجود سخت ضرورت کے آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھا - جس سنسکرت کو یورپ کے محقق لاطینی و یونانی سے زیادہ فصیح زیادہ وسیع اور زیادہ باقاعدہ بتاتے ہیں اور جسکی تحقیقات میں عمریں بسر کر دیتے ہیں مسلمانوں نے عام طور پر کبھی اسکو قابلِ التفات نہیں سمجھا - اگر یہ کہا جائے کہ سنسکرت کا سیکھنا کوئی آسان کام نہیں ہے تو برج بھاشا جو بمقابلہ سنسکرت کے نہایت سہل الوصول ہے اور جسکی شاعری نہایت لطیف شگفتہ اور فصاحت و بلاغت سے لبریز ہے اُسکو بھی عمومًا وہ ہمیشہ بیگانہ وار نظروں سے دیکھتے رہے حالانکہ جو اُردو اُن کو اسقدر عزیز ہے اُسکی گرامر کا دارو مدار بالکل برج بھاشا یا سنسکرت کی گرامر پر ہے عربی - فارسی سے اُس کو صرف اسقدر تعلق ہے کہ دونوں زبانوں کے اسما اس میں کثرت سے شامل ہو گئے ہیں - باقی تمام اجزائے کلام جنکے بغیر کسی زبان کی نظم یا نثر مفید معنی نہیں ہو سکتی - برج بھاشا یا سنسکرت کی گرامر سے ماخوذ ہیں - سچ یہ ہے کہ مسلمانوں کا ہندوستان میں رہنا اور سنسکرت یا کم سے کم برج بھاشا سے بے پروا یا متنفر ہونا بالکل اپنے تئیں اس مثل کا مصداق بنانا ہے کہ " دریا میں رہنا اور مگرمچھ سے بیر "

قصہ مختصر جس ذوق وشوق سے معزز مؤلف نے اِس تذکرے کے لکھنے پر کمر باندھی ہے اور جس استقلال کے ساتھ وہ طالب علمی کے زمانے سے لیکر آج تک اُن تمام مشکلات پر غالب آتے رہتے ہیں جو اس مفید کام کے انجام دینے میں اُن کو پیش آئیں اُس سے اِس عام خیال کی بوجہ احسن تردید ہوتی ہے کہ انگریزی تعلیم بجائے اِسکے کہ قومی تعصبات سے دلوں کو پاک کرے اور اُلٹی تعصب و ناگواری کی آگ ملک میں مشتعل کرنے والی ہے۔

بہرحال ہم دل سے دُعا کرتے ہیں کہ جو مفید کام ہمارے دلی دوست مسٹر سریرام صاحب نے شروع کیا ہے اللہ تعالیٰ اُسے بخیر و خوبی انجام کو پہنچائے اور اس تصنیف کو قبولِ عام کے زیور سے آراستہ فرمائے۔

آخر میں ہم معززِ مصنف کی خدمت میں اِس بات کے عرض کرنے کی معافی چاہتے ہیں کہ صفحہ ۳۰۸ پر جہاں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ کا حال لکھا گیا ہے اُس میں چند فروگزاشتیں ہوگئیں ہیں۔ اول تو شاہ صاحب ممدوح کا اُردو زبان میں شعر کہنا اور اشتیاق تخلص کرنا ثابت نہیں ہوا۔ دوسرے اُن کا وطن سرہند اور مجدد الف ثانی کی نسل سے ہونا اور فیروز شاہ کے کوٹلہ میں سکونت پذیر ہونا غلط معلوم ہوتا ہے۔ کسی طریقہ سے اِس غلطی کی اصلاح فرما دیجائے۔

راقم۔ خاکسار **الطاف حسین** حالی۔ از پانی پت

تقریظ دلپذیر از فکر ارجمند آسمان پیوند نخلبند گلستان معانی واقف رموز شیرین بیانی سخن طراز جادو نگار افسر الشعرا حضرت آغا شاعر دہلوی از ارشد تلامذہ حضرت فصیح الملک مرزا داغ مغفور

یا مالکِ کُل جس چیز پر میں اسوقت قلم اُٹھا ہوں وہ خمخانہ جاوید کی ایک تقریظ

ہے گو اسکی بابت ایک عرصے سے مجھپر تشدد ہو رہا تھا مگر افسوس میں ایسا بدنصیب
تھا کہ کسی طرح بھی اپنی بےقاعدہ زندگی میں سے کوئی وقت اس لاثانی کتاب کے لیئے
نہ نکال سکا - آج اتفاق سے میں نے برسوں کے بعد پھر اس جلد کو اٹھا لیا اور اب
جو کچھ میں دیکھتا جاتا ہوں حوالۂ قلم کرتا ہوں -

"خمخانہ جاوید یا تذکرہ ہزار داستان کی یہ پہلی اشاعت ہے جو تقریباً ۷۰۰
صفحوں پر ختم ہوتی ہے - لکھائی چھپائی سب قابل تعریف - مگر سرورق کے بعد جو صفحہ
ہے اسے دیکھ کر تو بے اختیار کاغذ پر باغ و بہار کا دھوکا ہوتا ہے - واقعی یا تو میری
نگاہوں نے آجتک اس سے بہتر نقاشی لیتھو پریس پر نہیں دیکھی - یا خمخانۂ جاوید کا حجاب
ہی ایک نرالا سین ہے جو اردو کی کسی کتاب پر اس شان سے نہیں کھینچا گیا - آگے چلکر
اس تذکرہ کا ڈیڈیکیشن بھی خاص نوعیت رکھتا ہے - کیونکہ اس بیش بہا تالیف کو
ہز ہائنس بندگان عالی حضرت آصفجاہ خلد اللہ ملکہٗ فرماں روائے دکن کے نام
نامی سے معنون کیا گیا ہے - یہ صفحے جہاں اُلٹے پھر ایک دریائے ذخار موجزن
تھا اور اس میں غوطہ لگانا مجھ جیسے ناآشنائے شناوری کا کام نہیں مگر پھر بھی اتنا
ضرور کہونگا کہ اردو دان پبلک کے لیئے یہ کتاب یقیناً غیر معمولی نعمت ہے - جسے
دلی کے ایک ایسا قابل - بیدار مغز سخن فہم بلکہ فنا فی الشعر شخص نے اپنی ۷ سال کی
محنت - کاوش دل و دماغ اور صرف زر کثیر سے ترتیب دیکر ملک میں مفت تقسیم کر دیا ہے
رہا انتخاب کلام اور شعرا کی تعداد - اسکے لیئے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ میں
محاسب نہیں اور بقول لارڈ ٹینسن ایک شاعر کو حساب سے کچھ تعلق بھی نہیں ہو سکتا
بدیں وجہ یہ لکھدینا کافی ہوگا کہ میری رائے میں خمخانۂ جاوید ایک ایسی جامع فرہنگ ہے
جو فرہنگ آصفیہ سے پہلو مارتی ہے - مولوی سید احمد صاحب دہلوی نے اگر ۵ دماغوں
کے برابر ایک دماغ سے کام لیا ہے تو میرے معزز دوست لالہ سری رام صاحب ایم اے

سے نے بھی اِس تذکرے کی تالیف سے اپنے آپ کو غیر معمولی انسان ثابت کر دیئے ہیں ذرّہ برابر کمی نہیں کی ❖

آخر میں اقسام شعر اور ہر شاعر کی قدرتِ دستگاہ پر بحث کرنا یا مؤلف کے ذاتی ریمارکس پر روشنی ڈالنا یہ ملکی نظر بازوں پر موقوف ہے کیونکہ سے

پرکھنا شعر کا ہیرا پرکھنے سے زیادہ ہے	نظر کا کھیل ہے ہنوز نظر بازوں پہ مرتے ہیں

با ایں ہمہ "خمخانۂ جاوید" زمانۂ حال کی ایک بہترین ایجاد ہے - اُردو علمِ ادب کا ایک گنگا جمنی زیور ہے - اور شعرا جیسے معدوم فرقے کے لیئے اِس سے بہتر بقائے دوام کا اور کوئی ذریعہ بھی نہیں ہو سکتا -

سچ یہ ہے آنکھ ہو تو ہیں جوہر کمال کے	کاغذ پہ رکھدیا ہے کلیجا نکال کے

آثم - افسر الشعراء آغا شاعر - قزلباش دہلوی

از رشحۂ قلمِ جادو رقم ماہر کامل فن محقق والا نظر سخن گستر منشی سید احمد صاحب دہلوی مولف فرہنگ آصفیہ و دیگر کتب متعدد وظیفہ خوار سرکار نظام

اِس تذکرہ کی اول جلد کو بھی ہمنے پڑھا اور ریویو لکھا تھا - اب دوسری جلد پر بھی سرسری نظر ڈال کر دونوں کے فرق و امتیاز کو ظاہر کرتے ہیں

یہ ایک مشہور کہاوت چلی آتی ہے کہ "نقاش نقشِ ثانی بہتر کشد ز اول" یہ مثل سُنا کرتے تھے مگر پوری پوری تصدیق جلد ثانی کو دیکھکر ہوئی - لالہ سری رام صاحب جیسے معدوم الفرصت کا ہر ایک شاعر کے کلام پر اسقدر نظرِ غائر ڈالنا - کلام کا ایسا لاجواب انتخاب کرنا کہ جس سے شاعر کی عظمت - وقعت اور طبیعت بڑھے معترضوں کے اعتراض کا ماں گھٹے - اِس پر پروف نیز کاپیوں کی صحت کا خود ہی ذمہ دار ہونا کچھ آسان کام نہیں ہے بلکہ "دکارے دارد" کہنا چاہیئے ❖

اکثر ڈوبے ہوئے ناموں کو اچھال دیا۔ اور دبے ہوئے کلاموں کو اُبھار دیا۔ شوگایا کیں گر مشاطۂ حسن افزائے و لبرین کر۔ نکتہ چینیاں فرمائیں مگر نکتہ داں۔ نکتہ رس نکتہ شناس۔ نکتہ پرور بن کر۔ اگر کسی کوردہ کا ماہِ تاباں یعنی گوڈر کا لال ہے تو کیا مجال کہ اُسکے کلام پر صاد نہو۔ اور جو کسی نامی شہر کا آفتاب جہانتاب سرفراز جاہ و جلال ہے تو کیا ممکن کہ تذکرہ میں اُسکی داد نہ ہو۔ نہ اہلِ دہلی کی طرفداری ہے۔ نہ اہلِ لکھنؤ کی غمگساری۔ اُنکے نزدیک ایک باپ کے دو بیٹے ہیں۔ جن میں سے ایک تو باپ کے ساتھ سیاحت و سفر میں شریک و دلیر ہے دوسرا ماں کیخدمت میں اپنے ہی گھر پر شبیر ہے ٭

جس ذکر کو لیا تنقید یا محاکمانہ نظر سے لیا۔ جس تذکرہ کو چھیڑا منصفانہ دلائل سے فیصلہ کیا۔ آخر جنتے بھی تو منصف ؟ وہ فیصلہ کیا جو آگے جاکر نہ ٹوٹ جائے اور وہ انصاف فرمایا جس کا کوئی پہلو نہ چھوٹ جائے۔ یہ صرف تذکرہ شعرائے ہند ہی نہیں بلکہ ایک قسم کی شاہانہ تاریخ بھی ہے۔ نصیر الدین حیدر بادشاہ اودھ متخلص بہ بادشاہ کے ذکر کو پڑھو۔ جہاندار شاہ۔ جہاندار۔ مرزا جہانگیر متخلص بہ جہانگیر وغیرہ کے حالات ملاحظہ فرماؤ۔ کیسا تاریخی لطف دکھا رہے ہیں ٭

دیگر نامی شعرا میں سے کس کس کا حوالہ دوں۔ اِن پانسو صفحوں میں کئی سو شعرائے ذوی القدر موجود ہیں اوروں کی تو گنتی ہی نہیں۔ بائے فارسی سے لیکر حائے حطی تک مجلس ہزار داستاں جمع ہے۔ مشاعرہ ہو رہا ہے۔ شہر خموشاں کے سخن سنج اِس میں گونج رہے ہیں۔ اور شہر گویا کے خوشنوا اِس میں چہک رہے ہیں۔ شمع ہزار داستان شمعدان ہزار فتیلہ بن کر اُنھیں روشنی دکھا رہی ہے۔ واہ واہ کی صدا پر صدا آرہی ہے سخن فہم اُچھل اُچھل کر داد دے رہے ہیں۔ نیچرل شاعری کے دل دادہ اِس میں جلوس فرما ہیں اور خیالی ذہن رسا کے روشن دماغ۔ روشن خیال

بلند پرواز۔ زمزمہ پرداز اس میں کرسی نشیں ہیں۔ حضرت حالی مدظلہ العالی کی نیچری و ایشیائی شاعری کا لطف اس میں ہے۔ عبدالحی تاباں کا دلربا جمال اس میں ہے۔ جرأت کی عاشقانہ جرأت و درد انگیز اظہارِ کمال اس میں ہے۔ مرزا اسمٰعیل تپش۔ غلام محمد خاں تپش بادلِ تپیدہ اپنا اپنا ذاتی جوہر لئے ہوئے اس میں حاضر ہیں۔ الغرض شاہ تراب کی منکسرانہ خاکساری۔ میر حسین تسکین کی تسلی بخش شیریں بیانی۔ امیر اللہ تسلیم کی سلامت روی۔ محمد علی تشنہ کے کلام پر العطش کی پکار نواب شہاب الدین احمد خاں ثاقب کے حسنِ بیان پر نورانی بہار حسبِ موقع عجیب عجیب لطف دکھا رہی ہے۔ ہمارا شاہد ہمارا گواہ اگر درکار ہے تو یہی تذکرہ ہزار داستان ہمارا سچا اور بلا تصنع اظہار ہے۔ فقط

سید احمد دہلوی۔ مؤلف فرہنگ آصفیہ۔ ۲۱ مارچ سنہ ۱۹۱۱ء

قطعات تاریخ اشاعت خمخانۂ جاوید از نتائج افکار ماہر باکمال مشتاق عدیم المثال مولوی حامد حسین صاحب قادری بچھرایونی مقیم رامپور

کیا خوب یہ تذکرہ ہے سبحان اللہ
روشن ہوا سب میں اس سے نامِ شعرا
تاریخ کی فکر ہے تو حامد لکھو
بے مثل خزانۂ کلامِ شعرا
۱۹۱۰ء

دیگر

تذکرہ لکھا ہے بے مثل و نظیر
سب میں مشہور یہ افسانہ ہوا
اک نظر جس نے اسے دیکھ لیا
عاشق و والہ و دیوانہ ہوا
تذکرے طبع ہوئے بہتیرے
سچ تو یہ ہے کوئی ایسا نہ ہوا
تذکرہ کیا ہوا یہ اے حامد
بادۂ شعر کا خمخانہ ہوا
۱۹۱۱ء

دیگر

خوش سلیقہ ہیں بڑے لالہ سری رام ایم اے
یہ کتاب آپ نے لکھی ہے بہت ہی اچھی
یوں تو لکھے ہیں بہت تذکرے لوگوں نے مگر
ہم نے تالیف نہ دیکھی کوئی ایسی اچھی

اس میں حالات کیے جمع سب عمدہ عمدہ / اور غزلیں بھی لکھیں چھانٹ کے اچھی اچھی
ایسی ہی طبع ہوئی جیسی کتاب اچھی ہے / کاغذ اچھا ہے قلم اچھا چھپائی اچھی
چاہتے ہو تم اگر سالِ اشاعت حامد / کہا۔ و تاریخ لکھی ہے شعرا کی اچھی
۱۹۱۱ء

دیگر

تاریخ شاعروں کی ہے یہ یا مشاعرہ / یہ تذکرہ ہے یا شعرا کی ہے انجمن
ہر نقطہ اس کتاب کا ہے رشکِ آفتاب / ہر لفظ اس کتاب کا ہے غیرتِ چمن
پھیلی ہوئی کہیں ہے بلاغت کی چاندنی / دریا کہیں ہے اسمیں بلاغت کا موجزن
کیوں آفتاب بن کے نہ چمکے جہان میں / ہیں قدردانِ تذکرہ شاسفتہ وکن
ترتیب جلدِ دوم کا حامد یہ سال لکھ / چھاپا گیا ہے خوب یہ گلدستۂ سخن
۱۹۱۱ء

دیگر

ہیں جلوہ گر قرینہ سے شاعرانِ دہر / ہے یہ نمونہ انجمن اہلِ ہند کا
حامد نے جلدِ دوم کی تاریخ یہ لکھی / یہ انتخاب ہے سخن اہلِ ہند کا
۱۹۱۱ء

دیگر

سچ تو یہ ہے حق ہیں اردو شاعری کے یہ کتاب / رحمت پروردگار خالق مطلق ہوئی
سال ہجری کی اگر ہے فکر لے حامد حسن / کہدو اردو شاعری کو اس سے اب رونق ہوئی

قطعہ تاریخ نوشتہ مولینا مولوی حاجی محمد فیاض الدین صاحب رامپوری

سخن پروراں فیض حاصل کنند / کہ ایں تذکرہ ہست محبوب طبع
بگوشم ندا از سروش آمدہ / بگو سال فیاض - مرغوب طبع
۱۳۲۹ھ

تقریظ و تاریخ ریختہ کلک جواہر سلک سخنور یکتا شاعر بے ہمتا رشکِ عرفی و خاقانی جناب مولوی عبد الحی صاحب تجوؔ بدایونی مجسٹریٹ ریاست جودھپور فخر تلامذہ حضرت فصیح الملک داغؔ مرحوم

ناظرین! ابتدائے آفرینش سے اس وقت تک سیکڑوں علوم ہزاروں فنون ایجاد

ہو کر اس طرح معدوم ہو گئے کہ اُن میں سے اکثر کا اب کوئی نام بھی نہ جانتا ہوگا۔ اور جانتا بھی ہو تو اُن کا تحقیق کرنا سعی بے حاصل سمجھا جاتا ہوگا ؛

اس پیہم اختراع اور بالآخر اسکی فنا کا باعث بجز اسکے کیا سمجھا جائے۔ کہ انسانوں کی طبیعت۔ اُنکے مذاق۔ اُنکے خیالات۔ اُنکے مشاغل ایک دوسرے سے جُدا رنگ رکھتے چلے آئے ہیں۔ اور اس دہر فانی میں خواہ کوئی کمال ہو یا اہل کمال کسیکو ثبات ہے نہ قیام۔ معہذا انسانی خصلت و ضرورت کو بھی آج نہیں تو کل تغیر و تبدّل لازمی و لابدی ہے ؛

انسان کی حالت بھی بدل جاتی ہے ۔۔۔ اور اسکی طبیعت بھی بدلجاتی ہے
صورت۔ سیرت۔ مزاج۔ کسکا ہے وجود ۔۔۔ بس حد ہے کہ قسمت بھی بدلجاتی ہے

دیکھئے سنسکرت کی عملداری میں اہل عرب ایران کے قدم آئے تو اُسی ضرورت و مذاقِ طبیعت کی بدولت اہلِ ہند عربی و فارسی میں تکمیل کرکے عالم بنے منشی کہلائے عرب و ایران کے باشندے سنسکرت کی وسعت و حلاوت دیکھکر اسکے ایسے ماہر ہوئے کہ بجائے خود پنڈت بن بیٹھے۔ لیکن یہ حالت خواص سے متجاوز ہو کر عوام تک نہ پہنچی نہ پہنچ سکتی تھی۔ اور ضروریاتِ دینی و دنیاوی کے ہاتھوں ایک کو دوسرے سے سابقہ پڑنا ضروری تھا۔ لہذا تازگی و جدت پسند۔ ایجاد و اختراع دوست طبائع کے میل جول سے ایک نئی زبان پیدا ہوئی جو لفظ اُردو سے منسوب اور مسمّی تھی اور ہے

یہ زبان اوّل اوّل تو صرف ضروریات و معاملات میں مستعمل رہی۔ مگر اسکی دل کشی۔ اسکی وسعت اسکی حلاوت۔ اسکی آسانی سے یومًا فیومًا اسکی ترقی اور قدر بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ انشا پردازوں سخن طرازوں نے اوائل عمر ہی میں اسکو اپنے آغوش میں اُٹھا لیا۔ اور دلی جذبات و خیالات کا اسی کے ذریعے سے اظہار شروع کر دیا۔ آخر الامر نظم و نثر کے ارباب کمال و نازک خیال حضرات کی

بدولت نوبت کار یہانتک پہنچی کہ قصّوں کہانیوں میں اسی کا جلوہ۔ مکاتب و مدارس میں اسی کا جلوس۔ سرکاری و پرائوٹ مطابع۔ اہل شرافت و تہذیب کے مجامع میں بلا امتیاز مذہب۔ اسیکا دور و ظہور۔ دفاتر و مجالس میں اسی کا دور دورہ نظر آنے لگا۔ دینی و دنیاوی۔ تاریخی و مذہبی۔ علمی و عملی کتابیں اسی میں لکھّی اور ترجمہ کی جانے لگیں۔ علم کی مسندِ حکومت کی کُرسی۔ تجارت کی دوکان پر بھی یہی متمکّن ہوئی ؛

جب انگریزی حکومت و زبان کا عہد آیا تو بھی زمانۂ دراز و مدّتِ مدید تک ہر ایک علم و فن۔ اور یورپ کے اعلیٰ سے اعلیٰ انشاپردازوں مستند سے مستند موّرخوں کی عمدہ ترین تصانیف کے ہزار ہا ترجمے۔ ذی استعداد اہلِ قلم نے اسی زبان میں کیئے۔ جو مقبولِ خاص و عام ہوئے اور اب تک ہیں ؛

الحاصل سالہا سال نہیں بلکہ قرناً بعد قرنٍ اطرافِ عالم میں اسی کا آوازہ رہا۔ کوسِ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ اسی نے بجایا۔ قوانین و اخبار۔ گزٹ و اشتہار اسی زبان میں شائع ہوئے۔ حضور معدلت ظہور۔ ملکہ معظمہ امپرس وکٹوریا مرحومہ جیسی بیدار مغز رعایا پرور۔ ذی فراست شہنشاہ نے ایشیائی زبانوں میں اِسی کو قابلِ ترجیح تصور فرما کر تحصیل فرمایا ؛

یہ واقعہ ترقّی اُردو کے لیئے معراج تھا اور ہر ترقّی کی ایک غایت ہر عروج کی ایک نہایت مقرر ہے چنانچہ اب اِدھر تو اکثر معترضین میں اِسی اُردوئے معلّی کے خلاف ایک جوش پیدا ہوا اور خلافِ اصلیت اِسکو صرف مسلمانوں کی زبان ٹھہرا کر ترک و اجتناب کے قابل قرار دینا شروع کر دیا۔ اُدھر نئے مذاق نئے فیشن نے جہاں اور قدیمی رسم و رواج وضع و لباس سے اہلِ زمانہ کو نفور و بیزار کر دیا۔ وہاں موزوں طبع حضرات نے شاعری کی روِش قدیم کو بھی چھوڑ کر ایک اور ہی آہنگ اختیار کی جو نیچرل یا مہذّب یا سچّی شاعری کے معزز نام سے مسمّٰی ہوئی ہے اور زبانِ اُردو

کی طرح اساتذۂ متقدمین کی طرز روش کو بھی بغیر استثنا کے واجب الاحتراز قرار دینے میں ساعی و کوشاں ہوئے +

واہ رے جوش ترا فصل خزانِ اُردو	اہل اُردو ہی مٹاتے ہیں نشانِ اُردو
وہ بتاتے ہیں زباں اپنی عنقریب ہندی	جنکے آجداد تھے سب مرتبہ دانِ اُردو
گو ہر اک گھر میں ہے اخبار و کتب کا انبار	جس سے ہر طرح نمودار ہے شانِ اُردو
انکو رہتی ہے مگر اب یہی کوشش شب و روز	کہ فنا وقت سے پہلے ہو زبانِ اُردو

اس پُرآشوب اور سراپا شورش زمانے میں مکرم سراپا اکرام گرامی منش عالی مقام زیبا خیال رنگین کلام **لالہ سری رام** صاحب ایم اے کی ذات والا صفات مغتنمات سے ہے۔ جنھوں نے اپنا بیش بہا وقت اور بہت سا روپیہ خرچ فرما کر اُردو علم ادب کی ایک بسیط کتاب یعنی تذکرہ شعرا کی تالیف کا ارادہ اور پھر اس ارادے کو پورا کیا +

بیخود ہیچمدان کو مؤلف ممدوح سے حصولِ نیاز یا ہمکلامی کا موقع آجتک نہیں ملا ہے مگر بمصداق اِذَا عُدِمَ المَاءُ فَالتَّیَمُّمُ جَائِزٌ مراسلت کی نوبت بارہا آئی اور آتی رہتی ہے۔ اسکے سوا خمخانۂ جاوید یعنی تذکرہ موصوف کی جلد اول من اوّلہ الی آخرہ کر تا بعہ آخری دیکھ چکا ہے۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَعَلَیْہِ تَکْلَانُ اللّٰہِ۔ کیا زبان ہے اور کس درجہ صفائی اور روانی بیان۔ ہر ایک شاعر و ناظم کے بیانِ حال میں جو عبارت تحریر فرمائی ہے وہ بیساختہ اور ایسی مطبوع و مرغوب کہ آنکھ پڑتے ہی دل میں گھر کئے بغیر نہ رہے سب کا کلام اس طرح منصفانہ و بے تعصب منتخب و درج فرمایا ہے جس سے صاحب کلام کو شکایت یا ناظرین کو بے دماغی و سرگرانی کا موقع نہ ملے شعر کے مذاق طبیعت و رنگ سخن۔ یا اُنکے کلام کی دلکشی و دلنشینی کی نسبت جو رائے ظاہر یا قائم کی ہے وہ راستی و عدالت سے اس قدر دوش بدوش ہے کہ ہر ایک کا کلام

زبانِ حال سے مؤلفِ زیدمجدہٗ کی ہمکلامی اور ہم خیالی کر رہا ہے۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ شعرائے اردو زبان کے تذکرے قبل ازیں بہت سے تالیف ہو کر شائع ہو چکے ہیں۔ اور ان میں سے اکثر کے سر پر اولیت کا تاج یا اولویت کا سہرا بھی نظر آتا ہے۔ لیکن جامعیت و تعمیم تشریح و بسط کا زیبا اور موزوں خلعت جو خمخانۂ جاوید کو میسر ہوا ہے یہ اسی کا حصہ تھا اور ہے۔

اور تذکروں کے مصنفین نے زبانِ اردو کی طفلی یا شباب و کمال کے زمانے میں شعراء کی مدح سرائی کی تھی۔ اسکے ناز کھیال سے بے تعصب سنجیدہ مذاق۔ کامل الاستعداد مؤلف نے بیمار اردوئے معلّی کے آخر وقت میں چارہ فرمائی و مسیحائی کی ہے۔ و نیز میرے استاد الاستاد نجم الدولہ حضرت غالب دہلوی مرحوم نے ایک قصیدے کی تشبیب میں جہاں شاعرانہ تعلّی اختیار کی ہے وہاں فرماتے ہیں کہ۔

گوہر نہ بکان۔ کاں بگہر روی شناس ست	بر رفتہ حقی ذاتند ولیسلم اب و عم را

اس دور اور اس عہد میں اس مضمون کے مصداقِ تام وہی مخدوم الانام جناب لالہ سری رام صاحب ہیں کہ آج کے دن یگانۂ عصر و مشہور ہیں انکے جد امجد عالیجناب راجہ ٹوڈرمل بہادر زندہ ہوتے تو یکتائے روزگار نبیرہ لیاقت شعار کی ذات ستودہ صفات پر فخر و مباہات کرتے۔

مرجع علم و ہنر لالہ سری رام ایم اے	دہلوی مسکن و رنگیں رقم و سحر بیان
صاحب جاہ و حشم منبع احسان و کرم	خلف مہر و عنایات سے مہر تابان
جن کا ہر ایک پہ ظاہر ہے حسب اور نسب	جنکے اوصاف گرامی ہیں نرالے ہیں جہان
نیک خو نیک سیر نیک منش نیک نہاد	اہل دل اہل وفا اہل حیا اہل زبان
دیکھتے جاتے ہوئے شیوہ ارباب کمال	تذکرے لکھتے ہوئے اصحاب سخن کے دیوان
انکی تصنیف ہر شخص کو مرغوب طبع	انکی تالیف ہو کس طرح نہ مقبول جہان

دہر فانی سے فنا ہو گئے جتنے شعرا
ہونگی ناموں کی بقا کا ہے یہ اچھا سامان

جنکو مہلت ہے ابھی غافل ہیں زندہ ہیں وہ لوگ
انکو یہ جنس گراں مایہ مبارک ارزان

اندراج اسقدر اشخاص کا کچھ سہل نہ تھا
انتخاب اسقدر اشعار کا کب تھا آسان

نظم سے رسائی زبی اہل سخن کی نسبت
وہ بھی اس طرح کہ جو راست ہو بے ریب گمان

کسنے کی جس سے ہوا ہو نہ کسیکو شکوہ
کسنے کی جس میں تصنع کا نہ ہو نام ونشان

نثر دلچسپ وہ جسپر دل نثار نثار
منتخب شعر وہ جس پر شعرا خود قربان

خوبیاں سب یہ مؤلف ہی کا حصہ تھیں غرض
ہیں یہی معرکہ نظم کے مرد میدان

کسکو فرصت ہے زمانے میں جو اسطرح رہے
سالہا در پئے تالیف عیان اور نہان

کسکو ہمت ہے زمانے میں جو یہ صرف اٹھائے
اور ہمت بھی اگر ہو تو یہ مقدور کہان

کیا لکھے بیخود مغموم صفت درخور شوق
کہ نہ قابو میں طبیعت ہے نہ کہنے میں زبان

وہ طبیعت ہے نہ وہ دل ہے وہ دن ہیں نہ وہ سن
جن میں دشواری مشکل تھی نظر میں آسان

اب تو بس ترک سخن عین سخن فہمی ہے
ابتو لسان وہی ہے جو کرے کف لسان

یہ دعا ہے کہ رہے شاد مؤلف اس کا
اور یہ خمخانہ رہے دہر میں با مہر ونشان

فکر تاریخ اگر ہے تو یہ لکھدے بیخود
کہ ہے خمخانہ یہی فرحت دہ پیر و جوان

۱۹۱۱ء

دیگر

سراپا لطف مخدومی سرو پیرام
ہر اک جانب ہے جن کا آج شہرا

خیال آیا انھیں تالیف کا جب
تو لکھا تذکرہ یہ شاعروں کا

بظاہر سہل تھا یہ کام لیکن
سمجھ ہو تو یہی دشوار بھی تھا

ہزاروں شاعروں سے خط کتابت
ہزاروں پر جوابوں کا تقاضا

جوابوں کی رسیدیں سب کو دینی
کلاموں کا پرکھنا جمع کرنا

ہر اک شاعر کے کچھ حالات لکھتے
بہ آئین خوش و الفاظ زیبا

مرے مخدوم والا منزلت نے
یہ سب کچھ کر دکھایا اور سب اچھا

لکھوں سالِ اشاعت اس کا میں بھی تو نکلے تین سنہ اک ساتھ ہیں	یہ میرے دل میں بھی رہ رہ کے آیا یہ خمخانہ ہے اب۔ بے مثل لکھا

یہ خمخانہ ہے اب۔ یہ خمخانہ ہے اب بے مثل۔ یہ خمخانہ ہے اب بے مثل لکھا۔

سنہ ۱۳۲۹ ہجری سنہ ۱۹۱۱ء سمت ۱۹۶۷ بکرمی

اقتباس از تحریر و قطعہ تاریخ از سخن سنج شیریں زبان فصیح اللسان منشی محمد نوح صاحب رئیس قصبہ بارہ ضلع الہ آباد و از تلامذہ حضرت فصیح الملک مرزا داغ دہلوی مرحوم

میں نے تذکرہ ہزار داستان کو دیکھا جس کا نام آپ نے خمخانہ جاوید رکھا ہے۔ آپ نے تمام شعراء کا حال لکھکر اردو زبان پر بڑا احسان کیا اور سب کے کلام کو از سر نو زندہ کر دیا۔ میں سچے دل سے آپکی اس گرانمایہ تالیف کی قدر کرتا ہوں۔ خدا اس کا اجر آپ کو عطا کرے۔ تاریخ حاضر ہے۔

کیا کروں وصف سر بسر ام کا میں نوح خمخانہ جاوید کا سال	تذکرہ ہے کہ کوئی افسوں ہے ساغر بادہ نو موزوں ہے ۱۳۲۹ھ

اقتباس از عنایت نامہ محررہ شاعر نازک خیال رنگین مقال منشی افضل حسین ثابت لکھنوی ریڈر ڈویژنل کورٹ ریاست کوٹہ چھوٹا ناگپور

مخدومی! از محسن شاعران ہندوستان زاد عنایتکم تالیفات تذکرہ ہزار داستان مرسلہ جناب میں نے وقتاً فوقتاً جا بجا سے اور پھر شروع سے اخیر تک دیکھا حقیقت یہ ہے آپنے بڑا کام کیا ہے اور بڑی بے تعصبی سے لکھا ہے۔ لقد لطیف ہیں جو تعریفیں بعض معاصرین نے فرمائی ہیں۔ وہ بالکل سچ ہیں ؎

اقتباس از تحریر عالم سعید بل فاضل نبیل مولنا غلام نبی صاحب امرتسری

لالہ سری رام صاحب ایم اے۔ رئیس دہلی۔ میں نے تذکرۂ خمخانۂ جاوید کو سرسری نظر سے مطالعہ کیا۔ نہایت ہی دلچسپ عجیب و غریب اور اپنے نرالے ڈھنگ میں یکتا ہے۔ میں اس پر ریویو نویسی کا مدعی نہیں۔ یہ بڑا کام میری لیاقت۔ طاقت اور حیثیت سے باہر ہے اور یہ کام آسان امر نہیں۔ نہ ہی بازیچۂ طفلاں ہے۔ اس پر جو کچھ لکھنا چاہیئے تھا وہ بڑے بڑے چیدہ سخن سنج اصحاب لکھ چکے ہیں۔ جو نادر رائیں منظوم اور منثور اس جلد اول کے آخر میں چھپاں ہیں۔ واقعی جو کچھ ان صاحب قلموں نے اس بے نظیر کتاب پر ارقام فرمایا ہے وہ نہایت ہی موزوں اور مستحسن ہے۔

اس مبسوط اور معقول کتاب کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکے واسطے مصالحہ فراہم کرنے کے لیئے بہت محنت شاقہ برداشت کی ہے۔ ہر ایک شاعر کے کلام سے اُس کا چیدہ کلام نقل کر کے انگریزی قاعدے کے مطابق اُسکی بایوگرافی یعنی مختصر تذکرہ بھی ساتھ ساتھ دیا ہے۔ اور اُسے اس طور سے لکھا ہے کہ اُسکے کلام کی وقعت اور توقیر بھی مشرقی مذاق کے ساتھ قائم رہے۔ اور ایسی حیرت انگیز عبارت لکھتے ہیں کہ پڑھنے والے پر دوچند اثر کرتی ہے۔ اگر میری رائے غلط نہیں ہے تو ہندوستان کی ہر ایک بڑی لائبریری میں یہ کتاب ہونی چاہیئے۔ اور باقی سکولوں میں اسکی ایک ایک جلد گورنمنٹ انڈیا کی سفارش سے رکھی جانی چاہیئے۔ کیونکہ اُردو میں اس مضمون کی بڑی کتاب ابتک نظر سے نہیں گذری۔

راقم۔ غلام نبی امرتسری

قطعات تاریخ رختیہ قلم مشکیں رقم جناب خواجہ میرزا قمر الدین خانصاحب راقم دہلوی

خلف الصدق ناظم بے نظیر و ناثر بے عدیل جناب خواجہ بدر الدین خان المعروف
بہ خواجہ امان دہلوی مترجم بوستان خیال ہر ہشت جلد و نبیرۂ نجم الدولہ دبیر الملک
میرزا اسد اللہ خان غالب دہلوی مرحوم و مغفور

تذکرہ کے لیے تاریخ نئی کیا لکھوں — فکر سالم نہیں مشکل مجھے پوری یہ ہے
خاطر دوست کا ایما کہ ادا ہو پیغام — کرنی فرمائش مخدوم ضروری یہ ہے
چار و ناچار قلم سے یہی نکلا راقم — نثر زیبائی میں سینہ نثر ظہوری یہ ہے
۱۹۰۹ء

دیگر

کیا تذکرہ لکھا ہے سر انجام آپ نے — قاصر ہے جسکے وصف میں کلک گہر فشاں
کیا دہلوی زبان ہے کیا رختیہ کلام — پیدا ہیں فقرہ فقرہ سے ہر رنگ شوخیاں
ہر نثر دلفریب ہے۔ ہر نظم دلربا — دلکش سخن سخن ہے دل آرا زباں زباں
مضموں کو دیکھیے تو نداق آفریں خیال — ہر لفظ رنگ حسن میں ہے حسن شاہداں
بے مثل و لاجواب ہے راقم یہ تذکرہ — خمخانہ میں رہے گا یہی جام جاویداں
کم کردو قافیہ سے الف تا رہے مدام — صورت کدہ میں دہر کے تصویر شاعراں
۱۳۲۷ھ

دیگر

تذکرہ کیا تذکرہ ہے یادگار شاعراں — کارنامہ ہے سخن کا۔ یا زبان ریختہ
جتنی تاریخیں ہیں یا تقریظیں ہیں معنی آفریں — پیدا اک اک لفظ سے ہے داستان ریختہ
نظم رنگیں۔ نثر رنگیں۔ وہ دل آرا دلفریب — ہر نقطہ کا سرمہ ہے فیض زبان ریختہ
فقرہ فقرہ میں ہے اعجاز مسیحائی اثر — جان میں اردو کے آئی تازہ جان ریختہ
ہے کمال شاعری رنگ عبارت دیکھیے — صفحہ صفحہ میں بہار بوستان ریختہ
سلک معنی میں مصنف نے پروئے ہیں گہر — کان گوہر ہے یہی دیبا زبان ریختہ
لاؤ گلچیں کو کہاں ہے؟ چن لے دامن میں گل — بکھرے صفحوں پر ہیں گلہائے بیان ریختہ

قفل ہے کنجی نہیں۔ کیونکر کھلے باب سخن کہدو راقم رازِ تاریخ از سرِ باب سخن	بند ہے گنجینۂ رازِ نہانِ ریختہ بحرِ معنی ہے زباں۔ قلزمِ زبانِ ریختہ ۹ ۱۹ء

تقریظ دلپذیر از علامۂ عصر فضیلت مآب جناب سید کرار حسین صاحب روحانی میرٹھی سپرنٹنڈنٹ دفتر صاحب کمشنر الہ آباد

گزارش بصد تسلیم و تعظیم۔ بخدمت جناب رائے سری رام صاحب ایم۔ اے۔ رئیس دہلی ومنصف لاہور۔ خلف الصدق او نربیل جناب رائے بہادر مسٹر مدن گوپال صاحب ایم۔ اے۔ ممبر کونسل و بیرسٹرایٹ لا دہلوی مرحوم۔

کل کیا اچھی صبح تھی کہ آپکے تذکرہ ہزار داستاں یعنی "خمخانۂ جاوید" کی جلد اول جسمیں ردیف الف وبے کے تمام شاعرانِ اردو مندرج ہیں۔ اس خاکسار کے پاس پہنچی۔ علی الفور میں اُسکے مُطالعہ میں مصروف ہوگیا۔ جب تک دیکھا۔ اُسکی مسرت اور شوقِ مطالعہ میں ایسا محو ہوا کہ جملہ ضروریات سہو ہوگئیں۔ آپکے خاندان کے مورثِ اعلیٰ راجہ ٹوڈرمل نے جو کارنامے سلطنتِ اکبری میں کیئے۔ اور آپکے والدِ مرحوم نے علومِ قوانین میں جو مرتبۂ بلند حاصل کیا۔ اُس سے آپکی یہ تذکرہ نگاری کسی طرح کم عظمت نہیں رکھتی۔ سترہ سال تک جو محنتِ شاقہ آپنے کی ہے۔ سفر کیئے ہیں۔ صحت کھوئی ہے۔ روپیہ خرچ کیا ہے۔ نہایت ادب اور تہذیب سے ہر شاعر کا تذکرہ لکھا ہے۔ اور بڑے اہتمام صفائی اور عمدگی سے اُس کو چھپوایا ہے۔ اور اس شغل سے دیگر مشاغل کو جو زیادتیٔ جاہِ دنیوی کا باعث ہوتے ترک کیا ہے۔ اور شعرائے اُردو کے تمام ناموں اور حالات کو جو ہنوز کسی نے پورے یکجا نہ کیئے تھے۔ اس کتاب میں آیندہ نسلوں کے لیئے محفوظ کیا ہے۔ وہ واللہ آپ کو درجۂ بلند میں قائم کرتا ہے۔ خلعتِ جاوید پہناتا ہے۔ خدا آپ کو جزائے کثیر دے۔ بغیر ایسی ہمتِ مستقل اور محنتِ جاں گسل اور ذوقِ فطرتی اور شوقِ قدرتی اور تائیدِ ایزدی کے یہ کام

کسی سے ہونے والا نہ تھا۔ ایلین کی تاریخ انقلاب یورپ اور سپہر کی ناسخ التواریخ کو۔ جو جامعیت کا سہرا حاصل تھا وہی آپکے تذکرے کو تاج بلنا چاہیئے۔ مجکو اس امر کی تصدیق کا کامل موقعہ ہے کہ جو حالات شعرا کے لکھے گئے ہیں وہ صحیح اور تاریخی ہیں۔ مثلاً اُن لوگوں کے حالات سے میں اس امر کا بخوبی اندازہ کرسکتا ہوں جنسے میں بذاتہٖ واقف ہوں:

(۱) مرزا ارشدؔ گورگانی صفحہ ۲۶۲ میرے والدِ مرحوم کے بڑے دوست تھے جینوں میرٹھ میں والدِ مرحوم کے پاس رہے۔

(۲) میر اکبر حسین صاحب جج الہ آبادی۔ کہ میرے بڑے مکرّم ہیں صفحہ ۱۸۱/۳

(۳) برادر عمزاد مرحوم سیّد محمد مرتضیٰ بیانؔ ویزدانی کہ والدِ مرحوم کے شاگرد ہی تھے۔

(۴) مرزا محمد جعفر اوجؔ خلفِ میرزا دبیرؔ کہ اُن سے نیازِ موروثی حاصل ہے۔

میں چونکہ میرٹھ کا رہنے والا ہوں اور دادا صاحب مرحوم سیّد کفایت علی صاحب قبلہ سنہ ۱۸۳۳ء سے سنہ ۱۸۶۹ء تک دہلی میں سرکاری عہدوں پر ممتاز رہے۔ میں وہیں پیدا ہوا وہیں تربیت پائی اور جناب والدِ مرحوم کی صحبت میں ہمیشہ دہلی کے عمائد و اکابر رہتے تھے اِس کتاب میں اُن سب کو دیکھتا ہوں کہ مر گئے تھے۔ پھر زندہ ہوکر آ بیٹھے۔

حسنِ سیرت کے علاوہ کتاب میں حسنِ صورت بھی ہے۔ عمدہ جلد ہے۔ جلد پر طلائی نام لکھا ہے۔ ٹائٹل پیج نہایت لاجواب مطلّا۔ رنگین۔ اور خوشنما۔ تصویریں آپ کی نہایت دلاویز۔ خط آپ کا نہایت پاکیزہ۔ چھاپہ نہایت روشن صاف۔ کاغذ اعلیٰ ولایتی شفاف تقریظیں بڑے بڑے باکمالوں کی۔ غرض کوئی دقیقہ اسکی خوش اسلوبی اور محبوبی میں باقی نہیں۔ میں نے چونکہ والدِ مرحوم کے کلیات کی تدوین میں ۲۳ سال محنت کی۔ فراہمی کلام اور عمدہ چھپوانے کا انتظام ایک بلائے عظیم تھا۔ لہٰذا میں آپکی مستقل محنتِ گرد آوریٔ تذکرہ کا پورا پورا اندازہ کرسکتا ہوں۔ آخر میں آپ کو دعائے خیر دیکر رخصت ہوتا ہوں۔

سیّد کلب حسین۔ ۱۴ر جولائی سنہ ۱۹۰۹ء

تقریظ ریختہ کلک جواہر سلک شاعر شیریں مقال ناظم باکمال جناب ارشاد نبی صاحب ارشادؔ - وکیل بہاولپور متعینہ ریاست پٹیالہ

ع "ہر دے از غیب برون آید کارے بکنند"

یہ مصرع اگرچہ مدت سے سنتے چلے آتے ہیں - اور شاید پہلے سیکڑوں کی حالت پر منطبق بھی ہوا ہوگا - مگر فی زمانہ جیسا کہ لالہ سری رام صاحب ایم - اے - دہلوی کی شان میں صادق آیا ہے - شاید ہی کسی کے لیے آیندہ موزوں ہو "خمخانۂ جاوید" کی تالیف کا وہ کار اہم انھوں نے انجام دیا ہے کہ جس کی نظیر زمانۂ موجودہ میں تو کیا شاید زمانہ آیندہ میں بھی نہ ملے -

ان دنوں میں جبکہ زبان اُردو کی کشتی گرداب میں پڑی ہوئی تھی اور بادِ مخالف کے جھونکوں سے ڈگمگا رہی تھی - لالہ صاحب موصوف نے ناخدائی کی اور خمخانۂ جاوید کی تالیف سے اُردو کو تباہی سے بچا لیا - اور اس ناؤ کو ڈوبنے نہ دیا ۔

مغربی تعلیم کا اُردو پر خراب اثر پڑا - اور نئے تعلیم یافتہ صاحبوں نے اُردو کی اصلیت کو چھپا دیا - خواہ مخواہ بلا ضرورت انگریزی کے الفاظ اُردو میں داخل کر کے ایک نرالی زبان بنالی جسکو عوام الناس تو کیا سمجھیں - تھوڑی بہت انگریزی پڑھے ہوئے بھی اچھی طرح نہیں سمجھتے - بیچارے متکلم کا منہ تکتے ہوئے رہ جاتے ہیں ؎

لالہ سری رام صاحب ایم - اے نے باوجود گریجویٹ ہونے اور زبانِ انگریزی کی معراج پر پہنچ جانے کے ایسی پاکیزہ اور سلیس اُردو لکھی ہے کہ دوسرے گریجویٹ سے دشوار ہے جو نہیں - لالہ صاحب نے لکھی ہے اسکو پڑھکر پچیس تیس برس پیشتر کا زمانہ یاد آجاتا ہے - اُس وقت کی مجالس و محافل کا سماں آنکھوں میں پھر جاتا ہے - مؤلف نے کتاب لکھنے میں اس امر کا التزام رکھا ہے کہ حتی الوسع کوئی لفظ انگریزی زبان کا نہیں آنے دیا ہے وہ ٹھیٹھ اُردو لکھی ہے جسکو اُردوئے معلی کہنا بہت موزوں ہوگا ؎

آجکل جبکہ اُردو کی فصاحت اور دیگر خوبیوں پر خاک ڈالی جارہی ہے۔ اور صرصرِ مخالفت اُسکو بدنما صورت میں دکھارہی ہے۔ مؤلف نے اپنی وضع قدیم کو قائم رکھا۔ اپنی مادری زبان میں سرِمُو فرق نہ آنے دیا اور اُردو کی اصل خوبی و خوبصورتی و وسعت کو دکھا دیا۔

"خمخانہ جاوید" کی تالیف سے مؤلف نے ایک قسم کی کرامت دکھائی ہے جو بلا تائیدِ ایزدی اِنسان سے ظاہر ہونی دشوار ہے۔ مُردوں کو جوہر مسیحائی دکھادیا اور زندوں کو خضرِ صفت آب حیات پلادیا۔ متقدمین کے نام کو زندہ کردیا۔ اور شعرائے حال کے نام زندہ رہنے کا سلسلہ کردیا۔ وہ کام کیا کہ مدعیانِ مسیحیت سے بھی اِس کا پاسنگ نہ ہوسکا "خمخانہ" کو اگر "حیاتِ جاوید" کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔

اہلِ ہند کو مؤلف کا دل وجان سے مشکور ہونا چاہیئے۔ شائقینِ اُردو کو "خمخانہ" زیرِ مطالعہ رکھنا چاہیئے۔ تصانیفِ جدیدہ میں وہ خمخانہ سے بہتر کوئی کتاب نہیں پاسکتے۔ اگرچہ اُردو زبان میں اخبار رسالے۔ اور ناول بکثرت شائع ہوتے ہیں۔ مگر اُن میں یہ خوبیٔ زبان کہاں؟ بعض کی زبان تو پایۂ فصاحت سے ایسی گری ہوئی ہوتی ہے۔ گویا کہ انگریزی کا لفظ بلفظ ترجمہ کیا گیا ہے۔ چند ہی سطور پڑھ کر دل اُکتا جاتا ہے۔ برعکس اِسکے "خمخانہ کی" ایک ہی سطر میں وہ لُطف و سُرور حاصل ہوتا ہے کہ کتاب چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا۔

اُمید ہے کہ ایسے گوہر بے بہا کو صاحب ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم پنجاب بھی ہاتھ سے نجانے دینگے اور اُردو کورس میں اِس کا بھی کوئی حصہ داخل کرکے بچّوں کو بھی اِس سے فائدہ اُٹھانے دینگے۔

"خمخانہ جاوید" ایسا بسیط تذکرۂ شعرا ہے کہ اسکی موجودگی اور تذکروں کی تلاش سے مستغنی کردیتی ہے" خمخانہ جاوید" بہمہ صفت موصوف۔ سلاستِ عبارت۔ پاکیزگی خط وعمدگی کاغذ کے لحاظ سے اپنی نظیر آپ ہے۔ لالہ سری رام صاحب ایم۔ اے کی تلاش

جانفشانی۔ لیاقت ثابت قدمی کی جو تالیف خمخانہ میں اُن سے ظاہر ہوئی ہے دل سے داد دیتا ہوں اور دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح اپنی تائید تالیف تذکرہ میں مؤلف کے شامل حال فرمائی تھی اسی طرح اشاعت میں بھی امداد فرمائے تاکہ کوئی گھر "خمخانہ" سے خالی نہ رہنے پائے۔ بادہ کشوں کے ہاتھ میں بجائے ساغر شراب انگوری کے خمخانہ سرائی ہو

کہاں نسبت ہے خمخانہ سے میخانے کو اے ساقی! | جلائے فہم ہو اس سے نہ رکھے ہوش وہ باقی

قطعات تاریخ تذکرہ ہزار داستان معروف بہ خمخانہ جاوید جلد دوم از نتیجہ قلم جواہر رقم منشی فیاض احمد فاروقی کورٹ انسپکٹر جودھپور مارواڑ تلمیذ حضرت داغ دہلوی مرحوم

دولت ہے حقیقت میں بڑی فن سخن بھی
محفوظ ہے ہر حال میں واللہ یہ پونجی
اس فن کی زمانے میں کبھی قدر تھی ایسی
ہر ایک کو تھی اسکی طلب اسکی تمنا
لوگ آتے تھے خوش محفل اشعار سے ایسے
جی کھول کے کی قدر شریفوں نے سخن کی
آنکھوں پہ جگہ دیتی تھی دنیا شعرا کو
وہ کونسا میدان ہے جو ان سے بچا ہو
ہر انجمن و بزم میں ممتاز یہی تھے
آچھے ہی سیئے کام طبیعت سے انھوں نے
یہ لوگ اگر اسکے مددگار نہ ہوتے
ہوتی نہ کبھی صحبت الفاظ پہ رکھیں
اب کوئی نہیں پوچھتا ارباب سخن کو

تقدیر سے دے جسکو خداوند تعالیٰ
صندوق کی حاجت ہو نہ درکار ہے تالا
ہر شخص سمجھتا تھا اسے گھر کا اجالا
گو مشغلۂ شعر نہیں منہ کا نوالا
پی آئے ہیں گویا مئے خالص کا پیالا
اس فن کو بڑے شوق بڑے پیار سے پالا
تھا مرتبۂ اہل سخن برتر و بالا
کس معرکہ میں اسنکے رہا ہاتھ نہ پالا
بول ان کا رہا دہر میں ہر طرح سے بالا
سکہ نہ کبھا کوئی اس سانچے میں ڈھالا
اُردو کا نکل جاتا حقیقت میں دوالا
ملتا نہ اگر قول سخنور کا حوالا
اب انجمن شعر و سخن سہے تہ و بالا

اِس درجہ نحوست نے اُنھیں گھیر لیا ہو
تاریک اگر رات ہے تو دن بھی ہے کالا

بے شبہہ وہ بیقدریٔ ابنائے زماں ہے
اِن لوگوں کو جس چیز نے پستی میں ہے ڈالا

کچھ ایسی گئی گزری تھی حالت شعرا کی
ہر شخص سے آسان نہ تھا اِس کا ازالا

ہوتا نہ کسی طرح فروغ اہلِ سخن کو
لیتا یہ گروہِ متبرّک نہ سنبھالا

مٹ جاتا زمانے سے نشانِ شعرا ہی
رہتی یہی حالت اگر اے حضرت والا

صد شکر کہ کی لالہ سری رام نے ہمّت
ترتیب دیا تذکرۂ خوب نرالا

اِس شخص نے بر وقت خبر لی شعرا کی
ہر طرح مصیبت سے پڑا تھا اُنھیں پالا

حالاتِ سخن گویاں پہ وہ روشنی ڈالی
آنکھوں سے نظر آیا اندھیرے میں اُجالا

چھوڑا کسی شاعر کو نہ۔ زندہ ہو کہ مُردہ
ہر اک پہ ہوا ہے کرمِ حضرت والا

اِس بزم میں ہیں ہندو مسلمان برابر
ہے ایک یہاں۔ خواہ ہو تسبیح۔ کہ مالا

اب آتی ہیں آنکھوں سے نظر اُنکی شبیہیں
جن لوگوں کو ہمنے کبھی دیکھا ہے نہ بھالا

پائینگے عروج اہلِ سخن دیکھنا کیا کیا
گمنامی و پستی کو دیا دیس نکالا

بے فکر رہیں اب شعرا خوب سمجھ لیں
یہ تذکرہ عمرِ ابدی کا ہے قبالا

یہ چیز بڑے کام کی ہے غور سے دیکھو
سمجھو نہ اِسے تم کوئی بیکار رسالا

ہے دلکش و دلچسپ و دل آویز یہ دفتر
پائیگا عجب لُطف ہر ایک دیکھنے والا

کیوں روح تر و تازہ نہ ہو دیکھکے اِسکو
یہ تذکرہ گلہائے شگفتہ کا ہے تھالا

ہے اِسکی بہار ایسی کہ غیرت سے چمن میں
بیمار جو نرگس ہے تو پُر داغ ہے لالا

کیا خاک نظر آئیں اُنھیں خوبیاں اِسکی
ہر حاسد و بدخواہ کی ہے آنکھ میں جالا

نیّت ہو اگر نیک تو ہر کام ہے اچھا
مسجد کوئی بنوائے کہ بنوائے شوالا

لیکن ہے حقیقت میں بڑی سب سے یہ نیکی
اِک ڈوبے ہوئے فرقے کو پستی سے نکالا

گو کام تھا یہ سخت مگر کر کے ہی چھوڑا
اُکتائی طبیعت نہ۔ زہے ہمّت والا

کس طرح نہ ہم اِسکے مصنف کو سراہیں
تھا شوق لڑکپن سے اِسی کام کا اُسکو
اِسکے لیئے کوسوں کا سفر اُسنے کیا ہے
دن رات کی جاں کاہی و محنت کا ثمر ہے
یہ لالہ سری رام کا احسان ہے بھاری
یہ تذکرہ مطبوعِ خلائق ہوا آہی
فیاض نے تاریخ کہی تذکرہ پاکر
احسان مندِ لالہ سری رام کیوں نہ ہوں
فیاض کہدو مصرعۂ تاریخِ طبع تم

دیگر

کام آ نہیں سکتا ہے کوئی حیلہ حوالا
تھی تا نظر دُھن یہی جب ہوش سنبھالا
ہارج ہوا دریا نہ کوئی راہ میں نالا
کچھ سہل نہیں جمع ہوا ہے یہ مسالا (مسالحہ)
جو شخص نہ مانے وہ ہے لاریب رذالا
ہر سمت سے آواز یہی آئے کہ لا لا
پایا ہے مُرقعِ شعرا رکا یہ نرالا
دلچسپ و دلپذیر ہے چھپا یا یہ تذکرہ ۳۰۹ ۱۳ھ
لاریب بے بدل ہے سراپا یہ تذکرہ
۶۱۹ ۱۰

تقریظِ دلپذیر از نتائجِ اعجاز رقم منشی دیا نرائن نگم بی اے اڈیٹر رسالۂ "زمانہ"

"تذکرۂ ہزار داستان" کی جلدِ اوّل بھی کل مل گئی۔ اِس ہدیہ کے لیئے میرا دلی شکریہ قبول فرمایئے میں تو دل سے اِسکی اشاعت پر مبارکباد دیتا ہوں۔ شکر ہے کہ آپکی سترہ سال کی محنت ٹھکانے لگی۔ اور تذکرہ جسکے لیئے آنکھیں ترس رہی تھیں بالآخر شائع ہوگیا۔ بیشک آپنے زبانِ اُردو پر جو احسان کیا ہے اُس کا شکریہ ممکن نہیں ہے۔ آج اور کل کے درمیان میں اِسے اکثر دیکھ گیا ہوں "زمانہ" میں بہت جلد ایک بسیط تنقید شائع ہوگی جسے پڑھکر یقیناً آپ خوش ہونگے۔ اِس جلد کے آنے سے قبل ہی میں نے ایک لائق دوست سے تنقید لکھوانا شروع کردی ہے۔ بیشک آپنے اسکی ترتیب تالیف میں ہزارہا روپیہ اور اپنے بیش بہا وقت کا خاصہ سرمایہ صرف کیا ہے۔ ملک اور اُسکے علمی قائم مقاموں کو دل کھولکر اس محنت اور محبت کی داد دینا چاہیئے ٭

اِستنے بڑے تذکرے میں چند فروعی اغلاط کا رہجانا غیر ممکن نہیں ہے۔ مگر پھر بھی

آپکی جستجو آپکی تحقیقات اور محنت ہر طرح سے قابلِ داد ہے۔ فروعی غلطیوں سے میری مُراد حالاتِ شعرا سے مثلاً غلام یٰسین آہ کے متعلق رسالۂ الصدق وغیرہ کے اجرا کا ذکر انکے بھائی آزاد سے تعلق رکھتا ہے۔ مگر یہ باتیں اتنی ضخیم کتاب میں ناگزیر ہیں۔ بہ حیثیت مجموعی تذکرہ نہایت خوش اسلوبی اور بڑی لیاقت کیساتھ لکھا گیا ہے۔ اور اس پر ہم سب کو ناز کرنا چاہیے خدا کرے بقیہ جلدوں کی اشاعت میں بھی زیادہ تعویق نہ ہو۔ کیونکہ اس جلد نے شوق مطالعہ کو اب دوبالا کر دیا ہے۔ مرقوم ۳۱ جولائی ۱۹۰۸ء

تقریظ از قلم مرصع نگار ناظم باکمال ناثر بے مثال جناب منشی رام رچھپال صاحب شیدا دہلوی اڈیٹر آرمی نیوز لدھیانہ

مطبوعہ ۸ اگست ۱۹۰۸ء

تذکرہ ہزار داستان یعنی اُردو شعرا کا تذکرہ جس کا تاریخی نام "خمخانۂ جاوید" ہے۔ لالہ سری رام صاحب ایم۔ اے منصف دہلوی۔ خلف الصدق آنریبل رائے بہادر مدن گوپال صاحب بیرسٹرایٹ لا مرحوم کی تصنیف سے ہے۔ اسکی پہلی جلد جسکی ضخامت ۸۰۰ صفحہ کے قریب ہے چھپکر تیار ہوئی ہے اور وہ اس وقت ہماری میز کو زینت دے رہی ہے۔ یہ تذکرہ پانچ جلدوں میں ختم ہوگا۔ فاضل مصنف کی ۱۶ سولہ سال کی محنت اور صدہا مرتبہ کی نظرِ ثانی اور ہزارہا روپیہ کے صرف کے بعد یہ نادر کتاب ظہور میں آئی ہے۔ تذکرے یوں تو صدہا لکھے گئے ہیں اور ان سب میں باتفاقِ اہلِ نظر "آبِ حیات" کو سب پر فوقیت حاصل ہے۔ مگر آبِ حیات میں صرف چند نامی گرامی اُستادوں کا ذکر ہے۔ اگرچہ جو کچھ ہے اُردو زبان کے لیئے مایۂ ناز ہے تاہم شائقینِ سخن کی پیاس بجھانے کو کافی نہیں۔ "خمخانۂ جاوید" گویا آبِ حیات کی تفسیر ہے جو نہایت مکمّل اور واضح ہے۔ اعلیٰ حضرت آصفجاہ نظامِ دکن نے جو اُردو زبان کے سب سے بڑے سرپرست اور اقلیمِ سخن کے بھی تاجدار ہیں "خمخانۂ جاوید" کو اپنے نامِ نامی سے معنون کرنے کی اجازت دیکر مصنّف کی عزت

افزائی کی ہے ہمیں ذاتی علم ہے کہ مصنّف نے اِس بے نظیر کتاب کی تصنیف میں کسقدر خونِ جگر کھایا ہے۔ کسقدر سفر کئے ہیں اور کس طرح روپیہ پانی کی طرح بہایا ہے۔ ایک ایک شاعر کے حالات دریافت کرنے میں کسقدر تحقیقات اور تجسّس اور چھان بین کی ہے ہم دعوے سے کہہ سکتے ہیں کہ ہندوستان میں کوئی کتاب آجتک ایسے عاشقانہ شوق اور محنت سے نہیں لکھی گئی ۔

شمس العلماء مولٰنا آزاد کا یہ قول سچ نکلا کہ زبانِ اُردو کو وہی لوگ ترقی دے سکتے ہیں جو مغربی اور مشرقی علوم میں یکساں کامل دستگاہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ کوئی محض فارسی خواں کبھی اِسقدر سر درد ی نہ اُٹھاتا جو لالہ سری رام نے (جو زبانِ انگریزی کے بھی ماہر کامل ہیں) ایک محقق کی حیثیت سے شعراء کی یہ جامع تاریخ لکھی ہے۔ اِس کتاب کی معنوی خوبیوں پر تو ہم کبھی آیندہ مفصل بحث کرینگے۔ سرِ دست اسکے حسنِ صوری کا ذکر کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ کیا کاغذ۔ کیا لکھائی۔ کیا چھپائی۔ اور کیا جلد ایسی اعلیٰ درجے کی ہے کہ اِس ملک میں اِس خوبی کے ساتھ شاید گنتی کی ہی دو چار کتابیں آجتک چھپی ہونگی ۔

تقریظ از فکر لطیف شاعرِ خوش بیان و سخنورِ نکتہ دان جناب سید مظفر علی صاحب کوثر رئیس جانسٹھہ ضلع مظفر نگر

حقیقت یہ ہے کہ آپنے زبانِ اُردو پر ایسا اِحسان کیا ہے کہ ہر شخص پر جو اُردو بولتا ہے آپکا شکریہ ادا کرنا واجب ہے۔ ملک میں سیکڑوں تذکرے موجود ہیں۔ مگر آپکا تذکرہ اپنا آپ ہی نظیر ہے خصوصًا ایسے زمانے میں جبکہ زبانِ اُردو کے مٹانے کی کوشش ہو رہی ہے۔ آپ کا زبانِ مذکور کی حمایت پر کمربستہ ہونا۔ اور دامے۔ درمے۔ قلمے اس غریب زبان کی مدد فرمانا ایک ایسا مستحسن فعل ہے کہ جس کا شکریہ تمام ملک سے ادا ہونا مُحال ہے۔ گو جناب کی خدمت میں کمترین کو ظاہری نیاز حاصل نہیں ہے۔ مگر مکرّمی

جناب حکیم رضی الدین خان صاحب رئیس دہلی کی زبانی آپکے اوصافِ حمیدہ و خصائلِ پسندیدہ سُنکر غائبانہ سلسلۂ نیازمندی میں داخل ہوں۔ خداوندِ عالم سے دعا ہے کہ آپکی صحت و سلامتی میں یہ تذکرہ مکمل ہو کر شائع ہو اور ایسا درجۂ قبولیت حاصل کرے کہ آپ کے سامنے ہی متعدد مرتبہ طبع ہو ؁

تقریظ از فکرِ گہربار و قلمِ جادو نگار منشی احسن مرزا صاحب ناصرؔ لکھنوی خویش سید مہدی حسن احسنؔ

نقش فریادی ہے کسکی شوخیٔ تحریر کا	کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا

آج میرے سامنے وہ ضخیم کتاب موجود ہے جسکی آبی رنگ کی جلد پر سُنہری حرفوں میں جلی قلم سے لکھا ہوا ہے "تذکرۂ ہزار داستان المعروف خمخانۂ جاوید" سرورق پر انگریزی وضع کی سُنہری بیل اور رُوپہلی حرفوں میں "تذکرۂ ہزار داستان" خطِ گلزار میں "خمخانۂ جاوید" تحریر ہے۔ ٹائٹل پر سُرخ حرفوں میں پھر اس تذکرے کا نام اور طلائی کام کی ایک رنگین خوشنما بیل دی گئی ہے۔ اسکے بعد ایک ورق اور ہے جس میں بحضور نظامِ دکن اس کتاب کے معنون ہونیکا تذکرہ سبز اور سنہری حرفوں میں معہ ایک خوبصورت حاشیہ کے ہے بعد اسکے دو تصویریں ہیں۔ جو اپنی وضع میں مختلف ہیں۔ ایک انگریزی پوشاک میں ہے جسکے نیچے لکھا ہوا ہے "سری رام ۱۸۹۲ء" دوسری ہندوستانی پوشاک میں ہے جو اس سے بھی زیادہ بھلی معلوم ہوتی ہے۔ پہلی تصویر کمسنی اور طالبعلمی کی خبر دیتی ہے۔ دوسری لیاقت اور جوانی کی۔ اب گیارہ صفحوں کا ایک دیباچہ ہے جسکی ابتدا اس شعر سے کی گئی ہے۔

کھلتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ	شعروں کے انتخاب نے رُسوا کیا مجھے

اس دیباچہ میں مؤلفِ تذکرہ نے اپنی زندگی کے مختلف واقعات۔ اپنے تعلیمی زمانے کے مختصر حالات اور اسی کے ساتھ ساتھ اس کتاب کا مواد جمع کرنے کی کاہشیں اور بعض وقتی عذر حوالۂ قلم کیئے ہیں۔ بارہویں صفحہ کے تمام ہونیکے بعد تذکرۂ ہزار داستان آباد مرزا

مہدی حسن خاں خلف مرزا جعفر خاں لکھنوی کے نام سے شروع ہوتا ہے صفحہ ۶۸۹ میں ہوش
لالہ گردیال صاحب وکیل عدالت لکھنؤ کے نام پر تمام ہوتا ہے۔ اسکے بعد چھ صفحوں کا
ایک صحت نامہ دیا گیا ہے۔ ایک جزو میں فہرست اسمار شعرا مندرجہ تذکرہ ہے۔ پھر صفحہ
ایک سے ۷۸ تک میں تقاریظ و قطعات تاریخ لکھے گئے ہیں +

اس بڑے تذکرے کے چند جزو میری نظر سے اُس وقت بھی گذر رہے تھے جسوقت
یہ تذکرہ زیر طبع تھا۔ اِسکے اعلیٰ پیمانہ پر چھپنے کی خبر نے اور اسکے پروف کے چند اوراق
نے جب ہی سے مجکو اس کتاب کا مشتاق بنا رکھا تھا۔ آج وہ مبارک دن ہے کہ میری
مشتاق نگاہیں اسکے اہتمام و انتظام کی بہار لوٹنے کے بعد نثر و نظم کی دل چسپیوں سے
ہم آغوش ہیں۔ میری پُر شوق آنکھیں ہر ہر سطر کو بہت غور سے دیکھ دیکھ کر بجائے خود مؤلف
تذکرہ کو اُسکی کامیابی پر مبارکباد دیتی جاتی ہیں اور میں شعرائے ماضی کی جیتی جاگتی تصویروں
سے اُنکے واقعات سن رہا ہوں۔ کہیں اُنکی زندگی کے نشیب و فراز سے آگاہی حاصل
کرکے چپ ہو جاتا ہوں۔ کبھی شعرا رحال کی دل آویز نظمیں۔ اور مؤلف صاحب کی وقایع
نگاری میرے دل پر ایسا گہرا اثر ڈالتی ہیں کہ تھوڑی دیر کے لیئے میں بالکل محو
ہو جاتا ہوں علی الخصوص وہ بعض خیال جنکی میں اب لکھنے والا ہوں مجھپر حیرت کا عالم
طاری کر دیتے ہیں اور وہ تخیلات منصف دہلوی لالہ سری رام صاحب ایم اے کے حالات زندگی
سے وابستہ ہیں۔ ایک ایسے شخص کا جو آبائی تموّل کے سبب آرام کا عادی ہو بستر راحت
سے اُٹھ بیٹھنا۔ خواب شیریں کو ٹھوکر مار کر زندگی کی پیاری راتیں تعلیم انگریزی کی جی توڑ
محنت میں گزارنا۔ ایم۔ اے۔ کی ڈگری حاصل کر لینے کے بعد اپنے منصبی فرائض کی
انجام دہی میں سرگرم ہونا۔ اپنے ذاتی کاروبار اور صحت قائم رکھنے کے ذکروں سے جان
چھڑا کر ایک ایسے بڑے کام کے لیئے مستعد ہو جانا کسی طرح تعجب سے خالی نہیں +

یہ تذکرہ جو پانچ جلدوں پر منقسم ہے اور جسکی پہلی جلد میرے سامنے موجود ہے جسطرح

شعرائے ماضی و حال کی دل آویز نظموں سے بھرا ہوا ہے۔ اسی طرح مؤلف تذکرہ کی خوبیوں سے مملو نظر آتا ہے ✤

ایک مورخ کے فرائض کی اہمیت کو کچھ وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں اور وہی قدر کر سکتے ہیں جنھوں نے کبھی ایسے مشکل کام کے لئے قلم اُٹھایا ہو۔ اِس میں شک نہیں کہ لالہ سری رام صاحب نے اپنی خدا داد قابلیت سے پہلے ہی وہ فرائض چُن چُن کر اپنے دماغ میں محفوظ کر لئے ہیں اسکے بعد شاید ایسی دشوار گزار راہ میں قدم رکھا ہے۔ اِنکے لکھے ہوئے ہر ذکر سے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ لکھنے کے وقت اُنھوں نے کسی کی جانب داری نہیں کی کسیکی رعایت سے کام نہیں رکھا مروّت کو بالائے طاق رکھا۔ اپنے ارادوں سے سر مو تجاوز کرنے کو عیب جانا۔ اپنی موجودہ حدود پر نظر برابر جمائے رہے ہیں بلکہ جو خیال دل کی تہ سے نکلا ہے اُس کو بے کم و کاست حوالۂ قلم کر دیا ہے۔ اُنکے قلم کی آزادانہ روش بتا رہی ہے کہ جو کچھ کیا ہے نیک نیتی سے کیا ہے اور جو کچھ لکھا ہے سچّائی سے لکھا ہے۔ مگر اسے وہ کیا کریں کہ ایک شاعر شہرت سے ہی بے نیاز ہو کر محض اپنے نہ رُکنے والے جذبات سے مجبور ہو کر کبھی کبھی شعر کہہ لیتا ہے اور اسی وجہ سے تذکرہ نویسوں کی درخواست کو بھی نامنظور کر دیتا ہے۔ تذکرہ نویس چاہتا ہے کہ جہانتک ممکن ہو سچّے واقعات قلمبند کروں۔ مگر جب اُسکو وہ واقعات جو صحّت پر مبنی ہیں دستیاب ہی نہوں تو وہ کیا کرے۔ لیکن یہ عجیب دلشکن مشکل ہے کہ قلم سے نکلنے کے بعد اُن مشتہرہ حالات کی صحّت و غیر صحت پر ضرور نظر ڈالی جاتی ہے اور یہی باتیں مابہ الامتیاز فرق پیدا کرنے والے اہل قلم کے لیئے مدح و ذم کی باعث ہوتی ہیں۔ ماورا اسکے بعض ایسی پیچیدہ رہجانے والی باتیں ہوتی ہیں جو اپنی طرف توجہ دلانے پر مجبور کر دیتی ہیں۔ چنانچہ موجودہ تذکرے کو دیکھتے دیکھتے میں صفحہ ۲۸۵ تک پہنچا تھا کہ یکایک چونک پڑا اور حکیم مرزا آغا حسن صاحب آزل مرحوم خلف میرزا عبّاس صاحب کے ذکر میں جو میرے قرابت داروں میں سے ایک بزرگ تھے) بعض ایسے غیر واقعی حالات دیکھنے میں آئے کہ

مجکو ایک اچنبہ سا ہوگیا۔ اسی صفحہ کی سترھویں سطر میں مسطور ہے کہ جناب ازل اصلی امامیہ مذہب تھے مگر کسی وجہ سے قیام بہار کے زمانے میں تبدیل مذہب کرکے سُنی ہوگئے تھے۔ مگر مرض الموت میں مذہب امامیہ کا اعلان کرکے انتقال کیا" یہ امر ایسا خلاف واقعہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی طرح دل نہیں چاہتا کہ ایک یادگار تذکرے میں ہمیشہ کے لیئے ایسی فاش غلطی نظر انداز کی جائے بلکہ اس کا کسی طور سے اعلان کردینا مرحوم شاعر اور مہتم بالشان تذکرے کے حق میں بہر صورت بہتر و انسب معلوم ہوتا ہے۔ صحت نامے میں "آغا حسن" کی جگہ "آغا حسین" لکھا گیا ہے۔ حالانکہ صحیح آغا حسن ہی ہے ؎

اب میری نظر صفحہ ۴۶۵ کی آخری سطر سے چلکر صفحہ ۴۶۶ کی دوسری سطر پر رُک گئی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ جناب اُنس میر مہر علی صاحب مرحوم کے حالات میں ایک سخت غلطی نظر آئی ہے جس کا اعلان ضروری معلوم ہوتا ہے۔ مرحوم کے واقعات کی عبارت یہ ہے۔ "اُنس۔ میر مہر علی لکھنوی۔ خلف میر مستحسن خلیق فرزند میر حسن صاحب بدر منیر۔ اپنے والد مرحوم کے شاگرد اور اکثر مرثیہ کہتے تھے۔ آپ میر انیس مغفور کے حقیقی بھائی تھے اِنکے بیٹے میر حیدر اور میر تعشق بڑے خوش فکر اور شیریں زبان شاعر گزرے ہیں۔" (اُنکے بیٹے میر و حیدر" یہاں تک تو میری نظر برابر جمی رہی لیکن (میر تعشق) کا نام آتے ہی کچھ میری نگاہیں منتشر سی ہوگئیں اور میں ہکا بکا ہوکر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ کیونکہ تعشق جناب سید صاحب مرحوم کا تخلص ہے جو میرزا صاحب اُنس کے بیٹے اور میاں (عشق) کے بھائی اور پیارے صاحب رشید مدظلہ کے حقیقی چچا تھے اور مرثیہ گوئی میں ان کا بھی ایک رنگ خاص تھا۔ اسکے بعد بہت تعجب کے ساتھ اس بات کا افسوس ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ باوجود تلاش صرف چند شعر غزل ہی کے صاحب تذکرہ کو دستیاب ہوئے۔ حالانکہ جناب اُنس مرحوم کے کلام کا ایک معتد بہ حصہ مثل مرثیوں۔ سلاموں۔ رباعیوں کے

؎ مولف تذکرہ نے آزل صاحب کے شاگرد رشید مولانا شاہ حفیظ رئیس پٹنہ سے آزل مرحوم کے حالات دریافت کیئے تھے چنانچہ انھیں کے مرسلہ حالات سے جناب ازل کے حالات اقتباس کرکے درج تذکرہ کیئے گئے ہیں۔

ہندوستان کے متعدد شہروں میں پھیلا ہوا ہے۔ علی الخصوص پٹنہ عظیم آباد میں۔

اب میں صفحہ ۴۶۶ کے بعد جستہ جستہ کلام دیکھتا ہوا چلا جاتا تھا۔ اور ورق گردانی میں مصروف تھا کہ صفحہ ۵۲۸ پر آ کر الف تمام ہو گیا اور آخر میں حکیم حافظ مولوی محمد احمد سکندر پوری کے اس آخری شعر نے اس حصے کو علیحدہ کر دیا۔ سہ

تو ہی اے دیدۂ تر اب کوئی تدبیر بتا	لگ گئی آتش غم دل میں بجھائیں کیونکر

اسی صفحہ کا باقی حصہ ایک گلدستے اور چار گوشوں سے مزین کیا گیا ہے۔ جو مورخ اور مہتمم تذکرہ کی خوش سلیقگی کی خبر دینے سے خالی نہیں۔ اور جس سے یہ بات ثابت ہے کہ تذکرہ کو ہمہ وجوہ خوشنما بنانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا گیا ہے۔

صفحہ ۵۲۹ کی ابتدا حرف (ب) سے ہوتی ہے اور میر بادشاہ علی کے اس شعر سے تذکرہ پھر شروع ہوتا ہے۔ سہ

بلبل شیدا نے پوچھا گل سے یوں روز بہار	اے گل رعنا ترے دامن سے کیوں لپٹے ہیں خار

تذکرے کی خوبیاں ہم کو اس کے معائب کی طرف نظر اٹھانے کو مانع ہیں بلکہ گناہ ثابت کر رہی ہیں لیکن افسوس تو یہی ہے کہ گناہ سے وہی لوگ بچ سکتے ہیں جن کو دنیا کی دلچسپیوں سے کوئی کام نہ ہو اور یہ ہو نہیں سکتا کہ ہم "خمخانہ جاوید" کے متوالے نہیں اور اس کی جرعہ کشی سے دست بردار ہو جائیں۔ جب ہم تمام ہندوستانی شاعروں کا کلام ایک جگہ مدون ہونا خیال کرتے ہیں اور مورخ کی وہ محنت اور وہ جانفشانیاں جو کسی طرح خیال میں آنے والی نہیں۔ ہمارے سامنے آتی ہیں تو خود ہم کو ہمارے ارادے اور ہمت پست نظر آتی ہے۔ نگاہوں میں حیرت اور دل میں رشک کے آثار نمایاں ہوتے ہیں۔ اس وزنی احسان سے سبکدوش ہونے کا جب کوئی پہلو نظر نہیں آتا تو مجبور ہو کر یہ کہنا پڑتا ہے کہ کاش زبان اردو سے ہم کو کوئی تعلق نہ ہوتا۔ یہ زبان ہماری زبان نہ ہوتی واقعی اردو لٹریچر میں یہ پہلا معتد بہ اضافہ ہے۔ جس نے ہم کو گھر بیٹھے ہندوستان کے تمام شاعروں سے ملنے کا موقع دیا۔ ہم بہت خوشی اور نہایت شکر گزاری کے ساتھ اس احسان کا

بار اپنے سر پر لیتے ہیں۔ کیونکہ بہت سے ایسے خوش فکر شاعروں کا کلام دیکھنے میں آرہا ہے جنکے کلام سے اسکے قبل فیضیاب ہونے کا کبھی موقع نہ ملا تھا۔

مجھے امید ہے کہ مؤلف صاحب مجھے اپنا ایک سچا بہی خواہ تصور کرکے ان اغلاط سے متنبہ کر دینے سے کوئی برا اثر نہ لینگے ۔

تقریظ خمخانۂ جاوید نتیجۂ قلم جادو رقم جناب محمد قطب الدین خاں طالب وکیل ریاست گوالیار و حاضر باش محکمہ رزیڈنسی میواڑ

ہست نہال ریاض قدیم	بسم اللہ الرحمن الرحیم

اس وقت میرے ہاتھ میں ایک ایسی کتاب ہے کہ باعتبار صورت ظاہری فقط ایک خوشنما جلد میں مجلد ہے اور اعلیٰ قسم کے کاغذ پر خوشخط لکھی ہوئی ہے لیکن بلحاظ خوبی ہائے باطنی و نفس ہیں ہائے معنوی ع "اپنی نظیر آپ ہے اپنی مثال آپ" کیوں نہ ہو کیسے لائق و فائق بہترین افاضل فخر اماثل لالہ سری رام صاحب ایم۔ اے کی مصروفیت و عرق ریزی سالہا سال کا بہترین نتیجہ ہے۔ کون نہیں جانتا کہ جس فن کو لالہ صاحب ممدوح نے لباس جاوید پہنایا ہے مدت ہوئی کہ روش زمانہ سے نہ صرف عریاں ہی ہوا تھا بلکہ بعض خیالات میں تو اس کا وجود بھی قریبا درجہ عدم تک پہنچ چکا تھا۔ ایسی سرد بازاری و گمنامی کے وقت میں لالہ سری رام صاحب کی مثل قابل و فاضل و عالی دماغ کا متوجہ ہونا اور انتہا سے بالغ نظری سے اس ضرورت کا احساس کرکے بصرف اوقات و اموال اس گرانقدر سرمایہ کا جمع فرمانا واقعی آسان کام نہ تھا ع

"صد آفریں مؤلف عالی دماغ پر"

آنے والی نسلیں جہاں تک مؤلف گرامی کی شان اس جلیل القدر احسان کی شکر گزار رہوں اور خوش دماغان سخن جس حد تک اس سرمایہ پر فخر کریں حق بجانب ہیں۔ کیونکہ ہر انسان بالطبع

فطرت نظم پر بالطبع مائل ہے کوئی ملک عرب ہو یا عجم۔ ہند ہو یا فارس۔ کوئی قوم جرمنی ہو۔ یا روسی۔ ترکی ہو یا تاتاری لطفِ کلام و مذاقِ سخن سے بے بہرہ نہیں۔ بلکہ حقیقتاً ہر فرد بشر با ذوق ہے۔ اِس اِستدلال پر حضرت متقدمین کا کلام شاہد ہے۔ خسرو۔

ما ہمہ در اصل شاعر زادہ ایم	دل بہ ایں محنت نہ از خود دادہ ایم

پس جب یہ مسلّم ہے کہ سخنگوئی لوازم انسانیت سے ہے تو ایک ایسی زبان کے لیئے جس کا کوئی مدد و معاون نہیں لالہ صاحب کا ایسا منفعت بخش حامی و سرپرست ہونا اُنکے و نیز ملک و قوم کے لیئے کیسا کچھ موقع مسرّت و مبارکباد ہے اِس لیئے میں اپنی مختصر تقریظ کو اس دعا پر ختم کرتا ہوں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ لالہ سری رام صاحب کو تندرست و ذی اقبال رکھّے اور توفیق عطا فرمائے جس تمہید و ہدایت کے ساتھ خمخانۂ جاوید کا آغاز کیا ہے۔ اُسی تکمیل و نہایت کے ساتھ وہ انجام کو پہنچائیں۔ آمین ثم آمین

قطعۂ تاریخ طبع جلد دوم خمخانۂ جاوید

اے سری رام۔ ایم۔ اے منصف	عدل و نصفت میں تم بھی یکتا ہو
خلق و تہذیب و قابلیت میں	آپ ہی تم جواب اپنا ہو
تم ہو اہلِ مذاق کے محسن!	کیوں نہ ممنوں ہر اک تمہارا ہو
نام زندہ کیئے ہزاروں کے	عہد کے اپنے تم مسیحا ہو
کیا مرتّب کیا ہے خمخانہ	وصف کیا کیا زباں سے اِسکا ہو
بس دعا ہے کہ یہ رہے آباد	اِس کا ہر چار سمت چرچا ہو
میکشوں کا ہجوم ہو اس میں	جام ہر رنگ کا چھلکتا ہو
ہے تمھاری جو ہمت و کوشش	اس کا حاصل تمھیں نتیجہ ہو
قطعہ اب ختم کیجئے طالب!	لطفِ صنعت و لیکن ایسا ہو
سالِ ہجری بھی عیسوی سن میں	سن و تاریخ سے نکلتا ہو

۱۳۲۷ ۹ ۱۹

تقریظ

نتیجۂ طبع وقّاد جناب سید آغا حیدر صاحب بی۔ اے۔ ایل ایل۔ بی سہارنپور

اگرچہ مجھے خدمتِ سامی میں حصولِ نیاز کا شرف نہیں لیکن غائبانہ معرفت ضرور ہے۔ آج حسنِ اتفاق سے ایک صاحب کے پاس جناب کے تذکرہ شعراء کی جلد اول دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ فی الحقیقت جناب نے بڑی محنتِ شاقہ اور دردسری کو اپنے سر لیا ہے جس میں بہت کچھ دماغ سوزی کرنی پڑی ہوگی اور بہت سا وقتِ عزیز صرف ہوا ہوگا۔ ملک اور زبان دونوں پر آپ کا احسان ہے جس کی اہلِ ملک کو تہِ دل سے شکرگزاری کے بعد قدر کرنی چاہیے۔ زیادہ قابلِ قدر اور مسرت انگیز یہ امر ہے کہ آپ جیسے ایک گریجویٹ جنٹلمین نے اس طرف توجہ کی اور اپنے ملک کے مردہ دانایان و رفتہ باکمالوں کو جن کے رنگ کو زمانہ تقریباً مٹا چکا تھا۔ نئے سرے سے حیاتِ جاوید بخشی۔ نتیجہ یہ ہے کہ ایسا جامع تذکرہ جس کو شعراء کے ہست و بود کا انسائیکلوپیڈیا کہنا بجا ہے اب تک نہیں لکھا گیا تھا۔ علاوہ بریں طرزِ تحریر و خوبی کا عبارت دلکش و دلفریب ہے کہ بیساختہ دل کو اپنی طرف کھینچے لیتی ہے۔ اس لئے امید کی جاتی ہے کہ حسنِ قبول و پسندِ عام سے بھی یہ تذکرہ ممتاز ہوگا۔ ساتھ ہی مجھ کو افسوس ہے کہ ایسا جامع و حاوی تذکرہ جناب سہارنپور کے بعض برگزیدہ اور مقتدر شعرائے ماضی و حال کے اسمائے گرامی سے معرا و خالی ہے لیکن اس شکایت و معذرت سے جو ابتدائے کتاب میں جناب نے بعض حضرات کی بے پروائی و غفلت شعاری سے جواب خطوط تک نہ بھیجنے کی تحریر کی ہے ضرور تلافی ہوتی ہے ۔ مرقومہ ۲۱ ستمبر سنہ ۱۹۰۸ء

قطعۂ تاریخ ترتیب تذکرۂ شعرائے ہندوستان المعروف بہ خمخانۂ جاوید از طبع وقّاد عزیز پنڈت [illegible] پرشاد صاحب [illegible] انسپکٹر [illegible] ریاست [illegible]

خشتیۂ مہر خمخانۂ نایاب	[illegible] ۱۳۲۶ [illegible]

نظیر آپ یہ اپنی ہے آج دنیا میں ‌ ‌ ‌ نہ اس کا دلی میں ہے اور نہ لکھنؤ میں جواب
نئی صدی کی ہے واللہ یہ نئی سوغات ‌ ‌ ‌ یہ انتخاب حقیقت میں ہے بڑا خوش آب
نگاہ لطف سے اب دیکھیں دیدۂ مشتاق ‌ ‌ ‌ نقاب رخ سے اٹھاتا ہی مہرِ عالمتاب
مہک جہان میں پھیلی گلِ مضامین کی ‌ ‌ ‌ رہے یہ باغِ سخن ہند کا سدا شاداب
کہو یہ بہر طبع سنِ عیسوی سالِ مہر ‌ ‌ ‌ لکھی ہے رائے سر بام نے یہ خوب کتاب
۱۹ ۸

دیگر

یہی ہے صلۂ محنتِ شاقہ کا ‌ ‌ ‌ سرِ تبصرہ بار ہر سمت سے داد کی ہے
ہوا غیب سے مادۂ مہرِ تصدیق ‌ ‌ ‌ یہ تالیف خود مہرِ استاد کی ہے
۲ ۱۹

تقریظ نظم از کلکِ گہر سلکِ شاعرِ شیریں بیان ناظمِ نکتہ دان پنڈت جواہر ناتھ صاحب کول غمخوار ذناتربہ بسوہ دار متخلص بہ ساقی دہلوی

ہو رہا ہے بلبلانِ نغمہ زن میں تذکرہ ‌ ‌ ‌ یہ گلِ رعنا ہے معنی کے چمن میں "تذکرہ"
کیوں نہ ہو معروف یہ ہر انجمن میں "تذکرہ" ‌ ‌ ‌ ہو گیا مشہور یہ اہلِ سخن میں "تذکرہ"
حال کا یہ حال ہے ماضی کا استقبال ہے ‌ ‌ ‌ یادگار کو ہے یہ دہرِ کہن میں "تذکرہ"
شہرت اسکی ہو گئی پنجاب میں بنگال میں ‌ ‌ ‌ شرق میں چرچا ہوا اسکا ہے دکن میں تذکرہ
اتحاد و وحدت و کثرت سرحدی ہیں راہ میں ‌ ‌ ‌ شوق و رزم کا رنگ ہے مترد علان میں تذکرہ
دیکھ کر حسن ادا سب اسکے شیدا ہو گئے ‌ ‌ ‌ ہو گیا محبوبِ عالم حسنِ ظن میں "تذکرہ"
بلبلِ شیدا بنا ہے باغ میں ہر ایک گل ‌ ‌ ‌ ہو رہا ہے اسکا سبزانِ چمن میں "تذکرہ"
اس کا آوازہ ہوا فردوس میں فردوس میں گوش ‌ ‌ ‌ قدسیوں میں بھی ہوا باغِ عدن میں تذکرہ
ساقی خلوت نشیں ہم بھی ہوئے ہیں شادماں ‌ ‌ ‌ جلوہ آرا یہ ہوا اپنے وطن میں "تذکرہ"

اقتباس از تحریر جناب پنڈت اندر پرشاد صاحب دہلوی وکیل عدالت العظمیٰ ضلع مظفرنگر

اتفاقیہ ایک دوست کی عنایت سے آپ کا مؤلفہ "خمخانۂ جاوید" دیکھا۔ اور خوب اچھی طرح دیکھا

اُسکے دیکھنے سے جسقدر مجکو مسرت ہوئی ہے اُسکو میں ظاہر نہیں کرسکتا۔ جزاک اللہ آپنے نہ صرف اُردو شعرا پر بلکہ اُردو زبان پر جو احسان کیا ہے اُس احسان کے بارگراں سے کبھی اُردو زبان سبکدوش نہیں ہوسکتی۔ یہ کام آپ ہی ایسے عالی ہمت مذاق زبان رکھنے والے عالم باعمل شخص کا کام تھا جو آپنے پورا کیا خدا کرے پبلک آپ کی ایسی ہی قدردانی کرے جیسکے آپ ہرگونہ مستحق ہیں ؛

تقریظ دلپذیر از نتیجۂ فکر شاعر سخن سنج معنی طراز منشی چندی پرشاد شیدا دہلوی
تلمیذ حضرت مولنا عبدالرحمن صاحب راسخ دہلوی

اودھ پنچ جلد سی و سوم مطبوعہ ۱۱ فروری سنہ ۱۹۰۹ء میں اے ع-م- کے پردہ نشین نام سے خمخانۂ جاوید سے متعلق ایک طول طویل مضمون نظر سے گزرا جس کا ذکر ریاض الاخبار گورکھپور کے لائق ایڈیٹر صاحب نے بھی اپنے اخبار میں کیا ہے۔ واقعی اُنکی رائے صلح کل کا پہلو لیے ہوئے ہے

اودھ پنچ کے قابل نامہ نگار نے جو کچھ لکھا ہے وہی خود ذرا انصاف کی عینک لگا کر دیکھیں کہ تمام کمال راست راست اور بے کم و کاست شاعروں کے کلام کا موازنہ کیا ہے اگر ایسا نہیں ہے تو انہیں کہاں سے یہ حق حاصل ہوگیا کہ دوسروں پر یک طرفہ رائے زنی کریں۔ لالہ سری رام صاحب نے سترہ برس محنت شاقہ اُٹھا کر اور زر کثیر خرچ کرنے کے بعد یہ شعرائے ماضی و حال کا تذکرہ لکھا ہے۔ اگر اتفاقاً بعض شاعروں کا حال اُس میں صحیح درج ہونے سے رہ گیا ہے تو اُس کا بار لالہ صاحب موصوف پر ہرگز نہیں آسکتا۔ جن ذریعے سے اُنکو حالات معلوم ہوئے ہیں یہ اُس خبر رسان کی غلطی یا بھول ہوسکتا ہے۔ اسکی نسبت مجھے زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ یہ کمی ایسی ہے کہ دوسرے ایڈیشن میں پوری ہوسکتی ہے کیونکہ اُن کا یہ دعوی تو نہیں ہے کہ جو کچھ اس تذکرے میں لکھا گیا ہے اُس میں ترمیم و تنسیخ ہو ہی نہیں سکتی۔ اسلئے کہ تذکرے کا لکھنا آسان کام نہیں ہے تحقیق کے واسطے ناگزیر

آ ایسے وسائل اختیار کرنے پڑتے ہیں جن میں فروگذاشت ہوجانا ممکنات سے ہے۔ پس آپ کی لعن وطعن آپ کے لیئے ہی موجب شرمساری ہوسکتی ہے ورنہ اتنی محنت اور زر کثیر خرچ کرکے تمام ماضی و حال کے شاعروں کا صحیح صحیح تذکرہ خود ہی لکھکر دکھا دیجئے۔ بات کہدینا آسان ہے اور کچھ کر دکھانا مشکل ہے۔

حضرت داغ اور جناب امیر لکھنوی کی نسبت جو آپنے ارشاد فرمایا ہے کہ امیر مرحوم کے شاگرد داغ مغفور کو اُن کا ہمپایہ نہیں سمجھتے تھے تو یہ اُنکی لیاقت اور ادب شناسی کی بات تھی حضرت ریاض اور جلیل کی بابت جو حضرت داغ کا مقابلہ کرنے کا بے سروپا قصہ گھڑ لیا گیا ہے اُس سے حضرت داغ کی شان میں کچھ فرق نہیں آتا۔ گستاخی معاف یہاں کے بعض نوشق شعرا کی بعض بعض غزلیں حضرت امیر کی غزلوں سے بڑھ گئی ہیں تو کیا ہم یہ سمجھ لیں کہ حضرت امیر کی اُستادی میں فرق آگیا۔ یا وہ کچھ تر ہے۔ اگر حضرت ریاض و حضرت جلیل حضرت داغ کے مقابلے میں بیٹھکر لکھنے کا چیلنج دیا تو یہ اُنکی اخلاقی کمزوری تھی کہ ایک مسلم الثبوت استاد کا اس شوخ چشمی سے ترک ادب کرتے تھے۔ شاعری کا فن کسی کی میراث نہیں۔ اگر حضرت داغ کے شاگرد اسی طرح جناب امیر لکھنوی سے کہہ بیٹھتے تو کیا امیر مرحوم اُسی وقت اُنکے مقابل لکھنے بیٹھ جاتے؟ اور اپنے پیرنا بالغ ہونے کا ثبوت دیتے؟ درحقیقت جو صفائی زبان شوخی بیساختہ پن اور آمد میرزا داغ کے کلام میں پائی جاتی ہے۔ وہ جناب امیر کے یہاں موجود نہیں ہے۔ گو وہ اشعار بلحاظ دیگر امور بہت اچھے سہی لیکن دعوی تو یہی ہے کہ صفائی زبان۔ الفاظ کی چستگی۔ بندش کی چستی اور سادگی ایسی ہے کہ اُن کا کلام مقبول عام ہوگیا صبا۔ سحر۔ وفا۔ فدا۔ آہ۔ مجید۔ اور گوہر۔ انتخاب۔ کے اشعار جو نقل کیئے گئے ہیں۔ یہ زبان کی صفائی دکھائی گئی ہے لیکن نظر انصاف سے دیکھنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ حضرت داغ کے شاگردوں کے کلام میں اس سے بہتر صفائی پائی جاتی ہے۔ ان مرحوم شاگردوں کے دیوان میں قصیدہ ہی بہت ہی کم شعر مہمل کہیں گے۔ جبکہ جناب میرزا داغ مرحوم کے دیوان میں

موجود ہیں۔ آپنے داغ صاحب کے اس شعر پر منہ اُڑا یا ہے۔ ؎

دیکھنا پیر مغاں حضرت واعظ تو نہیں	کوئی بیٹھا نظر آتا ہے پس خم مجھکو

واقعی آپکی رنگین عینک وا رنگاہ میں اس شعر سے کوئی بات نہیں نکلتی لیکن ریاض گورکھپوری جو آپکے ممدوح ہیں اُنکے اس شعر میں تمام علوم کا خزانہ بھرا ہوا ہے۔ ؎

کوچے میں اُنکے پھرتے تھے کل اس طرح ریاض	اک پشت خار ہاتھ میں اور سر منڈا ہوا

اگر داغ مرحوم نے متقدمین کی تقلید کی تھی تو ہم حیران ہیں کہ امیر مرحوم کا ایجاد بھی ہمیں کہیں نہیں ملتا سوائے امیر اللغات کے جسکی بابت زمانہ جانتا ہے جیسی کہ وہ ہے سبحان اللہ آپنے صاف و شستہ اشعار کو تو بازاری زبان فرمادیا لیکن اُنکے ہوئے ریشم کو کس مقام کی بولی کہوگے۔ یہ شاید خانگی زبان میں داخل کیجائے گی ٭

معلوم ہوتا ہے حضرت کو خبر نہیں کہ زمانے کے ساتھ مذاق بھی بدلتا جاتا ہے۔ پہلے دور اور اس زمانے کی شاعری میں زمین و آسمان کا فرق ہو گیا ہے۔ کوہ کندن و کاہ برآوردن جسکی بہت سی مثالیں موجود ہیں اب موزوں نہیں سمجھا جاتا۔ ؎

قبح کے دیکھنے والے تو بہت ہیں تو گیرا	اور یہاں قدر شناسان سخن تھوڑے ہیں

کسی شخص کی محنت پر خیال کرکے حوصلا افزائی تو درکنار بلکہ بے حصول نکتہ چینی کا شعار لوگوں نے لیاقت کا مدمنہ سمجھ رکھا ہے لیکن انصاف پسند حضرات اچھی طرح جانتے ہیں کہ جسقدر آپکی لیاقت ہے کسی سے پوشیدہ نہیں اخبارات کے قیمتی اوراق ایسے بے نتیجہ مضامین سے سیاہ کرنا عقلمندوں کا شیوہ نہیں۔ اتنا وقت کسی اور کام میں صرف کیا جاتا تو بہتر ہوتا۔ ہمیں یقین ہے کہ آئندہ نامہ نگار صاحب اس مضمون کو طول نہ دیکر کسی مفید شغل میں اپنا وقت صرف کرینگے۔ ورنہ ؎

مصلحت پردہ دری میں نہیں ہرگز ورنہ	آپکے گھر کے ہیں نظروں میں ہماری تو اسو داغ

ریاض الاخبار کے فاضل اڈیٹر حکیم برہم نے بھی اپنی پوری زبان میں خمخانہ جاوید

کی نسبت اپنے تخلص کی رعایت سے کچھ برہمی کا ثبوت دیا ہے۔ لیکن ہم سمجھتے ہیں ؎

نیش عقرب نہ از پئے کین ست	مقتضائے طبیعتش این ست

اور خاموش ہو رہتے ہیں۔ انکی رائے کے موافق اودھ پنچ کے نامہ نگار نے "خمخانہ کی مٹی تو کیا پلید کی ہے بلکہ اپنی بھدّی لیاقت اور بھونڈی سمجھ کا نمونہ پیش کیا ہے۔ ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم	چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

اتنا مختصر مگر صفائی اور سچائی کے ساتھ کسیکو منع گستاخی کرنا اور اسکی ناشائستگی اسے واضح کرکے بتا دینا انسانیت کا فرض ہے اس پر بھی اگر کوئی ناراض یا رنجیدہ ہو تو اسکی محرومی قسمت۔ تقدیر بنانا خدا کا کام ہے ہمارا کام نہیں کسیکی تذکرہ نظر سے نہ گذرنے کی شکایت اسکے افلاس کا ثبوت یا بخل کی دلیل ہے اور محض سنی سنائی باتوں پر مؤلف کی لیاقت کا اندازہ کرلینا بیوقوفی اور حماقت کا نشان ❖

تذکرے کی خوبیاں خود تذکرے سے ظاہر ہیں اور دنیا بھی ابھی جوہر شناس نگاہوں سے خالی نہیں ہوئی ہے۔ جیسا کہ دیگر ارباب کمال اور اہل فن حضرات کی تقاریظ اور ریویو نگارشوں سے ظاہر ہو رہا ہے ❖

فی الحقیقت مؤلف کی محنت اور جانکاہیوں کی جسقدر داد دیجائے تھوڑی ہے۔ یہ درد سر اور صرف زر لالہ سری رام صاحب کے سوا دوسرے کے بس کا نہ تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ لالہ صاحب نے ملک اور ملک کی زبان پر جو احسان کیا ہے اس کا کوئی نعم البدل ہو ہی نہیں سکتا۔ حیف ہے اگر اہل بینش لفظی ستایش اور زبانی داد سے بھی دریغ کریں میں دلی شکریہ کے ساتھ لالہ صاحب کو اس عظیم الشان تالیف پر مبارکباد دیتا ہوں اور بقیہ جلدوں کی تکمیل و اشاعت میں کامیابی کے لیئے دست بدعا ہوں اور جانتا ہوں کہ با فضال ایزدی لالہ سری رام صاحب کو اسکے علاوہ کسی دوسرے صلے یا داد و تحسین کی پروا بھی نہیں ہے۔ ؎

طبع گوشہ چشم است نزار باسپاہ خرد	ورنہ مستغنیم از مال و منال زر و سیم

اقتباس از نگارشِ گرامی دریائے شاعری کے بے بہا گوہر جناب حکیم معشوق علی صاحب جوہرؔ شاہجہانپوری وکیل بھوپال رئیس و زمیندار شاہجہانپور و لکھنؤ

پیارے سیرام! آئیں تم پر نثار۔ میں تم پر صدقے۔ اللہ تم کو چشمِ زخم۔ نظرِ بد۔ نگاہِ حاسد۔ دیدۂ زمانہ۔ غمّاز و نمّام کی تاک جھانک سے محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین۔ میرے اس خط میں جو فقرے روشِ قدیم کے خلاف بطرزِ جدید پاتے ہو اس کی وجہ محض اس وقت کی میری از خود رفتگی ہے۔ مجھ پر جو عالم طاری ہے میں اس کی تفصیل نہیں کرسکتا بلکہ اجمالاً بھی بیان نہیں کرسکتا۔ بلکہ ایک شمّہ بھی ادا نہیں کرسکتا ہوں۔ آج یکایک اس شاہدِ رعنا نے جلوہ دکھلایا جس کا اشتیاق مدتوں سے تھا۔ الحمد للہ کہ ع اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم، کیا کہوں کہ کیا عالم اس نے طاری کردیا کہ نہ اپنے ہوش میں ہوں نہ حواس میں۔ ٹھیک ایک بجے ڈاکیہ نے جلد تذکرہ ہزار داستان دی نماز ظہر کے ارادے سے بیٹھا تھا کہ وضو کرکے نماز ظہر پڑھوں اور اس کے بعد یہ وقت تا بمغرب تلاوتِ قرآن کا ہے۔ مگر اس وقت کہ چار بجا چاہتے ہیں نہ وضو کیا ہے نہ نماز پڑھی ہے سوائے اس کے کہ تمھاری ترقی عمر و اقبال کی دعائیں مانگ رہا ہوں اور تمھارا نادیدہ مشتاق ہو گیا ہوں۔ جو کچھ میرے قلب کی حالت ہے میں اس کو ظاہر نہیں کرسکتا ہوں۔ میں اپنے آپ کو فنائے سخن سمجھتا تھا اور یہ دعویٰ تھا اس وجہ سے کہ نہایت غریب کا بیٹا۔ نہایت غریبی میں زندگی کٹی۔ افکار و مہمات کا ہمیشہ سامنا رہا مگر کبھی دامنِ مذاقِ سخن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ مگر بھائی تمھاری حالت اور تمھارے تذکرے کا دیباچہ پڑھ کر جس میں ایک حرف بھی تصنع کا نہیں ہے دل بے قابو ہوگیا۔ اور خفقان کی سی حالت ہوگئی۔ افسوس کہ تم نے لکھنؤ سے واپسی کے وقت مطلع نہ کیا ورنہ میں اسٹیشن پر ضرور ملتا۔ اور تمھارے دیدار سے آنکھیں منور کرتا۔ تمھارے پہلے خط کے آنے پر اور میرے کلام کی طلبی پر میں نے اعتراز کیا تھا۔ کیونکہ میری عادت ہے میں کسی گلدستے میں غزل نہیں بھیجتا

کسی کتاب کی تقریظ نہیں لکھتا۔ تاریخ نہیں لکھتا۔ کیونکہ میں دیکھتا ہوں اُن میں ایسے لوگوں کی تاریخیں تقریظیں بھی شامل ہوتی ہیں جن کو موزوں اور ناموزوں میں بھی امتیاز نہیں ہوتا ہے۔ گلدستوں کا خاص ڈھنگ یہ ہے کہ ایک موزوں طبع نے چند غزلیں لکھکر اُن اطفال کے نام سے گلدستوں میں بھیجدیں جن کو نظم و نثر کا فرق بھی معلوم نہیں۔ کچھ اپنی استادی کی شہرت اور کچھ اُن کی شاعری کی شہرت کی غرض سے مجھے انکی مجالس میں اپنا وجود ایسا معلوم ہوتا ہے جیسا کہ آموں میں گولر۔ چنانچہ اسی بنا پر کہ ایسا ہی یہ تذکرہ ہوگا۔ میں نے اپنا کلام بھیجنا مناسب نہ سمجھا۔ لیکن بھائی آج جو تذکرہ دیکھا تو میں نہیں کہہ سکتا کہ میرے دل کی کیا حالت ہوگئی ہے ٭

تقریظ جو میں نے بھیجی تھی تو مجھے نہایت تردّد تھا کہ کتاب کے صرف چند جزو دیکھے ہیں اور تقریظ لکھدی۔ تقریظ اُس خاص مضمون کا نام ہے جو بلا افراط و تفریط کتاب یا مصنّف کی حالت کو عیاں کردے۔ بارے الحمدللہ کہ تقریظ کے مضمون سے کتاب و صاحبِ کتاب بدرجہا بہتر ہے۔ کوئی لفظ میری تقریظ کا اغلاق و غلو یا تعلّی شاعرانہ میں داخل نہیں ہے۔ اب میں اس تذکرہ کے متعلق ایک خاص کام کرنے کی ہمّت باندھتا ہوں۔ اور جہاں تک مجھ سے اسکی خدمت کیجا ئیگی کرونگا۔ میری نظر و خیال میں جو حالات خیالات اس تذکرے کے لائق ہیں وقتاً فوقتاً آپکی خدمت میں بھیجونگا۔ میرے اس خط میں جو کچھ بے اعتدالی اس وقت ہوا اُس کو معاف کردینا۔ کبھی "تم" اور "تمکو" اور کبھی "آپ" اور "آپ کو" مختلف الفاظ سے مخاطب کیا ہے۔ یہ محض میری محبّت اور بیخودی ہے اسی کو آپ ادائے شکریہ یا مبارکباد سمجھیں جو آج اس تذکرہ کو دیکھ کر میرا فرض ہے۔ اتنا بتاؤ کہ تذکرہ تو دیکھکر دل گیا مگر تم کیونکر دیکھنے کو ملوگے! اور یہ نہ لکھا کہ کس طرح لکھی گئی

تمہارا نادیدہ مشتاق

مشتاق علی۔ جوہر۔ مرقومہ ۸ ستمبر ۱۹۰۸ء از شاہجہانپور

اقتباس از عنایت نامہ مکرمی محمد رئیس الزمان صاحب سکرٹری آنریبل راجہ صاحب بہادر والی محمود آباد

جناب معظم مخدوم مکرم دام مجدکم۔ تسلیم و نیاز۔ "خمخانۂ جاوید" کی جلد اول خوبصورت موصول سرکار ہوئی۔ عنایت کا شکریہ قبول فرمایئے۔ اور مجھے اس اعتراف کی اجازت دیجئے کہ اس صدی میں بے یارو مددگار اُردو زبان پر آپ نے جو احسان کیا وہ یادگار احسان ہے انصاف یہ ہے کہ آپ نے اس زبان کے حق میں مسیحائی کی۔ آپ کی ہمت اور دلی توجہ کا نتیجہ ضرور ہوا کہ اُن لوگوں کی دماغ سوزی اور بلند خیالی۔ بلند پروازی اور سخن سنجی کے منتخب نمونے اس زمانے میں قدر شناس اور سخن سنج حضرات کے رُوبرو ایک مجموعے کی صورت میں نہایت حسن و خوبی سے پیش ہو گئے۔ جنکی یاد دلوں سے محو ہو رہی تھی۔

ہندوستان میں آپکی تالیف قدر کے ساتھ مدت ہائے دراز تک محفوظ رہیگی۔ میں نے اس قسم کی تالیفات میں صرف تذکرۂ "آبِ حیات" کو اس دورِ آخر میں وقعت کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ مگر سچ یہ ہے کہ اُس تالیف میں جو بہت بڑی کمی تھی وہ آپنے پوری کر دی۔ جو لوگ حق تلفی کے ساتھ اُس کتاب میں باریاب نہیں ہوئے تھے۔ یا جنکی باریابی کامل نہ تھی اُسکی آپنے بہت اصلاح کر دی۔ اور اس سے اُنکی اچھی اشک شوئی ہو گئی۔

یہ خداداد ہمت تھی جو مدتِ مدید سے آپکے قلب سلیم میں ودیعت ہوئی تھی۔ آپنے نہایت استقلال سے اُس سے کام لیا اور موجودہ تالیف اُس کا خوشگوار ثمر ہے۔ آپکی محنت اور دلسوزی کا شکریہ اُردو داں پبلک کی زبانی ادا نہیں ہو سکتا۔ میں نے ہنوز اِس کتاب کو بالاستیعاب نہیں دیکھا ہے۔ مگر کچھ زمانے کے بعد میں اپنی ناچیز رائے نہایت تفصیل کے ساتھ بے تکلف عرض کرونگا۔ مجھے نہایت مسرت ہو گی اگر آیندہ حصص کی تالیف میں کوئی خدمت آپکی کر سکوں گا۔ آپ نے اُردو زبان کے ساتھ بڑا احسان کیا۔ خداوند عالم آپکو اِسکی

جزاک اللہ خیر۔ شہر سرکار والا تبار حضرت آصفجاہ خلد اللہ ملکہٗ کی بڑی عنایت ہوئی کہ انھوں نے بکمال ہنر پروری و قدر شناسی کتاب کو آپ کے نام سے معنون کرنے کی اجازت دی۔ یہ آپکی ایسی کامیابی ہے جسکی مبارکباد دیتا ہوں۔

بکمال خلوص نیاز آپکا دلی خیر طلب محمد رئیس الزمان سکرٹری راجہ صاحب محمود آباد و قیصر باغ

ریویو

از جناب منشی محبوب عالم صاحب اڈیٹر پیسہ اخبار لاہور

"تذکرہ ہزار داستان" یہ وہ کتاب ہے جس کا پبلک کو کئی سال سے انتظار تھا یعنی لالہ سری رام صاحب ایم۔ اے دہلوی کا تذکرہ شعرائے اردو۔ اس تذکرہ میں مؤلف نے یہ التزام کیا ہے کہ قدیم و جدید جتنے شاعر اردو زبان کے ہیں ان سب کا تھوڑا بہت حال معہ نمونہ کلام آجائے۔ اور اس غرض کو حاصل کرنے کے لئے مؤلف صاحب نے نہایت تلاش و کاوش سے قابلِ قدر مواد فراہم کیا ہے۔ کتاب کا تاریخی نام "خمخانہ جاوید" ہے جس سے ۱۳۲۵ ہجری نکلتے ہیں۔ ناموں کی ترتیب تخلص اور حروف تہجی کے لحاظ سے رکھی گئی ہے پہلی جلد جو حال میں چھپ کر تیار ہوئی ہے۔ اس کے اصل مضمون کے ۶۹۰ صفحوں میں صرف ردیف الف اور بے کے تخلص ہیں حضور نظام نے اس تالیف کو اپنے نام نامی سے معنون کیا جانا منظور فرمایا ہے۔ ٹائیٹل پیج دو ہیں۔ اندر کا ٹائیٹل پیج رنگین اور نہایت خوشنما چھپا ہوا شروع میں مؤلف نے اپنی دو تصویریں بھی دی ہیں۔ ایک بعنوان شباب ۱۸۹۲ء کی ہے اور ایک تازہ۔ لکھائی چھپائی میں خاص اہتمام کیا گیا ہے۔ اگرچہ کتاب میں بعض بعض فروگذاشتیں ہیں۔ بعض بعض شعرا کا نام درج ہونے سے رہ گیا ہے بعض کے حالات میں کسی قدر غلطی ہے۔ مگر ایسی باتیں ناگزیر ہوتی ہیں۔ چھپائی میں جو غلطیاں رہ گئی

اُس کے لئے غلط نامہ لگا دیا گیا ہے۔ جن شعراء کا پہلی جلد میں تذکرہ ہے اُنکی فہرست بھی آخر میں دیدی ہے آخر میں متعدّد اصحاب کی تقریظیں درج کی گئی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ کتاب فی نفسہ نہایت مفید اور بڑی عرق ریزی اور مشقت کا کام ہے اور اس سے اُردو لٹریچر میں قیمتی اضافہ ہوا۔ مطبوعہ پیسہ اخبار مورخہ ۱۴ ستمبر سنہ ۱۹۰۸ء

تقریظ منظوم و قطعہ تاریخ از منشی للتا پرشاد صاحب شاد میرٹھی سابق اڈیٹر اخبار دلشاد و نظم الہند وغیرہ و مصنف کتب متعدّدہ

پلا مجھکو اے ساقیٔ خوش جمال	پلا برف میں بادۂ کہنہ سال
چمن ہے۔ شب ماہ ہے۔ ابر ہے	خدا کے لئے اب نہ کر قیل و قال
مری آج حالت جو دیکھے کوئی	تو حیرت میں آکر کرے یوں سوال
کہ کیوں سفدر خوش ہے اے شاد تو	کہیں سے لگا کچھ ترے ہاتھ مال
کوئی تو نے جیتا ہے پالا کہیں؟	نکالی ہے شطرنج کی کوئی چال؟
کہیں مل گیا کوئی محبوب۔ یا	کسی نے پلا دی شراب وصال؟
بتا تو سہی ماجرا کیا ہے یہ	کدھر جا پڑا دھیان کیا ہے خیال؟
ابھی کل ہی کی بات ہے یاد ہے!	کہ تو پھر رہا تھا یونہی خستہ حال
زمانے نے دیکھی ہے حالت تری	کبھی خشک لب تھے کبھی زرد گال
جو ارزاں تھی وحشت ترے واسطے	تو عشرت کا تھا کل زمانے میں کال
ٹپکتا تھا چہرے سے رنج و قلق	طبیعت میں تھے جاگزیں صد ملال
مگر آج کچھ اور ہی شان ہے!	مسرت سے چہرہ بھی ہے لال لال
کبھی لیمنیڈ۔ برف کی مانگ ہے	کبھی خواہش بادۂ پرتگال
یہ کیا بات ہے یار کیا راز ہے؟	سمجھ میں نہ آیا مری کچھ یہ حال

یہ سنکر کلام اس سے میں نے کہا
کہ اے بے ادب اپنی زباں کو سنبھال

تجھے کیا خبر ہے کہ غافل ہے تو
یہ باتیں ہیں تیری حماقت پہ دال

مجھے رنج تھا اس لئے پیشتر
کہ آیا ہے فنِ سخن کو زوال

کہیں شاعری کو کہ منحوس ہے
بہت ایسے ہیں ان دنوں بد خصال

نہیں پوچھتا کوئی شاعر کو اب
ذرا بھی نہیں علم کی دیکھ بھال

جو فنِ سخن موجبِ ناز تھا
ہوا آج الٹی چھری سے حلال

جہاں سے گئے ذوق و داغ و امیر
امیر و ظفر کا ہوا انتقال

بیاں ہے نہ راسخ نہ ناسخ نہ رند
ہوا ہائے فنِ سخن پائمال

نہ سودا نہ آتش نہ غالب نہ میر
نہیں کوئی بھی شاعرِ باکمال

بہت یاوہ گو اور تنک بند ہیں
نہیں ہیں مگر ہائے اہلِ کمال

غنیمت ہیں اس وقت مضطر رسا
ریاض اور بیخود ظہیر و جلال

مبارک ہیں حالی و کیفی - افق
حسن شوکت احسن وجاہت کمال

مگر کوئی ان کا نہیں قدرداں
ہوا اس زمانے میں جینا وبال

غرض ہیں سخنور نہ اب قدرداں
لیاقت رہی اور نہ قدرِ کمال

کہاں ہیں وہ پہلے سے اہلِ نظر
صلہ میں جو دیتے تھے شاعر کو مال

مصیبت میں ہیں وائے سارے شریف
ترقی پہ ہیں اب کمین و سفال

اگر قدرداں کوئی آئے نظر
تو سمجھوں میں کیونکہ مبارک ہے فال

سنا جب سے میں نے کہ اک دہلوی
تہِ دل سے کرتا ہے قدرِ کمال

اسی وقت سے ہے مسرت مجھے
اسی وقت سے ہوں میں خندہ جمال

مجھے تھا الم بیشتر - بیشتر
بچھا تھا غم و رنج کا گرد جال

پرانی خوشی عود کر آئی پھر
مجھے چاہیے بادۂ کہنہ سال

اسی واسطے میں کا طالب ہوں ہیں　　اسی واسطے یاد آیا کلال
مجھے اب یہ کہنا ضروری ہوا　　کہ ہے کون وہ قدردانِ کمال
وہ مشہور لالہ سری رام ہیں　　نجیب و شریف و عدیم المثال
فہیم و سخن سنج اور نکتہ داں　　نثارِ کمال اور اہلِ کمال
لیاقت میں عالم زمانے کے دنگ　　امارت میں قارون بھی آشفتہ حال
الٰہی وہ دائم رہیں با مراد　　الٰہی وہ زندہ رہیں لاکھ سال
انھیں نے بنایا ہے یہ تذکرہ　　ہر اردو کے شاعر کا لکھا ہے حال
یہ مژدہ ہے کیا کم مسرت واسطے　　کہ زندہ ہوا نامِ اہلِ کمال
بڑی عرق ریزی کا ثمرہ ہے یہ　　اسے دیکھ کر میں ہوا ہوں بحال
وہ پہلی بھی یہ دوسری جلد ہے　　لکھیں گے ابھی اور بھی چند سال
سخن گو اگر آسماں مان لیں　　تو اسکو کبھی اس کا سمجھو ہلال
کہا ہاتفِ غیب نے شاد سے　　کہ چھاپا ہے کیا تذکرہ بے مثال

۱۹۶۶ بکرمی

دیگر

منشی والا ہمم شیریں مقال　　خاکسار نکتہ سنج و خوش خصال
عالم بے مثل و یکتا و لئیق　　فاضل و اہلِ امارت نیک فال
کرد تالیف و رقم ایں تذکرہ　　محترم و سرور شد اہلِ کمال
سالِ طبعش گفت ہاتف شاد را　　بے مثال و بے بدل ہست ایں کمال

۱۳۲۷ ھ

دیگر

تذکرہ کس نے یہ لکھا اچھا　　خوب جسے کہتے ہیں اچھا اچھا
اہلِ دہلی کا بھلا ذکر ہی کیا　　نیک کہتے ہیں اچھا اچھا
ان کا انداز کیا [illegible]　　صورت اچھی ہے سراپا اچھا
کیا قدر اعلیٰ ہے [illegible]　　بار و ثمر [illegible] پایا اچھا
[illegible] کی [illegible]　　[illegible] اچھا

دیکھیں موسیٰ تو گریں غش کھا کر	طور سے ہے جلوہ اچھا
اہل فن آج بتاتے ہیں اسے	ساری دنیا سے نرالا اچھا
سچ تو یہ ہے کہ بنسبت اس کی	کوئی بھی کام نہ ہوگا اچھا
تھوڑے داموں میں یہ سستی لی ہے	مال قسمت ہی سے پایا اچھا
مصرعہ سال لکھو تم اسے شاد	ہے گلستانِ سخن کیا اچھا

۱۳۲۷ھ

تقریظ مع تاریخ از فکر لطیف شاعر شیریں سخن جناب سید شرافت علی صاحب کشفؔ اکبرآبادی

جہاں میں شور ہے منشی سری رام	بڑا جوہر شناس اہل فن ہے
لیاقت میں ہوا ایم اے سے بھی پاس	سعادت جو شریفوں کا چلن ہے
فطانت اس جواں کی ہے قیامت	متانت صورت پیر کہن ہے
طلاقت اس کی ہے جادو کی پتلی	جواب سامری یہ سحر فن ہے
عبارت دیکھئے گا تذکرے کی	کہ جو میدان ہے صحن چمن ہے
ملاحت ہے حلاوت بھی ہے اس میں	کہ شور بلبل شیریں سخن ہے
مسجع و مرصع و مقفیٰ	پسند دلپذیر اہل فن ہے
سنوارا ہے ہر اک فقرے کو ایسا	کہ پہلی رات کی گویا دلہن ہے
کہیں گلہائے مضموں ہیں شگفتہ	کہیں گل چینی باغ سخن ہے
کہیں چوٹی کے مضموں ہیں مسلسل	کہیں پیچیدہ زلف پرشکن ہے
کہیں وصف گل و لالہ کے مضموں	کہیں ذکر محبت غنچہ دہن ہے
کہیں شمشیر ابرو ہے برہنہ	کہیں وصف لب سیمیں ذقن ہے
کہیں اٹھتی جوانی کے ہیں چرچے	کہیں معنی میں کوئی بانکپن ہے
کہیں مضموں ادا و ناز کے ہیں	کہیں تیر نظر ناوک فگن ہے

کہیں ہجر و شبِ فرقت کے مضموں — کہیں مرغِ سحر سے کچھ چلن ہے
کہیں ہے جدّتِ حسنِ معانی — کہیں ٹکسالی سکّہ کا چلن ہے
کہیں ہے چُستیِ بندش کی خوبی — کہیں لفظی نشستِ اہلِ فن ہے
بھری رکھّی ہے خوشبوئے معانی — جوابِ نافۂ مشکِ ختن ہے
یہ الفاظ و معانی کہہ رہے ہیں — پری زادوں کی زلفِ پرشکن ہے
جُدا ہے الغرض ہر پھول کی بُو — عجب گلدستۂ باغِ سخن ہے
ہُوا ہے یہ بڑا کارِ نمایاں — یہ کچھ تائیدِ ربِّ ذوالمنن ہے
جِلائے سینکڑوں مُردے پُرانے — مسیحائی کا اُس کو یاد فن ہے
بہت ایسے کہ اُن کی قبر تو کیا — نہ ہڈّی ہے نہ اک تارِ کفن ہے
اُنہیں زندہ بنا کر لا دکھایا — جسے دیکھو وہ شمعِ انجمن ہے
امیر و داغ و آزاد و انور — اسیرِ آرزو کی انجمن ہے
اسیرِ اکبر آبادی و آغا — جو ہے وہ انتخابِ اہلِ فن ہے
ہر اک اپنے زمانے کا وہ لائق — کہ گویا طوطیِ شکّر شکن ہے
ہر اک یکتا و حبیبِ عصر گزرا — ہر اک سلطانِ اقلیمِ سخن ہے
یہ سب جلوے نظر آتے ہیں یکجا — بڑی دلچسپ گویا انجمن ہے
کہوں تاریخ کیا اس تذکرے کی — ورق ہر اک ہزارہ کا چمن ہے
سنِ ہجری کہا ہاتف نے گشتہ — نشانِ قائمِ بزمِ سخن ہے

قطعہ تاریخ بطریق تقریظ از قلم گوہر رقم جناب حاجی محمد اسمعیل خان صاحب
المتخلص [illegible] ملقب بہ بلبل ہندوستان تلمیذ رشید منشی امیر اللہ تسلیم لکھنوی

[illegible] جلوہ [illegible] — دیکھو تذکرۂ جہاں میں ہے عجیب [illegible] بہار

بنگئی مشاطہ ہے بادِ صبا گلزار میں ۔۔۔ نوجوانانِ چمن کا ہے عروسانہ سنگار
نرگس و سوسن کہیں پر ہیں کہیں نیلوفر ۔۔۔ سنبل و ریحاں کہیں پر ہیں کہیں پر لالہ زار
بلبلوں کے چہچہے سن سن کے گل ہیں باغ باغ ۔۔۔ خندۂ گل ہیں ادائیں دلبری کی ہیں ہزار
سبزہ بھی انگڑائیاں لیتا ہے مستوں کی طرح ۔۔۔ دیدۂ نرگس کی حیرت سے عیاں ہے انتظار
ساغرِ مے کی بصورتِ گل ہوا آتی ہے نظر ۔۔۔ شبنمی سے تازہ ہو جاتی ہے روحِ بادہ خوار
اس ہوائے سرد اس کالی گھٹا کو دیکھ کر ۔۔۔ کیا عجب آتی ہو دل میں شیخ کے بھی بار بار
پاکدامانی و زہد و عقل و تقویٰ سے چھوڑ کر ۔۔۔ بادہ خواروں میں چلیں پینے ہیں ان کے یار
پہلے جو پہلے چھوٹا سا ساغر بھر کے دے ساقی مجھے ۔۔۔ تا دلِ بیتاب سے مضطر ٹھہرے دم بھر قرار
مجھکو لکھنا وصف ہے خمخانۂ جاوید کا ۔۔۔ آ پڑی ہیں یاد کتنی دل سے آپ اپنی کا تار
خوبیٔ قسمت سے اک پیدا ہوئے ہیں قدرداں ۔۔۔ تذکرہ لکھا جنھوں نے شاعروں کا باوقار
بے تکلف نام نامی کو بتاؤں کس طرح ۔۔۔ صاف آ سکتا نہیں اس بحر میں ہے زینہار
پہلے لالہ پھر سری پھر رام پھر منصف لکھو ۔۔۔ جمع پھر الفاظ سب ہوں نام ہو جب آشکار
دی لیاقت اہلِ دولت بامروت خوش خصال ۔۔۔ کم نظر آتے ہیں ایسے زیبِ بزمِ روزگار
تذکرہ لکھا ہے جس خوبی سے کیا تعریف ہو ۔۔۔ منہ ہے چھوٹا یہ بڑی ہے بات مشکل ہے دوچار
رونقِ بزمِ جہاں اک جلد چھپ کر ہو چکی ۔۔۔ اک نظر میں نے بھی دیکھی تھی کہیں اکبار
کاغذ اچھا تھا چھپی تھی صاف خط پاکیزہ تھا ۔۔۔ حال ہر شاعر کا لکھا تھا قرینِ اعتبار
نقطے نقطے سے عیاں تھی صورتِ نجمِ فلک ۔۔۔ ہر کشش پر شیفتہ قوسِ قزح کی تھی بہار
دائروں کی گر ہلالِ عید سے تشبیہ دوں ۔۔۔ کیا عجب ہمشکل ہونے پر ہو پیدا افتخار
رشکِ حسنِ کہکشاں تھا جلوۂ بین السطور ۔۔۔ زلفِ حورِ خلد الفاظِ مسلسل پر نثار
شاہدِ معنی کی وہ بانکی ادائیں دلفریب ۔۔۔ دیکھتے ہی خود بخود بے اختیار آتا تھا پیار
روشنی ہر صفحہ میں ایسی کہ جسکو دیکھ کر ۔۔۔ آفتابِ صبحِ روزِ وصل بھی ہو شرمسار

فقرہ ہر اک بشکلِ موجِ حوضِ کوثر ہے عیاں
دوسری بھی جلد چھپکر اب قریب الختم ہے
کشتیٔ مے کی طرح پیشِ نظر جب آئیگی
دائرہ ہر ایک ہوگا ساغرِ مے سے سوا
دیکھکر اُسکے بیاضِ صفحہ کو شرمائیگی
اُسکے ہر فقرے سے پیدا ہوگا جوشِ موجِ مے
پڑھنے میں ہوگی صدائے قلقلِ مینا کی دھن
شاعروں کو چاہیئے اب اُسکے سجدے کریں
اک قصیدہ پیش کرنا مدح میں اُسکی مگر
خوبیٔ تقدیرِ برگشتہ کو دیکھو تو سہی
کیا کہوں کیونکر کہوں دل ہی نہیں قابو میں ہے
حضرتِ ... کی تاکیدوں سے عاجز ہوگیا
فکر میں تاریخ کی بیٹھا تو یہ دل نے کہا

ہر ورق میں نکہتِ گلزارِ جنت کی بہار
اُسکے جادے پر نگاہِ شائقاں ہوگی نثار
کیا عجب مشتاق ہو دنیا برنگِ بادہ خوار
دیکھتے ہی اسکو جھک جائیگا ہر ایک میگسار
پانی پانی ہوگی حسنِ دخترِ رز کی بہار
قطرۂ مے کے ذرّے بنکر ہونگے نقطے آشکار
کوئی دم مسرور ہوگا جو سنیگا دلفگار
تا قیامت نام دنیا میں رہیگا برقرار
آجکل میری طبیعت میں ہے بیحد انتشار
قیصر کہتا ہے زمانہ صبر کر ہوں بیقرار
رنجِ مرگِ دوستاں سے چشمِ تر ہے اشکبار
اس لیئے اشعار موزوں کر دیئے سب چہار
قیصر لکھ دو شاعروں کی پوری ہو یادگار
۱۳ ۲۹

ریویو قمرزدہ اڈیٹر اخبار ہندوستان لاہور

جو لوگ اردو زبان کو اپنی قومی میراث کہا کرتے ہیں وہ چشمِ بصیرت سے دیکھیں کہ لالہ سری رام ایم اے منصف دہلوی نے اردو زبان پر وہ احسان کیا ہے جو بڑے سے بڑے حامی اردو مسلمان سے نہیں ہوسکا۔ تذکرۂ ہزار داستاں جس کا تاریخی نام خمخانۂ جاوید ہے اسکی پہلی جلد ۱۳۲۲ ۲۹ کے ۶۸۹ صفحہ پر شائع ہوگئی ہے۔ جس میں اردو زبان کے ۶۶۹ شعرائے قدیم و جدید کا کلام اور مختصر حالات درج ہیں شاعروں کی ترتیب ردیف وار ہے اور اس جلد میں صرف الف اور بے کی ردیف

اسکی ہے جس سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ کل کتاب ضخامت کے لحاظ سے اُردو علم ادب کے تذکروں میں سب سے اول نمبر پر ہوگی جسے اُردو لٹریچر کا انسائیکلوپیڈیا کہنا بیجا نہوگا۔ ہر دور کے شعراء کا منتخب کلام یکجا اور باترتیب دیکھنے کے مشتاق کو اسکی خریداری میں ذرا تامل نکرنا چاہیئے ﴿ (از پرچہ مطبوعہ ۳۰ جولائی ۱۹۰۹ء)

قطعہ تاریخ از سید امجد علیخان صاحب نبیرہ نواب مختار الدولہ و نجم الدولہ سید ابوالقاسم خان و نواسہ نواب امیر الدولہ حیدر بیگ خان وزیر سلطنت اودھ

ہیں سپہر رالم اک رئیس ذی وقار و باکرم — تذکرہ کیا خوب تالیف اُس سخنور نے کیا
کہتے ہیں "خمخانۂ جاوید" اس تصنیف کو — نام تاریخی ہے اُس کا سالِ ہجری ہیں عیاں
گو سرور افزائے اہلِ ذوق ہوگی میکشی — شرع کے پابند کو کام ایسے میخانے سے کیا
جب سنے اسکے لطائف میرے گوشِ شوق نے — دل میں آیا دھیان اُسکی طبع کی تاریخ کا
عیسوی سال اُس کا واحسنتہ قلم برداشتہ — اُلفتِ خمخانۂ جاوید بس ہے۔ لکھدیا
۱۹۰۸

قطعہ تاریخ بطرز تقریظ از تصنیف لطیف ناظم بے مثال شاعر نازک خیال منشی پیارے لال صاحب رونق دہلوی اڈیٹر کمال دہلی تلمیذ رشید مولانا ناسخ

شکر ایزد کہ پھر بہار آئی — گوہر افشاں ہے ابرِ نیسانی
رشک افزائے خوابِ مخمل ہے — نزہتِ سبزۂ گلستانی
ہے ہر اک گل نمونۂ قدرت — ہر ورق میں ہے شانِ یزدانی
برگ برگِ گلِ شگفتہ سے — حرف حرفِ کتابِ عرفانی
فرقِ گل پر ہے تاجِ شاہانہ — زیبِ تن ہے قبائے سلطانی
ہے عروسانِ گل کی مشاطہ — موجِ بادِ نسیمِ نیسانی

فرقِ گل پر نسیم کرتی ہے / پنجۂ موج سے مگس رانی
سلکِ گوہر ہیں قطرۂ باران / سائباں ہے سحابِ نیسانی
دیکھ کر خندۂ لبِ گلبرگ / صدقے ہوتے ہیں لالِ رمّانی
اللہ اللہ فیضِ بادِ بہار / اوس کرنے لگی دُر افشانی
پھر نوید نشاط لائی نسیم / پھر ہوئی عیش کی فراوانی
مژدۂ انبساط پھر پہنچا / پھر دلوں سے مٹی پریشانی
روزِ عید الفطر ہے پھر ہر روز / پھر مہِ نو کی ہے درخشانی
چھا گئی پھر چمن پہ گل رنگی / اُڑ گیا رُخ سے رنگِ حیرانی
بن گیا ہے ترانۂ عشرت / نغمۂ بلبلِ گلستانی
گا رہا ہے ہر اک خوشی کے راگ / دے رہی ہے مزا غزل خوانی
کچھ تو ہے اس نشاط کا باعث / کس سبب [illegible] تان کی ارزانی
جس کا شوقِ لقا تھا مدت سے / جسکی تھی [illegible]
عالم افروز ہوگیا وہ مہر / ہر طرف اسکی ہے درخشانی
آ سکے پر تو لے کر دیا یکسر / دلِ اہلِ سخن کو نورانی
وصف میں اسکے ہم بھی دیکھینگے / توسنِ طبع تیری جولانی
زینتِ دہر ہے وہ میخانہ / دور جس کا شرابِ نورانی
چھپ گیا ہے وہ تذکرہ جس کا / صفحہ صفحہ ہے فیضِ روحانی
نقطہ نقطہ ہے گوہرِ یکتا / لفظ لفظ اس کا لالِ رمانی
دود ہیں رشکِ کہکشانِ فلک / غیرتِ آفتاب پیشانی
حسن بین السطور ظاہر [illegible] / جلوۂ موجِ بحرِ نورانی
[illegible] سے خجل الماس / آب سے آب [illegible] آئینہ پانی

کھینچنی چاہیے اُسکی گر تصویر — زنگ رہ جائے خامۂ مانی
لاجواب انتخاب میں ہر شعر — مصرعہ مصرعہ ہر ایک لاثانی
انتخابِ سخن ہے دادِ طلب — ہے عیاں جوہرِ زباندانی
مردمِ چشم کو سوادِ خط — بن گیا سرمۂ سلیمانی
ہیں وہ اشعار صاف و پاکیزہ — جن سے حاصل ہو لطفِ روحانی
ہوں مؤلف کے کیا بیاں اوصاف — حسن و خوبی میں فرد و لاثانی
ہیں سر برآمد ماہر ہر فن — ختم ہے آپ پر سخندانی
ذاتِ عالی ہے مجمع اوصاف — اور ہر فن میں آپ لاثانی
پاسبان اُنکے گھر کے فضل و ہنر — ذی ہنر پر ہے فرض دربانی
اُن کا کوچہ ہے خاص دار العلم — اُنکی صحبت ہے فیض ربانی
دل نوازی شعار ہے اُن کا — اور مہماں کی فرض مہمانی
اُنکی محفل میں روز رقص و سرود — اور ہر شب ہے جشن سلطانی
رونقِ جلسۂ علوم و فنون — زینتِ محفلِ سخندانی
کام مشکل سے تھا جو مشکل تر — کر دکھایا ہے وہ بآسانی
وہ کیا تذکرہ عجیب و غریب — انتخابِ جہاں و لاثانی
کھل رہا ہے کہیں سخن کا چمن — ہے کہیں نثر کی گل افشانی
بھولے بھٹکوں کو راہ پر لائے — شاعروں کے ہیں خضرِ ویرانی
حال سے جنکے بیخبر تھا جہاں — کھل گیا اُن کا رازِ پنہانی
سو گئی دامنِ محبت میں — تھی جو اُردو کو پہ دریش پانی
سچ تو یہ ہے بڑا ہی کام کیا — بات پوچھو تو ہے ید ابیانی
منحرف ہوں جو اُنکی خوبی سے — ہے سراسر یہ اُن کی نادانی

تاقیامت رہے مؤلف کے
ختم کر سب پہ ہیں سخن رونق
یہی تقریظ ہے یہی تاریخ

دیگر

ہے سری رام کا جہاں مداح
خوبیاں اسکی ہوگئیں روشن
واقعی تھی یہ آپ کی ہمت
بچ گئے شاعروں کے خضر و مسیح
روح پھونکی زبانِ اُردو میں
شکر اس کا ادا ہو کس منہ سے
کیوں نہ مقبولِ عام ہو یہ کتاب
سن لو تاریخ طبع رونق سے

دیگر

وہ لکھا سری رام نے تذکرہ
نہ ہو فیض یاب اس سے کیوں اک جہاں
کیا ذکر ہر نغمہ گفتار کا
کیے منتخب وہ معنی ہیں بلند
دکھایا وہ اعجاز حسنِ رقم
نہوں مست کیوں جرعہ نوشانِ علم
سر آنکھوں پہ رکھیں گے وہ شوق سے
سُنا دو یہ تاریخ رونق اُنہیں
گُلِ معنی تازہ سے سر بسر

شاملِ حالِ فضلِ یزدانی
تاکہ مضمون ہو نہ طولانی
تذکرہ لاجواب و لاثانی
کیا ہی نایاب تذکرہ لکھا
اِک زمانے پہ مثلِ آئینا
سچ تو یہ ہے بڑا ہی کام کیا
کردیا اُن کے نام کو زندا
ہر سخن بن گیا زبان گویا
شاعروں پر کرم جو فرمایا
درحقیقت ہے تذکرہ یکتا
دفترِ شاعراں چھپا اچھا
عیاں ہوگئی جس سے شانِ سخن
یہ ہے معدنِ علم و کانِ سخن
نہ چھوڑا کوئی خوش بیانِ سخن
زمیں بن گئی آسمانِ سخن
بنے نوحہ گو مدح خوانِ سخن
یہ خمخانہ ہے میکشانِ سخن
جو دیکھیں گے دل دادگانِ سخن
جو ہیں حامی و قدردانِ سخن
ہے آراستہ بوستانِ سخن

تقریظ دلپذیر از طبع وقاد و ذہن نقاد بابو چندی پرشاد صاحب شیدا دہلوی تلمیذ رشید مولانا راسخ دہلوی

نوید جانفزا ہو کر خبر لائی کس گل کی
الٰہی کون ہے وہ روح پرور شاہد رعنا
ذرا دیکھو تو ہے کس اوج پر حسن فلک رفعت
بنا ہے ماہ پلے کا گویا سلسلہ داران محشر سے
ہزاروں راز اسکی اک خموشی سے نکلتے ہیں
بہار بیخزاں قربان ہوتی ہے کف پا پر
زبانے ہیں ہے یہ کس شان پر حسن صفا پرور
ہزاروں رنگ کے پھولے چمن اس میں نظر آئے
مضامین جو زبان رشک بتان شوخ و پرفن ہیں
دکھائے سوز پنہاں کے کرشمے کس صفائی سے
بیاں ہے سر بسر اسمیں گنہگاران الفت کا
نظر آتے ہیں کیا کیا عاشق معشوق کے جلوے
کہیں تعریف حسن روح افزا کی قیامت ہے
کہیں فرقت کہیں عشرت کہیں خلوت کہیں جلوت
کہیں رشک رقابت ہے کہیں سامان عشرت ہے
حجاب چشم بد بیں سے بری ہیں خوش بیاں اسکی
نکالے کیوں نہ پر پرزے نخست کے طائر مضمون
بنے ہیں خضر رہ لالہ سری رام آج عالم میں

تبسم صبح کے جلوے سے ہیں ہر رنگ گلستانی
بنا خورشید محشر جس کا نور صبح پیشانی
کہ کرتا ہے ہلال عید جامہ کی گریبانی
ہوئے عمر خضر طول امل گیسوئے طولانی
معمہ ہیں دہن کے بھر دیئے اسرار پنہانی
رخ رنگیں پہ گلزار ارم کی ہے گل افشانی
ہمائے بخت یاور جسکی کرتا ہے نگہبانی
بنی ہے تختۂ فردوس منظر لوح پیشانی
سحاب حسن سے ناز و ادا کا کھیت ہے دھانی
کہ جسپر انوری و آہی ہوئے عرفی و خاقانی
وہ جنکے دامن تر میں نہاں ہے پاک دامانی
کہیں رنگ نزاکت ہے کہیں طرز گرانجانی
کہیں عشاق سرگشتہ کا ہے ذکر پریشانی
غرض ہر رنگ کی اسمیں دکھائی ہے فراوانی
کہیں محشر کا دن ٹھہرا شب فرقت کی طولانی
کسی پردے سے چھپ سکتی نہیں شعلہ کی عریانی
کھلایا ہے پلایا ہے نیا دانہ نیا پانی
پلایا شاعران ہند کو آب بقا پانی

فنا کا دخل کیا خمخانۂ جاوید کے آگے — حیاتِ جاودانی کر رہی ہے گھر کی دربانی
مکمل ایک اردو شاعروں کا تذکرہ لکھا — دکھا دی خلق کو لفظ و معانی کی فراوانی
ذرا دیکھو تو اسکو ہمتِ مردانہ کہتے ہیں — اٹھایا بار اتنا دوش پر اپنے بآسانی
اسی میں صرف کی ہے اپنی اوقاتِ گرامی — سبب سے پھر کیوں نہ مہر کبریائی تو پیشانی
فراہم حال سارے شاعرانِ ہند کا کرنا — کچھ آساں تھا یہ ہمت ہو گئی تائیدِ یزدانی
بڑی تحقیق سے لکھا ہے ہر اک کا کلام اس میں — دکھائی اشہبِ طبعِ رواں کی خوب جولانی
چنے ہیں مثلِ گلشاں واہ کیا اشعار برجستہ — وہ چمن منتخب ہے آب گوہر بھی بھرے پانی
سخن فہمی سخن دانی سے مشکل چن رہا ہیں — زرِ خالص پرکھ سکتا نہیں کوئی بہ آسانی
منتخب کا حافظہ ہی شعر ہیں تو کیا زباں لاکر — بجا ہے اس معانی میں جو کہتے فیضی ثانی
نظر میں ہے خیالِ مختصر فکرِ سخن گستر — مشرح گر کہوں تو عرض ہو جائیگی طولانی
کہاں تک ہے کہاں یہ تذکرہ خاموش اے شیدا — کہ بس چپ ہو یا اللہ بڑی باتیں کہیں باقی ہے نادانی

قطعۂ تاریخ بطرز تقریظ از نتیجۂ افکار شاعرِ بے نظیر خوش تقریر جناب منشی گور شنکر صاحب قمیر تلمیذ حضرت سید ظہیر الدین صاحب ظہیر دہلوی

گیا ذہن اس جا سر سر اہم کا — جہاں جا نہ سکتا تھا وہم و گمان
لکھا تذکرہ اک عجیب و غریب — کہ ہے دیکھتے ہی جسے قاصر زبان
کھلے ہیں چمن اس میں و تازہ تر — بنا تذکرہ رشکِ بوستان
ہر اک شعر ہے انتخابِ سخن — ہر اک مصرعِ تر ہوا دستان
کشش سے بہارِ معانی کی یہ — دل و جاں سے ہیں اہلِ الفت رواں
فراہم ہے سب شاعروں کا کلام — ہر اک کا نرالا ہے رنگِ بیان
شگفتہ ہے کیا ہر غزل بر محل — کہ ہے موجِ گلزارِ باغِ جنان

خجل کیوں نہ ہو اس سے باغ ارم
بھری ہیں قیامت کی رنگینیاں

معانی ہیں شستہ زباں صاف صاف
یہ اردو ہے مقبول ہندوستاں

دکھایا وہ انداز نوک قلم
دل اہل عالم ہیں لیں چٹکیاں

قبہ بنا ہوا جام آب حیات
یہ ہے دوستوں کے لیے ارمغاں

جھکی جس سے پیر فلک کی کمر
اٹھایا ہے وہ سر پہ بار گراں

ہر اک مصرعہ تر ہے رشک چمن
ہر اک نظم ہے نظم گیتی ستاں

وہ ہے نقش کھینچا ایک دلسوز سخن
دکھایا جہاں رنگ آہ و فغاں

دکھائی ہے وہ سادگی میں بہار
نہ دیں داد کیوں اسکی پیر و جواں

سخنداں جہاں سکے کہیں تو بجا
سری رام کو فخر ہندوستاں

کہیں ذکر معشوق طناز ہے
کسی جا ہے سوز و الم کا بیاں

کہیں ہیں معانی ہیں سوز و گداز
کہیں وصل و فرقت کی ہے داستاں

یہ ہے خوان تازہ مضامین کا
جو تھے میہماں ہو گئے میزباں

دکھایا اثر وہ مے نظم نے
ہوا دیکھکر مست سارا جہاں

نہوں اس سے سیراب کیوں تشنہ لب
یہ "خمخانہ" ہے ساغر میکشاں

ہر اک شخص کیف سخن سے ہے مست
بنا آج خمخانہ پیر مغاں

کھلایا ہے سر سبز ایسا چمن
نہیں جسکو تا حشر خوف خزاں

بڑے لائق و فائق و علم دوست
یہ لالہ سری رام ہیں بیگماں

زمانے کو ہے جسکی شوکت پہ ناز
یہی ہے قابل فخر وہ خانداں

چھپا ہے عجب شان کا تذکرہ
ہوا دیکھکر ہر بشر شادماں

کیا نام لالہ سری رام نے
کہ ہے مدح خواں ان کا سارا جہاں

ہیں لکھنے لگا اسکی توصیف جب
قلم یکقلم ہو گیا ہمزباں

مجھے فکرِ تاریخ جس دم ہوئی — ندا آئی یہ غیب سے ناگہاں
ہو گر عیسوی سال لینا قصیر — تو لکھ چھپ گیا تذکرہ دستاں
۱۹۱۱

دیگر

جناب لالہ سری رام محسنِ اردو — کتاب نادر و نایاب و بے نظیر نوشت
چو سالِ خاتمۂ طبع آں ہمی جستند — جاوید تذکرہ شاعراں قصیر نوشت
۶۸ ۱۹

تقریظ از قلم جادو نگار منشی سید اصغر علی بلگرامی بی اے نائب تعلقدار ریاست حیدر آباد دکن

جلد اول خمخانہ جاوید مع سرورق مکمل ہو گئی خدا خدا کر کے برسوں کی محنت ٹھکانے لگی۔ خدا آپ کو جزائے خیر دے اور کامران و فائز المرام کرے۔ فی الحقیقت یہ تذکرہ کیا ہے ایک باغ ہے سر سبز و شاداب جس میں گلبن ہزار در ہزار میوہ دار درخت۔ بیشمار زمین سراسر سبزہ زار۔ بہت حوض بہت نہریں۔ مٹی نظر نہیں آتی۔ سبزہ یا لہریں بلا شائبۂ جنبہ داری میری رائے یہ ہے کہ آپنے تذکرہ لکھکر ایک نہایت مستبعد اور اہم کام کو آسان کر دکھایا ہے اور قوم پر ایسا لاجواب احسان کیا ہے جس سے وہ ہرگز عہدہ برآ نہیں ہو سکتی۔ اور جس بے نفسی سے ساتھ آپنے اس کنٹر و بیل راہ میں کام فرمائی کی ہے وہ صرف آپ ہی کا حصہ تھا۔ حساد تو اپنے تقاضائے طبیعت سے مجبور ہیں انھیں یونہی آتش حسد میں جلنے دیجئے سے ہر کسے را بہر کارے ساختند

حقیر آپ کا خیر سگال اور آپکی قدر دان کا دعا گو ہے۔

اقتباس از تحریر عالیجناب چودھری خوشی محمد صاحب گورنر صوبہ کشمیر

آجکل نیاز مند خمخانۂ جاوید کی ترجمہ نویسی میں مصروف ہے۔ آپنے اس نادر تصنیف

سے اہلِ ملک پر ایسا احسان کیا ہے جس کا شکریہ ادا نہیں ہو سکتا ع آفریں باد بریں ہمتِ مردانہ تو ۔ آپکی اس محنت کی بدولت بہت سے گمنام اہلِ کمال کی خدمت میں نیاز حاصل ہو گیا ۔ آپنے مختصر الفاظ میں نقادی اور سخن فہمی کی داد دی ہے سید شجاع الدین انور دہلوی کے دیدار سے دیدۂ ناظر مسرور ہوئے ہیں ۔ افسوس کہ یہ باکمال عنفوانِ شباب میں دنیا سے اٹھ گیا ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بقول آپکے اگر آج حضرت انور زندہ ہوتے تو کسی کا چراغ اُنکے سامنے روشن نہ ہوتا آپنے جو اُنکا ایک دیوان طبع کرایا ہے براہِ عنایت اُسکی ایک جلد بذریعۂ وی پی میرے نام ارسال فرمائیں ۔ حضرت انور کا کلام ۔ رنگینی ۔ تصوف بلند پروازی شوکت و شیرینی کا ایک عجیب مجموعہ ہے ۔

فرمائیے اب اوقات کس طرح گزرتی ہے اور خمخانہ کے کسقدر خم اور تیار ہو گئے ہیں ۔ اور آنے والی جلدوں کی کبتک توقع ہو سکتی ہے ۔ مجھے اندیشہ ہے کہ ناظر کا نمبر آنے تک کہیں ساقی کا نشہ ہرن نہ ہو جاتے ۔ آپکے استقلال پر ایسی بدگمانی کرنا درست نہیں ۔ ؎ مگر گردشِ فلک کی چین دیتی ہے کسے انشا کیا معلوم کہ کل کیا ہونے والا ہے ۔

ریویو پُر قرزدۂ کلک حکیم محمد ہدایت الحسن سند یافتہ مدرسہ تکمیل الطب لکھنؤ حال وارد کلکتہ

سرمایۂ نازش و افتخار جناب لالہ سری رام صاحب ایم اے دام بالاحترام ۔ تسلیم مزاج مبارک ۔ کل ایک دوست کے یہاں تذکرہ ہزار داستان دیکھنے میں آیا کتاب کی توصیف زبان و قلم کے احاطۂ قدرت سے باہر ہے اسکی خوبیوں کا کچھ اندازہ دیکھنے ہی سے ہو سکتا ہے ۔ یہ کتاب نہ صرف اُردو لٹریچر میں ایک بہترین اضافہ ہے بلکہ اُن اصحاب کے لیئے جو اُردو کی حمایت میں خالی تقریریں کرنے

انجمنیں قائم کرتے اور لاطائل رزولیوشن پاس کیا کرتے ہیں شرم و غیرت کا تازیانہ ہے۔ کسی زبان کی بہترین خدمتوں سے ایک یہ بھی ہے کہ اُس زبان کے نظم و نثر کے ماہرین کے سوانح لکھے جائیں۔ خدا آپ کی اس کتاب کو آپکے ہی ہاتھ سے تمام کرائے۔ اور آپکی عمر میں برکت دے۔ ہماری آیندہ آنیوالی نسلیں جب ہماری پولیٹیکل کشمکش کی دلچسپ تاریخ ملاحظہ کرینگی تو اُردو ناگری کی پالٹیکس پر نظر ڈالتے ہوئے خمخانۂ جاوید کے مصنف کو مسلمان نہ پاکر وہ متحیرانہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہونگی کہ ایسے زمانے میں جبکہ ہندو اقوام اُردو زبان کے مٹنے کے واسطے سرتوڑ کوشش کر رہی تھیں تو اُس میدان مبارزہ میں اُردو زبان کا احیا کرنیوالا اُردو کی مدد کرنے والا اور اُردو لٹریچر اور علم اُس کے علم ادب کے ذخیرہ میں بہترین اضافہ کرنے والا بھی ایک ہندو ہی تھا۔ میں بحالت ہجوم دہی اس قابل قدر محنت کی آپ کو غائبانہ داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا ۔ ناچیز خادم حکیم ہدایت الحسن ۵ جنوری ۱۹۰۹

اقتباس از نگارش گرامی اکمل زمان افصح دوراں عالیجناب فضیلت مآب کمالات انتسا مخدومی و مکرمی خان بہادر اکبر حسین خان صاحب اکبر الہ آبادی۔ سابق ڈویژنل جج و رئیس الہ آباد

خمخانۂ جاوید کی تالیف سے بابو سری رام صاحب ایم۔ اے۔ رئیس دہلی نے ملک اور قوم اور زبانِ اُردو پر بڑا احسان کیا ہے۔ ایسا کوئی مجموعۂ کلام شعرا ابتک مرتب نہ ہوا تھا جس میں ہر جگہ اور ہر درجہ کے شعرا کے کلام اور اُنکی سوانح عمری مندرج ہو۔ یہ کتاب زبانِ اُردو اور لٹریری مذاقِ ملک کا آئینہ ہے۔ بابو صاحب ہی کا کام تھا کہ اس زمانے میں اس کام کے لیئے اتنی محنت اور اتنا صرف کثیر گوارا فرمایا تمام ہندو مسلمانوں اور تمام اہلِ ملک کو بابو صاحب کا شکر گزار ہونا چاہیئے۔ بابو صاحب

ایک نہایت ذہین ذیعلم - خوش اخلاق - فیاض طبع - کریم النفس بزرگوار ہیں - خدا اُنکو صد ہا سال تک زندہ و تندرست اور خوش و خرم رکھے ٭ اکبر حسین ۱۱ ۲/۱۱

قطعات تاریخ از نتیجہ فکر و سادہ نشین بزم وزارت و نونہال گلشن امارت مشفقی و مکرمی جناب نواب مرزا انقی علی خانصاحب بہادر مہر رئیس اعظم خلف الرشید نواب صاحب شیش محل لکھنو

ہیں سر یرام اک کرم فرما مرے ناز کخیال ٭ جن کا ہے دور قلم بھی اک زبانی تذکرہ
آئی ہاتف کی صدا مجکو کہ کہدو مہر تم ٭ کس مزہ کا لکھدیا ہندوستانی تذکرہ
۱۹۱۱ء

دیگر

ہیں سر یرام ایک دوست مرے
جوکہ برسوں سے تھا خزاں آلود
اُنکی محنت ہی کا یہ ثمرہ ہے
بارک اللہ بڑے بڑے مضموں
ماہ کامل کی کیوں نہ آنکھ پڑے
یوں ہیں الفاظ میں چُھپے معنی
فکر تاریخ طبع جب سے ہوئی
خوف حاسد ہے مخرجہ کا سبب
اس سے خارج رہے حسد یارب

صاحب علم و واقف ہر فن
وہی تازہ کیا ہے اب گلشن
جو ہوا نخل شعر پر جوبن
اللہ اللہ نئے نئے جوبن
نئی شے ہے یہ زیر چرخ کہن
جیسے پتوں ہیں شاہد ان چمن
مہر کی ہے دعا یہ رب زمن
اور سخن سے غرض ہے باغ سخن
کیا تر و تازہ ہے بہار سخن
۱۹۱۱ء

تقریظ بزبان فارسی از نتائج افکار جواہر نثار جناب منشی سریرام صاحب جوہر رئیس دہلی و یادگار جناب صہبائی مرحوم

ثنا ہا ہمہ ایزد پاک را ٭ ثریا دہِ طارم تاک را

کہ خورشید را صورتِ جام ازوست	شرابِ شفق در خمِ شام ازوست

اما بعد بسیہ مستانِ صہبائے خمخانۂ سخنوری - و بادہ کشانِ میخانۂ معنی پروری را نوید کہ دریں ایام کہ علم و ہنر را آفتاب بر سرِ دیوار بود - و تحصیل و تکمیلش را در مساعدِ خضر رہ گم کردگانِ سخندانی - و مسیحائے بیمارانِ الفاظ و معانی - یعنی جلد اول تذکرہ خمخانۂ جاوید زیورِ انطباع پوشیدہ بچشم منتظرانِ دیدار جلوہ آرا گردید - و آں جانِ جہاں را بجلوہ در رسیدہ مشتاقانِ سخن را نور و سرور دیدہ و دل بخشید - اگر ایں را با جامِ جم نسبت دہم نسبتِ اعلیٰ ست باسفل - وادائے تمثیل سبب تحمل - زیرا کہ آں محض افسانہ ایست کہ پیشینیاں را بر زباں و ایں سرمایۂ ذوق و شوق بل راحتِ روحِ روانِ سخنورانِ زماں - آں شنیدہ است و ایں دیدہ "شنیدہ کے بود مانند دیدہ" شعرے اردو بہ تغیر لفظی مصداقِ حالِ ایں مجموعۂ دانش مالامال است کسے کہ گفتہ در شگفتہ؎

ہستی تھی جامِ جم کی گئی جامِ جم کے ساتھ	وابستہ ہے طلسم جہاں اسکے دم کیساتھ

خردمندانِ دانشور و دانشورانِ خرد پرور را اگر سر بزانوے تفکر در آرند دانند کہ لالہ **سری رام** صاحب ایم - اے مصنّف خلف الصدق آنریبل رائے بہادر **مدن گوپال** صاحب بیرسٹر ایٹ لا کوششے کہ در تلاشِ حالات و اشعار زباندانانِ اردو فرمودہ اند و سعی مشکورے کہ در تدوین ایں مجموعۂ دانش خرد سچا آوردہ انداز احاطۂ نگارش بیرون است و از اندازۂ قیاس افزوں ناچار ازاں در گزشتہ بدعائے کہ گوش سامعین بصدائے غلغلۂ آمین آمین کانِ بہرہ وری یمین و سعادت گردد می گرائیم - تا نوا سنجِ سپہر سوئی بزم آرایانِ فلک را جرعہ بخشِ بادۂ نشاط و انبساط است ایزدِ توانا ایں ساقیِ مغبطہ سخن را تا یوم التناد بحصول آرزوشِ مقاصدِ دلی رسانادہ و از آنچہ است بہ اعلیٰ مراتب علمی فائز گرداناد؎

نیاز کیش مستہام کرپا رام

تقریظ ریختۂ کلکِ گہر سلک جناب کنور بدری کرشن صاحب فروغ شاگرد رشید منشی ہرگوپال صاحب تفتہ رئیس اعظم و جاگیردار سکندرآباد و وکیل دہلی

خامه‌ام آن گریه و زاری کجاست | آن دو زبانے که تو داری کجاست
گشت زبان بند و صریرت چه شد | جوشِ دل و چشمِ بصیرت چه شد
این همه خاموش نشستن چرا | بال و پرِ خویش شکستن چرا
چون نکنی قصد سوئے آسمان | وقت هم آمد که کشائی زبان
باز نمایم درِ باغِ سخن | رخ سوئے "خمخانهٔ جاوید" کن

آوازهٔ شیرین گفتاری سخن که بگوشِ هوش جهانیان رسیده باشد چنان نباشد که پردهٔ چشمِ نیم بازِ محبوبانِ خفتگانِ ناز را برانداز د۔ و حلاوت چاشنیٔ قند مکرر معانی که زبانِ خامه چشیده باشد آن نباشد که هر روز بانش را که از عذوبت شیرین زبانی باهم چسپان گشته از هم جدا سازد۔ آنست که از و سلسلۂ گوش و چشم را باهم پیوستند۔ و این ست که شیرینیش را در کاغذ بستند۔ کمالِ علم و علمِ کمال۔ و جمالِ حسن و حسنِ جمال یکجا فراهم گردید تا وجود علم و علم وجود تابشِ آتش رخان بامتزاج باهم گردید۔ شیرین سخنی که بصدائے کامرانی موصوف ست و حلاوتِ چاشنی که باظهارِ معانی موقوف اگر بتوصیف حسنِ جهان فریب کج کلهانِ دهر کامیاب گردد مجلسے فراهم آید که بگردِ شمعش ضیارِ آفتاب گردد۔ همان ست که این بزمِ دل افروز پیشِ نظر داشته‌ام۔ و از دنیا و هر چیز یکسو باشد چشم و دل بر و داشته‌ام۔ آفتاب در پیشِ تابشِ شمعش ذره تمثال ست و ماهتاب بزیرِ ضیاءِ چراغش زاقابلِ خیال۔ مشتری انداز دلبری از حسینانش اندوخته و زهرهٔ فلک چشمِ شوق بر حسنِ ماه رخسارانش دوخته۔ تیرِ فلک در توصیفِ حسنِ حاشیه نشینانش قلم در کف و مریخ و زحل بارکانِ ثوابت و سیار پیشِ گوشه گزینانش

صف بصف چشم حقیقت بین جهانیان بنظارهٔ جمال خوبرویانش مشتاق - و تذکرهٔ
مسیحا دمی شیرین لبانش شهرهٔ آفاق - همانا بزمے که مهر و ماه سرگردانهٔ خیال گوشه
نشینیش درسر دارند - و کواکب چرخ به آرزوے نظارهٔ جمال جهان آرایش در رفتار
همین گلزاریست که از باغ ارم گوے سبقت ربوده - و غنچه هائیش چون دهان معشوقان
از خندیدگی و شگفتگی عقدهٔ دلها منحل وا نموده - سبحان الله گلستانیست همیشه بهار
و بهاریست همیشه گلزار - رشتهٔ بهاریه سلسله چاکرانش جز صفت ورد ستایشش غایت
در رم تا خریده و خزان از محرومی طالع خویش بجا بانش بار نیافته در مغاک عدم رسیده
در حیرتم که من بیچه خیال و خامه ام در چه فکر مبتلا گشته که این مجموعهٔ سخن گاهے به بزم
طرب و وقتی به گلزار بهار و ساعتی به بزم دل افروز آشنا گشته - اے فروغ
ژولیده بیان نمیدانی که این گلستان معانی و بزم خیال چه نام دارد که سخن سرایان
شیرین کلام و رندان مے آشام را نور چشم و سرور در مشام دارد - همانا نامش
خمخانهٔ جاوید مشهور - تذکرهٔ هزار داستانست و هر فرد بشر که بهره از سخن سنجی
دارد خریدارش بجان است - مضامینش بآن پایه رسیده که افلاکیان را دل و
جان بجانب خود کشیده - در حقیقت شاهدیست که از هر ادائے معشوقانه و اندازِ دلربا
صفحهٔ اوراق زمانه را از هم دریده - الفاظ مسلسلش چون زلف مشکین مویان دلها را
بخود آویخته و بین السطورش مانند رخسارهٔ پری رویان گرد است بچهرهٔ آفتاب بیخته نیست
که بتحریر و ترتیبش پرداخته - و دل و جان را بنظم و انتظامش وقف ساخته - خامه اش را
اگر به کلک عطارد متا [illegible] بتخصیص زمین انداخته باشم و بیک
انداختن تحریرش [illegible] ستارگان چرخ به تقابل آورده باشم نظر فلک رسا را از آسمان
بستاره آب [illegible] برده باشم [illegible] ست و از نتائج طبع وقاد
لاله سیرام صاحب [illegible] بوجود پدید آمده و کلک قضا و قدر از پیے